

ایک جامع
قرآنی وعظ

ایک جامع ترین قرآنی آیت کی مفصل و مبسوط اور مستند تفسیر و تشریح
اور اسلام کی انسانیت نواز، روح پرور تعلیمات کا بہترین مرقع

مرتب:
مفتی محمد سلمان منصورپوری
جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ
بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
یٰٓاَیُّہَا النَّاسُ قَدْ جَآءَ تْکُمْ مَوْعِظَۃٌ مِنْ رَّبِّکُمْ وَشِفَآءٌ لِمَا فِی الصُّدُوْرِ، وَھُدًی وَرَحْمَۃٌ لِلْمُؤْمِنِیْنَ. [یونس: ۵۷]

ایک جامع

قرآنی وعظ

ایک جامع ترین قرآنی آیت کی مفصل ومبسوط اور مستند تفسیر وتشریح
اور اسلام کی اِنسانیت نواز روح پرور تعلیمات کا بہترین مرقع

تحریر:
(مفتی) محمد سلمان منصورپوری
خادم فقہ وحدیث جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد
ومرتب ماہنامہ ’’ندائے شاہی‘‘ مرادآباد

ناشر:
المرکز العلمی للنشر والتحقیق مرادآباد
تقسیم کار:
فرید بک ڈپو (پرائیویٹ) لمٹیڈ دہلی

[سلسلہ ''نظر وفکر'' نمبر:۴]

○ نام کتاب : ایک جامع ''قرآنی وعظ''

○ ترتیب : مفتی محمد سلمان منصور پوری

○ کمپیوٹر کتابت : محمد اسجد قاسمی مظفر نگری

○ ناشر : المركز العلمي للنشر والتحقيق، لال باغ مرادآباد

09412635154 - 09058602750

○ تقسیم کار : فرید بک ڈپو (پرائیویٹ) لمیٹڈ دریا گنج دہلی

011-23289786 - 23289159

○ اشاعتِ اول : ۱۴۳۶ھ مطابق ۲۰۱۵ء

○ صفحات : ۷۲۸

○ قیمت : 450/روپئے

ملنے کے پتے:

○ مکتبہ صدیق نزد دارالطلبہ لالباغ مرادآباد

○ کتب خانہ یحیوی محلّہ مفتی سہارن پور

○ کتب خانہ نعیمیہ دیوبند

❑❖❑

اَعُوذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ قَدْ جَآءَ تْکُمْ مَوْعِظَةٌ مِنْ رَّبِّکُمْ وَشِفَآءٌ لِمَا فِی الصُّدُوْرِ، وَھُدًی وَرَحْمَةٌ لِلْمُؤْمِنِیْنَ.

[یونس: ۵۷]

ترجمه

اے لوگو! تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے نصیحت آ چکی ہے،
اور دلوں کی بیماریوں کے لئے شفاء اور اہلِ ایمان کے لئے ہدایت ہے۔

اِنَّ اللّٰہَ یَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالإِحْسَانِ وَاِیْتَآءِ ذِی الْقُرْبٰی وَیَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْکَرِ وَالْبَغْیِ، یَعِظُکُمْ لَعَلَّکُمْ تَذَکَّرُوْنَ.

[النحل: ۹۰]

ترجمه

بے شک اللہ تعالیٰ اِنصاف، بھلائی اور رشتہ داروں کو دینے دلانے کا حکم کرتا ہے اور بے حیائی،
نامعقول کام اور ظلم وسرکشی سے منع کرتا ہے، اور تم کو سمجھاتا ہے؛ تاکہ تم یاد رکھو۔

باسمہٖ سبحانہٗ تعالیٰ

عرضِ مرتب

الحمد للّٰہ الذي هدانا لهٰذا وما كنا لنهتدي لو لا أن هدانا اللّٰه، والصلاة والسلام على سيد الأنبياء والمرسلين، سيدنا مولانا محمد وعلى اٰله وأصحابه وذرياته أجمعين. أما بعد: فإن أصدق الحديث كتاب اللّٰه وأحسن الهدي هدي سيدنا ومولانا محمد صلى اللّٰه عليه وسلم وخير الأمور عوازمها وشر الأمور محدثاتها، وكل محدثة بدعة.

بلاشبہ سب سے سچا کلام اللہ کی کتاب ہے، اور زندگی گذارنے کا سب سے بہترین طریقہ نبی آخرالزماں، سرورعالم، حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا اُسوۂ مبارکہ ہے، انسانیت کے لئے جو بھی اچھائیاں ہوسکتی ہیں، اُن سب کی ہدایت قرآن وحدیث میں موجود ہے، اور جو باتیں اِنسانیت کے لئے کسی بھی درجہ میں تباہ کن ہیں، اُن سے شریعتِ محمدیہ میں ممانعت کی گئی ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ پوری انسانیت کی خیرخواہی، ترقی اور فلاح صرف اور صرف شریعت کی تابع داری میں مضمر ہے۔ شریعت کو چھوڑ کر جو بھی راستہ یا طریقہ اپنایا جائے گا وہ خواہ دیکھنے میں کتنا ہی اچھا کیوں نہ ہو، وہ ہرگز اِنسانیت کی فلاح کا ضامن نہیں ہوسکتا، خاص طور پر ہر مسلمان کو مذکورہ حقیقت ذہن میں جاگزیں کرکے شریعت پر سو فیصد عمل کا جذبہ اپنے اندر پیدا کرنا ضروری ہے۔

اسی مقصد کو سامنے رکھتے ہوئے اللہ کے خاص فضل وکرم سے جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد کے دینی واصلاحی ترجمان ماہنامہ ''ندائے شاہی'' میں نومبر ۲۰۰۸ء سے قرآنِ کریم کی ایک جامع ترین آیت: ﴿اِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ الخ﴾ کو سامنے رکھ کر ''ایک

جامع قرآنی وعظ'' کے عنوان سے قسط وار مضمون ''نظر وفکر'' کے تحت شائع ہونا شروع ہوا، اور اپنے محدود ذہن کے اعتبار سے جو باتیں سامنے آتی رہیں، انہیں لکھا جاتا رہا، تا آں کہ محض اللہ رب العزت کی توفیق سے رفتہ رفتہ اس کی ۵۷ر قسطیں شائع ہوگئیں، اور ''قطرہ قطرہ دریا می شود'' کا مصداق بن کر ایک ضخیم کتاب تیار ہوگئی۔ فالحمد للہ علی ذٰلک۔

اللہ تعالیٰ کی ذات سے قوی اُمید ہے کہ یہ کتاب قارئین کے دلوں میں اِیمانی حرارت اور انفرادی واجتماعی اِصلاح کا جذبہ پیدا کرنے میں معاون ثابت ہوگی، اور خاص طور پر علماء کرام اور ائمہ مساجد کے لئے عوامی بیانات اور وعظ ونصیحت کے لئے معتبر ذخیرہ اور مرجع کی حیثیت حاصل کرے گی؛ اس لئے کہ اس میں جو بھی لکھا گیا ہے وہ حتی الامکان مستند حوالوں سے ماخوذ ہے، اور مناسب یہی ہے کہ اصلاحی مضامین اور عمومی بیانات میں اُمت کے سامنے قرآن وسنت اور سلفِ صالحین سے منقول باتیں ہی پیش کی جائیں؛ کیونکہ ان میں جو نفع اور اَثر ہے وہ کسی اور کی باتوں میں نہیں پایا جاسکتا۔

یہ بات باعثِ صد شکر ہے کہ اس سے پہلے ''نظر وفکر'' کے تین مجموعے: ''دعوتِ فکر وعمل''، ''لمحاتِ فکریہ'' اور ''مشعلِ راہ'' شائع ہوچکے ہیں۔ اب یہ چوتھا مجموعہ شائع ہورہا ہے، یہ بھی ''ندائے شاہی'' سے وابستگی کی برکات میں سے ہے؛ کیوں کہ اگر یہ ذمہ داری احقر کے سپرد نہ ہوتی، تو اپنی طبعی سستی کی وجہ سے یہ خدمت بجالانا بہت مشکل ہوتا۔ بہرحال اللہ تعالیٰ کا فضل عظیم، حضرات اساتذۂ کرام اور والدین محترمین کی دعائیں شامل حال رہیں، جس کی بدولت اس خدمت کی توفیق ملی۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے بے حد قبول فرمائیں اور اس سیہ کار کو بھی اِن باتوں پر پوری طرح عمل کی توفیق مرحمت فرمائیں، آمین۔

اِس کتاب کے حوالوں کی مراجعت کے سلسلہ میں عزیزم مولوی مفتی محمد ابراہیم غازی آبادی زید علمہ نے کافی محنت کی، جس پر وہ شکریہ کے مستحق ہیں۔

اِسی طرح کتاب کی کمپیوٹر کتابت، اور تزئین وتہذیب میں عزیزم مولوی محمد اسجد قاسمی مظفرنگری

زید علمہ کا بھرپور تعاون حاصل رہا، اللہ تعالیٰ موصوف کو دارین میں اس کا بہترین بدلہ عطا فرمائیں، اور اس کتاب کو اُن کے حسنات میں اضافہ کا سبب بنائیں، آمین۔

کتاب کی طباعت میں رفیقِ مکرم جناب مولانا معز الدین احمد صاحب زید کرمہم ناظم امارت شرعیہ ہند دہلی اور ہمارے کرم فرما جناب الحاج محمد ناصر خان صاحب مالک فرید بک ڈپو دہلی نے خاص توجہ فرمائی، اس پر بھی ہم تہہ دل سے مشکور ہیں۔ اللہ تعالیٰ سبھی معاونین کو جزائے خیر سے نوازیں، آمین۔

اخیر میں قارئین سے گذارش ہے کہ مطالعہ کے دوران کوئی غلطی نظر آئے یا کوئی بات قابلِ مشورہ ہو، تو اس سے ضرور مطلع فرمائیں، ہم مشکور ہوں گے۔

فقط واللّٰہ الموفق والمعین

احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ

خادم مدرسہ شاہی مرادآباد

۱۴۳۶/۶/۱۲ھ

۲۰۱۵/۴/۱ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حسنِ ترتیب

❑❖❑

مخدومِ مکرم، والدِ ماجد، حضرت الاستاذ، امیر الہند

حضرت مولانا قاری سید محمد عثمان صاحب منصور پوری زید مجدہم و مدظلہم

استاذ حدیث دار العلوم دیوبند وصدر جمعیۃ علماء ہند

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ ونصلي علی رسولہ الکریم، اما بعد:

آقائے نامدار، سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا ہے: ''تَعَلَّمُوْا الْقُرْاٰنَ وَعَلِّمُوْهُ النَّاسَ''. (رواه الطبراني في المعجم الأوسط ۱۲۷/۳ رقم: ٤٠٧٥ عن أبي بكرة، والبيهقي في السنن الكبریٰ ۲۹۸/٦ رقم: ۱۲۱۷۳ عن ابن مسعود) (قرآنِ کریم سیکھو اور اُسے لوگوں کو سکھاؤ)

مکمل قرآنِ کریم کو بھی قرآن کے نام سے یاد کیا جاتا ہے، اور ایک سورت یا آیت پر بھی قرآن کا اِطلاق ہوتا ہے، اس لئے قرآنِ کریم کی کسی آیت کی تعلیم (تحریری یا زبانی) سے بھی مذکورہ بالا حکم کی تعمیل ہوجاتی ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ کا بے پایاں فضل وکرم ہے کہ عزیز گرامی قدر مولوی مفتی سید محمد سلمان سلمہ کو ''ایک جامع قرآنی وعظ'' کے نام سے قرآنِ کریم کی ایک جامع آیتِ مبارکہ کی تفسیر وتفصیل کی توفیق ملی ہے، اس آیت میں اِنتہائی مختصر عبارت میں تمام اِسلامی تعلیمات کو جمع کردیا گیا ہے؛ اِسی لئے حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ قرآنِ کریم میں جامع ترین آیت سورۂ نحل میں ہے: ﴿اِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالإِحْسَانِ وَاِيْتَآءِ ذِىْ الْقُرْبٰى وَيَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ، يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ﴾ [النحل: ۹۰]

اور حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ شروع میں میں نے لوگوں کے

کہنے سننے سے اِسلام قبول کرلیا تھا، مگر میرے دل میں اِسلام راسخ نہیں ہوا تھا؛ لیکن جب اِس آیت کا نزول میرے سامنے ہوا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھ کر سنائی تو اِس کو سن کر میرے دل میں اِیمان مضبوط و مستحکم ہوگیا، اور حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت ہمارے دل میں گھر کرگئی۔

اور حضرت اَکثم بن صیفی رضی اللہ عنہ تو اِس آیت کو سن کر ہی مسلمان ہوئے، اور چوں کہ یہ اپنے قبیلہ کے سردار تھے، اِس لئے تمام اہلِ قبیلہ سے کہا کہ تم سب اِن (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کے دین میں داخل ہوجاؤ؛ کیوں کہ وہ مکارمِ اَخلاق کی ہدایت کرتے ہیں، اور برے اور رذیل اَخلاق سے روکتے ہیں۔ (معارف القرآن ۵/۱۱۱)

اِس آیتِ کریمہ سے متصل پچھلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے حضورِ اَقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کرکے اِرشاد فرمایا ہے: ﴿وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا لِكُلِّ شَيْءٍ﴾ یعنی ''ہم نے آپ پر قرآن اُتارا ہے جو کہ تمام (دین کی) باتوں کا (بواسطہ یا بلاواسطہ) بیان کرنے والا ہے، اور (خاص) مسلمانوں کے واسطے بڑی ہدایت اور بڑی رحمت اور (اِیمان پر) خوش خبری سنانے والا ہے''۔

پھر قرآنِ کریم کے اِن اوصاف کو جامع ہونے کی دلیل کے طور پر آگے اِرشاد فرمایا گیا: ﴿إِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ، الخ﴾ چناں چہ اِس آیت نے جو چھ حکم ایجابی وتحریمی دئے ہیں، اگر غور کیا جائے تو اِنسان کی اِنفرادی و اِجتماعی زندگی کی مکمل فلاح کا نسخہ اکسیر ہیں۔ (معارف القرآن ۵/۱۱۶)

حضرتِ اَقدس مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ:

''لِكُلِّ شَيْءٍ'' سے مراد دین کی باتیں اور ''تِبْيَانٌ'' سے مراد عام بواسطہ و بلاواسطہ لینے سے یہ اِشکال رفع ہوگیا کہ اِس میں دنیا کی باتیں کہاں ہیں؟ یا دین کی سب باتیں کہاں ہیں؟ وجہ رفعِ اِشکال کی ظاہر ہے کہ دنیا کی باتیں تو مراد ہی نہیں؛ (اس لئے کہ قرآنِ کریم اِس مقصد کے لئے نازل نہیں ہوا؛ بلکہ مقصودِ اصلی توجہ الی الخالق تعالیٰ ذکرہ کے لئے اِس کا نزول ہوا ہے، جس سے قرآنِ کریم بھرا پڑا ہے، اور قرآن کا کمال یہ ہے کہ جو چیزیں اُس کے مقصود سے خارج ہیں، اُن سے بالکل وہ خالی ہو، اہلِ عقلِ سلیم پر یہ بات ظاہر ہے) اور دین کی باتیں بعض سنت و اِجماع

وقیاس سے ثابت ہیں، اور اِن تینوں کا حجت ہونا قرآنِ کریم سے ثابت ہے، پس اُمور ثابتہ بہٰذہ الدلائل بھی بواسطہ قرآن سے ثابت ہیں، اور اِس کی تائید صراحۃً وہ روایت کرتی ہے جس کو اِمام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے سیدنا حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے نقل فرمایا ہے کہ اُنہوں نے درج ذیل عورتوں پر لعنت فرمائی:

"لَعَنَ اللّٰهُ الْوَاشِمَاتِ وَالْمُسْتَوْشِمَاتِ وَالْمُتَنَمِّصَاتِ وَالْمُتَفَلِّجَاتِ لِلْحُسْنِ، الْمُغَيِّرَاتِ خَلْقَ اللّٰهِ تَعَالیٰ، فَبَلَغَ ذٰلِکَ اِمْرَأَةً مِنْ بَنِي أَسَدٍ فَقَالَتْ لَهُ إِنَّهُ بَلَغَنِي أَنَّکَ لَعَنْتَ کَيْتَ وَکَيْتَ، فَقَالَ: وَمَالِيْ لَا أَلْعَنُ مَنْ لَعَنَ عَلَيْهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ فِيْ كِتَابِ اللّٰهِ قَالَتْ: وَاللّٰهِ لَقَدْ قَرَأْتُ مَا بَيْنَ اللَّوْحَيْنِ فَمَا وَجَدْتُهُ، قَالَ: وَاللّٰهِ لَئِنْ قَرَأْتِيهِ لَقَدْ وَجَدْتِيهِ: ﴿مَا اٰتَاكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ، وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا﴾ (بيان القرآن ١/٨٦٤)

ترجمہ :- اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے جسم کو گودنے والیوں اور گودوانے والیوں پر اور بھوؤں کے بال اُکھیڑنے والیوں پر اور دانتوں کے درمیان گھسائی کرنے والیوں پر جو اللہ کی تخلیق میں تبدیلی کرنے والیاں ہیں۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی یہ بات قبیلہ بنواَسد کی ایک عورت تک پہنچی، تو اُس نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے کہا کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ آپ نے مذکورہ عورتوں پر ایسی ویسی لعنت فرمائی ہے؟ تو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ "جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ملعون قرار دیا ہے، اُن پر میں لعنت کیوں نہ کروں"؟ جب کہ یہ بات کتاب اللہ میں بھی مذکور ہے۔ تو وہ عورت بولی کہ میں نے تو دوتختیوں کے درمیان پورا قرآن پڑھ کر دیکھ لیا، اس میں تو ایسا کوئی ذکر میں نے نہیں پایا۔ تو سیدنا حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ: "اللہ کی قسم! اگر تم اچھی طرح پڑھتیں تو اُسے ضرور پاتیں، وہ آیت یہ ہے: ﴿مَا اٰتَاكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ، وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا﴾ (یعنی "جو کچھ تمہیں رسول دیں اُسے لے لو، اور جس چیز سے منع کریں، اُس سے رُک جاؤ"۔

بہرحال آیتِ مذکورہ میں آئے ہوئے اِیجابی اَحکام: (مامورات: عدل، احسان، ایتاء ذی القربی) اور تحریمی احکام: (منہیات: فحشاء، منکر اور بغی) کی تفصیلات واضح اَنداز میں مستند طور پر آں عزیز نے زیرِنظر تالیف میں درج کردی ہیں۔

اور حضرت اَقدس مسند الہند مولانا شاہ ولی اللہ محدث دہلوی قدس سرہٗ کے اِرشاد کے مطابق فقیہ کی ذمہ داری ہے کہ اَحکامِ شرعیہ مامورات ومنہیات کو لوگوں کے سامنے کھول کر بیان کرے، جیسا کہ حضرتؒ نے ’الفوز الکبیر‘‘ میں فرمایا ہے کہ: ’’قرآنِ کریم علومِ خمسہ پر مشتمل ہے: **(١) علم الأحكام (٢) علم المخاصمة (٣) علم التذكير بآلاء اللّٰه (٤) علم التذكير بأيام اللّٰه (٥) علم التذكير بالموت وبما بعد الموت**‘‘۔

اور فرمایا کہ: ’’علم الاحکام وظیفہ فقیہ است اور علم المخاصمہ وظیفہ متکلم است وعلم التذکیر وظیفہ واعظ است‘‘۔ (یعنی احکام شریعت بتلانا فقیہ کی اور فرقِ باطلہ کے دلائل کا رد کرنا متکلم کی اور وعظ وتذکیر کرنا واعظ کی ذمہ داری ہے)

اور زیر بحث آیت کا تعلق وعظ وتذکیر کے ساتھ ساتھ علم الاحکام سے بھی ہے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ تمام مسلمان؛ بلکہ عامۃ الناس آیتِ کریمہ کے ذیل میں آئی ہوئی تفصیلات کو پڑھ کر اور اُن کو اَپنی زندگی میں نافذ کرکے دنیا وآخرت کی کامرانی سے سرفراز ہوں، اور آں عزیز سلمہ کے علم وعمل میں ترقی عطا فرمائے، اور اِس قرآنی خدمت کو شرفِ قبولیت سے نوازے، آمین۔

فقط واللہ الموفق:
احقر محمد عثمان عفی عنہ
خادم تدریس دار العلوم دیوبند
۱۵/۵/۱۴۳۶ھ

رائے عالی:

''آیتِ قرآنی پر سلمانی وعظ''

مخدومِ مکرم، حضرت الاستاذ

مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری زید مجدہم ومدظلہم

شیخ الحدیث وصدر المدرسین دارالعلوم دیوبند

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

علامہ زاہد کوثری (مصری) قدس سرہٗ نے حضرت علامہ محمد انور شاہ کشمیری قدس سرہٗ کی کتاب ''فیض الباری'' پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ مصنف کو اَحادیث کے تحت مسائل اُبھارنے پر کمال حاصل ہے، ایسے مسائل زیر بحث لے آتے ہیں جن کی طرف ذہن نہیں جاتا۔ یہی بات میں اِس کتاب کے مصنف دام مجدہ کے بارے میں کہتا ہوں، مولانا سلمان صاحب منصور پوری دام اِقبالہ موفّق ومنصور ہیں، علمی کام میں لگے رہتے ہیں، اور وعظ بھی کہتے ہیں تو مضبوط باتیں بیان کرتے ہیں، کچی باتیں نہیں کہتے، یہ آپ کا کمال ہے۔

اُنہوں نے سورۃ النحل کی (آیت: ۹۰) پر ایک تحریری بیان کیا ہے، جو مدرسہ شاہی کے آرگن ''ندائے شاہی'' میں ۲۷؍قسطوں میں شائع ہو چکا ہے، اِس کو پڑھ کر میں یہ بات بے تکلف کہتا ہوں کہ مولانا سلمان صاحب کو آیت کے تحت مسائل پھیلانے میں کمال حاصل ہے، اللہ تعالیٰ اُن کی اِس خوبی میں اِضافہ فرمائیں، میں جب ''ہدایت القرآن'' میں اِس آیت پر پہنچا، تو میں نے چاہا کہ اِس کے مضامین قدرے پھیلاؤں، مگر میں اِس پر قادر نہ ہوسکا، یہ آیت جمعہ کے دوسرے خطبے میں اِلتزام کے ساتھ پڑھی جاتی ہے، اس لئے میں اِس کو ذرا پھیلانا چاہتا تھا، مگر ہمارے مصنف کی کتاب سامنے آئی، تو میں دَنگ رہ گیا، اور دل سے دعا نکلی: اَللّٰھُمَّ زِدْ فَزِدْ۔

موصوف کا یہ مضمون ''ندائے شاہی'' میں قسط وار شائع ہوتا رہا ہے، اور میں اِس پر نظر بھی ڈالتا رہا ہوں، مگر کبھی یہ خیال نہیں آیا کہ یہ ایک ہی آیت کی تفصیل ہے، مگر جب اِس کو کتابی شکل دی گئی اور ایک سفر میں؛ میں نے اِس کی فہرستِ مضامین پر نظر ڈالی، تو میری سمجھ میں آیا کہ یہ ایک ہی آیت کے ذیلی مضامین ہیں۔

اللہ تعالیٰ اِس کتاب سے اور آیت کے مشمولات و مضمرات سے اُمت کو فیض یاب فرمائیں، اور صاحبِ کتاب کو علمی ترقی سے نوازیں۔ والسلام

سعید احمد عفا اللہ عنہ پالن پوری

خادم دار العلوم دیوبند

۲۷/ربیع الثانی ۱۴۳۶ھ

تبشیر:

بشارت آمیز تأثرات:

مکرم ومحترم حضرت مولانا مفتی شبیر احمد صاحب قاسمی زید مجدہم

محدث ومفتی جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد

الحمد للّٰہ وکفی وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ، أما بعد!

حضرت مولانا مفتی محمد سلمان صاحب منصورپوری مدظلہ کی کتاب ''ایک جامع قرآنی وعظ'' سے استفادہ کا موقع ملا، ۲۸/ربیع الثانی ۱۴۳۶ھ مطابق ۱۸/فروری ۲۰۱۵ء بروز بدھ کو یہ کتاب محترم مؤلف کی طرف سے نظر ڈالنے کے لئے احقر کے پاس بھیجی گئی، اس کتاب کے مضامین پڑھنے کے بعد جب رات کو سویا، تو خواب میں دو آیتیں مسلسل احقر کی زبان پر جاری رہیں:

(۱)﴿اُدْعُ اِلَی سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ﴾ [النحل: ۱۲۵]

ترجمہ:- اپنے رب کی طرف بلایئے حکمتِ عملی اور بہترین نصیحت کے ذریعہ۔

(۲)﴿وَلَقَدْ یَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّکْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّکِرٍ﴾ [القمر: ۱۷-۳۲]

ترجمہ:- اور ہم نے نصیحت کے لئے قرآن کو آسان کردیا ہے، پس کون ہے نصیحت قبول کرنے والا۔

اور رات میں پیشاب کے لئے کئی دفعہ اٹھنا پڑا، ہر مرتبہ جاگتے ہوئے زبان پر یہی آیتِ شریفہ جاری رہی، صبح کو اُٹھ کر اَحقر کو بڑی خوشی ہوئی کہ قدرتی طور پر یہ دونوں آیتیں مذکورہ کتاب کے مطالعہ کے بعد خواب کی حالت میں بار بار زبان پر وِرد رہنے اور بیدار ہونے کی حالت میں بھی زبان پر جاری رہنے سے یہ بات سمجھ میں آئی کہ اِنشاء اللہ تعالیٰ زیرِنظر کتاب کو عنداللہ مقبولیت حاصل ہوگی۔

اور یہ کتاب درحقیقت آیتِ کریمہ: ﴿إِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالإِحْسَانِ وَإِيْتَآءِ ذِي الْقُرْبٰى وَيَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ، يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ﴾ [النحل: ۹۰] کی تشریح ہے۔

مؤلف محترم نے زیر نظر کتاب میں اِسی آیتِ شریفہ کی روشنی میں کتاب میں درج کردہ تمام عنوانات کے ذیل میں ساری تشریحات پیش فرمائی ہے، جو تقریباً ۷-۸؍ سال میں ''ندائے شاہی'' کے ایک کالم میں تسلسل کے ساتھ تقریباً ہر شمارہ میں پیش کی گئی ہے، اور کئی سالوں کے بعد الحمدللہ اس آیتِ شریفہ کی روشنی میں جتنے اِصلاحی اور ناصحانہ مضامین پیش کئے گئے ہیں، وہ سب یکجا ہوکر آج کتابی شکل میں ناظرین کے سامنے آرہے ہیں، اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذات سے امید کی جاتی ہے کہ یہ کتاب علماء اور عوام دونوں حلقوں میں شرفِ قبولیت حاصل کرے گی۔

اللہ تعالیٰ مؤلف محترم کو جزائے خیر دے کہ اُنہوں نے دینی، اِصلاحی اور دعوتی فکر اُمت کے درمیان پیش کرنے کے لئے ایک شاندار نئے راستہ کا دروازہ کھول دیا ہے، اللہ تعالیٰ اس کتاب کو شرف قبولیت عطا فرمائیں، آمین۔ والسلام

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
خادم جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد
۳؍ جمادی الثانیہ ۱۴۳۶ھ

تقریظ: ''مستحسن عمل''

برادرِ مکرم حضرت مولانا اشہد رشیدی صاحب زید کرمہم

مہتمم واستاذِ حدیث جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم، اما بعد!

قرآنِ کریم اللہ رب العزت کی وہ آخری کتاب ہے جس میں اَنمول ہیرے جواہرات اور نایاب آبگینے، قیمتی نصیحتوں کی شکل میں موجود ہیں ۔قرآنِ کریم معلومات کا وہ سمندر ہے کہ جس میں غواصی کرنے والا کبھی خالی ہاتھ واپس نہیں آتا۔قرآنِ کریم وہ آسمانی کتاب ہے کہ جس سے اُمت جدید اِنکشافات اور تعلیماتِ الٰہیہ کی صورت میں رہتی دنیا تک فیض یاب ہوتی رہے گی۔

اِسی سلسلہ کی ایک کڑی زیرِ نظر تالیف بھی ہے، جس کے ذریعہ مرتبِ کتاب برادرِ مکرم حضرت مولانا مفتی سید محمد سلمان صاحب منصور پوری مدظلہ اُستاذِ حدیث وفقہ جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد نے قرآنِ حکیم کی ایک آیت کے مختلف پہلوؤں کی کامیاب توضیح وتفسیر کرکے عوام وخواص دونوں کے لئے کلام اللہ سے اِستفادہ کو نہایت آسان اور سہل کردیا ہے، جو ایک قابلِ ستائش اور مستحسن عمل ہے، اِس کے ذریعہ جہاں ایک طرف پیغامِ الٰہی عام ہوگا، وہیں دوسری طرف ائمہ اور خطباء کو مرتب مستند اور باحوالہ دینی واِصلاحی مواد یکجا طور پر بآسانی میسر آجائے گا۔

کتاب کے سلسلہ میں مزید کچھ کہنا ''سورج کو چراغ دکھانا ہے''؛ کیوں کہ حضرت مفتی صاحب دامت برکاتہم کی طرف نسبت ہی کتاب کے معتبر، مفید، مستند اور لائقِ تعریف ہونے کے لئے کافی ہے۔ میری دعا ہے کہ اللہ رب العزت اِس کے فائدہ کو عام وتام فرمائے، اِس کو قرآن فہمی کا ذریعہ بنائے اور برادرِ محترم کے میزانِ حسنات میں اِضافہ کا سبب بنائے، آمین ۔وصلی اللّٰہ علی النبی الکریم۔

اشہد رشیدی غفرلہ
خادم جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد
۱۴۳۶/۵/۲ھ

ایک جامع

قرآنی وعظ

ابتدائیہ:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للّٰہ نحمدہٗ ونستعینہٗ ونستغفرہٗ ونؤمن بہٖ ونتوکل علیہ، ونعوذ باللّٰہ من شرور أنفسنا ومن سیئات أعمالنا، من یھدہ اللّٰہ فلا مضل لہٗ، ومن یضلل فلا ھادي لہٗ، ونشھد أن لا إلٰہ إلا اللّٰہ وحدہ لاشریک لہٗ، ونشھد أن سیدنا وحبیبنا وسندنا وشفیعنا وإمامنا ومولانا محمداً عبدہ ورسولہ، صلی اللّٰہ تبارک وتعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وأصحابہ وذریاتہ وبارک وسلم تسلیماً کثیراً کثیراً، أما بعد.

''اکثم بن صیفی'' اپنی قوم بنوتمیم کے سردار تھے، اور بڑے تجربہ کار، صاحب فہم وفراست شخص تھے، ان کو جب پتہ چلا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نبوت کا اعلان فرمایا ہے، تو اُنہوں نے آپ کی خدمت میں حاضر ہونے کا ارادہ کیا، یہ سن کر اُن کی قوم کے لوگوں نے رائے دی کہ آپ قوم کے بڑے آدمی ہیں، ابھی آپ کا خود جانا مناسب نہیں ہے۔ بالآخر مشورہ سے یہ رائے بنی کہ کچھ لوگ اُن کے نمائندے بن کر صورتِ حال کا جائزہ لینے کے لئے پیغمبر علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوں، چناں چہ دو آدمی اِس مشن کے لئے تیار ہوئے اور اُنہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی

خدمت میں آ کرسوال کیا کہ: مَنْ اَنْتَ؟ وَمَا اَنْتَ؟ یعنی آپ کون ہیں؟ اور آپ کی حیثیت کیا ہے؟ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پہلے سوال کا جواب یہ ہے کہ:

''میں محمد بن عبداللہ ہوں''۔

اور دوسرے سوال کا جواب یہ ہے کہ:

''میں اللہ کا بندہ اور اُس کا رسول ہوں''۔

اِس کے بعد آپ نے یہ آیت اُنہیں پڑھ کر سنادی:

﴿اِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالإِحْسَانِ وَاِيْتَآءِ ذِی الْقُرْبٰی وَيَنْهٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ، يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ﴾

[النحل: ۹۰]

ترجمہ :- بے شک اللہ تعالیٰ اِنصاف، بھلائی اور رشتہ داروں کو دینے دلانے کا حکم کرتا ہے اور بے حیائی، نامعقول کام اور ظلم وسرکشی سے منع کرتا ہے، اور تم کو سمجھاتا ہے؛ تاکہ تم یاد رکھو۔

یہ آیت سن کر وہ نمائندے بہت متأثر ہوئے اور اُنہوں نے اُسے دہرانے کی درخواست کی، آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے آیت دہرادی؛ تاآں کہ انہیں وہ یاد ہوگئی۔ الغرض یہ دونوں حضور اکرم علیہ السلام کے پاس سے اپنی قوم میں واپس آئے، اور ''اکثم بن صیفی'' کو رپورٹ دی کہ جب ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نسب اور خاندان کی تحقیق کی تو آپ کو پاکیزہ نسب پایا اور آپ نے اپنی تعلیمات کے بارے میں درج بالا آیت پیش کی، اِس آیت کو سن کر ''اکثم بن صیفی'' نے اپنی قوم کے سامنے یہ تبصرہ کیا کہ: ''میں سمجھتا ہوں کہ یہ پیغمبر اچھے اخلاق کی تعلیم دیتے ہیں اور بری باتوں سے منع کرتے ہیں، اِس لئے تم لوگ (ایمان لاکر) اِس معاملہ میں قائد بن جاؤ اور پچھ لگو مت رہو''۔ (تفسیر ابن کثیر مکمل ۱۵۷، روح المعانی ۴ ا/۳۲۳)

بعض روایات میں ہے کہ اِس کے بعد ''اکثم بن صیفی'' ایک جماعت کے ساتھ نبی اکرم

صلی اللہ علیہ وسلم کی ملاقات کے لئے روانہ ہوئے؛ لیکن راستہ ہی میں وفات پا گئے؛ تاہم ساتھیوں کو ایمان لانے کی وصیت کر گئے۔ (الاصابہ ۱/۳۵۰)

جامع ترین آیت

مذکورہ واقعہ میں جس آیتِ شریفہ کا ذکر ہے وہ قرآنِ کریم کی جامع ترین آیات میں سے ہے، جس میں انتہائی اختصار کے ساتھ تمام ہی اَوامر ونواہی، اور ماموارت ومنکرات کو ذکر فرمایا گیا ہے۔

صحابی رسول سیدنا حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ سے منقول ہے، وہ فرماتے ہیں کہ میں نے شروع میں شرما حضوری میں کلمہ پڑھ لیا تھا؛ لیکن جب یہ آیت نازل ہوئی، تو اسلام کی حقانیت میرے دل میں راسخ ہوگئی۔ (تفسیر قرطبی ۱۰/۱۵۱، تفسیر ابن کثیر مکمل ۷۵۲ ریاض)

مفسر قرآن علامہ مہایمیؒ کا تجزیہ

اور علامہ علی احمد بن ابراہیم المہایمیؒ (المتوفی ۸۳۵ھ) اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اولاً تین باتوں کا حکم دیا:

(۱) **عدل**:- جس کے معنی اعتدال کے آتے ہیں۔

(۲) **احسان**:- جو اخلاص عمل کے معنی میں ہے۔

(۳) اور **إيتاء ذي القربى**:- جو صفاتِ حمیدہ کی تکمیل کی پہچان ہے۔

پھر ان تینوں صفاتِ حسنہ کے بالمقابل تین صفات رذیلہ لائی گئیں؛ تاکہ انسانی نفس رذائل سے بالکل پاک ہو جائے اور وہ تین یہ ہیں:

(۱) **الفحشاء**:- جو اعتدال کے بالمقابل ہے؛ کیوں کہ خواہشات کی تکمیل میں اعتدال کی راہ چھوڑ کر حدود سے تجاوز کرنا ہی فحشاء اور بے حیائی ہے۔

(۲) **المنکر**:- جو احسان کی بالکل ضد ہے؛ کیوں کہ احسان سے تقربِ خداوندی نصیب ہوتا ہے اور بندوں کے درمیان قبولیت ملتی ہے، جب کہ اعمالِ منکرہ سے آدمی اللہ تعالیٰ اور

بندوں سے دور ہوجاتا ہے۔

(۳) **البغي** :- جو حسنِ سلوک کے بالمقابل ہے، جس میں ہر طرح حق تلفی، گمراہی، ظلم و جبر سب شامل ہیں۔ (تفسیر المہایمی ۱/۴۱۷)

آیت کے بارے میں حضرت امام رازیؒ کی نکتہ رسی

علامہ فخر الدین رازیؒ نے اس آیت: ﴿اِنَّ اللّٰہَ یَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ﴾ الآية [النحل: ۹۰] کی تفسیر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان میں تین ایسی قوتیں رکھی ہیں، جن کو قابو میں رکھنے کی ضرورت ہوتی ہے:

(۱) **قوتِ شهوانيه بهيميه** :- (یعنی لامحدود خواہشات کی طرف رغبت، جو عموماً جانوروں کا خاصہ ہے)

(۲) **قوتِ غضبيه سبعيه** :- (یہ وہ قوت ہے جو پھاڑ کھانے والے درندوں کے مانند ہر وقت خودغرضی اور ایذا رسانی میں مشغول رہتی ہے)

(۳) **قوتِ وهميه شيطانيه** :- (یہ وہ فاسد خیالات ہیں جو انسان کو سرکشی، کبر وغرور اور برتری پر آمادہ کرتے ہیں)

پس ان تینوں قوتوں کو اعتدال میں رکھنے کے لئے بالترتیب تین الفاظ استعمال کئے گئے ہیں، قوتِ شہوانیہ کو روکنے کے لئے "**الفحشاء**" کا لفظ لایا گیا، جس سے مراد یہ ہے کہ آدمی ہر طرح کی خلافِ شریعت خواہشاتِ جنسیہ سے اپنے کو بچائے۔

اور قوتِ غضبیہ کو روکنے کے لئے "منکر" کا لفظ لایا گیا، جس سے مقصود یہ ہے کہ آدمی ہر ایسے عمل سے بچے جو دوسروں کی نظر میں ناگواری کا باعث ہو۔

اور قوتِ وہمیہ شیطانیہ کو دفع کرنے کے لئے "**البغي**" کا لفظ استعمال ہوا؛ تاکہ لوگ ایک دوسرے پر ناجائز طور پر دست درازی اور ظلم وتعدی سے بچیں۔ (تلخیص: تفسیر الفخر الرازی ۱۰/۱۰۷)

مذکورہ بالا تفسیر سے یہ بات واضح ہوگئی کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کو یہ بات ہرگز پسند نہیں ہے کہ

انسان اپنی خداداد جوہری صلاحیتوں کو غلط جگہ استعمال کرے؛ بلکہ اسلام یہ چاہتا ہے کہ آدمی بہر حال ان حدود کا پابند رہ کر زندگی گذارے جو اللہ تعالیٰ نے اس کی فلاح کے لئے مقرر فرمائی ہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ یہ آیت خیر وشر کے تمام پہلوؤں کو شامل ہے، اِسی جامعیت کی وجہ سے سیدنا حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا کہ: یہ آیت ہر خیر (جس پر عمل کیا جائے) اور ہر شر (جس سے اجتناب کیا جائے) کو جامع ہے۔ (رواہ الحاکم بسند صحیح، الجامع لاحکام القرآن للقرطبی ۱۰/۱۵۰)

اور اِسی بناء پر خلیفۂ راشد سیدنا حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے دورِ خلافت میں تمام علاقہ جات میں یہ فرمان جاری کیا تھا کہ سب خطیب جمعہ کے خطبہ میں اِس آیت کی تلاوت کیا کریں۔ (روح المعانی ۱۴/۳۲۴)

چناں چہ یہ مبارک معمول آج بھی پورے عالم میں جاری ہے۔

واقعۃً یہ آیت اِس قابل ہے کہ ہر مسلمان نہ صرف اسے یاد رکھے؛ بلکہ اس کے معانی سمجھ کر موقع بموقع آیت کے آئینہ میں اپنی زندگی کا جائزہ لیتا رہے، کم از کم جمعہ کے خطبہ میں خطیب جب اِس آیت کو دہرائے، تو ہم ایک لمحہ کے لئے اپنا محاسبہ کریں کہ ہم اِس ہدایتِ خداوندی پر کس قدر عامل ہیں اور کس قدر ہم سے کوتاہی ہو رہی ہے؟ واقعہ یہ ہے کہ یہ ایک آیت لمبی چوڑی تقریروں اور بڑی بڑی اِصلاحی کتابوں پر بھاری ہے۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ بتوفیقِ خداوندی آیت میں بیان کردہ موضوعات پر اِجمالاً روشنی ڈالی جائے؛ تاکہ آیت کی وسعت اور جامعیت کا قدرے اندازہ ہو سکے۔

❒❖❒

پہلا باب:

وَالإِحْسَانِ وَاِیْتَآءِ ذِیْ الْقُرْبٰی
وَیَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْکَرِ وَالْبَغْیِ،
یَعِظُکُمْ لَعَلَّکُمْ تَذَکَّرُوْنَ ○

[النحل: ۹۰]

عدل وانصاف

پہلی فصل:

عدل کی حقیقت

آیت میں جن تین باتوں کا حکم دیا گیا ہے ان میں سے پہلی بات ''عدل'' ہے جس کے معنی برابری اور انصاف کے آتے ہیں، اس کا تعلق زندگی کے ہر شعبہ سے ہے کہ آدمی ہر معاملہ میں عدل وانصاف سے کام لے اور جس چیز کا جو حق ہے وہ پوری طرح بجالائے، مثلاً عبادات کا حق یہ ہے کہ انہیں سنن وآداب کے ساتھ ادا کیا جائے، معاملات کا حق یہ ہے کہ حلال وحرام کا امتیاز رکھتے ہوئے ہر طرح کی حق تلفیوں سے احتراز کیا جائے، معاشرت کا حق یہ ہے کہ نرم روی کے ساتھ وسعت ظرفی اور حسن اخلاق کا مظاہرہ کیا جائے، وغیرہ وغیرہ۔

محمد بن کعب القرظی کہتے ہیں کہ ایک دن امیر المؤمنین حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے مجھے بلا کر پوچھا کہ ''عدل کی حقیقت مجھ سے بیان کرو''، تو میں نے کہا: ''بہت خوب! آپ نے بڑا اہم سوال کیا ہے، تو سنئے! عدل کا تقاضا یہ ہے کہ:

- آپ اپنے سے چھوٹوں کے لئے باپ کی طرح بن جائیں۔
- اور اپنے سے بڑوں کے لئے بیٹے کی طرح (سعادت مند) بن جائیں۔
- اور اپنے ہم عمروں کے ساتھ بے تکلف بھائی جیسا برتاؤ کریں۔
- اور اپنی عورتوں کے ساتھ بھی اچھا معاملہ کریں۔
- اور مجرموں کو ان کے جرائم اور بدنی طاقت کے مطابق ہی سزائیں دیں اور صرف اپنے غصے کے تقاضے پر ایک کوڑا بھی نہ لگائیں، ورنہ آپ حد سے تجاوز کرنے والے ہو جائیں گے''۔ (روح المعانی ۱۴/۳۲۰)

سفیان بن عیینہؒ کا مقولہ ہے کہ: ''تنہائی اور لوگوں کے سامنے دونوں جگہ یکساں عمل کرنا عدل ہے''۔(روح المعانی ۱۴/۳۲۰)

عدل؛ایک جامع خلق

الغرض اگر غور کیا جائے تو پتہ چلے گا کہ حسنِ اخلاق کا سب سے بڑا عنصر ''عدل'' ہے، جس کے بغیر مکارم اخلاق کا تصور ہی نہیں کیا جاسکتا۔ حکیم العصر حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ انسان میں تمام اچھے اور برے اخلاق کا سرچشمہ بنیادی طور پر تین طرح کی صلاحیتیں ہیں:

(۱) **قوتِ عاقلہ**: جس میں علم وحکمت سے اعتدال آتا ہے، اور حکمت کی حقیقت یہ ہے کہ آدمی اس کے ذریعہ سے حق اور باطل، سچ اور جھوٹ، اچھے اور برے کے درمیان تمیز کرسکے۔

(۲) **قوتِ غضب**: جس کے ذریعہ آدمی اپنے نقصان کو دفع کرتا ہے، یہ قوت موجبِ کمال اسی وقت ہے جب کہ بے لگام نہ ہو؛ بلکہ عقل وحکمت کے تابع ہو، یعنی جہاں غصہ معقول ہو وہاں غصہ کیا جائے اور جہاں غصہ پر قابو کرنا مصلحت ہو وہاں غصہ کے اظہار سے پرہیز کیا جائے۔

(۳) **قوتِ شہوت**: اس قوت کا مقصد ہر طرح کے دنیوی نفع (مثلاً مال ودولت اور راحت وآرام کے اسباب وغیرہ) کا حصول ہے، یہ قوت اسی وقت قابل تعریف کہلائی جاسکتی ہے جب کہ عقل وحکمت کے تابع ہو، ورنہ بے لگام شہوت سے ضرر ہی ضرر ہے۔

ان تینوں صفات میں ''عدل'' مقصود ہے، یعنی میانہ روی اختیار کی جائے اور افراط وتفریط سے بچا جائے، مثال کے طور پر قوتِ عاقلہ اگر اعتدال اور میانہ روی کے ساتھ کام کرے تو اس سے حسنِ تدبیر، جودتِ ذہنی، علمی گیرائی اور کوتاہیوں پر محاسبہ جیسی صفات وجود میں آتی ہیں۔ اور یہی عقل اگر اپنی حدود سے آگے بڑھ جائے تو اس سے مکر وفریب، دھوکہ بازی اور شاطرانہ خیالات پیدا ہوتے ہیں، جب کہ عقل میں اگر تفریط پائی جائے تو اس کے اثرات بے وقوفی، حماقت، ناتجربہ کاری اور پاگل پن کی شکل میں سامنے آتے ہیں۔

یہی حال قوتِ غضب کا ہے کہ اگر اس میں اعتدال ہو تو اس سے بہادری، وقار، تحمل بردباری اور وفاداری جیسے روشن اخلاق نمودار ہوتے ہیں، اور اگر غضب حد سے آگے بڑھ جائے تو

اس سے تکبر و عجب اور کبر و غرور جیسی صفاتِ رذیلہ سامنے آتی ہیں، اور اگر غضب میں تفریط ہو جائے تو اس سے ذلت، رسوائی، بے قراری اور طبعی انقباض جیسی باتیں پیدا ہوتی ہیں۔

یہی حال قوتِ شہوانیہ کا ہے کہ اگر اس میں اعتدال ہو تو اس کی وجہ سے عفت و پاک دامنی، سخاوت، صبر، ورع، تقویٰ اور قناعت جیسی مبارک عادتیں وجود میں آتی ہیں، اور اگر یہ قوت بے لگام ہو جائے تو اس کی وجہ سے حرص و طمع، لالچ اور بے حیائی اور خود غرضی جیسی ناپسندیدہ باتیں وجود میں آتی ہیں۔ اور اگر اس قوت میں تفریط ہو جائے تو اس کی وجہ سے بخل، عاجزی، حسد اور بغض وعداوت جیسے جذبات جنم لیتے ہیں۔ (روضۃ الطالبین وعمدۃ السالکین ۷۵ در مجموعہ رسائل الامام الغزالیؒ)

علامہ ابن العربیؒ کا ارشاد

مفسر قرآن علامہ ابن العربیؒ نے فرمایا کہ:

الف:- بندہ اور اس کے رب کے درمیان عدل کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حق کو اپنے نفسانی تقاضہ پر ترجیح دی جائے، اور اس کی خوشنودی کو اپنی مرضی پر مقدم رکھا جائے، اور احکامِ شریعت کی پابندی کی جائے اور ممنوع باتوں سے بچا جائے۔

ب:- اور اپنی ذات کے ساتھ عدل یہ ہے کہ اپنے آپ کو ہلاکت اور عذاب کے اسباب سے بچایا جائے، اور ہر حال میں حرص و لالچ کے بجائے اتباعِ شریعت کو اور قناعت کو پیشِ نظر رکھا جائے۔

ج:- اور دیگر لوگوں کے ساتھ عدل کا مطلب یہ ہے کہ ہر شخص سے خیر خواہی کا جذبہ ہو اور ہر سطح پر خیانت سے اور حق تلفی سے بچا جائے، اور ظاہراً و باطناً کسی کو تکلیف نہ پہنچائی جائے، اور دوسروں کی طرف سے پیش آمدہ ناگوار باتوں پر صبر کیا جائے۔ (ملخصاً: الجامع لاحکام القرآن للقرطبی ۱۰/۱۵۱)

خلاصہ یہ کہ عدل ایسی صفت ہے کہ اگر وہ ہماری زندگی میں راسخ ہو جائے، تو عبادات بھی درست ہو جائیں، معاملات بھی درست ہو جائیں، معاشرت بھی درست ہو جائے، دنیا سے فساد مٹ جائے، اور عالم جنت نظیر بن جائے؛ کیوں کہ سارے اَمن و اَمان کی بنیاد عدل ہی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ہر سطح پر عدل کی راہ اپنانے کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین۔

دوسری فصل:

اِسلام کا نظامِ عدل

اسلام کی نظر میں ہر سطح پر عدل وانصاف کا قیام اِنسانیت کی بنیادی ضرورت اور اَنبیاء ورسل کی بعثت کے خاص مقاصد میں سے ہے۔ چناں چہ ارشادِ خداوندی ہے:

لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَیِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَھُمُ الْکِتٰبَ وَالْمِیْزَانَ لِیَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ. (الحدید: ۲۵)

ہم نے اپنے رسول واضح نشانیاں دے کر بھیجے ہیں، اور ہم نے اُن کے ساتھ کتاب اور ''ترازو'' کو اُتارا؛ تاکہ لوگ اِنصاف پر قائم رہیں۔

اس آیتِ مبارکہ میں واضح طور پر یہ حقیقت بیان کر دی گئی ہے کہ حضراتِ انبیاء علیہم السلام کو تین چیزیں دے کر دنیا میں مبعوث کیا گیا تھا:

(۱) کھلی ہوئی نشانیاں:- جنہیں دیکھ کر یہ یقین ہو جائے کہ وہ رسول واقعۃً اللہ کے پیغمبر ہیں، اور ان کی لائی ہوئی ہدایات سو فیصد برحق ہیں۔

(۲) کتاب:- یعنی وحی مقدس جو انسانوں کی ہدایت کے لئے رسولوں پر نازل کی گئی۔

(۳) میزان:- یعنی حق وباطل کو جانچنے کا وہ معیار جو ترازو کی طرح تول کر یہ بتلا دے کہ کیا صحیح ہے اور کیا غلط؟ جس کے ذریعہ سے اِفراط وتفریط سے بچنا ممکن ہو، اور پورا اِنسانی معاشرہ ہر سطح پر عدل واِنصاف کا مظہر بن جائے۔

اور ایک دوسری آیت میں ایمان والوں کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا گیا:

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُوْنُوْا قَوّٰمِیْنَ بِالْقِسْطِ شُھَدَآءَ لِلّٰہِ وَلَوْ عَلٰٓی

اے ایمان والو! انصاف پر قائم رہو، گواہی دو اللہ کی طرف، اگرچہ تمہارا اَپنا یا والدین کا یا رشتہ داروں

اَنۡفُسِکُمۡ اَوِ الۡوَالِدَیۡنِ وَ الۡاَقۡرَبِیۡنَ. (النساء: ۱۳۵) — کا نقصان ہو۔

نیز ارشاد فرمایا گیا:

وَإِذَا قُلۡتُمۡ فَاعۡدِلُوۡا وَلَوۡ كَانَ ذَا قُرۡبٰى. (الانعام: ۱۵۲) — جب تم بات کیا کرو تو (اس میں) انصاف (کا خیال) رکھا کرو، گو کہ وہ شخص قرابت دار ہی ہو۔

ایک اور جگہ ارشاد فرمایا گیا:

وَاُمِرۡتُ لِاَعۡدِلَ بَيۡنَكُمۡ. (الشوریٰ: ۱۵) — اور مجھے حکم ہے کہ میں تمہارے درمیان عدل رکھوں۔

اِن آیات سے معلوم ہوا کہ عدل وانصاف کے معاملہ میں رشتہ دار اور غیر رشتہ دار میں کوئی فرق نہ ہونا چاہئے؛ بلکہ جو بات حق ہو اُسی کو بہرحال پیشِ نظر رکھا جائے۔

دشمنی کی وجہ سے عدل کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑا جائے

عموماً یہ دیکھا جاتا ہے کہ جب کسی سے دشمنی ہوتی ہے، تو اس کے بارے میں عدل واِنصاف پر قائم رہنا سخت مشکل ہوجاتا ہے، اس لئے اس کے متعلق قرآنِ پاک میں خصوصی ہدایت کرتے ہوئے فرمایا گیا:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا كُوۡنُوۡا قَوّٰمِیۡنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالۡقِسۡطِ، وَلَا یَجۡرِمَنَّكُمۡ شَنَاٰنُ قَوۡمٍ عَلٰۤى اَلَّا تَعۡدِلُوۡا، اِعۡدِلُوۡا هُوَ اَقۡرَبُ لِلتَّقۡوٰى. (المائدۃ: ۸) — اے ایمان والو! کھڑے ہو جایا کرو اللہ کے واسطے گواہی دینے کو انصاف کی اور کسی قوم کی دشمنی کے باعث انصاف کو ہرگز نہ چھوڑو، عدل کرو یہی بات تقویٰ سے زیادہ نزدیک ہے۔

یعنی نہ تو کسی رشتہ دار وغیرہ کی ناحق حمایت کی جائے اور نہ ہی کسی دشمن کی ناحق مخالفت کی جائے، ایسا نہ ہو کہ اگر دوستی ہے تو حق وناحق ہر اعتبار سے ساتھ دیا جارہا ہے، اور دشمنی اور بغض ہے تو

حق و ناحق ہر اعتبار سے مخالفت کی جا رہی ہے، جیسا کہ خود غرض اور بے ضمیر لوگوں کا طریقہ ہوتا ہے۔

اِسلام یہ چاہتا ہے کہ پورا اِنسانی معاشرہ ہر اعتبار سے عدل وانصاف کا عادی بن جائے اور انصاف کے حصول میں نہ تو تعلقات حائل ہوں اور نہ ہی کسی کی دشمنی غلط فیصلہ کا محرک بنے۔ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تربیت پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اسی انداز میں فرمائی تھی۔

چناں چہ روایات میں وارد ہے کہ نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خیبر کے باغات کے پھلوں کا جائزہ لینے کے لئے بھیجا، تو وہاں کے یہودی باشندوں نے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کو کچھ رشوت دینے کا ارادہ کیا؛ تا کہ وہ ان کے ساتھ نرمی کا معاملہ کریں، یہ بھانپ کر حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے ان سے فرمایا کہ:

’’اللہ کی قسم! میں جس ذات کے پاس سے آ رہا ہوں وہ میرے نزدیک تمام مخلوقات میں سب سے زیادہ محبوب ہیں (یعنی نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) جب کہ تم لوگ میرے نزدیک بندر اور خنزیر جیسے ذلیل جانوروں سے بھی زیادہ ناپسند ہو؛ لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت اور تم لوگوں سے بغض مجھے اس بات پر ہرگز آمادہ نہیں کرسکتا کہ میں تمہارے ساتھ ذرہ برابر بھی ناانصافی کروں‘‘۔

حضرت کا یہ صاف جواب سن کر خیبر کے یہودی بول اٹھے کہ ’’ایسے ہی لوگوں سے زمین اور آسمان قائم ہیں‘‘۔ (تفسیر ابن کثیر مکمل ۳۶۸)

ایک طرف صحابی رسول کا یہ کردار ہے، دوسری طرف آج ہمارے معاشرہ کا حال یہ ہے کہ فیصلے اور اقدامات کے اندر عدل وانصاف کے تقاضوں کے بجائے واضح طور پر دوستی اور دشمنی اثر انداز ہوتی ہے، جب کسی سے دوستی ہوتی ہے تو اس درجہ کی کہ اس کی کھلی ہوئی غلط باتوں کو آدمی نظر انداز کردیتا ہے، اور دشمنی ہوتی ہے تو اس درجہ کی کہ اس کی اچھائیاں یکسر نظر سے کافور ہو جاتی ہیں۔ ظاہر ہے کہ یہ صورتِ حال اسلامی تعلیمات کے قطعاً خلاف ہے، آدمی کو بہر حال منصف مزاج ہونا چاہئے۔ اگر انصاف نہیں کیا جائے گا تو دنیا میں کسی بھی جگہ امن قائم نہیں رہ سکتا۔

حکام کے لئے چند خاص ہدایات

عام طور پر اربابِ اقتدار اور حکمراں طبقہ کی طرف سے عدل وانصاف کی پامالی کا خطرہ زیادہ رہتا ہے، خاص کر جب کہ اس کے ساتھ مادی منفعت اور خودغرضی شامل ہوجائے، تو انصاف کا خون ہونا لازم ہے، اس لئے اسلام نے فکری اور عملی طور پر اس کا خاص اہتمام کیا ہے کہ اربابِ حکومت حتی الامکان عدل وانصاف کے پابند رہیں اور ناانصافی سے دور رکھے جائیں۔

چناں چہ قرآنِ کریم میں فرمایا گیا:

اِنَّ اللّٰـهَ يَأْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمَانَاتِ اِلٰى اَهْلِهَا، وَاِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ، اِنَّ اللّٰـهَ نِعِمَّا يَعِظُكُمْ بِهٖ، اِنَّ اللّٰهَ كَانَ سَمِيْعًا بَصِيْرًا. (النساء: ٥٨)

بے شک اللہ تعالیٰ تم کو حکم دیتا ہے کہ تم امانتیں اُن کے مالکوں کو اَدا کردو، اور جب تم لوگوں کے درمیان فیصلے کرو، تو اِنصاف سے فیصلہ کیا کرو، اللہ تعالیٰ تم کو اچھی نصیحت کرتا ہے، بے شک اللہ تعالیٰ سننے اور دیکھنے والا ہے۔

نیز حضرت داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام سے خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا گیا:

يَا دَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنَاكَ خَلِيْفَةً فِى الْاَرْضِ، فَاحْكُمْ بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوٰى فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ. (ص: ٢٦)

اے داؤد! ہم نے آپ کو ملک میں نائب بنایا ہے؛ لہٰذا آپ لوگوں میں اِنصاف سے حکومت کیجئے، اور اپنی نفسانی خواہش پر نہ چلئے کہ وہ آپ کو اللہ کے راستہ سے ہٹادے۔

اور نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ہدایت دی گئی کہ اگر کبھی فریقین کے درمیان فیصلہ کرنے کی نوبت آئے تو عدل وانصاف کا خاص خیال رکھیں۔ چناں چہ ارشاد ہوا:

وَاِنْ حَكَمْتَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ، اِنَّ اللّٰـهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ. (النساء، جزء آيت: ٤٢)

اور اگر آپ فیصلہ کریں، تو اُن میں اِنصاف سے فیصلہ کریں، یقیناً اللہ تعالیٰ اِنصاف کرنے والوں کو پسند فرماتے ہیں۔

نیز ایک خاص واقعہ کے پس منظر میں پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کو یہ ہدایت دی گئی:

اِنَّـا اَنْـزَلْـنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَآ اَرٰكَ اللّٰهُ، وَلَا تَكُنْ لِّلْخَآئِنِيْنَ خَصِيْمًا. (النساء: ۱۰۵)

بے شک ہم نے آپ کی طرف سچی کتاب اُتاری ہے؛ تا کہ آپ لوگوں میں اِنصاف فرمائیں، جو کچھ اللہ تعالیٰ آپ کو سمجھا دیں اور آپ خائنوں کی طرف سے دفاع مت فرمایئے۔

اس طرح کی سب آیتوں سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اسلام پورے عالم میں حقیقی عادلانہ نظام قائم کرنا چاہتا ہے، جس میں کوئی اُونچ نیچ نہ ہو اور حق دار کا حق ادا کرنے میں کسی طرح کی کوئی رکاوٹ نہ رہے۔

نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا عدل

سیرتِ طیبہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کا ہر ہر ورق اِس بات پر گواہ ہے کہ نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پوری زندگی ہر موڑ پر عدل وانصاف کا دامن پوری مضبوطی سے تھامے رکھا، اور کسی موقع پر بھی بے جا طرف داری یا کمزور شخص سے پہلوتہی کا کوئی شائبہ آپ سے ظاہر نہیں ہوا۔ چناں چہ آپ نے آخری حج کے موقع پر عالمی عدل ومساوات کا جو منشور پیش فرمایا، وہ پوری اِنسانیت کے لئے مشعلِ راہ ہے۔

آپ نے ارشاد فرمایا:

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ! إِنَّ رَبَّكُمْ وَاحِدٌ وَإِنَّ أَبَاكُمْ وَاحِدٌ أَلَا لَا فَضْلَ لِعَرَبِيٍّ عَلٰى عَجَمِيٍّ وَلَا لِعَجَمِيٍّ عَلٰى عَرَبِيٍّ وَلَا لِأَحْمَرَ عَلٰى أَسْوَدَ وَلَا لِأَسْوَدَ عَلٰى أَحْمَرَ إِلَّا بِالتَّقْوٰى إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ أَتْقٰكُمْ.

اے لوگو! تمہارا پروردگار ایک ہے، اور تم سب کے والد بھی ایک ہیں (یعنی حضرت آدم علیہ السلام) خبردار رہو! کسی عربی کو عجمی پر، کسی عجمی کو عربی پر، کسی گورے کو کالے پر اور کسی کالے کو گورے پر تقویٰ کے علاوہ کسی اعتبار سے فضیلت حاصل نہیں ہے، بے شک تم میں سب سے باعزت

شخص اللہ تعالیٰ کی نظر میں وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ تقویٰ والا ہے۔

(الترغیب والترھیب حدیث: ٤٣٧١، حیاۃ الصحابۃ ٤٠٨/٣)

خطبہ کے یہ بلیغ الفاظ انسانی مساوات کے سلسلہ میں اسلامی نظریہ کی وضاحت کے لئے کافی ہیں، اسلام میں شرافت کا اصل معیار رنگت، نسل، علاقائیت یا خاندان نہیں ہے؛ بلکہ معیار شرافت ایمان، عملِ صالح، تقویٰ اور اخلاقِ فاضلہ ہیں، اور طبقاتی کشمکش جو دنیا میں رائج ہے وہ اسلام کے تصور مساوات سے بالکل جداگانہ ہے۔

اللہ کی حدود میں سفارش منظور نہیں

اور صحیح روایات میں یہ واقعہ بھی موجود ہے کہ قریش کے معزز خاندان (بنومخزوم) کی ایک عورت چوری کے جرم میں ماخوذ ہوگئی تھی، اور اس پر چوری کی سزا (ہاتھ کاٹے جانے) جاری کرنے کا فیصلہ ہوگیا تھا، جس کی بناء پر پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ایک چہیتے صحابی حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کو عورت کے خاندان والوں نے سفارشی بناکر پیغمبر علیہ السلام کی خدمت میں بھیجا اور اس سے حد اُٹھانے کی درخواست کی، یہ سن کر نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام سخت ناراض ہوئے، اور نہایت جلال میں ارشاد فرمایا:

"أَتَشْفَعُ فِيْ حَدٍّ مِنْ حُدُوْدِ اللّٰهِ" (کیا اللہ کی حد کے بارے میں تم سفارش کرنے آئے ہو؟) پھر آپ نے صحابہ رضی اللہ عنہم کے درمیان خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

أَيُّهَا النَّاسُ! إِنَّمَا أَهْلَكَ الَّذِيْنَ قَبْلَكُمْ أَنَّهُمْ كَانُوْا إِذَا سَرَقَ فِيْهِمُ الشَّرِيْفُ تَرَكُوْهُ، وَإِذَا سَرَقَ فِيْهِمُ الضَّعِيْفُ أَقَامُوْا عَلَيْهِ الْحَدَّ، وَأَيْمُ اللّٰهِ لَوْ أَنَّ فَاطِمَةَ بِنْتَ مُحَمَّدٍ سَرَقَتْ لَقَطَعْتُ يَدَهَا.

(صحیح مسلم ٦٤/٢)

اے لوگو! تم سے پہلی قوموں کو اسی بات نے ہلاکت میں ڈالا کہ ان میں سے اگر کوئی معزز شخص چوری میں پکڑا جاتا تو اُسے ویسے ہی چھوڑ دیتے تھے، اور اگر کوئی کمزور آدمی چوری کرتا تو اس پر حد جاری کرتے تھے، اور اللہ کی قسم اگر محمد کی بیٹی فاطمہ بھی چوری کرے تو میں اس کا ہاتھ بھی کاٹ دوں گا۔

بلاشبہ یہی وہ اسلامی تعلیم ہے جو سارے عالم میں اَمن وامان کے بقاء کی ضمانت ہے۔

خلیفۂ اَول سیدنا حضرت صدیق اَکبر رضی اللہ عنہ کی عادلانہ فکر

خلیفۂ اول سیدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ جب منصبِ خلافت پر تشریف فرما ہوئے، تو آپ نے جو پہلا خطبہ ارشاد فرمایا اس میں درج ذیل کلمات بھی تھے، جو عدل وانصاف کے بارے میں آپ کے پرعزم نظریہ پر روشن دلیل ہیں، آپ نے پوری قوت کے ساتھ ارشاد فرمایا:

وَإِنَّ اَقْوَاكُمْ عِنْدِيْ الضَّعِيْفُ حَتّٰى اٰخُذَلَهُ بِحَقِّهِ وَإِنَّ أَضْعَفَكُمْ عِنْدِيْ الْقَوِيُّ حَتّٰى اٰخُذَ مِنْهُ الْحَقَّ. (موسوعة آثار الصحابة ۳۵/۱)

اور میرے نزدیک تم میں سے زیادہ طاقت ور، ضعیف (مظلوم) شخص ہے، حتی کہ میں اس کا (واقعی) حق اس کو دلاکر رہوں گا، اور میرے نزدیک تم میں سب سے زیادہ کمزور، طاقت ور (ظالم) شخص ہے حتی کہ میں اس سے (دوسرے کا) حق لے کر رہوں گا۔

عام طور پر دنیا میں یہ ہوتا ہے کہ غریب اور ضعیف کی فریاد تک نہیں سنی جاتی، جب کہ طاقتور اور باوجاہت لوگوں کی غلط حرکتوں کی بھی چشم پوشی کی جاتی ہے، جس کی وجہ سے ظالم کے حوصلے بلند ہوجاتے ہیں اور مظلوم کی امیدیں ٹوٹ کر رہ جاتی ہیں۔ سیدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس معاملہ میں اپنا کردار روزِ روشن کی طرح عیاں کردیا کہ یہاں ضعیف اور کمزور پر نظر نہیں ہوگی بلکہ حق اور ناحق پر نظر ہوگی طاقت اور ضعف کا پیمانہ نہیں ہوگا؛ بلکہ ظالم اور مظلوم کا پیمانہ ہوگا۔ اور ہر شخص کی فریادرسی انصاف کے ساتھ کی جائے گی۔

ابتدائے خلافت میں آپ نے جس عزم کا اظہار فرمایا تھا، تادم آخر آپ اس پر پوری طرح قائم رہے۔

امیر المؤمنین سیدنا حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کا مثالی عدل

خلیفۂ ثانی امیر المؤمنین سیدنا حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ نے اپنے دورِ خلافت میں

عدل وانصاف کے ایسے نمونے پیش فرمائے، جن کی مثال انسانی تاریخ میں خال خال ہی ملتی ہے، آپ نے اسلام کے عادلانہ نظام کواُجاگر کرنے کا ایسا عظیم کارنامہ انجام دیا کہ آپ کی ذات اور عدل وانصاف گویا کہ لازم ملزوم بن گئے، کہ آج جہاں بھی حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کا نام آتا ہے تو ان کے عدل کا تصور نظروں میں گھوم جاتا ہے، اور دنیا میں جب کہیں بھی عدل کا ذکر ہوتا ہے تو خود بخود نگاہیں حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کے عظیم کردار کی طرف اُٹھ جاتی ہیں۔

حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ نے اپنے تمام عمال اور اُمراء کو عدل وانصاف کی ہدایت کر رکھی تھی، اور پھر آپ اس کی نگرانی بھی فرماتے تھے، اگر کسی حاکم کے بارے میں یہ پتہ چلتا کہ اُس نے عدل کے خلاف کوئی حرکت کی ہے، تو آپ اُس کی سخت باز پرس فرماتے۔ خاص طور پر معاشرہ کے سبھی طبقات کے ساتھ یکساں معاملہ کرنے پر آپ زور دیتے تھے، اور قانون کی نظر میں سب کو برابر تصور فرماتے تھے۔

ایک مرتبہ ایک باغ کے معاملہ میں آپ کا حضرت اُبی ابن کعب رضی اللہ عنہ سے کچھ تنازع ہوا، تو آپ دونوں حضرات قاضیٔ مدینہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے پاس تشریف لے گئے، اور اُن سے فیصلہ کی درخواست کی۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اپنی جگہ بٹھانا چاہا، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اعتراض ہوا، کہ اِس وقت میں ایک فریق بن کر آیا ہوں، مجھے امتیازی جگہ بٹھانا اِنصاف کے خلاف ہے، چناں چہ حضرت زید رضی اللہ عنہ نے دونوں کو سامنے بٹھایا، اور گفتگو شروع ہوئی۔ حضرت اُبی ابن کعب رضی اللہ عنہ نے باغ پر اپنی ملکیت کا دعویٰ پیش فرمایا، جب کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اس سے انکار فرمایا، حضرت زید رضی اللہ عنہ نے شرعی اُصول کے مطابق حضرت اُبی ابن کعب رضی اللہ عنہ سے اُن کے دعویٰ پر گواہ طلب کئے، تو اُنہوں نے فرمادیا کہ میرے پاس گواہ نہیں ہیں، تو حضرت زید رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے قسم کھانے کا مطالبہ کیا، ساتھ ہی حضرت اُبی ابن کعب رضی اللہ عنہ سے مخاطب ہو کر یہ فرمایا کہ امیر المؤمنین سے آپ قسم نہ لیں تو بہتر ہے، یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ ارشاد فرما ہوئے کہ:

’’کیا آپ دوسروں کے مقدمات میں بھی اسی طرح قسم نہ لینے کا مشورہ دیتے ہیں‘‘؟ تو حضرت زید رضی اللہ عنہ نے انکار فرمایا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرمانے لگے کہ: ’’جیسے اور لوگوں کے مقدمات آپ سنتے ہیں، اسی طرح ہمارا بھی مقدمہ سنیں اور کوئی امتیاز نہ برتیں‘‘۔ اس کے بعد آپ نے قسم کھا کر فرمایا کہ: ’’اِس باغ میں حضرت اُبی ابن کعب رضی اللہ عنہ کا کوئی حق نہیں ہے‘‘۔ چناں چہ حسبِ ضابطہ فیصلہ آپ کے حق میں ہوا؛ لیکن اس موقع پر آپ نے ایک تاریخی جملہ بھی ارشاد فرمایا جو سبھی حکام وقضاۃ کے لئے بہترین مشعلِ راہ کی حیثیت رکھتا ہے، آپ نے ارشاد فرمایا:

لَا یُدْرِکُ زَیْدٌ الْقَضَاءَ حَتّٰی یَکُوْنَ عُمَرُ وَرَجُلٌ مِنْ عُرُضِ الْمُسْلِمِیْنَ عِنْدَہٗ سَوَاءً۔ (أخبار القضاۃ ۱/۱۱۰ بحوالہ: فاروق اعظم رضی اللہ عنہ، مفتی محمد فاروق صاحب میرٹھ ۱۵۷-۱۵۹)

حضرت زید قضاء کے منصب کے اس وقت تک اہل نہیں ہوسکتے جب تک کہ ان کی نظر میں عمر (امیر المؤمنین) اور ایک عام مسلمان آدمی برابر نہ ہو جائیں۔

رعبِ فاروقی

سیدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کا اپنے حکام پر کیسا رعب ودبدبہ تھا، اس کا کچھ اندازہ اس واقعہ سے لگایا جاسکتا ہے کہ ایک دیہاتی ذمی شخص کی زمین کا کچھ حصہ سعید بن مالک نامی ایک حاکم کے قبضہ میں آ گیا، اور جب اس دیہاتی نے اس حاکم سے اپنی زمین واگذاری کی درخواست کی تو سعید بن مالک نے اس کی اُلٹی سرزنش کی، دیہاتی نے کہا کہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس جاکر شکایت کروں گا، چناں چہ وہ مدینہ منورہ پہنچا اور سارا قصہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہہ سنایا، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے غلام ’’یرفاٗ‘‘ کو بلاکر ایک تحریر لکھوائی، جس کا مضمون یہ تھا:

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

’’مِنْ عَبْدِ اللّٰہِ عُمَرَ أَمِیْرِ الْمُؤْمِنِیْنَ إِلٰی سَعِیْدِ بْنِ مَالِکٍ، سَلَامٌ عَلَیْکَ، أَمَّا بَعْدُ: فَإِنَّ مَهْرَزَادَ دَهْقَانُ السَّیْلَحِیْنِ ذَکَرَ أَنَّ لَہٗ ضَیْعَةً إِلٰی جَانِبِکَ وَإِنَّہٗ أَتَاکَ

يَسْتَعْدِيْکَ عَلٰی نَفْسِکَ، فَأَمَرْتَ بِهٖ فَوُجِئَتْ عُنُقُهٗ، فَإِذَا جَاءَ کَ کِتَابِيْ هٰذَا فَأَرْضِهٗ مِنْ حَقِّهٖ، وَإِلَّا فَاَقْبِلْ عَلَيَّ رَاحِلاً، وَالسَّلَامُ''.

(یہ تحریر اللہ کے بندے امیر المؤمنین عمر کی طرف سے سعید بن مالک کی جانب بھیجی جارہی ہے، تم پر سلامتی ہو، بعداز اں بات یہ ہے کہ علاقہ سیلحسین کا ایک دیہاتی شخص جس کا نام ''مہرزاد'' ہے، اس نے یہ بیان کیا ہے کہ اس کی کچھ جائیداد تمہاری طرف آ گئی ہے، اور جب وہ اس معاملہ میں تمہارے پاس مدد کے لئے پہنچا تو تم نے آرڈر دے کر اس کی گردن ٹھکوادی، (یعنی اس کو حق دینے کے بجائے اس کی سرزنش کی) پس جب یہ تحریر تمہارے پاس پہنچے، تو یا تو اس کا حق دے کر اسے راضی کرو، اور یا فوراً سوار ہو کر میرے پاس آ جاؤ، والسلام)

یہ تحریر لکھوانے کے بعد کاغذ کو لپیٹنے کے لئے آپ دھاگہ تلاش کر رہے تھے، مگر وہ دستیاب نہیں ہوا، تو آپ نے اپنے نیچے بچھائے ہوئے ایک عباء سے کچھ دھاگے نکال کر اس سے تحریر کو باندھ دیا۔ راوی کہتا ہے کہ یہ تحریر لے کر جب میں اپنے گھر آیا تو گھر والوں نے پوچھا کہ کیا کر کے آئے ہو؟ میں نے کہا کہ میں ایک ایسے شخص کے پاس سے آرہا ہوں جس کے پاس اپنی تحریر باندھنے کے لئے کوئی قاعدہ کا دھاگہ بھی نہ تھا، حتیٰ کہ اپنے بوسیدہ عباء کے نیچے سے دھاگہ نکال کر اس نے تحریر باندھی، تو ایسے آدمی کی تحریر کا کیا اثر ہوگا؟ تو گھر والوں نے کہا کہ یہ تحریر سعید بن مالک تک پہنچاؤ تو سہی، ممکن ہے کہ وہ اس حکم کی تعمیل کرے، چناں چہ جب میں وہ تحریر لے کر سعید بن مالک کے پاس گیا، تو اس کو پڑھتے ہی وہ تھر تھر کانپنے لگے، حتی کہ وہ تحریر ان کے ہاتھ سے گر گئی، اور کہنے لگے کہ تم نے کیا غضب کیا، جاؤ وہ ساری زمین تمہاری ہے، میں نے کہا بھی کہ میں ساری زمین نہیں لینا چاہتا؛ لیکن وہ یہی کہتے رہے کہ اب میں اس زمین کا کوئی جزء بھی نہیں لوں گا۔ (المحاسن والمساوی، للشیخ ابراہیم بن محمد البیہقی ۳۵۹ -۳۶۰)

اس واقعہ سے امیر المؤمنین سیدنا حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے حکام پر رعب ودبدبہ کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے، یہ بات جبھی پیدا ہوتی ہے جب آدمی عدل وانصاف کے تقاضوں کو پورا کرنے والا ہو۔

عدلِ فاروقی نے ایک متکبر حکمراں کا غرور خاک میں ملا دیا

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ''جبلہ ابن ایہم غسانی'' جو کہ علاقۂ غسان کے بادشاہوں میں سے تھا، مسلمان ہوا، موسم حج میں خانۂ کعبہ کا طواف کر رہا تھا، ایک دوسرا غریب آدمی بھی ساتھ طواف کر رہا تھا، اتفاق سے اس غریب آدمی کے پیر تلے اس کی لنگی کا کنارہ دَب گیا، جبلہ آگے بڑھا، تو اس کی لنگی کھل گئی اور وہ برہنہ ہو گیا، چوں کہ وہ اپنے کو بہت بڑا آدمی سمجھتا تھا، اور دوسرا شخص نہایت غریب تھا؛ لہٰذا اُس کو بہت غصہ آیا اور اس نے ایک طمانچہ اِس زور سے مارا کہ اُس بے چارہ کا دانت ٹوٹ گیا، وہ شخص اِس حالت میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پہنچا اور عرض کیا کہ اے امیر المؤمنین جبلہ نے میرا دانت توڑ دیا ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جبلہ کو ہمارے پاس لاؤ، جب وہ لایا گیا تو آپ نے فرمایا کہ یا تو تم مدعی کو رضا مند کرو، ورنہ قصاص دینے پر راضی ہو جاؤ، جبلہ کو خلافِ توقع فیصلہ سخت ناگوار گذرا، اس نے کہا کہ ایک معمولی شخص کے عوض مجھ سے قصاص لیا جائے گا، میں بادشاہ ہوں اور وہ عام رعیت کا ایک فرد، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اسلام نے تم کو اور اس کو یعنی بادشاہ اور رعیت کو اپنے احکام میں مساوی کر دیا ہے، کسی کو کسی پر فضیلت ہے تو اعمالِ صالحہ اور اَخلاقِ حسنہ کی وجہ سے ہے، جبلہ نے کہا کہ میں تو یہ سمجھ کر مسلمان ہوا تھا کہ پہلے سے زیادہ باعزت ومحترم ہو کر رہوں گا، آپ نے فرمایا کہ اسلامی قانون کا فیصلہ تو یہی ہے جس کی پابندی ہم پر اور تم پر لازمی ہے، اس کے خلاف کچھ نہیں ہو سکتا، عزت قائم رکھنی ہے، تو اس کو راضی کر لو ورنہ مجمع عام میں بدلہ دینے کو تیار ہو جاؤ۔ (اشاعتِ اسلام ۲۷۴)

اس نے کہا کہ اچھا مجھے ایک دن کی مہلت مل سکتی ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اگر یہ شخص مہلت دے تو ہو سکتی ہے، صاحبِ حق سے پوچھا گیا، وہ بے چارہ اس قدر نیک دل تھا کہ اس نے اجازت دے دی، جبلہ موقع پا کر رات کو بھاگ گیا اور رومیوں سے جا ملا اور بدستور سابق نصرانی ہو گیا۔ (افادات حضرت حکیم الامت، ماخوذ: فاروقِ اعظم، از: مفتی محمد فاروق صاحب میرٹھ ۱۶۱)

اور زرکلی کی ''الاعلام'' میں بلاذری کے حوالہ سے یہ واقعہ اِس طرح نقل کیا گیا ہے کہ جب

سیدنا حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ ۱۷ھ ہجری میں شام کے علاقہ میں تشریف لے گئے تو جبلہ ابن ایہم کا قبیلۂ مزنیہ کے ایک شخص سے جھگڑا ہوا، اور اُس نے اُس کی آنکھ پر چپت مار دیا۔ معاملہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دربار تک پہنچا، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جبلہ کو حکم دیا کہ: ''تمہیں قصاص دینا ہوگا''، تو جبلہ اَکڑ گیا اور کہنے لگا کہ: ''میری اور اُس کی آنکھ کیا برابر ہے''؟ میں ایسے علاقہ میں نہیں رہ سکتا، جہاں مجھ پر کوئی اور حکومت کرے، چناں چہ وہ مرتد ہوکر عیسائیوں سے جاملا، اور وہیں اُس کی موت آئی۔ (الاعلام ۲/۱۱۱ دارالعلم بیروت، بحوالہ: فتوح البلدان للبلاذری ۱۴۱-۱۴۲)

اس واقعہ سے عدلِ فاروقی کا ایک شاندار نمونہ ظاہر ہوا، جو قیامت تک آنے والی انسانیت کے لئے مشعل راہ ہے۔

یہ تو چند نمونے ہیں، ورنہ اسلامی تاریخ ایسے واقعات سے بھری پڑی ہے۔ خصوصاً خلفاء راشدین اور خلیفہ راشد سیدنا حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ تعالیٰ کا دورِ حکومت عدل وانصاف کے اعتبار سے آج تک ضرب المثل ہے، جن کے تفصیلی واقعات کا احاطہ موجبِ طوالت ہے۔

چند آدابِ قضاء

درج بالا تفصیلات کی روشنی میں فقہاء نے حکام اور قضاۃ کے لئے ایسے آداب مقرر فرمائے ہیں، جن کا اگر لحاظ رکھا جائے تو حتی الامکان حق تلفیوں اور بدعنوانی سے بچا جاسکتا ہے، چند آداب ملاحظہ فرمائیں:

(۱) جو شخص عدل وانصاف کرنے پر قدرت نہ رکھے، اسے حکومت کا کوئی عہدہ قبول نہ کرنا چاہئے۔

(۲) اگر طبعی ناگواری کے باوجود کسی شخص کو عہدہ سپرد کردیا جائے تو وہ اس عہدہ کا حق ادا کرنے کی ہر ممکن کوشش کرے اور تہمت کے مواقع سے بچتا رہے۔

(۳) عہدہ حاصل کرنے کے بعد اپنے قریبی رشتہ داروں کے علاوہ کسی اور شخص سے کوئی ہدیہ قبول نہ کرے، حتیٰ کہ اگر قریبی رشتہ دار کا مقدمہ زیرِ سماعت ہو تو اس کا ہدیہ بھی قبول نہ کرے۔

(۴) جو شخص تعلق کی بنا پر اسے پہلے سے ہدیہ دیتا رہا ہو، تو اس سے صرف اُسی قدر ہدیہ وصول کرے جو پہلے دیتا رہا ہے، اس سے زیادہ وصول کرنا درست نہیں۔

(۵) حاکم کسی ایسی دعوت میں شریک نہ ہو جو خاص کر اسی حاکم کے اعزاز میں منعقد کی گئی ہو۔

(۶) جو معاملہ حاکم اور قاضی کے سامنے پیش ہو تو اس کے متعلق کسی ایک فریق کو چھوڑ کر دوسرے فریق کی میزبانی نہ کرے۔

(۷) جب فریقین مجلس عدالت میں حاضر ہوں، تو دونوں فریقوں سے گفتگو میں یکسانیت اختیار کرے، نہ تو کسی فریق سے سرگوشی کرے اور نہ کسی سے بشاشت اور بے تکلفی سے بات کرے، اور نہ ہنسی مذاق کرے۔ (ہدایہ ۳/۱۳۵-۱۳۶)

عادل حکمرانوں کے لئے بشارتیں

احادیثِ شریفہ میں انصاف کرنے والے حکام کے لئے بڑی بشارتیں وارد ہیں، ایک حدیث میں ہے کہ سات خوش نصیب لوگ میدانِ محشر میں اللہ کے سایہ میں ہوں گے، جن میں سب سے پہلے نمبر پر ''إِمَامٌ عَادِلٌ'' یعنی ''عادل حکمراں'' کو شامل کیا گیا ہے۔ (بخاری شریف ۱/۹۱ حدیث: ۶۶۰، مسلم شریف ۱/۳۳۱ حدیث: ۱۰۳۱)

نیز پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ بھی فرمایا کہ:

إِنَّ الْمُقْسِطِيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ عَلٰى مَنَابِرٍ مِنْ نُوْرٍ عَنْ يَمِيْنِ الرَّحْمٰنِ وَكِلْتَا يَدَيْهِ يَمِيْنٌ، اَلَّذِيْنَ يَعْدِلُوْنَ فِيْ حُكْمِهِمْ وَأَهْلِيْهِمْ وَمَا وَلُوْا.

(صحیح مسلم ۲/۱۲۱ رقم: ۱۸۲۷)

عدل وانصاف سے کام لینے والے اللہ کے نزدیک نور کے ممبروں پر رحمٰن کے دائیں جانب (اور اس کی دونوں جانبیں داہنی ہی ہیں) تشریف فرما ہوں گے، جو اپنے فیصلوں میں اور اپنے گھر والوں کے ساتھ اور اپنی ذمہ داریوں میں عدل وانصاف کرتے ہیں۔

اور پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ بھی ارشاد ہے کہ:

أَهْلُ الْجَنَّةِ ثَلاثَةٌ: ذُوْ سُلْطَانٍ مُقْسِطٌ مُوَفَّقٌ، وَرَجُلٌ رَحِيْمٌ رَقِيْقُ الْقَلْبِ، لِكُلِّ ذِيْ قُرْبٰى مُسْلِمٍ، وَعَفِيْفٌ مُتَعَفِّفٌ ذُوْ عِيَالٍ. (صحيح مسلم ۲/۳۸۵ رقم: ۲۸٦٥)

تین طرح کے لوگ جنتی ہیں: (۱) عادل حکمراں، جسے اللہ کی طرف سے توفیق نصیب ہو (۲) وہ شخص جو ہر قریبی مسلمان رشتہ دار کے لئے مہربانی کرنے والا اور نرم دل ہو (۳) وہ شخص جو پاک دامن اور پاک باز عیال دار ہو۔ (باحیا اور باغیرت ہو)

اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا:

يَوْمٌ مِنْ إِمَامٍ عَادِلٍ أَفْضَلُ مِنْ عِبَادَةِ سِتِّيْنَ سَنَةً، وَحَدٌّ يُقَامُ فِي الْأَرْضِ بِحَقِّهٖ أَزْكٰى فِيْهَا مِنْ مَطَرٍ أَرْبَعِيْنَ صَبَاحًا. (رواه الطبراني، الترغيب والترهيب رقم: ٣٣٤٤)

عادل بادشاہ کا ایک دن ساٹھ سال کی عبادت سے بڑھ کر ہے، اور زمین میں جو حد شرعی حق کے ساتھ قائم کی جائے وہ زمین میں چالیس دن کی لگاتار بارش سے زیادہ صفائی اور ستھرائی کا سبب ہے۔

مطلب یہ ہے کہ عادل حکمراں قوم وملت کی فکر میں جو وقت صرف کرتا ہے وہ سالوں کی نفلی عبادات سے زیادہ فضیلت رکھتا ہے؛ کیوں کہ اس کا یہ وقت اصلاحِ عالم کی اہم ترین ذمہ داری کی ادائیگی میں صرف ہو رہا ہے۔

❍❖❍

تیسری فصل:

بدخواہ اَمیر کی خیر نہیں

حاکم اور اَمیر کو بہر حال اپنی رعایا کے ساتھ شفقت اور خیر خواہی کا معاملہ کرنا چاہئے، اگر وہ ایسا نہیں کرے گا تو سخت محرومی کا مستحق ہوگا۔ حضرت معقل بن یسار رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک جلیل القدر صحابی ہیں، وہ جب مرض الوفات میں تھے، تو عبید اللہ بن زیاد (جو ایک ظالم حاکم تھا) ان کی عیادت کے لئے آیا، تو حضرت معقل بن یسار رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے احقاقِ حق اور جرأت کا اظہار فرماتے ہوئے عبید اللہ بن زیاد سے کہا کہ میں آپ کو ایک حدیث سنانا چاہتا ہوں جو میں نے حضرت نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے سنی ہے، اگر مجھے اپنی زندگی کی امید ہوتی تو میں آپ کو نہ سناتا؛ لیکن اب چوں کہ زندگی سے ناامید ہو چکا ہوں، اس لئے سنا رہا ہوں، وہ حدیث یہ ہے کہ حضرت نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا:

مَا مِنْ عَبْدٍ يَسْتَرْعِيهِ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ رَعِيَّةً يَمُوْتُ يَوْمَ يَمُوْتُ، وَهُوَ غَاشٌّ رَعِيَّتَهُ إِلَّا حَرَّمَ اللّٰهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ. (صحيح مسلم ٨١/١ رقم: ١٤٢) **وَزَادَ فِيْ رِوَايَةٍ عِنْدَ الْبُخَارِيْ: فَلَمْ يَحُطْهَا بِنُصْحِهِ لَمْ يَرِحْ رَائِحَةَ الْجَنَّةِ.**

جس آدمی کو اللہ تعالیٰ کسی رعایا کا ذمہ دار بنائے، اور وہ اس حالت میں مرے کہ اپنی رعایا کے حق میں خیانت کرنے والا ہو، تو اللہ تعالیٰ اس پر جنت کو حرام فرما دیں گے۔ اور ایک روایت میں ہے کہ اگر وہ رعایا کے ساتھ خیر خواہی نہ کرے تو وہ جنت کی خوشبو سے محروم رہے گا۔

(صحيح البخاري ١٠٥٨/٢ رقم: ٧١٥٠، الترغيب والترهيب مكمل رقم: ٣٣٧٧)

نیز نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ بھی ارشاد ہے:

مَـنْ وَلِيَ مِنْ أَمْرِ الْمُسْلِمِيْنَ شَيْئًا فَغَشَّهُمْ فَهُوَ فِيْ النَّارِ. (رواه الطبراني في الأوسط والصغير، الترغيب والترهيب مكمل رقم: ٣٣٨٢)

جو مسلمانوں کے کسی معاملہ کا ذمہ دار ہو پھر ان کے ساتھ دھوکہ اور فریب کرے تو وہ جہنمی ہے۔

اور ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں:

مَـا مِنْ أَمِيْرٍ يَلِيْ أُمُوْرَ الْمُسْلِمِيْنَ، ثُمَّ لَا يَجْهَدُ لَهُمْ، وَيَنْصَحُ لَهُمْ إِلَّا لَـمْ يَـدْخُـلْ مَعَهُمُ الْجَنَّةَ. (صحيح مسلم ٨١/١ رقم: ١٤٢، والطبراني في الصغير ٢١٣/٥، الترغيب والترهيب مكمل رقم: ٣٣٧٨)

جو امیر مسلمانوں کے معاملہ کا ذمہ دار بنایا جائے، پھر نہ تو ان کے لئے تگ ودو کرے اور نہ ان کے ساتھ خیر خواہی کا معاملہ کرے تو وہ مسلمانوں کے ساتھ جنت میں داخل نہیں ہوگا۔

حدیث کا مطلب یہ ہے کہ مذکورہ حاکم اپنی کوتاہی کی وجہ سے جنت میں دخولِ اول سے محروم رہے گا (گو کہ سزا بھگتنے کے بعد ایمان کی بدولت اسے جنت میں داخلہ نصیب ہوگا)

اللہ کی پکڑ سخت ہے

ظالم حکمراں خواہ کتنا ہی طاقتور ہو، اللہ تبارک وتعالیٰ کے مقابلہ میں اس کی کوئی حیثیت نہیں ہے، پس جب تک حکمتِ خداوندی کی بنا پر اسے مہلت ملی رہتی ہے تو وہ شیر بنا رہتا ہے؛ لیکن جب اللہ کی پکڑ آتی ہے تو منٹوں سکنڈوں میں ساری طاقت کے کس بل نکل جاتے ہیں، اور بڑے سے بڑے ظالم تاریخ کے گمشدہ اوراق کا حصہ بن کر قصۂ پارینہ بن جاتے ہیں۔

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

إِنَّ الـلّٰـهَ يُمْلِيْ لِلظَّالِمِ فَإِذَا أَخَذَهُ

اللہ تعالیٰ ظالم کو مہلت دیتے رہتے ہیں؛ لیکن

لَمْ يُفْلِتْهُ، ثُمَّ قَرَأَ: ﴿وَكَذٰلِكَ اَخْذُ رَبِّكَ اِذَا اَخَذَ الْقُرٰى وَهِيَ ظَالِمَةٌ اِنَّ اَخْذَهٗ اَلِيْمٌ شَدِيْدٌ﴾ [هود: ١٠٢] (صحيح البخاري ٦٧٨/٢ رقم: ٤٦٨٦، صحيح مسلم ٣٢٠/٢ رقم: ٢٥٨٣، سنن الترمذي ١٤٣/٢ رقم: ٣١١٠، الترغيب والترهيب مكمل رقم: ٣٤٠٦)

جب پکڑتے ہیں تو پھر نہیں چھوڑتے، پھر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی، جس کا ترجمہ یہ ہے ’’اور اسی طرح ہے تیرے رب کا پکڑنا، جب اس نے پکڑ کی بستیوں (والوں) کی، جو ظالم تھیں، یقیناً اس کی پکڑ المناک اور زبردست ہے‘‘۔

دنیا کی تاریخ کے بے شمار واقعات اس حدیث میں بیان کردہ حقیقت کی تائید کرتے ہیں کہ ظلم کی ٹہنی کبھی پھلتی نہیں اور ظالم کا ظلم ایک حد تک پہنچ کر یقیناً مٹ جاتا ہے۔

مظلوم کی بددعا سے بچیں!

کسی بھی حاکم کو کبھی بھی ظلم کر کے بے خوف نہیں ہونا چاہئے؛ کیوں کہ مظلوم کے دل سے نکلنے والی ’’آہ‘‘ کبھی بھی اس کا پیچھا نہیں چھوڑ سکتی، یہ آہ براہِ راست آسمانوں پر سنی جاتی ہے، اور دیر یا سویر اس کا برا اثر ضرور ظاہر ہو کر رہتا ہے۔ نبی اکرم علیہ والسلام نے جب حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو یمن کا گورنر بنا کر روانہ فرمایا تو جہاں ان کو دیگر نصیحتیں فرمائیں، ایک نصیحت یہ بھی کی:

اِتَّقِ دَعْوَةَ الْمَظْلُوْمِ فَإِنَّهٗ لَيْسَ بَيْنَهَا وَبَيْنَ اللّٰهِ حِجَابٌ. (صحيح البخاري ٢٠٣/١ رقم: ١٤٩٦، صحيح مسلم ٣٦/١ رقم: ١٩، سنن أبي داؤد ٢٢٣/١ رقم: ١٥٨٤، الترغيب والترهيب مكمل رقم: ٣٤١١)

مظلوم کی بددعا سے بچو؛ اس لئے کہ اس کی دعا اور اللہ کے درمیان کوئی پردہ نہیں ہے۔

نیز پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا:

اِتَّقُوْا دَعْوَةَ الْمَظْلُوْمِ فَإِنَّهَا تَصْعَدُ

مظلوم کی بددعا سے بچو؛ کیوں کہ وہ چنگاری کی

إِلَـى السَّـمَـاءِ كَأَنَّهَا شِرَارَةٌ. (رواه الحاكم ٢٩/١، الترغيب والترهيب مكمل رقم: ٣٤١٤)

طرح آسمان کی طرف بلند ہوتی ہے۔

اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ بھی ارشادِ عالی ہے:

دَعْوَةُ الْـمَـظْلُوْمِ مُسْتَجَابَةٌ، وَإِنْ كَانَ فَاجِرًا، فَفُجُوْرُهٗ عَلٰى نَفْسِهٖ. (رواه أحمد ٣٦٧/٢، الترغيب والترهيب مكمل رقم: ٣٤١٥)

مظلوم کی بد دعا قبول ہے؛ اگرچہ وہ مظلوم فاسق وفاجر ہی کیوں نہ ہو؛ اس لئے کہ اس کے فجور کا تعلق خود اپنی ذات سے ہے۔

اس لئے ہر حاکم پر لازم اور ضروری ہے کہ وہ اپنے ماتحتوں کے ساتھ انصاف کا برتاؤ کرے اور حتی الامکان اپنے کو مظلوم کی بد دعا سے بچانے کا اہتمام رکھے۔

ظالم حکمرانوں کے لئے سخت ترین وعیدیں

اس کے برخلاف قرآن وحدیث میں رعایا کے حقوق کی ادائیگی میں کوتاہی کرنے والے اور ظالم حکمرانوں کے لئے سخت ترین وعیدیں ارشاد فرمائی گئی ہیں۔

ایک حدیث میں ہے کہ قیامت کے دن جن لوگوں کو سخت ترین عذاب ہوگا، ان میں ظالم حکمراں بھی شامل ہیں۔ (رواہ الطبرانی، الترغیب والترہیب مکمل حدیث: ۳۳۴۹)

نیز بعض روایات میں فرمایا گیا کہ ظالم حکمراں اللہ تعالیٰ کی نظر میں سب سے زیادہ مبغوض اور ناپسند ہے۔ (سنن الترمذی ۲۴۸/۱ حدیث: ۱۳۲۹)

اور بعض ضعیف روایات میں ہے کہ ظالم حاکم کی نمازیں اللہ کے نزدیک قبول نہیں ہوتیں۔ (الترغیب والترہیب مکمل حدیث: ۳۳۵۱)

اور حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام ایک گھر کے دروازے پر تشریف فرما ہوئے، جس میں قبیلہ قریش کے کچھ لوگ موجود تھے، اور آپ

نے دروازہ کی چوکھٹ پکڑ کر ارشاد فرمایا کہ کیا اس گھر میں قریشی کے علاوہ کوئی اور شخص بھی ہے؟ تو جواب ملا کہ یہاں سب قبیلہ قریش ہی کے لوگ ہیں؛ البتہ ایک بھانجہ بھی ہے، تو پیغمبر علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ (کوئی بات نہیں) بھانجہ کا شمار بھی اُسی قوم (ننہیال) میں ہی ہوتا ہے، اس کے بعد آپ نے حاضرین سے مخاطب ہوکر فرمایا:

إِنَّ هٰذَا الْأَمْرَ فِي قُرَيْشٍ مَا إِذَا اسْتُرْحِمُوْا رَحِمُوْا، وَإِذَا حَكَمُوْا عَدَلُوْا، وَإِذَا قَسَمُوْا أَقْسَطُوْا، فَمَنْ لَمْ يَفْعَلْ ذٰلِكَ مِنْهُمْ فَعَلَيْهِ لَعْنَةُ اللّٰهِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِيْنَ لَا يُقْبَلُ مِنْهُ صَرْفٌ وَلَا عَدْلٌ. (رواه أحمد ٣٩٦/٤، الترغيب والترهيب مكمل رقم: ٣٣٥٦)

یہ حکمرانی قبیلہ قریش میں رہے گی، جب تک کہ (اُن میں یہ صفت باقی رہے کہ) جب اُن سے فریاد کی جائے تو وہ رحم دلی سے کام لیں، اور جب وہ فیصلہ کریں تو عدل وانصاف کریں، اور جب وہ مال تقسیم کریں تو برابر سرابر دیں، پس جو ان میں سے ایسا نہیں کرے گا، اس پر اللہ کی، فرشتوں کی اور سب لوگوں کی پھٹکار ہے، اور اس کی فرض یا نفل کوئی عبادت قبول نہیں۔

اس روایت میں نہایت جامع انداز میں ایک اچھے حاکم کی لازمی صفات بیان کردی گئی ہیں، جو یقیناً لائق توجہ ہیں۔

قوم کی سب سے بڑی بدنصیبی

کسی بھی قوم کے لئے سب سے بڑی بدنصیبی کی بات یہ ہے کہ وہاں عدل وانصاف مفقود ہو، اور معاشرہ کے کمزور لوگ اپنا واجبی حق لینے سے عاجز ہوں، ایسا معاشرہ کبھی بھی پرسکون زندگی نہیں گذار سکتا، انسانیت کا تقاضا یہ ہے کہ فیصلے حق کی بنیاد پر کئے جائیں، اور کمزور لوگوں کا حق دلانے میں ایک دوسرے کی مدد کی جائے۔ چنانچہ نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا:

لَا تُقَدَّسُ أُمَّةٌ لَا يُقْضَى فِيْهَا بِالْحَقِّ وَلَا يَأْخُذُ الضَّعِيْفُ حَقَّهٗ

کوئی بھی ایسی قوم عزت نہیں پاسکتی جس میں حق پر فیصلہ نہ کیا جاتا ہو اور جہاں کمزور آدمی بغیر

مِـنَ الْـقَـوِيِّ غَيْـرَ مُتَعْتَـعٍ. (رواه الـطبـرانـي، سـنـن ابن ماجة رقم: ٢٤٢٦، الترغيب والترهيب رقم: ٣٣٥٧)

ہچکچاہٹ کے طاقتور سے اپنا حق لینے پر قادر نہ ہو۔

آج دنیا میں جہاں بھی بدامنی پھیلی ہوئی ہیں، وہاں کے حالات کی اگر تحقیق کی جائے گی تو یہی نتیجہ سامنے آئے گا کہ وہاں انصاف کے دوہرے پیمانے قائم کر لئے گئے ہیں، اور کمزوروں کے حقوق کو بے دریغ پامال کیا جارہا ہے، جس کے نتیجہ میں کمزور طبقوں میں مایوسی اور بددلی پھیلی ہوئی ہے، اور ذہنی سکون ناپید ہے۔

ناانصافی کی نحوست

دنیا میں اگر کوئی حاکم فیصلہ کرنے میں ناانصافی کرتا ہے اور جانب داری سے کام لیتا ہے، تو اللہ کی مدد اس سے ہٹ جاتی ہے اور شیطانی اثرات اس پر ظاہر ہو جاتے ہیں، جس کا نتیجہ فتنہ وفساد کی صورت میں رونما ہوتا ہے۔ نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا:

إِنَّ اللّٰـهَ مَعَ الْقَاضِيْ مَا لَمْ يَجُرْ، فَإِذَا جَارَ تَخَلّٰى عَنْهُ، وَلَزِمَهُ الشَّيْطَانُ. (سنن الترمذي رقم: ١٣٣٠، سنن ابن ماجة رقم: ٢٣١٢، الترغيب والترهيب مكمل رقم: ٣٣٦٠)

اللہ تعالیٰ کی مدد قاضی کے ساتھ ہے جب تک کہ وہ ظلم نہ کرے، پس اگر وہ ظلم کرنے لگے تو اللہ کی مدد اس سے اُٹھ جاتی ہے، اور شیطان اس کے پیچھے پڑ جاتا ہے۔

بے شک حکمرانی دُور سے بہت اچھی لگتی ہے؛ لیکن یہ بڑی ذمہ داری کی بات ہے، جب قیامت میں اس کا حساب دینا پڑے گا تو اندازہ ہوگا کہ یہ کتنا نازک معاملہ ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ:

مَنْ وَلِيَ أُمَّةً مِنْ أُمَّتِيْ قَلَّتْ أَوْ كَثُرَتْ فَلَمْ يَعْدِلْ فِيْهِمْ اَكَبَّهُ اللّٰهُ عَلٰى وَجْهِهٖ فِيْ النَّارِ. (رواه الطبراني،

جو شخص میری امت میں سے کسی جماعت کا ذمہ دار بن جائے، چاہے وہ جماعت تعداد میں کم ہو یا زیادہ، پھر وہ ان کے درمیان عدل وانصاف جاری

الترغيب والترهيب مكمل رقم: ٣٣٦٤)

نہ کرے، تو اللہ تعالیٰ اس کو چہرہ کے بل جہنم میں ڈال دیں گے۔

اور ایک دوسری روایت میں ارشادِ نبوی ہے:

مَا مِنْ أَمِيْرِ عَشَرَةٍ إِلَّا يُؤْتٰى بِهٖ مَغْلُوْلاً يَوْمَ الْقِيَامَةِ حَتّٰى يَفُكَّهُ الْعَدْلُ، أَوْ يُوْبِقَهُ الْجَوْرُ. (رواه البزار، الترغيب والترهيب مكمل رقم: ٣٣٦٨)

جو شخص دس آدمیوں پر امیر بنایا جائے، وہ قیامت کے دن بندھے ہوئے ہونے کی حالت میں لایا جائے گا؛ تاآں کہ اس کا عادلانہ عمل اسے آزاد کرادے یا ظلم و ناانصافی اسے ہلاکت میں ڈال دے۔

اور ایک حدیث میں رحمت عالم، نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی یہ دعا بھی منقول ہے، جس سے امت کے بارے میں آپ کی حیرت انگیز شفقت کا پتہ چلتا ہے، ام المؤمنین سیدتنا حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اپنے گھر میں یہ دعا فرماتے ہوئے سنا:

اَللّٰهُمَّ مَنْ وَلِيَ مِنْ أَمْرِ أُمَّتِيْ شَيْئاً فَشَقَّ عَلَيْهِمْ، فَاشْقُقْ عَلَيْهِ وَمَنْ وَلِيَ مِنْ أَمْرِ أُمَّتِيْ شَيْئًا فَرَفَقَ بِهِمْ، فَارْفُقْ بِهٖ. (صحيح مسلم ١٢٢/٢ رقم: ١٨٢٨، الترغيب والترهيب مكمل رقم: ٣٣٧٣)

اے اللہ! جو شخص میری امت میں کسی معاملہ کا ذمہ دار بنا، پھر اس نے اُمت پر سختی کی، تو آپ بھی اس پر سختی فرمائیے، اور جو شخص میری امت میں کسی معاملہ کا ذمہ دار بن کر ان کے ساتھ نرمی کا معاملہ کرے، تو آپ بھی اس کے ساتھ نرمی کا معاملہ فرمائیے۔

اس مبارک دعا میں قیامت تک آنے والے امت کے تمام منصف حکمرانوں کے لئے عظیم بشارت ہے، جب کہ سبھی ظالموں کے لئے سخت ترین وعید ہے، اور اللہ تعالیٰ کی رحمت سے محرومی کا اعلان ہے۔

چوتھی فصل:

بیویوں کے درمیان عدل

اسلام میں ضرورت اور تقاضوں کے تحت اگر چہ ایک سے زائد بیویوں سے نکاح کی اجازت دی گئی ہے، جو فطرت کے عین مطابق ہے؛ لیکن ساتھ میں یہ بھی شرط لگائی گئی ہے کہ اگر بیویوں کے درمیان عدل اور برابری کے بارے میں اطمینان نہ ہو تو پھر ایک ہی بیوی پر اکتفاء کرنا چاہئے۔ چناں چہ ارشادِ خداوندی ہے:

وَاِنْ خِفْتُمْ اَنْ لَّا تُقْسِطُوْا فِی الْیَتَامٰی فَانْکِحُوْا مَا طَابَ لَکُمْ مِنَ النِّسَآءِ مَثْنٰی وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ، فَاِنْ خِفْتُمْ اَنْ لَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً اَوْ مَا مَلَکَتْ اَیْمَانُکُمْ، ذٰلِکَ اَدْنٰی اَنْ لَّا تَعُوْلُوْا. (النساء: ۳)

اور اگر تمہیں ڈر ہو کہ یتیم لڑکیوں کے حق میں اِنصاف نہ کرسکو گے، تو جو عورتیں تمہیں اچھی لگیں اُن سے نکاح کرلو، دو- دو، تین- تین اور چار- چار، اور اگر تمہیں خوف ہو کہ (اُن بیویوں کے درمیان) اِنصاف نہ کرپاؤ گے، تو ایک ہی نکاح کرو یا باندی پر اکتفاء کرو، یہ زیادہ قریب ہے کہ ایک طرف جھک نہ پڑو۔

بریں بنا رات گذارنے میں، نان ونفقہ میں اور رہائش وغیرہ کے انتظامات میں سب بیویوں میں برابری کرنا ضروری ہے۔ (شامی ۴/۲۸۲ بیروت)

اور اگر کوئی شوہر ظاہری حقوق میں قصداً ناانصافی اور نابرابری کا عمل کرے گا تو اگر بیوی نے دل سے معاف نہ کیا تو شوہر کو آخرت میں اس کی سزا بھگتنی ہوگی۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے

ارشاد فرمایا:

مَنْ كَانَ لَهُ امْرَأَتَانِ فَمَالَ إِلٰى إِحْدَاهُمَا دُوْنَ الْأُخْرٰى جَاءَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَشِقُّهُ مَائِلٌ. (سنن أبي داؤد رقم: ۲۱۳۳ / باب في القسم بين النساء)

جس کی دو بیویاں ہوں، پھر وہ ایک کو چھوڑ کر دوسری کی طرف مائل ہوجائے، تو وہ قیامت میں اس حالت میں آئے گا کہ اس کے بدن کا ایک حصہ مفلوج ہوگا۔

لہٰذا جو حضرات متعدد بیویاں رکھتے ہیں، انہیں حتی الامکان برابری کا خیال رکھنا لازم ہے، ورنہ آخرت میں سخت پکڑ کا اندیشہ ہے۔

تاہم یہ بات بھی اپنی جگہ طے شدہ ہے کہ دلی رجحان کے اعتبار سے سب بیویوں سے برابر تعلق نہیں ہوسکتا، اس لئے برابری کرنے میں ظاہری معاملات کو معیار بنایا گیا ہے، جیسا کہ ارشادِ خداوندی ہے:

وَلَنْ تَسْتَطِيْعُوْا اَنْ تَعْدِلُوْا بَيْنَ النِّسَآءِ وَلَوْ حَرَصْتُمْ فَلَا تَمِيْلُوْا كُلَّ الْمَيْلِ فَتَذَرُوْهَا كَالْمُعَلَّقَةِ. (النساء: ۱۳۰)

اور تم چاہنے کے باوجود بیویوں کے درمیان (پورے طور پر) عدل کرنے کی قدرت نہیں رکھتے، پس پوری طرح ایک جانب نہ ہوجاؤ کہ اس (دوسری) بیوی کو اَدھر میں لٹکا کر چھوڑ دو۔

اسی بنا پر نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام ازواجِ مطہرات کے درمیان برابری فرما کر ساتھ میں یہ دعا بھی کرتے تھے:

اَللّٰهُمَّ هٰذَا قَسْمِيْ فِيْمَا أَمْلِكُ، فَلَا تُؤَاخِذْنِيْ فِيْمَا تَمْلِكُ وَلَا أَمْلِكُ (يَعْنِيْ الْقَلْبَ). (سنن أبي داؤد رقم: ۲۱۳٤)

اے اللہ! یہ میرا برابری کرنا اُن باتوں میں ہے جو میرے قابو میں ہیں، پس آپ اُس چیز کے متعلق میرا مؤاخذہ مت فرمایئے جو آپ کی قدرت میں ہے اس کا میں مالک نہیں (یعنی دلی رجحان)

پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اسوۂ مبارکہ پوری امت کے لئے بہترین نمونہ ہے، اسی کو پیش

نظر رکھ کر بیویوں کے حقوق ادا کرنے چاہئیں، اور اپنے جذبات میں بے قابو ہوکر صنفِ نازک کی دل شکنی نہیں کرنی چاہئے، یہی ایمان کا تقاضا ہے؛ البتہ اگر کوئی بیوی خود اپنا حق چھوڑ دے یا دوسری بیوی کے لئے اِیثار کردے، تو اس میں کوئی حرج نہیں، جیسا کہ ام المؤمنین سیدتنا حضرت سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا نے اپنی باری ام المؤمنین سیدتنا حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے حق میں چھوڑ دی تھی۔ (سنن ابی داؤد حدیث: ۲۱۳۵)

کوئی بیوی دوسری بیوی کی طلاق کی خواہش مند نہ رہے

متعدد بیویاں ہونے کی صورت میں عام طور پر سوکنیں ایک دوسرے کی کاٹ میں رہتی ہیں؛ بلکہ دل سے یہ چاہتی ہیں کہ شوہر دوسری بیوی کو طلاق دیدے؛ تاکہ شوہر کی ساری توجہ ایک ہی طرف رہے، تو اس بارے میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے درج ذیل ہدایت فرمائی:

لَا تَسْـأَلِ الْـمَـرْأَةُ طَلَاقَ أُخْتِهَا لِتَسْتَفْرِغَ صَحْفَتَهَا وَلِتَنْكِحْ فَإِنَّ لَهَا مَا قُدِّرَ لَهَا. (صحيح البخاري رقم: ٥١٥٢، مشكوٰة المصابيح رقم: ٣١٤٥)	کوئی عورت اپنی بہن (سوکن) کی طلاق کا مطالبہ نہ کرے کہ اس کے برتن کو خالی کرنا چاہے؛ بلکہ اسی نکاح میں رہے؛ کیوں کہ اُسے وہی ملے گا جو اس کے مقدر میں ہے۔ (مرقاۃ المفاتیح ۶/۲۷۸)

اس حدیث میں سوکن کو ''بہن'' سے تعبیر کرکے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے لطیف اشارہ فرمایا ہے کہ اگر متعدد بیویاں آپس میں بہن بن کر گھر میں رہیں گی اور نبھانے کی پالیسی اپنائیں گی، تو ساری رنجشیں دور ہوجائیں گی اور سب کو پرسکون زندگی نصیب ہوگی، اور اگر یہ جذبہ نہ ہوگا تو ہر وقت کی چپقلش ہوگی اور زندگی اَجیرن بن جائے گی، جیسا کہ مشاہدہ ہے۔

❍❖❍

پانچویں فصل:

اولاد کے درمیان عدل

شریعت میں جہاں ہر معاملہ میں عدل کی تعلیم دی گئی ہے وہیں اولاد کے درمیان لین دین میں بھی برابری کرنے کا حکم ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ سرور کائنات جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک صحابی تشریف لائے، ان کے ایک صاحب زادے دوسری بیوی سے تھے، ان کی دوسری بیوی نے ان پر دباؤ ڈالا کہ آپ اپنا غلام ان کے نام کر دیجئے، ان کے دیگر اولاد بھی تھی، بیوی نے کہا کہ میں ایسے نہیں مانوں گی، اس کے لئے رجسٹریشن کرائیے، اور اس زمانہ میں رجسٹریشن کیسے ہو؟ کوئی سرکاری عدالتیں تو تھی نہیں، کہا کہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مجلس میں جا کر حضرت کو گواہ بناؤ کہ ہم نے غلام اس کے نام کر دیا، ان صحابی کا نام بشیرؓ تھا اور بچے کا نام نعمانؓ تھا، چناں چہ یہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں بچے کو لے کر پہنچ گئے، کہا کہ حضرت میں اس کے نام غلام کرنا چاہتا ہوں آپ گواہ بن جائیں، حضرت نے فرمایا کہ کیا تمہاری اور اولاد بھی ہیں؟ کہا کہ: ’’ہاں ہے‘‘! تو آپ نے فرمایا کہ: ’’کیا تم نے دیگر بچوں کو بھی اِسی طرح ہبہ کیا ہے‘‘؟ تو حضرت بشیر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ: ’’نہیں‘‘۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اِتَّقُوْا اللّٰهَ وَاعْدِلُوْا فِيْ أَوْلَادِكُمْ. وَفِيْ رِوَايَةٍ: فَلاَ أَشْهَدُ عَلٰى جُوْرٍ.

(مسلم شریف ۳۶/۲، رقم: ۴۰۵۹، تکملہ فتح الملہم ۷۴/۲، تفسیر ابن کثیر ۴۰۶)

اللہ سے ڈرو! اور اولاد کے درمیان عدل سے کام لو، اور (ایک روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا کہ) اور میں ظلم پر گواہ بننا نہیں چاہتا۔

اور علماء نے تو یہاں تک لکھا ہے کہ اگر زندگی میں اپنے مال کو تقسیم کرنا چاہے تو لڑکوں اور لڑکیوں کو برابر دے، یہ نہیں کہ لڑکوں کو زیادہ اور لڑکیوں کو کم؛ بلکہ دونوں کو برابر دینا چاہئے، مرنے کے بعد تو فرق ہے مگر زندگی میں سب برابر ہیں۔ (تکملہ فتح الملہم ۲/۷۴، فتاویٰ ہندیہ ۴/۳۹۱، قاضی خاں علی الہندیہ ۳/۲۷۹، شامی زکریا ۸/۵۰۲، عمدۃ القاری بیروت ۶/۱۴۶)

نیز مرنے کے بعد جو لوگ وارث بننے والے ہیں، مورث کا اُن میں سے کسی کو قصداً محروم کرنے کا اِرادہ کرنا بھی شریعت میں ناپسندیدہ ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اِرشاد فرمایا:

مَنْ قَطَعَ مِيْرَاثَ وَارِثِهٖ قَطَعَ اللّٰهُ مِيْرَاثَهٗ مِنَ الْجَنَّةِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ. (رواه ابن ماجة، مشكاة المصابيح ۱/۲۷۳)

جو شخص اپنے وارث کو میراث سے محروم کردے، تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کو جنت کے حصہ سے محروم فرمادیں گے۔

وارث کو محروم کرنے کی شکل یہ ہوسکتی ہے کہ آدمی اپنی جائیداد زندگی ہی میں فروخت کرکے اس کا پیسہ دوسری جگہوں پر لگادے، یا کسی اور کو ہبہ کرکے قابض بنادے وغیرہ، تو یہ سب باتیں شریعت میں پسندیدہ نہیں ہیں؛ بلکہ جس کا جو حق شریعت میں بنتا ہے وہ پہنچانے کی فکر ہونی چاہئے۔

تجربہ یہ بتاتا ہے کہ اگر اولاد اور وارثین کے درمیان حقوق کی برابر ادائیگی کی جاتی ہے، تو اُن کے درمیان اِتحاد و اِتفاق اور خیر خواہی کی فضا قائم رہتی ہے، اور جب اس کی رعایت نہیں رکھی جاتی تو والدین کی زندگی ہی سے آپس میں ناچاقی شروع ہوتی ہے، اور والدین کے اِنتقال کے بعد آپسی نزاع کا بڑا سبب بن جاتی ہے۔

اسی طرح باپ کے ترکہ میں بہنوں کا حق حساب لگاکر دینا چاہئے، جہیز دینے سے بہن کا حق منقولہ یا غیر منقولہ جائیداد میں سے ساقط نہیں ہوسکتا۔ عام طور پر بھائیوں کی شرما حضوری میں بہنیں اپنے حق کا مطالبہ نہیں کرتیں، تو اس کی وجہ سے ان کا حق ختم نہیں ہوجاتا؛ اس لئے بھائیوں کو خود آگے بڑھ کر ان کے حقوق ادا کرنے چاہئیں؛ تاکہ آپس میں محبتیں برقرار رہیں اور خاندانوں اور نسلوں میں جوڑ قائم رہے۔

❏❖❏

دوسرا باب:

اِنَّ اللّٰہَ یَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِیْتَآءِ ذِی الْقُرْبٰی
وَیَنْہٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْکَرِ وَالْبَغْیِ،
یَعِظُکُمْ لَعَلَّکُمْ تَذَکَّرُوْنَ ○

[النحل: ۹۰]

احسان

پہلی فصل:

احسان کے معنی

آیت: ﴿اِنَّ اللّٰـهَ یَـأْمُـرُ بِالْعَدْلِ الخ﴾ میں دوسرا حکم ’’احسان‘‘ کا ہے، یہ عربی لفظ، حسن کاری کے معنی میں آتا ہے، اور اللہ تعالیٰ کو ہر کام میں حسن وخوبی پسند ہے، چناں چہ ایک جگہ ارشادِ عالی ہے:

○ وَاَحۡسِـنُوۡٓا اِنَّ اللّٰـهَ یُحِبُّ الۡمُحۡسِنِیۡنَ. (البقرة: ۱۹۵)
اور کام اچھی طرح کیا کرو بے شک اللہ تعالیٰ کو اچھا کام کرنے والے پسند ہیں۔

اور قرآنِ کریم میں جابجا حسنِ عمل کی ترغیبات وارد ہیں، چند آیات ملاحظہ کریں:

○ اِنَّا لَا نُضِیۡعُ اَجۡرَ مَنۡ اَحۡسَنَ عَمَلاً. (الکھف: ۳۰)
ہم ایسوں کا اجر ضائع نہ کریں گے جو اچھی طرح کام کو کرے۔

○ لِلَّـذِیۡـنَ اَحۡسَنُوۡا مِنۡهُمۡ وَاتَّقَوۡا اَجۡرٌ عَظِیۡمٌ. (ال عمران: ۱۷۲)
ان لوگوں میں جو نیک اور متقی ہیں ان کے لئے ثواب عظیم ہے۔

○ لِلَّـذِیۡـنَ اَحۡسَـنُـوا الۡـحُسۡنٰی وَزِیَادَةٌ. (یونس: ۲۶)
جن لوگوں نے نیکی کی ہے ان کے واسطے خوبی (جنت) ہے، اور مزید انعام ہے۔

○ لِلَّذِیۡنَ اَحۡسَنُوۡا فِیۡ هٰذِهِ الدُّنۡیَا حَسَنَةٌ، وَلَدَارُ الۡاٰخِرَةِ خَیۡرٌ، وَلَنِعۡمَ دَارُ الۡمُتَّقِیۡنَ. (النحل: ۳۰)
جن لوگوں نے نیک کام کئے ہیں ان کے لئے اس دنیا میں بھی بھلائی ہے، اور عالم آخرت تو (اور زیادہ) بہتر ہے اور واقعی وہ (شرک سے) بچنے والوں کا اچھا گھر ہے۔

○ وَلَنَجْزِيَنَّ الَّذِيْنَ صَبَرُوْٓا اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ. (النحل: ٩٦)

اور جو لوگ ثابت قدم ہیں ہم ان کے اچھے کاموں کے عوض ان کا اجران کو ضرور دیں گے۔

○ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ. (التوبة: ١٠٠)

اور جواُن کے پیرو ہیں اَچھی طرح، اللہ اُن سب سے راضی ہوا، اور وہ سب اُس سے (یعنی اللہ سے) راضی ہوئے۔

○ وَسَنَزِيْدُ الْمُحْسِنِيْنَ. (البقرة: ٥٨)

اور ابھی مزید برآں اور دیں گے دل سے نیک کام کرنے والوں کو۔

○ اِنَّ رَحْمَةَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِيْنَ. (الاعراف: ٥٦)

بے شک اللہ تعالیٰ کی رحمت نزدیک ہے نیک کام کرنے والوں سے۔

○ مَا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ مِنْ سَبِيْلٍ، وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ. (التوبة: ٩١)

(ان) نیکو کاروں پر کسی قسم کا الزام (عائد) نہیں، اور اللہ تعالیٰ بڑی مغفرت والے بڑی رحمت والے ہیں۔

○ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ. (التوبة: ١٢٠)

یقیناً اللہ تعالیٰ مخلصین کا اجر ضائع نہیں کرتے۔

○ اِنَّهٗ مَنْ يَّتَّقِ وَيَصْبِرْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ. (يوسف: ٩٠)

واقعی جو شخص گناہوں سے بچتا ہے اور صبر کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ ایسے نیک کام کرنے والوں کا اجر ضائع نہیں کیا کرتا۔

○ وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا، وَاِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِيْنَ. (العنكبوت: ٦٩)

اور جو لوگ ہماری راہ میں مشقتیں برداشت کرتے ہیں ہم ان کو اپنے (قرب وثواب یعنی جنت کے) راستے ضرور دکھادیں گے اور بے شک

اللہ تعالیٰ (کی رضا ورحمت) ایسے خلوص والوں کے ساتھ ہے۔

○ فَاِنَّ اللّٰـهَ اَعَدَّ لِلْمُحْسِنٰتِ مِنكُنَّ اَجْرًا عَظِيْمًا. (الاحزاب: ۲۹)

تو تم میں نیک کرداروں کے لئے اللہ تعالیٰ نے اجر عظیم مہیا کر رکھا ہے۔

درج بالا آیات کے عموم سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اسلام کی نظر میں ''احسان'' کا لفظ نہایت وسیع مفہوم کو شامل ہے اور دین و دنیا کے ہر شعبہ اور پہلو کو محیط ہے۔ عربی زبان کے اعتبار سے جب لفظ ''احسان'' صلہ کے بغیر استعمال ہوتا ہے تو اس کے معنی کام اچھا کرنے کے آتے ہیں، اور جب حرف ''الی'' کے ساتھ استعمال ہو تو اس کے معنی دوسرے کو فائدہ اور نفع پہنچانے کے آتے ہیں، اور آیت مذکورہ میں اسے مطلق لایا گیا؛ تا کہ دونوں معنی کو شامل ہو، جس سے پتہ چلا کہ اسلامی شریعت میں ہر عمل میں ''احسان'' پسند ہے۔

○❖○

دوسری فصل:

عبادات میں ''صفتِ احسان''

اسی تناظر میں سیدنا حضرت جبرئیل علیہ السلام نے امت کی تعلیم کے لئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عبادات میں ''احسان'' کی حقیقت کے متعلق سوال فرمایا تھا کہ: ''يَا مُحَمَّدُ! أَخْبِرْنِي مَا الإِحْسَانُ''؟ تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے جواب میں ارشاد فرمایا:

أَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ كَأَنَّكَ تَرَاهُ فَإِنْ لَمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَإِنَّهُ يَرَاكَ. (بخاری ۲/۱ ۱حدیث: ۵۰، مسلم ۲۷/۱ حدیث: ۸)

تم اللہ کی عبادت اس طرح کرو گویا تم اسے دیکھ رہے ہو؛ کیوں کہ تم اگر چہ اسے نہ دیکھ سکو مگر وہ تو تمہیں (بہر حال) دیکھ رہا ہے۔

یہ احسانی کیفیت ہی ہر عبادت کی جان اور روح ہے، اس کے بغیر عبادت گو کہ فقہی قواعد سے معتبر ہو؛ لیکن اس کی حیثیت بے روح جسم کی طرح رہ جاتی ہے، اس تعریف نبوی کے اعتبار سے احسان کا لفظ اخلاص کامل اور خشوع وخضوع کے اعلیٰ ترین درجہ سے عبارت ہے۔ حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں:

وَإِحْسَانُ الْعِبَادَةِ: الإِخْلاَصُ فِيْهَا وَالْخُشُوْعُ وَفَرَاغُ الْبَالِ حَالَ التَّلَبُّسِ بِهَا وَمُرَاقَبَةَ الْمَعْبُوْدِ. (فتح الباري ۱۶۰/۲)

عبادات میں احسان کا مطلب یہ ہے کہ عبادت کرتے وقت خلوص وخشوع وخضوع دل جمعی اور معبود حقیقی کی ذاتِ عالی کا تصور قائم رہے۔

اور شارح حدیث علامہ قرطبیؒ فرماتے ہیں:

حَاصِلُهُ رَاجِعٌ إِلٰى اِتْقَانِ

احسان کا خلاصہ یہی ہے کہ شروع سے آخر تک

الْعِبَادَاتِ وَ مُرَاعَاةِ حُقُوْقِ اللّٰهِ تَعَالیٰ فِيْهَا وَمُرَاقَبَتِهٖ وَاسْتِحْضَارِ عَظَمَتِهٖ وَجَلالِهٖ حَالَةَ الشُّرُوْعِ وَحَالَةَ الاسْتِمْرَارِ فِيْهَا. (المفهم للقرطبي ۱٤۳/۱)

عبادات میں کوئی جھول نہ ہو اور اس میں اللہ تعالیٰ کے حقوق کی رعایت اور اس کی عظمت وجلالت شان کا استحضار برابر رہے۔

شریعت میں یہ کیفیت ہر عبادت میں مطلوب ہے، خواہ نماز ہو، تلاوت ہو یا روزہ اور حج ہو، وغیرہ وغیرہ۔ اور اسی ''نسبت یاد داشت'' کے حصول کے لئے عشاقِ معرفت محنتیں اور مشقتیں برداشت کرتے ہیں اور مجاہدات کی راہ اپناتے ہیں۔ علامہ نوویؒ فرماتے ہیں:

وَهٰذَا الْقَدْرُ مِنَ الْحَدِيْثِ أَصْلٌ عَظِيْمٌ مِنْ أُصُوْلِ الدِّيْنِ، وَقَاعِدَةٌ مُهِمَّةٌ مِنْ قَوَاعِدِ الْمُسْلِمِيْنَ. وَهُوَ عُمْدَةُ الصِّدِّيْقِيْنَ وَبُغْيَةُ السَّالِكِيْنَ وَكَنْزُ الْعَارِفِيْنَ وَدَأْبُ الصَّالِحِيْنَ، وَهُوَ مِنْ جَوَامِعِ الْكَلِمِ الَّتِيْ أُوْتِيَهَا ﷺ، وَقَدْ نَدَبَ اَهْلُ التَّحْقِيْقِ إِلٰى مُجَالَسَةِ الصَّالِحِيْنَ لِيَكُوْنَ ذٰلِکَ مَانِعاً مِنَ التَّلَبُّسِ بِشَيْءٍ مِنَ النَّقَائِصِ اِحْتِرَاماً لَهُمْ وَاسْتِحَيَاءً مِنْهُمْ، فَكَيْفَ بِمَنْ لاَ يَزَالُ اللّٰهُ مُطَّلِعاً عَلَيْهِ فِيْ سِرِّهٖ وَعَلانِيَتِهٖ؟ (شرح النووي على مسلم ۲۸/۱، فتح الباري ۱٦۰/۱)

حدیث شریف کا یہ ٹکڑا دین کے اصولوں میں سے ایک عظیم اصول ہے، اور اسلامی قواعد میں سے اہم ترین ضابطہ ہے۔ یہی حضرات صدیقین کا مشن، سالکین محبت کا منتہائے محنت، اہل معرفت کا خزانہ اور صلحاء امت کی عادت مستمرہ ہے۔ یہ (کلام نبوی) ان جوامع الکلم میں شامل ہے جو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بطور خاص عطا ہوئے ہیں، اور اہل تحقیق نے اولیاء صالحین کی صحبت بافیض کو اسی لئے پسندیدہ قرار دیا ہے؛ تاکہ ان کے احترام اور ان کی مروت میں عبادات میں نقصانات کے شائبہ سے بچا جاسکے، پس اس شخص کی کیفیات کا کیا حال ہوگا جو اس بات کو ملحوظ رکھے کہ اس کی ہر کھلی اور چھپی بات سے اللہ تعالیٰ ہر وقت باخبر ہے۔

آج کل حضرات صوفیاء اور مشائخ جو محنتیں کراتے ہیں، ان سب کا منتہائے مقصود اسی صفت احسانی کی تحصیل ہے، جس کے حصول کے بعد جہاں عبادات میں بے مثال چاشنی نصیب ہوتی ہے، وہیں معصیت کی طرف بڑھتے ہوئے قدم رک جاتے ہیں، اور تصور خداوندی کی بدولت فطرت میں سلامت روی اور استقامت جیسی دولت نصیب ہوتی ہے، جو ایک مؤمن کا سب سے بڑا سرمایہ ہے۔ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب مہاجر مدنی نور اللہ مرقدہٗ نے وصی الامت حضرت شاہ وصی اللہ صاحب الٰہ آبادیؒ کے حوالہ سے نقل فرمایا ہے کہ:

’’حضرت ابو یحییٰ، زکریا انصاری شافعی فرماتے ہیں کہ: ’’تصوف کی اصل حدیث جبرئیل ہے، جس میں آیا ہے کہ: ’’مَا الإِحْسَانُ؟ قَالَ: أَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ كَأَنَّكَ تَرَاهُ‘‘. (صحیح البخاري ۱۲/۱ حدیث: ۵۰، صحیح مسلم ۲۷/۱ حدیث: ۸) چناں چہ تصوف احسان ہی کا نام ہے، اس سے معلوم ہوا کہ صوفی مقرب اور محسن کو کہتے ہیں۔ تفصیل اس کی یہ ہے کہ خود کتاب اللہ سے معلوم ہوتا ہے کہ امت میں مختلف درجے کے لوگ ہیں، بعض ان میں سے اصحاب یمین ہیں، اور بعض کو مقربین کہا جاتا ہے، جو شخص اپنے ایمان کو صحیح کرے اور شرعی اوامر و نواہی کے مطابق اپنا عمل رکھے تو یہ وہ لوگ ہیں جو اصحاب الیمین کہلاتے ہیں، اور ان امور کے ساتھ ساتھ جس شخص کی غفلات بھی کم ہوں اور نوافل وطاعات کی کثرت ہو اور اس کے قلب پر ذکر اللہ کا استیلاء ہو جائے اور حق تعالیٰ سے مناجات کا تسلسل اور دوام اس کو حاصل ہو گیا ہو، ایسے شخص کو ’’مقرب‘‘ اور ’’محسن‘‘ کہتے ہیں، اور اسی کو ’’صوفی‘‘ بھی کہا جاتا ہے۔

حضرت ابو یحییٰ زکریا کا جو قول نقل کیا گیا ہے یہاں ہم اس کو ناظرین کے افادہ کے لئے بعینہٖ درج کرتے ہیں۔ اصل رسالہ میں تو عربی عبارت بھی ہے، جس کا ترجمہ یہ ہے:

’’اور یہ حضرات جو صفات بالا کے ساتھ متصف ہیں، مقربین کہلاتے ہیں، اور یہی وہ لوگ ہیں جو کہ صفتِ احسان کے ساتھ متصف ہیں، اُمت کے لوگوں کے درجات مختلف ہیں، بعضے اصحابِ یمین کہلاتے ہیں، اور بعضوں کو مقربون کہا جاتا ہے، جیسا کہ خود قرآنِ حکیم میں آیا ہے:

لہٰذا جن کا ایمان درست ہوگیا اورانہوں نے ماموراتِ شرعیہ پر عمل کیا، وہ اصحابِ یمین کہلاتے ہیں، اور جس کی غفلات کم ہوگئیں اور نوافل میں دوام واستمرار اُس کو حاصل ہوگیا، اور اس کی طاعات کثیر ہوگئیں، اور ذکر اللہ کا قلب پر استیلاء ہوگیا، اور اپنی تمام حوائج میں حق تعالیٰ کی جانب رجوع ہونا اور اسی سے دعا کرنا جس کا حال بن گیا، وہ مقرب کہلاتا ہے، اور اسی شخص کو محسن کہا جاتا ہے، اور اسی کو صوفی بھی کہا جاتا ہے، جو صفا سے مشتق ہے، یعنی یہ شخص اخلاقِ مذمومہ سے پاک وصاف ہوگیا اور اخلاقِ محمودہ کے ساتھ متصف ہوگیا، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو محبوب بنالیا اور جملہ حرکات اور سکنات میں اس کا محافظ اور نگراں ہوگیا، جیسا کہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ مجھ سے تقرب حاصل کرنے والوں میں سے کسی نے اس جیسا تقرب حاصل نہیں کیا، جو کہ فرائض کی ادائیگی کے ذریعہ حاصل کیا جاتا ہے، یہ قرب فرائض کہلاتا ہے اور بندہ ہمیشہ نوافل کے ذیعہ مجھ سے قرب حاصل کرتا رہتا ہے، یعنی اداء فرض کے بعد (کیوں کہ اس کے بدون نوافل سبب قرب تو کیا ہوتے معتبر بھی نہیں) یہاں تک کہ میں اس کو محبوب بنالیتا ہوں ، اور جب وہ مجھے محبوب ہوجاتا ہے، تو پھر میں اس کا کان بن جاتا ہوں جس سے سنتا ہے، اور آنکھ بن جاتا ہوں جس دیکھتا ہے، یہ قربِ نوافل کہلاتا ہے‘‘۔(آپ بیتی ۱۰۹۵-۱۰۹۶، مطبع کتب خانہ یحیوی سہارنپور)

خلاصہ یہ کہ ہر مسلمان کو اس مرتبۂ احسانی اور ملکۂ یادداشت کے حصول کی ہر ممکن سعی کرنی چاہئے ،عبادات میں اس سے اونچا اور کوئی مقام نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس سعادت سے بہرہ ورفرمائیں۔ آمین۔

تیسری فصل:

معاشرت میں ''احسان''

اِسلام آپسی تمدن اور معاشرتی معاملات میں بھی ''احسان'' کی تعلیم دیتا ہے، اللہ تعالیٰ کو وہی لوگ پسند ہیں جو حسن اخلاق سے متصف ہوں۔ حضرت سہل بن سعدؓ کی روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

إِنَّ اللّٰـهَ كَـرِيْـمٌ يُـحِـبُّ الْكَرَمَ، وَمَعَالِيَ الْأَخْلَاقِ وَيُبْغِضُ سَفْسَافَهَا. (مكـارم الأخـلاق ١٠، مستدرك حـاكـم كنز العمال ٦/٣ حديث: ٥١٧٧)

اللہ تعالیٰ خود کریم ہیں اور کرم اور بلند اخلاق کو پسند فرماتے ہیں اور گھٹیا عادتوں کو ناپسند فرماتے ہیں۔

خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بعثت کا مقصد اخلاقِ کریمانہ کی تکمیل کو قرار دیا ہے، چناں چہ ارشاد عالی ہے:

بُعِثْتُ لِأُتَـمِّمَ صَالِحَ الْأَخْلَاقِ. (مكارم الاخلاق ٢٠)

میں اسی لئے مبعوث ہوا ہوں؛ تاکہ عمدہ اخلاق کو کمال تک پہنچادوں۔

اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے متعدد احادیثِ شریفہ میں حسنِ اخلاق کی تاکید وتلقین فرمائی ہے۔ چناں چہ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے:

إِنَّ مِنْ خِيَارِكُمْ أَحْسَنَكُمْ أَخْلَاقًا. (بـخـاري ٥٠٣/١ رقم: ٣٥٥٩، مسلم ٢٥٥/٢، الـتـرغـيـب والـتـرهـيـب مكمل: ٥٦٥ رقم: ٤٠٢٤)

تم میں سب سے بہتر لوگ وہ ہیں جو تم میں حسن اخلاق سے سب سے زیادہ متصف ہیں۔

اور ایک روایت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد وارد ہے:

اِنَّ مِنْ اَکْمَلِ الْمُؤْمِنِیْنَ اِیْمَاناً اَحْسَنُهُمْ خُلُقاً وَاَلْطَفُهُمْ بِاَهْلِهٖ.

(رواه الترمذی، الترغیب والترهیب: ٤٥٦٦)

کامل مؤمن وہ ہیں جو اخلاق میں سب سے عمدہ ہوں اور اپنے گھر والوں کے ساتھ نرمی برتنے والے ہوں۔

حسنِ اخلاق مطلوبِ شرعی ہے

حسنِ اخلاق ایک مؤمن کے لئے مطلوب کی حیثیت رکھتا ہے، اسی وجہ سے نبی اکرم ﷺ یہ دعا فرمایا کرتے تھے:

اَللّٰهُمَّ اهْدِنِيْ لِأَحْسَنِ الاَخْلاَقِ فَإِنَّهُ لاَ یَهْدِيْ لِأَحْسَنِهَا اِلاَّ اَنْتَ، وَاصْرِفْ عَنِّيْ سَیِّئَهَا، فَإِنَّهُ لاَ یَصْرِفُ عَنِّيْ سَیِّئَهَا إِلاَّ أَنْتَ.

(صحیح مسلم: ٢٠١، مکارم الاخلاق ١٤)

اے اللہ! مجھے اچھے اخلاق کی توفیق عطا فرمایئے، بے شک اچھے اخلاق کی ہدایت آپ ہی کر سکتے ہیں، اور برے اخلاق سے مجھے بچایئے؛ کیوں کہ مجھے برے اخلاق سے آپ ہی بچا سکتے ہیں۔

ایک روایت میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک شخص نے آکر عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! مجھے یہ بات پسند ہے کہ لوگ (اچھے اخلاق کی وجہ سے) میری تعریف کیا کریں، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

وَمَا یَمْنَعُکَ اَنْ تَعِیْشَ حَمِیْداً وَتَمُوْتَ فَقِیْداً، وَاِنَّمَا بُعِثْتُ عَلیٰ تَمَامِ مَحَاسِنِ الاَخْلاَقِ. (مکارم الاخلاق ٢٣)

آخر اس بات سے تمہیں کس نے روکا کہ تمہاری زندگی قابل تعریف گذرے اور تمہارے موت کے بعد تمہیں یاد کیا جائے؟ اور مجھے محاسن اخلاق کے انتہائی درجات لے کر مبعوث کیا گیا ہے۔

مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص اچھے اخلاق اپنائے اور ان اخلاق حسنہ کی وجہ سے اس کی تعریف کی جائے اور اس کے مرنے کے بعد لوگ اسے اچھے الفاظ میں یاد کریں، تو یہ کوئی بری بات نہیں۔

چناں چہ عبید بصریؒ سے منقول ہے کہ انہوں نے حضرت زید بن اسلمؒ سے پوچھا کہ ایک آدمی کوئی خیر کا عمل کرتا ہے، پھر دوسروں کی زبانی اس کا تذکرہ سن کر خوش ہوتا ہے تو کیا اس بنا پر اس کا عمل خیر ضائع ہو جائے گا؟ تو حضرت زید بن اسلمؒ نے جواب دیا کہ: ''ایسا نہیں ہے، اور آخر کون ایسا شخص ہے جو اپنے بارے میں ناگوار باتوں کو پسند کرتا ہو، حتی کہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے بارے میں یہ دعا فرمائی تھی: ﴿وَاجْعَلْ لِّيْ لِسَانَ صِدْقٍ فِي الْآخِرِيْنَ﴾ [الشعراء: ٨٤] یعنی میرا ذکر خیر آئندہ امتوں میں باقی رکھئے''۔ (مکارم الاخلاق ۲۳)

امام اصمعیؒ فرماتے ہیں کہ میرے دادا جان علی بن اصمعؒ کی وفات کا وقت جب قریب آیا تو انہوں نے اپنے سب بیٹوں کو جمع کر کے نصیحت فرمائی کہ: ''لوگوں کے ساتھ ایسا برتاؤ رکھو کہ جب تک تم زندہ رہو تو وہ تم سے طبعی لگاؤ رکھیں اور جب تم مر جاؤ تو (تمہاری اچھائیاں یاد کر کے) تم پر رویا کریں''۔ (مکارم الاخلاق ۴۵)

ایک عربی شاعر ابو جعفر قرشیؒ فرماتے ہیں:

وَكُلُّ الْأُمُوْرِ تَزُوْلُ عَنْكَ وَتَنْقَضِيْ ❖ إِلَّا الثَّنَاءُ فَإِنَّهُ لَكَ بَاقِ

وَلَوْ أَنَّنِيْ خُيِّرْتُ كُلَّ فَضِيْلَةٍ ❖ مَا اخْتَرْتُ غَيْرَ مَحَاسِنِ الْأَخْلَاقِ

ترجمہ:- تمہارے حوالہ سے ہر بات زائل اور کالعدم ہو جائے گی سوائے تعریفی کلمات کے، کہ وہ باقی رہیں گے۔ اور اگر مجھے ہر فضیلت کے حصول کا اختیار دیا جاتا تو میں اچھے اخلاق کے علاوہ کوئی فضیلت پسند نہ کرتا۔

أُحِبُّ مَكَارِمَ الْأَخْلَاقِ جَهْدِيْ ❖ وَأَكْرَهُ أَنْ أَعِيْبَ وَأَنْ أُعَابَا

وَأَعْرِضُ عَنْ سِبَابِ النَّاسِ جَهْدِيْ ❖ وَشَرُّ النَّاسِ مَنْ بَحَثَ السِّبَابَا

ترجمہ:- میں اپنی طاقت بھر اچھے اخلاق کو پسند کرتا ہوں اور مجھے کسی پر عیب لگانا بھی ناپسند ہے اور یہ بھی ناپسند ہے کہ مجھ پر عیب لگایا جائے۔ اور میں حتی الوسع لوگوں کو برا بھلا کہنے سے اعراض کرتا ہوں اور وہ شخص بدترین ہے جو لوگوں پر بدگوئی کی ٹوہ میں رہے۔

لہٰذا مطلوب شرعی سمجھ کر ایسی ہی قابل تعریف صاف ستھری زندگی گذارنے کی کوشش کرنی چاہئے؛ تاہم یہ ضروری ہے کہ ان اخلاق کی وجہ سے اپنے کو دوسروں سے برتر یا دوسروں کو اپنے سے کم تر نہ سمجھے؛ کیوں کہ اگر یہ بات پیدا ہوگئی تو ساری محنت پر پانی پھر جائے گا، اور لوگوں کی زبانوں پر آنے والے ظاہری تعریفی کلمات اس کے لئے نفع بخش ثابت نہ ہوں گے، اور نہ ہی ایسا شخص حقیقۃً اخلاق حسنہ کا حامل کہلانے کا حق دار ہوگا۔

مکارمِ اخلاق

ام المؤمنین سیدتنا حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ بنیادی طور پر مکارمِ اخلاق کل دس ہیں، جو بسا اوقات آدمی میں تو پائے جاتے ہیں، مگر اس کے بیٹے میں نہیں ہوتے، اور کبھی بیٹے میں ہوتے ہیں مگر باپ میں نہیں ہوتے۔ اور کبھی آقا میں ہوتے ہیں مگر اس کے غلام میں نہیں ہوتے اور کبھی غلام میں ہوتے ہیں مگر آقا اس سے محروم ہوتا ہے، اور وہ اخلاق درج ذیل ہیں:

صِـدْقُ الْحَدِيْثِ، وَصِدْقُ الْبَأْسِ فِيْ طَـاعَةِ اللّٰهِ، وَإِعْطَاءُ السَّائِلِ، وَمُـكَافَأَةُ الصَّنِيْعِ، وَصِلَةُ الرَّحِمِ، وَأَدَاءُ الْأَمَـانَةِ، وَالتَّـذَمُّـمُ لِلْجَارِ، وَالتَّـذَمُّـمُ لِـلـصَّـاحِـبِ، وَقِـرَى الـضَّيْفِ وَرَأْسُهُنَّ الْحَيَاءُ. (مكارم الأخلاق ٤١-٤٣)

(۱) سچ بولنا (۲) اللہ کی راہ میں پوری بہادری سے لڑنا (۳) مانگنے والے کو عطا کرنا (۴) احسان کا بدلہ احسان سے دینا (۵) صلہ رحمی کرنا (۶) امانت کو ادا کرنا (۷) پڑوسی کا خیال رکھنا (۸) ساتھی کی رعایت رکھنا (۹) مہمان نوازی کرنا (۱۰) اور ان سب کی اصل شرم وحیا ہے۔

حضرت ام المؤمنین رضی اللہ عنہا کے ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ اخلاق میں عموماً وراثت نہیں چلتی؛ بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کی عطا ہے، جسے چاہے اللہ تعالیٰ نواز دیں، ان میں باپ بیٹے اور آقا یا غلام کی کوئی تخصیص نہیں ہے۔ چناں چہ حضرت طاؤس ؒ کا مقولہ مشہور ہے:

اِنَّ هٰذِهِ الاَخْلاقَ مَنَائِحُ يَمْنَحُهَا اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ مَنْ يَّشَاءُ مِنْ عِبَادِهٖ، فَإِذَا أَرَادَ اللّٰهُ بِعَبْدٍ خَيْراً مَنَحَهٗ مِنْهَا خُلُقاً صَالِحاً.

(مكارم الاخلاق ٣٩)

یہ اخلاقِ کریمانہ دراصل تحفے ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں جس کو چاہتے ہیں عطا فرماتے ہیں، پس جس بندے کے ساتھ اللہ تعالیٰ خیر کا ارادہ فرماتے ہیں اسے اچھی عادت سے نواز دیتے ہیں۔

اَفضل ترین اخلاق

صحابی رسول حضرت عقبہ ابن عامر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک روز نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے میرا ہاتھ پکڑ کر ارشاد فرمایا کہ: ''اے عقبہ! کیا میں تمہیں دنیا اور آخرت کے افضل ترین اخلاق کے بارے میں نہ بتلاؤں''؟ میں نے عرض کیا: ''ضرور ارشاد فرمایئے''۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

تَصِلُ مَنْ قَطَعَکَ وَتُعْطِیْ مَنْ حَرَمَکَ وَتَعْفُوْ عَمَّنْ ظَلَمَکَ.

(مسند الإمام أحمد ٤/١٤٨ رقم: ١٧٢٦٨، مكام الأخلاق ٣٣١)

جو تم سے قطع تعلق کرے تم اس سے جوڑ پیدا کرو، جو تمہیں محروم کرے تم اسے عطا کرو، جو تم پر ظلم کرے اسے معاف کردو۔ (انتقام مت لو)

مذکورہ بالا اعمال کو افضل الاخلاق کہا گیا؛ اس لئے کہ انہی اخلاق کو اختیار کرنے سے یہ دنیا عافیت کی جگہ بن سکتی ہے، اور آپسی نفرتیں محبتوں میں بدل سکتی ہیں، جب کہ اگر ان باتوں کا خیال نہ رکھا جائے تو دنیا کی معیشت تباہ ہوکر جہنم کدہ بن جائے گی، اور بالخصوص متحارب افراد میں نفرت کی خلیج پاٹنے کی کوشش کرنی چاہئے، یہ بہت اعلیٰ درجہ کے ثواب کا عمل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَ اَخَوَيْكُمْ، وَاتَّقُوْا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ. (الحجرات: ١٠)

مسلمان سب بھائی بھائی ہیں، سو ملاپ کراؤ اپنے دونوں بھائیوں میں، اور اللہ سے ڈرتے رہو؛ تاکہ تم پر رحم ہو۔

ایک حدیث میں وارد ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے دریافت کیا کہ کیا میں ایسا عمل نہ بتلاؤں جو ثواب میں نماز، روزہ اور صدقہ وخیرات سب سے افضل ہے؟ صحابہ رضی اللہ عنہم نے فرمایا ضرور ارشاد ہو۔ تو آپ نے فرمایا:

صَلاَحُ ذَاتِ الْبَيْنِ، وَفَسَادُ ذَاتِ الْبَيْنِ هِيَ الْحَالِقَةُ.

(مکارم الأخلاق ۳۳۸)

یہ (مبارک) عمل دو اختلاف کرنے والوں میں صلح کرانا ہے، اور (اس کے برخلاف) لڑائی والوں میں مزید آگ لگانا دین کو مونڈنے والی صفت ہے۔

الغرض ہر سطح پر ایسی کوشش کی جائے کہ معاشرہ میں امن وسکون قائم رہے، آپسی رنجشیں ختم ہوں، اور محبت ومؤدت اور قدر دانی کا ماحول قائم ہو، اور ہر شخص اپنے دوسرے بھائی کے حق میں بے ضرر بن جائے، اور غلطیوں کی ٹوہ میں رہنے اور ان پر انتقام لینے کے بجائے وسعت ظرفی کے ساتھ عفو ودرگذر کی راہ اپنائے، یہی شریعت میں مطلوب ہے، اور دنیا وآخرت میں عزت کا باعث ہے۔ اور آیت ﴿اِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالاِحْسَانِ الخ﴾ میں آمدہ لفظ ''احسان'' کے عمومی مفہوم میں شامل ہے۔

تواضع؛ بہترین خلق ہے

میل ملاپ اور محبت کی جڑ تواضع ہے، جسے اخلاقِ فاضلہ میں ممتاز مقام حاصل ہے، حتی کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے خاص بندوں کی تعریف میں سب سے پہلے اسی صفت کو ذکر فرمایا ہے۔ ارشاد خداوندی ہے:

وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى الاَرْضِ هَوْناً وَاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجَاهِلُوْنَ قَالُوْا سَلاَماً.

(الفرقان: ٦٣)

اور رحمٰن کے (خاص) بندے وہ ہیں جو زمین پر عاجزی کے ساتھ چلتے ہیں، اور جب ان سے ناواقف لوگ الجھنے لگیں تو وہ کہتے ہیں صاحب سلامت۔

اور ایک حدیث میں ارشاد نبوی ہے:

إِنَّ أَحَبَّكُمْ إِلَيَّ أُحَاسِنُكُمْ أَخْلَاقاً الْمُوَطِّئُونَ أَكْنَافاً، الَّذِيْنَ يَأْلَفُوْنَ وَيُؤْلَفُوْنَ، وَإِنَّ أَبْغَضَكُمْ إِلَيَّ اَلْمَشَّاؤُنَ بِالنَّمِيْمَةِ الْمُفَرِّقُوْنَ بَيْنَ الْأَحِبَّةِ الْمُلْتَمِسُوْنَ لِلْبُرَاءِ الْعَيْبَ. (رواه الطبراني في الصغير والأوسط، الترغيب والترهيب ٥٦٨)

مجھے سب سے زیادہ محبوب تم میں بہترین اخلاق والے لوگ ہیں، جو اپنے کندھوں کو (تواضع کی بنا پر) جھکاتے رہتے ہیں، جو خود بھی لوگوں سے محبت رکھتے ہیں اور ان (کے اخلاق کی بنا پر ان) سے بھی محبت رکھی جاتی ہے، اور مجھے سب سے ناپسند وہ لوگ ہیں جو چغلی کھاتے ہیں، دوستوں میں تفریق کا بیج بوتے ہیں اور بے قصوروں میں عیب ڈھونڈتے ہیں۔

خلاصہ یہ نکلا کہ حسن اخلاق کا بنیادی ستون نرم خوئی اور تواضع و انکساری ہے، جس طرح اللہ تعالیٰ اور نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اچھے اخلاق والے لوگ پسند ہیں، اسی طرح بدخو اور متکبر لوگ سخت ناپسند ہیں، اور واقعہ یہ ہے کہ اس حقیقی تواضع کے بغیر حسن اخلاق کا تصور ہی نہیں کیا جا سکتا۔

حضرت حکیم لقمان رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا:

وَلاَ تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ وَلاَ تَمْشِ فِيْ الاَرْضِ مَرَحاً، اِنَّ اللّٰهَ لاَيُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ. وَاقْصِدْ فِيْ مَشْيِكَ وَاغْضُضْ مِنْ صَوْتِكَ، اِنَّ اَنْكَرَ الاَصْوَاتِ لَصَوْتُ الْحَمِيْرِ. (لقمان: ١٨-١٩)

اور اپنے گال لوگوں کے سامنے مت پُھلا (غرور سے مت دیکھ) اور زمین پر اکڑ کر مت چل، بے شک اللہ کو نہیں بھاتا کوئی اتراتا ہوا بڑائیاں کرنے والا، اور میانہ روی اختیار کر اور اپنی آواز پست رکھ، بے شک بدترین آواز گدھے کی آواز ہے۔

ایک روایت میں پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا:

إِنَّ أَحَبَّكُمْ إِلَيَّ وَأَقْرَبَكُمْ مِنِّيْ فِيْ الاٰخِرَةِ مَحَاسِنُكُمْ أَخْلَاقاً، وَإِنَّ

مجھے سب سے زیادہ پسند اور آخرت میں مجھ سے سب سے زیادہ قریب تم میں بہتر اخلاق والے

أَبْغَضَكُمْ إِلَيَّ وَأَبْعَدَكُمْ مِنِّيْ فِيْ الْاٰخِرَةِ أَسْوَؤُكُمْ أَخلاقاً الثَّرْثَارُوْنَ الْمُتَفَيقهُوْنَ الْمُتَشَدِّقُوْنَ. (ترمذي ۲۲/۲ رقم: ۲۰۱۸، مسند أحمد ۱۹۳/٤ الترغيب والترهيب ٥٦٩ رقم: ٤٠٦٢)

لوگ ہوں گے، اور مجھے سب سے زیادہ مبغوض، اور آخرت میں مجھ سے سب سے زیادہ دور تم میں برے اخلاق والے لوگ ہوں گے، جو بک بک کرنے والے، ڈینگیں مارنے والے (متکبر) اور دانت چیارنے والے (چبلّے) ہیں۔

اصل بات یہ ہے کہ تکبر کے رہتے ہوئے کوئی اچھائی اچھائی نہیں ہے، متکبر شخص کی خوبیوں پر پردہ پڑجاتا ہے، اس کے برخلاف متواضع شخص کی کوتاہیاں نظر انداز کردی جاتی ہیں؛ لہٰذا اخلاق میں ''مرتبۂ احسان'' حاصل کرنے کے لئے تکبر سے اجتناب لازم ہے، اس کے بغیر آدمی اخلاق کے کمال کو نہیں پہنچ سکتا۔

غصہ اخلاقی زہر ہے

اسی طرح غصہ اخلاقِ فاضلہ کے لئے سب سے مضر چیز ہے۔ ایک مرسل روایت میں ہے کہ ایک شخص نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں آکر عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! کون سا عمل سب سے افضل ہے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا کہ: ''حسنِ اخلاق'' پھر اس نے دائیں جانب سے آکر بعینہٖ یہی سوال دہرایا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر یہی جواب دیا کہ سب سے افضل عمل حسنِ اخلاق ہے، پھر اس نے بائیں جانب سے آکر یہی سوال کیا تو آپ نے وہی جواب مرحمت فرمایا، اخیر میں اس نے پیچھے سے آکر پھر یہی پوچھا کہ کون سا عمل سب سے افضل ہے؟ تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا:

مَالَکَ لا تَفْقَهُ، حُسْنُ الْخُلُقِ هُوَ اَنْ لَّا تَغْضَبَ اِنِ اسْتَطَعْتَ. (الترغيب والترهيب ٥٦٧)

کیا بات ہے تم سمجھتے نہیں؟ سب سے اَفضل عمل حسنِ اَخلاق ہے اور وہ یہ ہے کہ تم حتی الامکان غصہ سے پرہیز کرو۔

اس روایت میں حسنِ اخلاق کے طالبین کو ایک اہم ہدایت کی گئی ہے کہ وہ بے جا غصہ سے پرہیز کریں؛ کیوں کہ غصہ ایسا زہر ہے جو سارے اخلاق پر منٹوں میں پانی پھیر دیتا ہے، اور غور کیا جائے تو پتہ چلے گا کہ حسنِ اخلاق کا اہم ترین عنصر ''غصہ سے پرہیز'' ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شمائل طیبہ میں ثابت ہے کہ آپ کبھی اپنے ذاتی معاملہ پر غصہ کا اظہار نہیں فرماتے تھے؛ لیکن جب بات اللہ تعالیٰ کے حدود کی پامالی کی ہوتی تو آپ کے غصہ کی کوئی تاب نہ لاسکتا تھا۔ اسی بنا پر قرآنِ کریم میں اہل ایمان کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا گیا:

وَالْكَاظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ. (ال عمران: ١٣٤)

اور غصہ کے ضبط کرنے والے، اور لوگوں سے درگذر کرنے والے ہیں اور اللہ تعالیٰ ایسے نیک (صفات والے) لوگوں کو محبوب رکھتے ہیں۔

غصہ پی جانے والا سب سے بڑا پہلوان ہے

لیکن غصہ ایک طبعی چیز ہے لہٰذا اگر غصہ آجائے تو اس کے تقاضے پر عمل کرنے کے بجائے اس کو دفع کرنے کی کوشش کرے اس لئے حضور علیہ السلام نے فرمایا:

وَلٰكِنَّهُ الَّذِيْ يَمْلِكُ نَفْسَهُ عِنْدَ الغَضَبِ. (مسلم شريف ٣٢٦/٢)

وہ شخص سب سے بڑ طاقتور اور پہلوان ہے جو غصہ کے وقت اپنے اوپر قابو رکھے۔

اور ایک دوسری حدیث میں ہے کہ:

مَنْ كَظَمَ غَيْظًا وَهُوَ قَادِرٌ عَلٰى أن يُنْفِذَهُ دَعَاهُ اللّٰهُ عَلٰى رُؤُوسِ الْخَلَائِقِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ حَتّٰى يُخَيِّرُهُ مِنْ اَيِّ حُوْرٍ شَاءَ. (شعب الإيمان ٣١٣/٦)

باوجود قدرت کے جو شخص بدلہ نہ لے اور غصہ کو پی جائے، قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اسے ساری مخلوق کے سامنے بلاکر اختیار دیں گے کہ جنت کی جس حور کو چاہے وہ پسند کرلے۔ (اللہ سے شرم کیجئے ۱۹۶)

اخلاق کی حفاظت کی فکر

اخلاقِ فاضلہ کے حصول کے ساتھ ساتھ ان کی زندگی بھر حفاظت کی فکر بھی لازم ہے؛ اس لئے کہ ہر اچھی عادت کے بالمقابل بری عادت زور لگاتی ہے، اگر آدمی ذرا بھی غافل ہوا تو اندیشہ ہے کہ ''خلق حسن'' سے محروم ہوجائے؛ کیوں کہ عادت بننے میں دیر لگتی ہے، مگر بگڑنے میں وقت نہیں لگتا، اس لئے ہمیں چاہئے کہ ہم قرآن وحدیث میں آمدہ عاداتِ طیبہ اور صفاتِ حسنہ میں سے ہر ایک صفت اور عادت کو پیش نظر رکھیں اور گاہے بگاہے اپنی ذات کا محاسبہ کرتے رہیں۔ اگر زندگی ان کے مطابق ہو تو اللہ تعالیٰ کا شکر بجالائیں اور موافقت میں کمی محسوس کریں تو بتکلف مطابق بنانے کی کوشش کیا کریں۔

تجربہ سے یہ بات ثابت ہے کہ اخلاقِ فاضلہ پر صدق دل سے عمل پیرا ہونا بہت مشکل ترین امر ہے، اور اخلاق کو درست رکھنے کے لئے بڑے کڑوے گھونٹ پینے پڑتے ہیں، جو ان پر صبر کرے گا وہی کامیاب ہوجائے گا۔ حضرت سعید بن العاص رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹوں کو نصیحت کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: ''میرے بیٹو! یہ اخلاقِ حسنہ اگر ہلکے اور آسان ہوتے تو کمینے لوگ تم سے پہلے انہیں اختیار کرلیتے؛ لیکن بات یہ ہے کہ یہ طبعیت پر بڑے ناگوار اور کڑوے ہیں ان پر وہی ثابت قدم رہ سکتا ہے جو ان کی قدر جانتا ہو اور ان پر آخرت میں اجر وثواب کا امیدوار ہو''۔ (مکارم الاخلاق ۴۹)

واقعی جن حضرات کی نظر میں اخلاق کی قدر ہوتی ہے وہ ظاہری نقصان اور تکلیف برداشت کرلیتے ہیں؛ لیکن اپنے اخلاق اور نیک نامی پر آنچ نہیں آنے دیتے۔

❍❖❍

چوتھی فصل:

والدین کے ساتھ ''احسان''

قرآنِ کریم میں اللہ تبارک وتعالیٰ اور پیغمبر علیہ السلام کے حق کے بعد انسان کو اپنے والدین کے ساتھ احسان کی نہایت تاکید فرمائی گئی ہے۔ ایک جگہ ارشاد ہے:

وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَاناً، اِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَا اَوْ كِلاَهُمَا فَلاَ تَقُلْ لَّهُمَا اُفٍّ وَلاَ تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَهُمَا قَوْلاً كَرِيْماً. وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيَانِيْ صَغِيْراً.

(بنی إسرائیل: ٢٣-٢٤)

اور آپ کے رب کا یہ فیصلہ ہے کہ اس کے سوا کسی کی عبادت مت کرنا، اور ماں باپ کے ساتھ حسنِ سلوک کرنا، اگر آپ کے پاس ان میں سے کوئی ایک یا دونوں کے دونوں بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو ان کو کبھی ''ہوں'' بھی مت کہنا۔ اور نہ ان کو جھڑکنا، اور ان سے خوب ادب سے بات کرنا، اور ان کے سامنے شفقت سے انکساری کے ساتھ جھکے رہنا، اور یوں دعا کرنا کہ: ''اے میرے رب ان پر ایسے ہی مہربانی فرمایئے جیسے انہوں نے مجھے بچپن میں پالا پوسا''۔

نیز ارشاد ہوا:

وَوَصَّيْنَا الإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ إِحْسَاناً. (الأحقاف: ١٥)

اور ہم نے انسان کو اپنے والدین کے ساتھ حسنِ سلوک کرنے کا تاکیدی حکم دیا۔

ایک جگہ اس طرح حکم دیا گیا:

وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلاَ تُشْرِكُوْا بِهٖ

اور تم اللہ کی عبادت اختیار کرو، اور اس کے ساتھ

شَيْئاً وَ بِالْوَ الِدَيْنِ اِحْسَاناً. (النساء: ٣٦)
کسی چیز کو شریک مت کرو اور والدین کے ساتھ اچھا معاملہ کرو۔

پہلی امتوں کو بھی اس کی تاکید کی گئی تھی، چناں چہ ارشاد فرمایا گیا:

وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآئِيْلَ لاَ تَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَاناً. (البقرة: ٨٣)
اور جب ہم نے بنی اسرائیل سے قول وقرار لیا کہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت مت کرنا اور ماں باپ کی اچھی طرح خدمت گذاری کرنا۔

اسی طرح احادیث شریفہ میں بکثرت والدین کے ساتھ حسنِ سلوک کی تاکید وارد ہے۔

ایک روایت میں پیغمبر علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

رِضَا الرَّبِّ تَبَارَکَ وَتَعَالٰی فِيْ رِضَا الْوَالِدَيْنِ، وَسُخْطُ اللّٰهِ تَبَارَکَ وَتَعَالٰی فِيْ سُخْطِ الْوَالِدَيْنِ. (طبراني عن ابن عمر، كنز العمال ٢٠٠/١٦ رقم: ٤٥٥٤٣، رواه البزار ٣٧٦/٦ رقم: ٢٣٩٤، الترغيب والترهيب: ٥٣٧)
اللہ تعالیٰ کی خوشنودی والدین کی خوشنودی میں ہے، اور اللہ تعالیٰ کی ناراضگی والدین کی ناراضگی میں ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے پیغمبر کی خدمت میں آکر عرض کیا کہ: ''اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ کون سا عمل پسند ہے''؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ''نماز کو اپنے وقت پر ادا کرنا''، اس شخص نے پھر سوال کیا کہ: ''اس کے بعد کس عمل کا درجہ ہے''؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ''بِرُّ الْوَالِدَيْنِ'' یعنی اپنے والدین کے ساتھ حسنِ سلوک کرنا۔ (بخاری شریف ۶/۱، ۷ رقم: ۵۲۷، مسلم ۶۲/۱، رقم: ۸۵، الترغیب والترہیب ۵۳۴ رقم ۲۷۶۹)

اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

مَنْ سَرَّهٗ اَنْ يُّمَدَّ لَهٗ فِيْ عُمُرِهٖ
جسے یہ بات پسند ہو کہ اس کی عمر میں برکت ہو اور

وَيُزَادَ فِىْ رِزْقِهٖ فَلِيَبَرَّ وَالِدَيْهِ وَلْيَصِلْ رَحِمَهٗ. (رواہ احمد ۲۶۶/۳، الترغيب والترهيب ٥٣٥)

رزق میں اضافہ ہوتو اسے چاہئے کہ والدین کے ساتھ حسنِ سلوک کرے اور صلہ رحمی بجالائے۔

اور ایک ضعیف روایت میں پیغمبر علیہ السلام کا یہ ارشاد بھی وارد ہے:

بَرُّوْا اٰبَائَكُمْ تَبَرَّكُمْ اَبْنَاءُ كُمْ وَعِفُّوْا تَعِفُّ نِسَاؤُكُمْ. (رواہ الطبرانی، الترغيب/ ٥٣٥ رقم: ٣٧٨٦)

تم اپنے والدین کے ساتھ نیکی کرو، تمہارے بیٹے تمہارے ساتھ فرماں برداری کریں گے اور تم پاک دامن رہو تو تمہاری عورتیں بھی پاک دامن رہیں گی۔

اس حدیث میں جو حقیقت بیان فرمائی گئی ہے وہ تجربہ سے پوری طرح صادق ثابت ہوئی ہے، جو لوگ اپنے والدین کے ساتھ فرماں برداری اور حسنِ سلوک کرتے ہیں ان کی اولادیں بھی ان کے ساتھ اچھی طرح پیش آتی ہیں، اسی طرح جو لوگ خود پاک دامن رہتے ہیں ان کے گھر والوں میں بھی عفت وعصمت اور پاک دامنی غالب رہتی ہے، اس کے برخلاف جو شخص والدین کے ساتھ برا معاملہ کرتا ہے تو اس کی اولاد بھی اس کے ساتھ ویسا ہی معاملہ کرتی ہے۔

ایک عبرت ناک واقعہ

امام اصمعی نے اس بارے میں ایک عبرت ناک واقعہ نقل کیا ہے کہ ایک دیہاتی شخص اس تلاش میں نکلا کہ کون شخص والد کا سب سے بڑا نافرمان ہے، تو اس کا گذر ایک ضعیف بوڑھے شخص پر ہوا جو گلے میں موٹی رسی ڈال کر رہٹ میں ایک بڑا ڈول کھینچ رہا تھا، دوپہر کا وقت تھا اور گرمی سخت تھی اور اس کے پیچھے ایک جوان تھا، جس کے ہاتھ میں ایک سخت کوڑا تھا، جس سے وہ بوڑھے کی پیٹھ پر مارتا جا رہا تھا کہ پیٹھ کا گوشت پھٹ گیا تھا، یہ منظر دیکھ کر دیہاتی شخص نے جوان سے کہا کہ: ’’اس بوڑھے ضعیف پر تجھے رحم نہیں آتا‘‘؟ جوان بولا کہ یہ میرا باپ ہے، یہ سن کر دیہاتی حیران رہ گیا اور جوان کو برا بھلا کہنے لگا، تو جوان نے جواب دیا کہ خاموش رہو یہ اپنے والد کے ساتھ بھی ایسا

ہی کرتا تھا اور اس کا باپ میرے پردادا کے ساتھ بھی یہی معاملہ کرتا تھا، جو میں اس کے ساتھ کر رہا ہوں، گویا کہ مکافاتِ عمل کا یہ سلسلہ نسلوں سے جاری ہے۔ (المحاسن والمساوی للبیہقی ۴۰۱) **اللّٰھم احفظنا منہ۔**

والدین کی نافرمانی کا انجام

غرض یہ ہے کہ اسلام میں والدین کی خوشنودی بہت اونچے درجہ کا عمل ہے، جس کے ثمرات دنیا وآخرت ہر جگہ نمایاں ہوتے ہیں اور اس کے برخلاف والدین کو ذہنی یا جسمانی اذیت دینا بدترین جرم ہے، اور اس کا بھیانک انجام آدمی کو آخرت میں تو جو بھگتنا ہوگا وہ اپنی جگہ خود دنیا میں بھی بھگتنا پڑتا ہے۔ ایک حدیث میں ارشادِ نبوی ہے:

كُلُّ الذُّنُوْبِ يُؤَخِّرُ اللّٰهُ مِنْهَا مَا شَاءَ اِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ اِلَّا عُقُوْقُ الْوَالِدَيْنِ فَاِنَّ اللّٰهَ يُعَجِّلُهُ لِصَاحِبِهٖ فِى الْحَيَاةِ قَبْلَ الْمَمَاتِ. (رواه الحاكم فى المستدرك ٤/١٥٦، الترغيب والترهيب ٥٣٩)

تمام گناہوں کی سزا اللہ تعالیٰ اپنی مرضی سے قیامت تک مؤخر فرما دیتے ہیں؛ لیکن والدین کی نافرمانی کا گناہ ایسا ہے کہ اس کے مرتکب کو مرنے سے قبل اس کی نقد سزا دیتے ہیں۔

والدین کی نافرمانی کی نحوست کی وجہ سے یہ بھی ممکن ہے کہ آدمی آخری وقت میں کلمہ کی دولت سے محروم ہو جائے، جیسا کہ ایک ضعیف روایت میں ہے کہ ایک شخص نے نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں آکر خبر دی کہ ایک نوجوان کا آخری وقت ہے؛ لیکن جب اس سے کہا جاتا ہے کہ کلمہ طیبہ ''لا الٰہ الا اللہ'' پڑھ تو وہ پڑھ نہیں پاتا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ: ''کیا وہ نماز پڑھتا ہے''؟ لوگوں نے کہا کہ ہاں نماز تو پڑھتا ہے، یہ سن کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوگئے، ہم بھی آپ کے ساتھ چل پڑے، اور مذکورہ نوجوان کے گھر پہنچے، آپ نے بھی اس سے کلمہ پڑھنے کو کہا تو نوجوان بولا کہ: ''میں نہیں پڑھ سکتا''۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آخر کیوں نہیں پڑھ سکتے؟ اس نے کہا کہ ''میں اپنی والدہ کا نافرمان تھا''، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے

لوگوں سے پوچھا کہ ''کیا اس کی ماں زندہ ہے''؟ لوگوں نے کہا کہ ہاں زندہ ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اسے بلاؤ، چناں چہ وہ بلائی گئی، آپ نے اس ماں سے پوچھا کہ یہ تمہارا بیٹا ہے، اس نے تصدیق کی، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ فرض کرو اگر ایک زبردست آگ دہکائی جائے اور تم سے یہ کہا جائے کہ اگر تم نے اس بیٹے کے حق میں سفارش کردی تو بیٹے کو چھٹکارا مل جائے گا ورنہ اسی آگ میں اسے بھسم کردیا جائے گا، تو کیا تم اپنے اس بیٹے کے لئے سفارش کروگی؟ ماں نے کہا کہ: ''ہاں کروں گی''، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ کو اور مجھے گواہ بنا کر یہ کہو کہ میں اپنے بیٹے سے راضی ہوں، چناں چہ اس ماں نے جب اپنی رضا کا اعلان کیا تو اس بیٹے کو نزع کے عالم میں کلمہ شہادت پڑھنے کی توفیق ملی، اور پیغمبر علیہ السلام نے اللہ کا شکر ادا کیا کہ آپ کی کوشش سے وہ شخص جہنم میں جانے سے بچ گیا۔ (الترغیب والترہیب ۵۳۹)

والدین کے حکم کی تعمیل

شریعت کا حکم یہ ہے کہ ایسے نیک اعمال جو فرض اور واجب کے درجہ کے نہ ہوں، ان کی ادائیگی سے قبل والدین کی اجازت لینا ضروری ہے، مثلاً اگر کوئی شخص جہاد میں جانا چاہتا ہے اور صورت ایسی ہے کہ اس پر جہاد فرض نہیں ہے، تو اسے چاہئے کہ والدین سے اجازت لے کر ہی جائے، یا مثلاً کوئی شخص علم دین سیکھنے یا نفلی حج کرنے یا تبلیغی جماعت وغیرہ میں جانا چاہتا ہے تو والدین سے دلالۃً یا صراحۃً اجازت لے کر جانا چاہئے۔ چناں چہ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ یمن کا رہنے والا ایک شخص نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ہجرت کی غرض سے حاضر ہوا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے پوچھا کہ: ''یمن میں تمہارا کوئی رشتہ دار ہے''؟ اس نے عرض کیا کہ: ''والدین موجود ہیں''، پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا کہ کیا انہوں نے تمہیں ہجرت کی اجازت دی ہے؟ اس نے عرض کیا کہ: ''نہیں''، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ''والدین کے پاس جاؤ اور ان سے اجازت مانگو، اگر اجازت دے دیں تو جہاد کرو ورنہ ان کی خدمت گذاری کرو''۔ (رواہ ابوداؤد ۱/۳۴۲ رقم: ۲۵۳۰، الترغیب والترہیب ۵۳۴)

اس طرح کے متعدد واقعات احادیث میں مروی ہیں جن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ شریعت کے کسی واضح حکم کی خلاف ورزی تو والدین کے حکم سے ہرگز نہیں کی جاسکتی؛ لیکن ایسے امور جن کے کرنے اور نہ کرنے دونوں کا فی الجملہ اختیار ہوتا ہے، ان میں والدین کی رائے اور مرضی کا لحاظ رکھا جائے گا، حتی کہ رشتہ ناطہ اور شادی بیاہ کے معاملات میں بھی والدین کی مرضی کا اعتبار کرنا چاہئے۔ حدیث میں یہاں تک حکم ہے کہ اگر (کسی معقول وجہ کی بنا پر) والدین بیوی کو طلاق دینے کو کہیں تو اسے طلاق دے دی جائے۔ (ابوداؤد شریف ۶۹۹/۲ رقم: ۵۱۳۸)

تو جب طلاق جیسے نازک معاملہ میں ان کی فرماں برداری کا حکم ہے، تو ابتدائی رشتہ میں بدرجۂ اولیٰ ان کے حکم کو پیش نظر رکھنا ضروری ہوگا۔

تاہم آج کے آزاد معاشرہ میں والدین کو بھی سوجھ بوجھ کا ثبوت دیتے ہوئے اور معاشرتی ماحول اور حالات سے سمجھوتہ کرتے ہوئے فیصلہ لینا چاہئے، ورنہ بے جا ضد سے بسا اوقات معاملہ اور بگڑ جاتا ہے، اور بدنامیوں سے سابقہ پڑتا ہے۔

جنت کے دروازے

بہر حال والدین کے معاملہ میں ہر وقت اللہ سے ڈرنے کی ضرورت ہے، وہ باحیات ہوں تو ان کے وجود کو عظیم نعمت تصور کیا جائے۔ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا ارشاد ہے کہ جس نے اس حالت میں صبح کی کہ اس کے والدین اس سے خوش ہیں تو اس کے لئے جنت کے دو دروازے کھول دئے جاتے ہیں اور اگر والدین میں سے ایک باحیات ہو تو ایک دروازہ کھول دیا جاتا ہے، اور شام کو بھی یہی معاملہ پیش آتا ہے۔ اس کے برخلاف اگر صبح اس حالت میں کی کہ والدین ناراض ہیں تو اس کے لئے جہنم کے دروازے کھل جاتے ہیں اور اگر والدین میں سے ایک ہو تو ایک دروازہ کھلتا ہے اور شام کو بھی یہی صورت پیش آتی ہے۔ تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ اگر چہ والدین حق تلفی کرنے والے ہوں پھر بھی یہی حکم ہے؟ آپ نے فرمایا کہ ہاں پھر بھی یہی معاملہ ہے۔ (الترغیب والترہیب للیافعی ۱۰۶، کنز العمال ۹۹/۱۶ رقم: ۴۵۵۳۱)

بعض کتابوں میں منقول ہے کہ ایک شخص اپنی والدہ کے جنازہ کے پیچھے بڑی بے قراری سے روتا چلا جارہا تھا، کسی نے اسے دلاسہ دیا کہ آخر اتنا روتے کیوں ہو؟ موت سے تو کسی کو رستگاری نہیں ہے، یہ تو مقررہ وقت پر آ کر ہی رہتی ہے، اس نے جواب دیا کہ بے شک موت کا وقت مقرر ہے؛ لیکن مجھے افسوس اس پر ہے کہ: ''والدہ کی وفات کی وجہ سے میرے لئے جنت کا ایک دروازہ بند ہوگیا''۔ (الترغیب والترہیب للیافعی ۱۰۷)

اس لئے اس عظیم نعمت کی قدر دانی لازم ہے، آدمی اندازہ نہیں لگا سکتا کہ والدین کی دعاؤں اور توجہات سے اسے دینی اور دنیوی کیا کیا مراتب اور مفادات حاصل ہو سکتے ہیں، جس دلی تڑپ سے والدین اولاد کے لئے دعا کر سکتے ہیں دنیا میں اور کوئی نہیں کر سکتا، اور بارگاہِ حق میں ان کی دعائیں جو قبولیت کا شرف حاصل کرتی ہیں وہ عموماً اوروں کو نصیب نہیں ہوتا۔ بعض روایات میں ہے کہ والد کی دعا اولاد کے حق میں اسی طرح قبول ہوتی ہے جیسے نبی کی دعا امت کے حق میں قبول ہوتی ہے۔

لہٰذا پوری کوشش رہنی چاہئے کہ ہم زندگی میں اپنے لئے والدین کی بیش قیمت اور انمول دعائیں سمیٹ لیں جو ہمارے لئے قدم قدم پر کام آئیں گی اور ہر طرح کی خیرات وبرکات کے حصول کا سبب بنیں گی، انشاء اللہ تعالیٰ۔

وفات کے بعد والدین کے حقوق

والدین کی وفات کے بعد بھی ان کے حقوق کا خیال رکھنا ضروری ہے۔ حضرت ابواسید مالک بن ربیعہ ساعدی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم لوگ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے کہ قبیلہ بنوسلمہ کا ایک شخص حاضر ہوا اور عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! کیا کچھ نیکیاں ایسی بھی ہیں جو مجھے والدین کی وفات کے بعد انجام دینی ہیں؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ہاں (درج ذیل کام تمہیں کرنے ہوں گے)

اَلصَّلاۃُ عَلَیْھِمَا، وَالإِسْتِغْفَارُ لَھُمَا (۱) ان کے حق میں دعائے خیر کرنا (۲) ان کی

وَإِنْفَاذُ عَهْدِهِمَا مِنْ بَعْدِهِمَا، وَصِلَةُ الرَّحِمِ الَّتِي لا تُوصِلُ إِلَّا بِهِمَا، وَإِكْرَامُ صَدِيْقِهِمَا. (أبوداؤد شريف ٦٩٩/٢ رقم: ٥١٤٢، ابن ماجة ٢٦٠/٢ رقم: ٣٦٦٤، الترغيب والترهيب ٥٣٧)

مغفرت چاہنا (۳) ان کے بعد ان کے وعدوں کو پورا کرنا (۴) ان کے رشتہ داروں کے ساتھ صلہ رحمی کرنا (۵) ان کے دوستوں کا اعزاز واکرام کرنا۔

عبد اللہ ابن دینار کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مکہ معظّمہ کے راستہ میں ایک دیہاتی شخص ملا، تو حضرت ابن عمر نے اسے سلام کر کے اپنا گدھا سواری کے لئے دے دیا اور ساتھ میں جو عمامہ آپ نے خود پہن رکھا تھا وہ اتار کر اسے پہنا دیا، ساتھیوں نے عرض کیا کہ حضرت! یہ تو دیہات کے لوگ معمولی پذیرائی سے خوش ہوجاتے ہیں (آپ نے اس آدمی کا اتنا اکرام کیوں کیا؟) تو حضرت عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اس شخص کے والد میرے والد حضرت عمرؓ کے دوست تھے اور میں نے خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد سنا ہے، آپ نے فرمایا ہے:

اِنَّ اَبَرَّ الْبِرِّ صِلَةُ الْوَلَدِ اَهْلَ وُدِّ اَبِيْهِ. (مسلم شريف ٣١٤/٢ رقم: ٢٥٥٢، الترغيب والترهيب ٥٣٧)

نیکی پر نیکی یہ ہے کہ لڑکا اپنے والد کے تعلق رکھنے والوں کے ساتھ حسن سلوک کرے۔

اس لئے ''احسان'' کے عمومی مفہوم میں مذکورہ بالا تمام امور کی رعایت شامل ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ہر اعتبار سے محسنین میں شامل فرمائیں اور کوتاہیوں کو درگذر فرمائیں، آمین۔

پانچویں فصل:

اَولاد کے ساتھ "احسان"

اَولاد اللہ تعالیٰ کا عظیم عطیہ ہے، جس کے ذریعہ انسان دنیوی واخروی بے شمار منافع وفوائد حاصل کرسکتا ہے۔ اولاد کا حصول صرف اللہ تعالیٰ کی عطا پر منحصر ہے، وہ جس کو چاہتا ہے اس نعمت سے سرفراز کرتا ہے، اس کی مرضی نہ ہو تو یہ نعمت ہزار کوششوں کے باوجود انسان کو حاصل نہیں ہوسکتی۔ ارشاد خداوندی ہے:

لِلّٰـهِ مُلْكُ السَّمٰوَاتِ وَالاَرْضِ يَـخْـلُقُ مَا يَشَآءُ، يَهَبُ لِمَنْ يَّشَآءُ اِنَـاثـاً وَيَهَبُ لِمَنْ يَّشَآءُ الذُّكُوْرَ. اَوْ يُـزَوِّجُهُـمْ ذُكْـرَانًـا وَاِنَـاثـاً، وَيَجْعَلُ مَنْ يَّشَآءُ عَقِيْماً اِنَّهٗ عَلِيْمٌ قَدِيْرٌ. (الشوریٰ ۴۹–۵۰)

اللہ ہی کی حکومت ہے آسمانوں میں اور زمین میں، وہ جو چاہے پیدا کرتا ہے، جس کو چاہے بیٹیاں بخشتا ہے اور جس کو چاہے بیٹے، یا ان کو دیتا ہے بیٹے اور بیٹیاں دونوں، اور جس کو چاہے بانجھ کردیتا ہے وہ سب کچھ جاننے والا اور قدرت والا ہے۔

بریں بنا انسان پر لازم ہے کہ وہ اولاد کی نعمت پر تہہ دل سے شکر بجالائے، اور اولاد کے ساتھ احسان کا معاملہ کرے، اور سب سے بڑا احسان اولاد پر یہ ہے کہ آدمی اولاد کی اخروی کامیابی کی سب سے زیادہ فکر کرے، اور انہیں ایسے کاموں سے بچائے جو آخرت میں ناکامی کا سبب ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

يٰٓاَيُّهَـا الَّـذِيْـنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْـلِيْـكُـمْ نَـاراً وَقُوْدُهَـا النَّـاسُ

اے ایمان والو! بچاؤ اپنی جان کو اور اپنے گھر والوں کو اس آگ سے جس کا ایندھن ہیں آدمی

وَالْحِجَارَةُ عَلَيْهَا مَلآئِكَةٌ غِلاَظٌ شِدَادٌ لاَ يَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَآ اَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ. (التحریم: ٦)

اور پتھر، اس پر تندخو زبردست فرشتے مقرر ہیں، نافرمانی نہیں کرتے اللہ کی، جو بات فرمائے ان کو اور وہی کام کرتے ہیں جو ان کو حکم ہو۔

اسی بنا پر انبیاء علیہم السلام نے اپنی اولاد کی صلاح وفلاح کی بہت زیادہ فکر فرمائی۔ سیدنا حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

وَاِذْ قَالَ اِبْرَاهِيْمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا الْبَلَدَ اٰمِناً وَاجْنُبْنِيْ وَبَنِيَّ اَنْ نَعْبُدَ الاَصْنَامَ. رَبِّ اِنَّهُنَّ اَضْلَلْنَ كَثِيْراً مِنَ النَّاسِ فَمَنْ تَبِعَنِيْ فَاِنَّهٗ مِنِّيْ، وَمَنْ عَصَانِيْ فَاِنَّکَ غَفُوْرٌ رَحِيْمٌ. رَبَّنَآ اِنِّيْٓ اَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّيَّتِيْ بِوَادٍ غَيْرِ ذِيْ زَرْعٍ عِنْدَ بَيْتِکَ الْمُحَرَّمِ، رَبَّنَا لِيُقِيْمُوْا الصَّلاَةَ فَاجْعَلْ اَفْئِدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِيْٓ اِلَيْهِمْ وَارْزُقْهُمْ مِنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ يَشْكُرُوْنَ. رَبَّنَآ اِنَّکَ تَعْلَمُ مَا نُخْفِيْ وَمَا نُعْلِنُ، وَمَا يَخْفٰى عَلَى اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ فِي الاَرْضِ وَلاَ فِي السَّمَآءِ، اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ وَهَبَ لِيْ عَلَى الْكِبَرِ اِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ، اِنَّ رَبِّيْ لَسَمِيْعُ الدُّعَآءِ. رَبِّ اجْعَلْنِيْ

اور جب کہا ابراہیم علیہ السلام نے کہ اے میرے رب! اس شہر کو امن والا بنادیجئے، اور مجھ کو اور میرے فرزندوں کو بتوں کی عبادت سے بچائے رکھئے۔ اے میرے پروردگار یقیناً ان بتوں نے بہت سے لوگوں کو گمراہ کردیا ہے، پھر جو شخص میرے راستہ پر چلے گا وہ تو میرا ہے ہی، اور جس نے میری نافرمانی کی، سو آپ بخشنے والے مہربان ہیں۔ اے میرے رب میں نے اپنی کچھ اولاد کو آپ کے قابل تعظیم گھر کے قریب بے آباد میدان میں بسایا ہے، اے میرے پروردگار تاکہ وہ نماز کو قائم رکھیں؛ لہٰذا آپ کچھ لوگوں کے دل ان کی طرف مائل کردیجئے اور انہیں پھل فروٹ کھانے کو دیجئے؛ تاکہ وہ شکر کریں۔ اے ہمارے رب یقیناً آپ ہماری چھپی اور ظاہر باتوں کو جانتے ہیں اور اللہ پر کچھ بھی زمین میں پوشیدہ نہیں ہے اور نہ آسمان میں، ہر طرح کا شکر اللہ کے لئے ہے، جس نے مجھ کو

مُقِيۡمَ الصَّلاۃِ وَمِنۡ ذُرِّيَّتِیۡ، رَبَّنَا وَتَـقَبَّلۡ دُعَـآءِ. رَبَّنَـا اغۡفِـرۡلِیۡ وَلِوَالِـدَیَّ وَلِلۡـمُؤۡمِنِيۡنَ يَوۡمَ يَقُوۡمُ الۡحِسَابُ. (ابراهيم: ٣٧-٤١)

بڑھاپے میں اسماعیل اور اسحٰق عطا کئے، بے شک میرا پروردگار دعاؤں کا سننے والا ہے۔اے میرے رب مجھ کو اور میری اولاد کو نماز کا قائم رکھنے والا بنا دیجئے، اور اے میرے رب میری دعا قبول فر مالیجئے۔اور اے ہمارے رب میری اور میرے ماں باپ کی اور تمام ایمان والوں کی مغفرت فرما دیجئے، جس دن حساب قائم ہوگا۔

دیکھئے مذکورہ آیات میں اولاد سے کس طرح شفقت کا اظہار فرمایا گیا اور ساتھ میں کیسی نیازمندی سے اس نعمت پر اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کی گئی جو پوری انسانیت کے لئے موجبِ ہدایت اور قابلِ تقلید ہے۔

نیز سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام اور آپ کے پوتے حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنی اولادوں کو دین پر جینے اور دین ہی پر مرنے کی تاکیدی وصیت فرمائی ہے۔ارشادِ خداوندی ہے:

وَوَصّٰـى بِهَـآ اِبۡـرَاهِيۡـمُ بَنِيۡـهِ وَيَعۡقُوۡبُ، يَا بَنِیَّ اِنَّ اللّٰهَ اصۡطَفٰى لَـكُـمُ الـدِّيۡنَ فَلاَ تَمُوۡتُنَّ اِلَّا وَاَنۡتُمۡ مُسۡلِمُوۡنَ. (البقرة: ١٣٢)

اور ابراہیم ویعقوب یہی وصیت فرما گئے اپنے بیٹوں کو، کہ اے بیٹو! اللہ نے تمہارے لئے دین منتخب فرمالیا ہے تو تم اسلام ہی پر جان دینا۔

اور حضرت یعقوب علیہ السلام نے وفات سے پہلے سب سے زیادہ اہمیت اس بات کو دی کہ اپنی اولاد کے عقیدہ کی طرف سے اطمینان حاصل کریں۔ارشادِ خداوندی ہے:

اَمۡ كُنۡتُمۡ شُهَدَآءَ اِذۡ حَضَرَ يَعۡقُوۡبَ الۡـمَوۡتُ، اِذۡ قَالَ لِبَنِيۡهِ مَا تَعۡبُدُوۡنَ مِنۡ بَـعۡـدِیۡ، قَـالُوۡا نَعۡبُدُ اِلٰهَكَ وَاِلٰـهَ اٰبَاءِكَ اِبۡرَاهِيۡمَ وَاِسۡمٰعِيۡلَ

کیا تم یعقوب کی وفات کے وقت موجود تھے، جب کہا اپنے بیٹوں کو کہ تم کس کی عبادت کروگے میرے بعد؟ بولے ہم بندگی کریں گے تیرے رب کی، اور تیرے باپ دادوں کے رب کی

وَاِسۡحٰقَ اِلٰهاً وَّاحِداً وَّنَحۡنُ لَهٗ مُسۡلِمُوۡنَ. (البقرۃ: ۱۳۲)

جو کہ ابراہیم اور اسماعیل اور اسحٰق ہیں، وہی ایک معبود ہے اور ہم سب اسی کے فرماں بردار ہیں۔

اس آیت میں ہر باپ کے لئے نصیحت ہے کہ وہ اولاد کی مادی خیر خواہی سے زیادہ دینی خیر خواہی کی فکر کرے، اور اس میں ہرگز غفلت نہ برتے۔

قرآنِ پاک میں اللہ تعالیٰ نے اپنے خاص بندوں (عباد الرحمٰن) کی صفات بیان کرتے ہوئے ایک اہم صفت یہ بیان فرمائی ہے کہ وہ اس طرح اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں:

رَبَّنَا هَبۡ لَنَا مِنۡ اَزۡوَاجِنَا وَذُرِّيّٰتِنَا قُرَّةَ اَعۡيُنٍ وَّاجۡعَلۡنَا لِلۡمُتَّقِيۡنَ اِمَاماً. (الفرقان: ۷۴)

اے رب! ہم کو ہماری عورتوں اور اولاد کی طرف سے آنکھوں کی ٹھنڈک عطا فرمایئے، اور ہم کو پرہیزگاروں کا پیشوا بنا دیجئے۔

ظاہر ہے کہ وہی اولاد آنکھوں کی ٹھنڈک بن سکتی ہے جو دین دار اور والدین کی فرماں بردار ہو، اور اہل تقویٰ کا پیشوا بنانے کی دعا کا مطلب یہ ہے کہ ہماری نسلوں میں تقویٰ والے لوگ موجود رہیں۔

نومولود کے کان میں اذان دینے کا حکم

نیز احادیثِ شریفہ میں بھی اولاد کی دینی تربیت کی بہت تاکید وترغیب وارد ہے۔ شریعت کی نظر میں دین کی کتنی اہمیت ہے اس کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ بچے کی پیدائش کے بعد سب سے پہلی سنت یہ ہے کہ اس کے دائیں کان میں اذان اور بائیں میں اقامت کہی جائے؛ تاکہ اس کے دل میں کانوں کے توسط سے سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کی کبریائی کی آواز پہنچے، یہ گویا کہ ایمان کا بنیادی بیج ہے جو بچے کے دل میں بویا جاتا ہے۔

حضرت رافع رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دیکھا کہ آپ نے پیدائش کے بعد اپنے نواسے سیدنا حضرت حسن بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے کان میں اذان دی۔ (ابوداؤد شریف ۲/۶۹۶ رقم: ۵۱۰۵)

بچوں کے نام اچھے رکھیں

بچوں کے بارے میں دوسرا اہم حکم یہ ہے کہ ان کا اچھا سا نام رکھا جائے۔ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

إِنَّكُمْ تُدْعَوْنَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ بِأَسْمَائِكُمْ وَأَسْمَاءِ اٰبَائِكُمْ، فَأَحْسِنُوْا أَسْمَاءَ كُمْ. (ابوداؤد شريف كتاب الادب ٦٧٦/٢ رقم: ٤٩٤٨)

تمہیں قیامت کے دن تمہارے اور تمہارے باپ کے ناموں سے پکارا جائے گا؛ لہٰذا بچوں کے نام اچھے رکھا کرو۔

اور ایک روایت میں ہے کہ پیغمبر علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

أَحَبُّ الْأَسْمَاءِ إِلَى اللّٰهِ عَبْدُ اللّٰهِ وَعَبْدُ الرَّحْمٰنِ. (ابوداؤد ٦٧٦/٢ رقم: ٤٩٤٩، مسلم ٢٠٦/٢ رقم: ٢١٣٢، سنن الترمذي ١١٠/٢ رقم: ٢٨٣٣)

اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ پسندیدہ نام ''عبداللہ'' اور ''عبدالرحمٰن'' ہیں۔

محدثین نے لکھا ہے کہ ہر وہ نام جو اللہ تعالیٰ کے کسی نام کی طرف منسوب ہو وہ سب پسندیدہ ہیں (مثلاً فیض الرحمٰن، فضل الرحمٰن، عبدالودود وغیرہ)۔ (العرف الشذی علی الترمذی ۱۱۰/۲)

نیز پیغمبر علیہ السلام نے یہ بھی فرمایا کہ اپنے بچوں کے نام انبیاء علیہم السلام اور نیک لوگوں کے ناموں پر رکھا کرو۔ (ابوداؤد شریف ۶۷۶/۲ رقم: ۴۹۵۰، نسائی ۱۲۲/۲ رقم: ۳۲۶۴)

اور ایک ضعیف روایت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد بھی مروی ہے کہ جو شخص اپنے بچے کا نام ''محمد'' رکھے، تو میں قیامت کے دن اس کی سفارش کروں گا۔ (معجم طبرانی بحوالہ العرف الشذی علی الترمذی ۱۱۰/۲)

نیز ایک روایت میں یہ ہے کہ سب سے سچا نام ''حارث'' اور ''ہمام'' ہے۔ (ابوداؤد شریف ۶۷۶/۲ رقم: ۴۹۵۰، مسند احمد ۳۴۵/۴ رقم: ۱۹۲۴۱، سنن کبریٰ ۲۶۶/۱۴ رقم: ۱۹۸۵۰)

’’حارث‘‘ کے معنی ’’کاشت کار‘‘ کے آتے ہیں، اور ہر آدمی آخرت کے اعتبار سے یقیناً کاشت کار ہے۔ اور’’ہمام‘‘ کے معنی ’’فکرمند‘‘ کے آتے ہیں، اور کوئی بھی انسان دنیا میں فکر سے خالی نہیں ہے۔

اِن ہدایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اچھا نام رکھنا بھی اولاد کے ساتھ منجملہ احسانات میں سے ایک احسان ہے۔ آج افسوس کی بات یہ ہے کہ لوگ کھلاڑیوں اور ایکٹروں کے ناموں پر اپنے بچوں کا نام رکھتے ہیں، اور بعض لوگوں کو نت نئے نام رکھنے کا خبط سوار رہتا ہے، اور یہ سوچتے ہیں کہ ایسا نام رکھا جائے جو آج تک دنیا میں کسی نے نہ رکھا ہو، جس کی بنا پر نہایت لغو قسم کے اسماء مسلم معاشرہ میں رائج ہوگئے ہیں، ان ناموں سے احتراز لازم ہے۔

نیز بعض لوگ اس خام خیالی میں مبتلا ہیں کہ پیدائش کی تاریخ اور وقت دیکھ کر جو نام تجویز کیا جائے وہ بہتر ہوتا ہے، حالاں کہ اس خیال کی شرعاً کوئی اصل نہیں ہے، یہ محض من گھڑت بات ہے، ایسی جاہلانہ رسومات سے بھی اجتناب کرنا چاہئے۔ اور اگر کسی کا ایسا نام رکھا گیا ہے جو معنی کے اعتبار سے مناسب نہیں ہے، تو بعد میں اسے بدل دینا چاہئے۔ چناں چہ روایت میں مروی ہے کہ ایک عورت کا نام ’’عاصیہ‘‘ تھا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا نام بدل کر ’’جمیلہ‘‘ رکھ دیا۔ اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام ناپسندیدہ نام کو بدل دیا کرتے تھے۔ (ترمذی شریف ٢/١١١)

نیز پیغمبر علیہ السلام کو ایسے نام بھی ناپسند تھے جن سے اپنی تعریف اور بڑائی ثابت ہوتی ہو، چناں چہ روایت میں ہے کہ آپ کی ربیبہ حضرت زینب بنت ابی سلمہ کا پہلا نام ’’برّہ‘‘ تھا، (جس کے معنی ’’نیک‘‘ کے آتے ہیں) تو پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا:

لَا تُزَكُّوا أَنْفُسَكُمُ اَللّٰهُ أَعْلَمُ بِأَهْلِ الْبِرِّ مِنْكُمْ. (أبو داؤد ٢/٦٧٧ رقم: ٤٩٥٣، صحيح مسلم ٢/٢٠٨ رقم: ٢١٤٢)	اپنے آپ کو پارسامت کہا کرو، اللہ کو خوب معلوم ہے کہ تم میں سے کون نیک ہے۔

اس پر سوال کیا گیا کہ پھر ہم کیا نام رکھیں؟ تو آپ نے فرمایا کہ اس کا نام ’’زینب‘‘ رکھ دو۔

عقیقہ اور ختنہ کا حکم

بچوں کے بارے میں ایک حکم یہ ہے کہ ساتویں دن ان کا عقیقہ کیا جائے، لڑکے کی طرف سے دو بکرے یا بکریاں، اور لڑکی کی طرف سے ایک بکرا یا بکری، یا قربانی کے بڑے جانور کا ایک حصہ۔ (مشکوٰۃ المصابیح ۳۶۳، سنن الترمذی ۲۷۸/۱، سنن ابوداؤد ۳۹۲/۲ رقم: ۲۸۳۴، ابن ماجہ ۲۲۸/۱ رقم: ۳۱۶۲، سنن النسائی ۱۸۷/۲ رقم: ۴۲۲۲)

ایک روایت میں ہے کہ پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا کہ ساتویں دن بچے کا نام رکھا جائے اور اس کے بال اتروائے جائیں اور اس کا عقیقہ کیا جائے۔ (ترمذی شریف ۱۱۰/۲، نسائی شریف ۱۸۷/۲)

اور ایک ضعیف روایت میں یہ بھی ہے کہ بال جتنے وزن کے ہوں اس کے بقدر چاندی (یا اس کی قیمت) صدقہ کر دی جائے۔ (سنن ترمذی ۲۷۸/۱ رقم: ۱۵۱۹، مصنف ابن ابی شیبہ ۳۱۹/۱۲، اعلاء السنن ۱۱۹/۱۷)

بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جب تک عقیقہ نہ کرلیا جائے بچہ امراض وبلاء اور شیطان کے اثرات سے محفوظ نہیں رہتا۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

عن سمرة بن جندب رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: اَلْغُلَامُ مُرْتَهِنٌ بِعَقِيْقَتِهٖ يُذْبَحُ عَنْهُ يَوْمَ السَّابِعِ وَيُسَمّٰى وَيُحْلَقُ رَأْسُهٗ. (سنن ترمذی ۲۷۸/۱ رقم: ۱۵۲۲، ابن ماجة ۲۲۸/۲ رقم: ۳۱۶۵، نسائی ۱۸۷/۲ رقم: ٤۲۲٦، ابوداؤد ۳۹۲/۲ رقم: ۲۸۳۷، مرقاة ۷۸/۸، المصنف لابن أبي شيبة ۲۲٦/۱۲، إعلاء السنن ۱۱۹/۱۷)

حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بچہ اپنے عقیقہ تک محبوس رہتا ہے؛ لہٰذا اس کی طرف سے ساتویں دن عقیقہ کیا جائے، اور نام رکھا جائے، اور اس کا سر مونڈ دیا جائے۔

روایات سے معلوم ہوا کہ عقیقہ بچے کے لئے شیطانی اثرات اور بلیات سے حفاظت کا ایک اہم ذریعہ ہے؛ اس لئے جتنی جلد ممکن ہو سکے بچے کا عقیقہ کر دینا چاہئے، یہ بھی اس کے اوپر احسان کی ایک صورت ہے، اور بلاوجہ اس میں تاخیر نہیں کرنی چاہئے۔ آج کل ہمارے معاشرہ میں اس

سلسلہ میں بڑی کوتاہی پائی جاتی ہے کہ بڑی تقریب اور لمبی دعوت کے اہتمام میں عقیقہ کوٹلا دیا جاتا ہے، اور بسا اوقات اولاد جوان ہوجاتی ہے؛ لیکن اس کا عقیقہ نہیں ہوتا، جس کی وجہ سے عقیقہ کا مقصد ہی فوت ہوجاتا ہے، اور بعد میں عقیقہ کے نام پر محض ایک رسم نبھائی جاتی ہے جو بالکل مناسب نہیں ۔

عقیقہ میں دعوت اصل نہیں ہے؛ بلکہ جانور کا ذبح کرنا اصل ہے، پھر اس کا گوشت خواہ کچا بانٹ دیا جائے یا پکا کر کھلا دیا جائے، حسبِ سہولت دونوں باتوں کا اختیار ہے، اس میں بلاوجہ تکلفات کرنا بہتر نہیں ہے۔

اسی طرح ایک اہم حکم بچوں کے بارے میں یہ ہے کہ بچپن ہی میں ان کی ختنہ کرادی جائے، جو ایک اسلامی شعار کی حیثیت رکھتی ہے۔ (عالمگیری ۵؍۳۵۷)

اور تجربہ یہ ہے کہ جتنی جلد ختنہ کرادی جائے اتنا ہی بہتر ہوتا ہے؛ کیوں کہ بڑی عمر میں اس عمل کو انجام دینے سے بڑی دشواریاں پیش آجاتی ہیں ۔

بچوں کو پاک صاف رکھیں !

کوشش کرنی چاہئے کہ بچے شروع ہی سے پاک وصاف رہیں، جب ان کے بدن سے نجاست نکلے تو جلد از جلد دھوکر صاف کردیا جائے، انہیں نجاست میں لت پت پڑے نہ رہنے دیا جائے، اور محض بچہ سمجھ کر ان کی پلیدگی کو نظرانداز نہ کردیا جائے۔ یاد رکھنا چاہئے کہ بچہ کے بدن سے نکلنے والی نجاستیں بھی اسی طرح ناپاک ہیں جیسے بڑوں کے فضلات؛ اس لئے انہیں ہلکا نہ سمجھا جائے۔ بعض مائیں اس کا بالکل لحاظ نہیں کرتیں اور بچوں سے بدبو اُٹھتی رہتی ہے مگر انہیں قطعاً احساس نہیں ہوتا، حالاں کہ صفائی ستھرائی اسلام کا خاص وصف ہے، اس لئے ضرورت ہے کہ شروع ہی سے بچوں کو طہارت کی اہمیت معلوم ہو، ہمیشہ ان کو استنجاء کرانے کا اہتمام رکھیں، اور انہیں نالیوں اور گندی جگہوں پر ہرگز کھیلنے نہ دیں، اسی طرح حتی الامکان پاک صاف کپڑے پہنائیں، اس پاکیزگی کے بہترین اثرات بچوں کی زندگی پر مرتب ہوتے ہیں، جب کہ گندگی میں پرورش پانے والے بچوں کے اخلاق شروع ہی میں بگڑ جاتے ہیں ۔

جب بچہ بولنے کے قابل ہو

جب بچہ بولنے کے قابل ہوتو بہتر ہے کہ اس کی زبان سے اولاً ''اللہ'' کا مبارک نام صادر ہو، اور اسے اچھی باتیں یاد کرائی جائیں، اور اس کے سامنے اچھی باتیں ہی بولی جائیں، بچہ بظاہر بے شعور معلوم ہوتا ہے؛ لیکن اس کا دماغ اس حالت میں بھی معلومات کو اخذ کر کے ذہن کے گوشوں میں محفوظ کرتا رہتا ہے، اس کی واضح دلیل یہ ہے کہ بچہ بغیر کسی کے سکھائے گھر میں بولی جانے والی مادری زبان خود بخود سیکھ لیتا ہے، اس کے لئے اسے کوئی مزید محنت یا مشق نہیں کرنی پڑتی، بریں بنا بچے کی ذہنی اور فکری تربیت کے لئے اسے پاکیزہ، صاف ستھرا اور باوقار ماحول عطا کرنا ضروری ہے۔

عام طور پر بچوں کو کہانی اور قصے سننے کا شوق ہوتا ہے، اور عموماً مائیں کتے بلی، اور بندروں کی کہانیاں سنا کر بچوں کو خوش کرتی ہیں، حالاں کہ ایسی کہانیوں کے مضر اثرات بچوں پر مرتب ہوتے ہیں، ماؤں کو چاہئے کہ وہ سچی کہانیاں اور انبیاء علیہم السلام اور بزرگوں کے عبرت آموز واقعات بچوں کو سنایا کریں، اس سے جہاں انہیں نصیحتیں ملیں گی وہیں ایک اہم فائدہ یہ ہوگا کہ ابھی سے اللہ کے نیک اور برگزیدہ بندوں کی محبت ان کے دلوں میں راسخ ہوگی، اور آگے چل کر یہی عقیدت انہیں دین دار بنانے میں معاون بنے گی۔

اَفسوس ہے کہ آج ہمارے معاشرے میں بچوں کی فکری نشوونما میں بے احتیاطی عام ہے، چھوٹے چھوٹے بچے دل بہلانے کے لئے ٹیلی ویژن یا کمپیوٹر پر کارٹونی فلمیں دیکھنے کے عادی بن جاتے ہیں، یا کچھ لکھنا پڑھنا آ گیا تو کارٹون والی کامکس پڑھنے میں وقت گذاری کرتے ہیں، اور یہی مخرب اخلاق تصویریں اور مضامین ان کے دل ودماغ میں جگہ بنا لیتے ہیں، اس لئے ماں باپ اگر واقعۃً اپنے بچوں کے ساتھ احسان کرنا چاہتے ہیں تو انہیں ایسے اخلاق سوز مناظر اور لٹریچر سے بچانے کا بھرپور اہتمام کریں، اگر شروع ہی سے اس جانب توجہ نہ دی گئی تو بعد میں اصلاح بہت مشکل ہوتی ہے۔

اور بچوں کی اصلاح جبھی ہوگی جب خود ماں باپ ایسے مشاغل سے دور رہیں، ورنہ خود اگر دور نہ رہیں گے تو بچوں پر روک ٹوک بھی نہ کر پائیں گے۔ آج کل کے بچے بالخصوص ہر معاملہ میں اپنے ماں باپ کی نقل اتارنے کی کوشش کرتے ہیں، اچھے کاموں میں بھی وہ ان کی پیروی کرتے ہیں اور برے کاموں میں بھی ان کی اتباع کرتے ہیں؛ اس لئے ماں باپ کو اولاد کی خاطر ہی سہی اپنی اصلاح سے غافل نہیں رہنا چاہئے۔

بچوں کو نماز کی تاکید

جب بچے سات سال کی عمر کو پہنچیں تو انہیں نماز سکھانی چاہئے، والدین کو چاہئے کہ وہ بچوں کو وضو کرنا سکھائیں اور اپنے ساتھ نماز پڑھوائیں، اور رفتہ رفتہ ضروری قراءت اور نماز کے اذکار یاد کرائیں، اور ہلکی پھلکی ترغیب دے کر نماز پڑھواتے رہیں، اور جب بچوں کی عمر دس سال کی ہو جائے تو اب نماز نہ پڑھنے پر تادیب ضربی کا حکم ہے؛ تاکہ نماز کی اہمیت اور عظمت ان کے دلوں میں جاگزیں ہو اور جب وہ بلوغ کی عمر میں پہنچیں تو پکے نمازی بن چکے ہوں، اس بارے میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

مُرُوْا أَوْلاَدَكُمْ بِالصَّلاَةِ وَهُمْ اَبْنَاءُ سَبْعِ سِنِيْنَ وَاضْرِبُوْهُمْ عَلَيْهَا وَهُمْ اَبْنَاءُ عَشَرِ سِنِيْنَ. (سنن أبي داؤد ۱/ ۷۰ رقم: ۴۹۵، سنن ترمذي ۱/ ۸۰ رقم: ۴۰۷، مشكوٰة شريف ۱/ ۵۸)

اپنے بچے بچیوں کو نماز کا حکم کرو، جب کہ ان کی عمر سات سال ہو اور جب وہ دس سال کے ہو جائیں تو نماز نہ پڑھنے پر ان کی پٹائی کرو۔

یہ مشاہدہ ہے کہ جس بچے کو بچپن سے نماز کی عادت پڑ جاتی ہے وہ مرتے دم تک نمازی رہتا ہے، اور بچپن میں اگر نماز کا عادی نہ بن پایا تو بعد میں نماز کی پابندی بڑی دشوار ہوتی ہے؛ اس لئے حدیث شریف میں بطور خاص بچپن میں اس جانب توجہ مبذول کرنیکی تاکید کی گئی ہے، سبھی اہل اسلام کو اس کا خیال رکھنا چاہئے۔

بچوں کو صلحاء کا لباس پہنائیں

بچوں کے سلسلہ میں ایک اہم ہدایت یہ ہے کہ انہیں بچپن ہی سے صالحین اور نیک لوگوں کا لباس پہننے کا عادی بنایا جائے، بالخصوص بچیوں کا لباس پوری طرح ساتر ہو، اور جب وہ بڑی ہونے لگیں تو اوڑھنی یا دوپٹہ ان کے سر پر ضرور ہو۔ افسوس ہے کہ اس بارے میں آج اچھے اچھے دین دار گھرانوں میں بھی بڑی بے احتیاطی پائی جارہی ہے۔ آج کل بچوں کے سلے سلائے (ریڈی میڈ) کپڑے بازار میں دستیاب ہوتے ہیں، تو کسی تکلف کے بغیر وہی کپڑے بچوں اور بچیوں کو پہنائے جاتے ہیں، ان میں سے بعض کپڑے تو اتنے بے ہودہ اور واہیات ہوتے ہیں کہ انہیں دیکھ کر ہی شرم آنے لگتی ہے، مگر کم عمری کا بہانہ بنا کر انہیں بلا کسی تردد کے پہنا دیا جاتا ہے، حالاں کہ اس بے احتیاطی کا بدترین نتیجہ یہ سامنے آتا ہے کہ بڑے ہوکر بچہ اسی غیر شرعی لباس کو اچھا سمجھنے لگتا ہے، اور بچیاں بڑے ہونے کے بعد بھی بے غیرتی والا لباس پہننے میں قطعاً شرم نہیں کرتیں، تو والدین کو یاد رکھنا چاہئے کہ اس کوتاہی کی وجہ سے بچوں سے جو بھی گناہ صادر ہوگا والدین سے بھی آخرت میں اس کا مؤاخذہ کیا جائے گا۔

اخلاقی بیماریوں سے بچوں کو بچائیں

ابتدائی شعور کا زمانہ بہت نازک ہوتا ہے، اس میں عقل پختہ نہیں ہوتی، اور جسمانی تبدیلیوں اور جذبات کا ظہور ہوتا ہے، اگر اس وقت میں بچوں کی اچھی طرح نگرانی نہ کی گئی تو بعد میں اس کے بڑے خطرناک نتائج برآمد ہوتے ہیں؛ اسی لئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاں دس سال کی عمر ہونے پر سختی سے نماز کی تاکید کرنے کا حکم دیا ہے وہیں یہ بھی فرمایا کہ:

وَفَرِّقُوْا بَيْنَهُمْ فِي الْمَضَاجِعِ. اور بچوں بچیوں کے بستر الگ الگ کردو۔

(سنن ابوداؤد ۷۰/۱ رقم: ٤٩٥، مشکوٰۃ ۵۸/۱)

شارحین حدیث لکھتے ہیں کہ دس سال کی عمر کے بعد ہر بچے بچی کا بستر الگ کردینا چاہئے،

حدیث کا مقصود صرف یہی نہیں کہ بچے الگ لیٹیں اور بچیاں الگ سوئیں؛ بلکہ ہم عمر لڑکے اور ہم عمر لڑکیاں بھی ایک بستر پر نہ سویا کریں؛ اس لئے کہ اس عمر میں بے خیالی میں بھی لپٹنا جھپٹنا اخلاق پر نہایت برا اثر ڈالتا ہے۔

افسوس ہے کہ آج کل عموماً رہائش گاہوں کی تنگی کی وجہ سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس پاکیزہ اور مفید ہدایت پر عمل نہیں کیا جاتا، پھر بھی حتی الامکان اس پر عمل کی کوشش کرنی چاہئے، کم از کم ہر بچے کا لحاف اور چادر تو یقیناً الگ ہونا چاہئے، اور باشعور بچے بچیاں ایک لحاف میں ہرگز نہ سویا کریں۔

چھٹی فصل:

لڑکیوں کے ساتھ احسان

عام طور پر معاشرہ میں لڑکیوں کو محبت کی اس نظر سے نہیں دیکھا جاتا جس نظر سے لڑکوں کو دیکھا جاتا ہے، اسی لئے لڑکوں کی پیدائش پر جو دھوم دھام ہوتی ہے وہ عموماً لڑکی کی پیدائش پر نہیں ہوتی، اسلام لڑکیوں کے ساتھ اس ناانصافی کا قطعاً مخالف ہے۔ اسلام کی نظر میں لڑکی زحمت نہیں؛ بلکہ رحمت ہے؛ کیوں کہ اسی کے وجود پر کائنات کی بقا کا مدار ہے، لڑکیاں ہی نہ رہیں تو جلد ہی یہ آبادیاں ویران بن جائیں گی، اور دکھائی دینے والی رونقیں قبرستان میں تبدیل ہوجائیں گی، لڑکیوں کو برا سمجھنا یا بوجھ سمجھنا کسی مسلمان کا کام نہیں؛ بلکہ یہ کافروں کی خاص علامت ہے۔ قرآن کریم میں کفار کی حالت کا نقشہ کھینچتے ہوئے فرمایا گیا:

وَاِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ بِالْاُنْثٰى ظَلَّ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا وَّهُوَ كَظِيْمٌ. يَتَوَارٰى مِنَ الْقَوْمِ مِنْ سُوْٓءِ مَا بُشِّرَ بِهٖ، اَيُمْسِكُهٗ عَلٰى هُوْنٍ اَمْ يَدُسُّهٗ فِي التُّرَابِ. (النحل: ۵۸-۵۹)

اور جب خوش خبری ملے ان میں کسی کو بیٹی کی تو سارے دن اس کا منہ سیاہ رہے، اور دل میں گھٹتا رہے، لوگوں سے اس خوش خبری کی برائی کے مارے چھپتا پھرے۔ (اب) اس کو رہنے دے ذلت قبول کر کے، یا اس کو داب دے مٹی میں۔

زمانۂ جاہلیت میں کمینگی اور انسانیت سوزی کی انتہاء یہ تھی کہ لوگ خود اپنی بچیوں کو اپنے ہی ہاتھوں بڑی بے رحمی سے زندہ گاڑ دیا کرتے تھے یا اونچے پہاڑ سے نیچے پھینک دیا کرتے تھے، اور معصوم بچی ابا- ابا کہہ کر چیختی رہ جاتی تھی۔ (روح المعانی ۲۴۶/۸)

اسلام نے اس بے ہودہ اور وحشیانہ رسم پر سختی سے نکیر کی اور اسے جڑ سے مٹادیا کہ دور اسلام

میں کوئی شخص اس گھناؤنی حرکت کا روادار نہ رہا۔

لیکن آج ذرا اپنے معاشرہ پر نظر ڈالیں تو اس نئے دور جاہلیت میں بھی جا بجا رحم مادر میں بچیوں کے قتل عام کا یہ ''نفع بخش کاروبار'' نام نہاد امن پسندوں کی ناک تلے پوری قوت سے پروان چڑھتا نظر آئے گا۔ الٹرا ساؤنڈ کے ذریعہ جنین کے جنس کی شناخت کر کے کتنے ہی والدین بے رحمی کے ساتھ مادہ جنین کا اسقاط کر کے اپنی شقاوت قلبی اور قساوت کا کھلا ثبوت دیتے ہیں، بے شک آج یہ ''معصوم جان'' دنیا کی عدالت میں انصاف پاسکنے پر قادر نہیں؛ لیکن احکم الحاکمین کے دربار میں جب مقدمہ پیش ہوگا اور قاتل ڈاکٹروں کے ساتھ بے رحم والدین بھی مجرموں کی صف میں کھڑے ہوں گے تب اس بہیمانہ جرم کی سنگینی کا احساس ہوگا۔

اسلام ہی وہ مذہب ہے جس نے اس انسانیت سوز اور وحشیانہ حرکت پر انتہائی مؤثر آواز بلند کی؛ چناں چہ قرآن پاک میں میدانِ محشر کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا گیا:

وَاِذَا الْـمَوْؤُدَةُ سُئِلَتْ، بِاَيِّ ذَنْبٍ قُتِلَتْ. (التکویر: ۸)	اور جب گاڑی ہوئی بچی سے پوچھا جائے گا کہ وہ کس گناہ میں قتل ہوئی؟

یعنی قیامت کے دن جب یہ زندہ درگور کی ہوئی بچی بارگاہِ ارحم الراحمین میں فریاد کرے گی، اور اپنے بے قصور ہونے کو بیان کرے گی، تو اس وقت کا منظر یقیناً دل دہلانے والا ہوگا۔

اسلام نے لڑکیوں کو معاشرہ میں وہ مقام عطا کیا جس کا پہلے تصور نہیں کیا جاسکتا تھا۔ خود پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بطور خاص بچیوں کی پرورش پر جنت کی بشارتیں اور آخرت میں اپنی معیت ورفاقت کی خوش خبریاں سنائیں۔ چند احادیث شریفہ ملاحظہ ہوں:

○ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ: جَائَتْنِيْ مِسْكِيْنَةٌ تَحْمِلُ ابْنَتَيْنِ لَهَا فَأَطْعَمْتُهَا ثَلَاثَ تَمَرَاتٍ فَاَعْطَتْ كُلَّ وَاحِدَةٍ	ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک مسکین عورت دو بچیوں کو اٹھائے ہوئے میرے پاس آئی، میں نے اسے تین کھجوریں کھانے کے لئے پیش کیں، تو اس

مِنْهُمَا تَمْرَةً وَرَفَعَتْ إِلٰى فِيْهَا تَمْرَةً لِتَأْكُلَهَا فَاسْتَطْعَمَتْهَا ابْنَتَاهَا فَشَقَّتِ التَّمْرَةَ الَّتِيْ كَانَتْ تُرِيْدُ أَنْ تَأْكُلَهَا بَيْنَهُمَا فَأَعْجَبَنِيْ شَأْنُهَا فَذَكَرْتُ الَّذِيْ صَنَعَتْ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: إِنَّ اللّٰهَ قَدْ أَوْجَبَ لَهَا بِهِمَا الْجَنَّةَ أَوْ أَعْتَقَهَا بِهِمَا مِنَ النَّارِ.

(رواه البخاري ١٩٤/١ رقم: ١٤١٨، مسلم شريف: ٣٣٠/٢ رقم: ٢٦٣٠، والترمذي ١٣/٢ رقم: ١٩١٥، الترغيب والترهيب ٤٤١/ رقم: ٣٠٥١)

نے ایک ایک کھجور ہر ایک بچی کو دے دی، اور تیسری کھجور خود کھانے کے لئے منہ میں رکھی ہی تھی کہ ان بچیوں نے اس کھجور کو بھی اس سے مانگ لیا، تو اس عورت نے فوراً اس کھجور کو جسے خود کھانے کا ارادہ کر رہی تھی، دو ٹکڑے کر کے ایک ایک ٹکڑا دونوں بچیوں کو دے دیا، مجھے اس کی یہ ادا بہت اچھی لگی اور میں نے نبی اکرم ا کو یہ سارا قصہ کہہ سنایا، تو پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا کہ ”اللہ تعالیٰ نے ان دو بچیوں کے ذریعہ اس عورت کے واسطے جنت واجب فرمادی ہے“، یا یہ فرمایا کہ ”ان دو بچیوں کے سبب اللہ تعالیٰ نے اس عورت کو جہنم سے آزادی عطا کر دی ہے“۔

○ عَنْ أَنَسٍ رضي الله عنه عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: مَنْ عَالَ جَارِيَتَيْنِ حَتّٰى تَبْلُغَا جَاءَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَنَا وَهُوَ وَضَمَّ أَصَابِعَهُ.

(مسلم شريف ٣٣٠/٢ رقم: ٢٦٣١، الترمذي ١٣/٢ رقم: ١٩١٤، وابن حبان في صحيحه رقم: ٤٤٨، الترغيب والترهيب ٤٤١/ ٤)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ”جو آدمی دو لڑکیوں کی بالغ ہونے تک پرورش کرے تو میں اور وہ قیامت میں ساتھ ہوں گے، پھر آپ نے انگلیوں کو ملا کر اشارہ فرمایا“۔

○ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ”جس مسلمان کی دو بچیاں ہوں اور وہ جب تک

مُسْلِمٍ لَهُ ابْنَتَانِ فَيُحْسِنُ إِلَيْهِمَا مَا صَحِبَتَاهُ أَوْ صَحِبَهُمَا إِلَّا أَدْخَلَتَاهُ الْجَنَّةَ. (ابن ماجه ٢٤١/٢ رقم: ٣٦٧٠، صحيح ابن حبان رقم: ٢٩٣٤، مسند حاكم ١٧٨/٤، مسند أحمد رقم: ٢٤٢٤، الترغيب والترهيب ٤٤١/)

اس کے پاس رہیں ان کے ساتھ اچھا برتاؤ کرے تو وہ اسے ضرور جنت میں داخلہ کا مستحق بنا دیں گی"۔

○ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ ﷺ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: وَمَنْ سَعىٰ عَلىٰ ثَلاَثِ بَنَاتٍ فَهُوَ فِيْ الْجَنَّةِ وَكَانَ لَهُ كَأَجْرِ مُجَاهِدٍ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ صَائِماً قَائِماً. (رواه البزار في كشف الأستار رقم: ١٩٠٩، كذا في الترغيب والترهيب: ٤٤١/ رقم: ٣٠٥٤)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ "جو شخص تین لڑکیوں کی پرورش کرے تو وہ جنت میں جائے گا، اور اسے روزہ دار عبادت گذار مجاہد فی سبیل اللہ کے برابر ثواب ملے گا"۔

○ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: مَنْ كَانَتْ لَهُ أُنْثىٰ فَلَمْ يَئِدْهَا وَلَمْ يُهِنْهَا وَلَمْ يُؤْثِرْ وَلَدَهُ يَعْنِيْ الذُّكُوْرَ عَلَيْهَا أَدْخَلَهُ اللّٰهُ الْجَنَّةَ. (سنن أبي داؤد ٧٠٠/٢ رقم: ٥١٤٦، سنن الترمذي ١٣/٢ رقم: ١٩١٢، نحوه كذا في الترغيب: ٤٤٢ رقم: ٣٠٥٧)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ "جس کے یہاں کوئی لڑکی ہو اور وہ نہ تو اسے زندہ درگور کرے نہ اس کو ذلت کی نظر سے دیکھے، اور نہ لڑکوں کو اس لڑکی پر ترجیح دے تو اللہ تعالیٰ اس کو جنت میں داخلہ عطا فرمائیں گے"۔

رحمتِ عالم، محسنِ انسانیت حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے درج بالا ارشادات بار بار پڑھے جانے کے قابل ہیں، دیکھئے ان میں کس قدر عظیم تعلیم دی گئی ہے اور بچیوں کے متعلق کیسی شاندار بشارتیں سنائی گئی ہیں، جو لڑکوں کی پرورش کے بارے میں منقول نہیں ہیں؛ لیکن اس کے باوجود لڑکیوں

کے ساتھ سوتیلا برتاؤ ہمارے مسلم کہے جانے والے معاشرہ میں جاری ہے، اور کہیں کہیں تو آخری درجہ کی جہالت دیکھنے میں آتی ہے کہ اگر کسی عورت کے یہاں کئی لڑکیاں پیدا ہو جائیں، تو سسرال والے خواہ مخواہ اس عورت سے ناراض ہو جاتے ہیں، اور شوہر صاحب کا بھی موڈ بگڑ جاتا ہے، حالاں کہ بچیوں یا بچوں کی پیدائش میں بے چاری ماں کا کیا قصور؟ یہ تو صرف اللہ تعالیٰ کی عطا ہے، وہ جس کو چاہے جو چاہے عطا کرے، اس میں اگر مخلوق کا اختیار رہتا تو جاہلوں کے معاشرہ میں کبھی کوئی لڑکی سرے سے پیدا ہی نہ ہونے دی جاتی۔ مفسرین نے آیت ﴿وَهُوَ كَظِيمٌ﴾ کی تفسیر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ زمانۂ جاہلیت میں شوہر کو اپنی بیوی پر غصہ آتا تھا کہ اس نے لڑکی کو کیوں جنا اور لڑکا کیوں نہیں جنا؟ چناں چہ ایک مرتبہ ایک عورت کے یہاں بچی پیدا ہوئی، اس نے اس کا نام ''ذلفاء'' رکھا، تو بچی کے باپ نے اس عورت کو بچی پیدا کرنے کی پاداش میں چھوڑ دیا، یہ دیکھ کر اس عورت نے چند اشعار پڑھے، جن کا ترجمہ یہ ہے: ''ذلفاء کے ابا کو کیا ہوا کہ وہ ہمارے پڑوس میں رہنے کے باوجود ہمارے پاس نہیں آتا، وہ ہم سے اس لئے ناراض ہے کہ ہم نے لڑکے نہیں جنے تو اسے معلوم ہونا چاہئے کہ ہمیں (خدا کی طرف سے) جو عطا ہوتا ہے ہم بس وہی لے لیتے ہیں''۔ (روح المعانی ۹۴۹/۸)

احقر مرتب عرض کرتا ہے کہ آج کے دور میں بچیوں کو ناپسند کرنے کی ایک بڑی وجہ یہ ہے کہ ہم نے خودساختہ کمرتوڑ رسومات کے ذریعہ بچیوں کی شادی کو ایک مشکل ترین معاملہ بنا دیا ہے، آج تلک اور جہیز کے بے جا مطالبات نے لڑکی کے والدین کو سخت بوجھل بنا رکھا ہے، لڑکے والوں کا بس نہیں چلتا کہ وہ لڑکی والوں کو نچوڑ کر اُنہیں بالکل کھوکھلا کر دیں، اور اس کے لئے ایسے طور طریقے اَپنائے جاتے ہیں کہ غیرت وحیا اپنا سر پیٹ لیتی ہے، اس لئے ضرورت ہے کہ ہر قوم اور برادری کے سربرآوردہ حضرات سر جوڑ کر بیٹھیں اور معاشرہ سے ظالمانہ مطالبات اور بے جا تکلفات کو مٹانے کی فکر کریں؛ تاکہ ہمارے اندر سے زمانۂ جاہلیت کی علامتیں ختم ہو سکیں اور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی انسانیت نواز تعلیمات گھر گھر میں عام ہو سکیں، یہ وقت کی اہم ترین ضرورت ہے۔

ساتویں فصل:

یتیموں کے ساتھ ''احسان''

جس بچہ کے سر سے بچپن میں باپ کا سایہ اٹھ جاتا ہے، اس کے نازک دل پر جو گذرتی ہے اُسے کوئی اور محسوس نہیں کرسکتا، اب ایسے ٹوٹے ہوئے معصوم دل کو جو آگے بڑھ کر ڈھارس دلا دے، اور اس یتیم بے سہارا کے سر پر شفقت کا ہاتھ رکھ دے، ایسا شخص اللہ تبارک وتعالیٰ اور پیغمبر علیہ السلام کی نظر میں انتہائی قابل قدر اور لائق تعریف قرار پاتا ہے۔ قرآنِ کریم میں جا بجا یتیموں کے ساتھ حسنِ سلوک کی تعلیم دی گئی اور ان کی حق تلفی سے منع کیا گیا ہے، اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یتیموں پر شفقت کرنے پر بڑی بشارتیں سنائی ہیں۔ اس سلسلہ کی چند احادیث ملاحظہ ہوں:

(۱) عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ السَّاعِدِيِّ ﷛ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: أَنَا وَكَافِلُ الْيَتِيمِ فِي الْجَنَّةِ هٰكَذَا، وَأَشَارَ بِالسَّبَّابَةِ وَالْوُسْطٰى وَفَرَّجَ بَيْنَهُمَا. (البخاري ۸۸۸/۲ رقم ۶۰۰۵، ابوداؤد ۷۰۱/۲ رقم: ۵۱۵۰، الترمذي ۱۳/۲ رقم: ۱۹۱۸)

حضرت سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی درمیانی اور شہادت کی انگلیوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ میں اور یتیم کی پرورش کرنے والے دونوں جنت میں ایسے ساتھ ہوں گے جیسے یہ دونوں انگلیاں۔

(۲) عن ابن عباس ﷛ أن النبي ﷺ قَالَ: مَنْ قَبَضَ يَتِيْماً بَيْنَ مُسْلِمِيْنَ إِلٰى طَعَامِهِ وَشَرَابِهِ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص مسلمان والدین کے کسی یتیم بچہ کو اپنے

أَدْخَلَهُ اللّٰهُ الْجَنَّةَ أَلْبَتَّةَ إِلاَّ أَنْ يَعْمَلَ ذَنْباً لاَ يُغْفَرُ. (سنن الترمذي ۱۳/۲ رقم: ۱۹۱۷، الترغيب والترهيب مكمل ۵۴۵ رقم: ۳۸۵۹)

ساتھ رکھ کر اسے کھلائے پلائے، تو اللہ تعالیٰ اسے ضرور جنت میں داخل فرمائیں گے الا یہ کہ کوئی ایسا گناہ کرے جو نا قابل معافی ہو۔

(۳) عن ابن عمر رضي الله عنه قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: إِنَّ أَحَبَّ الْبُيُوْتِ إِلَى اللّٰهِ بَيْتٌ فِيْهِ يَتِيْمٌ مُكْرَمٌ. (رواه الطبراني والأصبهاني في الترغيب رقم: ۱۹۹، كذا في للمنذري الترغيب والترهيب ۵۴۵ رقم: ۳۸۶۳)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: اللہ تعالیٰ کی نظر میں سب سے پسندیدہ گھر وہ ہے جس گھر میں کوئی یتیم بچہ اعزاز کے ساتھ رکھا جاتا ہو۔

(٤) عن أبي هريرة رضي الله عنه عن النبي صلى الله عليه وسلم قَالَ: خَيْرُ بَيْتٍ فِي الْمُسْلِمِيْنَ بَيْتٌ فِيْهِ يَتِيْمٌ يُحْسَنُ إِلَيْهِ، وَشَرُّ بَيْتٍ فِي الْمُسْلِمِيْنَ بَيْتٌ فِيْهِ يَتِيْمٌ يُسَاءُ إِلَيْهِ. (ابن ماجة ۲۶۱/۲ رقم: ۳۶۷۹، الترغيب والترهيب مكمل ۵۴۵ رقم: ۳۸۶٤)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: مسلمانوں کے گھروں میں سب سے قابل تعریف وہ گھر ہے، جس میں یتیم کے ساتھ احسان کا معاملہ کیا جاتا ہو اور سب سے بدترین گھرانہ وہ ہے جس مین یتیم کے ساتھ برا معاملہ کیا جاتا ہو۔

(۵) عن أبي أمامة رضي الله عنه أن رسول اللّٰه صلى الله عليه وسلم قَالَ: مَنْ مَسَحَ عَلٰى رَأْسِ يَتِيْمٍ لَمْ يَمْسَحْهُ إِلاَّ لِلّٰهِ كَانَ لَهٗ فِيْ كُلِّ شَعْرَةٍ مَرَّتْ عَلَيْهَا يَدُهٗ حَسَنَاتٌ، وَمَنْ أَحْسَنَ إِلٰى يَتِيْمَةٍ

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو شخص صرف اللہ کو راضی کرنے کے لئے کسی یتیم کے سر پر شفقت کا ہاتھ رکھے، تو اس کو ہر اس بال کے بدلہ میں جس پر اس کا ہاتھ گذرا ہے، نیکیاں عطا

أَوْ يَتِيْمٍ عِنْدَهُ كُنْتُ أَنَا وَهُوَ فِي الْجَنَّةِ كَهَاتَيْنِ، وَفَرَّقَ بَيْنَ إِصْبَعَيْهِ السَّبَّابَةِ وَالْوُسْطٰى. (مسند أحمد ٢٥٠/٥ رقم: ٢٢٠٥٣، الترغيب والترهيب مكمل ٥٤٦، رقم: ٣٨٦٧)

کی جائیں گی، اور جو شخص اپنے گھر میں رہنے والے یتیم بچے یا بچی کے ساتھ حسن سلوک کرے تو میں اور وہ جنت میں اس طرح ساتھ ہوں گے جیسے یہ دونوں انگلیاں (درمیانی اور شہادت کی انگلی)

اور ایک روایت میں ہے کہ ایک مرتبہ مسجد نبوی میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک چھوٹے بچہ نے متوجہ کرتے ہوئے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! میں ایک یتیم بچہ ہوں اور میری ماں بیوہ ہیں، آپ ہمیں اللہ کے عطا کردہ مال میں سے نوازیئے، اللہ تعالیٰ آپ کو خوب خوب اپنی رضا سے نوازیں گے۔ پیغمبر علیہ السلام اس بچہ کے کلام سے بہت محظوظ ہوئے اور فرمایا کہ معلوم ہوتا ہے کہ اس کی زبان سے کوئی فرشتہ بول رہا ہے اور اس سے دوبارہ اپنی بات دہرانے کا حکم دیا، پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہمارے گھروں میں جو کچھ ہو وہ اس یتیم کے لئے لے آؤ! چناں چہ ایک مٹھی سے کچھ زائد غلہ دستیاب ہوا جو اسے دے دیا گیا اور حضرت نے فرمایا کہ جاؤ یہ تمہارے اور تمہاری والدہ کے صبح وشام کے کھانے کے لئے کافی ہے، اور میں تمہارے حق میں خیر وبرکت کی دعا کرکے تمہاری مدد کروں گا، وہ غلہ لے کر یتیم بچہ اپنے گھر کے لئے واپس ہوا، جب مسجد کے دروازے پر پہنچا تو وہاں ایک صحابی حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے اس کی ملاقات ہوئی، انہوں نے اس کے سر پر شفقت سے ہاتھ پھیرا، یہ پتہ نہیں کہ حضرت سعدؓ نے اسے کچھ دیا یا نہیں؛ لیکن جب حضرت سعد پیغمبر علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے تو حضور نے ان سے پوچھا کہ میں دیکھ رہا تھا تم نے اس یتیم بچہ کے سر پر ہاتھ پھیرا تھا، تو تمہیں ان تمام بالوں کی تعداد کے بقدر جہاں جہاں تمہارا ہاتھ پڑا ہے ایک ایک نیکی عطا ہوئی ہے۔ (مکارم الاخلاق للطبرانی ۳۵۲)

اسی طرح کی حدیثوں کی وجہ سے علماء نے یتیم پر دست شفقت رکھنے کو مستحب اور موجب اجر وثواب قرار دیا ہے۔ اور مواعظ کی کتابوں میں کئی ایسے واقعات منقول ہیں جن سے پتہ چلتا ہے

کہ اللہ تعالیٰ نے بعض لوگوں کو محض یتیم کے ساتھ حسن سلوک کی وجہ سے ہدایت سے سرفراز فرمایا اور خیر کی توفیق سے نوازا ہے۔ (دیکھئے: الترغیب والترہیب ۱۲۳-۱۲۴)

یتیموں پر شفقت دل کی سختی کا علاج ہے

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آکر اپنے دل کی سختی کی شکایت کی، تو پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا کہ کیا واقعی تم یہ چاہتے ہو کہ تمہارا دل نرم ہو جائے اور تمہاری خواہش پوری ہو جائے، تو اس کی تدبیر یہ ہے:

اِرْحَمِ الْيَتِيْمَ، وَامْسَحْ رَأْسَهُ وَأَطْعِمْهُ مِنْ طَعَامِكَ يَلِنْ قَلْبُكَ وَتُدْرِكْ حَاجَتَكَ.

(رواه الطبراني، كذا في الترغيب والترهيب للمنذري مكمل ٥٤٦/ رقم: ٣٨٦٨، وأحمد ٣٨٧/٢ رقم: ٨٩٩٥ مختصراً، والبيهقي في مجمع الزوائد ١٦٠/٨ وإلى نظر ابن حجر في فتح الباري ١٥١/١١ واسناده صحيح)

یتیم پر مہربانی کرو، اس کے سر پر شفقت کا ہاتھ رکھو اور اپنے ساتھ اسے کھانا کھلایا کرو، تو تمہارا دل نرم ہو جائے اور تمہارا مقصد حاصل ہو جائے گا۔

نیز ایک روایت میں ہے کہ پیغمبر علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ: ”جو شخص یتیم پر مہربانی کرے، اس سے نرم (محبت آمیز) گفتگو کرے اور اس کی یتیمی اور کمزوری پر رحم کھائے، تو ایسے شخص کو اللہ تعالیٰ قیامت میں عذاب نہیں دیں گے“۔ (الترغیب والترہیب ۵۴۶)

اس لئے ضرورت ہے کہ معاشرہ میں یتیم پروری کے جذبہ کو عام کیا جائے، بالخصوص یتیموں کے ولی اور نگراں حضرات ان کی پوری طرح نگہداشت رکھیں اور باپ کی کمی کی کسی حد تک تلافی کرنے کی کوشش کریں۔

ایک روایت میں ہے کہ پیغمبر علیہ السلام نے ایک صحابی کو نصیحت فرمائی کہ ”یتیم کے ساتھ مشفق اور مہربان باپ جیسا معاملہ کیا کرو“۔ (مجمع الزوائد ۱۶۳/۸)

اور ایک ضعیف روایت میں ہے کہ ایک کم عمر صحابی بشیر بن عقربہ رضی اللہ عنہ غزوۂ احد کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے اور پوچھا کہ: ''میرے ابو کہاں ہیں''؟ حضور نے فرمایا کہ وہ احد میں شہید ہو گئے، اللہ ان پر رحم کرے یہ سن کر وہ صحابی بے اختیار رو پڑے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے سر پر دست شفقت رکھا اور اپنے ہمراہ اپنے گھر لائے اور فرمایا: بشیر! کیا تم اس پر راضی نہیں ہو کہ میں تمہاری باپ کی جگہ ہوں اور عائشہ تمہاری ماں کے درجہ میں ہیں؟ (مجمع الزوائد ۸؍۱۶۱)

منقول ہے کہ ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو ایک یتیم بے سہارا بچہ دستیاب ہوا تو آپ نے اس کا بڑا اعزاز فرمایا اور اس کے ساتھ احسان وکرم کا معاملہ فرمایا، وہ آپ ہی کے گھر رہنے لگا، مگر وہ بڑا شریر اور بدخلق تھا، اس کے باوجود حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا اس کے ساتھ شفقت واحسان میں کوئی کمی نہ فرماتی تھیں؛ بلکہ اس کی بدخلقی کے جواب میں مزید لطف وکرم کا معاملہ فرماتی تھیں، اتفاق سے ایک روز اس کا انتقال ہو گیا تو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو حد درجہ غم ہوا، لوگوں نے عرض کیا کہ ام المؤمنین! اس قدر غم کی کیا ضرورت ہے؟ دوسرا اور کوئی یتیم مل جائے گا، اس کی پرورش فرما لیجئے گا، تو حضرت ام المؤمنین رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ ایسا یتیم کہاں ملے گا جس کی بدخلقی پر مجھے اجر عطا ہو؟ ۔ (الترغیب والترہیب للیافعی ۱۲۳)

یتیموں کا مال ناحق آگ ہے

عموماً یہ دیکھا جاتا ہے کہ باپ کی وفات کے بعد اس کے نابالغ بچوں کے مال وجائیداد پر بعض بے رحم رشتہ داروں کی نظر رہتی ہے، اور وہ یتیموں کی کمزوری اور بےشعوری کا فائدہ اٹھا کر اس کا مال ہڑپ کر جاتے ہیں۔ زمانہ جاہلیت میں بھی یہ ظلم جاری تھا، قرآنِ کریم میں اس سلسلہ میں ہدایت دی گئی:

وَلاَ تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ اِلاَّ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ. (الانعام: ۱۵۲)

اور یتیم کے مال کے قریب مت جاؤ، مگر اس طرح سے کہ بہتر ہو۔

اور ایک جگہ صحابہ کے سوال پر فرمایا گیا:

وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْيَتَامىٰ قُلْ اِصْلاحٌ لَّهُمْ خَيْرٌ، وَاِنْ تُخَالِطُوْهُمْ فَاِخْوَانُكُمْ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ الْمُفْسِدَ مِنَ الْمُصْلِحِ. (البقرة: ۲۲۰)

اور آپ سے یتیموں کا حکم پوچھتے ہیں آپ فرمادیجئے کہ ان کا کام سنوارنا بہتر ہے، اگر تم ان کا خرچ ملالو تو وہ تمہارے بھائی ہیں، اور اللہ تعالیٰ خرابی کرنے والے اور سنوارنے والے کو جانتا ہے۔

اور سورۂ نساء میں ارشاد ہے:

وَاٰتُوْا الْيَتٰمٰى اَمْوَالَهُمْ وَلاَ تَتَبَدَّلُوْا الْخَبِيْثَ بِالطَّيِّبِ وَلاَ تَأْكُلُوْا اَمْوَالَهُمْ اِلٰى اَمْوَالِكُمْ اِنَّهٗ كَانَ حُوْباً كَبِيْراً. (النساء: ۲)

اور یتیموں کو ان کا مال (حسب دستور مناسب وقت پر) ادا کردو، اور بدل نہ لو (اپنے) برے مال کو (یتیموں کے) اچھے مال سے، اور نہ کھاؤ ان کے مال اپنے مالوں کے ساتھ؛ کیوں کہ یہ بہت بڑا وبال ہے۔

اور آگے نہایت سخت انداز میں ارشاد ہوا:

اِنَّ الَّذِيْنَ يَأْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْيَتٰمىٰ ظُلْماً اِنَّمَا يَأْكُلُوْنَ فِيْ بُطُوْنِهِمْ نَاراً وَسَيَصْلَوْنَ سَعِيْراً. (النساء: ۱)

بے شک جو لوگ یتیموں کا مال ناحق کھاتے ہیں وہ لوگ اپنے پیٹوں میں آگ ہی بھر رہے ہیں، اور عنقریب دہکتی ہوئی آگ میں داخل ہوں گے۔

اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سات بڑے بڑے ہلاکت خیز گناہوں میں ''یتیم کے مال کو ناحق کھانے'' کو بھی شامل فرمایا ہے۔ چناں چہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: ''سات ہلاکت خیز باتوں سے بچو!'' تو صحابہ نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! وہ ہلاکت خیز باتیں کیا ہیں؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اَلشِّرْكُ بِاللّٰهِ، وَالسِّحْرُ، وَقَتْلُ النَّفْسِ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ إِلاَّ بِالْحَقِّ، وأكل الربا، وَأَكْلُ مَالَ الْيَتِيْمِ،

اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرانا، جادو کرنا، کسی انسان کو ناحق قتل کرنا، سود کھانا، یتیم کا مال کھانا، میدانِ جنگ سے پیٹھ پھیر کر بھاگنا اور پاک باز

وَالتَّوَلِّي يَوْمَ الزَّحْفِ، وَقَذْفُ الْمُحْصَنَاتِ الْغَافِلَاتِ الْمُؤْمِنَاتِ. | بھولی بھالی مؤمن عورتوں پر برائی کی تہمت لگانا۔

(صحيح البخاري ٣٨٨/١ رقم: ٢٧٦٦، صحيح مسلم ٦٤/١ رقم: ٨٩، الترغيب والترهيب للمنذري ٣٠٩ رقم: ٢١٠٥)

ایک طرف یہ سخت وعیدیں ہیں، دوسری طرف امت کا حال یہ ہے کہ وراثت کے معاملہ میں حق تلفیاں عام ہیں، عموماً باپ کے مال میں جو بیٹا بااختیار اور قابض ہوتا ہے وہ اپنے چھوٹے بھائی بہنوں کا حق دبالیتا ہے، اور چھوٹے بھائی بہن اپنی لاچاری اور بے کسی کی بنا پر کڑوا گھونٹ پی کر خاموش ہوجاتے ہیں؛ لیکن ایسے لوگوں کا مقدمہ جب آخرت میں احکم الحاکمین کے دربار میں پیش ہوگا، تو حق تلفی کرنے والوں کو بڑی بھاری رسوائی اور ذلت کا سامنا کرنا پڑے گا؛ کیوں کہ بھائی بہنوں کا حق مارنا صرف مال ناحق کھانا ہی نہیں؛ بلکہ قطع رحمی کے بدترین گناہ کو بھی شامل ہے، اور بھائی بہنوں کا حق تلف کرنے والا دنیا وآخرت کہیں بھی چین سے نہیں رہ سکتا، اس لئے میت کی وفات کے بعد پہلی فرصت میں اس کا ترکہ حصصِ شرعیہ کے مطابق تقسیم کردینا چاہئے، اور وارثین اگر نابالغ ہوں تو ان کا مال بہت احتیاط سے محفوظ رکھنا چاہئے۔

افسوس ہے کہ آج کل اس بارے میں کوتاہیاں عام ہیں، دسیوں سال گذر جاتے ہیں اور تقسیم ترکہ کی نوبت نہیں آتی، جس کی بنا پر بھائی بہنوں اور ان کی اولادوں میں سخت تلخیاں اور تنازعات جنم لیتے ہیں، اور معاملات اس قدر الجھ جاتے ہیں کہ سلجھنے میں نہیں آتے۔

میت کے ترکہ سے دعوتیں اور صدقہ خیرات؟

مسلمانوں میں جن جاہلانہ رسومات نے جڑ پکڑ رکھی ہے ان میں سے ایک بدترین رسم موت کے بعد کی دعوتوں کی ہے، عموماً تیسرے، دسویں اور چالیسویں دن باقاعدہ دعوت کا اہتمام ہوتا ہے، اور ان دعوتوں میں میت کے غیر منقسم ترکہ کے مال کا بے دریغ استعمال ہوتا ہے، حالاں کہ بعض مرتبہ وارثین نابالغ یتیم ہوتے ہیں، تو ان کے حصہ کو خرچ کرنا، ان کی اجازت سے بھی جائز

نہیں ہوتا، چہ جائے کہ ان کا مال بلا اجازت لوگوں کو کھلا دیا جائے، اس کی تو کوئی گنجائش نکل ہی نہیں سکتی۔ ایک روایت میں ہے:

عَنْ أَبِيْ حُرَّةَ الرِّقَاشِيِّ عَنْ عَمِّهٖ ؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: أَلاَ! لاَ تَظْلِمُوْا، أَلاَ لاَيَحِلُّ مَالُ امْرِئٍ إِلَّا بِطِيْبِ نَفْسٍ مِنْهُ. (رواه البيهقي في شعب الإيمان ٣٧٨/٤ رقم: ٥٤٩٢، مشكوة ٢٥٥/١، السنن الكبرى ١٠٠/٦ رقم: ١١٥٤٢)

حضرت ابوحرہ رقاشی اپنے چچا سے نقل کرتے ہیں کہ نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا: خبردار رہو! آپس میں ظلم نہ کرو، سن لو! کسی شخص کا مال اس کی خوش دلی کے بغیر لینا حلال نہیں۔

اسی طرح مسئلہ شرعی یہ ہے کہ ترکہ کی تقسیم سے پہلے وارثین کی معتبر اجازت کے بغیر اس مال میں سے کسی کارِ خیر (مسجد و مدرسہ وغیرہ) میں صرف کرنے کی بھی اجازت نہیں؛ کیوں کہ اس مال سے وارثین کا ذاتی حق متعلق ہے؛ لہٰذا پہلے سب مستحقین کا حق ان کے قبضہ میں دے دیا جائے، اس کے بعد ان میں سے کوئی عاقل و بالغ وارث اپنی رضامندی سے کسی کارِ خیر میں لگا دے تو اس کی اجازت ہے۔

لڑکیوں کا وراثت میں حصہ

میت کا ترکہ خواہ منقولہ ہو مثلاً نقد روپیہ پیسہ یا مالِ تجارت وغیرہ، یا غیر منقولہ ہو یعنی جائیداد وغیرہ، شرعاً ان سب میں لڑکے اور لڑکیوں کا حصہ ہوتا ہے۔ باپ نے اپنی زندگی میں جو مال لڑکیوں پر خرچ کیا ہے جیسا کہ عموماً شادی بیاہ کے موقع پر خرچ کرتا ہے تو اس خرچ کرنے سے لڑکی کا حق وراثت ختم نہیں ہوجاتا؛ بلکہ وہ صحرائی سکنائی ہر طرح کی جائیداد اور مال منقولہ سب میں حسب حصص شرعیہ حق دار بنتی ہے۔ مسلم معاشرہ میں لڑکیوں کے حق وراثت ادا کرنے میں بھی سخت کوتاہی پائی جاتی ہے، یہ حقوق العباد سے متعلق بڑا نازک معاملہ ہے۔

کسی کی ناحق جائیداد دبانے پر حدیث میں شدید وعید وارد ہے کہ غاصب کو مغصوبہ زمین کا ٹکڑا گلے میں طوق بنا کر ڈال دیا جائے گا۔ صحابی رسول حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو یہ فرماتے ہوئے سنا:

مَنْ أَخَذَ مِنَ الْأَرْضِ ظُلْماً فَإِنَّهُ يُطَوَّقُهُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مِنْ سَبْعِ أَرْضِيْنَ. (بخاري ۳۳۱/۱ رقم: ۲۴۵۳ - ۳۱۹۵، مسلم ۳۳/۲ رقم: ۱۶۱۰)

جو شخص کسی کی زمین ظلماً غصب کرے تو اللہ تعالیٰ ساتوں زمینوں میں سے نکال کر اس کے گلے میں طوق بنا کر ڈال دیں گے۔

اور وہ اس عظیم بوجھ کو اٹھا نہ پائے گا، اس لئے ترکہ پر قابض افراد ہوش میں آئیں اور حق دار کو ان کا شرعی حق پوری دیانت کے ساتھ پہنچانے کی فکر کریں، یہ کوتاہی ظلم اور قطع رحمی دونوں گناہوں کو شامل ہے، اور اس کا مرتکب شخص خواہ کتنا ہی نماز و روزہ عبادات انجام دینے والا ہو اسے اپنے آخری انجام اور عند اللہ مؤاخذہ سے کبھی بے فکر نہ رہنا چاہئے، ورنہ آخرت میں حسرت کے سوا کچھ ہاتھ نہ آئے گا۔

❍❖❍

آٹھویں فصل:

پڑوسیوں کے ساتھ ''احسان''

انسان کی طبعیت اللہ تعالیٰ نے ''مدنیت پسند'' بنائی ہے، یعنی وہ تنہا نہیں رہنا چاہتا؛ بلکہ اپنے ہم جنس افراد کے ساتھ مل کر زندگی گزارنا چاہتا ہے، یہی وجہ ہے کہ دنیا میں انسان سمٹ سمٹ کر بڑی سے بڑی آبادیوں کی طرف منتقل ہوتے رہتے ہیں، جس کی بنا پر دیہات، قصبات میں، اور قصبات، شہروں میں اور شہر ملکوں میں تبدیل ہورہے ہیں، اس کے برخلاف جنگلی جانوروں کی دل چسپیاں زیادہ تر خاص اپنی ذات تک محدود رہتی ہیں، نہ ان میں توالد وتناسل کی بنا پر رشتہ داریاں دیرپا ہوتی ہیں، اور نہ ہی انسانوں کی طرح کوئی خاندانی نظام ہوتا ہے؛ بلکہ ان میں ہر فرد ذاتی ضرورت کی حد تک ہی دوسرے سے ربط رکھتا ہے، اور جب ضرورت سے بے نیاز ہوجاتا ہے تو ربط کی کوئی حاجت باقی نہیں رہتی، جب کہ انسان کے رشتے اَپنے ہم جنس افراد سے متعدد نوع سے استوار ہوتے ہیں، اور جوں جوں وقت بڑھتا ہے ان رشتوں میں استحکام آتا رہتا ہے، چند افراد سے مل کر خاندان بنتا ہے اور پھر خاندان قبیلوں میں اور قبیلے برادریوں میں تبدیل ہوجاتے ہیں۔

اب اس اجتماعی زندگی- جو انسان کی فطری ضرورت بھی ہے- میں سکون کیسے قائم رہے؟ اس کے لئے اسلام نے جہاں اور بہت سے احکام دئے ہیں، وہیں ایک اہم ترین حکم یہ ہے کہ: ''ہر شخص اپنے پڑوسی کے ساتھ اچھا برتاؤ کیا کرے''، خواہ وہ پڑوسی رشتہ دار ہو یا اجنبی، اپنا ہم مذہب ہو یا غیر، مگر پڑوسی ہونے کے اعتبار سے اس کے حقوق کا خیال رکھنا شرعاً لازم ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ارشاد فرمایا ہے:

وَاعْبُدُوا اللّٰہَ وَلَا تُشْرِکُوْا بِہٖ   اور اللہ کی بندگی کرو، اور اس کے ساتھ کسی کو

شَیْـئـاً وَّبِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَاناً وَبِذِی الْـقُـرْبـیٰ وَالْیَتَـامـیٰ وَالْمَسٰکِیْنِ وَالْـجَـارِ ذِی الْـقُرْبـیٰ وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْبِ وَابْنِ السَّبِیْلِ، وَمَا مَلَکَتْ اَیْمَانُکُمْ، اِنَّ اللّٰـهَ لاَ یُـحِـبُّ مَـنْ کَانَ مُخْتَالاً فَخُوْراً. (النساء: ٣٦)

شریک مت ٹھہراؤ، اور ماں باپ کے ساتھ نیکی کرو، اور رشتہ داروں، یتیموں، مسکینوں، قریبی پڑوسی اور دور کے پڑوسی اور پاس بیٹھنے والے اور مسافر کے ساتھ اچھا سلوک کرو، اور غلام باندیوں کے ساتھ احسان کرو، بے شک اللہ تعالیٰ کو اترانے والے اور فخر کرنے والے پسند نہیں آتے۔

ایک ضعیف روایت میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ پڑوسی تین قسم کے ہیں:

(۱) اول وہ پڑوسی جس کے تین حقوق ہیں: پڑوس کا حق، رشتہ داری کا حق، اور اسلام کا حق (یعنی مسلمان، رشتہ دار، پڑوسی)

(۲) دوسرے وہ پڑوسی جس کے دو حقوق ہیں: پڑوس کا حق اور اسلام کا حق (یعنی مسلمان پڑوسی)

(۳) تیسرے وہ پڑوسی جس کا صرف ایک حق ہے: پڑوس کا حق (یعنی غیر مسلم پڑوسی)

(روح المعانی عن ابی نعیم والبزار بروایۃ جابرؓ ۴۲/۳، مکاشفۃ القلوب ۲۸۱، بحوالہ انوار ہدایت ۹۹، شعب الایمان للبیہقی ۷/۸۴ تحت رقم: ۹۵۶۰)

اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ اسلام کی نظر میں پڑوس کے حق کی کس قدر اہمیت ہے کہ اس میں رشتہ داری اور مذہب کی بھی قید نہیں؛ بلکہ ہر پڑوسی کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنے کا حکم ہے۔ اس سلسلہ میں چند اَحادیثِ شریفہ ملاحظہ فرمائیں:

(۱) عَنْ أَبِي شُرَیْحِ الْخُزَاعِيِّ ﷺ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ کَانَ یُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ فَلْیُکْرِمْ

حضرت ابوشریح خزاعی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: جو شخص اللہ تعالیٰ اور آخرت پر یقین رکھتا ہو اسے چاہئے کہ اپنے

ضَيْفَهُ، وَمَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَلْيُحْسِنْ إِلٰى جَارِهٖ، وَمَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَلْيَقُلْ خَيْراً أَوْ لِيَصْمُتْ. (البخاري ٨٨٩/٢ رقم: ٦١٣٦ – ٦١٣٨، مسلم ٥٠/١ رقم: ٤٨، أبوداؤد ٧٠١/٢ رقم: ٥١٥٤، الترمذي ٧٦/٢ رقم: ٢٥٠٠، ابن ماجه ٢٦١/٢ رقم: ٣٦٧٢، شعب الإيمان ٧٤/٧ رقم: ٩٥٣٠)

مہمان کا اکرام کرے اور جو شخص اللہ تعالیٰ اور آخرت پر ایمان رکھتا ہو اسے اپنے پڑوسی کے ساتھ حسن سلوک کرنا چاہئے، اور جسے اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات اور آخرت کے دن کا یقین ہو اسے یا تو اچھی بات زبان سے نکالنی چاہئے ورنہ خاموش رہنا چاہئے۔

(٢) عَنْ عَائِشَةَ أُمِّ الْمُؤْمِنِيْنَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا اَنَّهَا سَمِعَتْ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ: مَا زَالَ جِبْرَئِيْلُ يُوْصِيْنِيْ بِالْجَارِ حَتّٰى ظَنَنْتُ اَنَّهٗ سَيُوَرِّثُهٗ. (صحيح البخارى ٨٨٩/٢ رقم: ٦٠١٤، مسلم ٣٢٩/٢ رقم: ٢٦٢٤، الترمذي ١٦/٢ رقم: ١٩٤٩، ابن ماجة ٢٦١/٢ رقم: ٣٦٧٣، شعب الإيمان ٧٤/٧ رقم: ٩٥٢٨)

ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام مجھے برابر پڑوسی کے حق کی تاکید فرماتے رہے؛ تا آں کہ میں گمان کرنے لگا کہ شاید اب وہ پڑوسی کو وراثت میں بھی حق دار بنادیں گے۔

(٣) عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو رضی اللہ عنہ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ اَنَّهٗ قَالَ: خَيْرُ الْاَصْحَابِ عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرُهُمْ لِصَاحِبِهٖ وَخَيْرُ الْجِيْرَانِ عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرُهُمْ لِجَارِهٖ. (الترمذي ١٦/٢ رقم: ١٩٥١، شعب الإيمان ٧٧/٧ رقم: ٩٥٤١)

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل فرماتے ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب ساتھیوں سے اچھا وہ ساتھی ہے جو اپنے ساتھی کی نظر میں اچھا ہو، اور پڑوسیوں میں سب سے بہتر وہ ہے جو پڑوسی کی نظر میں اچھا ہو۔

(٤) عَنْ بَهْزِ بْنِ حَكِيْمٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ

بہز بن حکیم رضی اللہ عنہ اپنے دادا سے نقل کرتے

عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهٖ قَالَ: قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! وَمَا حَقُّ جَارِيْ عَلَيَّ؟ قَالَ: إِنْ مَرِضَ عُدْتَهُ وَإِنْ مَاتَ شَيَّعْتَهُ وَإِنِ اسْتَقْرَضَكَ قَرَضْتَهُ وَإِنْ عَرٰى سَتَرْتَهُ وَإِنْ أَصَابَهُ خَيْرٌ هَنَّأْتَهُ وَإِنْ اَصَابَتْهُ مُصِيْبَةٌ عَزَيْتَهُ وَلَا تَرْفَعُ بِنَاءَكَ فَوْقَ بِنَائِهٖ فَتَسُدَّ عَلَيْهِ الرِّيْحَ وَلَا تُؤْذِهٖ بِرِيْحِ قِدْرِكَ وَلَا تَغْرَفْ لَهُ مِنْهَا. (وروى المنذري الترغيب والترهيب مكمل/٥٤٩ رقم: ٣٨٩٢، نحوه شعب الإيمان ٨٤/٧ رقم: ٩٥٦١)

ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! میرے پڑوسی کا میرے اوپر کیا حق ہے؟ تو آپ انے ارشاد فرمایا کہ جب وہ مریض ہو تو اس کی عیادت کرو، اور اگر مر جائے تو اس کے جنازے میں شامل ہو، اور اگر وہ تم سے قرض مانگے تو اسے قرض دو، اور اگر اس کے پاس ستر چھپانے کے کپڑے نہ ہوں تو اسے کپڑے پہناؤ، اور اگر اسے کوئی بھلائی نصیب ہو تو اسے مبارک باد دو اور اگر کوئی مصیبت آئے تو اسے دلاسہ دو، اور اپنی عمارت پڑوسی کی عمارت سے اونچی بنا کر اس کی ہوا مت روکو، اور اپنی خوشبو دار ہنڈیا پکا کر اس غریب میں تکلیف مت دو کہ تم اس پڑوسی کو اس میں شریک بھی نہ کرو۔

(٥) فِيْ حَدِيْثِ أَبِيْ هُرَيْرَةَ ﷺ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ ...... وَأَحْسِنْ إِلٰى جَارِكَ تَكُنْ مُؤْمِناً. (شعب الإيمان ٧٨/٧)

حضرت ابو ہریرہ کی لمبی حدیث میں ایک بات یہ بھی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اپنے پڑوسی کے ساتھ اچھا برتاؤ کرو تو تم کامل مؤمن بن جاؤ گے۔

(٦) عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ ابْنِ أَبِيْ قُرَادٍ ﷺ قَالَ: إِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ تَوَضَّأَ ذَاتَ يَوْمٍ فَجَعَلَ أَصْحَابُهُ يَتَمَسَّحُوْنَ بِوَضُوْءِهٖ فَقَالَ: مَا

حضرت عبدالرحمٰن بن ابی قراد ﷺ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ نبی اکرم ﷺ نے وضو فرمایا تو جانثار صحابہ ﷺ اس پانی کو لے کر اپنے بدن پر لگانے لگے، آپ ﷺ نے اس عمل کی وجہ پوچھی تو سب

يَحْمِلُكُمْ عَلىَ هٰذَا ؟ قَالُوْا : حُبُّ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ : مَنْ سَرَّهٗ أَنْ يُحِبَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ أَوْ يُحِبُّهُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ فَلِيَصْدُقْ فِيْ حَدِيْثِهٖ إِذَا حَدَّثَ وَلِيُؤَدِّ أَمَانَتَهٗ إِذَا اؤْتُمِنَ وَلِيُحْسِنْ جِوَارَ مَنْ جَاوَرَهٗ.

(شعب الإيمان للبيهقي ۲۰۱/۲ رقم : ۱۵۳۳، ۸۱/۷ رقم : ۹۵۵۱)

صحابہ ﷺ بول پڑے کہ اصل میں ہمارے دل میں اللہ اوراس کے رسول کی محبت ہے تو نبی اکرم نے ارشاد فرمایا کہ جسے یہ بات اچھی لگے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا محبوب اورحبیب بن جائے تو اسے چاہئے کہ جب بھی بولے سچ بولے، اور اپنی امانت ادا کرنے میں کوتاہی نہ کرے،اوراپنے پڑوسی کےساتھ حسن سلوک کرے۔

(۷) عَنْ أَبِيْ ذَرٍّ ﷺ قَالَ : أَوْصَانِيْ خَلِيْلِيْ ﷺ قَالَ : إِذَا طَبَخْتَ مَرَقَةً فَأَكْثِرْ مَاءَ هَا ثُمَّ انْظُرْ بَعْضَ أَهْلِ بَيْتٍ مِنْ جِيْرَانِكَ فَاغْرِفْ لَهُمْ مِنْهَا.

(مسلم ۳۲۹/۲ رقم : ۲۵۲٦ ، شعب الإيمان ۷۷/۷ رقم : ۹۵٤۰)

حضرت ابوذرغفاری ﷺ فرماتے ہیں کہ میرے خلیل حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے مجھے تاکیداً یہ حکم دیا کہ جب تم سالن پکاؤ تو اس میں شوربہ زیادہ کردیا کرو، پھر اپنے پاس پڑوس میں جو غریب لوگ ہوں ان کو بھی کچھ بھجوادیا کرو۔

(۸) عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ ﷺ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ إِلٰى النَّبِيِّ فَقَالَ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ دُلَّنِيْ عَلٰى عَمَلٍ إِذَا عَمِلْتُ بِهٖ دَخَلْتُ الْجَنَّةَ، قَالَ : كُنْ مُحْسِناً، قَالَ: كَيْفَ أَعْلَمُ أَنِّيْ مُحْسِنٌ؟ قَالَ: سَلْ جِيْرَانَكَ فَإِنْ قَالُوْا إِنَّكَ مُحْسِنٌ فَإِنَّكَ مُحْسِنٌ،

حضرت ابو ہریرہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ایک مرتبہ ایک شخص نے پیغمبر علیہ السلام سے آکر عرض کیا کہ مجھے آپ ایسا عمل بتائیے جسے انجام دےکر میرا نام جنتیوں میں لکھ دیا جائے ،تو آپ نے فرمایا کہ تم محسن بن جاؤ،توان صاحب نے عرض کیا کہ یہ کیسے پتہ چلے گا کہ میں ہی محسن ہوں؟ تو آپ نے فرمایا کہ اپنے پڑوسیوں سے پوچھوا گر وہ

وَإِنْ قَالُوْا إِنَّکَ مَسِيْئٌ فَإِنَّکَ مَسِيْئٌ. (شعب الإيمان ٨٥/٧ رقم: ٩٥٦٧)

تمہارے محسن ہونے کی تائید کریں تو تم محسن ہو اور اگر وہ تمہیں برائی کرنے والا کہیں تو تم برے ہو۔

(٩) عَنْ أَنَسٍ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم مَا مِنْ مُسْلِمٍ يَمُوْتُ فَيَشْهَدُ لَهٗ اَرْبَعَةٌ مِنْ أَهْلِ أَبْيَاتِ جِيْرَانِهٖ الأَدْنَيْنِ إِنَّهُمْ لاَ يَعْلَمُوْنَ إِلاَّ خَيْراً، إِلاَّ قَالَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ قَدْ قَبِلْتُ قَوْلَكُمْ، أَوْ قَالَ شَهَادَتَكُمْ وَغَفَرْتُ لَهٗ مَا لاَ تَعْلَمُوْنَ. (شعب الإيمان ٨٦/٧ رقم: ٩٥٦٨)

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ پیغمبر علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ جس مسلمان شخص کا انتقال ہوجائے پھر اس کے قریبی پڑوسیوں میں چار گھرانے یہ گواہی دیں کہ یہ مرنے والا ہمیشہ اچھے کام کرتا رہا ہے، تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں نے تمہارے قول کو اور گواہی کو قبول کرلیا، اور اس شخص کے ایسے گناہ میں نے معاف کردئے جو تمہارے علم میں نہیں ہیں۔

(١٠) عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم: حُسْنُ الْجِوَارِ وَصِلَةُ الرَّحِمِ وَحُسْنُ الْخُلُقِ يَعْمُرْنَ الدِّيَارَ وَيَزِدْنَ فِي الأعْمَارِ. (مکارم الاخلاق ٢٢٢/)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے کہ پڑوسی کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنا، صلہ رحمی کرنا، اچھے اخلاق سے پیش آنا ایسے افعال ہیں جن سے دنیا آباد رہتی ہے، اور عمروں میں برکت ہوتی ہے۔

دیکھئے! درج بالا احادیث میں پڑوسی سے متعلق کیسی پاکیزہ ہدایات دی گئی ہیں، واقعی اگر ہر پڑوسی اپنے پڑوسی کے ساتھ ایسا ہی برتاؤ کرنے لگے جیسے اسے حکم ہوا ہے، تو یہ دنیا نمونۂ جنت بن جائے، اور ہر جگہ امن وسکون اور عافیت کا ماحول قائم ہوجائے۔ آج بھی اچھا پڑوس محلوں اور آبادیوں کی اہمیت کو بڑھانے میں سب سے زیادہ مؤثر سمجھا جاتا ہے، جس محلّہ میں شریف اور انسانیت نواز لوگ رہتے ہیں، وہاں کے مکانات کی قیمتیں دیگر جگہوں کے مقابلہ میں گراں ہوتی ہیں، اور وہاں کے باشندے بےخوف وخطر ہوکر زندگی گذارتے ہیں۔ ان میں کا ہر شخص اس کا خیال رکھتا

ہے کہ میرے کسی عمل اور کسی حرکت کی وجہ سے میرے پڑوس میں رہنے والوں کو تکلیف نہ ہو، اور وہ ان کے دکھ درد میں اور غمی اور خوشی میں برابر کا شریک رہتا ہے، اسے یہ ہرگز گوارا نہیں ہوتا کہ خود پیٹ بھرے اور اس کے پڑوس والے دانے دانے کے محتاج ہوں، اور جو شخص علم ہونے کے باوجود اس معاملہ میں بے مروتی کا مظاہرہ کرے گا وہ یقیناً کمال ایمان سے محروم ہوگا۔ (مکارم الاخلاق ۲۲۹)

پڑوسی کو پریشان نہ کریں!

ایک مؤمن کی شان یہ ہونی چاہئے کہ اس سے اس کے پڑوسی پوری طرح مطمئن ہوں، اور اس کی طرف سے کسی بھی طرح کی ایذا رسانی کا انہیں اندیشہ نہ ہو۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ قسم کھا کر تین مرتبہ ارشاد فرمایا کہ: ''قسم بخدا! وہ شخص مؤمن نہیں ہے''۔ صحابہ نے عرض کیا: وہ شخص کون ہے؟ پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا کہ وہ شخص جس کی ایذا رسانیوں سے اس کے پڑوسی محفوظ نہ ہوں۔ (شعب الایمان ۷/۵۷ رقم: ۹۵۳۴)

ایک روایت میں ہے کہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ ''وہ شخص جنت میں نہیں جائے گا جس کے پڑوسی اس کے شر سے محفوظ نہ ہوں''۔ (مسند احمد ۳/۱۵۴، الترغیب والترہیب مکمل ۵۴۸ رقم: ۳۸۸۳)

اور ایک ضعیف روایت میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: جس نے اپنے پڑوسی کو اذیت دی اس نے مجھے تکلیف پہنچائی، اور جس نے مجھے تکلیف پہنچائی اس نے اللہ تعالیٰ کا دل دکھایا، اور جس نے اپنے پڑوسی سے جنگ کی اس نے مجھ سے جنگ کی اور جس نے مجھ سے جنگ کی گویا اس نے اللہ سے جنگ کی۔ (الترغیب والترہیب مکمل ۵۴۸ رقم الدیث: ۳۸۸۵)

بعض احادیث میں وارد ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ ایک عورت بہت نماز روزہ کرتی ہے، صدقہ بھی دیتی ہے؛ لیکن وہ اپنی زبان سے پڑوسیوں کو بہت ستاتی ہے، تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ''وہ دوزخی ہے''۔ پھر دوسری عورت کا ذکر ہوا کہ وہ زیادہ نماز، روزہ، صدقہ تو نہیں کرتی؛ لیکن اپنے پڑوسیوں کو نہیں ستاتی، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ''وہ جنتی عورت ہے''۔ (مسند احمد ۲/۴۴۰، مستدرک حاکم ۴/۱۶۶، الترغیب والترہیب مکمل ۵۴۹ رقم: ۳۸۹۱)

دورِ نبوت کا ایک واقعہ منقول ہے کہ ایک شخص نے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت کرکے اپنے پڑوسی کی ایذا رسانی کی شکایت کی، پہلے تو آپ نے اسے صبر کی تلقین کی؛ لیکن جب وہ بار بار آنے لگا تو آپ نے فرمایا کہ اپنے گھر کا سامان سڑک پر لاکر ڈال دو اور جو گذرنے والے لوگ بھی پوچھیں انہیں پوری صورتِ حال بتادو، چناں چہ اس شخص نے ایسا ہی کیا اب جو شخص بھی آتا اور اسے حقیقت حال معلوم ہوتی تو وہ پڑوسی پر لعنت کرتا ہوا جاتا، تو پڑوسی نے آکر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے شکوہ کیا کہ لوگ مجھے ایسا ایسا کہہ رہے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لوگوں سے پہلے تم نے اپنے کو اللہ تعالیٰ کی لعنت کا مستحق بنالیا، اس نے توبہ کی اور وعدہ کیا کہ آئندہ پڑوسی کو نہیں ستاؤں گا، چناں چہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص سے کہا کہ تم اپنا سامان اٹھاکر اپنے گھر میں رکھ دو اب تمہیں ستایا نہیں جائے گا۔ (شعب الایمان ۷/۸۰ رقم الحدیث: ۹۵۴۸)

واقعہ یہی ہے کہ پڑوسیوں کی حق تلفی بدترین گناہ کا کام ہے، اس کی وجہ سے معاشرہ کا سکون غارت ہوجاتا ہے، اور دلوں میں نفرتیں اور عداوتیں جنم لیتی ہیں، اور خودغرضی کو ترقی ہوتی ہے، اس لئے ہر مسلمان کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ ''حسنِ جوار'' کا نمونہ بن جائے اور اسلامی اخلاق کو اس طرح زندہ کرے کہ ہمارے پڑوس کے رہنے والے اگر بے ایمان اور بدعمل بھی ہوں، پھر بھی وہ ہمارا عمل اور برتاؤ دیکھ کر اپنی اصلاح کرلیں اور غیر مسلم اسلام کا اصل نمونہ دیکھ کر اسلام کی طرف راغب ہوجائیں، ہم جس ملک میں رہتے ہیں یہ غیر مسلموں کی اکثریت کا ملک ہے، یہاں خاص طور پر دعوتی مقاصد سے ہمیں بالخصوص اپنے غیر مسلم پڑوسیوں کے ساتھ اسلامی اخلاق کا مظاہرہ کرنا چاہئے؛ تاکہ ان کے دل میں اس مذہب حقانی کی عظمت قائم ہوسکے، اور اسلام کے بارے میں ان کے دلوں میں نرمی پیدا ہو اور وہ دین سے قریب ہوجائیں۔

برا پڑوسی بڑا بوجھ ہے

پڑوس اگر خراب ہو تو آدمی کی زندگی اجیرن ہوجاتی ہے، اسی بنا پر جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

تَعَوَّذُوْا بِاللّٰهِ مِنْ جَارِ السُّوْءِ فِي دَارِ الْمُقَامَةِ فَإِنَّ الْجَارَ الْبَادِيَ يَتَحَوَّلُ. (شعب الإيمان ۸۱/۷ رقم: ۹۵۵۲)

مستقل رہنے کی جگہ میں برے پڑوسی سے اللہ کی پناہ مانگا کرو؛ کیوں کہ جنگل اور سفر کا پڑوسی تو اپنی جگہ بدل لیتا ہے۔

یعنی آبادی میں قریب رہنے والا پڑوسی سے تو ہر وقت سابقہ پڑتا ہے، جب کہ کوئی شخص دورانِ سفر کہیں ساتھ ہو گیا تو پھر وہ جلد ہی الگ بھی ہو جاتا ہے۔

اور دوسری روایت میں پیغمبر علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

تَعَوَّذُوْا بِاللّٰهِ مِنْ مُجَاوَرَةِ جَارِ سُوْءٍ إِنْ رَاٰى خَيْراً كَتَمَهٗ وَإِنْ رَاٰى شَراً اَذَاعَهٗ. (شعب الإيمان ۸۲/۷ رقم: ۹۵۵٤)

اللہ تعالیٰ سے برے پڑوسی کے ساتھ رہنے سے پناہ مانگا کرو، ایسا برا پڑوسی جو خیر دیکھ کر اسے پی جائے اور برائی دیکھ کر اسے اچھال دے۔

(یعنی ایسا کمینہ پڑوسی جو ہماری ٹوہ میں رہے اور ہماری برائیوں اور کمزوریوں پر نظر رکھے اور ہمیں بدنام کرنے پر تلا رہے، ایسے شخص سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگنی چاہئے)

اور بعض روایات میں ہے کہ چار باتیں بدبختی کی علامت ہیں: ''اَرْبَعٌ مِنَ الشِّقَاءِ: فَأَمَّا الشِّقَاءُ فَالزَّوْجَةُ السُّوْءُ، وَالْجَارُ السُّوْءُ، وَالْمَرْكَبُ السُّوْءُ، وَضِيْقُ الْمَسْكَنِ''. (شعب الايمان ۸۲/۷ رقم الحديث: ۹۵۵٦) جن میں ایک برا پڑوسی بھی ہے۔

اور حضرت لقمان حکیم نے اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے کہا تھا کہ: ''بیٹے! میں نے بڑی سے بڑی بھاری چیز اٹھائی ہے؛ لیکن برے پڑوسی سے زیادہ بوجھل کرنے والی میں نے کسی چیز کو نہیں پایا''۔ (مکارم الاخلاق ۲۳۱)

یعنی دنیا کے دیگر بوجھ کو تو جھیلا جا سکتا ہے؛ لیکن کمینہ پڑوسی کے بوجھ کو جھیل پانا بہت مشکل کام ہے، اسی لئے عربی کی مثل مشہور ہے کہ: ''اُطْلُبُوْا الْجَارَ قَبْلَ الدَّارِ'' ۔یعنی گھر خریدنے سے پہلے پڑوس دیکھنا چاہئے''۔

پڑوسیوں سے حسنِ سلوک کے چند واقعات

(۱) حضرت سہل بن عبداللہ التستریؒ ایک بڑے بزرگ گذرے ہیں، اُن کے ہاتھ پر سیکڑوں لوگوں نے اسلام قبول کیا، ان کے گھر کے قریب ایک مجوسی رہتا تھا، وہ بوڑھا ہوگیا تھا؛ لیکن اسے اسلام کی توفیق نہیں ملی تھی، جب حضرت سہل کی وفات کا وقت قریب آیا تو آپ نے اس مجوسی پڑوسی کو بلوایا، جب وہ حاضر ہوا تو اس سے کہا کہ اس کمرے میں جا کر دیکھو وہاں کیا ہے؟ وہ مجوسی جب کمرے میں داخل ہوا تو اسے یہ منظر نظر آیا کہ ایک بڑا ٹب رکھا ہے، اور مجوسی کی دیوار سے اوپر سے غلاظت اس ٹب میں ٹپک رہی ہے، اور ٹب بھر رہا ہے، مجوسی اسے دیکھ کر کہنے لگا یہ کیا ہے؟ تو حضرت سہلؒ نے فرمایا کہ گذشتہ ایک سال سے تمہارے گھر کی دوسری منزل پر بنے ہوئے بیت الخلاء سے یہ نجاست اسی طرح ٹپکتی ہے، جسے اس ٹب میں جمع کر کے رات میں باہر پھنکوایا جاتا ہے، یہ سن کر مجوسی بولا کہ آپ نے مجھے پہلے سے کیوں نہیں خبر کی؟ تو حضرتؒ نے فرمایا کہ ہمیں یہ بات پسند نہیں آئی کہ ہم تمہاری تشویش کا سبب بنیں یا تمہارے دل کو دکھائیں، اور اگر میری وفات کا وقت قریب نہ ہوتا تو اب بھی میں تمہیں اس کی اطلاع نہ کرتا؛ لیکن چوں کہ میری وفات کے بعد کچھ پتہ نہیں کہ میرے بعد کے لوگ اس عمل کو برقرار رکھ پائیں گے یا نہیں، اس لئے تمہیں باخبر کردیا، یہ حیرت انگیز بات سن کر وہ مجوسی بے اختیار رو پڑا، اور اس قدر متأثر ہوا کہ اسی وقت کلمہ شہادت پڑھ کر اسلام قبول کرلیا، اور مرتے دم تک مسلمان رہا۔

(۲) عائذ بن عمرو مزنیؓ کہا کرتے تھے کہ اگر پانی کا طشت میرے قالین پر گرجائے تو مجھے اس کے مقابلہ میں بہت پسند ہے کہ میرے گھر کا پانی عام راستہ میں بہایا جائے، چناں چہ اپنے گھر کی نالی اور پرنالے کا پانی عام راستے میں نہیں بہاتے تھے، جب ان کا انتقال ہوا تو کسی نے خواب میں دیکھا کہ وہ جنت میں ہیں، پوچھا گیا کہ یہ مقام کیسے ملا؟ تو جواب ملا کہ مسلمانوں کو اپنی طرف سے کسی طرح کی بھی تکلیف نہ دینے کے جذبہ نے انہیں اس مقام تک پہنچایا ہے۔ (مکارم الاخلاق ۲۲۸)

(۳) بعض کتابوں میں لکھا ہے کہ عبداللہ بن عامرؓ نے اپنے گھر کا دروازہ سڑک پر

کھولنے کی غرض سے قریب کا مکان ۹۰ ؍ہزار درہم میں خریدا، رات کو انہوں نے اس گھر میں سے رونے کی آواز سنی، تحقیق کی تو معلوم ہوا کہ گھر والے اپنے سامان کی فروختگی کی وجہ سے رو رہے ہیں، تو عبد اللہ بن عامر کو بہت احساس ہوا اور اپنے خادم کو بھیجا کہ گھر والوں سے کہہ دو کہ یہ گھر بھی تمہارا ہے اور جو قیمت میں نے دی ہے وہ بھی تمہاری ملک ہے۔ (مکارم الاخلاق ۲۳۱)

(۴) اسی طرح منقول ہے کہ حضرت سعید بن العاصؓ نے ایک مکان ایک لاکھ درہم میں خریدا، تو مالکین نے بعد میں اقالہ (بیع فسخ کرنے) کی درخواست کی، حضرتؓ نے فرمایا کہ تمہاری مرضی، پھر وہ لوگ حاضر ہوئے اور کہنے لگے کہ ہم سے غلطی ہوگئی اور گھر آپ ہی لے لیجئے، تو حضرتؓ نے گھر تو لے لیا؛ لیکن مزید ایک لاکھ روپئے انہیں اور عطا کئے۔ (مکارم الاخلاق ر۲۳۱)

درج بالا اَحادیث اور واقعات کو سامنے رکھ کر ہمیں اپنا جائزہ لینے کی ضرورت ہے، آج عمومی حال یہ ہے کہ دیگر لوگوں سے تو دوستیاں ہوتی ہیں؛ لیکن پڑوسیوں سے لڑائیاں اور ناراضگیاں جاری رہتی ہیں، حتی کہ محض پرنالوں اور نالیوں اور ذرا ذرا سے راستوں کے حق پر پڑوسیوں سے مقدمہ بازیوں کی نوبت آجاتی ہے، جس کا سلسلہ سالوں تک چلتا ہے، اور اس نحوست کی وجہ سے دین اور دنیا دونوں برباد ہوجاتے ہیں، اور وہ پڑوسی اگر رشتہ دار بھی ہو جیسا کہ اکثر ہوتا ہے تو یہ جھگڑا قطع رحمی کا بدترین سبب بن جاتا ہے۔

نویں فصل:

ہم نشینوں کے ساتھ ''احسان''

آدمی جن لوگوں کے درمیان رہتا ہے ان کا حق ہے کہ ان کے ساتھ احسان کا معاملہ کیا جائے، اسی لئے قرآنِ کریم میں والدین، رشتہ دار اور پڑوسیوں کے ساتھ حسن سلوک کا حکم دیتے ہوئے قریبی ہم نشین کے ساتھ بھی حسنِ معاملہ کی تلقین کی گئی ہے۔ ارشادِ ربانی ہے:

وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْبِ. (النساء: ٣٦) یعنی پاس بیٹھنے والے کے ساتھ احسان کیا کرو۔

وجہ یہ ہے کہ آدمی کے اخلاق کا صحیح اندازہ اس کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے سے ہی ہوسکتا ہے؛ اس لئے کہ ساتھ رہنے والے کے سامنے دیر سویر اس کے محاسن اور عیوب سب کھل کر سامنے آ جاتے ہیں۔ ایک عربی شاعر عدی بن زید کا شعر ہے:

عَنِ الْمَرْأِ لاَ تَسْأَلْ وَأَبْصِرْ قَرِيْنَهُ

فَاِنَّ الْقَرِيْنَ بِالْمُقَارِنِ يَقْتَدِيْ

(المحاسن والمساوي ٤١٣)

ترجمہ:- آدمی کے بارے میں پوچھنے کے بجائے اس کے یار دوست کے بارے میں تحقیق کیا کرو؛ اس لئے کہ ایک ہم جولی اپنے ہم جولی کا ہی پیروکار رہوتا ہے۔

بریں بنا ہم نشین ایسے شخص کو بنانا چاہئے جس کے اخلاق اچھے ہوں، اور خود ایسا ہم نشین بننے کی کوشش کرنی چاہئے کہ ہمارے ساتھ رہنے والے ہمارے حسن اخلاق کو اپنانے والے بن جائیں، اور یکجا کام کرنے والے لوگوں کو آپس میں محبت واخوت کا ثبوت دینا چاہئے۔ مثلاً کسی مدد کی ضرورت ہو تو اس میں دریغ نہ کیا جائے، نیز ہمیشہ بہتر مشورہ دیا جائے، اور نقصان کی کوئی

بات دیکھے تو بلا تکلف اسے آگاہ کردے، نیز اس کی ترقی دیکھ کر دل میں مسرور ہو اور اس کی تکلیف کو سن کر دل تنگ ہو، وغیرہ۔ یہ سب باتیں حسنِ سلوک میں شامل ہیں، جن کی تاکید اسلامی شریعت نے کی ہے۔

بیواؤں اور مسکینوں پر "احسان"

معاشرے کے دبے کچلے افراد جن کا کوئی سہارا نہ ہو اور جن کی طرف سے کوئی وکالت کرنے کو تیار نہ ہو ان کی حمایت اور ان کے حقوق کے تحفظ کے لئے جدوجہد بھی اسلام میں انتہائی اہم ترین عمل ہے، قرآن کریم میں جا بجا مسکینوں پر رحم و کرم کی تلقین کی گئی ہے، نیز اَحادیثِ طیبہ میں بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے کمزور لوگوں کی حمایت کو انتہائی باعث اجر وثواب عمل قرار دیا ہے۔ ایک حدیث میں وارد ہے:

عن صفوان بن سليمؒ يَرْفَعُهُ إِلٰى النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: اَلسَّاعِيُ عَلٰى الْأَرْمِلَةِ وَالْمِسْكِيْنِ كَالْمُجَاهِدِ فِيْ سَبِيْلِ وَكَالَّذِيْ يَصُوْمُ النَّهَارَ وَيَقُوْمُ اللَّيْلَ. (بخاري ۸۸۸/۲ رقم: ۶۰۰۶، فتح الباري ۵۳۶/۱۰، ترمذي ۱۸/۲، الترغيب والترهيب ۲۳۸/۳)

حضرت صفوان بن سلیمؒ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بیوہ اور مسکین کی مدد کرنے والا شخص اللہ کے راستہ میں جہاد کرنے والے اور رات میں مسلسل نماز پڑھنے والے اور دن میں مسلسل روزے رکھنے والے شخص کی طرح ہے۔

ملازموں کے ساتھ "احسان"

اسلام سے پہلے غلاموں کے ساتھ بدترین مظالم روا رکھے جاتے تھے اور انسانیت کے ناطے وہ ہر منصفانہ حق سے پوری طرح محروم تھے اور انسانی اعتبار سے انہیں ایک آزاد شخص کے برابر ہونے کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا۔ اسلام نے اپنی اعلیٰ انسانیت نوازی کا ثبوت دیتے ہوئے

غلاموں کو جائز حقوق دلانے کی جدو جہد کی۔ قرآنِ کریم میں ان کے ساتھ حسن سلوک کا حکم دیا گیا۔ چناں چہ ارشاد ہے:

وَمَا مَلَکَتْ اَیْمَانُکُمْ. (النساء: ٣٦)

اور (احسان کرو) اپنے ہاتھ کے مالوں (غلام باندیوں) کے ساتھ۔

اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کو ایک غلام پر ڈانٹ ڈپٹ کرنے پر بطور تنبیہ فرمایا کہ تم میں جاہلیت کی بات پائی جاتی ہے، پھر ارشاد فرمایا کہ:

إِخْوَانُكُمْ خَوَلُكُمْ جَعَلَهُمُ اللّٰهُ تَحْتَ أَيْدِيْكُمْ فَمَنْ كَانَ إِخْوَه تَحْتَ يَدِهِ فَلْيُطْعِمْهُ مِمَّا يَأْكُلُ وَلْيُلْبِسْهُ مِمَّا يَلْبَسُ وَلاَ تُكَلِّفُوْهُمْ مَا يَغْلِبُهُمْ فَإِنْ كَلَّفْتُمُوْهُ فَأَعِيْنُوْهُمْ. (بخاری شریف ۹/۱ رقم: ۳۱، ٢/٨٩٤ رقم: ٦٠٥٠، ترمذي شريف ٢/٦١)

یہ غلام تمہارے بھائی اور تمہارے معاون ہیں جنھیں اللہ تبارک وتعالیٰ نے تمہارے قبضے میں دیدیا ہے لہٰذا جب کسی کے قبضے میں اس کا بھائی آئے (یعنی کوئی شخص غلام کا مالک بنے) تو اپنے کھانے ہی میں سے اسے کھلائے اور اپنے لباس میں سے اسے پہنائے۔ اور تم ان سے اتنا بھاری کام نہ لو جوان کے بس میں نہ ہو اور اگر ایسا کام لیناہی ہوتو تم خود ان کی مدد کرو۔

اور ایک روایت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:

مَنْ لَطَمَ مَمْلُوْكَهُ أَوْ ضَرَبَهُ فَكَفَّارَتُهُ أَنْ يُعْتِقَهُ. (مسلم ٢/٥١، رقم: ١٦٥٧، ابوداؤد ٢/٧٠٢ رقم: ٥١٦٨)

جو شخص اپنے غلام کے چہرے یا بدن پر مارے تو اس کی تلافی کی شکل یہ ہے کہ اس کو آزاد کردے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو غلاموں کے حقوق کا کس قدر خیال تھا اس کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ انتقال سے قبل آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے آخری تاکید نماز پڑھنے اور غلاموں کی رعایت رکھنے کی کی ہے۔ (ابوداؤد شریف ۲/۷۰۱ حدیث: ۵۱۵۶، ابن ماجہ حدیث: ۲۶۹۸)

آج دنیا میں نوکروں اور ملازموں کے ساتھ کتنی حق تلفیاں کی جاتی ہیں اور کس طرح ان کے حقوق غصب کئے جاتے ہیں اور کیسی کیسی اذیتوں سے انھیں دوچار ہونا پڑتا ہے وہ ناقابل بیان ہے۔ اسلام نے ہر فرد کے دل میں اس بات کا ڈر پیدا کیا ہے کہ اگر کوئی شخص اپنے ماتحت پر زیادتی کرے گا تو اس کو اس کا بدلہ آخرت میں دینا ہوگا۔

ایک صحابی حضرت ابومسعود بدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں اپنے غلام کو کوڑے سے مار رہا تھا، اسی درمیان میں نے اپنے پیچھے سے یہ آواز سنی کہ: **اِعْلَمْ أَبَا مَسْعُوْدٍ!** (ابومسعود خبردار!) مگر میں غصہ کی شدت کی وجہ سے یہ نہیں سمجھ سکا کہ آواز دینے والا کون ہے؟ پھر جب نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میرے قریب آگئے تو مجھے احساس ہوا کہ آپ ہی مجھے آواز دے رہے تھے، چنانچہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ہیبت سے میرے ہاتھ سے کوڑا گر گیا، تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:

اِعْلَمْ أَبَا مَسْعُوْدٍ! إِنَّ اللّٰهَ أَقْدَرُ عَلَيْكَ مِنْكَ عَلٰى هٰذَا الْغُلَامِ.

ابومسعود! اچھی طرح جان لو کہ جتنا تم اپنے اس غلام کو مارنے پر قادر ہو اس سے زیادہ اللہ تعالیٰ تمھیں سزا دینے پر قادر ہے۔

حضرت ابومسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے فوراً عرض کیا کہ: ''حضرت میں اَب کبھی کسی غلام کو نہ ماروں گا''۔ اور ایک روایت میں یہ ہے کہ انہوں نے اس غلام کو فوراً آزاد کردیا تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: ''اگر تم ایسا نہ کرتے تو جہنم کی آگ تم کو جھلسا دیتی''۔ (مسلم شریف ۲/۵۱ حدیث: ۱۶۵۹)

ملازمین بھی بہر حال انسان ہیں، اُن سے غلطی ہوسکتی ہے، اَب آدمی کی اعلیٰ ظرفی کی بات یہ ہے کہ اُن کے ساتھ عفو ودرگذر کا معاملہ کرے، ہر وقت اُن کی ٹوہ اور گرفت میں نہ پڑا رہے، اور نہ اُن پر بے جا غصہ اُتارے، اور نہ اُن سے انتقام لے؛ بلکہ حسنِ مصاحبت اور تحمل و بردباری کا مظاہرہ کرے۔

ایک روایت میں ہے کہ ایک شخص نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آ کرعرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! میں اپنے خادم کی غلطی کو کتنی مرتبہ معاف کروں؟ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خاموش رہے، اس شخص نے پھر یہی سوال عرض کیا، تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ''روزانہ ستر مرتبہ درگذر کیا کرو''۔(ابوداؤد شریف ۲/۷۰۲ حدیث: ۵۱۶۴، منتخب احادیث ۴۵۲) یعنی بکثرت معاف کیا کرو۔

اور اگر ملازمین کی تنبیہ ناگزیر ہوتو بھی شفقت کا اظہار کرے، ایسا رویہ نہ اپنائے جس سے ملازم کے دل میں نفرت بیٹھ جائے اور وہ دل تنگ ہو جائے؛ اس لئے کہ تجربہ سے یہ بات ثابت ہے کہ آدمی اپنے شوق اور ذاتی لگن سے جتنا عمدہ کام انجام دے سکتا ہے، وہ محض زور زبردستی سے انجام نہیں دے سکتا، لہٰذا عقل مند آدمی وہی ہے جو اپنے ماتحتوں کو اپنے سے اس قدر مانوس کر لے کہ وہ اس کی چشم ابرو کے اشارہ کے منتظر رہیں، اور ان میں وفا شعاری اور جانثاری کی صفات ابھر آئیں، اور یہ بات جبھی پیدا ہوسکتی ہے جب کہ ان کمزوروں اور غریبوں کے ساتھ شفقت اور خیر خواہی کا معاملہ کیا جائے، ورنہ محض سخت گیری سے حکومت تو کی جاسکتی ہے مگر دلوں کو جیتا نہیں جاسکتا۔

❍❖❍

دسویں فصل:

بیویوں کے ساتھ ''احسان''

مذہبِ اسلام میں صنفِ نازک خواتین کو ان کا حقیقی اور واقعی مرتبہ عطا کرنے پر بھی بھرپور توجہ دی گئی ہے۔ اسلام کی آمد سے قبل دنیا میں عورتوں کا بدترین استحصال عام تھا۔ دنیا کے کسی بھی مذہب اور قوم میں عورتوں کو واقعی حقوق حاصل نہیں تھے۔ ہر جگہ عورت کو محض ایک باندی اور مرد کی تسکینِ قلب کا ذریعہ سمجھ کر معاملہ کیا جاتا تھا، حتی کہ بہت سے شقی القلب افراد رشتۂ دامادی سے بچنے کے لئے اپنی معصوم بچیوں کو پیدا ہوتے ہی زندہ درگور کر دیا کرتے تھے۔ ایسے سنگین ظالمانہ ماحول میں اسلام نے عورت کو عزت دینے کا نعرہ بلند کیا۔ اور ثابت کیا کہ عورت اور مرد دونوں کی پیدائش کا تسلسل ایک ہی ذات حضرت آدم علیہ السلام تک جا پہنچتا ہے۔ لہٰذا ان دونوں اصناف میں ظالمانہ تفریق کی کوئی گنجائش نہیں بلکہ اخلاقی اور سماجی اور جسمانی ساخت کے اعتبار سے دونوں کے حقوق اور ذمہ داریاں متعین ہیں اور ہر صنف کو اپنے حقوق کے مطالبہ اور اپنی ذمہ داریاں بجا لانے کا یکساں حق حاصل ہے۔ سورۂ نساء کے آغاز میں نہایت مؤثر پیرایہ میں عورتوں اور مردوں کی پیدائش کے مقاصد کی طرف رہنمائی کرتے ہوئے دونوں جانب حقوق کی رعایت کرنے کی تلقین فرمائی گئی ہے۔ ارشاد ہوا:

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِیْ	اے لوگو! اپنے رب سے ڈرتے رہو، جس نے تم کو
خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ	ایک جان سے پیدا کیا، اور اسی سے پیدا کیا اس کا
مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا	جوڑا، اور پھیلائے ان دونوں سے بہت مرد اور
كَثِيْرًا وَّنِسَآءً، وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِیْ	عورتیں، اور اللہ سے ڈرتے رہو جس کے واسطے

تَسَآءَ لُوْنَ بِهٖ وَالاَرْحَامِ، اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيْباً. (النساء: ۱)

سے آپس میں سوال کرتے ہو، اور خبردار رہو قرابت والوں سے، بے شک اللہ تعالیٰ تم پر نگہبان ہے۔

دوسری جگہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِىْ عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ. (البقرة: ۲۲۸)

اور عورتوں کا بھی حق ہے دستور کے موافق اور مردوں کو عورتوں پر فضیلت ہے۔

اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقع پر خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

وَاتَّقُوْا اللّٰهَ فِىْ النِّسَاءِ فَإِنَّكُمْ أَخَذْتُمُوْهُنَّ بِأَمَانِ اللّٰهِ وَاسْتَحْلَلْتُمْ فُرُوْجَهُنَّ بِكَلِمَةِ اللّٰهِ وَلَكُمْ عَلَيْهِنَّ أَنْ لاَ يُوْطِيْنَ فُرُشَكُمْ أَحَداً تَكْرَهُوْنَهُ فَإِنْ فَعَلْنَ ذٰلِكَ فَاضْرِبُوْهُنَّ ضَرْباً غَيْرَ مُبَرِّحٍ، وَلَهُنَّ عَلَيْكُمْ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ. (مسلم شريف ۳۹۷/۱ رقم: ۱۲۱۸ باب حجة النبيؐ، حياة الصحابة ۴۰۳/۳-۴۰۴)

عورتوں کے بارے میں اللہ سے ڈرتے رہو! اس لئے کہ تم نے ان پر اللہ کے امان کے ذریعہ قابو پایا ہے اور اللہ کے حکم سے (ایجاب وقبول کے ذریعہ) ان سے جسمانی تعلق کو اپنے لئے حلال کیا ہے، تمہارا ان پر حق یہ ہے کہ وہ تمہارے بستروں پر ایسے لوگوں کو نہ بیٹھنے دیں جن کا آنا تمہیں ناپسند ہو، اگر وہ خلاف ورزی کریں تو انہیں ہلکی پھلکی تنبیہ کرو، اور ان کا تمہارے اوپر حق یہ ہے کہ تم معروف طریقہ پر ان کے نان نفقہ اور لباس کا انتظام کرو۔

اسی طرح پیغمبر علیہ السلام نے بیویوں کے ساتھ حسنِ سلوک کو معیارِ فضیلت قرار دیا، آپ نے ارشاد فرمایا:

إِنَّ مِنْ أَكْمَلِ الْمُؤْمِنِيْنَ إِيْمَاناً أَحْسَنُهُمْ خُلُقاً وَأَلْطَفُهُمْ بِأَهْلِهِ. (رواه الترمذي رقم: ۲۶۱۲، الحاكم فى المستدرك ۳۵/۱، مشكوٰة شريف: ۲۸۲)

سب سے کامل مؤمن وہ ہے جو سب سے اچھے اخلاق والا ہو اور اپنے اہل وعیال پر بہت مہربانی کرنے والا ہو۔

اور ایک روایت میں آپ کا ارشاد ہے:

خَيْـرُكُـمْ خَيْرُكُمْ لِأَهْلِهِ وَأَنَا خَيْرُكُمْ لِأَهْـلِيْ. (التـرمـذي جـديـد ٢٢٨/٢ رقـم: ٣٨٩٥، ابـن مـاجة ١٤٢/٢ رقم: ١٩٧٧، المعجم الأوسط للطبراني ٣٣١/٤، رقم: ٦١٤٥، شعب الإيمان للبيهقي ٤٦٦/٧ رقم: ١١٠١٤، مشكوٰة شريف ٢٨١، انور رسلت ٢٤٤)

تم میں سب سے اچھا آدمی ہے وہ جو اپنے گھر والوں کے لئے اچھا ہو، اور میں اپنے گھر والوں کی نظر میں سب سے اچھا ہوں۔

اس کے علاوہ مردوں کو عورتوں پر ایک گونہ فضیلت صرف دنیوی نظام کی بقاء کے لئے ہے، ورنہ اللہ کی نظر میں محض کسی شخص کا مرد ہونا نہ تو قبولیت کی دلیل ہے اور نہ عورت کا عورت ہونا اس کی مقبولیت میں رکاوٹ ہے؛ بلکہ اللہ کے یہاں اصل معیار اس کے احکامات بجالانا ہے؛ لیکن چوں کہ مرد وعورت کی ساخت، اور جسمانی بناوٹ میں قدرتی فرق ہے؛ اس لئے اسلام نے دونوں کی ذمّہ داریاں الگ الگ کر دی ہیں مساوات کا نعرہ لگا کر ان فطری ذمہ داریوں کو خلط ملط کیا جائے گا تو انسانیت مجروح ہوجائے گی، اور نظام کائنات ''غطر بوذ'' ہوجائے گا، اسلام نے عورت کے نان نفقہ کی مکمل ذمہ داری اس کے نگراں مردوں پر رکھی ہے شادی سے قبل باپ یا دیگر رشتہ داروں پر، اور شادی کے بعد شوہر پر اس کے خرچ کی ذمہ داری ہے؛ لہٰذا اِس سہولت سے فائدہ نہ اٹھا کر عورت کو کمانے پر مجبور کرنا اسلام کی نظر میں انسانیت پر ظلم ہے جس سے بچنا لازم ہے۔ اسلام کی نگاہ میں عورت کی عفت وعصمت اس کے لئے سب سے زیادہ قیمتی اور عزت کی چیز ہے۔ اگر عورت کی عفت داغ دار ہوجائے تو اس کے مفاسد اتنے خطرناک ہوتے ہیں جن کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ اس لئے اسلام نے انسانیت کی بقا اور تحفظ کے لئے عورت کی عفت وعصمت کو مکمل طور پر تحفظ فراہم کرنے کی تعلیمات اپنے ماننے والوں کو دی ہیں۔

عورتوں کو نکاح اور پردہ کا پابند بنانا، ان کو محصور اور مقید کرنے یا انہیں حقوق سے محروم کرنے کے لئے ہرگز نہیں ہے؛ بلکہ یہ حکم عورت کی سب سے بڑی دولت، عفت وعصمت کی

حفاظت کے لئے ہے۔اسلام عورت کی نازک اور گراں قدر عزت وحرمت کو خیانت والی دزدیدہ نگاہوں سے محفوظ کرنا چاہتا ہے تاکہ عورت کی تابناکی میں بال برابر فرق نہ آئے اور یہ صنف نازک مکمل سکون، پاکیزگی اور پاک بازی کے ساتھ دنیا میں زندگی گزارتی رہے۔

نئی تہذیب عورت کی دشمن

اس کے برخلاف نئی تہذیب میں عورت کی جس قدر ناقدری کی جارہی ہے، وہ بیان سے باہر ہے، مگر افسوس ہے کہ عورت اپنی کم عقلی کی بنا پر انہی ناقدروں کو اپنا خیرخواہ سمجھ بیٹھی ہے اور برابر قعر ذلت میں پڑی چلی جارہی ہے، آج کی نام نہاد مہذب دنیا نے عورت کو گھر سے باہر نکال کر ہوٹلوں کا ویٹر بنا کر یا ٹریفک پولیس کا سپاہی بنا کر یا دوکانوں کا سیلز گرل بنا کر یا اسی طرح کے مشقت آمیز کاموں میں لگا کر بے چاری عورت پر دوہری ذمہ داریاں ڈال دی ہیں۔ بچوں کی پیدائش اور پرورش کا بوجھ ہی کیا کم تھا کہ کمانے کی ذمہ داری بھی اسی پر لاد دی گئی، جس کی بنا پر خاندانی نظام تباہ ہوگیا، بچے ماں کی ممتا سے محروم ہوگئے اور شوہر بیوی کی محبت آمیز نظروں کو بھول گئے، عورت کو ایسی مشین بنا دیا گیا جو چوبیس گھنٹے پھرکی بنی رہتی ہے، اس بے حیائی سے نہ صرف عورت کا سکون غارت ہوا؛ بلکہ پورا معاشرتی نظام ہی تہہ وبالا ہوگیا۔ اور مزاجوں ایسی تبدیلیاں آئیں کہ بدبو کو خوشبو اور خوشبو کو بدبو کہا جانے لگا۔ الامان والحفیظ۔

واقعی ایسے ماحول میں صرف اور صرف اسلام کی پرسکون چھاؤں ہی ایسی چھاؤں ہے جس کے سایہ میں عورت کو سکون مل سکتا ہے، اسلام ہی عورت کا سب سے بڑا محسن ہے، کاش کہ آج کی عورت کو اپنے محسن اور اپنے دشمن کے درمیان امتیاز کرنے کی توفیق مل جائے، تو یہ بگڑا ہوا غیر فطری نظام پھر سدھر جائے، اور دنیا میں فساد کی جگہ صلاح اور بدامنی کی جگہ امن قائم ہو جائے۔ **وَمَا ذٰلِکَ عَلَی اللّٰہِ بِعَزِیْزٍ۔**

گیارہویں فصل:

جانوروں کے ساتھ ''احسان''

اللہ تعالیٰ نے انسان کو مخدوم اور دیگر مخلوقات کو اس کا خادم بنایا ہے، بالخصوص چوپایوں کے اندر جو فوائد ومنافع رکھے گئے ہیں وہ بیان سے باہر ہیں، اسی کی یاد دلاتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَالاَنْعَامَ خَلَقَهَا لَكُمْ فِيْهَا دِفْءٌ وَّمَنَافِعُ وَمِنْهَا تَأْكُلُوْنَ. وَلَكُمْ فِيْهَا جَمَالٌ حِيْنَ تُرِيْحُوْنَ وَحِيْنَ تَسْرَحُوْنَ. وَتَحْمِلُ اَثْقَالَكُمْ اِلٰى بَلَدٍ لَمْ تَكُوْنُوْا بٰلِغِيْهِ اِلَّا بِشِقِّ الاَنْفُسِ، اِنَّ رَبَّكُمْ لَرَؤُفٌ رَّحِيْمٌ. وَالْخَيْلَ وَالْبِغَالَ وَالْحَمِيْرَ لِتَرْكَبُوْهَا وَزِيْنَةً، وَّيَخْلُقُ مَا لاَ تَعْلَمُوْنَ.

(النحل: ۵ تا ۸)

اور اس نے چوپایوں کو بنایا جن میں تمہارے لئے جاڑے کا سامان ہے اور بھی بہت سے فائدے ہیں اور ان میں سے بعضوں کو تم کھاتے ہو۔ اور تم کو ان سے عزت ہے جس وقت شام کو چرا کر لاتے ہو اور جب صبح کو چرانے لے جاتے ہو، اور وہ تمہارے بوجھل سامانوں کو ان شہروں تک اٹھا لے چلتے ہیں جہاں تم بغیر جانوں کو مشقت میں ڈالے ہوئے نہیں پہنچ سکتے، واقعی تمہارا رب بڑی شفقت اور رحمت والا ہے۔ اور اسی نے گھوڑے، خچر اور گدھے بھی پیدا کئے؛ تا کہ ان پر سواری کرو، اور زینت حاصل کرو، اور وہی پیدا کرتا ہے ایسی چیزیں جن کی تم کو خبر بھی نہیں۔

نیز بعض جانوروں سے صاف ستھرا بہترین دودھ انسانوں کوفراہم ہوتا ہے، گویا کہ یہ گائے بھینس اور بکریاں وغیرہ چلتی پھرتی دودھ کی ڈیریاں ہیں، جن سے انسان مستفید ہوتا ہے۔

ارشادِ خداوندی ہے:

وَاِنَّ لَكُمْ فِي الاَنْعَامِ لَعِبْرَةً، نُسْقِيْكُمْ مِمَّا فِيْ بُطُوْنِهٖ مِنْ بَيْنِ فَرْثٍ وَّدَمًا لَبَناً خَالِصًا سَائِغاً لِّلشّٰرِبِيْنَ. (النحل: ٦٦)	اور تمہارے لئے چوپایوں میں بھی سوچنے کی جگہ ہے، ہم تم کو ان کے پیٹ میں جو گوبر اور خون ہے اس کے درمیان میں سے ستھرا دودھ پلاتے ہیں جو پینے والوں کے لئے خوش گوار ہے۔

ظاہر ہے کہ جب اِن جانوروں سے اِتنے منافع وابستہ ہیں، تو اِن بے زبان اور تابع دار بے گار خادموں کے حقوق کا خیال کرنا بھی ضروری ہے، چناں چہ اس بارے میں نبی اکرم ﷺ نے اُصولی طور پر اُمت کو یہ رہنمائی فرمائی:

اَلرَّاحِمُوْنَ يَرْحَمُهُمُ الرَّحْمٰنُ (تَبَارَكَ وَتَعَالىٰ) إِرْحَمُوْا مَنْ فِي الأَرْضِ يَرْحَمُكُمْ مَنْ فِي السَّمَاءِ. (رواه أبـوداؤد ٢/٦٧٦ رقم: ٤٩٤١، التـرمـذي ٢/١٤ رقم: ١٩٢٤، الترغيب والترهيب مكمل ٤٩٣ رقم: ٣٤٥٦)	مہربانوں پر خدائے مہربان مہربان ہے، تم زمین والوں پر رحم کرو، آسمان والا تم پر رحم کرے گا۔

یہ ارشادِ عالی پوری دنیا میں امن وعافیت کی بنیاد ہے، آج دنیا میں انسانوں اور جانوروں کے حقوق پر کام کرنے والے اداروں اور تنظیموں نے جو بھی اصول وقواعد طے کر رکھے ہیں، یہ ارشادِ نبوی ان سب کو جامع اور محیط ہے، اگر اس ارشاد کو سامنے رکھا جائے گا تو کوئی مالک اپنے مملوکہ جانور کے ساتھ زیادتی کی ہمت نہ کرے گا؛ بلکہ جہاں اس کے کھانے پینے کا خیال رکھے گا وہیں اس سے کام لینے میں رحم دلی کا مظاہرہ کرے گا، اور اس کی قدرت سے زیادہ اس سے کام نہ لے گا، نہ اسے بلاوجہ تھکائے گا اور نہ اس پر بے جا ظلم وزیادتی کرے گا۔

ذبح میں ’’احسان‘‘

حتی کہ وہ جانور جن کے گوشت پوست کو استعمال کیا جاتا ہے، ان کو ذبح کرتے وقت بھی احسان کی تعلیم دی گئی ہے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

إِنَّ اللّٰهَ كَتَبَ الإِحْسَانَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ فَإِذَا قَتَلْتُمْ فَأَحْسِنُوا الْقِتْلَةَ وَإِذَا ذَبَحْتُمْ فَأَحْسِنُوا الذِّبْحَةَ وَلْيُحِدَّ أَحَدُكُمْ شَفْرَتَهُ وَلْيُرِحْ ذَبِيْحَتَهُ. (مسلم ۱۵۲/۲ رقم: ۱۹۵۵، أبوداؤد ۳۸۹/۲ رقم: ۲۸۱۵، ترمذي رقم: ۱۴۰۹، نسائی ۲۰۶/۲ رقم: ۴۴۱۲، ابن ماجه ۲۲۹/۲ رقم: ۳۱۷۰)

اللہ تعالیٰ ہر چیز میں خوبصورتی پسند فرماتے ہیں؛ لہٰذا جب تم کسی (واجب القتل) کو قتل کرو تو قتل کا انداز اچھا ہونا چاہئے (یعنی صورت نہ بگاڑی جائے) اور جب تم کسی جانور کو ذبح کرو تو عمدگی کے ساتھ ذبح کرو، اور ہر شخص اپنی چھری کی دھار تیز کرلے اور اپنے ذبیحہ کو سہولت بخشے۔

یعنی ذبح کرتے وقت ایسا طریقہ اختیار نہ کریں اور ایسے ناکارہ آلہ کا استعمال نہ کریں جس سے جانور کو مزید اذیت پہنچے؛ بلکہ ذبح سے پہلے چھری اچھی طرح تیز کرلی جائے اور ذبح کرنے والا اناڑی نہ ہو؛ بلکہ تجربہ کار ہو۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا گذر ایک شخص پر ہوا جس نے ایک پاؤں بکری کے سینہ پر رکھ رکھا تھا اور اسی حالت میں چھری تیز کررہا تھا، اور بکری اسے دیکھ رہی تھی، تو پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا:

أَفَلاَ قَبْلَ هٰذَا؟ أَوْ تُرِيْدُ أَنْ تُمِيْتَهَا مَوْتَتَيْنِ. (الترغيب والترهيب مكمل ۲۵۷ رقم: ۱۶۹۴، والحاكم ۲۳۱/۴)

یہ کام اس سے پہلے کیوں نہ کرلیا؟ کیا تم اسے دو مرتبہ مارنا چاہتے ہو (یعنی مرنے سے پہلے ماردینا چاہتے ہو)

اور ایک روایت میں ہے کہ پیغمبر علیہ السلام نے جانوروں سے چھپا کر چھری تیز کرنے کا حکم دیا؛ تاکہ جانور کو ذہنی اذیت نہ ہو۔ (الترغیب والترہیب مکمل ۲۵۷ رقم: ۱۶۹۵، ابن ماجہ ۲۲۹/۲ رقم: ۳۱۷۲)

اسی طرح مروی ہے کہ پیغمبر علیہ السلام نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ بکری کا پیر پکڑ کر کھینچتے ہوئے اسے ذبح کے لئے لے جا رہا ہے، تو آپ نے بکری کو صبر کرنے کا اور اس شخص کو بکری کے ساتھ نرمی کرنے کا حکم دیا۔ (الترغیب والترہیب مکمل ۲۵۷ رقم: ۱۶۹۹، مصنف عبدالرزاق ۴/۴۹۳)

اَفسوس ہے کہ آج کل مذبح خانوں اور مرغی خانوں میں جانوروں اور مرغیوں کی جو درگت بنائی جاتی ہے، وہ نبوی اِرشادات کے بالکل برخلاف ہے؛ اس لئے ضرورت ہے کہ ان تعلیمات کو عام کیا جائے اور ان پر عمل کی کوشش کی جائے۔

جانور کے چارے کا خیال رکھیں

حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے، آپ قضائے حاجت کے لئے ایک انصاری کے باغ میں تشریف لے گئے، تو وہاں ایک اُونٹ آپ کی خدمت میں آکر گڑگڑانے لگا، جب کہ اُس کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اُس کی حالت دیکھ کر افسوس ہوا، اور آپ کی آنکھیں ڈبڈبا آئیں، پھر آپ نے اس اونٹ کی پیٹھ اور گدی پر ہاتھ پھیرا، تو وہ اونٹ پرسکون ہوگیا، اس کے بعد آپ نے پوچھا کہ: ''اس اونٹ کا مالک کون ہے''؟ چناں چہ ایک انصاری جوان سامنے آیا اور عرض کیا کہ: ''اے اللہ کے رسول! یہ اُونٹ میرا ہے''، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

أَمَا تَتَّقِي اللّٰهَ فِي هٰذِهِ الْبَهِيْمَةِ الَّتِيْ مَلَّكَهَا اللّٰهُ لَكَ؟ إِنَّهُ شَكَا إِلَيَّ أَنَّكَ تُجِيْعُهُ وَتُدْئِبُهُ. (مسند أحمد ۲۰٤/۱ رقم: ۱۷٤٥، شمائل الرسول ۲٦٦)

اس جانور کے بارے میں تم اللہ سے نہیں ڈرتے؟ جسے اللہ نے تمہاری ملکیت میں دے رکھا ہے، یہ اونٹ مجھ سے شکایت کر رہا تھا کہ تم اسے بھوکا رکھتے ہو اور اس کی طاقت سے زیادہ کام لیتے ہو۔

بعض روایات میں ہے کہ ایک بوڑھے اونٹ نے آپ سے شکایت کی کہ اس کا مالک اسے بڑھاپے کی وجہ سے ذبح کرنا چاہتا ہے، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنے کی تلقین فرمائی۔

جانوروں پر کھڑے کھڑے بات نہ کریں

اسی طرح پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جانوروں پر سواری کی حالت میں کھڑے کھڑے بات کرنے سے منع فرمایا ہے؛ اس لئے کہ اس کی وجہ سے جانور پر بلاوجہ کا بوجھ ہوتا ہے اور اسے تکلیف ہوتی ہے۔ حضرت معاذ بن اَنس جہنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ پیغمبر علیہ السلام کا گذر ایسے لوگوں پر ہوا جو اپنی اونٹنیوں پر کجاوے سمیت کھڑے تھے، (اور باتیں کررہے تھے) تو نبی اکرم علیہ السلام نے ان کے اس فعل پر نکیر فرمائی اور ارشاد فرمایا:

اِرْکَبُوْهَا سَالِمَةً وَدَعُوْهَا سَالِمَةً وَلاَ تَتَّخِذُوْهَا كَرَاسِيَّ لِأَحَادِيْثِكُمْ فِي الطُّرُقِ وَالأَسْوَاقِ فَرُبَّ مَرْكُوْبَةٍ خَيْرٌ مِّنْ رَاكِبِهَا وَأَكْثَرُ ذِكْراً لِلّٰهِ تَعَالٰى مِنْهُ. (رواه الحاكم ٤٤٤/١ وغيره، الآداب الشرعية ٢٤٨)

سلامتی کے ساتھ جانوروں پر سوار ہو اور سلامتی ہی کے ساتھ ان کو سواری سے فارغ کرو، اور انہیں راستوں اور بازاروں میں اپنی گفتگو کے لئے کرسی مت بناؤ؛ اس لئے کہ بہت سی سواریاں سوار کے مقابلہ میں بہتر اور اس سے زیادہ اللہ تعالیٰ کی یاد کرنے والی ہوتی ہیں۔

معلوم ہوا کہ جانوروں کو ممبر اور کرسی بنا کر انہیں مشقت میں نہ ڈالا جائے؛ بلکہ ان سے بقدرِ تحمل سواری ہی کا کام لیا جائے۔ ایک اور روایت میں نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس بارے میں ارشاد فرمایا:

إِيَّاكُمْ أَنْ تَتَّخِذُوْا ظُهُوْرَ دَوَابِّكُمْ مَنَابِرَ؛ فَإِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى إِنَّمَا سَخَّرَهَا لَكُمْ لِتُبَلِّغَكُمْ إِلٰى بَلَدٍ لَّمْ تَكُوْنُوْا بَالِغِيْهِ إِلَّا بِشِقِّ الْأَنْفُسِ، وَجَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ فَعَلَيْهَا فَاقْضُوْا حَوَائِجَكُمْ. (رواه أبو داؤد عن أبي هريرةؓ

جانوروں کی پیٹھوں کو ممبر بنانے سے بچو؛ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے ان جانوروں کو تمہارے قابو میں اس مقصد سے فرمایا ہے؛ تاکہ تم کو وہ (سوار کرکے) ایسے علاقوں تک پہنچا سکیں جہاں تم بغیر مشقت کے نہیں پہنچ سکتے، اور تمہارے لئے اللہ نے زمین پیدا فرمائی ہے سو اس پر (کھڑے

یا بیٹھے)اپنی ضرورتیں پوری کیا کرو۔ ٣٤٧/٢ رقم: ٢٥٦٧، الأداب الشرعية ٢٤٨)

رحمتِ عالم، نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اِن اِرشادات سے جانوروں پر رحم وکرم کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

کتے کو پانی پلانے پر مغفرت

اور یہ شفقت صرف پالتو جانوروں کے ساتھ ہی نہیں ہے؛ بلکہ کسی بھی جانور کے ساتھ اگر آدمی رحم وکرم کا معاملہ کرے گا تو وہ مستحقِ اجر وثواب ہوگا۔ چناں چہ مشہور روایت ہے کہ نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ: ''ایک شخص کہیں جا رہا تھا اسے پیاس لگی وہ ایک کنویں کے قریب گیا، تو وہاں دیکھا کہ ایک کتا پیاس سے بے حال ہے اور کیچڑ چاٹ رہا ہے، اسے اندازہ ہوا کہ جس طرح مجھے پیاس لگ رہی ہے یہ جانور بھی پیاس سے بے تاب ہو رہا ہے؛ اس لئے اس نے چمڑے کے موزے کو ڈول بنایا اور کنویں میں اتر کر اس سے پانی بھرا اور منہ سے موزہ پکڑ کر اوپر آیا اور پیاسے کتے کو پانی پلایا، اللہ تعالیٰ کو اس کی یہ ادا ایسی پسند آئی کہ محض اس کے اس عمل پر بخشش کا فیصلہ ہوگیا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اس بات پر بڑا تعجب ہوا کہ: ''کیا جانوروں کے ساتھ حسنِ سلوک میں بھی ثواب ہے''؟ تو نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا:

فِـيْ كُلِّ كَبِدٍ رَطْبَةٍ أَجْرٌ. (بخاري ٣١٨/١ رقم: ٢٣٦٣، مسلم ٢٣٧/٢ رقم: ٢٢٣٣، ابوداؤد ٣٤٥/١ رقم: ٢٥٥٠، صحح ابن حبان رقم: ٥٤٥، موطا ملك ٥٨٣/ رقم: ٢٣ كتاب صفة النبيؐ)

ہر تر کلیجے میں اجر وثواب ہے۔

بلی کو ستانے پر عذاب

اس کے برخلاف بعض روایات میں ہے کہ ایک عورت نے اپنے گھر بلی پال رکھی تھی جسے وہ بھوکا باندھ کر رکھتی تھی، اور اسے چھوڑتی نہیں تھی کہ اپنی غذا خود تلاش کرے، تا آں کہ وہ بھوکی مرگئی، تو یہی ظلم اس کے جہنم میں جانے کا سبب بن گیا۔ (بخاری شریف ۳۱۸/۱)

اور ایک روایت میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ''میں نے نماز کسوف میں جہنم کے معائنہ کے دوران ایک عورت کو دیکھا جسے ایک بلی نوچ رہی تھی، میں نے پوچھا کہ اس کو کیا ہوا؟ تو جواب ملا کہ اس نے بلی کو باندھ رکھا تھا؛ تا آں کہ وہ بھوک کی وجہ سے مرگئی تھی'' (اس لئے اسے یہ عذاب ہورہا ہے)۔ (بخاری شریف ۱/۳۱۸ حدیث: ۲۳۶۴)

لہٰذا جن گھروں میں پالتو جانور پلے رہتے ہیں انہیں ان کے چارے اور غذا کا مناسب انتظام کرنا لازم ہے، ورنہ ان بے زبانوں کو ستانے پر عند اللہ سخت مؤاخذہ ہوگا۔

جانوروں کو آگ میں جلانا جائز نہیں

کسی بھی جانور کو حتی کہ چیونٹی وغیرہ کو جان بوجھ کر آگ میں جلانا جائز نہیں ہے، نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا کہ: ''آگ سے عذاب دینے کا حق صرف اللہ کو ہے''۔ (بخاری شریف ۱/۴۲۳ حدیث: ۳۰۱۶)

ایک روایت میں ہے کہ نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک جگہ یہ دیکھا کہ: ''چیونٹیوں کے بلوں کو آگ میں جلادیا گیا تھا''، تو آپ نے پوچھا کہ یہ حرکت کس نے کی؟ بعض صحابہ نے اقرار کرلیا تو پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا:

إِنَّهُ لاَ يَنْبَغِي أَنْ يُّعَذِّبَ بِالنَّارِ إِلاَّ رَبُّ النَّارِ. (بخاري ٤٢٣/١ رقم: ٣٠١٦، سنن أبي داؤد ٣٦٢/٢ رقم: ٢٦٧٥، الأداب الشرعية ٢٤٧)

سوائے آگ کے پیدا کرنے والے (اللہ) کے کسی کے لئے آگ کا عذاب دینا زیب نہیں دیتا۔

جانوروں میں لڑائی کرانا ممنوع ہے

جانوروں کے ساتھ حسن سلوک کی تعلیم دیتے ہوئے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کو آپس میں لڑانے کے کھیل تماشوں سے سختی سے منع فرمایا ہے، خواہ یہ لڑائی چوپایوں میں ہو یا پرندوں میں، سب ممنوع ہے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے چوپایوں کے

درمیان لڑائی کرانے سے منع فرمایا ہے۔ (ترمذی شریف: ۱۷۰۸، ابوداؤد شریف: ۲۵۶۲، الآداب الشرعیہ ۲۳۷)

بہت سے لوگوں کو سانڈوں اور مرغوں کی لڑائی وغیرہ سے بڑی دل چسپی ہوتی ہے، تو یہ عمل نہ صرف یہ کہ لغو اور بیکار ہے؛ بلکہ جانوروں کے لئے بھی سخت تکلیف دہ ہے، اسلام ایسے واہیات مشاغل کی ہرگز اجازت نہیں دے سکتا، اور بالخصوص کسی مسلمان کو یہ زیب نہیں دیتا کہ وہ ایسے لغو کاموں میں اپنے قیمتی اوقات کو ضائع کرے۔

زندہ جانوروں کی نشانہ بازی منع ہے

کسی جانور مثلاً چڑیا وغیرہ کو زندہ لٹکا کر اسے نشانہ بازی میں استعمال کرنا بھی شریعت میں ممنوع ہے۔ حدیث میں وارد ہے کہ:

نَهٰـى رَسُـوْلُ اللّٰـهِ ﷺ أَنْ يُّتَّـخَذَ الرُّوْحُ غَرَضاً. (مسند أحمد بن حنبل حديث: ٢٤٧٤ وغيره)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جاندار کو نشانہ بنانے سے منع فرمایا ہے۔

اور بعض روایات میں اس عمل کو قابل لعنت قرار دیا گیا ہے۔ (بخاری شریف حدیث: ۵۵۱۳، مسلم شریف حدیث: ۱۹۵۶، جامع المہلکات ۵۲۹)

اسی طرح کسی چڑیا وغیرہ کو بلاوجہ شکار کر کے پھینک دینا بھی ظلم ہے، حدیث میں ہے کہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ: ''جو شخص کسی چڑیا وغیرہ کو بلاوجہ مارے گا تو قیامت میں وہ چڑیا اللہ تعالیٰ کے دربار میں فریاد کرے گی کہ اے میرے رب! فلاں شخص نے مجھے بے کار مار ڈالا تھا اور کسی نفع کے مقصد سے مجھے نہیں مارا تھا''۔ (نسائی شریف حدیث: ۴۴۵۸، الترغیب والترہیب ۲۵۷، جامع المہلکات ۵۳۲)

اس لئے شکار کے شوقین حضرات کو اس بات کا خاص طور پر خیال رکھنا چاہئے کہ کسی بھی جانور کو بلا فائدہ نہ ماریں، اور جو جانور شکار کریں اس کا گوشت بیکار نہ پھینکیں؛ بلکہ اسے کار آمد بنانے کی حتی الامکان کوشش کریں؛ کیوں کہ شریعت میں شکار کی اجازت محض شوق پورا کرنے کے لئے نہیں ہے؛ بلکہ ضرورت کے لئے ہے۔ بلاضرورت شکار کا مشغلہ ''کارِ بیکاراں'' ہے۔

جانوروں کے بچوں کو ماں سے علیحدہ نہ کریں

اللہ تعالیٰ نے جانوروں اوران کے بچوں میں بھی آپس میں محبتیں رکھی ہیں، جس طرح انسان اپنی اولاد کی جدائی سے پریشان اور بےچین ہوتا ہے، اسی طرح جانور بھی اپنے چھوٹے بچوں کے فراق میں بےچین ہوجاتے ہیں؛ اس لئے بلا وجہ ان کے بچوں کو ان سے دور کرنا اسلام میں منع ہے۔ حضرت عبداللہ سے روایت ہے کہ ہم لوگ ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سفر میں تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قضائے حاجت کے لئے تشریف لے گئے تو ہم نے ایک بلبل دیکھی جس کے ساتھ اس کے دو چوزے تھے، پس ہم نے وہ چوزے پکڑ لئے وہ بلبل آئی اور زمین پر پَر بچھا کر بیٹھ گئی، نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام جب تشریف لائے تو آپ نے پوچھا کہ: ''اس چڑیا کو اپنے بچے کی طرف سے کس نے پریشان کیا؟ اس کے بچے اسے لوٹا دو''۔ (ابوداؤد شریف:۲۶۷۵، الآداب الشرعیہ۲۴۷/)

ان پاکیزہ ہدایات سے اسلام کی رحم دلانہ تعلیمات کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے، یہی وہ عظیم انسانیت نواز تعلیمات ہیں جن پر امن عالم کا مدار ہے، اگر دنیا ان اصولوں کو اپنالے تو عالم کے چپہ چپہ پر امن وعدل قائم ہوجائے، اور ظلم وناانصافی کا دروازہ بند ہوجائے۔ آج جو لوگ اپنی ذہنی مرعوبیت کی وجہ سے ہر خوبی کو یوروپ اور مغرب کی طرف منسوب کرنے کی ناکام کوشش کرتے ہیں وہ جب رحمتِ عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی درج بالا تعلیمات پر نظر ڈالیں گے، تو انہیں پتہ چلے گا کہ آج دنیا میں جہاں جہاں بھی عالمی حقوق کا حوالہ دیا جاتا ہے وہ کسی نہ کسی طرح محسنِ انسانیت فخرِ عالم، محبوبِ رب العالمین اور مشفقِ اعظم، خاتم النبیین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ۱۴/سو سال پہلے دی گئی ہدایات ہی کا چربہ ہیں۔ دنیا آج جس مقام پر پہنچنے کی تگ ودو کر رہی ہے، پیغمبر علیہ السلام کی طرف سے اس کی رہنمائی صدیوں پہلے کی جاچکی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو؛ بلکہ پوری اِنسانیت کو ان ہدایات پر عمل کی توفیق عطا فرمائیں، آمین۔

بارہویں فصل:

بحث ومباحثہ میں ''احسان''

عام طور پر یہ دیکھا گیا ہے کہ کسی بھی معاملہ میں بحث ومباحثہ کرتے وقت آدمی جذبات میں مغلوب ہوجاتا ہے، اور اپنی حدود پر قائم نہیں رہتا، جس کی بناپر ضد میں اضافہ ہوجاتا ہے اور اصلاح کی راہیں مسدود ہوجاتی ہیں؛ اس لئے ایک اہم ترین اسلامی تعلیم یہ ہے کہ مباحثہ اور مناظرہ کے موقع پر سنجیدہ اور مہذب طریقہ اپنایا جائے۔ اگر کسی کو اپنی بات کا قائل کرانا مقصود ہو تو اس کے شبہات واشکالات پر چراغ پا ہونے کے بجائے خوبصورت انداز میں اسے مطمئن کرنے کی کوشش کی جائے۔ قرآنِ کریم میں نبی اکرم ﷺ کو خطاب کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے ہدایت فرمائی ہے:

اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَۃِ وَالْمَوْعِظَۃِ الْحَسَنَۃِ وَجَادِلْھُمْ بِالَّتِیْ ھِیَ اَحْسَنُ. (النحل: ۱۲۵)	آپ اپنے رب کے راستہ کی طرف بلایئے حکمت اور اچھی نصیحت سے، اور ان کے ساتھ بحث کیجئے جس طریقہ پر بہتر ہو۔

اس آیت کی جامع تفسیر فرماتے ہوئے حکیم الامت، مجدد الملت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی نوراللہ مرقدہٗ نے ارشاد فرمایا:

''حکمت سے وہ طریق دعوت مراد ہے جس میں مخاطب کے احوال کی رعایت سے ایسی تدبیر اختیار کی گئی ہو جو مخاطب کے دل پر اثر انداز ہوسکے، اور نصیحت سے مراد یہ ہے کہ خیرخواہی وہمدردی کے جذبہ سے بات کہی جائے، اور اچھی نصیحت سے مراد یہ ہے کہ عنوان بھی نرم ہو، دل خراش اور توہین آمیز نہ ہو، اور ان کے ساتھ اچھے طریقہ سے بحث کیجئے، یعنی اگر بحث ومباحثہ کی

نوبت آ جائے تو وہ بھی شدت اور خشونت سے اور مخاطب پر الزام تراشی اور بے انصافی سے خالی ہونا چاہئے''۔ (معارف القرآن ۵/۴۱۸)

دراصل تمام پیغمبروں کا یہی اسوۂ مبارکہ رہا کہ انہوں نے اپنی قوموں کی گستاخیوں کے جواب میں کوئی غلط کلمہ زبان سے نہیں نکالا؛ بلکہ نہایت وقار اور تدبر کے ساتھ مناسب جواب دیتے رہے۔ اور واقعہ یہ ہے کہ اس بات کا خیال رکھے بغیر دعوت ونصیحت کا حق ادا ہو ہی نہیں سکتا، اور لوگوں کو اپنے سے قریب کرنے کے لئے بد سے بدتر شخص کے ساتھ بھی نرم رویہ اپنانا ناگزیر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جب حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام کو نبوت سے سرفراز فرمایا اور انہیں فرعون کی طرف داعی بنا کر بھیجا، تو خاص طور پر یہ ہدایت دی گئی:

فَقُوْلاَ لَهٗ قَوْلاً لَّيِّناً لَعَلَّهٗ يَتَذَكَّرُ اَوْ يَخْشٰى. (طٰهٰ: ٤٤)

پس اس سے کہو نرم بات، شاید کہ وہ نصیحت قبول کرے یا ڈرے۔

اسی طرح پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کو جن کامل اخلاق سے نوازا گیا ان میں ایک ممتاز صفت نرم روی اور خوش دلی کی تھی، جس کا ذکر قرآنِ کریم میں ان الفاظ میں کیا گیا:

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ، وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَا انْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ، فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ. (آل عمران: ١٥٩)

پس اللہ ہی کی رحمت ہے کہ آپ ان کے لئے نرم دل ہیں، اور اگر آپ ہوتے بدخلق اور سخت دل تو وہ سب آپ کے پاس سے تتر بتر ہو جاتے؛ اس لئے آپ ان سے درگذر کیجئے اور ان کے لئے مغفرت مانگئے اور کاموں کے سلسلہ میں ان سے مشورہ لیتے رہا کیجئے۔

انہی صفات کا اثر تھا کہ جو شخص بھی آپ سے قریب ہوتا، آپ کے کریمانہ اخلاق کی بدولت آپ کی محبت اس کے دل میں جا گزیں ہو جاتی، اور بڑے سے بڑا دشمن آپ کے شاندار برتاؤ کو دیکھ کر دل سے جانثار ہو جاتا۔

برے لوگوں کے ساتھ بھلائی کمال ہے

اچھے لوگوں کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنا کوئی بڑا کمال نہیں ہے؛ لیکن برے لوگوں کے ساتھ اخلاق سے پیش آنا واقعی بڑے کمال کی بات ہے، یہی وہ ''خلق عظیم'' تھا جو جناب رسول اللہ ﷺ کو عطا ہوا تھا۔ ذرا کوئی تصور کرسکتا ہے اس وقت کا عالم جب خدا کا یہ محبوب بندہ طائف کی گلیوں میں وہاں کے اوباشوں کی سنگ باری سے لہولہان ہورہا تھا، زخموں سے بدن چور تھا، تکلیف کی ٹیسیں اٹھ رہی تھیں، اس وقت ان اوباشوں کی شرارت پر جس قدر بھی بددعا کی جاتی بجا تھی؛ لیکن رحمۃ للعالمین، محبوب رب العالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بعد میں پہاڑوں پر مامور فرشتے کی اس پیش کش پر کہ اگر ''آپ حکم دیں تو ان پہاڑیوں کو آپس میں ملا کر سارے طائف والوں کو صفحۂ ہستی سے مٹا دیا جائے'' --وہ جواب دیا جو انسانیت کی تاریخ کے صفحات پر سنہرے حروف سے نقش ہوکر امر ہوگیا کہ-- ''نہیں! میں تو یہ چاہتا ہوں کہ ان کی نسلوں سے ایسے لوگ پیدا ہوں جو خدائے واحد کی پرستاری کرنے والے ہوں''۔ (صحیح البخاری ۱/۴۵۸ حدیث ۳۱۲۷ صحیح مسلم ۱۰۹/۲، الروض الانف ۲۳۵/۲)

نیز رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے موقع پر اپنے جانی دشمنوں کے ساتھ جس عفو وکرم اور درگذر کا نمونہ پیش کیا، اس کی نظیر پیش کرنے سے دنیا عاجز ہے اور عاجز رہے گی۔ (البدایہ والنہایہ ۲۸۶/۴)

اسی طرح مدینہ منورہ ہجرت کرنے کے بعد منافقوں کے خبیث ٹولہ سے آپ کا مسلسل واسطہ پڑا، جو شرارت کے کسی بھی موقع کو ہاتھ سے جانے نہ دیتے تھے؛ لیکن پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ان کے ساتھ عمومی برتاؤ کریمانہ ہی رہا، حتی کہ منافقوں کا وہ سردار ''عبداللہ بن ابی بن سلول'' جس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حرم محترم کو ذلیل کرنے کی ناپاک سازش رچی تھی۔ اس کے انتقال پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کفن کے لئے اپنا کرتہ مبارکہ عنایت فرمایا، اور اس کی جنازے کی نماز تک پڑھائی (اگرچہ بعد میں اس پر قرآن میں ممانعت آگئی) اور بوقت تدفین اس کی نعش اپنی ران پر رکھ کر اس کے منہ میں اپنا مبارک لعابِ دہن بھی ڈالا۔ (بخاری شریف، کتاب الجنائز حدیث: ۱۳۵۰، ۱۸۰/۱)

روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ سلوک دیکھ کر عبداللہ بن ابی کی قوم ''خزرج'' کے ایک ہزار افراد نے اسلام قبول کرلیا۔ (الجامع لاحکام القرآن للقرطبی ۱۴۴/۴)

ذرا سوچیں کیا کسی دشمن کے ساتھ حسن سلوک کی کوئی مثال دنیا میں مل سکتی ہے؟

دوسری طرف ہمارا حال یہ ہے کہ بس جہاں کسی سے ناگواری ہوئی، اس سے زندگی بھر کی دشمنی بٹھالی، اور اس کی ساری اچھائیوں کو منٹوں میں فراموش کردیا، اس کے درپئے آزار ہوگئے، اور اسے ذلیل کرنے کا موقع تلاش کرنے لگے۔ ظاہر ہے کہ یہ طریقہ قرآن وسنت کی تعلیمات کے بالکل برخلاف ہے، اس طرز عمل سے امن و عافیت کی زندگی ہرگز نصیب نہیں ہوسکتی؛ بلکہ جہاں یہ بے احتیاطی ہوگی وہاں انتشار لازم ہے۔ دنیا میں اچھائی اور برائی، اچھے اور برے لوگ ہر جگہ رہے ہیں اور رہیں گے؛ لہٰذا برائی کا مقابلہ برائی سے کرنا بجائے خود برائی کہلائے گا، برائی کبھی بھی برائی سے نہیں مٹ سکتی، برائی جب بھی مٹے گی اچھائی سے مٹے گی۔ اسی لئے قرآن پاک میں اس بات پر زور دیتے ہوئے ارشاد فرمایا گیا:

اِدْفَعْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ السَّیِّئَةَ، نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا یَصِفُوْنَ. وَقُلْ رَّبِّ اَعُوْذُ بِکَ مِنْ هَمَزَاتِ الشَّیٰطِیْنِ، وَاَعُوْذُ بِکَ رَبِّ اَنْ یَّحْضُرُوْنَ.

(المؤمنون : ۹۶-۹۸)

برائی کا دفعیہ ایسی خصلت سے کرو جو اچھی ہو، ہم خوب جانتے ہیں جو کچھ یہ لوگ بیان کرتے ہیں۔ اور آپ یہ دعا فرمائیے کہ: ''اے میرے پروردگار! میں شیطان کے وسوسوں سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔ اور پروردگار! اس سے بھی پناہ چاہتا ہوں کہ وہ میرے پاس آئیں''۔

ایک دوسری جگہ مزید وضاحت سے تاکید کی گئی:

وَلَا تَسْتَوِی الْحَسَنَةُ وَلَا السَّیِّئَةُ، اِدْفَعْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ، فَاِذَا الَّذِیْ بَیْنَکَ وَبَیْنَهٗ عَدَاوَةٌ کَاَنَّهٗ

اور نیکی اور برائی برابر نہیں ہوسکتی، برائی کو ایسی خصلت سے دفع فرمائیے جو بہت بہتر ہو، پھر وہ شخص کہ جس میں اور آپ میں دشمنی ہے گویا کہ

وَلِیٌّ حَمِیْمٌ. وَمَا یُلَقّٰهَآ اِلَّا الَّذِیْنَ صَبَرُوْا وَمَا یُلَقّٰهَآ اِلَّا ذُوْ حَظٍّ عَظِیْمٍ. وَاِمَّا یَنْزَغَنَّکَ مِنَ الشَّیْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ، اِنَّهٗ هُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ.

(حم السجدة: ٣٤-٣٦)

وہ جگری دوست بن جائے گا، اور یہ خصلت انہیں کو عطا ہوتی ہے جو صبر کرتے ہیں اور یہ بات انہیں کو سکھلائی جاتی ہے جو بڑے خوش نصیب ہیں، اور اگر آپ کو شیطان کی طرف سے کوئی وسوسہ باز رکھے تو اللہ سے پناہ مانگئے، بے شک وہ سننے والا جاننے والا ہے۔

مذکورہ دونوں آیات میں ایک اہم قابل توجہ بات یہ ہے کہ ناگوار باتوں کے جواب میں صبر وتحمل کی تعلیم کے فوراً بعد شیطان سے پناہ مانگنے کی تاکید کی گئی؛ کیوں کہ شیطان کی پوری کوشش یہی ہوتی ہے کہ وہ آپس میں بدمزگی پیدا کردے، اور فریقین کو غصہ دلاکر باہم برسرِ پیکار کرادے۔ اُمت میں جتنے بھی اختلافات ہوئے، ان کی ابتدا اسی شیطانی کوشش سے ہوئی کہ معمولی بحث بازی عظیم انتشار اور لمحوں کی خطا صدیوں کی سزا کی وجہ بن گئی۔ ابتداء میں لڑائی بہت اچھی معلوم ہوتی ہے؛ لیکن اس کا انجام ہمیشہ حسرت اور افسوس کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے۔ حضرت امام بخاریؒ نے خلف ابن حوشبؒ کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ پرانے لوگ فتنوں کے وقت بطور تمثیل درج ذیل اشعار خصوصیت سے پڑھا کرتے تھے: (تاکہ لوگ لڑائی سے باز آجائیں)

اَلْحَرْبُ أَوَّلُ مَا تَکُوْنُ فُتَیَّةً ❖ تَسْعٰی بِزِیْنَتِهَا لِکُلِّ جَهُوْلٖ
حَتّٰی إِذَا اشْتَعَلَتْ وَشَبَّ ضِرَامُهَا ❖ وَلَّتْ عَجُوْزاً غَیْرَ ذَاتِ حَلِیْلٖ
شَمْطَاءُ یُنْکَرُ لَوْنُهَا وَتَغَیَّرَتْ ❖ مَکْرُوْهَةٌ لِلشَّمِّ وَالتَّقْبِیْلٖ

(بخاری شریف ۲/۱۰۵۱)

ترجمہ :- شروع شروع میں لڑائی ہر جاہل (ناعاقبت اندیش) کے سامنے ایک دل ربا دوشیزہ کی شکل میں ظاہر ہوتی ہے، جو اپنی تمام رعنائیوں کے ساتھ جلوہ گر ہو۔ تا آں کہ جب لڑائی کی آگ بھڑک اٹھتی ہے اور اس کی لپٹیں تیز ہو جاتی ہیں تو وہ لڑائی ایک بے شوہر والی (رنڈوی) بڑھیا کی شکل اختیار کر لیتی ہے۔ جس کے بال سفید ہوں اور بدلی ہوئی رنگت ناگوار ہو، جسے چومنے

اور سونگھنے کو بالکل دل نہ چاہے۔

ان اشعار میں جو حقیقت بیان ہوئی ہے وہ تجربہ سے بالکل سچ ثابت ہے، کسی بھی بے فائدہ لڑائی کا انجام اچھا نہیں ہوتا؛ اس لئے بعد کی حسرت سے بچنے کا واحد راستہ یہ ہے کہ ابتداء ہی میں اختلافِ رائے کے وقت غصہ سے ہر ممکن طور پر احتراز کیا جائے، اور انصاف کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑا جائے؛ کیوں کہ غصہ آتے ہی کام بگڑ جاتا ہے، پھر اگر فوری طور پر اس پر قابو پالیا جائے تو فبہا، ورنہ رفتہ رفتہ وہ بگاڑ اتنا بڑھتا ہے کہ پھر کسی کے قابو میں نہیں رہتا، اسی لئے شریعت میں غصہ سے اور بدگوئی اور سخت کلامی سے بچنے کی سخت ہدایت کی گئی ہے۔

ارشادِ خداوندی ہے:

وَقُلْ لِعِبَادِیْ یَقُوْلُوْا الَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ، اِنَّ الشَّیْطٰنَ یَنْزَغُ بَیْنَهُمْ اِنَّ الشَّیْطٰنَ کَانَ لِلاِنْسَانِ عَدُوًّا مُّبِیْنًا. (بنی اسرائیل: ۵۳)

اور فرمایئے میرے بندوں سے کہ وہ بات ایسی کہیں جو بہتر ہو، بے شک شیطان ان میں جھڑپ کرا دیتا ہے، یقیناً شیطان انسان کا کھلا دشمن ہے۔

اس آیت کی تفسیر میں حضراتِ مفسرین نے لکھا ہے کہ اس کا نزول ایک خاص واقعہ میں ہوا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو کسی شخص نے نازیبا کلمات کہہ دئے، جس کے جواب میں آپ نے بھی سخت سست کہا اور اسے مارنے کا ارادہ کیا، اور اندیشہ ہوا کہ اس گرما گرمی کی وجہ سے قبائلی جنگ نہ شروع ہو جائے، اس ضمن میں یہ آیت نازل ہوئی۔ (تفسیر قرطبی ۲۴۹/۹، معارف القرآن ۴۹۷/۵)

لیکن یہ حکم کسی واقعہ کے ساتھ خاص نہیں؛ بلکہ عام ہے کہ ہر موقع پر زبان کو قابو میں رکھا جائے، اور سخت کلامی سے احتیاط کی جائے، اور فریق مخالف اگر سخت کلامی کرے تو عفو و درگذر سے کام لیا جائے۔ دلوں کو جیتنے کا اور دشمنوں کو دوست بنانے کا قرآنی نسخہ یہی ہے جو ہمیشہ تیر بہدف ثابت ہوا ہے، اور ہوتا رہے گا۔ اس کے برخلاف سخت کلامی اور انتقامی جذبہ اور دوسرے کو زچ کرنے اور ذلیل کرنے کا خیال ہمیشہ انجام کار حسرت کا سبب بنا ہے اور بنتا رہے گا، ہمیں زندگی

کے ہر موڑ پر اس حقیقت کو پیش نظر رکھنا چاہئے، انسانیت کا کمال یہی ہے۔

امیر المؤمنین سیدنا حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں:

سَلِيْمُ الْعِرْضِ مَنْ حَذَرَ الْجَوَابَا ❖ وَمَنْ دَارَى الرِّجَالَ فَقَدْ أَصَابَا

وَمَنْ هَابَ الرِّجَالَ تَهَيَّبُوْهُ ❖ وَمَنْ حَقَرَ الرِّجَالَ فَلَنْ يُهَابَا

(شعب الإيمان ٦/٤٤٣)

ترجمہ:- جو شخص جواب دینے میں احتیاط برتے اس کی عزت بچی رہتی ہے، اور جو شخص لوگوں سے اچھا برتاؤ کرے وہ سیدھی راہ پر ہے۔ اور جو لوگوں کی عزت کرتا ہے تو لوگ اس کو عزت سے نوازتے ہیں اور جو شخص لوگوں کو حقیر سمجھتا ہے اس کو عزت نصیب نہیں ہوتی۔

علمی بحث نفسانیت سے خالی ہونی چاہئے

علمی موضوعات میں دلائل اور فہم کے اعتبار سے اختلاف رائے ہونا ایک فطری امر ہے؛ لہٰذا ایسے معاملوں میں بحث کرتے وقت انصاف پسندی اور علمی وقار کا لحاظ رکھنا ضروری ہے۔ گفتگو خواہ زبانی ہو یا تحریری، بہر حال انصاف اور اخلاق کے دائرے میں رہنی چاہئے، اور اگر مخاطب کے موقف کے مقابلہ میں اپنی رائے کی کمزوری ظاہر ہو جائے تو بلا تکلف اپنی غلطی تسلیم کر لینی چاہئے، اس سے عزت میں کمی نہیں آتی؛ بلکہ عزت ووقار اور اعتماد میں مزید اضافہ ہوتا ہے، اس کے برخلاف حق سامنے آنے کے باوجود محض اپنی بات اوپر رکھنے کے لئے جھوٹی سچی تاویلات کے ذریعہ ضد اور ہٹ دھرمی پر اترے رہنا اور اپنی رائے کی پچ کرتے رہنا بڑی بےعزتی اور دنیا وآخرت میں خسارے کی بات ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

إِنَّ أَبْغَضَ الرِّجَالِ إِلَى اللّٰهِ الْأَلَدُّ الْخَصِمِ. (شعب الإيمان ٦/ ٣٤٠ رقم: ٨٤٢٩)

اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے مبغوض شخص وہ ہے جو سخت جھگڑالو ہو۔

نیز پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا:

مَا ضَلَّ قَوْمٌ بَعْدَ هُدًى كَانُوْا عَلَيْهِ إِلَّا أُوْتُوا الْجَدَلَ، ثُمَّ تَلَا رَسُوْلُ اللّٰهِ

کوئی بھی قوم اپنی ہدایت سے اسی وقت بھٹکتی ہے جب کہ ان میں (باطل موقف پر) جھک بازی

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هٰذِهِ الْاٰيَةَ : مَا ضَرَبُوْهُ لَکَ إِلَّا جَدَلاً، بَلْ هُمْ قَوْمٌ خَصِمُوْنَ. (ترمذی شریف، التفسير ١٦١/٢ رقم: ٣٢٥٣، مسند أحمد رقم : ٢٢٢٢٦)

اور ہٹ دھرمی شروع ہوجائے، پھر پیغمبر علیہ السلام نے یہ آیت پڑھی (جس کا ترجمہ یہ ہے) ان لوگوں (اہل مکہ) نے آپ سے جو مثال بیان کی ہے وہ محض جھگڑنے کے لئے ہے؛ بلکہ یہ لوگ جھگڑالو ہیں۔

اور حضرت بلال بن سعد رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے:

إِذَا رَأَيْتَ الرَّجُلَ لَجُوْجاً مُمَارِياً مُعْجِباً بِرَأْيِهٖ فَقَدْ تَمَّتْ خَسَارَتُهٗ. (شعب الإيمان ٣٤١/٦ رقم : ٨٤٣٥)

جب تم کسی کو اپنی بات پر پیچ کرنے والا جھگڑالو اور اپنی رائے کو سب سے اچھا سمجھنے والا دیکھو تو سمجھ لو کہ اس کا نقصان اپنی انتہاء کو پہنچ گیا ہے۔

امام شعبی رحمہ اللہ کا مقولہ ہے:

أَلْمِرَاءُ يُفْسِدُ الصَّدَاقَةَ الْقَدِيْمَةَ وَيَحُلُّ الْعُقَدَ الْوَثِيْقَةَ. (شعب الإيمان ٣٤١/٦)

جھک بازی پرانی دوستی کو خراب کر دیتی ہے، اور بند گرہوں کو کھول دیتی ہے۔

واضح رہے کہ علم دین اسی لئے نہیں سیکھا جاتا کہ اس کے ذریعہ جھک بازی کی جائے اور اپنی علمی دھاک لوگوں پر قائم کی جائے، جو اپنے علم سے ان حقیر مقاصد کو حاصل کرنے کی کوشش کرے گا اس کا انجام جہنم ہے۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا:

لَا تَعَلَّمُوْا الْعِلْمَ لِتُبَاهُوْا بِهِ الْعُلَمَاءَ أَوْلِتُمَارُوْا بِهِ السُّفَهَاءَ، أَو لِتَصْرِفُوْا بِهٖ وُجُوْهَ النَّاسِ إِلَيْكُمْ فَمَنْ فَعَلَ ذٰلِکَ فَهُوَ فِي النَّارِ. (سنن ابن ماجة ٢٣ رقم : ٢٥٤، معارف القرآن ٤٣١/٥)

علماء پر بڑائی جتانے، بے وقوفوں سے جھک کرنے یا اپنی جانب لوگوں کو متوجہ کرنے (اپنا معتقد بنانے) کی غرض سے علم مت سیکھو؛ کیوں کہ جو ایسا کرے گا اس کا ٹھکانہ جہنم ہے۔

اسی طرح کسی دوسرے عالم کو زبردستی اپنی رائے ماننے پر مجبور بھی نہیں کیا جا سکتا؛ بلکہ مناسب انداز میں اپنی بات پیش کر دینی چاہیے، پھر اگر مان لی جائے تو بہت اچھا ورنہ یہ نہ ہو کہ بس پیچھے ہی پڑ گئے اور اپنی ساری صلاحیت اپنی بات کو برتر ثابت کرنے پر جھونک دی، یہ بات علمی آداب اور عالمانہ طور طریقے کے خلاف ہے۔

حضرت امام مالکؒ کا قول ہے:

اَلْمِـرَاءُ وَالْجِدَالُ فِـيْ الْعِلْمِ يَذْهَبُ بِنُوْرِ الْعِلْمِ عَنْ قَلْبِ الْعَبْدِ وَقِيْـلَ لَـهُ: رَجُـلٌ لَـهُ عِلْمٌ بِالسُّنَّةِ فَهَلْ يُجَادِلُ عَنْهَا؟ قَالَ: لاَ وَلٰكِنْ يُـخْبِـرُ بِـالسُّـنَّةِ فَإِنْ قُبِلَ مِنْهُ وَإِلَّا سَكَتَ. (مقدمه أوجز المسالك ١/١٥ قديم، معارف القرآن ٥/٤٣١)

علم میں جھگڑا اور پیچ بازی آدمی کے دل سے علم کے نور کو مٹا دیتی ہے، اور امام مالکؒ سے پوچھا گیا کہ کسی شخص کے پاس حدیث اور سنت کا علم ہو تو کیا وہ اس کی روشنی میں مناظرہ کر سکتا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ: ”نہیں؛ بلکہ اپنی روایت لوگوں کے سامنے پیش کر دے اگر قبول کر لی جائے تو بہت اچھا ورنہ خاموش رہے“۔ (جھک نہ کرے)

ایک طرف یہ عالمانہ آداب ہیں، دوسری طرف ہمارا طرز عمل ہے کہ ایسے جزئیات اور مسائل میں جن میں اجتہاد کو کافی دخل ہوتا ہے، اس قدر زبانی و قلمی جولانیاں دکھائی جاتی ہیں گویا نجات کا سارا دار و مدار اسی مسئلہ پر رہ گیا ہو، جیسا کہ بہت سے لوگوں نے ”عمل بالحدیث“ کے جوش میں پوری دنیا میں معمولی معمولی مسائل پر نزاع وجدال کا بازار گرم کر رکھا ہے، اور سلف کا لقب لگا کر اسلاف کو مطعون کرنا اور ان کی تغلیط کرنا ہی گویا کہ ان کا واحد مشن بنا ہوا ہے، جس کی وجہ سے بھولے بھالے عوام سخت انتشار کا شکار ہو رہے ہیں۔ ایسے حضرات کو خوفِ خدا اور فکر آخرت کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے بحث و مناظرہ کے اسلامی آداب کو ملحوظ رکھنا چاہیے اور امت میں افتراق کے ناپسندیدہ عمل سے باز آنا چاہیے، ورنہ انجام سنگین ہوگا۔

برائی پر نکیر ضروری ہے مگر تحقیر روا نہیں

برائی دیکھ کر اس پر نکیر کرنا بلاشبہ ایک اچھا اور ضروری عمل ہے؛ لیکن اس میں بھی یہ لحاظ رہے کہ اس کا مقصد مخاطب کی تذلیل وتحقیر نہ ہو، برائی سے نفرت ہونی چاہئے؛ لیکن جو شخص برائی میں مبتلا ہے، اس سے دلی ہمدردی ہونی چاہئے، گویا کہ اس کو برائی کے دینی ودنیوی نقصان سے بچانے کے جذبہ ہی سے اس پر نکیر کی جائے، جب یہ جذبہ ہوگا اور مخاطب بھی یہ سمجھے گا کہ یہ ہمارا ہمدرد اور خیر خواہ ہے تو وہ یقیناً اثر قبول کرے گا، اور اگر اس نے یہ سمجھ لیا کہ یہ ہمیں ذلیل کرنا چاہتا ہے تو پھر وہ برائی میں مزید پختہ ہو جائے گا اور اس کی عزت نفس اسے برائی پر اور جری بنادے گی۔ اسی لئے ضروری ہے کہ عام مجامع میں کسی خاص شخص کو نشانہ بنا کر گفتگو نہ کی جائے، اور کسی فرد سے اگر کوئی غلطی سرزد ہو جائے تو تنہائی میں اسے متنبہ کیا جائے، اور اس کا مذاق نہ اڑایا جائے۔ امام شافعیؒ کا مقولہ ہے:

’’جس شخص کو کسی غلطی پر متنبہ کرنا ہے اگر تم نے اس کو تنہائی میں نرمی کے ساتھ سمجھایا تو یہ نصیحت ہے اور اگر برملا لوگوں کے سامنے اس کو رسوا کیا تو یہ فضیحت ہے‘‘۔ (معارف القرآن ۵/۴۳۲)

بعض حکماء کا مقولہ ہے:

مَنْ وَعَظَ أَخَاهُ سِراً زَانَهُ وَمَنْ وَعَظَهُ عَلاَنِيَةً شَانَهُ.

(المحاسن والمساوی ۲۷۲)

یعنی جو شخص اپنے بھائی کو تنہائی میں نصیحت کرے تو وہ اس کو عزت بخشے گا اور جو برسر عام نصیحت کرے گا تو وہ اس کی تذلیل کرے گا۔

بسا اوقات بعض لوگوں پر نہی عن المنکر کا ایسا غلبہ ہوتا ہے کہ وہ موقع محل کی رعایت نہیں رکھتے، اور پھر مستقل طور پر منکر میں مبتلا شخص سے دل میں ’’کد‘‘ بٹھالیتے ہیں، حتی کہ وہ اگر توبہ بھی کرلے پھر بھی اس کا ذکر استہزاء اور تحقیر کے ساتھ کرتے ہیں، حالاں کہ یہ نہایت خطرناک بات ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا کہ: ’’جس شخص نے دوسرے شخص کو کسی ایسے گناہ پر عار دلائی جس سے وہ توبہ کرچکا ہے، تو اللہ تعالیٰ اس عار دلانے والے کو اس

کی موت سے پہلے اس گناہ میں ضرور مبتلا فرمائیں گے‘‘۔ (ترمذی شریف ۲/۷۷)

اس لئے ایسے معاملات میں بہت احتیاط لازم ہے، کوئی شخص اپنے کو پاکیزہ نہ سمجھے، عصمت؛ صرف انبیاء علیہم السلام کے ساتھ خاص ہے، ان کے علاوہ کوئی شخص سو فیصد برائی سے محفوظ نہیں، اور عوام کی خوش اعتقادی یا خلقِ خدا کا رجوع قطعاً بے اعتبار چیز ہے ان سے دھوکہ میں نہ رہنا چاہئے، ان کی حیثیت پانی کے جھاگ سے زیادہ نہیں ہے، کامیاب آدمی وہی ہے جو اپنے محاسبہ سے کبھی غافل نہ رہے اور غلطی ہو جائے تو فوراً اس کا تدارک اور اس سے توبہ کرنے کی فکر کرے۔

ایک اہم دعا

تاہم آدمی بہرحال بشر ہے، اس سے بے خیالی میں یا جذباتیت میں لوگوں کے حقوق میں بے احتیاطی ہو ہی جاتی ہے، اب اس کی تلافی اور تدارک کیسے ہو؟ اس بارے میں نبی اکرم ﷺ کی یہ اہم دعا یادرکھنے کے قابل ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی شخص کے بارے میں نا روا بات کہنے سے متعلق یہ دعا فرمائی، جس میں اگرچہ تعبیر اپنی طرف سے ہے؛ لیکن دراصل امت کو تعلیم ہے کہ وہ اس طرح دعا کیا کریں:

اَللّٰهُمَّ إِنَّمَا مُحَمَّدٌ بَشَرٌ يَغْضَبُ كَمَا يَغْضَبُ الْبَشَرُ وَإِنِّيْ قَدْ اتَّخَذْتُ عِنْدَكَ عَهْدًا لَنْ تُخْلِفَنِيْهِ فَأَيُّمَا مُؤْمِنٌ اٰذَيْتُهٗ أَوْ سَبَبْتُهٗ أَوْ جَلَدْتُّهٗ فَاجْعَلْهَا لَهٗ كَفَّارَةً وَقُرْبَةً تُقَرِّبُهٗ بِهَا إِلَيْكَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ. (مسلم شريف ۳۲۳/۲، حديث: ۲٦۰۱)

اے اللہ! محمد بھی ایک انسان ہے، اسے بھی انسانوں کی طرح غصہ آتا ہے، میں نے آپ سے ایک عہد لیا ہے جس کے آپ خلاف نہ فرمائیں کہ جس مؤمن کو مجھ سے اذیت پہنچی ہو یا جسے میں نے برا بھلا کہا ہو، یا جس کو میں نے کوڑا مارا ہو، تو آپ اس بات کو اس کے لئے گناہوں کا کفارہ اور ایسی عبادت بنا دیجئے جس سے وہ آپ کا قیامت کے دن قرب حاصل کر سکے۔

اس لئے ہمیں ہر وقت اپنا جائزہ لیتے رہنے کی ضرورت ہے، یہ دنیا چندہ روزہ ہے، انتقام اور دنیا کی جھوٹی اور مصنوعی عزت یہیں رہ جائے گی، جب کہ حسن کردار اور اعلیٰ اخلاق یہاں بھی حقیقی عزت کا سبب ہوں گے، اور آخرت میں بھی رفع درجات کا سبب بنیں گے، انشاء اللہ تعالیٰ۔ اللہ تعالیٰ ہمیں خیر کی توفیق سے نوازیں، آمین۔

تیرہویں فصل:

معاملات میں ''احسان''

دنیا میں رہنے والے ہر انسان کو زندگی گذارنے کے لئے مالی معاملات سے دوچار ہونا لازم ہے، خرید وفروخت، لین دین، ہبہ، عاریت، قرض وغیرہ ایسی چیزیں ہیں جن سے وقتاً فوقتاً آدمی کو سابقہ پڑتا رہتا ہے۔ شریعت اسلامیہ یہ چاہتی ہے کہ ہر مسلمان معاملات کے اعتبار سے بھی ''احسان'' کے اعلیٰ مقام پر فائز ہو، اور اس سلسلہ میں اس کی ہر سرگرمی امتیازی کردار کی حامل ہو، معاملات میں ''احسان'' کا سب سے اہم پہلو یہ ہے کہ انسان ہر عقد میں حلال وحرام میں تمیز کرنے کا خاص اہتمام رکھے، اپنا ظاہری نقصان یا تنگی برداشت کرلے؛ لیکن حرام راستہ اپنانے کا خیال بھی دل میں نہ لائے۔ چناں چہ سیدنا حضرت حذیفہ بن الیمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اکھٹا فرمایا، جب حاضرین جمع ہوگئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ رب العالمین کے قاصد حضرت جبرئیل علیہ السلام نے میرے دل میں یہ بات القاء فرمائی ہے کہ:

لاَ تَـمُـوْتُ نَـفْـسٌ حَتّٰی تَسْتَكْمِلَ رِزْقَهـا، فَإِنْ أَبْطَأَ عَلَيْهَا فَاتَّقُوْا اللّٰهَ وَأَجْمِلُوْا فِيْ الطَّلَبِ وَلاَ يَحْمِلَنَّكُمْ إِسْتِبْـطَـاءُ الـرِّزْقِ أَنْ تَـأْخُـذُوْهُ بِـمَـعْـصِيَةِ الـلّٰـهِ فَـإِنَّ اللّٰهَ لاَيُنَالُ مَا

کوئی شخص اپنی روزی پوری وصول کئے بغیر مر نہیں سکتا، پس اگر روزی کے حصول میں تاخیر ہو (تو گھبراؤ نہیں ؛ بلکہ) اللہ سے ڈرو اور عمدگی کے ساتھ رزق طلب کرو، اور روزی میں تاخیر تمہیں اللہ کی نافرمانی پر ہرگز آمادہ نہ کرے؛ اس لئے

عِنْدَهُ إِلَّا بِطَاعَتِهِ. (رواه البزار، الترغيب والترهيب مكمل: ۳۸۹ رقم: ٢٦٤٨)

کہ اللہ تعالیٰ کے پاس جو خزانے ہیں انہیں اس کی اطاعت کے بغیر حاصل نہیں کیا جا سکتا۔

اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا کہ: ''اے لوگو! اللہ سے ڈرتے رہو اور رزق طلب کرنے میں عمدگی اختیار کرو؛ کیوں کہ کوئی بھی جاندار اس وقت تک مر نہیں سکتا جب تک کہ اپنے حصہ کا مقررہ رزق وصول نہ کرلے، اگر چہ اس میں کچھ تاخیر ہو جائے، اس لئے بہر حال اللہ سے ڈرو اور اچھے انداز میں رزق طلب کرو (یعنی) حلال راستے سے روزی کماؤ اور حرام ذرائع کو چھوڑ دو''۔ (سنن ابن ماجہ ۱؍۱۵۵ رقم: ۲۱۴۴، الترغیب والترہیب مکمل ۳۸۹ رقم: ۲۶۴۴)

یہ حدیث بالخصوص اُن لوگوں کے لئے خاص نصیحت ہے جو مالی تنگی سے دل برداشتہ ہو کر حرام ذریعہ سے کمائی میں لگ جاتے ہیں، تو انہیں اَچھی طرح سمجھ لینا چاہئے کہ اس حرام میں برکت ہرگز نہیں ہوسکتی، یہ مال حرام جیسے تیزی سے آتا ہے ویسے ہی تیزی سے بہہ بھی جاتا ہے، اور بے برکتی کا فساد پیچھے چھوڑ جاتا ہے، اس مال سے طبعی سکون ہرگز حاصل نہیں ہوسکتا؛ اس لئے کسی بھی مؤمن کو حرام کی طرف رغبت ہرگز نہیں ہونی چاہئے؛ بلکہ پوری دل جمعی اور شرح صدر کے ساتھ صرف اور صرف حلال راستہ اپنانے کی فکر ہونی چاہئے، اور یہ یقین رکھنا چاہئے کہ ہمارے نصیب میں جو روزی لکھی ہے وہ بہر حال ہمیں مل کر رہے گی۔ دنیا کی کوئی طاقت ہمارے حصہ کی روزی کو ہم سے نہیں روک سکتی۔

مال کے حصول میں ورع وتقویٰ مطلوب ہے

خلاصہ یہ کہ مسلمان کی آمدنی حرام سے پوری طرح پاک ہونی چاہئے اور حرام سے اس وقت تک بچاؤ نہیں ہوسکتا جب تک کہ مشتبہ معاملات سے بچنے کا اہتمام نہ ہو، اسی بات کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جامع حدیث میں بیان فرمایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

اَلْحَلَالُ بَيِّنٌ، وَالْحَرَامُ بَيِّنٌ،

حلال بھی واضح ہے اور حرام بھی واضح ہے، اور

وَبَيْنَهُمَا مُشْتَبِهَاتٌ لَا يَعْلَمُهُنَّ كَثِيْرٌ مِّنَ النَّاسِ، فَمَنِ اتَّقٰى الشُّبُهَاتِ اِسْتَبْرَأَ لِدِيْنِهٖ وَعِرْضِهٖ، وَمَنْ وَقَعَ الشُّبُهَاتِ وَقَعَ فِي الْحَرَامِ كَالرَّاعِيْ يَرْعٰى حَوْلَ الْحِمٰى، يُوْشِكُ أَنْ يَّرْتَعَ فِيْهِ، أَلَا وَإِنَّ لِكُلِّ مَلِكٍ حِمٰى، أَلَا وَإِنَّ حِمَى اللّٰهِ مَحَارِمُهٗ. أَلَا وَإِنَّ فِي الْجَسَدِ مُضْغَةً إِذَا صَلُحَتْ صَلُحَ الْجَسَدُ كُلُّهٗ وَإِذَا فَسَدَتْ فَسَدَ الْجَسَدُ كُلُّهٗ، أَلَا وَهِيَ الْقَلْبُ. (بخاری ۱۳/۱ رقم: ۵۲، مسلم ۲۸/۲ رقم: ۱۵۹۹، ترمذي ۲۲۹/۱)

ان دونوں کے درمیان مشتبہ معاملات ہیں، پس جو شخص شبہ کے معاملات سے بچا رہا وہ اپنا دین اور اپنی عزت دونوں کو بچالے گیا اور جو شخص شبہ والے کاموں میں پڑ گیا تو وہ حرام میں بھی مبتلا ہوجائے گا جیسے کہ وہ چرواہا جو ممنوعہ چرا گاہ کے قریب (جانوروں کو) چراتا ہے تو قریب ہے کہ اس کے جانور ممنوعہ علاقہ میں چر لیں۔ خبردار! ہر بادشاہ کا ایک ممنوعہ علاقہ ہوتا ہے اور اللہ کا ممنوعہ علاقہ اس کی حرام کردہ باتیں ہیں۔ اچھی طرح سن لیں کہ انسان کے بدن میں گوشت کا ایک لوتھڑا ہے وہ اگر درست ہے تو پورا بدن درست رہتا ہے اور وہ اگر بگڑ ے تو پورا بدن بگڑ جاتا ہے، خبردار وہ لوتھڑا آدمی کا دل ہے۔

اس جامع ترین حدیث سے صاف معلوم ہوگیا کہ حلال کو اختیار کرنا اور حرام سے بچنا تو لازم ہے ہی، ساتھ میں وہ تمام معاملات جن کی حلت وحرمت کے بارے میں تحقیق نہ ہو ان سے بچنا بھی ضروری ہے، اور جب بھی کوئی ایسا معاملہ سامنے آئے تو معتبر علماء ومفتیان سے رجوع کرکے شرعی حکم پر عمل کرنا چاہئے، اور اگر علماء ومفتیان کے درمیان حلت وحرمت میں اختلاف ہوجائے تو بھی افضل یہ ہے کہ حرمت کے پہلو کو ترجیح دی جائے؛ تاکہ آخرت میں مؤاخذہ کا خطرہ نہ رہے۔

اَفسوس ہے کہ آج کل بہت سے لوگ کاروباری معاملات میں شریعت کے حکم کو سامنے رکھنے کے بجائے صرف اور صرف مال کی کثرت پر نظر رکھتے ہیں، اور مشتبہ ہی نہیں؛ بلکہ خالص حرام

صورتوں کو پوری جسارت کے ساتھ اختیار کیے رہتے ہیں۔ اسی حالت کی پیش گوئی کرتے ہوئے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا تھا کہ: ''لوگوں پر ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ آدمی کو اس بات کی کچھ پروانہ رہے گی کہ جو مال وہ لے رہا ہے وہ حلال ہے یا حرام''؟ (بخاری شریف ۱/۲۷۶)

یعنی خوب دھڑلے سے حرام کاروبار ہوگا اور لوگوں کے دل سے اس کی حرمت کا احساس تک نکل جائے گا۔

بعینہٖ یہی صورتِ حال آج ہر جگہ نظر آتی ہے، اسی بے احتیاطی کی نحوست کی وجہ سے انسان عبادات کی لذت اور دلوں کی رقت اور نرمی سے محروم ہوجاتا ہے، اور طبعی سکون غارت ہوجاتا ہے، اس لئے اگر واقعی سکون اور مال واولاد میں حقیقی برکت مقصود ہو تو آمدنی میں پاکیزگی اور حرام ومشتبہ امور سے بچنا ناگزیر ہے۔

قابلِ مبارک باد انسان

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حلال آمدنی کا اہتمام کرنے والے اور ظاہر وباطن میں حکم شریعت کی پابندی کرنے والے شخص کی تعریف کرتے ہوئے بطور مبارک باد ارشاد فرمایا:

طُوبٰی لِمَنْ طَابَ كَسْبُهٗ وَصَلُحَتْ سَرِيرَتُهٗ وَكَرُمَتْ عَلَانِيَّتُهٗ وَعَزَلَ عَنِ النَّاسِ شَرَّهٗ، طُوبٰی لِمَنْ عَمِلَ بِعِلْمِهٖ، وَأَنْفَقَ الْفَضْلَ مِنْ مَالِهٖ وَأَمْسَكَ الْفَضْلَ مِنْ قَوْلِهٖ. (رواه الطبراني، الترغيب والترهيب مكمل ۳۹۳ رقم: ۲٦۸)

مبارک ہے وہ شخص جس کی کمائی پاکیزہ ہو، جس کے اندرونی (باطنی) معاملات درست ہوں، اور جس کا ظاہری عمل موجبِ عزت ہو، اور وہ لوگوں کو اپنے شر سے بچائے رکھے، مبارک ہے وہ شخص جو اپنے علم پر عمل کرے اور ضرورت سے زائد مال کار خیر میں خرچ کرے اور بے ضرورت بات زبان سے نہ نکالے۔

اس حدیث میں جن باتوں پر مبارک باد دی گئی ہے وہ واقعۃً ایک اچھے انسان کی پہچان ہیں، اور ہر انسان کو ایسا ہی اچھا انسان بننے کی کوشش کرنی چاہیے۔

ناپ تول میں نہایت احتیاط

اسلامی شریعت کا ایک تاکیدی حکم یہ ہے کہ آدمی کاروبار کرتے وقت ناپ تول میں درستگی کا خاص اہتمام رکھے، قرآنِ کریم کی متعدد آیات میں یہ مضمون وارد ہے۔ ایک جگہ ارشاد ہوا:

وَاَوْفُوْا الْکَیْلَ اِذَا کِلْتُمْ وَزِنُوْا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِیْمِ، ذٰلِکَ خَیْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِیْلاً. (بنی اسرائیل: ۳۵)

اور ناپ پورا بھرو جب ناپ کر دینے لگو، اور سیدھی ترازو سے تولا کرو، یہ عمل بہتر ہے اور اس کا انجام اچھا ہے۔

اور سورۂ رحمٰن میں بہت سی عالی مخلوقات کی قسمیں کھا کر اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

اَلَّا تَطْغَوْا فِیْ الْمِیْزَانِ، وَاَقِیْمُوْا الْوَزْنَ بِالْقِسْطِ وَلاَ تُخْسِرُوْا الْمِیْزَانَ. (الرحمٰن: ۸-۹)

کہ ترازو میں (لیتے وقت) زیادتی نہ کرو، اور انصاف کے ساتھ سیدھی ترازو سے تولو، اور (دیتے وقت) تول کو مت گھٹاؤ۔

اسی طرح سورۂ تطفیف میں ناپ تول میں گڑبڑ کرنے والوں کی سخت مذمت کرتے ہوئے ارشاد ہوا:

وَیْلٌ لِّلْمُطَفِّفِیْنَ الَّذِیْنَ إِذَا اکْتَالُوْا عَلَی النَّاسِ یَسْتَوْفُوْنَ. وَإِذَا کَالُوْھُمْ أَوْ وَّزَنُوْھُمْ یُخْسِرُوْنَ. (المطففین: ۱-۲-۳)

خرابی ہے گھٹانے والوں کی، ایسے لوگ کہ جب لوگوں سے ناپ کرلیں تو پورا بھرلیں اور جب ناپ یا تول کر دینے کا موقع ہو تو گھٹا کر دیں۔

روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ منورہ تشریف لائے تو آپ نے ناپ تول میں درستگی کی خاص طور پر تاکید فرمائی، جس کی بنا پر اہل مدینہ نے اپنے حالات اور طرز عمل کو درست کیا۔ چناں چہ سیدنا حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

لَمَّا قَدِمَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ الْمَدِیْنَةَ کَانُوْا مِنْ أَخْبَثِ النَّاسِ

جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ تشریف لائے تو وہاں کے لوگ ناپ تول میں بہت زیادہ

كَيْلاً، فَأَنْزَلَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ: ﴿وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِيْنَ﴾ فَأَحْسَنُوْا الْكَيْلَ بَعْدَ ذٰلِكَ. (ابن ماجة ١٦٠ رقم: ٢٢٢٣، شعب الإيمان ٣٢٧/٤ رقم: ٥٢٨٦، الترغيب والترهيب ٣٩٩ رقم: ٢٧٣٣)

گڑبڑ کرنے والے تھے، پس اللہ تعالیٰ نے آیات ﴿وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِيْنَ﴾ نازل فرمائی، چناں چہ اس کے بعد مدینہ کے لوگ عمدہ انداز میں ناپ تول کرنے لگے۔

علاوہ ازیں سابقہ اَقوام کے واقعات کے ضمن میں قرآنِ کریم میں جا بجا قوم شعیب علیہ السلام کی مذمت کرتے ہوئے ان کے ڈنڈی مارنے کی بدترین عادت کا خاص طور پر ذکر فرمایا ہے، ان کی یہی بری عادت ان کی تباہی کا سبب بنی تھی، جس سے معلوم ہوا کہ یہ عمل اللہ تعالیٰ کے غضب کو دعوت دینے کے مرادف ہے۔ جیسا کہ متعدد احادیث میں وارد ہے کہ ناپ تول میں کمی کے جرم کی وجہ سے پوری کی پوری قوم عذابِ خداوندی کی مستحق ہوجاتی ہے۔ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مہاجرین سے خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

يَا مَعْشَرَ الْمُهَاجِرِيْنَ خَمْسُ خِصَالٍ إِذَا ابْتُلِيْتُمْ بِهِنَّ وَأَعُوْذُ بِاللّٰهِ أَنْ تُدْرِكُوْهُنَّ: لَمْ تَظْهَرِ الْفَاحِشَةُ فِيْ قَوْمٍ قَطُّ حَتّٰى يُعْلِنُوْا بِهَا إِلَّا فَشَا فِيْهِمُ الطَّاعُوْنُ وَالْأَوْجَاعُ الَّتِيْ لَمْ تَكُنْ مَضَتْ فِيْ أَسْلَافِهِمُ الَّذِيْنَ مَضَوْا، وَلَمْ يَنْقُصُوْا الْمِكْيَالَ وَالْمِيْزَانَ إِلَّا أُخِذُوْا بِالسِّنِيْنَ وَشِدَّةِ الْمَؤُنَةِ وَجَوْرِ السُّلْطَانِ عَلَيْهِمْ وَلَمْ يَمْنَعُوْا زَكٰوةَ أَمْوَالِهِمْ إِلَّا مُنِعُوْا

اے مہاجرین کی جماعت! پانچ باتوں میں اگر تم مبتلا ہوجاؤ اور میں اللہ تعالیٰ سے اس بات کی پناہ چاہتا ہوں کہ یہ عادتیں تم میں ہوں: (۱) جس قوم میں برسرعام بے حیائی کی جائے گی تو ان میں طاعون اور ایسی بیماریاں پھیل جائیں گی جو ان کے گذرے ہوئے لوگوں میں نہ رہی ہوں گی (۲) اور جب بھی لوگ ناپ تول میں کمی کریں گے تو انہیں قحط سالی، کام کاج میں سختی اور حاکموں کی طرف سے ظلم وجبر میں گرفتار کردیا جائے گا (۳) اور جب بھی لوگ اپنے مال کی زکوٰۃ دینے میں کوتاہی کریں گے تو آسمان سے

الْـقَـطْرَ مِنَ السَّمَاءِ وَلَوْلاَ الْبَهَائِمُ لَمْ يُمْطَرُوْا وَلَمْ يَنْقُضُوْا عَهْدَ اللّٰهِ وَعَهْـدَ رَسُوْلِـهٖ إِلاَّ سَلَّـطَ اللّٰـهُ عَـلَيْهِـمْ عَـدُوًّا مِـنْ غَيْرِهِمْ فَأَخَذَ بَعْضَ مَا فِيْ أَيْدِيْهِمْ وَمَا لَمْ تَحْكُمْ أَئِـمَّتُهُـمْ بِـكِتَـابِ اللّٰـهِ تَعَـالـىٰ وَيَتَـخَيَّـرُوْا فِـيْ مَـا أَنْزَلَ اللّٰـهُ إِلاَّ جَعَلَ اللّٰـهُ بَأْسَهُمْ بَيْنَهُمْ. (سنن ابن مـاجة ٢٩٠ رقـم: ٤٠١٩، الترغيب والترهيب مكمل ٣٩٩ رقم: ٢٧٣٥، شعب الإيمان للبيهقي ١٩٧/٣ رقم: ٣٣١٤)

بارش پر بند لگ جائے گا اور اگر چوپائے نہ ہوں تو وہ بارش سے بالکل محروم رہیں گے (۴) اور جب بھی لوگ اللہ اور اس کے رسول کے عہد کو توڑیں گے تو ان پر اللہ تعالیٰ ایسا خارجی دشمن مسلط کر دیں گے جو ان کے بعض اختیارات کو چھین لے گا (۵) اور جب مسلمانوں کے حکام اللہ کی کتاب کے مطابق فیصلے نہیں کریں گے اور قرآنی احکامات میں من مانی کریں گے تو اللہ تعالیٰ ان کے آپس میں جھگڑے ڈال دے گا۔

یہ روایت ہم سب کے لئے انتہائی موجب عبرت ہے۔ جن بری عادتوں کی طرف حدیث بالا میں توجہ دلائی گئی ہے، افسوس ہے کہ آج وہ سب باتیں امت میں پائی جارہی ہیں۔ بے حیائی عام ہے، زکوٰۃ کی ادائیگی میں کوتاہیاں برتی جاتی ہیں، قرآنی اور شرعی احکامات کی پامالی ہر سطح پر ہورہی ہے، جس کے نتائج آنکھوں کے سامنے ہیں۔ آج ناپ تول کی کمی کو ہاتھ کی صفائی کا خوب صورت نام دے کر آدمی اپنے کو ہوشیار اور چالاک سمجھتا ہے، تو ممکن ہے کہ خریدار دھوکہ میں آجائے اور اسے اپنے لٹ جانے کا احساس نہ ہو؛ لیکن ناپ تول میں کمی کے مجرم کو یہ نہ بھولنا چاہئے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی علیم وخبیر ذات کی طرف سے اس کی ہر وقت سخت نگرانی کی جارہی ہے، اور قیامت میں ایک ایک پائی اور گرام کا حساب دینا پڑے گا، اس وقت ساری ہوشیاری حسرت وافسوس میں بدل جائے گی۔

نیز تجربہ اور مشاہدہ سے بھی یہ بات ثابت ہے کہ ناپ تول میں چالاکی کرنے والا شخص بہت جلد ہی دنیا میں بھی ناقابل یقین طور پر سخت بے برکتی اور کاروباری مشکلات میں پھنس جاتا ہے، اور

اس کی ذات بجائے خود موجب عبرت بن جاتی ہے۔ **اَللّٰهُمَّ احْفَظْنَا مِنْهُ۔**

دھوکہ ہرگز روا نہیں

معاملات میں خیانت اور دھوکہ سے پوری طرح بچنا بھی ضروری ہے، جو بات ہو پہلے ہی صاف صاف بتادی جائے، اور اچھائی اور برائی دونوں باتوں سے خریدار کو آگاہ کردینا چاہئے؛ تاکہ وہ مطمئن ہوکر خریدنے یا نہ خریدنے کا فیصلہ کرسکے۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بازار تشریف لائے تو آپ نے ایک غلہ کی ڈھیری دیکھی جس میں ہاتھ ڈالنے سے اندازہ ہوا کہ اندر کا غلہ بارش کے پانی میں بھیگا ہوا ہے، تو آپ نے غلہ کے مالک سے پوچھا کہ تم نے یہ کام کیوں کیا؟ اس نے قسم کھائی کہ یہ سب ایک ہی طرح کا غلہ ہے، تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

أَفَلاَ عَزَلْتَ الرَّطْبَ عَلٰى حِدَتِهٖ وَيَابِسٍ عَلٰى حِدَةٍ فَتَتَبَايَعُوْنَ مَا تَعْرِفُوْنَ؟ ’’مَنْ غَشَّنَا فَلَيْسَ مِنَّا‘‘.

(رواه الطبراني في الأوسط، الترغيب والترهيب مكمل ٤٠٠ رقم: ٢٧٤١)

تم نے تر اور سوکھا دونوں طرح کے غلوں کو الگ الگ کیوں نہ کیا کہ اس کے بعد پہچان کر کے آپس میں بیع وشراء کرے، جو ہم میں دھوکہ دے تو ہم میں سے نہیں ہے۔

اس حدیث میں تجارت کا ایک اہم اصول بتادیا گیا کہ سامان کی اچھائی اور برائی سچائی کے ساتھ بیان کردی جائے، اور اس کے عیب کو چھپایا نہ جائے۔ تجربہ سے بھی یہ بات ثابت ہے کہ صحیح صورتِ حال کو واضح کرنے والا تاجر اپنے گاہکوں کے دلوں میں ایسا ’’اعتماد‘‘ حاصل کرلیتا ہے جو کاروباری اعتبار سے اس کے لئے بڑا سودمند ثابت ہوتا ہے، اس کے برخلاف دھوکہ باز تاجر ایک دو مرتبہ تو دھوکہ دے سکتا ہے؛ لیکن اس کا یہ طرز عمل اس کے گاہکوں میں بے اعتمادی کا سبب بن جاتا ہے، اور اس کو تجارتی نقصان سے دوچار ہونا پڑتا ہے، اور آخرت میں جو مؤاخذہ ہوگا وہ الگ رہا۔ روایت میں ہے کہ ایک مرتبہ سیدنا حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا گذر ایک شخص کے پاس سے ہوا جو پانی ملا ہوا دودھ بیچ رہا تھا، تو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے اس کو تنبیہ فرمائی کہ: ’’ذرا اس

وقت کا خیال کرو جب تم سے قیامت میں کہا جائے گا کہ پانی کو دودھ سے الگ کرو‘‘ (اور تم نہیں کر پاؤ گے)۔(شعب الایمان للبیہقی ۴؍۳۳۴ رقم: ۵۳۱۰، الترغیب والترہیب ۴۰۰ رقم: ۲۷۴۴)

اس لئے بہر حال ہر مسلمان کو دھوکہ اور خیانت سے بچنا چاہئے، جو شخص امانت و دیانت اور سچائی کا خیال رکھے گا وہ دنیا میں بھی کامیاب رہے گا اور آخرت میں بھی عزت سے نوازا جائے گا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد عالی ہے:

اَلتَّاجِرُ الصَّدُوْقُ الْأَمِیْنُ مَعَ النَّبِیِّیْنَ وَالصِّدِّیْقِیْنَ وَالشُّهَدَاءِ.

سچا، امانت دار تاجر (قیامت میں) انبیاء علیہم السلام، صدیقین اور شہداء کے ساتھ ہوگا۔

(ترمذی ۲۲۹/۱ رقم: ۱۲۰۹، الترغیب والترهیب ۴۰۳)

بریں بنا سبھی اہل تجارت کو چاہئے کہ وہ سچائی اور امانت داری کو اپنی پہچان بنائیں؛ تاکہ ان کو آخرت کی سرخ روئی نصیب ہو سکے۔ اللہ تعالیٰ سب کو توفیق سے نوازیں، آمین۔

چودہویں فصل:

لین دین میں ''احسان''

مالی معاملات میں جو شخص لین دین میں اچھا برتاؤ کرے گا وہ اللہ کے نزدیک پسندیدہ ہوگا۔ سیدنا حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

رَحِمَ اللّٰهُ عَبْداً سَمُحاً إِذَا بَاعَ سَمُحاً إِذَا اشْتَرىٰ سَمُحاً إِذَا اقْتَضىٰ. (بخاری شریف: ٢٠٧٦)

اللہ تعالیٰ ایسے بندے پر رحم فرمائیں جو بیچنے، خریدنے، اور ادائیگی میں نرمی کرنے والا ہو۔

ایک دوسری روایت میں پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ان الفاظ میں مروی ہے:

إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ سَمُحَ الْبَيْعِ سَمُحَ الشِّرَاءِ سَمُحَ الْقَضَاءِ. (ترمذي رقم: ١٣١٩، الترغيب والترهيب مكمل ٣٩٧ رقم: ٢٧١٩)

اللہ تعالیٰ بیع وشراء اور ادائیگی میں نرمی کو پسند فرماتے ہیں۔

اور ایک طویل روایت میں معلم انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم نے حقوق کے لین دین سے متعلق ہدایت دیتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ: ''تم میں سے بعض لوگ ایسے ہیں کہ قرض ادا کرنے میں تو بہت اچھے ہیں (یعنی بروقت حسبِ وعدہ ادا کر دیتے ہیں) لیکن جب ان کا حق کسی پر ہوتا ہے تو اس کا مطالبہ کرنے میں بہت سختی سے پیش آتے ہیں، تو ان کا معاملہ برابر سرابر ہے (کہ ادائیگی میں اچھے مگر تقاضے میں برے ہیں) اور بعض لوگ ایسے ہیں جو دوسرے کا حق ادا کرنے میں تو بہت بدمعاملہ ہیں؛ لیکن اپنے حق کے تقاضے میں بہت خوش اسلوبی سے پیش آتے ہیں، تو ان کا معاملہ

بھی برابر سرابر ہے۔ اور تم میں سب سے بہترین لوگ وہ ہیں جن پر اگر کسی کا حق ہو تو وہ بہتر انداز میں ادا کریں اور جب ان کا حق دوسرے پر ہو تو مطالبہ کرنے میں عمدگی سے کام لیں۔ اور تم میں سب سے بدترین لوگ وہ ہیں جو اپنے اوپر واجب حق ادا کرنے میں ٹال مٹول سے کام لیتے ہوں اور اگر ان کا کسی دوسرے پر حق ہو تو اس سے سختی سے پیش کرتے ہیں''۔ (رواہ الترمذی: ۲۰۱۹، الترغیب والترہیب ۳۹۸)

آج یہ وبا عام ہے کہ وسعت کے باوجود لوگ حقوق کی ادائیگی میں ٹال مٹول سے کام لیتے ہیں، اور مستحقین کو کافی چکر کاٹنے کے بعد اپنا حق مل پاتا ہے، حالاں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ: ''مَطَلُ الْغَنِيِّ ظُلْمٌ''. (بخاری ۳۰۵/۱ رقم: ۲۲۸۸، ترمذي ۲٤٤/۱ رقم: ۱۳۰٦)
یعنی مال دار شخص کا حق کی ادائیگی میں لیت ولعل اور ٹال مٹول کرنا بجائے خود ظلم ہے۔ اس لئے کام لینے کے بعد ایسے لوگوں کو فوری ادائیگی کرنا ضروری ہے، اور کاروباری متعلقین کے ساتھ حسنِ معاملہ کرنا لازم ہے۔

نرم روی! موجبِ نجات

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: ''اللہ تعالیٰ کے دربار میں ایک شخص پیش کیا گیا، جسے دنیا میں اللہ تعالیٰ نے مال ودولت سے نوازا تھا، تو اللہ تعالیٰ نے اس سے پوچھا کہ: ''تو دنیا سے کیا عمل لایا''؟ اس نے عرض کیا کہ: ''اے میرے پروردگار! آپ نے مجھے مال ودولت عطا فرمایا تھا، چناں چہ میں لوگوں کے ساتھ تجارت کرتا تھا اور میری عادت اپنے گاہکوں کے ساتھ نرم روی کی تھی، میں وسعت والوں کے ساتھ آسانی سے پیش آتا تھا اور تنگ دستوں کو مہلت دیا کرتا تھا''۔ تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ: ''یہ (نرمی کرنا) تجھ سے زیادہ میری ذات کو زیب دیتا ہے''، پھر اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو حکم دیا کہ میرے اس بندے کے ساتھ چشم پوشی اور نرمی کا معاملہ کیا جائے''۔ (مسلم شریف حدیث: ۱۵۶۰)

کامیاب تجارت کا ایک اہم اصول یہ ہے کہ گاہکوں کو ٹوٹنے نہ دیا جائے اور یہ بات بغیر حسن خلق اور نرمی کے حاصل نہیں ہوسکتی، جو دکان دار بے جا شدت اور تندروئی سے پیش آتا ہے وہ

کبھی کامیاب تاجر نہیں بن سکتا۔ جس طرح دنیا میں تجارت کی کامیابی ان صفات پر منحصر ہے اسی طرح آخرت میں بھی وہی تاجر سرخ رو رہے گا جس نے اپنے لین دین کرنے والوں کے ساتھ اچھا معاملہ کیا ہوگا۔

ایک روایت میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

مَنْ أَنْظَرَ مُعْسِراً أَوْ وَضَعَ لَهُ أَظَلَّهُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ تَحْتَ ظِلِّ عَرْشِهٖ يَوْمَ لاَ ظِلَّ إِلاَّ ظِلُّهٗ. (رواه الترمذي ٢٤٤/١ رقم: ١٣٠٦، الترغيب والترهيب مكمل ٢١٣ رقم: ١٣٦٥)

جو شخص کسی تنگ دست کو مہلت دے یا اس کے قرض کو معاف کردے تو اللہ تعالیٰ اسے اپنے سایہ میں جگہ عطا فرمائیں گے، جس دن اس کے سایہ کے علاوہ کوئی سایہ نہ ہوگا۔

الغرض لین دین میں حسن معاملہ بڑی سعادت کی بات ہے، اور دینی ودنیوی کامیابی کی ضمانت ہے؛ اس لئے بالخصوص تاجر حضرات کو اس کا خیال ضرور رکھنا چاہئے۔

گراں فروشی سے اجتناب

اچھا تاجر وہ ہے جو عامۃ المسلمین کے لئے دل میں خیرخواہی کا جذبہ رکھے، جس کا تقاضا یہ ہے کہ وہ ان کے لئے سستے اور اچھے مال کو مہیا کرنے کی کوشش کرے، محض اپنے مال میں اضافہ کی خاطر مارکیٹ میں قیمتیں بڑھانے کی کوشش نہ کرے، اور گرانی بڑھنے پر خوش نہ ہو؛ بلکہ ہمیشہ گاہکوں کی رعایت ملحوظ رکھے۔ اس کے برخلاف جو تاجر ذخیرہ اندوزی کرکے قیمت بڑھانے کی کوشش کرے گا، وہ لوگوں کی نظر میں بھی ناپسند ٹھہرے گا، اور اللہ تعالیٰ کی نظر میں بھی مبغوض قرار پائے گا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

مَنْ احْتَكَرَ طَعَاماً فَهُوَ خَاطِئٌ.

جو غلہ روک کر رکھے وہ خطا کار ہے۔

(صحيح مسلم ٣١/٢ رقم: ١٦٠٥)

اور ایک روایت میں ہے کہ پیغمبر علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

مَنْ احْتَكَرَ حُكْرَةً يُرِيْدُ أَنْ يُغَالِيَ

جو شخص مسلمانوں پر قیمتیں بڑھانے کی غرض سے

بِهَا عَلَى الْمُسْلِمِيْنَ فَهُوَ خَاطِئٌ وَقَدْ بَـرِئَـتْ مِـنْـهُ ذِمَّةُ اللّٰـهِ. (الترغيب والتـرهيب مكـمـل ٤٠٣ رقـم: ٢٧٦٥، والحاكم في المستدرك ١٢/٢)

ذخیرہ اندوزی کرتا ہے وہ غلط کار ہے، اور اللہ کا ذمہ اس سے بری ہے۔

اس لئے اسلام میں بلیک مارکیٹنگ کی ہرگز اجازت نہیں ہے، چنانچہ احادیث شریفہ میں ''تلقی الجلب'' (تجارتی قافلوں سے بالا بالا بیع کرنا؛ تاکہ شہر والوں کے لئے قیمتیں کم نہ ہوں) اور دیہاتیوں کے ہاتھ گراں قیمت پر فروخت کرنے کی ممانعت وارد ہے۔ (ترمذی شریف ۲۳۲/۱)

یہ تمام باتیں ہمدردی اور خیر خواہی کے مخالف ہیں، ایک مسلمان تاجر کو ایسی باتوں سے دور رہنا چاہئے۔

شرمندہ شخص کے معاملہ کو بآسانی ختم کرنا

بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ آدمی بیع وشراء کا معاملہ کر تو لیتا ہے؛ لیکن بعد میں کسی وجہ سے اسے اپنے فیصلہ پر ندامت ہوتی ہے، اور وہ چاہتا ہے کہ معاملہ کو فسخ کرکے اپنی چیز واپس لے لے، تو ایسی صورت میں دوسرے فریق کو چاہئے کہ وہ بھی معاملہ ختم کرنے میں اس کا تعاون کرے اور عقد کو فسخ کرنے پر راضی ہوجائے، یہ عمل گناہوں کا کفارہ بننے کا سبب بنے گا، انشاء اللہ تعالیٰ۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

مَـنْ أَقَـالَ مُـسْـلِماً بَيْعَتَهٗ أَقَالَهُ اللّٰهُ عَثْـرَتَهٗ يَوْمَ الْقِيَامَةِ. (ابو داؤد شريف ٤٩٠/٢ رقم: ٣٤٦٠)

جو شخص کسی مسلمان کی بیع کا اقالہ (فسخ) کرے تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی غلطیوں کو مٹادیں گے۔

لہٰذا اسی صورتِ حال میں گو کہ ظاہری نقصان ہو رہا ہو، پھر بھی دوسرے فریق کی خوشنودی کی خاطر معاملہ ختم کردینا چاہئے۔

ضرورت مندوں کے ساتھ حسنِ سلوک

جو لوگ کسی پریشانی میں مبتلا ہوں یا معاشی اعتبار سے تنگی میں ہوں، ان کے ساتھ ہمدردی

سے پیش آنا بھی ایمان کی اہم علامات میں سے ہے، اور آخرت کی ہول ناکیوں سے نجات کا سبب ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

مَنْ نَفَّسَ عَنْ مُسْلِمٍ كُرْبَةً مِّنْ كُرَبِ الدُّنْيَا نَفَّسَ اللّٰهُ عَنْهُ كُرْبَةً مِّنْ كُرَبِ يَوْمِ الْقِيَامَةِ. وَمَنْ يَسَّرَ عَلٰى مُعْسِرٍ فِي الدُّنْيَا يَسَّرَ اللّٰهُ عَلَيْهِ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ. وَمَنْ سَتَرَ عَلٰى مُسْلِمٍ فِي الدُّنْيَا سَتَرَ اللّٰهُ عَلَيْهِ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَاللّٰهُ فِيْ عَوْنِ الْعَبْدِ مَا كَانَ الْعَبْدُ فِيْ عَوْنِ اَخِيْهِ.

(رواه مسلم ٢٠٧٤/٢ رقم: ٢٦٩٩)

جو شخص کسی مسلمان کی دنیوی تکلیف دور کرے تو اللہ تعالیٰ اس سے قیامت کی مشقتوں میں سے کوئی مشقت ہٹادیں گے۔ اور جو شخص دنیا میں کسی تنگ دست کے ساتھ سہولت کا معاملہ کرے تو اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ دنیا وآخرت میں آسانی کا معاملہ فرمائیں گے۔ اور جو شخص دنیا میں کسی مسلمان کی (عیب سے) ستر پوشی کرے تو اللہ تعالیٰ اس کی دنیا وآخرت میں ستر پوشی فرمائیں گے، اور اللہ تعالیٰ بندہ کی مدد کے لئے تیار ہیں جب تک کہ بندہ اپنے بھائی کی مدد کے لئے مستعد رہتا ہے۔

اس لئے ''احسان'' کی من جملہ صورتوں میں تمام رفاہی اور امدادی سرگرمیاں بھی داخل ہیں۔ ایسی سرگرمیوں کو بظاہر دنیا داری سمجھا جاتا ہے؛ لیکن اگر نیت درست ہو تو یہ محنتیں بڑی بڑی عبادتوں پر بھاری ہیں، جو تنظیمیں اور جماعتیں اجتماعی نظم کے تحت ضرورت مندوں اور آفت زدہ لوگوں کی مدد کا کام کرتی ہیں، وہ یقیناً قابل قدر ہیں، جیسا کہ حدیث بالا سے معلوم ہوا۔

مزدور کی اُجرت جلد اَدا کریں

اگر کسی مزدور سے اُجرت پر کام لیا جائے، تو کام ختم ہوتے ہی اور اُس کی تھکاوٹ دور ہونے سے پہلے ہی اُس کی اُجرت پیش کردی جائے؛ تاکہ وہ اَپنی محنت کو رائیگاں نہ سمجھے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

أَعۡطُوا الۡأَجِيۡرَ أَجۡرَهُ قَبۡلَ أَنۡ يَّجِفَّ عَرۡقُهُ. (ابن ماجة ١٧٦/٢ رقم: ٢٤٤٣، الترغيب والترهيب مكمل ٤٢٤ رقم: ٢٩٢٠)

مزدور کا پسینہ خشک ہونے سے پہلے اس کی مزدوری اسے دے دو۔

وہ لوگ واقعی بڑے ظالم ہیں جو غریب مزدوروں سے اپنا کام تو پورا لے لیتے ہیں اور جب اجرت کی ادائیگی کا وقت آتا ہے تو ٹال مٹول سے کام لیتے ہیں۔ تو ایسے لوگوں کو اچھی طرح سمجھ لینا چاہئے کہ ممکن ہے کہ آج وہ کمزور اجیر خون کا گھونٹ پی کر رہ جائے؛ لیکن جب آخرت میں احکم الحاکمین کے دربار میں مقدمہ پیش ہوگا تو ایسے مزدور کی حمایت میں خود پیغمبر علیہ السلام بارگاہِ خداوندی میں پیش ہوں گے۔ (بخاری شریف ۳۰۲/۱ حدیث: ۲۲۷۰) اور اس مظلوم کو وہاں انصاف مل کر رہے گا اور وہ دن حق تلفی کرنے والے ظالم کے لئے نہایت ذلت کا دن ہوگا۔

اسی طرح بہت سی جگہ دیکھا جاتا ہے کہ لوگ پہلے سے طے کئے بغیر رکشہ وغیرہ میں سوار ہوجاتے ہیں۔ اور جب رکشہ والا منزل پر پہنچنے کے بعد اپنے اعتبار سے اجرت کا مطالبہ کرتا ہے تو اس سے برسرِ عام بحث کرنے لگتے ہیں اور دو چار روپئے زیادہ دیتے ہوئے بھی جان نکلتی ہے؛ اس لئے اَولاً تو طے کرکے ہی سواری کرنی چاہئے اور اگر طے کئے بغیر بیٹھ گئے ہیں، تو رکشہ والا جتنے پیسے کا مطالبہ کرے اُسے بلا چوں چرا دے دینے چاہئیں۔

ضرورت کے وقت قرض دینے کا ثواب

کوئی حاجت مند شخص اگر کسی ضرورت سے قرض مانگے تو گنجائش کے بقدر بلاسودی قرض دے کر اس کی مدد کرنی چاہئے، یہ بھی ''احسان'' میں داخل ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا اِرشادِ عالی ہے:

كُلُّ قَرۡضٍ صَدَقَةٌ. (رواه الطبراني عن ابن مسعودؓ ١٤٣/١، الترغيب والترهيب مكمل/ ٢١١ رقم: ١٣٥٠)

ہر قرض صدقہ ہے۔

اور بعض ضعیف روایات میں ہے کہ: ''صدقہ میں دس گنا ثواب ملتا ہے، جب کہ قرض

دینے میں ۱۸ ؍گنا ثواب ملتا ہے‘‘۔ (الترغیب والترہیب مکمل ۲۱۱ رقم: ۱۳۵۱)

گویا جب تک قرض دار قرض ادا نہیں کرے گا دینے والے کے نامہ اعمال میں ثواب لکھا جاتا رہے گا؛ اس لئے حالات کو دیکھ کر اور مصالح کی رعایت رکھتے ہوئے ضرورت مندوں کو قرض دے کر عند اللہ ثواب حاصل کرنے کی کوشش کرنی چاہئے۔

بلاضرورت قرض نہ لیں

جہاں شریعت میں ضرورت مندوں کو قرض دینے کی ترغیب دی گئی ہے، وہیں دوسری طرف قرض لینے کا اِرادہ کرنے والوں کو تلقین کی گئی ہے کہ وہ بلاضرورت ہرگز قرض نہ لیں۔ حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ: ’’اپنے کو امن کے بعد خوف میں مبتلا مت کرو‘‘۔ صحابہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! یہ کیسے ہوگا؟ آپ نے فرمایا: ’’قرض کی وجہ سے‘‘ (یعنی قرض لے کر آدمی پر فکر غالب ہو جاتی ہے اور بے فکری کی زندگی ختم ہو جاتی ہے)۔ (مسند احمد بن حنبل ۴؍۱۵۴، الترغیب والترہیب مکمل ۴۰۶ حدیث: ۲۷۹۳)

اور حضرت محمد بن عبد اللہ بن جحش رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جنازہ رکھنے کی جگہ تشریف فرما تھے، آپ نے آسمان کی طرف نظر فرمائی، پھر نظر جھکالی اور اپنا دست مبارک اپنی پیشانی پر رکھ لیا، پھر فرمایا: ’’سبحان اللہ، سبحان اللہ کس قدر سخت حکم نازل ہوا ہے‘‘، چناں چہ اس وقت تو ہم خاموش رہے؛ لیکن اگلے دن ہم نے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام سے دریافت کیا کہ کل کیا سخت حکم نازل ہوا تھا؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ: ’’قرض کے بارے میں سخت ترین حکم اُترا ہے، اور قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے اگر کوئی شخص راہِ خدا میں شہید ہو، پھر اسے زندگی ملے اور پھر شہید ہو اور اس کے ذمہ کسی کا قرض ہو تو وہ قرض ادا کئے (یا معاف کے) بغیر جنت میں داخل نہ ہوگا‘‘۔ (رواہ النسائی والطبرانی، الترغیب والترہیب مکمل ۴۰۸ حدیث: ۲۸۰۳)

بریں بنا حتی الامکان قرض لینے سے بچنا چاہئے، اور اگر بالفرض لینا ہی پڑ جائے تو جلد ادائیگی کی فکر کرنی چاہئے، اور سودی قرض تو کسی حال میں نہ لیں؛ کیوں کہ وہ سراسر گناہ ہونے کے

ساتھ ساتھ بدترین نحوست اور بے برکتی کا سبب بھی ہے۔ آج کل لوگ اپنی بے جا ضرورتوں میں یا کاروبار بڑھانے کے لالچ میں سودی قرضوں میں گرفتار ہو جاتے ہیں، جس کا نتیجہ سوائے تباہی اور بربادی کے کچھ نہیں نکلتا۔ دراصل سودی قرض شیطان کی آنت کے مانند ہے، جس کا سلسلہ دراز ہی ہوتا چلا جاتا ہے، اصل رقم سے کہیں زیادہ سودی رقم بھرنے کے باوجود قرض وہیں کا وہیں کھڑا رہتا ہے، اور بسا اوقات اس کی وجہ سے بڑی ذلت بھی اٹھانی پڑتی ہے۔

❍❖❍

پندرہویں فصل:

اَدائیگی میں ''احسان''

اگر چہ بضرورت قرض لینے کی اِجازت ہے؛ لیکن شروع ہی سے اس قرض کی ادائیگی کی فکر اور پختہ نیت ضروری ہے، ایسا نہ ہو کہ جھوٹی سچی ضرورتوں کو ظاہر کرکے قرض تو لے لے؛ لیکن پھر واپسی کا نام بھی نہ لے؛ بلکہ قرض خواہ کا سامنا کرنے سے بھی کترانے لگتے ہیں، ایسے شخص کی احادیث شریفہ میں سخت مذمت کی گئی ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

أَيُّمَا رَجُلٌ تَدَيَّنَ دَيْناً وَهُوَ مُجْمِعٌ أَنْ لاَ يُوَفِّيَهُ إِيَّاهُ لَقِيَ اللّٰهَ سَارِقاً. (رواه ابن ماجة ۱۷۳/۱ رقم: ۲٤۱۰، شعب الإيمان ٤۰۲/٤ رقم: ٥٥٤۸، الترغيب والترهب مكمل ٤۰۷ رقم: ۲۸۰۰)

جو آدمی کوشش کرکے قرض لے اور اس کا پختہ ارادہ یہ ہو کہ وہ قرض ادا نہیں کرے گا، تو اللہ تعالیٰ کے یہاں وہ چور بن کر حاضر ہوگا۔

ایک دوسری روایت میں ارشاد نبوی ہے:

أَيُّمَا رَجُلٌ تَزَوَّجَ إِمْرَأَةً عَلٰى مَا قَلَّ مِنَ الْمَهْرِ أَوْ كَثُرَ لَيْسَ فِيْ نَفْسِهٖ أَنْ يُؤَدِّيَ إِلَيْهَا حَقَّهَا خَدَعَهَا فَمَاتَ وَلَمْ يُؤَدِّ إِلَيْهَا حَقَّهَا لَقِيَ اللّٰهَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَهُوَ زَانٍ. وَأَيُّمَا رَجُلٌ اِسْتَدَانَ دَيْنًا لاَ يُرِيْدُ أَنْ يُؤَدِّيَ إِلٰى صَاحِبِهٖ حَقَّهٗ

جو شخص کسی عورت سے کم یا زیادہ مہر پر نکاح کرے اور اس کے دل میں عورت کے حق کو ادا کرنے کا خیال بھی نہ ہو؛ بلکہ اسے دھوکہ میں رکھنے کا ارادہ ہو، تو اگر وہ اس کا حق ادا کئے بغیر مرگیا تو اللہ تعالیٰ سے ''زانی'' ہونے کی حالت میں ملے گا۔ اور جو شخص کسی دوسرے سے قرض لے اور اس کا ارادہ مالک کو قرض ادا کرنے کا نہ

خَـدَعَهُ حَتّٰى أَخَذَ مَالَهُ فَمَاتَ وَلَمْ يُؤَدِّ دَيْنَهُ لَقِيَ اللّٰهَ وَهُوَ سَارِقٌ.

(رواه الطبراني في الأوسط ٤٣/١، الترغيب والترهيب مكمل ٤٠٨ رقم: ٢٨٠٦)

ہو؛ بلکہ وہ اس کے ساتھ مال لینے کے لئے دھوکہ کرنے والا ہو، تو اگر وہ قرض ادا کئے بغیر مرگیا تو اللہ سے ''چور'' ہونے کی حالت میں ملاقات کرے گا۔

اس روایت میں قرض کے ساتھ بیوی کے مہر کے بارے میں بھی سخت وعید مذکور ہے، واضح رہے کہ نکاح میں سب سے اہم اور ضروری خرچ ''مہر'' ہی کا ہے؛ لیکن عام طور پر اس کی ادائیگی کا تصور بھی بہت سے خاندانوں میں نہیں ہوتا۔ بس خدا نہ کرے طلاق یا تفریق کے وقت ہی مہر موضوع بحث بنتی ہے؛ اس لئے دیگر قرضوں کے ساتھ ساتھ مہر کے اہم ترین قرض کو ادا کرنے کی بھی فکر کرنی چاہئے۔

ادائیگی کی نیت پر اللہ تعالیٰ کی مدد ہوتی ہے

قرض کی رقم خواہ کتنی ہی زیادہ ہو اگر لیتے وقت اس کو ادا کرنے کی پختہ نیت ہو تو اللہ تعالیٰ غیب سے اس کی ادائیگی کے سامان مہیا فرمادیتے ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

مَنْ أَخَذَ أَمْوَالَ النَّاسِ يُرِيْدُ أَدَاءَهَا أَدَّى اللّٰهُ عَنْهُ، وَمَنْ أَخَذَ أَمْوَالَ النَّاسِ لِيُرِيْدَ إِتْلاَفَهَا أَتْلَفَهُ اللّٰهُ تَعَالىٰ. (رواه البخاري ٣٢١/١ رقم: ٢٣٨٧، مسند أحمد ٣٦١/٢ رقم: ٨٧٤١، ابن ماجة ١٧٣/١ رقم: ٢٤١١، الترغيب والترهيب مكمل ٤٠٧ رقم: ٢٧٩٦)

جو شخص ادائیگی کی نیت سے لوگوں کا مال لے گا تو اللہ تعالیٰ اس کی طرف سے ادا کرادیں گے، اور جو شخص ہڑپ کرنے کی نیت سے لوگوں کا مال دبائے گا تو اللہ تعالیٰ اس مال کو ضائع فرمادیں گے۔

اور ام المؤمنین سیدتنا حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی ایک روایت میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد منقول ہے:

مَـا مِـنْ عَبْدٍ كَانَتْ لَهُ نِيَّةٌ فِيْ أَدَاءِ

جس شخص کی نیت قرض کے ادا کرنے کی ہوتی

دَيْنِهٖ إِلَّا كَانَ لَهُ مِنَ اللّٰهِ عَوْنٌ. (رواه أحمد ٦/٧٢، الترغيب والترهيب مكمل ٤٠٧ رقم: ٢٧٩٨)

ہے تو اس کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے مدد حاصل ہوتی ہے۔

اس لئے قرض دار شخص ہمیشہ ادائیگی کا پختہ ارادہ رکھے اور جیسے ہی وسعت واستطاعت ہو فوراً قرض کے بوجھ کو ہلکا کرنے کی کوشش کرے، اور اس بارے میں وعدہ خلافی ہرگز نہ کرے۔

بخاری شریف میں ایک حیرت انگیز واقعہ مذکور ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی اسرائیل کے ایک شخص کا ذکر فرمایا، جس نے ایک دوسرے شخص سے ایک ہزار اشرفی بطور قرض لی تھیں، اور اس معاملہ پر اللہ تعالیٰ کو گواہ اور کفیل بنایا تھا، پھر وہ شخص قرض لے کر سمندری راستہ سے تجارتی سفر پر چلا گیا، جب قرض کی ادائیگی کا مقررہ وقت ہوا تو اس نے قرض واپس کرنے کے لئے مالک کے پاس جانے کا ارادہ کیا؛ لیکن باوجود تلاش کے کوئی کشتی نہ مل سکی، تو اس نے ایک لکڑی میں سوراخ کر کے اور روغن وغیرہ لگا کر قرض کی اشرفیاں اس میں بھر دیں اور ایک تحریر لکھ کر اسے دریا کی موجوں کے حوالے کر دیا۔ عجیب اتفاق کہ یہ لکڑی اسی مالک کے پاس پہنچ گئی اور اس نے اپنی اشرفیاں اور تحریر لے کر رکھ لی۔ بعد میں جب قرض دار وطن واپس لوٹا اور مالک کو اس کی رقم واپس کرنی چاہی تو اس نے سوال کیا کہ کیا تم نے میرا قرض کسی کے ہاتھ مجھے بھیجا تھا؟ اس نے کہا کہ مجھے آپ تک آنے کے لئے کوئی سواری نہیں ملی تھی، تو مالک نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہاری امانت مجھ تک پہنچا دی ہے؛ اس لئے یہ مزید رقم تم واپس لے جاؤ۔ (بخاری شریف ۳۲۲/۱ رقم: ۲۳۹۶، الترغیب والترہیب ۴۰۸ حدیث: ۲۸۰۴)

قرض کی ادائیگی کے لئے چند اہم دعائیں

قرض دار آدمی قرض کے بوجھ کی وجہ سے بہت پریشان ہو جاتا ہے، اس پریشانی کے وقت میں انسان کو اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنا چاہئے، اس کے علاوہ کوئی مشکلات کو حل کرنے والا نہیں ہے۔ نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو قرض کی ادائیگی کے لئے مختلف

دعائیں تلقین فرمائی ہیں، ہمیں بھی ان دعاؤں کو پڑھنے کا معمول بنانا چاہئے۔

روایت ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے پاس ایک مکاتب غلام آیا اور عرض کیا کہ میں اپنا بدلِ کتابت (آزاد ہونے کے لئے ضروری رقم) مہیا کرنے سے عاجز ہوں، آپ میری مدد فرمایئے! تو حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا کہ میں تمہیں وہ کلمات سکھلاتا ہوں جو مجھے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سکھلائے تھے، اگر تمہارے اوپر صبیر (ایک پہاڑ کا نام ہے) کے برابر قرض ہو تو اللہ تعالیٰ اس کی ادائیگی کا بھی نظم فرمادیں گے۔ تم یوں دعا مانگا کرو:

اَللّٰهُمَّ اكْفِنِيْ بِحَلَالِكَ عَنْ حَرَامِكَ، وَأَغْنِنِيْ بِفَضْلِكَ عَمَّنْ سِوَاكَ. (رواه الترمذی ۱۹٦/۲ رقم: ۳۵٦۳، الترغيب والترهيب ٤١٢ رقم: ۲۸۲۷)

اے اللہ! اپنے حلال کے ذریعہ سے آپ مجھے حرام سے کفایت فرمایئے، اور مجھے اپنا فضل عطا فرما کر ماسوا سے بے نیاز فرمادیجئے۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ ایک مرتبہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام مسجد میں تشریف لائے، تو دیکھا کہ ایک انصاری صحابی وہاں (غمزدہ) بیٹھے ہیں، تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا کہ کیا بات ہے؟ ابھی تو نماز کا وقت بھی نہیں تم یہاں کیوں بیٹھے ہو؟ تو ان انصاری صحابی نے فرمایا کہ میرے اوپر قرضوں کا بڑا بوجھ ہے، تو نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا میں تمہیں ایسے کلمات نہ سکھلاؤں کہ اگر تم اُنہیں پڑھو، تو اللہ تعالیٰ تمہارے قرضوں کو ادا کروادیں اور تمہاری فکروں کو دور فرمادیں، اُنہوں نے عرض کیا کہ ضرور ارشاد فرمایئے، تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُنہیں نصیحت فرمائی کہ صبح شام یہ دعائیہ کلمات پڑھا کرو:

اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْهَمِّ وَالْحُزَنِ وَأَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْعَجْزِ وَالْكَسَلِ، وَأَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْبُخْلِ وَالْجُبْنِ، وَأَعُوْذُ بِكَ مِنْ

اے اللہ! میں آپ سے فکر وغم سے پناہ چاہتا ہوں، اے اللہ! میں آپ سے عاجزی اور سستی سے پناہ چاہتا ہوں، اے اللہ! میں آپ سے کنجوسی اور بزدلی سے پناہ چاہتا ہوں، اے اللہ!

غَلَبَةِ الدَّيْنِ وَقَهْرِ الرِّجَالِ. (رواه أبـوداؤد ٢١٧/١ رقـم: ١٥٥٥، لتـرغيـب والترهيب مكمل ٤١٢/ رقم: ٢٨٢٨)

میں آپ سے قرض کے بوجھ اور لوگوں کے غلبہ سے پناہ چاہتا ہوں

راوی کہتے ہیں کہ میں نے یہ کلمات پڑھنے شروع کئے تو اللہ تعالیٰ نے میری پریشانیاں دور فرمادیں اور میرے قرضوں کی ادائیگی کا انتظام ہوگیا۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ مجھ سے میرے والد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ کیا میں تمہیں ایسے کلمات نہ سکھلاؤں، جو مجھے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سکھلائے تھے، اور فرمایا تھا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام یہ کلمات دعائیہ اپنے حواریوں کو سکھلایا کرتے تھے۔ اور اس کی خاصیت یہ ہے کہ تمہارے ذمے احد پہاڑ کے برابر قرض ہو، تو اللہ تعالیٰ ادا کرادیں گے، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ ایسی دعا مجھے ضرور بتایئے، آپ نے فرمایا، وہ دعا یہ ہے:

اَللّٰهُمَّ فَارِجَ الْهَمِّ كَاشِفَ الْغَمِّ مُجِيْبَ دَعْوَةِ الْمُضْطَرِّيْنَ رَحْمٰنَ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَرَحِيْمَهُمَا أَنْتَ تَرْحَمُنِيْ بِرَحْمَةٍ تُغْنِيْنِيْ بِهَا عَنْ رَّحْمَةِ مَنْ سِوَاكَ. (دافع الافلاس ٦٠، بحواله بزار بيهقى، حصن حصين ٢٢٣)

اے اللہ فکر اور ہموم کو دور کرنے والے مصیبتوں کو ہٹانے والے مبتلائے مصیبت کی دعاء قبول کرنے والے دنیا اور آخرت میں ہر قسم کی بڑی بڑی رحمتیں نازل کرنے والے تو ہی مجھ پر رحم فرمائے گا، پس تو ہی مجھ پر ایسی رحمت فرما جو مجھ کو تیرے سوا سب سے بے نیاز کردے۔

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جس وقت آپ نے مجھے یہ دعا تعلیم فرمائی اس وقت میرے ذمہ بہت سا قرض تھا، اور میں قرض سے بہت گھبراتا تھا، اس دعا کے پڑھتے ہی چند روز بعد اللہ تعالیٰ نے مجھے اتنا فائدہ پہنچایا کہ سب قرض ادا ہوگیا۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میرے ذمہ بھی ایک عورت کا قرض تھا اور میں اس سے بہت شرمندہ تھی، میں نے یہ دعا پڑھنی شروع کی تو چند نہ گذرے تھے کہ حق تعالیٰ نے

مجھے بغیر کسی حصہ وراثت یا صدقہ کے (غرض بے گمان) رزق عطا فرمایا، جس سے میں نے یہ قرض ادا کر دیا۔ (ماخوذ: ''رزق کے خزانے'' ۵۷-۵۸)

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ: کیا میں تمہیں ایسی دعا نہ بتاؤں کہ اگر تمہارے اوپر احد پہاڑ کے برابر بھی قرض ہو تو اللہ تعالیٰ تمہاری طرف سے ادائیگی کا انتظام فرما دیں گے؟ معاذ! اس طرح دعا مانگا کرو:

اَللّٰهُمَّ مَالِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَاءُ، وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَاءُ، وَتُعِزُّ مَنْ تَشَاءُ، وَتُذِلُّ مَنْ تَشَاءُ بِيَدِكَ الْخَيْرُ إِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ. رَحْمٰنَ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَرَحِيْمَهُمَا تُعْطِيْهِمَا مَنْ تَشَاءُ، وَتَمْنَعُ مِنْهُمَا مَنْ تَشَاءُ إِرْحَمْنِيْ رَحْمَةً تُغْنِيْنِيْ بِهَا عَنْ رَّحْمَةِ مَنْ سِوَاكَ". (رواه الطبراني في الصغير ۲۰۲/۱، الترغيب والترهيب مكمل ۴۱۲ رقم: ۲۸۲۹)

اے اللہ! حکومت کے مالک آپ جس کو چاہیں حکومت دیں اور جس سے چاہیں چھین لے، اور جس کو چاہیں عزت سے نوازیں، اور جس کو چاہیں ذلیل کر دیں، خیر آپ ہی کے ہاتھ میں ہے، آپ ہر چیز پر قادر ہیں، دنیا اور آخرت کے مہربان آپ جس کو چاہیں دنیا و آخرت میں سے عطا فرمائیں، اور جس کو چاہیں نہ دیں۔ آپ مجھے ایسی رحمت عطا فرمایئے جس کے ذریعہ سے آپ مجھے اپنے ماسوا کی نعمت سے مستغنی فرما دیں۔

ایک دوسری روایت میں ہے کہ ایک مرتبہ نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا کہ کیا بات ہے تم کئی دن سے نظر نہیں پڑ رہے ہو؟ تو انہوں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ میرے اوپر ایک یہودی کا کچھ قرض تھا جب میں آپ کی خدمت میں حاضری کے لئے نکلا تو اس یہودی نے قرض کی وجہ سے مجھے پکڑ کر بٹھا لیا، اس بنا پر میں خدمت اقدس میں حاضر نہ ہو سکا۔ یہ سن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مذکورہ بالا دعا تلقین فرمائی۔ (رواہ الطبرانی، الترغیب والترہیب ۴۱۲ حدیث: ۲۸۳۰)

اور سیدنا حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو آدمی کسی فکر یا قرض میں مبتلا ہو وہ اگر درج ذیل دعا پڑھ لے تو اللہ تعالیٰ یقیناً اس کی مشکل آسان فرما دیں گے، اور اس کو غم کی جگہ خوشی عطا فرمائیں گے۔

اَللّٰهُمَّ إِنِّي عَبْدُکَ، وَابْنُ عَبْدِکَ، وَابْنُ اَمَتِکَ نَاصِيَتِي بِيَدِکَ، مَاضٍ فِيَّ حُکْمُکَ، عَدْلٌ قَضَاؤُکَ، أَسْأَلُکَ بِکُلِّ اسْمٍ هُوَ لَکَ سَمَّيْتَ بِهٖ نَفْسَکَ، أَوْ اَنْزَلْتَهُ فِي كِتَابِکَ، أَوْ عَلَّمْتَهُ أَحَداً مِنْ خَلْقِکَ، أَوِ اسْتَأْثَرْتَ بِهٖ فِي عِلْمِ الْغَيْبِ عِنْدَکَ، أَنْ تَجْعَلَ الْقُرْاٰنَ رَبِيْعَ قَلْبِي، وَنُوْرَ صَدْرِي، وَجَلاءَ حُزْنِي، وَذَهَابَ هَمِّي. (رواه أحمد ۳۹۱/۱، رقم: ۳۷۱۲، الترغيب والترهيب مكمل ۴۱۳ رقم: ۲۸۳۲، وأبويعلى رقم: ۵۳۹۰، وابن حبان في صحيحه رقم: ۹۷۲، والحاكم في المستدرك ۵۰۹/۱)

اے اللہ میں آپ کا بندہ ہوں، اور آپ کے بندے اور آپ کی بندی کا بیٹا ہوں، میری پیشانی آپ کے قبضہ میں ہے، آپ کا حکم مجھ پر نافذ ہے، میرے بارے میں آپ کا فیصلہ مبنی برعدل ہے، میں آپ کے ہر اس نام کے توسل سے جس سے آپ نے اپنے کو منسوب کیا ہے یا اسے اپنی کتاب میں نازل فرمایا ہے، یا وہ نام جو آپ نے اپنی مخلوقات میں سے کسی کو سکھلایا ہے، یا اپنے غائبانہ علم میں اسے ترجیح دی ہے، (ان کے توسط سے) میں آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ آپ قرآن پاک کو میرے دل کی شادابی، میرے سینہ کی روشنی، میرے غم اور فکر کے ہٹانے کا سبب بنا دیجئے۔

صحابہ نے عرض کیا کہ یہ دعا ہم دیگر لوگوں کو بھی بتلا دیں؟ تو نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ ہاں ضرور! جو بھی اسے سنے دوسروں کو سکھلا دے۔

توبہ واستغفار کا اہتمام

علاوہ ازیں گناہوں سے اجتناب اور توبہ واستغفار کا اہتمام بھی رزق میں برکت اور قرض

کی ادائیگی کا سبب ہے۔

سورۂ نوح میں اِرشادِ خداوندی ہے:

فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ اِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًا. يُرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَيْكُمْ مِدْرَارًا. وَيُمْدِدْكُمْ بِاَمْوَالٍ وَبَنِيْنَ وَيَجْعَلْ لَكُمْ جَنّٰتٍ وَيَجْعَلْ لَكُمْ اَنْهٰرًا. (نوح: ۱۰-۱۲)

تو میں نے کہا کہ اپنے رب سے گناہ بخشواؤ، بے شک وہ بہت بخشنے والا ہے، وہ تم پر موسلا دھار بارش برسائے گا، اور تم کو مال اور بیٹے بڑھا کر عطا کرے گا۔ اور تمہارے واسطے باغات اور نہریں بنا دے گا۔

اِن آیات سے معلوم ہوا کہ اگر لوگ اللہ تعالیٰ سے توبہ واستغفار کرتے رہیں، تو اُن پر رزق اور برکت کے دہانے کھول دئے جاتے ہیں۔ (تفسیر ابن کثیر مکمل ۱۳۸۱)

اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ نبی کریم علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ:

مَنْ لَزِمَ الإِسْتِغْفَارَ جَعَلَ اللّٰهُ لَهٗ مِنْ كُلِّ ضِيْقٍ مَخْرَجاً، وَمِنْ كُلِّ هَمٍّ فَرَجاً، وَرَزَقَهٗ مِنْ حَيْثُ لاَ يَحْتَسِبُ". (رواه أبو داؤد ٢١٣/١ رقم: ١٥١٨، الترغيب والترهيب ٤١٣ رقم: ٢٨٣٤)

جو آدمی استغفار کو لازم پکڑے تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے ہر تنگی سے نکلنے کا راستہ اور ہر مشکل سے نجات عطا فرمائیں گے اور اس کو بے وہم وگمان روزی سے نوازیں گے۔

اس لئے جو شخص کسی پریشانی اور اُلجھن میں مبتلا ہو، اُسے خاص کر اپنے گناہوں سے توبہ کا اہتمام کرنا چاہئے، اور ہر طرح کے گناہوں سے بچنے کی کوشش کرنی چاہئے، اللہ تعالیٰ ہم سب کی توبہ قبول فرمائیں اور مقبول بندوں میں شامل فرمائیں۔ آمین۔

سولہویں فصل:

غیر مسلموں کے ساتھ ''احسان''

اسلام تمام انسانوں کے ساتھ ''احسان'' کی تعلیم دیتا ہے جن میں غیر مسلم بھی شامل ہیں، انسان ہونے کے ناطے ان کے ساتھ بھی اچھا برتاؤ کرنا اسلام کی تعلیمات میں داخل ہے؛ چناں چہ:

الف:- اگر کوئی رشتہ دار غیر مسلم ہو تو اس کے ساتھ حسن سلوک اسی طرح کیا جائے گا جیسا کہ مسلمان رشتہ داروں کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اپنے قبیلہ کو اسلام کی دعوت دی تو صاف طور پر یہ ارشاد فرمایا:

يَـا بَـنِـيْ كَـعْـبِ بْـنِ لُؤَيٍّ انْقِذُوْا أَنْـفُسَـكُـمْ مِـنَ النَّارِ ...... غَيْرَ أَنَّ لَكُمْ رَحِماً سَأَبُلُّهَا بِبِلاَلِهَا.

(مسلم شريف ١/٤ ١١، رقم: ٤ ٠ ٢)

اے کعب بن لوی کے خاندان والو! تم خود اپنے کو جہنم سے بچانے کی فکر کرو (بعد ازاں آپ نے دیگر افرادِ خاندان کا نام لے کر یہی بات کہی، پھر فرمایا:) مگر تم سے رشتہ داری کا تعلق ہے، تو اس کو میں تر و تازہ رکھوں گا۔

اور صحیح روایات میں ہے کہ حضرت اسماء بنت ابی بکرؓ کی والدہ، قیلہ بنت عبدالعزیز، صلح حدیبیہ کے بعد مشرکہ ہونے کی حالت میں مدینہ منورہ آئیں، وہ کچھ مالی تعاون چاہتی تھیں، حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے اس بارے میں پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام سے مسئلہ پوچھا کہ: ''کیا میں اپنی والدہ کے ساتھ حسنِ سلوک کروں''؟ تو پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ: ''ہاں! اپنی والدہ کے ساتھ صلہ رحمی کرو''۔ (بخاری شریف ۱/۳۵۷ حدیث: ۲۶۲۰)

اور بخاری شریف میں ’’باب صلة الأخ المشرک‘‘ قائم کرکے یہ روایت ذکر کی گئی ہے کہ سیدنا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا عطا کردہ ایک ریشمی جوڑا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی منشاء کے مطابق اپنے رضاعی بھائی ’’عثمان بن حکیم‘‘ کو مکہ بھیجا تھا، جو اس وقت تک اسلام نہ لائے تھے۔ (بخاری شریف ۲/۸۸۴ حدیث: ۵۹۸۱)

اس سے معلوم ہوا کہ رشتہ داری کے اعتبار سے حسنِ سلوک کا حکم عام ہے، مسلمانوں کے ساتھ خاص نہیں ہے۔

ب:- اِسی طرح اگر پڑوسی غیر مسلم ہو تو پڑوسی ہونے کے اعتبار سے اس کے ساتھ اَچھا برتاؤ کرنا ضروری ہوگا۔

قرآنِ کریم میں فرمایا گیا: ﴿وَالْجَارِ الْجُنُبِ﴾ [النساء: ۳۱] یعنی اجنبی پڑوسی کے ساتھ احسان کرو جس میں غیر مسلم پڑوسی بھی شامل ہے۔ (ابن کثیر مکمل ۳۲۴)

اور روایات سے ثابت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اپنے غیر مسلم پڑوسیوں کا بھی خاص خیال رکھتے تھے۔

ج:- اگر کوئی غیر مسلم مظلوم ہو تو اس کا حق دلانے میں اس کی مدد کرنا، عین اسلامی تعلیم ہے، خواہ اس پر ظلم کرنے والا مسلمان ہو یا غیر مسلم۔ چناں چہ دورِ نبوت میں کئی ایسے واقعات پیش آئے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مقدمات میں غیر مسلم کے حق میں فیصلے دئے۔

خلاصہ یہ ہے کہ اسلام محض مذہب کی بنیاد پر خواہ مخواہ کسی انسان کو ستانے یا اذیت دینے کا قائل نہیں، اور غیر مسلموں کے ساتھ حسنِ سلوک سے مطلقاً منع نہیں کرتا، چناں چہ ارشادِ خداوندی ہے:

لَایَنْهٰكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِیْنَ لَمْ یُقَاتِلُوْكُمْ فِی الدِّیْنِ وَلَمْ یُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ دِیَارِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَتُقْسِطُوْآ اِلَیْهِمْ، اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الْمُقْسِطِیْنَ. (الممتحنة: ۸)

اللہ تعالیٰ تم کو ان لوگوں کے ساتھ احسان اور انصاف کا برتاؤ کرنے سے منع نہیں کرتا جو تم سے دین کے بارے میں نہیں لڑے، اور تم کو تمہارے گھروں سے نہیں نکالا، اللہ تعالیٰ انصاف کا برتاؤ کرنے والوں سے محبت رکھتے ہیں۔

اس آیت کے مصداق وہ غیر مسلم ہیں جن کا مسلمانوں سے کوئی نزاع نہیں ہے، نہ وہ دین کے درمیان رکاوٹ بنتے ہیں اور نہ مسلمانوں کو ان سے کوئی خطرہ ہے، تو ایسے غیر مسلموں کے ساتھ انسانی ناطہ سے حسن سلوک کرنا اسلام کی بنیادی تعلیمات میں شامل ہے۔

البتہ وہ غیر مسلم جو مسلمانوں سے بغض وعداوت رکھتے ہیں اور دین پر عمل کرنے میں رخنہ ڈالتے ہیں اور مسلمانوں کی اذیت رسانی میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھتے، تو ایسے دشمنوں کے ساتھ روابط کی اسلام واقعی اجازت نہیں دیتا؛ اس لئے کہ ان سے میل جول رکھنے میں قومی وملی نقصانات کا اندیشہ ہے۔ ارشاد خداوندی ہے:

إِنَّمَا يَنْهٰكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ قَاتَلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَاَخْرَجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ وَظَاهَرُوْا عَلٰى اِخْرَاجِكُمْ اَنْ تَوَلَّوْهُمْ، وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ. (الممتحنہ: ۹)

صرف ان لوگوں کے ساتھ دوستی کرنے سے اللہ تعالیٰ تم کو منع کرتا ہے جو تم سے دین کے بارے میں لڑتے ہوں، اور تم کو تمہارے گھروں سے نکالا ہو، اور تمہارے نکالنے میں مدد کی ہو، اور جو شخص ایسوں سے دوستی کرے گا سو وہ لوگ گنہ گار ہوں گے۔

سب غیر مسلم یکساں نہیں

اسلامی تعلیمات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ تمام غیر مسلموں کا معاملہ یکساں نہیں ہے؛ بلکہ حالات اور معاملات کے اعتبار سے صورتیں مختلف ہیں؛ لہٰذا جہاں جو صورت پیش آئے گی ویسا ہی معاملہ کیا جائے گا۔ دیکھا جائے تو سارے عالم کے غیر مسلموں کو درج ذیل پانچ طبقات میں تقسیم کیا جاسکتا ہے:

(۱) **اھل حرب** :- وہ غیر مسلم جو مسلمانوں سے جنگ پر آمادہ ہیں، یا جنگ میں مشغول ہیں، تو ان کے ساتھ سختی سے پیش آنے کا حکم ہے جو عین تقاضائے انصاف ہے؛ کیوں کہ اپنا دفاع اور اپنی خودمختاری کا تحفظ ہر قوم کا بنیادی حق ہے، خواہ اس کے لئے کوئی بھی تدبیر اپنانی پڑے۔

(۲) **مرتد و زندیق**:- وہ غیر مسلم جو پہلے مسلمان ہوں پھر مرتد ہوجائیں یا ایسے عقائد اختیار کرلیں جو دین کے قطعی نظریات کے خلاف ہوں اور وہ مہلت کے باوجود توبہ نہ کریں، تو انہیں اسلامی حکومت میں سخت ترین سزا (قتل) کا مستحق سمجھا جاتا ہے۔ (شامی بیروت ۲۴۲/۶)

اس لئے کہ اقرار کے بعد انکار دین کا مذاق اڑانے کے مرادف ہے، جو شریعت میں قابل برداشت نہیں۔ اسی زمرہ میں وہ لوگ بھی آتے ہیں جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم، قرآنِ کریم یا شعائر اسلام کے ساتھ گستاخی اور استہزاء کا معاملہ کریں، اس طرح کے لوگوں کا مقدمہ اگر اسلامی حاکم کے سامنے پیش ہو اور جرم ثابت ہوجائے تو ان کی سزا قتل ہے؛ لیکن جہاں اسلامی حکومت قائم نہ ہو یا قائم تو ہو؛ لیکن معاملہ حاکم وقت کے سامنے پیش نہ ہو، تو عام افراد کو اپنی جانب سے ایسے لوگوں پر سزا جاری کرنے کا اختیار نہیں ہے۔ (حدود وقصاص اور تعزیرات سے متعلق تمام احکامات میں مذکورہ وضاحت کو پیشِ نظر رکھنا ضروری ہے)

(۳) **مستامن**:- وہ غیر مسلم جو اپنے ملک سے کسی مسلم حکومت میں ویزا لے کر کچھ عرصہ کے لئے آئیں، تو ایسے غیر مسلموں کی جان اور مال کے تحفظ کی ذمہ داری مسلم حکومت کی ہوتی ہے، اور ان کے ساتھ کسی طرح کی زیادتی شرعاً جائز نہیں ہے۔ علامہ شامیؒ "شرح السیر" کے حوالہ سے نقل کرتے ہیں:

اَلْأَصْلُ أَنَّهُ يَجِبُ عَلَى الْإِمَامِ نُصْرَةُ الْمُسْتَأْمِنِيْنَ مَادَامُوْا فِيْ دِيَارِنَا فَكَانَ حُكْمُهُمْ كَأَهْلِ الذِّمَّةِ. (شامی زکریا ۲۸۰/۶)	ضابطہ یہ ہے کہ ویزا لے کر آنے والوں کی مدد کرنا حکومت پر لازم ہے، جب تک وہ ہمارے ملک میں مقیم رہیں، اور ان کا حکم ذمیوں (مسلم ملک کے غیر مسلم شہریوں) کے مانند ہے۔

(۴) **اہل ذمہ**:- وہ غیر مسلم جو کسی مسلم حکومت میں "جزیہ" (خراج) دے کر مستقل رہائش پذیر ہوں، ان کو ذمی یا اہل ذمہ کہا جاتا ہے، تو ایسے غیر مسلم شہریوں کو معاملات یعنی بیع وشراء وغیرہ میں عام مسلمانوں کے درجہ میں رکھا جاتا ہے؛ البتہ ان کو اپنے خاص مذہبی رسوم (پرسنل لاء) اپنانے کی عام اجازت ہوتی ہے، گویا انہیں جانی ومالی تحفظات مکمل حاصل ہوتے ہیں۔

(۵) **مُعَاهِدُ** :- وہ غیر مسلم جو مسلمانوں کے ساتھ کسی معاہدۂ امن سے مربوط ہیں، ان میں غیر مسلم ممالک بھی شامل ہو سکتے ہیں، اور غیر مسلم افراد بھی، تو ایسے لوگوں کے بارے میں حکم شرعی یہ ہے کہ ان کے ساتھ کئے ہوئے معاہدہ کی پاس داری کی جائیگی، گویا عہد کا پاس ولحاظ رکھنا اور غداری سے بچتے رہنا اسلام کی اہم تعلیم ہے۔ آج کل ایسی جمہوری حکومتیں جن کی بنیاد مذہب پر نہیں ہے، ان کے مسلم وغیر مسلم شہری سب آپس میں دستور اور عہد کے پابند ہوتے ہیں، اس لئے انہیں بہرحال عہد شکنی سے بچنا لازم ہے، اور ان میں جو عہد توڑنے کی ابتداء کرے گا وہی ظالم اور غدار کہلائے گا۔

اِسلام میں عہد وامان کی رعایت کا حکم

درج بالا تفصیل سے معلوم ہوا کہ قرآنِ کریم کی جن آیتوں میں کفار سے قتال کرنے کے احکامات دیئے گئے ہیں ان کا تعلق انہی کفار سے ہے جو اسلام اور مسلمانوں سے برسرپیکار ہیں، یہ مطلب ہرگز نہیں کہ جو کافر جہاں ملے تہِ تیغ کر دیا جائے۔ چناں چہ جو غیر مسلم اسلامی حکومت کی بالا دستی قبول کرلیں ان کے جان ومال کے تحفظ کی ذمہ داری اسلامی حکومت پر اسی طرح لازم ہوتی ہے جیسے ایک مسلمان کے تحفظ کی ذمہ داری ہوتی ہے، اور جس طرح اسلامی حکومت میں کسی مسلمان کو اذیت دینا اور جانی و مالی نقصان پہنچانا منع ہے، بالکل اسی طرح اسلامی مملکت میں رہنے والے غیر مسلم کی حق تلفی بھی قطعاً منع ہے۔ کسی غیر مسلم شہری کو ستانے پر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے سخت ترین وعید ارشاد فرمائی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اعلان ہے:

مَنْ قَتَلَ مُعَاهِدًا لَمْ يُرِحْ رَائِحَةَ الْجَنَّةِ وَإِنَّ رِيحَهَا تُوجَدُ مِنْ مَسِيرَةِ أَرْبَعِينَ خَرِيفًا. (رواه البخاري ٤٢٩/١ رقم: ٣١٦٦، مشكوة ٢٩٩)

جو شخص کسی ذمی (اسلامی حکومت میں امن لے کر رہنے والے غیر مسلم شہری) کو قتل کردے تو وہ جنت کی خوشبو بھی نہ سونگھ پائے گا اگرچہ جنت کی خوشبو ۴۰ رسال کی مسافت سے آنے لگتی ہے۔

اور ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں:

مَنْ قَتَلَ مُعَاهِداً فِیْ غَیْرِ کُنْهِهٖ حَرَّمَ اللّٰـهُ عَلَیْهِ الْجَنَّةَ. (أبوداؤد شریف ۲/۳۸۰ رقم: ۲۷٦٠)

جو شخص کسی ''معاہد'' کو بلاوجہ قتل کردے تو اللہ تعالیٰ اس پر جنت حرام فرمادیں گے۔

معاہد کی تعریف کرتے ہوئے شارحین حدیث لکھتے ہیں کہ: ''اس سے مراد وہ شخص ہے جس نے امام المسلمین سے جنگ نہ کرنے کا عہد کررکھا ہو، خواہ وہ ذمی (اسلامی حکومت کا غیر مسلم شہری) ہو یا کسی اور ملک کا رہنے والا ہو''۔ (حاشیہ ابوداؤد شریف ۲/۳۸۰)

اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ذمیوں کے بارے میں یہ فرمان جاری کررکھا تھا:

أُوْصِیْهِ بِذِمَّةِ اللّٰهِ وَذِمَّةِ رَسُوْلِهٖ أَنْ یُّوْفٰی لَهُمْ بِعَهْدِهِمْ وَأَنْ یُّقَاتَلَ مَنْ وَرَائَهُمْ وَلاَ یُکَلَّفُوْنَ إِلَّا طَاقَتَهُمْ. (بخاری شریف ۱/٤۲۹ رقم: ۳۰٥۲)

میں ان کو اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے دئے ہوئے امان کا خیال رکھنے کی تاکید کرتا ہوں کہ ذمیوں کے عہد کے ساتھ پوری وفاداری برتی جائے اور ان کے دشمنوں سے جنگ کی جائے، اور ان کی طاقت سے زیادہ ان کو مکلّف نہ بنایا جائے (یعنی وسعت سے زیادہ جزیہ نہ لیا جائے)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ منوّرہ تشریف لائے تو آپ نے مدینہ کے اطراف میں رہنے والے قبائل سے ایک مشترکہ معاہدہ کیا، جس میں ہر شہری کے جان ومال کے تحفظ اور دشمن سے بچاؤ کے لئے مشترک اقدام کرنے کے لئے عہد لیا گیا تھا، چناں چہ جب تک متعلقہ فریق اس معاہدہ پر کاربند رہے اور انہوں نے عہد نہیں توڑا، تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ان کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کی۔ بعد میں جو بھی کارروائی ہوئی ان کے عہد توڑنے کے بعد ہوئی۔ اسی طرح جب کفار مکہ سے صلح حدیبیہ ہوگئی تو جب تک کفار مکہ عہد کے پابند رہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے کوئی جنگ نہیں کی، جو بھی جنگ ہوئی ان کے عہد توڑنے کے بعد ہوئی۔

اور یہی حکم قیامت تک باقی ہے کہ جو مسلمان جب بھی اور جہاں بھی کسی عہد سے وابستہ

ہوں، تو اُنہیں اس عہد کی پابندی لازم ہے، جب تک وہ عہد موجود ہے، اس کی خلاف ورزی اُن کے لئے صحیح نہیں ہے۔

اَمان دینے میں انتہائی وسعت ظرفی

اِسلام میں اہل حرب کفار کو جان ومال کا امان دینے میں جس وسعت ظرفی کا مظاہرہ کیا گیا ہے اس کی نظیر ملنی مشکل ہے، اس امان دینے میں کسی حکومتی کارروائی کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی؛ بلکہ اسلامی حکومت کا ادنی سے ادنی شہری بھی کسی کافر کو امان دے سکتا ہے، اور اس کے امان کو بھی وہی حیثیت حاصل ہوگی جو حکومت کی طرف سے امان ملنے والوں کو ہوتی ہیں۔ (بشرطیکہ خطرناک صورتِ حال نہ ہو) اس سلسلہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایات آبِ زر سے لکھے جانے کے قابل ہیں، آپ نے نہ صرف اس طرح کے امان کو شرفِ قبول بخشا؛ بلکہ اس کی خلاف ورزی کرنے والوں کے بارے میں سخت وعیدیں سنائیں۔ آپ نے ارشاد فرمایا:

ذِمَّةُ الْمُسْلِمِيْنَ وَاحِدَةٌ يَسْعىٰ بِهَا أَدْنَاهُمْ، فَمَنْ أَخْفَرَ مُسْلِماً فَعَلَيْهِ لَعْنَةُ اللّٰهِ وَالْمَلائِكَةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِيْنَ. لا يَقْبَلُ اللّٰهُ مِنْهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ صَرْفاً وَلا عَدْلاً.

(بخاری شریف ۱/۴۵۱ رقم: ۳۱۷۹)

سب مسلمانوں کے معاہدہ کی حیثیت یکساں ہے، جس کو ان میں ادنی سے ادنی شخص بھی انجام دینے کا مجاز ہے؛ لہٰذا جو شخص کسی مسلمان کے لئے ہوئے عہد کو پامال کرے، اس پر اللہ تعالیٰ فرشتوں اور سب لوگوں کی لعنت ہے، اللہ تعالیٰ قیامت میں اس کی فرض یا نفل کوئی عبادت قبول نہ فرمائیں گے۔

اور ایک دوسری حدیث میں ارشاد فرمایا:

اَلْمُسْلِمُوْنَ تَتَكَافَأُ دِمَائُهُمْ يَسْعىٰ بِذِمَّتِهِمْ أَدْنَاهُمْ وَيُجِيْرُ عَلَيْهِمْ أَقْصَاهُمْ وَهُمْ يَدٌ عَلىٰ مَنْ

سب مسلمانوں کے خون برابر ہیں (یعنی جان کے اعتبار سے ان میں کوئی اونچ نیچ نہیں) ان میں کم تر شخص بھی سب کی طرف سے عہد کرسکتا

سِوَاهُمْ، يَرُدُّ مُشَدُّهُمْ عَلىٰ مُضَعَّفِهِمْ وَمُتَسَرِّيهِمْ عَلىٰ قَاعِدِيهِمْ لاَ يُقْتَلُ مُؤْمِنٌ بِكَافِرٍ وَلاَ ذُوْ عَهْدٍ فِيْ عَهْدِهٖ. (أبوداؤد شريف ٦٢٣/٢ حديث: ٤٥٣٠، بذل المجهود جديد ٤٦٧/٩)

ہے، اور دور دراز کا رہنے والا بھی کسی کو پناہ دے سکتا ہے، وہ دشمن کے مقابلہ میں سب ایک دوسرے کے معاون ہیں، لشکر میں تیز رفتار سواریوں پر سوار لوگ اور کمزور سواریوں والے لوگ (مال غنیمت میں) برابر کے حصہ دار ہیں، اور (جب لشکر دشمن کے علاقہ میں پڑاؤ کرے) ان میں ٹکڑیوں میں نکلنے والے لوگ اور (پڑاؤ پر) بیٹھے رہنے والے لوگ سب کا حق برابر ہے، اور کسی مسلمان کو کافر کے بدلہ میں قتل نہیں کیا جائے گا اور نہ کسی عہد والے کو عہد باقی رہتے ہوئے مارا جائے گا۔

روایات میں ہے کہ حضرت ام ہانی رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فتح مکہ کے موقع پر اپنے بعض رشتہ داروں کو اپنے طور پر پناہ دے دی تھی، جب کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ ان لوگوں کو قتل کرنا چاہتے تھے، حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا نے پیغمبر علیہ السلام سے شکایت کی، تو نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ: ''ام ہانی نے جس کو امن دیا ہم نے بھی اسے امان دیا''۔ (ابوداؤد شریف ۳۸۰/۲ حدیث: ۲۷۶۳، ترمذی شریف ۲۸۷/۲، مبسوط سرخسی ۵۷/۱۰)

فتح مکہ ہی کے موقع پر بعض بڑے مجرموں کو پیغمبر علیہ السلام نے عمومی امان کے اعلان سے مستثنیٰ رکھا تھا، جن میں عبداللہ بن ابی سرح، عکرمہ ابن ابی جہل اور صفوان بن امیہ شامل تھے؛ لیکن جب ان کے لئے امان کی سفارش کی گئی تو انہیں بھی آپ ﷺ نے امان دے دیا۔ (زاد المعاد ۴۱۱/۳)

غداری بہر حال منع ہے

اسلام میں غداری جائز نہیں، حتی کہ اگر کسی دشمن سے کوئی معاہدہ کر رکھا ہے تو معاہدہ باقی رہتے ہوئے اس کے خلاف اقدام کرنا جائز نہیں ہے۔ صحیح روایات میں ہے کہ سیدنا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رومی عیسائیوں سے مؤقت ناجنگ معاہدہ کر رکھا تھا، جب معاہدہ کے ختم ہونے کا وقت قریب ہوا تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اسلامی لشکر کو نقل وحرکت کی اجازت

دے دی؛ تاکہ وہ سرحد پر جمع ہو جائیں اور معاہدہ کی تاریخ گذرتے ہی فوراً حملہ آور ہوں، اسی دوران اچانک دیکھا گیا کہ ایک صاحب خچر پر سوار یہ اعلان کرتے جارہے ہیں: اَللّٰهُ أَكْبَرُ — اَللّٰهُ اَكْبَرُ وَفَاءٌ لاَ غَدْرٌ. (یعنی اللہ سب سے بڑا ہے، اللہ سب سے بڑا ہے وفاداری کا حکم ہے غداری کا نہیں) حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو جب خبر ملی تو پوچھا کہ کون صاحب ہیں؟ تو معلوم ہوا کہ صحابی رسول حضرت عمرو بن عبسہ رضی اللہ عنہ ہیں، چناں چہ ان سے پوچھا گیا کہ آپ یہ اعلان کیوں کررہے ہیں؟ تو انہوں نے فرمایا کہ میں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے کہ:

مَنْ كَانَ بَيْنَهُ وَبَيْنَ قَوْمٍ عَهْدٌ فَلاَ يَحُلَّنَّ عُقْدَةً وَلاَ يَشُدَّهَا حَتّٰى يَنْقَضِيَ أَمَدُهَا أَوْ يُنْبَذَ إِلَيْهِمْ عَلٰى سَوَاءٍ. (أبوداؤد ۳۷۹/۲-۳۸۰ حديث: ۲۷۵۹، سنن الترمذي ۲۸۷/۲)

جس کا کسی قوم سے معاہدہ ہو تو وہ معاہدہ کی نہ کوئی گرہ کھولے اور نہ باندھے؛ تاآں کہ معاہدہ کا وقت ختم ہوجائے یا اس عہد کو اس طرح واپس کردیا جائے کہ دونوں برابر ہوجائیں۔

یہ روایت سن کر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لشکر کو واپس جانے کا حکم دے دیا۔

نیز پیغمبر علیہ السلام نے غداری کرنے والوں کے لئے یہ سخت وعید بھی سنائی ہے:

لِكُلِّ غَادِرٍ لِوَاءٌ يُنْصَبُ بِغَدْرَتِهٖ. (بخاری شریف ۴۵۲/۱ رقم: ۳۱۸۸، مسلم شريف رقم: ۱۷۳۵)

ہر غدار کے لئے ایک علامتی جھنڈا ہوگا جو اس کی غداری کے اعتبار سے گاڑا جائے گا۔

تاہم اگر کسی عہد والی قوم یا فرد سے بدعہدی اور خیانت کا اندیشہ ہو تو انہیں پہلے ہی وقت مقررہ پر عہد ختم کرنے کا انتباہ کردیا جائے، جس کی ہدایات قرآنِ پاک کی سورۂ انفال اور برأت میں دی گئی ہیں۔ چناں چہ ایک آیت میں فرمایا گیا:

وَاِمَّا تَخَافَنَّ مِنْ قَوْمٍ خِيَانَةً فَانْبِذْ اِلَيْهِمْ عَلٰى سَوَآءٍ، اِنَّ اللّٰهَ لاَ

اور اگر آپ کو کسی قوم سے خیانت (عہد شکنی) کا اندیشہ ہو تو آپ وہ عہد ان کو اس طرح واپس

يُحِبُّ الْخَائِنِيْنَ. (الانفال: ۵۸) کر دیجئے کہ آپ اور وہ برابر ہو جائیں، بلاشبہ اللہ تعالیٰ دغا بازوں کو پسند نہیں فرماتے۔

درج بالا تفصیلات سے اسلام کی منصفانہ اور امن پسندانہ تعلیمات کا بآسانی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

ہندوستانی مسلمانوں کی شرعی حیثیت

ہندوستان (یا دیگر سیکولر جمہوری ملکوں) میں رہنے والے مسلمانوں کی شرعی پوزیشن یہ ہے کہ یہاں کا ہر شہری ایک جمہوری دستور کا پابند ہے۔ مسلمان بھی اس جمہوری آئین کو قبول کرتے ہیں جس میں ملک کے ہر شہری کے جان و مال کے تحفظ اور مذہبی آزادی کی ضمانت دی گئی ہے؛ لہٰذا اس عہد کی پاس داری کرتے ہوئے جب تک بھی یہ دستور موجود ہے، یہاں کے رہنے والے مسلمانوں کو یہ اجازت نہیں دی جاسکتی کہ وہ ملک کے غیر مسلم بے قصور شہریوں پر کسی طرح کا جانی یا مالی ظلم کریں۔ ہاں اگر کوئی فرد یا جماعت دستور کو توڑتے ہوئے خواہ مخواہ مسلمانوں پر ظلم وستم کرنے لگے، تو پھر مبتلیٰ بہ مسلمانوں کو اپنے دفاع کا حق یقیناً حاصل ہوگا اور ایسے مجرموں کو جو ملک کے دستور کی دھجیاں اڑائیں، سبق سکھانے کے لئے ہر قانونی راستہ اپنانے کی اِجازت ہوگی؛ تاہم یہ کارروائی صرف قصورواروں تک محدود رہنی چاہئے، اور جو غیر مسلم شہری اَمن پسندی کے ساتھ یہاں صدیوں سے رہتے چلے آرہے ہیں، اُن کے جان و مال پر کسی قسم کی دست درازی کی اِجازت نہ ہوگی۔

اسلام میں حکم جہاد کا پس منظر

گذشتہ صفحات میں غیر مسلموں کے ساتھ اسلام کی اَمن پسند اور انصاف پر مبنی تعلیمات کا خلاصہ آچکا ہے، ان سب باتوں کے باوجود غیروں کی طرف سے ہمیشہ اسلام کو ایک خون خوار مذہب کی شکل میں پیش کرنے کی ناپاک کوششیں برابر جاری رہتی ہیں، اور پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ذریعہ کئے گئے جہادی اِقدامات کو غلط رنگ دے کر بیان کیا جاتا ہے، اور جان بوجھ کر اُن حالات کو نظر انداز کردیا جاتا ہے جن کی بنیاد پر جہاد کے احکامات اور دشمنوں کو ٹھکانے لگانے کی

ہدایتیں دی گئی ہیں۔ حالاں کہ جو شخص بھی تعصب کی عینک اُتار کر انصاف کی نظر سے دورِ نبوت کے حالات کا جائزہ لے گا، تو وہ بے اختیار یہ ماننے پر مجبور ہوگا کہ اصل زیادتی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے نہیں ہوئی؛ بلکہ زیادتیاں اُن لوگوں نے کیں جو پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مخلصانہ دعوت میں بلا وجہ رکاوٹ بنے۔ جب دنیا میں نظریاتی تبلیغ کا حق ہر ایک کو ہے، تو سوال یہ ہے کہ پیغمبر علیہ السلام نے جس وقت مکہ معظّمہ میں کلمہ توحید کی دعوت دی، تو اس پر معقول گفتگو کرنے کے بجائے ہٹ دھرمی اور عناد کا طریقہ کیوں اپنایا گیا؟ کیا یہ فسطائیت اور عصبیت کا کھلا مظاہرہ نہیں تھا؟ حد تو یہ ہے کہ بعض ایسے لوگ جو بعثت سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قدر معتقد تھے کہ عظمت کی وجہ سے نام کے بجائے ''امین'' اور ''صادق'' کے لقب سے آپ کو پکارتے تھے، جیسے ہی آپ ﷺ نے بعثت کے بعد بحکم خداوندی دعوتِ دین کا کام شروع کیا وہ لوگ آپ ﷺ کے جانی دشمن بن گئے، اور تیرہ سال میں آپ کو اور آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم کو ستانے میں کوئی دقیقہ نہ چھوڑا، اس دور کے جو واقعات کسی طرح روایات میں محفوظ رہ گئے ان میں سے چند درج ذیل ہیں:

مشرکین کی ایذاءرسانیاں

- نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو برملا جھوٹا، جادوگر، کاہن اور مجنون وغیرہ کہا گیا۔ (الروض الانف ۲؍۴۰) اور گالیاں دی گئیں۔ (سیرۃ المصطفیٰ ۱؍۲۱۴)
- پیغمبر علیہ السلام پر کوڑا کرکٹ ڈالا گیا۔ (الروض الانف ۲؍۴۰، حیاۃ الصحابہ ۱؍۲۸۰)
- آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر کے دروازے پر غلاظتیں اور خون آلودہ کپڑے ڈالے گئے۔ (الروض الانف ۲؍۴۰)
- ایک مرتبہ مکہ کے سردار امیہ بن خلف نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ انور پر اپنا تھوک ڈال کر اپنی ابدی بدبختی پر مہر لگا لی۔ (الروض الانف ۲؍۴۰)
- ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ شریف کے قریب نماز پڑھ رہے تھے کہ ایک بدترین کافر ''عقبہ ابن ابی معیط'' نے سجدہ کے وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی گردن پر اس زور سے

اپنا قدم رکھا کہ آپ کی آنکھیں باہر نکلنے کو ہوگئیں۔ (الروض الانف ۴۰/۲)

○ ایک مرتبہ نماز کے دوران جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم سجدہ میں تشریف لے گئے تو اسی شقی القلب ''عقبہ ابن ابی معیط'' نے ابوجہل کے کہنے پر اونٹ کا غلیظ اوجھ آپ کی کمر پر رکھ دیا کہ آپ سر نہ اٹھا سکے اور یہ منظر دیکھ کر مکہ کے بڑے بڑے کفار سامنے کھڑے کھڑے ٹھٹھول کرتے رہے۔

(بخاری شریف ۴۳/۱ ۵ حدیث: ۳۸۵۴، مسلم شریف ۱۰۸/۲)

○ ایک مرتبہ اسی لعین ''عقبہ ابن ابی معیط'' نے نماز پڑھتے ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے گلے میں کپڑا ڈال کر اتنی زور سے کھینچا کہ آپ کا دم گھٹنے لگا اور بمشکل تمام حضرت ابوبکرؓ نے دھکا دے کر عقبہ کو ہٹایا تو وہ کفار نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ کر حضرت ابوبکرؓ پر لپٹ گئے اور ان کے سر اور داڑھی کے بال اکھیڑ ڈالے۔ (الروض الانف ۴۰/۲)

○ ایک مرتبہ کفار نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس قدر زدوکوب کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بے ہوش ہوگئے۔ (حیاۃ الصحابہ ۲۸۴/۱)

○ شعب ابی طالب میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا پورے خاندان سمیت سخت ترین بائیکاٹ کیا گیا اور تین سال تک نہایت تنگی اور تکلیف میں وقت گذارا۔ (البدایۃ والنہایۃ ۹۱/۳)

○ طائف میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نہایت وحشیانہ اور انسانیت سوز حرکتیں کی گئیں، اور آپ پر اس قدر پتھراؤ کیا گیا، جس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا پورا بدن لہولہان ہوگیا۔ (بخاری شریف ۴۵۸/۱، حیاۃ الصحابہ ۲۹۱/۱)

○ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کا پختہ منصوبہ بنایا گیا اور طے کیا گیا کہ سب قبائل کے نمائندے مل کر آپ کو شہید کریں گے؛ لیکن اللہ تعالیٰ نے آپ کو محفوظ رکھا اور آپ بحفاظت ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لے گئے۔ (الانفال: ۳۰)

علاوہ ازیں ابتدا میں ایمان لانے والے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کو بھی نہایت سخت اذیتوں سے دوچار ہونا پڑا۔ چناں چہ:

○ سیدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جب سب سے پہلے اسلام کی دعوت دی تو کفار نے انہیں مار مار کر بے ہوش کر دیا، ایک کافر ”عتبہ بن ربیعہ“ آپ کے پیٹ پر چڑھ کر کودتا رہا اور اپنے جوتے سے آپ کے چہرے پر وار کرتا رہا، جب آپ کے خاندان والے آپ کو اٹھا کر گھر لے گئے تو سخت ضرب کی وجہ سے سب یہی سمجھ رہے تھے کہ اب آپ زندہ نہ بچیں گے۔ (البدایۃ والنہایہ ۳/ ۵۴)

○ سیدنا حضرت بلال حبشی رضی اللہ عنہ کو محض اسلام لانے پر امیہ ابن خلف نے یہ سزا دی کہ مکہ کی سخت تپتی ہوئی دھوپ میں گرم زمین پر لٹا کر سینے پر بھاری پتھر رکھ دیتا اور کہتا کہ: ”یا تو دوبارہ کفر قبول کرو ورنہ اسی طرح تمہاری موت آجائے گی“ اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ پوری استقامت سے وحدانیت کا نعرہ بلند فرماتے رہتے۔ (البدایۃ والنہایہ ۳/ ۶۴) اور کبھی مکہ کے اوباش لڑکوں کے حوالے کر دیا جاتا وہ آپ کو مکہ کی گلیوں میں گھسیٹتے پھرتے تھے۔ (حیاۃ الصحابہ ۳/ ۳۰۶)

○ امیر المؤمنین سیدنا حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب اسلام قبول کیا تو آپ کے چچا حکم بن العاص نے آپ کو ایک ستون سے باندھ دیا کہ جب تک اسلام نہ چھوڑو گے تمہیں نہ کھولوں گا، مگر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی استقامت دیکھ کر اسے کھولنا پڑا۔ (حیاۃ الصحابہ ۱/ ۳۰۳)

○ ایک مرتبہ کفار نے محض قرآنِ کریم بلند آواز سے پڑھنے پر حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو اس قدر مارا کہ آپ کے چہرے پر نشانات پڑ گئے۔ (الروض الانف ۲/ ۸۰)

○ حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ، اُن کے والد حضرت یاسر رضی اللہ عنہ اور اُن کی والدہ حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا کو کفار انگاروں پر لٹاتے تھے، جس سے ان کے کمر کی چربی تک پگھل جاتی اور یہ لوگ بے ہوش ہو جاتے، حضرت یاسر رضی اللہ عنہ انہی مصائب کی بنا پر وفات پا گئے، اور حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا کی شرم گاہ میں ابوجہل نے برچھی ماری، جس سے آپ شہید ہو گئیں، حالاں کہ حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا اس وقت نہایت بوڑھی اور ضعیفہ تھیں، ملعون ظالم نے بڑھاپے پر بھی ترس نہ کھایا۔ (حیاۃ الصحابہ ۱/ ۳۰۸، سیرت المصطفیٰ ۱/ ۲۲۷)

○ حضرت خباب رضی اللہ عنہ کو دہکتے انگاروں پر لٹا کر سینے پر پیر رکھ دیا جاتا؛ تاکہ ہل

جل نہ سکیں اور وہ انگارے بدن کی چربی پگھلنے سے بجھ جاتے تھے،اسی بنا پر آپ کی پیٹھ پر سفید داغ ہو گئے تھے۔(حیاۃ الصحابہ ۱/۳۰۹)

○ حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ کو اسلام لانے پر ان کے چچا چٹائی میں لپیٹ کر دھواں چھوڑ دیتے تھے۔(سیرۃ المصطفیٰ ۱/۲۳۶)

○ لعین ابوجہل کی اسلام دشمنی کا حال یہ تھا کہ اسے جب یہ پتہ چلتا کہ مکہ کا کوئی شخص مسلمان ہوگیا ہے، تو اگر وہ اسلام لانے والا شخص عزت دار ہوتا تو جا کر اس کی ڈانٹ ڈپٹ کرتا اور اس کی عزت خراب کرنے کی کوشش کرتا، اور اگر تاجر ہوتا تو کہتا کہ میں تیری تجارت چلنے نہ دوں گا اور تیرا کاروبار تباہ کر دوں گا،اور اگر اسلام لانے والا شخص کمزور ہوتا تو اس کی پٹائی کرتا اور دھمکیاں دیتا تھا۔(الروض الانف ۲/۸۷)

○ انہی تنگیوں اور ایذارسانیوں سے تنگ آکر بہت سے مسلمان حبشہ کی طرف ہجرت کرنے پر مجبور ہوئے ،مگر کفار مکہ نے حبشہ تک ان لوگوں کا پیچھا کیا اور شاہِ حبشہ سے مطالبہ کہ وہ ان مسلمانوں کو اپنے یہاں پناہ نہ دیں۔(سیرت ابن ہشام ۱/۹۰)

یہ تو چند نمونے تھے جو کسی طرح تاریخ میں محفوظ رہ گئے ورنہ اس سے بھی زیادہ سنگین مظالم مسلمانوں پر روا رکھے گئے ،اور مکہ معظّمہ میں ان کا ناطقہ بند کر دیا گیا۔

فساد کو مٹانے کے لئے جہاد

اَب پوری مہذب دنیا سے ہمارا سوال ہے کہ اِن مظالم کو دنیا کے کس دستور یا منشور کے اعتبار سے جائز قرار دیا جا سکتا ہے؟ کیا شرافت اِسی کا نام ہے کہ دنیا میں غنڈہ گردی پھیلی رہے، اور لوگ تماشائی بن کر دیکھتے رہیں، یا مجبور محض بن کر ظلم سہتے رہیں؟ نہیں، ہرگز نہیں! بلکہ دنیا میں امن وامان کے قیام اور فتنہ وفساد کو مٹانے کے لئے ایسے ظالموں کو ان کی اوقات بتانا ضروری ہے۔ چناں چہ ایسے ہی شریروں کے ناپاک وجود کو دنیا سے نیست ونابود کرنے کے لئے اسلام میں ’’جہاد‘‘ کے مقدس فرض کی ادائیگی کا حکم دیا گیا؛ بلکہ اسے اسلام کا چوٹی کا عمل قرار دیا گیا۔(الترغیب والترہیب ۴:۳۰۴)

قرآنِ کریم میں اہل اسلام کو جہاد کی ترغیب دیتے ہوئے ارشاد فرمایا گیا:

وَمَا لَكُمْ لاَ تُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ وَالْوِلْدَانِ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ اَهْلُهَا وَاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا وَّاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ نَصِيْراً. اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ الطَّاغُوْتِ فَقَاتِلُوْا اَوْلِيَآءَ الشَّيْطٰنِ، اِنَّ كَيْدَ الشَّيْطٰنِ كَانَ ضَعِيْفاً. (النساء:)

اور تمہارے پاس اللہ کی راہ میں جہاد نہ کرنے کا کیا عذر ہے، اور ان کمزور مردوں عورتوں اور بچوں کے لئے (لڑنے میں کیا رکاوٹ ہے) جو یہ دعا کرتے ہیں کہ اے ہمارے رب ہم کو اس بستی سے نکال جہاں کے لوگ ظالم ہیں، اور ہمارے لئے اپنے پاس سے کوئی حمایتی کر دیجئے، اور ہمارے واسطے اپنے پاس سے کوئی مددگار عطا کیجئے۔ جو لوگ ایمان والے ہیں وہ اللہ کی راہ میں لڑتے ہیں اور جو کافر ہیں وہ شیطان کی راہ میں لڑتے ہیں، سو شیطان کے حمایتیوں سے لڑو، بے شک شیطان کا فریب سست ہے۔

اس آیت میں پوری طرح واضح کر دیا گیا کہ اسلامی جہاد کا مقصد محض ملک گیری یا خوں ریزی نہیں؛ بلکہ امن وامان کا قیام اور ظلم و جبر کا خاتمہ ہے، جو انسانیت کی ایک ناگزیر ضرورت ہے۔ (تاہم اسلام نے جہاد کی شرائط اور اس کے ضوابط بھی مقرر کر دیئے ہیں، جن میں سے ایک اہم شرط اسلامی امارت وحکومت کا وجود بھی ہے؛ کیوں کہ اگر ایک امیر کی سرکردگی نہ ہو تو پھر ایسی جنگ سے مقدس مقاصد ہرگز حاصل نہ کئے جاسکیں گے؛ بلکہ دنیا خانہ جنگی کا شکار ہوکر بدامنی کی آماج گاہ بن جائے گی، جس کا بار بار تجربہ ہو چکا ہے؛ لہٰذا محض جہاد کا لیبل لگانے سے ہر لڑائی کو جہاد نہیں کہا جاسکتا؛ بلکہ اس کی شرائط کو ملحوظ رکھنا ناگزیر ہے، اور اس معاملہ میں پورا دورِ نبوت امت کے لئے نمونہ کی حیثیت رکھتا ہے، یعنی جہاں جس دور کے مشابہ حالات پائیں جائیں گے وہاں ویسے ہی احکام جاری ہوں گے) (مرتب)

لڑائی آخری حربہ ہے

جاننا چاہئے کہ شریعت اسلامیہ میں لڑائی بذاتِ خود مقصود نہیں؛ بلکہ جب سارے راستے مسدود ہو جائیں اور قیام امن کے لئے قتال ضروری ہو جائے یا ایسی صورتِ حال پیدا ہو جائے کہ لڑائی کے بغیر چارہ ہی نہ رہے، تو اب شرائط کے مطابق بے جگری سے جہاد وقتال مطلوب اور پسندیدہ ہو جاتا ہے، جو عین تقاضائے انصاف ہے، پس کوئی بھی عقل مند اور منصف مزاج شخص شریعت کے اس موقف کو ہرگز غلط قرار نہیں دے سکتا، پیغمبر علیہ السلام صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے فرماتے تھے:

لاَ تَتَمَنَّوُا لِقَاءَ الْعَدُوِّ وَسَلُوا اللّٰهَ الْعَافِيَةَ، فَإِذَا لَقِيْتُمُوْهُمْ فَاصْبِرُوْا. (بخاري ٤١٦/١ رقم: ٢٩٦٦، فتح الباري ١٤٩/٧)

دشمن سے لڑنے کی تمنا مت کرو اور اللہ تعالیٰ سے عافیت کی دعا مانگو؛ لیکن جب جنگ کا موقع آجائے تو ڈٹ جاؤ۔

خود پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کا عمل مبارک اس بارے میں یہی رہا کہ آپ نے ٹکراؤ سے بچنے کی ہر ممکن کوشش فرمائی، بعثت کے بعد مکہ معظّمہ کی پوری ۱۳؍سالہ زندگی صبر واعراض میں گذاری، پھر ہجرتِ مدینہ منورہ کے بعد جب وہاں کے غیر مسلم قبائل (یہود وغیرہ) سے سابقہ پڑا تو آپ نے نہایت عاقلانہ حکمت عملی اپناتے ہوئے سبھی قبائل کو ایک مضبوط ’’معاہدۂ امن‘‘ سے مربوط فرمادیا، بعد ازاں آپ نے اہل مکہ کی حربی طاقت کو اقتصادی نقصان پہنچانے کے لئے سردار مکہ ابوسفیان کے تجارتی قافلہ کے تعاقب کا اقدام تو فرمایا (جس کے نتیجہ میں غزوۂ بدر پیش آیا اور غیر متوقع طور پر ظالموں کا غرور ٹوٹا) لیکن مدینہ کے ’’معاہدۂ امن‘‘ سے اتفاق کرنے والے غیر مسلم یہودی قبائل سے آپ نے ابتداءً کوئی تعرض نہیں کیا، تاآں کہ وہ قبیلے خود ہی معاہدہ کو توڑنے کے مرتکب ہوئے، جس کے جواب میں کارروائیاں کی گئیں۔ چناں چہ:

- ۲؍ھ میں بنوقینقاع نے عہد شکنی کی جس پر ان کا محاصرہ کیا گیا اور بالآخر انہیں مدینہ سے جلاوطن کر دیا گیا۔

○ ۴ھ میں بنونظیر نے پیغمبر علیہ السلام کے قتل کی سازش کی ان کا بھی محاصرہ کیا گیا اور وہ بھی ذلت کے ساتھ جلاوطن ہوئے۔

○ ۵ھ میں بنوقریظہ نے بدعہدی کے سارے ریکارڈ توڑ دئے تو مجبوراً غزوۂ احزاب کے بعد ان کا کام تمام کر دیا گیا۔ (تفصیل کے لئے دیکھیں: زادالمعاد ۱۰۵۱-۱۵۴۱-۴۲۵، ودیگر کتب سیر)

الغرض پوری اسلامی تاریخ گواہ ہے کہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے نہ تو عہد والوں سے خواہ مخواہ لڑائی کی اور نہ خود بدعہدی کے مرتکب ہوئے؛ البتہ بدعہدی کرنے والوں کو سبق ضرور سکھایا گیا۔

صلح حدیبیہ اور مشرکین کی عہد شکنی

حتیٰ کہ ہجرت فرمانے کے چھ سال بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرہ کی نیت سے صحابہ کے ساتھ مکہ کا سفر فرمایا، تو مکہ کے کافروں نے حدیبیہ کے مقام پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو روک دیا اور عمرہ کے لئے مکہ میں داخل نہیں ہونے دیا، آپ نے بہت کہا کہ ہمارا مقصد کوئی جنگ نہیں، ہم احرام باندھ کر آئے ہیں، عمرہ کر کے ہم واپس چلے جائیں گے، مگر یہ ضدی اور ہٹ دھرم ظالم مان کر نہیں دئے، بالآخر بعد میں مسلمانوں نے بظاہر دب کر ایک ناجنگ معاہدہ کیا جسے ''صلح حدیبیہ'' کہا جاتا ہے، اس میں یہ طے کیا گیا تھا کہ: ''آئندہ دس سال تک کفار مکہ سے کوئی جنگ نہیں ہوگی، اور یہ کہ اگر کوئی کافر مسلمان ہوکر مدینہ چلا جائے گا تو اسے مدینہ میں رہنے نہیں دیا جائے گا، اس کے برخلاف اگر کوئی مسلمان مرتد ہوکر مکہ آجائے گا تو اس کی واپسی ضروری نہ ہوگی''۔ اسی طرح یہ بھی طے ہوا تھا کہ عرب کے قبائل میں سے جو قبیلہ چاہے مسلمانوں سے یا قریش مکہ سے دوستی کا معاہدہ کرلے؛ چناں چہ بنوخزاعہ نے مسلمانوں سے اور بنوبکر نے کفار سے معاہدہ کرلیا، اس معاہدہ کی رو سے یہ لازم تھا کہ کوئی فریق دوسرے فریق پر حملہ نہ کرے؛ لیکن ابھی دو ہی سال گذرے تھے کہ قریش مکہ نے معاہدہ کو پاش پاش کرتے ہوئے اپنے حلیف بنوبکر کا خفیہ طور پر تعاون کر کے بنوخزاعہ پر حملہ کر دیا اور ان پر ظلم وتعدی کا بازار گرم کیا، جس کی وجہ سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو

جوابی کارروائی کرتے ہوئے مکہ کی طرف کوچ کرنا پڑا، اور اللہ نے فتح مبین عطا فرمائی۔ (مستفاد: سیرت ابن ہشام مع الروض الانف ۴/۱۴۱ وغیرہ)

جانی دشمنوں کے ساتھ رحمت عالم ﷺ کا برتاؤ

اب ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ قدرت پاتے ہی ان دیرینہ دشمنوں سے چن چن کر انتقام لیا جاتا اور ان کے وجود سے دنیا کو پاک کر دیا جاتا؛ لیکن قربان جایئے محسنِ انسانیت، فخر دوعالم، رحمت للعالمین، حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر کہ آپ نے ایسے جانی دشمنوں کو بھی فتح مکہ کے موقع پر یکلخت معاف فرما دیا، چناں چہ حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ جو فتح مکہ سے قبل مسلمانوں کے خلاف کئی جنگوں کی قیادت کر چکے تھے، انہوں نے فتح مکہ کے موقع پر اسلام قبول کیا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کی دل داری کرتے ہوئے اعلان کیا:

مَنْ دَخَلَ دَارَ أَبِيْ سُفْيَانَ فَهُوَ اٰمِنٌ وَمَنْ أَلْقَى السِّلَاحَ فَهُوَ اٰمِنٌ، وَمَنْ أَغْلَقَ بَابَهُ فَهُوَ اٰمِنٌ. (مسلم شريف ۲/۱۰٤ رقم: ۱۷۸۰)

جو شخص ابوسفیان کے گھر چلا جائے وہ امن میں ہے، جو ہتھیار ڈال دے اس کی معافی ہے، اور جو اپنے گھر کا دروازہ بند کرلے گا وہ بھی محفوظ رہے گا۔

اور ایک روایت میں ہے کہ اولاً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ ''جو شخص ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے گھر میں داخل ہو جائے وہ پناہ میں ہے'' مگر ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے کہا کہ: میرے گھر میں آخر کتنے لوگ آپائیں گے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''جو کعبہ میں داخل ہو جائے وہ بھی امن میں ہے'' پھر ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے کہا کہ کعبہ میں کتنے لوگ آسکیں گے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان کیا کہ ''جو شخص مسجد حرام میں چلا جائے وہ بھی امن میں ہے'' ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے اس کو بھی کم سمجھا۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے آخری اعلان یہ فرمایا کہ: ''جو شخص اپنے گھر کا دروازہ بند کر کے بیٹھ جائے وہ بھی امان میں ہے'' یہ سن کر ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے اطمینان کا اظہار کیا۔ (البدایۃ والنہایۃ ۴/۲۸٦)

نیز سیرت کی کتابوں میں یہ صراحت بھی ملتی ہے کہ فتح مکہ سے ایک روز قبل جب ابوسفیان رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ملاقات کے لئے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی پناہ میں اسلامی لشکر میں آئے تھے، تو دورانِ گفتگو انصار مدینہ کے سردار حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے ان سے یہ جملہ کہہ دیا تھا کہ آج "یَوْمُ الْمَلْحَمَةِ" (گوشت کاٹنے کا دن) ہے، آج کعبہ کی عزت تار تار ہو جائے گی، یعنی اہل مکہ سے بھرپور انتقام لیا جائے گا، حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے یہ جملہ شکایتہً نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے جا کر نقل کر دیا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کے قول کی تردید فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ:

هٰذَا يَوْمٌ يُعَظِّمُ اللّٰهُ فِيهِ الْكَعْبَةَ وَيَوْمٌ تُكْسٰى فِيهِ الْكَعْبَةُ. (السنن الكبرىٰ للبيهقي جديد ۲۰/۹، قديم ۱۱۹/۹ رقم: ۱۸۲۷۹)	آج تو وہ دن ہے جس میں اللہ تعالیٰ کعبہ کو عظمت عطا فرمائے گا اور آج کے دن کعبہ کو عزت کا لباس پہنایا جائے گا۔

پھر آپ نے حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کو انصار کی فوج کی امارت سے معزول فرما دیا اور فوج کی سب ٹکڑیوں کو حکم دیا کہ اس وقت تک کوئی شخص کسی پر ہتھیار نہ اٹھائے جب تک کہ اس پر مقابل کی طرف سے حملہ نہ کر دیا جائے۔ (السنن الکبری بیہقی ۲۰۳/۹ حدیث: ۱۸۲۸۱)

بعد ازاں جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ معظّمہ میں فروکش ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیت اللہ شریف کے دروازہ پر کھڑے ہو کر ایک عظیم خطبہ ارشاد فرمایا، اولاً آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا فرمائی۔ پھر اعلان کیا کہ جاہلیت کی تمام رسمیں ختم کی جاتی ہیں اور پرانے تمام جانی و مالی تنازعات (جو مکہ میں عام تھے) آج سے فراموش کئے جاتے ہیں پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم قریش سے اس طرح مخاطب ہوئے:

يَا مَعْشَرَ قُرَيْشٍ! اِنَّ اللّٰهَ قَدْ اَذْهَبَ عَنْكُمْ نَخْوَةَ الْجَاهِلِيَّةِ وَتَعَظُّمَهَا بِالْاٰبَاءِ. اَلنَّاسُ مِنْ اٰدَمَ	اے خانوادۂ قریش! بے شک اللہ تعالیٰ نے تم سے تمہارے جاہلیت کا غرور اور آباء واجداد پر ایک دوسرے سے برتری کا سلسلہ مٹا دیا ہے۔

وَاٰدَمُ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ تَلاَ هٰذِهِ الْاٰيَةَ: يَآيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْباً وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوْا اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ. (الحجرآت: ۱۳، الروض الأنف ٤/ ۱۷۱)

سب لوگ آدم علیہ السلام کی اولاد ہیں اور آدم علیہ السلام کی پیدائش مٹی سے ہوئی ہے، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت تلاوت فرمائی: جس کا ترجمہ یہ ہے: (اے لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت (یعنی حضرت آدم وحوا علیہما السلام) سے پیدا کیا ہے، اور تم کو مختلف قومیں اور مختلف خاندان بنایا؛ تا کہ ایک دوسرے کو شناخت کر سکو، اللہ کے نزدیک تم سب میں بڑا شریف وہ ہے جو سب سے زیادہ پرہیز گار ہو۔)

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے خاندان قریش! تم کیا سمجھتے ہو کہ میں تمہارے ساتھ کیا برتاؤ کروں گا؟ سب حاضرین نے کہا کہ ''ہمیں آپ سے بھلائی کی امید ہے آپ کریم ابن الکریم ہیں''، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان فرمایا:

إِذْهَبُوْا ! فَأَنْتُمُ الطُّلَقَاءُ. جاؤ! تم سب آزاد ہو۔

(الروض الانف ٤/ ۱۷۱)

یہ ہے پیغمبر انسانیت حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوۂ مبارکہ جس کی مثال پیش کرنے سے دنیائے انسانیت عاجز ہے، اسی عظیم انسانی برتاؤ کی تعلیم، اسلام اپنے ماننے والوں کو دیتا ہے۔

اس کے برخلاف اسلام پر اعتراض کرنے والوں کی پوری تاریخ گھناؤنے مظالم سے بھری پڑی ہے، عہد شکنی، بے رحمی اور قساوتِ قلبی کے ایسے مناظر ان کی تاریخ میں درج ہیں کہ شیطان بھی شرما کر رہ جائے۔ دور جانے کی ضرورت نہیں صرف بیسویں صدی کے استعماری مظالم ہی کو اٹھا کر دیکھ لیا جائے؛ بلکہ چند دہائی پہلے فلسطین، بوسنیا، عراق اور افغانستان ہی کے ہول ناک حالات پر آپ نظر ڈالیں تو صاف پتہ چلے گا کہ جو قومیں آج اپنے کو مہذب کہلانے کا ڈھنڈورا پیٹتی ہیں ان

کے دامن بے قصور انسانوں، عورتوں اور بچوں کے خون ناحق سے کس قدر تر بہ تر ہیں۔ دراصل یہ طاقتیں اپنے گھناؤنے جرائم پر پردہ ڈالنے کے لئے اسلام پر نشانہ سادھتی ہیں، اور انہیں خطرہ ہے تو صرف اس بات کا کہ کہیں دنیا میں پھر روح جہاد انگڑائی نہ لینے لگے اور خدا کے یہ سوئے ہوئے شیر پھر نہ جاگ جائیں۔ تو جس طرح طلوع آفتابِ رسالت کے وقت ظالموں کے ظلم کا خاتمہ ہوکر پورا جزیرۃ العرب امن وامان کے اعتبار سے خطۂ جنت نظیر بن گیا تھا، کہیں پھر دنیا میں یہی تاریخ نہ دہرائی جانے لگے، اس لئے منصوبہ بند طریقہ پر ان فسادیوں کی پوری لابی اسلامی تعلیمات کو مسخ کرنے اور دنیا کو اسلام سے برگشتہ کرنے پر لگی ہوئی ہے، مگر وہ کتنا ہی کوشش کرلیں، آخری بات یہی ہے کہ:

نورِ خدا ہے کفر کی حرکت پہ خندہ زن
پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا

سترہویں فصل:

غیر مسلموں سے تعلقات کی حدود

اہل اسلام کا غیر مسلم سے تعلق کسی نوعیت کا اور کسی حد تک ہو؟ اس میں ہمارے معاشرہ میں بڑی افراط وتفریط پائی جاتی ہے۔ کچھ لوگوں کا ذہن یہ ہے کہ غیر مسلم سراپا ناپاک ہیں؛ اس لئے ان سے کسی بھی قسم کا میل جول نہ رکھا جائے، جب کہ ایسے لوگوں کی بھی کمی نہیں جو غیر مسلموں سے جگری دوستی رکھتے ہیں اور ان سے ''فیملی روابط'' رکھ کر فخر کرتے ہیں، ماڈرن معاشرہ میں یہ وبا کچھ زیادہ ہی پھیلی ہوئی ہے، حالاں کہ اسلام کی تعلیم اس بارے میں افراط وتفریط کی دونوں حدوں کے درمیان میں ہے کہ نہ تو غیر مسلموں سے ایسی نفرت ہو کہ ان سے انسانی اور اخلاقی طور پر بھی رابطہ نہ رہے اور نہ ان سے اتنا گہرا اور مخلصانہ میل جول ہو کہ اس کی وجہ سے دین یا اہل دین پر حرف آجائے۔

اسلام نے غیر مسلموں سے تعلق میں دراصل دو باتوں کو خاص طور پر ملحوظ رکھا ہے: اول یہ کہ ان سے ربط وضبط کی وجہ سے ایمان وعمل میں بگاڑ نہ آنے پائے، اسی وجہ سے غیر مسلموں کے مذہبی شعائر ورسومات اور خالص مذہبی تقریبات میں شرکت کو ممنوع قرار دیا گیا ہے۔

دوسرے یہ کہ یہ تعلق قومی وملی حیثیت سے مسلمانوں کے لئے نقصان دہ نہ ہو، یعنی تعلق اس حد تک نہ بڑھے کہ وہ غیر مسلم آپ کا راز دار بن کر آپ کی خفیہ باتیں دشمن تک نہ پہنچادے، اور بالآخر یہی جاسوسی قومی وملی نقصان کا ذریعہ نہ بن جائے، وغیرہ۔

اگر یہ دو باتیں نہ ہوں تو پھر کسی شخص کے محض غیر مسلم ہونے کی وجہ سے اس کے ساتھ برا سلوک ہرگز نہیں کیا جائے گا، چناں چہ اہل ذمہ کے ساتھ قومی حیثیت سے انصاف اور رواداری کا

برتاؤ عین اسلامی تعلیم ہے۔ (جس کا ذکر پہلے آ چکا ہے)

ترکِ موالات کا حکم

اسلام کی نظر میں انفرادی فوائد کے مقابلہ میں قومی وملی مفادات کی اہمیت زیادہ ہے، اس لئے غیر مسلموں سے بے محابا تعلقات کے جو نقصانات یقینی طور پر پیش آ سکتے ہیں ان سے آگاہ کرتے ہوئے قرآنِ کریم میں متعدد جگہ بڑی صراحت کے ساتھ مخالف کفار سے دلی دوستی (جس کی قرآنی تعبیر ''موالات'' ہے) کرنے سے منع کیا گیا ہے، اور اس وضاحت کی ضرورت خاص کر اس لئے پیش آئی کہ ابتدائے اسلام میں بعض مسلمانوں کی پرانے غیر مسلم دوستوں سے گہری دوستیاں قائم تھیں، وہ کفار اگرچہ اپنے اس دوست سے ظاہری طور پر بہت اچھی طرح ملتے تھے؛ لیکن اسلام کی ترقی سے وہ اندر ہی اندر کڑھتے رہتے تھے، اور موقع کی تلاش میں رہتے تھے کہ کب موقع ملے اور اہل اسلام کو ملی حیثیت سے نقصان پہنچائیں؛ لہٰذا اندیشہ تھا کہ بڑی محنت اور قربانیوں کے بعد جو دینِ حق کا رنگ جمنا شروع ہوا ہے، کہیں ان جھوٹی دوستیوں اور بے احتیاطیوں کی وجہ سے وہ محنتیں رائیگاں نہ چلی جائیں؛ اس لئے اللہ تعالیٰ نے قیامت تک آنے والے اہل ایمان کو اس کے متعلق متنبہ فرمادیا، چند آیات ملاحظہ فرمائیں :

□ لاَ يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُوْنَ الْكَافِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ. وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَلَيْسَ مِنَ اللّٰهِ فِيْ شَيْءٍ اِلَّآ اَنْ تَتَّقُوْا مِنْهُمْ تُقٰةً، وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ، وَاِلَى اللّٰهِ الْمَصِيْرُ. (آل عمران: ۲۸)

مسلمان دیگر مسلمانوں کو چھوڑ کر کافروں کو مخلص دوست نہ بنائیں، اور جو کوئی یہ کام کرے تو اس کو اللہ تعالیٰ سے کوئی تعلق نہیں، الا یہ کہ تم ان سے بچاؤ کرنا چاہو (یعنی ان کے شر سے بچنے کے لئے ظاہری طور پر ان سے تعلق رکھنے کی گنجائش ہے) اور اللہ تعالیٰ تم کو اپنے سے ڈراتا ہے، اور اللہ ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔

□ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لاَ تَتَّخِذُوْا

اے ایمان والو! اپنے لوگوں کے سوا کسی غیر کو اپنا

بِطَانَةً مِنْ دُوْنِكُمْ لاَ يَأْلُوْنَكُمْ خَبَالاً وَدُّوْ مَا عَنِتُّمْ، قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَآءُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ وَمَا تُخْفِيْ صُدُوْرُهُمْ اَكْبَرُ، قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْاٰيٰتِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ. (ال عمران: ۱۱۸)

راز دار نہ بناؤ، وہ کمی نہیں کرتے تمہاری خرابی میں، ان کو تمہاری تکلیف سے خوشی ہوتی ہے، ان کے منہ سے تمہاری دشمنی نکلی پڑتی ہے، اور جو کچھ ان کے دل میں مخفی ہے وہ اس سے بہت زیادہ ہے، اور ہم نے تم کو پتہ کی باتیں بتادی ہیں، اگر تم کو عقل ہے۔

□ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لاَ تَتَّخِذُوْا الْيَهُوْدَ وَالنَّصٰرٰىۤ اَوْلِيَآءَ، بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِنْكُمْ فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ، اِنَّ اللّٰهَ لاَ يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ. (المائدة: ۵۱)

اے ایمان والو! یہود ونصاریٰ کو دوست مت بناؤ، وہ آپس میں ایک دوسرے کے دوست ہیں اور جو کوئی تم میں سے ان سے دوستی کرے تو اس کا شمار انہی میں ہے، بے شک اللہ تعالیٰ ظالموں کو ہدایت نہیں دیتے۔

□ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لاَ تَتَّخِذُوْا الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَكُمْ هُزُوًا وَّلَعِبًا مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَالْكُفَّارَ اَوْلِيَآءَ، وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ. (المائدة: ۵۷)

اے ایمان والو! ان لوگوں (یہود ونصاریٰ) سے دوستی مت کرو جو تمہارے دین کو ہنسی اور کھیل ٹھہراتے ہیں، جنہیں تم سے پہلے کتاب دی گئی ہے، اور نہ ہی کافروں کو دوست بناؤ اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو اگر تم ایمان والے ہو۔

کیا پتہ چلا؟

درج بالا آیات سے چند امور مستفاد ہوئے:

الف:- کسی بھی کافر سے ایسی گہری دوستی جو دل وجان اور ایمان پر اثر انداز ہو، جائز نہیں ہے۔

ب:- البتہ دفع مضرت یا کسی مصلحت سے کفار کے ساتھ ظاہری طور پر حسن معاملہ کر سکتے

ہیں، نیز انسانی ناطے سے مدارات ومواسات سب درست ہے۔(جیسا کہ سورۂ ممتحنہ کی آیت نمبر ۸ سے واضح ہے۔

ج:- اسلامی حکومت میں بالخصوص رازدارانہ عہدوں پر کسی کافر کو مقرر نہ کیا جائے، اور امور مملکت میں ان کو خاص مشیر نہ بنایا جائے۔

د:- یہود ونصاریٰ سے زیادہ دوستیاں نہ بڑھائی جائیں؛ اس لئے کہ ان کی سرشت میں دین اسلام سے دشمنی پیوست ہے، اور جو ان سے دلی دوستی رکھے گا گویا اس کا شمار انہیں میں سے ہوگا۔

ہ:- جو لوگ دین کا مذاق اڑانے والے ہیں ان کے لئے دل میں نرم گوشہ رکھنا کسی مسلمان کے لئے قطعاً جائز نہیں ہے۔

مذکورہ امور میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام میں دین کی قیمت پر کسی غیر مسلم سے تعلق قائم نہیں رکھا جاسکتا، اور غیروں سے تعلق قائم کرتے ہوئے دینی اور ملی مفاد کو کسی قیمت پر نظر انداز نہیں کیا جائے گا۔

ساری دنیا پر یہ بات دو اور دو چار کی طرح واضح ہونی چاہئے کہ مسلمان کی نظر میں سب سے زیادہ اہمیت اس کے دین کو حاصل ہے، اس کی پوری معاشرت، معاملات اور روابط سب دین کے اردگرد ہی گھومنے چاہئیں؛ حتی کہ وطن سے تعلق بھی اسی شرط کے ساتھ مشروط ہے کہ وہ دین میں حائل اور رکاوٹ نہ ہو؛ لہٰذا جہاں وطن اور دین میں ٹکراؤ ہوگا تو دین کو ترجیح ہوگی۔ اسی لئے ناگزیر حالات میں ''ہجرت'' (یعنی دین کے تحفظ کے لئے ترک وطن) کا حکم دیا گیا ہے جو اسلام کا اہم ترین عمل ہے۔

حضرت حاطب ابن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ کا واقعہ

صحابیٔ رسول حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اگرچہ وطناً یمنی تھے؛ لیکن مکہ معظّمہ میں بعض قبائل سے ان کا عقد موالات قائم تھا، انہوں نے مدینہ منورہ ہجرت کرلی تھی اور پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ غزوۂ بدر اور دیگر مشاہد میں شریک بھی ہوئے تھے؛ لیکن ان کے

اہلِ خانہ مکہ ہی میں مقیم تھے، اور کفار کی طرف سے خطرہ میں رہتے تھے۔ جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش کی عہد شکنی کے سبب مکہ معظّمہ فتح فرمانے کی تیاریاں شروع کیں اور یہ کوشش فرمائی کہ مکہ والوں کو اس تیاری کا پیشگی علم نہ ہونے پائے، یہ صورتِ حال بھانپ کر حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ کے ذہن میں خیال آیا کہ اب قریش پیغمبر علیہ السلام سے جیتنے والے تو ہیں نہیں، اور میرے خبر دینے یا نہ دینے سے کچھ فرق پڑنے والا نہیں ہے؛ لہٰذا میں اگر اہل مکہ کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حملہ کی تیاریوں سے خبر کر دوں تو مکہ کے لوگوں پر میرا احسان ہوگا اور وہ میرے اہل خانہ کو ستانے سے باز آئیں گے، چناں چہ انہوں نے مکہ سے آئی ہوئی ایک عورت جس کا نام ''سارہ'' تھا، اسے دس اشرفی دے کر آمادہ کیا کہ وہ میرا خط مکہ والوں کو پہنچا دے، وہ عورت یہ خط لے کر روانہ ہوئی۔

اِدھر پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بذریعۂ وحی اس جاسوسی کی خبر ہوگئی، چناں چہ آپ نے فوراً حضرت علی، حضرت زبیر اور حضرت مقداد رضی اللہ عنہم پر مشتمل ایک مشن روانہ کیا اور فرمایا کہ مقام ''روضۂ خاخ'' میں فلاں عورت ملے گی اس سے وہ خط لے آؤ، چناں چہ یہ حضرات تیز رفتاری سے مذکورہ مقام پر پہنچے اور اس عورت سے زبردستی وہ خط لے کر پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہوئے، خط جو کھولا گیا تو وہ حضرت حاطب رضی اللہ عنہ کی طرف سے تھا، جس میں اہل مکہ کو خبردار کیا گیا تھا کہ: ''پیغمبر علیہ السلام ایک لشکر جرار کے ساتھ اندھیری رات کے مانند مکہ معظّمہ تشریف لانے کو ہیں اور اللہ کی قسم اب اگر آپ اکیلے بھی تشریف لے جائیں تو اللہ تعالیٰ آپ کی مدد فرمائیں گے، اور اپنا وعدۂ نصرت پورا فرمائیں گے، اب تم اپنا انجام سوچ لو''۔

یہ خط پڑھ کر پیغمبر علیہ السلام نے حضرت حاطب کو بلا کر تحقیق فرمائی، تو انہوں نے عرض کیا کہ ''اے اللہ کے رسول! میرے بارے میں فیصلہ کرنے میں جلدی مت فرمائیے، بات اصل میں یہ ہے کہ میرا قریش سے نسبی رشتہ کچھ نہیں ہے، جب کہ دیگر مہاجر صحابہ کی رشتہ داریاں ہیں (جن کی بدولت اُن کے اہلِ خانہ کو تحفظات حاصل ہیں) تو میں نے یہ اِرادہ کیا کہ میں قریش پر کوئی ایسا

احسان کروں جس کی بدولت وہ میرے گھر والوں کے ساتھ حفاظت وحمایت کا معاملہ کریں اور میں نے نعوذ باللہ کفر یا ارتداد کی بنا پر یہ حرکت نہیں کی''۔ حضرت حاطب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہ بات سن کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی تصدیق فرمائی، اس وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بہت غصہ بھی آیا اور جلال میں فرمایا کہ ''حضرت! اجازت دیجئے ابھی اس منافق کی گردن اڑادوں؛'' لیکن پیغمبر علیہ السلام نے حضرت حاطب کے بدری صحابی ہونے کے ناطے سبھی اہل بدر کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی خصوصی رحمت متوجہ ہونے کی بشارت سنائی، اسی واقعہ میں سورۂ ممتحنہ کی درج ذیل ابتدائی آیات نازل ہوئیں: (بخاری شریف مع حاشیہ ۲/۶۱۲)

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّىْ وَعَدُوَّكُمْ اَوْلِيَآءَ تُلْقُوْنَ اِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ وَقَدْ كَفَرُوْا بِمَا جَآءَكُمْ مِّنَ الْحَقِّ يُخْرِجُوْنَ الرَّسُوْلَ وَاِيَّاكُمْ اَنْ تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ رَبِّكُمْ، اِنْ كُنْتُمْ خَرَجْتُمْ جِهَادًا فِىْ سَبِيْلِىْ وَابْتِغَآءَ مَرْضَاتِىْ تُسِرُّوْنَ اِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ، وَاَنَا اَعْلَمُ بِمَا اَخْفَيْتُمْ وَمَا اَعْلَنْتُمْ، وَمَنْ يَّفْعَلْهُ مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيْلِ. (الممتحنة: ۱)

اے ایمان والو! میرے اور اپنے دشمن کو دوست مت بناؤ، تم ان کو دوستی کے پیغام بھیجتے ہو حالاں کہ وہ تمہارے پاس آئے ہوئے سچے دین کے منکر ہیں؟ جنہوں نے رسول اللہ کو اور تم کو محض اس وجہ سے (مکہ سے) نکالا کہ تم اللہ تعالیٰ پر ایمان لاتے ہو جو تمہارا رب ہے، اگر تم میری راہ اور میری خوشنودی کی طلب میں لڑنے کے لئے نکلے ہو اور (پھر بھی) تم ان کو چھپا کر دوستی کے پیغام بھیجتے ہو، اور میں تمہاری چھپی ہوئی اور ظاہری باتوں سے خوب اچھی طرح واقف ہوں، اور تم میں سے جو کوئی یہ کام کرے وہ راہِ حق سے ہٹ جائے گا۔

دیکھئے اس پورے واقعہ میں قیامت تک آنے والی امت کے لئے عبرت کا سامان موجود ہے کہ ذاتی مفاد کی خاطر قومی وملی مفاد کو داؤ پر ہرگز نہیں لگایا جائے گا، عزت وسربلندی کا راستہ یہی

ہے؛ لیکن افسوس ہے کہ آج امت اس اہم سبق کو سرے سے بھلا چکی ہے، اپنوں سے دشمنیاں ہیں، جب کہ غیروں سے دوستیاں عروج پر ہیں، بالخصوص سر پر آرائے اقتدار حضرات کو تو صرف اور صرف اپنے مفادات عزیز ہیں، غیروں کو خاص مشیر مملکت بنانے اور ان سے استعانت کے جو مہلک عواقب ونتائج رونما ہوئے ہیں، اُن سے نہ صرف ماضی کی تاریخ بھری پڑی ہے؛ بلکہ موجودہ زمانے میں مسلم حکومتوں کی بےبسی اور بےوزنی کے پیچھے بھی سب سے بڑا سبب یہی کارفرما ہے کہ حکمرانوں نے اپنوں کے بجائے غیروں پر اعتماد کر رکھا ہے؛ بلکہ وہ سو فیصد ان کے کٹھ پتلی بنے ہوئے ہیں، اور جب تک یہ صورتِ حال رہے گی قومی اور بین الاقوامی حیثیت سے امت کو عزت حاصل نہیں ہوسکتی۔

مشرک عورتوں سے نکاح حرام ہے

چونکہ اسلام میں عقیدہ کے تحفظ کو سب سے زیادہ اہمیت حاصل ہے، اسی لئے مشرک (بت پرست اور آتش پرست وغیرہ) عورتوں سے نکاح کو قطعاً ممنوع قرار دے دیا گیا، ارشاد خداوندی ہے:

وَلاَ تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ، وَلَأَمَةٌ مُّؤْمِنَةٌ خَيْرٌ مِنْ مُشْرِكَةٍ وَّلَوْ اَعْجَبَتْكُمْ، وَلاَ تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَتّٰى يُؤْمِنُوْا، وَلَعَبْدٌ مُؤْمِنٌ خَيْرٌ مِنْ مُشْرِكٍ وَّلَوْ اَعْجَبَكُمْ، اُولٰئِكَ يَدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ وَاللّٰهُ يَدْعُوْ اِلَى الْجَنَّةِ وَالْمَغْفِرَةِ بِاِذْنِهٖ، وَيُبَيِّنُ اٰيَاتِهٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ.

اور نکاح مت کرو مشرک عورتوں سے جب تک وہ ایمان نہ لے آئیں، اور مسلمان باندی مشرک عورت سے بہتر ہے، اگرچہ وہ مشرکہ تمہیں پسند آئے، اور اپنی عورتوں کا نکاح مشرک مردوں سے مت کرو جب تک وہ ایمان نہ لے آئیں اور مسلمان غلام آزاد مشرک سے بہتر ہے، اگرچہ وہ تمہیں اچھا لگے۔ یہ لوگ بلاتے ہیں دوزخ کی طرف اور اللہ تعالیٰ بلاتا ہے جنت کی طرف اور بخشش کی طرف اپنے حکم سے، اور بتلاتا ہے

اپنے حکم لوگوں کو؛ تا کہ وہ نصیحت قبول کریں۔ (البقرۃ: ۲۲۱)

اس آیت میں اس ممانعت کی وجہ بھی ساتھ ساتھ بیان کردی گئی کہ مشرک عورتوں کے اثر سے ایمان سے محروم ہوجانے کا خطرہ ہے، البتہ اگر مشرکہ عورت بصدق دل اسلام قبول کرلے تو پھر اس کو نکاح میں لایا جاسکتا ہے اس میں شرعاً کوئی رکاوٹ نہیں ہے۔

پاک دامن یہودی اور عیسائی عورتوں سے نکاح کی گنجائش

قرآنِ پاک میں اہل کتاب (یہود ونصاریٰ) کی عورتوں سے نکاح کی اجازت دی گئی ہے؛ لیکن اس میں ''محصن'' کی شرط لگی ہوئی ہے، اب اس ''محصن'' کے مصداق کے بارے میں حضرات مفسرین کے درمیان اختلاف ہے، بہت سے حضرات نے اس سے آزاد عورتیں مراد لی ہیں، خواہ وہ عفت مآب ہوں یا نہ ہوں، جب کہ دیگر مفسرین کی رائے یہ ہے کہ اس سے وہ اہل کتاب عورتیں مراد ہیں جن کی پاک دامنی کا پہلے سے علم ہو، اور عفت کے خلاف کوئی بات ان کی طرف مشہور نہ ہو۔ اس رائے کی تائید اس واقعہ سے ہوتی ہے کہ صحابی رسول حضرت حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ نے بعض رومی (عیسائی یا یہودی) عورتوں سے شادی کرلی تو امیر المؤمنین سیدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے انہیں لکھا کہ وہ اس بیوی کو چھوڑ دیں، حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے سوال کیا کہ کیا ان عورتوں سے نکاح ناجائز ہے؟ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ: ''نکاح ناجائز تو نہیں ہے؛ لیکن مجھے یہ خطرہ ہے کہ اگر ان عورتوں سے نکاح کا سلسلہ (بلا روک ٹوک (جاری ہوجائے تو اندیشہ ہے کہ فاحشہ اور بدکار عورتوں کے ساتھ معاشرت ہونے لگے گی (جو مسلم معاشرہ کے لئے خطرناک ہے)'' (احکام القرآن للجصاص، تفسیر طبری وغیرہ)

اس سے یہ معلوم ہوا کہ یہودی یا نصرانی عورت سے نکاح کرتے وقت اپنے اسلامی معاشرہ اور اس کے امتیازات سے صرف نظر کسی طرح روا نہیں ہے؛ لہٰذا اگر یہ اندیشہ ہو کہ اس سے گھر کا ایمانی یا عملی ماحول بگڑ جائے گا جیسا کہ آج کل صورت حال ہے تو ایسی عورتوں سے نکاح نہ کرنا ہی بہتر ہے، باقی نفس جواز اپنی جگہ ہے جو بہت سی صورتوں میں دینی اور دعوتی اعتبار

سے مفید بھی ہوسکتا ہے، بشرطیکہ شوہر دین میں پختہ اور بیوی پر اثر انداز ہونے کی صلاحیت سے مالا مال ہو۔

غیر مسلموں کے ساتھ تشبہ کی ممانعت

اسلام ایک کامل ومکمل اور جامع مذہب ہے، اس کے اپنے شعائر اور تشخصات ہیں، اسے یہ ہرگز گوارا نہیں کہ کوئی بھی مسلمان کسی بھی حالت میں اپنے تشخص کو فراموش کرے یا دوسرے مذاہب کے مخصوص شعائر کو استعمال کرے، بریں بنا اسلام میں انسانی بنیادوں پر غیر مسلموں سے رواداری، ہمدردی اور مساوات کی تعلیم کے باوجود ان سے اتنی حدتک دوری بنائے رکھنے کا حکم ہے کہ عقائد، اعمال، معاشرت اور رہن سہن وغیرہ میں ان سے متأثر نہ ہوں؛ اس لئے کہ تشخص کی حفاظت کے بغیر دنیا میں کوئی قوم نہ کبھی محفوظ رہی ہے اور نہ رہ سکتی ہے۔

نبی اکرم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اس سلسلہ میں ایک اصولی ہدایت دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ. (أبوداؤد ۵۵۹/۲ رقم: ٤٠٤١، مسند أحمد رقم: ٥١١٤)

جو شخص کسی قوم سے مشابہت اختیار کرے اس کا شمار اسی قوم میں سے ہوگا۔

یعنی اگر مسلمانوں کے ساتھ تشبہ ہے تو وہ مسلمانوں میں شمار ہے اور غیر مسلموں کے ساتھ مشابہت ہے تو انہی میں شامل ہے۔

غیر مسلموں کے مذہبی شعائر استعمال نہ کریں

ہر مسلمان پر لازم ہے کہ وہ کسی ایسے عمل کو اختیار نہ کرے جو کسی دوسری قوم کا مذہبی شعار ہو، مثلاً:

الف: نمستے، یا رام-رام:- یہ ہندوؤں کا مذہبی شعار ہے، جسے یہ لوگ ملاقات کے وقت استعمال کرتے ہیں؛ لہٰذا کسی مسلمان کے لئے سلام کی جگہ پر یہ الفاظ کہنا کسی حال میں ہرگز

جائز نہیں ہے؛ بلکہ اپنے مسلمان بھائیوں سے ملاقات کے وقت سلام کا لفظ استعمال کریں، اور غیر مسلموں سے ضرورت کے وقت ''آداب'' جیسے الفاظ استعمال کریں۔

افسوس ہے کہ آج بہت سے مسلمان (بالخصوص سیاسی جماعتوں سے وابستہ لوگ) اپنے ہندو لیڈروں کے ایسے رعب میں رہتے ہیں کہ ان کے سامنے آتے وقت اپنا مسلمان ہونا بھی ان کے ذہن سے نکل جاتا ہے، اور چاپلوسی میں ان کے سامنے ایسے جھکے چلے جاتے ہیں، گویا زندگی کا مقصود بس وہی ہوں، یہ نہایت کم ظرفی اور حماقت کی باتیں ہیں۔ آدمی کو کسی بھی حال میں مذہبی تقاضے کو نظر انداز نہیں کرنا چاہئے، ورنہ جس جھوٹی اور معمولی عزت کے حصول کے لئے یہ سب خلافِ شرع باتیں کی جاتی ہیں وہ سب رائیگاں چلی جائیں گی اور دنیا وآخرت کی ذلت ورسوائی الگ ہوگی۔ **اللّٰھم احفظنا منه۔**

ب: سلام کے وقت جھک کر ہاتھ جوڑنا:- اسلام میں سلام اصل میں زبان سے ہی ہوتا ہے؛ لیکن ہندوؤں میں سلام کرتے وقت ہاتھوں کو مخصوص انداز میں جوڑ کر اور جھک کر سلام کیا جاتا ہے؛ اس لئے کسی مسلمان کے لئے ہندوؤں کی طرح ہاتھ جوڑنا یا جھکنا ہرگز جائز نہیں ہے۔ بہت سے مسلمان ذہنی مرعوبیت کی وجہ سے اپنے غیر مسلم آقاؤں کے سامنے ہاتھ جوڑے کھڑے نظر آتے ہیں، وہ دراصل اپنے ہی ہاتھوں اپنے دین کی توہین کرنے والے ہیں، ان کو اپنے برے انجام سے یقیناً ڈرنا چاہئے۔

ج: کلائی میں ڈورے باندھنا یا مخصوص کڑے پہننا:- آج کل مشرکین کی ایک ظاہری علامت یہ ہے کہ وہ اپنی کلائی میں لال رنگ کے کچھ ڈورے باندھے رہتے ہیں، ان میں سے اکثر ان کے مذہبی تیوہار ''راکھی بندھن'' کے وقت باندھتے ہیں، اس کے علاوہ کچھ مندروں میں جاکر بھی یہ ڈورے بندھوائے جاتے ہیں، جب کہ سکھ لوگ ایک خاص قسم کا کڑا علامت کے طور پر پہنتے ہیں۔ مگر افسوس ہے کہ جاہل مسلم معاشرہ بالخصوص نوجوانوں میں بعینہ اسی طرح کے ڈورے باندھنے کا رواج پڑ گیا ہے، اور مزارات پر بیٹھے ہوئے دین فروشوں نے اس ہندوانہ رسم کو خوب

فروغ دیا ہے، اور برابر دے رہے ہیں، ان ڈوروں کو دیکھ کر کوئی اندازہ نہیں لگا سکتا ہے کہ یہ کسی مزار کا ڈورا ہے یا راکھی بندھن کا ڈورا ہے؟ اسی طرح اس طبقہ میں سکھوں جیسے کڑے پہننے کا بھی رواج ہوتا جارہا ہے۔ ظاہر ہے کہ اسلام ایسی تشبہ والی باتوں کی ہرگز اجازت نہیں دے سکتا، مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ ہوش کے ناخون لیں اور ٹونے ٹوٹکے والے عقیدوں سے باز آئیں اور مشرکین کے شعائر کو اختیار کر کے اپنے لئے جہنم نہ مول لیں۔

غیر مسلموں کے مخصوص رنگ والے لباس پہننا حرام ہے

اسلام کی ایک امتیازی تعلیم یہ بھی ہے کہ کسی مسلمان کے لئے غیر مسلموں کے مخصوص رنگ والے لباس پہننا جائز نہیں ہے۔ روایت ہے کہ سیدنا حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ گیروے (زعفرانی) رنگ کا لباس پہن کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں دیکھ کر ارشاد فرمایا:

إِنَّ هٰذِهٖ مِنْ ثِيَابِ الْكُفَّارِ فَلَا تَلْبِسْهَا. (مسند أحمد ۲/۲۰۷)

یہ کافروں کے (خاص) لباسوں میں ہے؛ اس لئے تم اسے مت پہنو۔

اس روایت میں پیغمبر علیہ السلام نے ایک اصول بتلا دیا کہ ہر وہ لباس جو کسی غیر قوم کا مذہبی شعار ہو وہ کسی مسلمان کے لئے پہننا جائز نہیں ہے۔ حیرت کی بات ہے کہ آج اپنے کو مسلمان کہلانے والے بعض لوگ اپنے مزعومہ پیروں اور مزاروں کی عقیدت میں بالکل سادھوؤں کی طرح لباس پہنے پھرتے ہیں، حالاں کہ اسلام میں ایسے تشبہ کی بالکل اجازت نہیں ہے۔

غیر مسلموں کے تیوہاروں میں شرکت جائز نہیں

آج کل ایک فیشن سیاسی مرعوبیت کی وجہ سے یہ چل پڑا ہے کہ غیر مسلموں کے تیوہاروں کے موقع پر مسلمانوں کی جانب سے مبارک باد کے بڑے بڑے اشتہارات اور باتصویر ہورڈنگ لگائے جاتے ہیں، جب کہ اسلامی شریعت میں کسی غیر مسلم کو ان کے مذہبی تیوہار پر خوشی کا اظہار کرنا

اور ان کی مذہبی مجالس میں شرکت کرنا جائز نہیں، امیر المؤمنین سیدنا حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کی ہدایت ہے:

اِجْتَنِبُوْا اَعْدَاءَ اللّٰهِ فِيْ عِيْدِهِمْ. (تحفة الاخوان للشيخ التويجرى، الشاملة)

اللہ کے دشمنوں کے تیوہاروں کے موقع پر ان سے دور ہی رہو۔

بلکہ بعض فقہاء نے تو اس عمل پر کفر کا خطرہ ظاہر کیا ہے۔ فتاویٰ بزازیہ میں امام ابوحفص کبیرؒ کے حوالہ سے منقول ہے:

لَوْ أَنَّ رَجُلاً عَبَدَ رَبَّهٗ خَمْسِيْنَ سَنَةً ثُمَّ جَاءَ يَوْمَ النَّيْرُوْزِ فَأَهْدٰى إِلٰى بَعْضِ الْمُشْرِكِيْنَ هَدْيَةً يُرِيْدُ تَعْظِيْمَ ذٰلِكَ الْيَوْمِ فَقَدْ كَفَرَ. (البزازية ٦/٣٣٤)

اگر کوئی شخص پچاس سال اپنے رب کی عبادت میں مشغول رہے پھر مشرکین کے تیوہار نوروز کے دن اس کی تعظیم کے بطور بعض مشرکین کو ہدیہ (مٹھائی وغیرہ) بھیجے تو ایسے شخص پر کفر کا اندیشہ ہے۔

اور مجمع الانہر میں لکھا ہے کہ: ”جو شخص مجوسیوں (آتش پرستوں) کے تیوہار نوروز میں ان کے مذہبی اعمال میں شریک ہو، اس پر کفر کا حکم لگایا جائے گا“۔ (مجمع الانہر ۴/ ۵۱۳)

اسی طرح کی صراحت شرح فقہ اکبر ۸۶ پر بھی درج ہے، اور کنز العمال میں ارشاد نبوی منقول ہے:

مَنْ كَثَّرَ سَوَادَ قَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ وَمَنْ رَضِيَ عَمَلَ قَوْمٍ كَانَ شَرِيْكاً فِيْ عَمَلِهٖ. (كنز العمال ١١/٩ رقم: ٢٤٧٣٠)

جو شخص کسی قوم کی تعداد میں اضافہ کرے وہ انہی میں سے ہے، اور جو شخص کسی قوم کے عمل پر راضی ہو وہ گویا ان کے عمل میں شریک ہے۔

مذکورہ بالا ہدایات بالخصوص ان لوگوں کے لئے قابل عبرت ہیں جو ہمارے ملک میں غیر مسلموں کے خوشی کے مواقع (ہولی - دیوالی وغیرہ) پر عملاً آگے بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے ہیں، اور اسے فخر کی چیز سمجھتے ہیں، انہیں ہوش میں آنا چاہئے اور وقتی موہوم مصالح کی وجہ سے اپنے دین

وایمان کو ہرگز داؤ پر نہیں لگانا چاہئے۔

غیرمسلموں کی تقریبات میں شرکت کا حکم

اگر طہارت اور حلت کا گمان غالب ہو تو فی نفسہٖ غیر مسلم کے یہاں کھانے میں حرج نہیں؛ لیکن آج کل کئی باتوں کا دھیان رکھنا ضروری ہے:

الف:- غیر مسلموں کی تقریبات میں دیگر منکرات ناچ گانے کے علاوہ عموماً شراب کا چلن عام ہوگیا ہے، اور جس مجلس اور تقریب میں برملا منکرات ہو رہے ہوں اور شراب پی جا رہی ہو، وہاں کسی مسلمان کا موجود رہنا ہرگز جائز نہیں ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے دسترخوان پر بیٹھنے سے بھی منع فرمایا ہے جہاں شراب کا دور چل رہا ہو۔ (ابوداؤد شریف ۲/۵۳۰ حدیث: ۳۷۷۴)

ب:- عموماً غیر مسلموں کے یہاں جھٹکے کا گوشت استعمال ہوتا ہے، اور پکانے والے اس کی احتیاط نہیں کرتے کہ ایک دیگچی کا کف گیر دوسری میں نہ ڈالیں، جس کی وجہ سے ایسی تقریبات میں پکی ہوئی سبزیاں وغیرہ بھی پاکی کے اعتبار سے مشتبہ ہو جاتی ہیں؛ اس لئے بہرحال احتیاط اسی میں ہے کہ جب تک طہارت کا گمان غالب یا مشاہدہ نہ ہو، ایسا مشتبہ کھانا نوش نہ کیا جائے۔

ج:- بعض غیر مسلم برتن دھونے میں پاکی ناپاکی کا قطعاً خیال نہیں کرتے؛ اس لئے شبہ کی جگہوں پر ان کے دھونے پر اعتماد نہ کیا جائے؛ بلکہ موقع ہو تو برتن خود اپنے ہاتھ سے دھوکر صاف کرلیا جائے۔

غیرمسلموں کے ہوٹلوں کا استعمال

تقریباً یہی معاملہ غیر مسلموں کے ہوٹلوں اور ڈھابوں کا بھی ہے، جن ہوٹلوں میں شرابیں پی جاتی ہوں اور جہاں حلال وحرام کھانے مخلوط پکائے جاتے ہوں، وہاں مسلمانوں کا کھانا تو دور رہا، ان میں داخل ہونا بھی شرم کی بات ہے۔ آج کل ماڈرن معاشرہ میں فائیو اسٹار ہوٹلوں کا کلچر رواج پا رہا ہے، یعنی محض تفریح طبع اور موج مستی کے لئے اپنا گھر یا مسلمانوں کے ہوٹل دستیاب

ہونے کے بجائے فائیو اسٹار ہوٹلوں کے ریسٹوران میں ''لنچ'' یا ''ڈنر'' لیا جاتا ہے، حالاں کہ وہاں وہی سب خرابیاں عملاً موجود ہوتی ہیں جن کا اوپر ذکر کیا گیا ہے؛ اس لئے بلاسخت ضرورت یا واقعی مجبوری کے ایسی جگہوں پر جانے یا وہاں اپنی تقریبات منعقد کرنے سے مسلمانوں کو احتراز کرنا لازم ہے۔

خالص غیر مسلموں کی آبادیوں میں رہنے سے اجتناب

اِنسان چوں کہ سب سے زیادہ اپنے پاس پڑوس رہنے والوں کے حالات سے متأثر ہوتا ہے؛ اس لئے اسلام کی ایک اہم تعلیم یہ ہے کہ مسلمان خالص غیر مسلموں کی آبادیوں میں بود و باش اختیار نہ کریں۔ چناں چہ ارشاد نبوی ہے:

لاَ تُسَاکِنُوْا الْمُشْرِکِیْنَ وَلاَ تُجَامِعُوْهُمْ فَمَنْ سَاکَنَهُمْ أَوْ جَامَعَهُمْ فَلَیْسَ مِنَّا. (الحاكم في المستدرك: ٢٦٢٧)

شرک کرنے والوں کے ساتھ بود وباش اور یکجائی مت کرو، پس جو شخص ان کے ساتھ رہنا سہنا اور اٹھنا بیٹھنا کرے گا وہ ہم میں سے نہیں ہے۔

ایک دوسری حدیث میں ہے:

مَنْ جَامَعَ الْمُشْرِکَ وَسَکَنَ مَعَهٗ فَإِنَّهٗ مِثْلُهٗ. (ابوداؤد ۳۸۵/۲ رقم: ۲۷۸۷)

جس شخص نے مشرک کے ساتھ میل جول اور رہائش اختیار کی وہ گویا اسی جیسا ہے۔

نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

أَنَا بَرِيْءٌ مِّنْ کُلِّ مُسْلِمٍ یُقِیْمُ بَیْنَ أَظْهُرِ الْمُشْرِکِیْنَ. (أبوداؤد ٣٥٥/٢، حديث: ٢٦٤٥)

میں ہر ایسے مسلمان سے بے زار ہوں جو مشرکین کے درمیان قیام پذیر ہو۔

اور ایک روایت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کو مشورہ دیا:

لا تَسْتَضِيْئُوْا بِنَارِ الْمُشْرِكِيْنَ. مشرکین کی آگ سے اپنی آگ مت جلاؤ۔

(مسند أحمد ۹۹/۳)

یعنی مشرکین کے مکانات کے قریب اپنے گھر مت بناؤ کہ وقت وقت پر ان سے ضرورتیں وابستہ رہیں؛ بلکہ ان سے الگ ہٹ کر رہا کرو۔

یہ ہدایات ان لوگوں کی آنکھ کھولنے کے لئے کافی ہیں جو غیر مسلموں کی کالونیوں میں رہنا اپنے لئے فخر کی چیز سمجھتے ہیں، انہیں مسلم آبادیوں میں رہتے ہوئے کڑھن ہوتی ہے، کبھی صفائی ستھرائی نہ ہونے کا بہانہ بنا کر اور کبھی بھیڑ بھاڑ کا عذر پیش کر کے وہ مسلمانوں کے علاقہ سے نکل کر غیروں کے ماحول میں رہنا پسند کرتے ہیں، ایسے حضرات سے گذارش ہے کہ وہ پیغمبر علیہ السلام کی مذکورہ بالا ہدایات بار بار پڑھیں، اور پھر فیصلہ کریں کہ ان کے حق میں وہ بہتر ہے جو انہوں نے اپنی عقل سے سمجھا ہے یا وہ بہتر ہے جس کی تعلیم محسن انسانیت فخر دوعالم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو دی ہے؟ ظاہر ہے کہ ایک مسلمان ہونے کے ناطے ہمیں بہرحال پیغمبر علیہ السلام کی ہدایات کو مقدم رکھنا چاہئے۔

اس ممانعت کی اصل وجہ یہ ہے کہ جب کوئی مسلمان گھرانہ چوبیس گھنٹہ غیروں کے ساتھ رہے گا اور ان کی عورتوں اور بچوں کی آمد ورفت گھروں میں ہوگی تو رفتہ رفتہ ان کے کفریہ جراثیم محسوس اور غیر محسوس طریقہ پر مسلم گھرانوں میں داخل ہوتے چلے جائیں گے، اور نہ صرف ظاہری لباس، تراش خراش، معاشرت؛ بلکہ عقائد پر بھی نہایت منفی اثرات پڑیں گے، اور یہ کوئی محض خیال نہیں؛ بلکہ عینی مشاہدہ ہے، آپ کسی بھی ایسی کالونی کے مسلمان مکینوں کے گھروں کا جائزہ لے کر دیکھ لیجئے، تو ایسے حقائق سامنے آئیں گے جو بیان کے قابل نہیں، حتی کہ آج اتنی دعوتی محنتیں ہونے کے باوجود مشرکین کے دبدبہ والے گاؤں دیہاتوں میں رہنے والے مسلمانوں کے بعض گھروں میں مورتیاں تک رکھی دکھائی دیتی ہیں اور گھر والے مسلمانوں جیسے نام رکھنے کے باوجود پڑوسی ہندوؤں سے متأثر ہوکر یا ان کے دباؤ میں آکر مورتیوں کا اکرام کرتے ہیں، العیاذ باللہ۔ ان حالات میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عاقبت اندیشی پر مبنی درج بالا ہدایات نہایت قابل توجہ ہیں۔

علاوہ ازیں ملکی حالات کے اعتبار سے بھی عافیت اسی میں ہے کہ مسلمان اپنی آبادیوں میں مجتمع رہیں اور غیروں کی کالونیوں میں متفرق طور پر رہائش اختیار نہ کریں؛ کیوں کہ جب فرقہ وارانہ حالات بگڑتے ہیں تو سب سے پہلے زیادتیوں کا نشانہ وہی لوگ بنتے ہیں جو متفرق طور پر غیروں کی کالونیوں میں مقیم ہوتے ہیں، جب کہ ٹھوس مسلم آبادیوں میں رہنے والوں کو پھر بھی ایک گونہ تحفظ حاصل ہوتا ہے۔

تاہم جن مسلمانوں کو کسی مجبوری کی وجہ سے ایسے ماحول میں رہنا پڑے (مثلاً سرکاری ملازموں کو حکومت کی بنائی ہوئی کالونیوں میں رہنا پڑتا ہے) تو انہیں خصوصی طور پر اپنے گھرانہ کو دین پر ثابت قدم رہنے اور عقیدے اور اعمال میں پختگی قائم رکھنے پر توجہ دینی چاہئے، اور پاس پڑوس کے اثرات قبول کرنے کے بجائے اپنے اخلاق و کردار اور حکمتِ عملی کے ساتھ ان کے سامنے دینِ اسلام کو بہتر انداز میں پیش کرنے کی فکر کرنی چاہئے؛ تاکہ وہاں کا قیام دعوتی اعتبار سے مفید بن جائے، اس سلسلہ میں خاص طور پر گھر کی خواتین کو تربیت دینے اور انہیں ہمیشہ بیدار رکھنے کی ضرورت ہے۔

خلاصۂ کلام

خلاصہ یہ ہے کہ غیر مسلموں سے مدارات ومواساۃ اور دعوتی وانسانی بنیادوں پر خیر خواہی تو مطلوب ہے؛ لیکن ان سے ایسے روابط قائم کرنا یا ان سے مرعوب ہوکر رہنا یا رسم ورواج اور معاشرت میں ان کی تہذیب اور طور طریقوں کو اپنانا ہرگز درست نہیں ہے۔ آج ہر فکرمند شخص کو سوچنا چاہئے کہ ہمارے معاشرہ میں غیر مسلموں کے ساتھ رہنے کی وجہ سے جو غلط باتیں درآئی ہیں، اُن کا خاتمہ کیسے ہو؟ اس بارے میں سنجیدہ کوششیں کرنی ضروری ہیں۔ یوم پیدائش (سال گرہ) یوم عاشقاں (ویلن ٹائن ڈے) بسنت (پتنگ اڑانے کا تیوہار) اور کسی کے مرنے پر سوگ کرنا اور تیجہ، دسواں، چہلم منانا، خوشی اور غمی کے موقع پر ٹونے ٹوٹکے والی رسومات یہ سب غیروں کی باتیں

ہیں، جو آج مسلم گھرانوں میں داخل ہوگئی ہیں، ان کے خلاف ذہن سازی کی ضرورت ہے۔ ہمارا دین اسلام ایسی سطحی اور کچی باتوں کو ہرگز قبول نہیں کرسکتا، ہمارے لئے نمونہ اور قابل تقلید صرف اور صرف قرآنی تعلیمات اور نبوی ہدایات اور سلفِ صالحین کے آثار ہیں، ان کے علاوہ کی طرف ہمیں نظر اٹھانے کی نہ ضرورت ہے اور نہ ان میں ہمارے لئے نجات ہے۔

اللہ تعالیٰ پوری امت کو صلاح وفلاح سے نوازیں، دین پر استقامت عطا فرمائیں اور غیروں کی مشابہت سے ہر سطح پر محفوظ رکھیں، آمین۔

❒❖❒

تیسرا باب:

اِنَّ اللّٰہَ یَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالإِحْسَانِ وَاِیْتَآءِ ذِی الْقُرْبٰی
وَیَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْکَرِ وَالْبَغْیِ،
یَعِظُکُمْ لَعَلَّکُمْ تَذَکَّرُوْنَ ۝

[النحل: ۹۰]

رشتہ داروں کے ساتھ حسنِ سلوک

پہلی فصل:

رشتہ داروں کے حقوق

آیتِ قرآنی: ﴿اِنَّ اللّٰہَ یَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالإِحْسَانِ وَاِیْتَاءِ ذِی الْقُرْبیٰ...... الخ﴾ میں عدل واحسان کے بعد تیسری ہدایت یہ کی گئی ہے کہ: ''انسان اپنے عزیز واقارب کی مالی مدد کرتا رہے''، یہ بات اگرچہ ''احسان'' کے عمومی مفہوم میں داخل تھی؛ لیکن اہمیت کے پیش نظر اسے الگ سے ذکر کرنا مناسب سمجھا گیا۔ اسلام کی اخلاقی اور معاشرتی تعلیمات میں رشتہ داروں کے ساتھ حسنِ سلوک کی بڑی تاکید کی گئی ہے، خود قرآنِ کریم میں متعدد جگہ اہل قرابت کے حقوق کی ادائیگی اور ان کے ساتھ نصرت وحمایت کا معاملہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ چناں چہ ایک جگہ ارشاد ہے:

وَاٰتِ ذَا الْقُرْبیٰ حَقَّهٗ. (بنی اسرائیل: ۲۶) اور رشتہ دار کو اس کا حق دو۔

گوکہ آیتِ بالا میں ''حق'' عام ہے، جس میں ہر طرح کے حقوق شامل ہیں؛ لیکن مالی حقوق کی اس باب میں خاص اہمیت ہے؛ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے جہاں نیکی کے خصوصی اعمال شمار کرائے، تو ان میں رشتہ داروں پر مال خرچ کرنے کو خصوصیت سے ذکر فرمایا، چناں چہ ارشادِ خداوندی ہے:

لَیْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِیّٖنَ،	صرف یہی نیکی نہیں کہ اپنا رخ مشرق یا مغرب کی طرف کرو؛ لیکن بڑی نیکی تو یہ ہے کہ جوکوئی ایمان لائے اللہ پر اور قیامت کے دن پر اور فرشتوں پر اور سب کتابوں پر اور پیغمبروں پر اور

وَاٰتَی الْمَالَ عَلٰی حُبِّهٖ ذَوِی الْقُرْبیٰ الخ. (البقرۃ: ۱۷۷)

مال کی محبت کے باوجود اسے رشتہ داروں پر خرچ کرے۔

اسی طرح کئی جگہ حسن سلوک کا حکم دیتے ہوئے والدین کے بعد متصلاً اہل قرابت کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنے کی تاکید کی گئی، اور ان پر خرچ کرنے کو مال کا بہترین مصرف قرار دیا گیا۔ ایک جگہ ارشاد ہوا:

قُلْ مَا اَنْفَقْتُمْ مِنْ خَيْرٍ فَلِلْوَالِدَيْنِ وَالاَقْرَبِيْنَ وَالْيَتَامیٰ وَالْمَسَاكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ، وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ. (البقرۃ: ۲۱)

آپ فرما دیجئے جو کچھ تم مال خرچ کرو سو ماں باپ کے لئے اور قرابت والوں کے لئے اور مسکین، یتیم اور مسافر کے لئے، اور جو بھی تم نیکی کرتے ہو اللہ تعالیٰ کو اس کا علم ہے۔

یہی نہیں؛ بلکہ رشتہ داروں کے ساتھ حسن سلوک کی سابقہ آسمانی مذاہب میں بھی تاکید کی جاتی رہی ہے، جس کا ذکر قرآنِ کریم میں بھی کیا گیا، سورۂ بقرہ میں آیت نازل ہوئی:

وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَائِيْلَ لاَ تَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ، وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَاناً وَذِی الْقُرْبیٰ. (البقرۃ: ۸۳)

اور جب ہم نے بنی اسرائیل سے یہ قرار لیا کہ صرف اللہ ہی کی عبادت کرنا اور ماں باپ اور کنبہ والوں کے ساتھ احسان کرنا۔

مال خرچ کرنے کی نبوی ترتیب

صحیح حدیث میں ایک واقعہ لکھا ہے کہ قبیلہ بنی عذرہ کے ایک شخص نے اپنے غلام کو مدبر بنا دیا (یعنی کسی شرط پر اس کی آزادی کو معلق کر دیا جائے) نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو جب اس بات کی خبر ملی تو آپ نے ان صاحب کو بلا کر پوچھا کہ کیا اس کے علاوہ بھی تمہارے پاس کچھ مال ہے؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ ''نہیں''، تو پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس مدبر (مقید) غلام کی نیلامی کا اعلان فرما دیا۔ چنانچہ ایک دوسرے صحابی حضرت نعیم ابن عبد اللہ العدوی نے اسے ۸۰۰/ درہم میں خرید لیا، اس کے بعد یہ رقم پیغمبر علیہ السلام نے مالک کو دیتے ہوئے ہدایت فرمائی:

إِبْدَأْ بِنَفْسِکَ فَإِنْ فَضُلَ شَيْءٌ فَلِأَهْلِکَ فَإِنْ فَضُلَ عَنْ أَهْلِکَ شَيْءٌ فَلِذِي قَرَابَتِکَ فَإِنْ فَضُلَ عَنْ ذِي قَرَابَتِکَ شَيْءٌ فَهٰکَذَا وَهٰکَذَا، یَقُوْلُ : فَبَیْنَ یَدَیْکَ وَعَنْ یَمِیْنِکَ وَعَنْ شِمَالِکَ.

(مسلم ۱۲۲/۱ رقم: ۹۹۷)

سب سے پہلے اپنی ذات پر خرچ کرو، پھر اگر بچ جائے تو اپنے گھر والوں پر خرچ کرو، پھر جو مال بچے تو رشتہ داروں پر خرچ کرو، اور رشتہ داروں پر خرچ کے بعد جو بچ جائے تو آپ نے ہاتھ کے اشارے سے سامنے اور دائیں بائیں خرچ کرنے کا حکم دیا۔ (یعنی دیگر جائز ضرورتوں اور ضرورت مندوں پر خرچ کرو)

اس واضح روایت سے معلوم ہوگیا کہ مال کے خرچ میں کیا ترتیب رہنی چاہئے؟ لیکن یہ یاد رہے کہ اپنی ذات یا گھر والوں پر خرچ میں کفایت شعاری پسندیدہ ہے، اور اسراف وفضول خرچی اور تعیش شریعت میں پسند نہیں ہے۔ خود حدیث بالا کی پرداز یہ بتلارہی ہے کہ آدمی کو قناعت پسند ہونا چاہئے؛ کیوں کہ اگر قناعت پسندی نہ ہوگی تو مال کتنا ہی زائد ہو وہ دوسروں کے لئے بچ ہی نہیں پائے گا، اور ہمیشہ آدمی چٹورپن اور تفریحات کی ادھیڑ بن ہی میں لگا رہے گا۔

اہل وعیال پر خرچ بھی موجبِ ثواب ہے

انسان کے مال کے اولین مستحق اس کے گھر والے ہیں، ان پر خرچ کا ثواب بھی صدقہ کے برابر ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

إِنَّ الْمُسْلِمَ إِذَا أَنْفَقَ عَلٰی أَهْلِهٖ نَفَقَةً وَهُوَ یَحْتَسِبُهَا کَانَتْ لَهٗ صَدَقَةٌ. (مسلم ۳۲۴/۱ رقم: ۱۰۰۲)

جب آدمی اپنے گھر والوں پر ثواب کی نیت سے مال خرچ کرے گا تو اسے صدقہ کا ثواب ملے گا۔

لہٰذا بچوں پر خرچ کرتے ہوئے یہ نیت رہنی چاہئے کہ اللہ تعالیٰ نے ہم پر جو ذمہ داری عائد کی ہے اس کو ادا کر رہے ہیں تو یقیناً اس خرچ پر صدقہ کا ثواب ملے گا۔

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:

أَفْضَلُ دِيْنَارٍ يُنْفِقُهُ الرَّجُلُ دِيْنَارٌ يُنْفِقُهُ عَلٰى عَيَالِهٖ وَدِيْنَارٌ يُنْفِقُهُ عَلٰى دَابَّتِهٖ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَدِيْنَارٌ يُنْفِقُهُ عَلٰى أَصْحَابِهٖ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ. (رواه مسلم ۱/۳۲۲ رقم: ۹۹٤)

خرچ میں سب سے افضل دینار وہ ہے جو آدمی اپنے بچوں پر خرچ کرتا ہے اور وہ دینار ہے جو جہاد میں اپنی سواری پر خرچ کرتا ہے، اور وہ دینار ہے جو سفر جہاد میں اپنے ساتھیوں پر خرچ کرتا ہے۔

اس روایت کے راوی حضرت ابوقلابہ کہتے ہیں کہ پیغمبر علیہ السلام نے بچوں پر خرچ کو سب سے پہلے ذکر فرمایا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ اس سے زیادہ ثواب کا مستحق کون ہوگا جو چھوٹے بچوں کی ضرورتوں پر خرچ کرے؛ تاکہ انہیں سوال کی ذلت سے بچائے یا اللہ تعالیٰ اس کے ذریعہ ان بچوں کو نفع پہنچائے یا مستغنی فرمادے۔ (مسلم شریف ۱/۳۲۲ حدیث: ۹۹۴، المتجر الرابح ۳۵)

مطلب یہ ہے کہ چھوٹے چھوٹے معصوم بچوں کی ضرورتوں کو اگر باپ پورا نہیں کرے گا تو اور کون کرے گا؟ اگر باپ توجہ نہ دے تو ظاہر ہے کہ بچے بھیک مانگنے پر مجبور ہوں گے یا بھوکے ختم ہوجائیں گے، اس لئے شرعاً باپ پر یہ فرض ہے کہ وہ ان بچوں کی خبرگیری کرے، اور فرض کا ثواب یقیناً نفلی عطایا سے زیادہ ہی ہوتا ہے، اسی بنا پر پیغمبر علیہ السلام نے ایک روایت میں متعدد مصارفِ خیر ذکر کرنے کے بعد ارشاد فرمایا:

أَعْظَمُهَا أَجْراً الَّذِيْ أَنْفَقْتَهُ عَلٰى أَهْلِهٖ. (مسلم شريف ۱/۳۲۲ رقم: ۹۹۵)

سب سے زیادہ ثواب اس خرچ میں ہے جو تم نے اپنے گھر والوں پر خرچ کیا۔

اور ایک روایت میں پیغمبر علیہ السلام کا یہ ارشاد عالی منقول ہے:

أَوَّلُ مَا يُوْضَعُ فِيْ مِيْزَانِ الْعَبْدِ نَفْقَتُهُ عَلٰى أَهْلِهٖ. (الطبراني في الأوسط الترغيب والترهيب ۲/٦٨٩ رقم: ۳۰٤۳)

آخرت میں نیکیوں کے پلے میں سب سے پہلے انسان کے اپنے گھر والوں پر خرچ کے عمل کو رکھا جائے گا۔

رشتہ داروں پر خرچ کرنے کا ثواب

عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ مسجد، مدرسہ یا دیگر لوگوں پر صدقہ کرنا ہی کارِ ثواب ہے،

حالاں کہ قرآن وحدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اپنے قریبی اعزاء پر ضرورت کے وقت خرچ کرنا بھی صدقہ کا ثواب رکھتا ہے؛ بلکہ اس کا ثواب عام صدقات سے دوگنا ملتا ہے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

إِنَّ الصَّدَقَةَ عَلٰى ذِي قَرَابَةٍ يُضَعِّفُ أَجْرَهَا مَرَّتَيْنِ. (الطبراني ۲۰۶/۸، المتجر الرابح ۳٤۸)

رشتہ دار پر صدقہ اس کے ثواب کو دوگنا کردیتا ہے۔

اور حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

أَلصَّدَقَةُ عَلَى الْمِسْكِيْنِ صَدَقَةٌ وَعَلٰى ذِي الرَّحِمِ ثِنْتَانِ صَدَقَةٌ وَصِلَةٌ. (المتجر الرابح ۳٤۸)

غیر رشتہ دار مسکین پر صدقہ ایک صدقہ ہے اور رشتہ دار مسکین پر صدقہ ڈبل صدقہ ہے، ایک عام صدقہ دوسرے صلہ رحمی۔

حضرت میمونہ بنت الحارث رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ انہوں نے دورِ نبوت میں ایک باندی کو آزاد کیا تھا، جب اس بات کا تذکرہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سامنے کیا تو آپ نے ارشاد فرمایا:

لَوْ أَعْطَيْتِهَا أَخْوَالَكِ كَانَ أَعْظَمَ لِأَجْرِكِ. (بخاري ۳۵۳/۱ رقم ۲۵۹۲، مسلم ۳۲۳/۱ رقم: ۹۹۹)

اگر تم اپنے ماموؤں کو یہ باندی دے دیتی تو اس میں تمہارے لئے ثواب زیادہ ہوتا۔

خادم رسول سیدنا حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابوطلحہ انصاری رضی اللہ عنہ مدینہ کے بڑے مال دار شخص تھے، اور ان کا سب سے پسندیدہ مال ''بیرحاء'' (کھجور کا ایک بڑا باغ) تھا، یہ مسجد نبوی کے بالکل قریب تھا اور پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کبھی کبھی وہاں تشریف لے جاتے اور اس کنویں کا بہترین پانی نوش جان فرماتے تھے، جب یہ آیت: ﴿لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ﴾ [آل عمران] (یعنی اس وقت تک تم نیکی میں کمال حاصل نہیں کرسکتے، جب تک کہ اپنے پسندیدہ مال میں سے اللہ کی راہ میں خرچ نہ کرو) نازل ہوئی، تو حضرت

ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی ہے اور میرا سب سے پسندیدہ مال یہ باغ (بیرحاء) ہے، میں اسے ثواب کی امید پر اللہ کے لئے صدقہ کرنا چاہتا ہوں، آپ اسے قبول فرمالیں اور جہاں مناسب ہو صرف فرمائیں، تو پیغمبر علیہ السلام نے بہت مسرت کا اظہار فرمایا اور حضرت ابوطلحہ کو مبارک باد دیتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ ''واہ واہ! بہت نفع کا سودا ہے، بہت نفع کا سودا ہے''۔ پھر فرمایا کہ میرا مشورہ یہ ہے کہ تم اسے اپنے قریبی رشتہ داروں میں تقسیم کردو، چناں چہ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے فوراً حکم کی تعمیل فرمائی اور وہ پورا باغ اپنے چچازاد بھائیوں اور دیگر قریبی عزیزوں میں تقسیم فرمادیا۔ (بخاری ۱/۱۹۷ حدیث:۱۴۶۱)

اس سے معلوم ہوا کہ رشتہ داروں پر خرچ کرنا بسا اوقات عام صدقہ سے بھی افضل ہوتا ہے، اسی لئے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کو اس کا مشورہ دیا، جس کی آں موصوف نے فوراً تعمیل فرمائی، فَجَزَاهُمُ اللّٰهُ تَعَالىٰ خَيْرَ الْجَزَاءِ۔

ناراض رشتہ دار پر خرچ کی فضیلت

خاص طور پر ایسا صدقہ جو کسی ایسے رشتہ دار پر کیا جائے جس سے دل نہ ملتا ہو؛ بلکہ وہ رشتہ دار برابر درپئے آزار رہتا ہو، پھر بھی محض رشتہ داری کی بنیاد پر اسے عطا کیا جائے اور اس پر نوازش جاری رکھی جائے، تو اس صدقہ کو حدیث میں ''افضل ترین صدقہ'' کہا گیا ہے۔ ارشاد نبوی ہے:

أَفْضَلُ الصَّدَقَةِ : اَلصَّدَقَةُ عَلىٰ ذِيْ الرَّحِمِ الْكَاشِحِ. (الطبراني ۸۰/۳۵، وغيره، المتجر الرابح ۳۴۸/۱)

سب سے افضل صدقہ وہ ہے جو دل میں کدورت والے رشتہ پر کیا جائے۔

احادیث وسیر کی کتابوں میں مذکور ہے کہ جب ''واقعۂ افک'' پیش آیا اور ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر منافقین نے طوفانِ بدتمیزی مچایا، تو ایک سادہ لوح مہاجر بدری صحابی حضرت مسطح بن اثاثہ رضی اللہ عنہ بھی پیروپیگنڈہ سے کچھ متأثر ہوگئے، یہ ایک غریب صحابی تھے، اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے خالہ زاد بھائی تھے، اس رشتہ کی بنا پر حضرت

ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ان کی گاہے گاہے مالی مدد فرماتے رہتے تھے، جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو یہ علم ہوا کہ وہ بھی افک میں دلچسپی لینے والوں میں ہیں، تو آپ کو شدید ناگواری ہوئی اور ان کی مالی مدد کا سلسلہ بند فرما دیا، اور قسم کھائی کہ اب ان پر کچھ خرچ نہ کروں گا، تو اس پر قرآنِ کریم کی یہ آیت تنبیہ کے طور پر نازل ہوئی:

وَلا يَـأْتَلِ اُولُـو الْفَـضْـلِ مِنكُمْ وَالسَّـعَةِ اَنْ يُّؤْتُـوْآ اُولِي الْقُرْبٰى وَالْـمَسٰكِيْـنَ وَالْـمُهٰـجِـرِيْنَ فِيْ سَبِيْـلِ الـلّٰـهِ وَلْيَعْفُوْا وَلْيَصْفَحُوْا، اَلا تُـحِبُّـوْنَ اَنْ يَّـغْـفِـرَ اللّٰهُ لَكُمْ، وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ. (النور: ۲۲)	اور نہ قسم کھائیں تم میں بڑے درجے والے اور مالی وسعت والے لوگ اس بات پر کہ دیں رشتہ داروں، محتاجوں اور دین کی خاطر وطن چھوڑنے والوں کو، اور چاہئے کہ معاف کریں اور درگذر کریں، کیا تم نہیں چاہتے کہ اللہ تعالیٰ تم کو معاف فرمائیں اور اللہ تعالیٰ بخشنے والے ہیں مہربان ہیں۔

جب یہ آیت اتری تو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ بلا تامل فوراً بول اٹھے: ''اللہ کی قسم اے ہمارے رب! ہم یہی چاہتے ہیں کہ آپ ہمیں بخش دیں'' اور پھر حضرت مسطحؓ کا وظیفہ نہ صرف یہ کہ جاری کیا؛ بلکہ پہلے سے دوگنا کر دیا۔ (روح المعانی ۱۸/۱۸۵) رضی اللہ عنہ وارضاہ۔

اس سے معلوم ہوا کہ معمولی کشیدگیوں کی بنا پر رشتہ داریوں میں ہدیہ کالین دین بند نہیں ہونا چاہئے؛ بلکہ اس سلسلہ کو بہر حال جاری رکھنا چاہئے۔

مال دار عورت کا غریب شوہر اور بچوں پر خرچ کرنا

اسی طرح اگر کسی عورت کے پاس مال ہو اور اس کا شوہر اور بچے غریب ہوں تو ایسی عورت کے صدقہ کا بہترین مصرف اس کا شوہر اور بچے ہی ہوتے ہیں۔

صحیح روایت میں ہے کہ ایک مرتبہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے عورتوں میں وعظ فرمایا اور انہیں صدقہ خیرات کی ترغیب دی، جس سے متأثر ہو کر حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی اہلیہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے پیغمبر علیہ السلام سے مسئلہ پوچھا کہ میرے پاس زیورات ہیں

اور میں انہیں اللہ کے راستہ میں صدقہ کرنا چاہتی ہوں، اور میرے شوہر عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ (جو ایک غریب شخص ہیں) کہتے ہیں کہ تمہارے صدقہ کے ہم زیادہ مستحق ہیں، تو میں کیا کروں؟ تو پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا:

صَدَقَ ابْنُ مَسْعُوْدٍ زَوْجُکَ وَوَلَدُکَ اَحَقُّ مَنْ تَصَدَّقْتِ بِهٖ عَلَيْهِمْ.	ابن مسعود نے سچ کہا تمہارے صدقہ کے سب سے زیادہ مستحق تمہارے شوہر اور بچے ہیں۔

(بخاری ۱۹۷/۱ رقم: ۱٤٦٢)

تنبیہ:- اس صدقہ سے فرض زکوٰۃ مراد نہیں؛ بلکہ نفلی صدقہ مراد ہے؛ کیوں کہ فرض زکوٰۃ شوہر یا بچوں کو دینے سے ادا نہیں ہوتی۔ (حاشیہ بخاری شریف ۱۹۷/۱)

اہلِ قرابت کے حقوق کی ادائیگی میں خاص حکمت یہ ہے کہ اسی میں ساری دنیا کا امن وامان منحصر ہے، اگر رشتہ داروں میں باہم میل ملاپ اور انسیت ومحبت کے جذبات برقرار رہیں تو فتنہ وفساد جڑ نہیں پکڑ سکتا، عموماً فتنوں کے پھیلاؤ میں اہل قرابت کی باہمی رنجشیں بڑا بھیانک کردار ادا کرتی ہیں؛ اس لئے اِسلام نے اس فتنہ کو جڑ سے مٹانے کی تلقین فرمائی ہے، جو اسلام کے دینِ فطرت اور انسانیت نواز مذہب ہونے کی کھلی دلیل ہے۔

دوسری فصل:

صلہ رحمی کا حکم

’’رحم مادر‘‘ سارے رشتوں کی اصل بنیاد ہے؛ اس لئے اِس بنیاد کو صحیح سالم رکھنا اِنسانیت کی عظیم خدمت ہے۔ اِسی وجہ سے قرآن وحدیث میں ’’صلہ رحمی‘‘ کو ایک قابلِ تعریف اور باعثِ فضیلت صفت کی حیثیت سے متعارف کرایا گیا ہے۔ قرآنِ کریم میں قابل رشک جنتی لوگوں کی صفات بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا گیا:

وَالَّـذِيْنَ يَصِلُوْنَ مَا اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖ أَنْ يُّوْصَلَ وَيَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ وَيَخَافُوْنَ سُوْٓءَ الْحِسَابِ. (الرعد: ۲۱)

اور وہ لوگ جو ملاتے ہیں جسے اللہ نے ملانے کو فرمایا ہے اور اپنے رب سے ڈرتے ہیں اور برے حساب سے خوف کرتے ہیں۔

اور احادیثِ شریفہ میں بکثرت صلہ رحمی کے فضائل وترغیبات وارد ہیں۔ ایک روایت میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

مَـنْ سَـرَّهٗ أَنْ يُّبْسَـطَ لَـهٗ فِيْ رِزْقِهٖ وَأَنْ يُّـنْسَـأَ لَـهٗ فِـيْ أَجَـلِهٖ فَلْيَصِلْ رَحِـمَهٗ. (بخاری شریف ۲۷۷/۱ رقم: ۲۰۶۷، ومسلم: ۳۱۵/۲ رقم: ۲۵۵۷)

جسے یہ بات اچھی لگے کہ اس کے رزق میں وسعت ہو اور اس کی عمر میں برکت ہو تو اسے رشتہ داروں کے ساتھ حسن سلوک کرنا چاہئے۔

صلہ رحمی کرنے پر جن دو بشارتوں کا حدیث میں ذکر ہوا ہے یہ دونوں باتیں فطری طور پر انسان کو پسند ہوتی ہیں، آدمی یہ چاہتا ہے کہ اسے روزی میں وسعت ملے، اور یہ بھی چاہتا ہے کہ اس کی عمر میں برکت ہو، تو ان مقاصد کے حصول کے لئے ’’صلہ رحمی‘‘ کی شرط کو پورا کرنے کا اہتمام

ضروری ہے، ورنہ محض نری تمنا سے کوئی مقصد حاصل نہیں ہوسکتا۔

ایک دوسری روایت میں پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مزید وضاحت کے ساتھ ارشاد فرمایا:

تَعَلَّمُوْا أَنْسَابَكُمْ مَا تَصِلُوْنَ بِهٖ أَرْحَامَكُمْ فَإِنَّ صِلَةَ الرَّحِمِ مَحَبَّةٌ فِيْ الْأَهْلِ، مَثْرَاةٌ فِيْ الْمَالِ، مَنْسَأَةٌ فِيْ الْأَثَرِ. (سنن الترمذي ۲/ ۱۹)

اپنے نسبی تعلقات کے بارے میں معلومات رکھو؛ تاکہ اس کے ذریعہ رشتہ داروں سے صلہ رحمی کرسکو؛ کیوں کہ صلہ رحمی خاندانوں میں محبت کا، مال میں اضافہ کا اور عمر میں برکت کا سبب ہے۔

اس روایت میں عمر اور رزق میں برکت کے ساتھ خاندانوں میں محبت کا بھی وعدہ کیا گیا ہے، جو بجائے خود ایک عظیم سعادت ہے، اور پرسکون زندگی کی ضمانت ہے، اور صلہ رحمی سے عمر میں برکت کی جو بات فرمائی گئی اس کی وضاحت رئیس المفسرین حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی رائے میں یہ ہے کہ ہر انسان کے لئے دو مدتیں ہوتی ہیں، ایک پیدائش سے موت تک، دوسرے موت سے لے کر قیامت تک (پس اگر انسان صلہ رحمی کرنے والا ہوتا ہے تو اس کی دنیوی زندگی بڑھادی جاتی ہے، اور برزخی زندگی میں اس کے بقدر کمی کردی جاتی ہے، اور) اگر قطع رحمی کرنے والا فاجر ہوتا ہے تو اس کی دنیوی عمر تو گھٹ جاتی ہے، جب کہ برزخی عمر بڑھادی جاتی ہے۔ واللہ اعلم۔ (الترغیب والترہیب للیافعی ۱۱۳)

اور برکت کا دوسرا مفہوم یہ ہے کہ اس کی عمر فضول کاموں میں ضائع نہیں ہوتی؛ بلکہ کم عمری کے باوجود اس سے ایسے ایسے کام انجام پاتے ہیں جس کے لئے عموماً بڑی بڑی عمریں درکار ہوتی ہیں، تو یہ بھی برکت کی ہی ایک صورت ہے۔

علاوہ ازیں پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے صلہ رحمی کو بہترین اور افضل اعمال میں شمار فرمایا ہے، چناں چہ ایک صحابیہ دُرّہ بنت ابی لہبؓ فرماتی ہیں کہ میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ: مَنْ خَيْرُ النَّاسِ؟ (یعنی سب سے اچھا آدمی کون ہے؟) تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

أَتْقَاهُمْ لِلّٰهِ وَأَوْصَلُهُمْ لِلرَّحِمِ وَآمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَأَنْهَاكُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ. (الترغيب لليافعي ١١٤، مسند أحمد ٤٣٢/٦)

سب سے اچھا انسان وہ ہے - جوان میں سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا - اوران میں سب سے زیادہ صلہ رحمی کرنے والا - اورسب سے زیادہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنے والا ہو۔

نیز ایک حدیث میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صلہ رحمی کو جنت سے قریب کرنے والے اور جہنم سے دور کرنے والے مبارک اعمال میں شامل فرمایا ہے۔

اور ایک ضعیف روایت کے الفاظ یہ ہیں:

اَلْبِرُّ وَالصِّلَةُ وَحُسْنُ الْجِوَارِ عِمَارَةٌ فِي الدُّنْيَا وَزِيَادَةٌ فِيْ الْأَعْمَارِ. (مكارم الأخلاق: ١٥٩)

حسنِ سلوک، صلہ رحمی اور پڑوسیوں کے ساتھ اچھا برتاؤ دنیا کی آبادی اور عمروں میں اضافہ کا سبب ہیں۔

اور بعض روایات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ صلہ رحمی من جملہ ان اعمال میں سے ہے جن سے انسان بری موت سے محفوظ رہتا ہے، چناں چہ سیدنا حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے منقول ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

مَنْ سَرَّهُ أَنْ يُّمَدَّ لَهُ فِيْ عُمْرِهٖ وَيُوَسَّعَ لَهُ فِيْ رِزْقِهٖ وَيُدْفَعَ عَنْهُ مِيْتَةَ السُّوْءِ فَلْيَتَّقِ اللّٰهَ وَلْيَصِلْ رَحِمَهُ. (مسند البزار والحاكم ١٦٠/٤ بحواله: الترغيب والترهيب مكمل ٥٤٠ رقم: ٣٨٢١)

جواس بات سے خوش ہو کہ اس کی عمر میں اضافہ اور رزق میں وسعت ہو اور وہ بری موت سے محفوظ رہے، تو اسے چاہئے کہ اللہ سے ڈرتا رہے اور رشتہ داروں کے ساتھ صلہ رحمی کا معاملہ کرے۔

صحیح روایت میں ہے کہ ایک مرتبہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سفر میں اونٹنی پر تشریف لے جارہے تھے، اچانک ایک دیہاتی شخص سامنے آیا اور اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی کی لگام پکڑ لی اور سوال کرنے لگا کہ ”اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) مجھے ایسی باتیں بتایئے جو مجھے جنت سے قریب اور جہنم سے دور کردیں“، اس کا یہ اندازِ گفتگو دیکھ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم ٹھہر گئے

اور صحابہ رضی اللہ عنہم کی طرف متوجہ ہوکر فرمایا کہ: ''اس شخص کو خاص توفیق عطا ہوئی ہے'' (کہ اس نے اتنا معقول سوال کیا) پھر آپ نے اس دیہاتی سے کہا کہ اپنا سوال دہراؤ، چناں چہ اس نے پھر وہی درخواست دہرائی، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: (۱) اللہ کی عبادت کرو اس کے ساتھ کسی کو شریک مت ٹھیراؤ (۲) نماز قائم کرو (۳) زکوٰۃ ادا کرو (۴) صلہ رحمی کرو۔ (یہی وہ اعمال ہیں جو جنت سے قریب اور جہنم سے دور کرنے والے ہیں) پھر فرمایا: -''اچھا! اب اونٹنی کی لگام چھوڑ دو''-جب وہ دیہاتی وہاں سے چلا گیا تو پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے صحابہ سے فرمایا کہ:

إِنْ تَمَسَّكَ بِمَا أَمَرْتُهُ بِهِ دَخَلَ الْجَنَّةَ.

(البخاری ۸۸۵/۲ رقم: ۵۹۸۳، مسلم ۳۱/۲ رقم: ۱۸، الترغیب: ۵۴۱، المتجر الرابح ۳۴۳)

اگر یہ شخص میرے بتائے ہوئے حکم پر مضبوطی سے عامل رہا تو ضرور جنت میں داخل ہوگا۔

والدین پر شفقت کی نظر ڈالنے کا عظیم ثواب

بعض ضعیف روایات میں سیدنا حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

مَا مِنْ رَجُلٍ بَارٍّ يَنْظُرُ وَالِدَيْهِ أَوْ وَالِدَتَهُ نَظْرَةَ رَحْمَةٍ إِلَّا كَتَبَ اللّٰهُ تِلْكَ النَّظْرَةَ حَجَّةً مُتَقَبَّلَةً مَبْرُوْرَةً.

جو فرماں بردار شخص اپنے والدین یا اپنی والدہ پر شفقت کی ایک نظر ڈالتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس نظر کے عوض اس کے لئے ایک حج مقبول ومبرور کا ثواب لکھ دیتے ہیں۔

یہ سن کر صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ: ''اے اللہ کے رسول! کیا اگر وہ لڑکا ایک دن میں سو مرتبہ والدین پر نظر ڈالے تب بھی یہ ثواب ملے گا''؟ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اَللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ أَكْبَرُ مِنْ ذٰلِكَ.

(مکارم الأخلاق ۱٦۲)

یعنی اللہ تعالیٰ اس سے زیادہ ثواب دینے پر قادر ہے۔

اور ایک دوسری روایت میں ہے کہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا کہ ''جو باپ بیٹے پر

نظر ڈالے اور بیٹا اپنے عمل سے اس کے دل کو خوش کردے تو بیٹے کو باپ کی ہر نظر کے بدلے ایک غلام آزاد کرنے کا ثواب ملے گا، چاہے دن میں تین سو ساٹھ مرتبہ یہ بات پیش آئے''۔ (مکارم الاخلاق ۱۶۳)

والدین کی قبر کی زیارت کا ثواب

ایک ضعیف روایت میں یہ بھی وارد ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

مَنْ زَارَ قَبْرَ وَالِدَيْهِ أَوْ أَحَدَهُمَا مِنْ كُلِّ جُمُعَةٍ مَرَّةً غُفِرَ لَهُ وَكُتِبَ بَرًّا. (مجمع الزوائد ۵۹/۳، مكارم الأخلاق ۱۷۹)

جو شخص اپنے والدین یا ان میں سے ایک کی قبر کی ہفتہ میں ایک مرتبہ زیارت کرے تو اس کی مغفرت کی جاتی ہے، اور اسے فرماں بردار لکھ دیا جاتا ہے۔

اس لئے انسان کو نہ صرف زندگی میں والدین کو خوش رکھنا چاہئے اور ان کی خدمت کرنی چاہئے؛ بلکہ ان کی وفات کے بعد بھی ایصالِ ثواب اور ان کی قبروں کی زیارت کا اہتمام رکھنا چاہئے؛ کیوں کہ بعض روایات سے ثابت ہے کہ جب کوئی عزیز قریب میت کی قبر پر جاتا ہے تو اس میت کو اس کی آمد سے ایسی ہی مسرت ہوتی ہے جیسے زندگی میں آپسی ملاقات سے خوشی ہوتی ہے۔

(مستفاد: تفسیر ابن کثیر مکمل ۱۰۳۳، در تفسیر آیت: اِنَّکَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰی، الروم :۵۲)

والدین کے دوستوں سے تعلقات اچھے رکھنا

صلہ رحمی کا ایک جزو یہ بھی ہے کہ والدین کی وفات کے بعد ان کے ملنے جلنے والوں سے تعلقات اچھے رکھے جائیں۔ حضرت مالک بن ربیعہ ساعدی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم ایک دن نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں حاضر تھے کہ اچانک ایک شخص نے آ کر عرض کیا کہ: ''اے اللہ کے رسول! کیا کوئی ایسی نیکی باقی ہے جسے میں والدین کی وفات کے بعد ان کے حق میں اختیار کروں''؟ تو نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا:

نَعَمْ! الصَّلَاةُ عَلَيْهِمَا وَالاسْتِغْفَارُ لَهُمَا وَإِنْفَاذُ عَهْدِهِمَا مِنْ بَعْدِهِمَا

جی ہاں! (ان کی وفات کے بعد درج ذیل نیکیاں کی جاسکتی ہیں) (۱) اُن کے لئے دعاء خیر

وَإِكْرَامُ صَدِيْقِهِمَا وَصِلَةُ الرَّحِمِ الَّتِي لَا تُوْصَلُ إِلَّا بِهِمَا. (أبوداؤد ٦٩٩/٢ حديث: ٥١٤٢، الترغيب والترهيب لليافعي ١٠٨، الأحاديث المنتخبة ٢٨٤، رقم: ١٠٧٢)

کرنا (۲) ان کے لئے مغفرت طلب کرنا (۳)انہوں نے اگر کوئی عہد کر رکھا ہوتو ان کی وفات کے بعد اسے پورا کرنا (۴) ان کے دوستوں کا اکرام کرنا (۵) اور صلہ رحمی کرنا جو ان کے توسط کے بغیر نہیں ہوسکتی۔

اور ایک روایت میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد مروی ہے کہ:

إِنَّ مِنْ أَبَرِّ الْبِرِّ أَنْ يَّصِلَ الرَّجُلُ أَهْلَ وُدِّ أَبِيْهِ. (مسلم ٣١٤/٢ رقم: ٢٥٥٢، ترمذي ١٢/٢)

نیکی پر نیکی یہ ہے کہ آدمی اپنے والد کے ملنے جلنے والوں کے ساتھ حسن سلوک کرے۔

ایک روایت میں ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مکہ معظّمہ جارہے تھے راستہ میں ایک دیہاتی شخص سے ملاقات ہوئی، تو آپ نے اس کا بہت اکرام فرمایا اور اسے اپنا عمامہ اتار کر پہنا دیا، اور ساتھ میں حمار کی سواری اسے ہدیہ کردی، تو آپ کے بعض رفقاء سفر نے عرض کیا کہ یہ دیہاتی لوگ ہیں، تھوڑے بہت ہدیہ پر بھی راضی ہوجاتے ہیں، آپ نے اسے نہ صرف عمامہ عطا کیا؛ بلکہ اپنی وہ سواری بھی دے دی جس پر سوار ہوکر آپ دل بہلاتے تھے، تو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ اس دیہاتی شخص کا باپ میرے والد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دوستوں میں سے تھا، اور میں نے نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے یہ سنا ہے کہ: ''بڑی نیکی یہ ہے کہ آدمی اپنے والد کے دوستوں کے ساتھ حسنِ سلوک کرے''۔ (مسلم شریف ۳۱۴/۲)

نیز ایک روایت میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

إِحْفَظْ وُدَّ أَبِيْكَ وَلَا تَقْطَعْهُ فَيُطْفِئُ اللّٰهُ نُوْرَكَ. (رواه الطبراني باسناد حسن، مجمع الزوائد ١٤٧/٨)

اپنے والد کے دوستوں سے تعلقات بنائے رکھو اور ان سے مت بگاڑو، ورنہ اللہ تعالیٰ تمہارے نور کو بجھادیں گے۔

درج بالا روایات سے معلوم ہوا کہ جن لوگوں سے خاندانی روابط آباءواجداد کے زمانہ سے چلے آتے ہیں، بچوں کو نہ صرف ان سے واقفیت رہنی چاہئے؛ بلکہ ان روابط کو مزید مضبوط بنانا چاہئے، یہ بھی آباءواجداد کے ساتھ صلہ رحمی میں داخل ہے۔

رشتہ داروں کی زیارت وملاقات

شریعت کا ایک اہم حکم یہ بھی ہے کہ آدمی موقع بموقع رشتہ داروں سے ملاقات کا قصداً اہتمام رکھے۔ نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے:

صِلُوْا أَرْحَامَكُمْ وَلَوْ بِالسَّلَامِ. (الترغیب والترهیب للیافعی ۱۰۹) اپنے رشتہ داروں کے ساتھ صلہ رحمی کرو اگرچہ ان کو سلام کر کے ہی کیوں نہ ہو؟

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے مرسلاً روایت کرتے ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا:

مَا مِنْ خُطْوَةٍ أَحَبَّ إِلَى اللّٰهِ مِنْ خُطْوَةٍ إِلٰى صَلاةٍ أَوْ فَرِيْضَةٍ وَخُطْوَةٍ إِلٰى ذِيْ الْقَرَابَةِ. (الترغیب والترهیب للیافعي ١١٤) کوئی بھی قدم اللہ تعالیٰ کو اس قدم سے زیادہ پسند نہیں جو نماز یا کسی فرض کی ادائیگی یا رشتہ دار کی ملاقات کے لئے اٹھایا جائے۔

اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ اسلام میں رشتہ داری کے تعلق کو مضبوط رکھنے پر کس قدر زور دیا گیا ہے؛ اور یہ مضبوطی ملنے جلنے اور آنے جانے کے بغیر حاصل نہیں ہوسکتی؛ لہٰذا بالخصوص آج کل کے دور میں گاہے بگاہے غمی یا خوشی کے موقع پر محض اس نیت سے شرکت کرنی چاہئے کہ اعزہ سے یکجا ملاقات کا موقع مل جائے گا، یہ بھی ایک ثواب کا کام ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس کارِ خیر میں حصہ لینے کی توفیق عطا فرمائیں، آمین۔

تیسری فصل:

قطع رحمی کی ممانعت

جس طرح ''صلہ رحمی'' دنیا میں امن وامان کی بقا کی ضمانت ہے، اسی طرح ''قطع رحمی'' یعنی رشتہ داری کو توڑنا اور آپس میں عناد اور کدورت رکھنا روئے زمین میں فتنہ وفساد کا سب سے بڑا سبب ہے، اسی لئے قرآنِ کریم میں جابجا قطع رحمی کرنے والوں کی شدید مذمت وارد ہوئی ہے۔

ایک جگہ ارشاد ہے:

اَلَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مِيْثَاقِهٖ وَيَقْطَعُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ وَيُفْسِدُوْنَ فِى الْاَرْضِ، اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ.

(البقرة: ۲۷)

اور جو خدا کے معاہدہ کو مضبوط کرنے کے بعد توڑتے ہیں اور قطع کرتے ہیں اس چیز کو جس کو اللہ نے ملانے کا حکم دیا ہے (جس میں صلہ رحمی بھی داخل ہے) اور دنیا میں فساد مچاتے ہیں، وہی ہیں ٹوٹے والے۔

دوسری جگہ ارشاد ہوا:

وَالَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مِيْثَاقِهٖ وَيَقْطَعُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ وَيُفْسِدُوْنَ فِى الْاَرْضِ، اُولٰٓئِكَ لَهُمُ اللَّعْنَةُ وَلَهُمْ سُوْٓءُ الدَّارِ. (الرعد: ۲۵)

اور جو لوگ اللہ کا عہد مضبوط کرنے کے بعد توڑتے ہیں اور جسے اللہ نے جوڑنے کا حکم دیا ہے اسے کاٹتے ہیں اور دنیا میں فساد انگیزی کرتے ہیں، ایسے لوگوں کے واسطے لعنت اور پھٹکار ہے اور ان لوگوں کے لئے برا گھر ہے۔

اور ایک جگہ تو بہت ہی سخت انداز میں واضح طور پر قطع رحمی کرنے والوں کو متنبہ کرتے

ہوئے ارشاد فرمایا گیا:

فَهَلْ عَسَيْتُمْ اِنْ تَوَلَّيْتُمْ اَنْ تُفْسِدُوْا فِيْ الاَرْضِ وَتُقَطِّعُوْآ اَرْحَامَكُمْ . اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فَاَصَمَّهُمْ وَاَعْمٰى اَبْصَارَهُمْ.

(سورۂ محمد: ۲۲-۲۳)

پھر تم سے توقع ہے کہ اگر تم ایمان لانے سے اعراض کروگے کہ تم دنیا میں خرابی ڈالو، اور اپنی رشتہ داریاں قطع کرو، یہی وہ لوگ ہیں جن پر اللہ نے لعنت فرمائی ہے، پھر انہیں بہرا کردیا اور ان کی آنکھیں اندھی کردیں (کہ حق بات سننے اور دیکھنے کی ان میں تاب نہ رہی)

اس لئے ہر مسلمان کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ رشتہ ناطوں کو برقرار رکھنے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھے۔

''رحم مادر'' کی فریاد

سیدنا حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب تخلیق کائنات کا مرحلہ مکمل ہوگیا، تو رحم مادر نے بارگاہِ رب العالمین میں کھڑے ہوکر عرض کیا کہ: ''اے الٰہ العالمین! قطع رحمی کے بارے میں فریاد کرنے والے کے لئے کیا فیصلہ ہے''؟ تو اللہ رب العالمین ارشاد فرمائیں گے کہ: ''کیا تو اس پر راضی نہیں ہے کہ جس نے تجھے دنیا میں جوڑے رکھا میں اس کے ساتھ احسان کروں اور جس نے تجھے دنیا میں کاٹے رکھا اسے میں کاٹ کر رکھ دوں''؟ یہ سن کر رحم مادر نے عرض کیا کہ: ''کیوں نہیں'' (یعنی میں اس پر راضی ہوں) تو اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ چلو تمہارے حق میں بس یہی فیصلہ ہے (کہ صلہ رحمی کرنے والے کو بہتر بدلہ ملے گا اور قطع رحمی کرنے والے کا انجام خراب ہوگا) پھر پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے وہی سورۂ محمد کی آیت پڑھی جسے اوپر ذکر کیا گیا ہے۔ (بخاری شریف حدیث: ۵۹۸۷، مسلم شریف حدیث: ۲۵۵۴)

اور حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

إِنَّ مِنْ أَرْبَى الرِّبَا الْاِسْتِطَالَةُ فِيْ عِرْضِ الْمُسْلِمِ بِغَيْرِ حَقٍّ وَإِنَّ

بلا شبہ سب سے بدترین سود کسی مسلمان کی عزت پر چھینٹا کشی کرنا ہے اور یہ ''رحم مادر'' اللہ کی صفت

هٰذِهِ الرَّحِمَ شُجْنَةٌ مِنَ الرَّحْمٰنِ عَزَّوَجَلَّ فَمَنْ قَطَعَهَا حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ.

''رحمٰن'' سے ماخوذ ہے، پس جو کوئی قطع رحمی کرے گا اللہ تعالیٰ اس پر جنت کو حرام فرمادیں گے۔

(مجمع الزوائد ۸/ ۱۵۰، الترغیب: ۳۷۱۳)

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے رشادفرمایا:

ثَلاَثَةٌ لاَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ: مُدْمِنُ الْخَمَرِ وَقَاطِعُ الرَّحِمِ وُمُصَدِّقٌ بِالسِّحْرِ. (رواه ابن حبان: ٥٣٤٦

تین آدمی جنت میں داخل نہ ہوں گے: (۱) شراب کا عادی شخص (۲) قطع رحمی کرنے والا (۳) جادوگر کی باتوں کی تصدیق کرنے والا۔

الترغيب والترهيب مكمل/٥٤٤ رقم: ٣٨٥٢)

ایک اورروایت میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشادفرمایا:

لاَ يَدْخُلُ الْجَنَّةَ قَاطِعٌ. (بخاري

قطع رحمی کرنے والا جنت میں نہ جائے گا۔

۸۸۵/۲ رقم: ٥٩٨٤، مسلم ۲/ ٤/ ۳۱ رقم: ٢٥٥٦)

ان روایات سے معلوم ہوا کہ رشتہ داروں کے حقوق میں کوتاہی کرنے والے کا آخرت میں بہت براانجام ہوگا، اوروہ اس عمل بد کی وجہ سے رحمت خداوندی اور جنت سے محروم قرار دیا جائے گا، اعاذنا اللہ منہ۔

قطع رحمی! دیگراعمالِ خیرکی قبولیت میں رکاوٹ

''قطع رحمی'' کا ایک بڑانقصان یہ ہے کہ اس کی بنا پرانسان کے دیگراعمال خیر کی قبولیت رکی رہتی ہے، یعنی آدمی بظاہر نماز روزہ کا پابند ہوتا ہے، اور ذکر واذکار اور خیر کے کاموں میں برابرلگا رہتا ہے؛ لیکن کسی رشتہ دار کی حق تلفی کی وجہ سے اس کے یہ سب اعمال التواء میں پڑے رہتے ہیں، گویا ٹھنڈے بستہ میں ڈال دئے جاتے ہیں، اور جب تک ان میں معاملات کی صفائی اور میل جول نہیں ہوجاتا انہیں قبولیت کی سندنہیں ملتی، چناں چہ سیدنا حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشادفرمایا:

إِنَّ اَعْـمَـالَ بَـنِـيْ اٰدَمَ تُعْرَضُ كُلَّ خَمِيْسٍ لَيْلَةَ الْجُمُعَةِ فَلَا يُقْبَلُ عَمَلُ قَـاطِـعِ رَحِمٍ. (رواه أحمد ٤٨٤/٢، الترغيب والترهيب مكمل ٥٤٤ رقم: ٣٨٥٠)

آدمیوں کے اعمال ہر جمعرات کو جمعہ کی شب میں بارگاہِ ایزدی میں پیش ہوتے ہیں، پس قطع رحمی کرنے والے کے اعمال کو قبولیت کی سعادت نصیب نہیں ہوتی۔

یہ تو اپنے اعمال کا معاملہ ہے جو ظاہر ہے، ساتھ میں قطع رحمی کی نحوست بسا اوقات دوسرے اہل مجلس کے لئے بھی خیر سے محرومی کا سبب بن جاتی ہے، چناں چہ ایک ضعیف روایت میں حضرت عبد اللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم لوگ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے، آپ نے اہل مجلس سے مخاطب ہوکر ارشاد فرمایا کہ: ''اس وقت کوئی بھی قطع رحمی کرنے والا ہماری مجلس میں نہ بیٹھے'' یہ سن کر مجلس میں موجود ایک نوجوان شخص جس کی اپنی خالہ سے کچھ ناگواری چل رہی تھی، اٹھا اور اپنی ناراض خالہ کے پاس جاکر اس سے معافی تلافی کرا کر واپس مجلس میں حاضر ہوا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

إِنَّ الـرَّحْـمَةَ لَا تَـنْـزِلُ عَلٰى قَوْمٍ فِيْهِمْ قَاطِعُ رَحِمٍ. (الترغيب والترهيب مكمل/٥٤٤ رقم: ٣٨٥٥)

بے شک اللہ کی رحمت ایسی قوم پر نازل نہیں ہوتی جن میں رشتہ داری کو توڑنے والا شخص موجود ہوتا ہے۔

اور امام اعمش صحابی رسول حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا واقعہ نقل کرتے ہیں کہ: ''حضرت نے ایک مرتبہ صبح کی مجلس میں تشریف لاکر اہل مجلس کو قسم دے کر فرمایا کہ جو بھی قطع رحمی کرنے والا ہو وہ یہاں سے چلا جائے؛ اس لئے کہ ہم اپنے رب سے دعا کرنا چاہتے ہیں اور آسمان کے دروازے قطع رحمی کرنے والے کے لئے کھولے نہیں جاتے''۔ (الترغیب والترہیب: ۳۷۳۰)

اس لئے دعا کی قبولیت اور پرسکون اور عافیت کی زندگی گذارنے کے لئے ضروری ہے کہ ہماری زندگی قطع رحمی کی نحوست سے پاک ہو۔

قطع رحمی؛ جلد عذاب کا سبب

رشتہ داری قطع کرنے کا وبال اس قدر سخت ہے کہ اس کی سزا آخرت میں تو جو ملے گی وہ

اپنی جگہ، بسا اوقات دنیا کی زندگی میں بھی اس کا وبال بھگتنا پڑ جاتا ہے۔ ایک مرتبہ اس سلسلہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے رونگٹے کھڑے کر دینے والا وعظ ارشاد فرمایا، حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حجرۂ مبارکہ سے تشریف لائے، ہم لوگ سب جمع تھے، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے اس طرح خطاب فرمایا:

يَا مَعْشَرَ الْمُسْلِمِيْنَ! إتَّقُوْا اللّٰهَ وَصِلُوْا أَرْحَامَكُمْ، فَإنَّهٗ لَيْسَ مِنْ ثَوَابٍ أَسْرَعَ مِنْ صِلَةِ الرَّحِمِ وَإيَّاكُمْ وَالْبَغْيَ فَإنَّهٗ لَيْسَ مِنْ عُقُوْبَةٍ أَسْرَعَ مِنْ عُقُوْبَةِ بَغْيٍ، وَإيَّاكُمْ عُقُوْقَ الْوَالِدَيْنِ فَإنَّ رِيْحَ الْجَنَّةِ يُوْجَدُ مِنْ مَسِيْرَةِ أَلْفِ عَامٍ، وَاللّٰهِ لاَ يَجِدُهَا عَاقٌ، وَلاَ قَاطِعُ رَحِمٍ وَلاَ شَيْخٌ زَانٍ وَلاَ جَارٌّ إزَارَهٗ خُيَلاَءَ، إنَّمَا الْكِبْرِيَاءُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ. (مجمع الزوائد ١٢٥/٥، الترغيب والترهيب مكمل ٥٣٩ رقم: ٣٨١٤)

اے مسلمانوں کی جماعت! اللہ سے ڈرو اور اپنی رشتہ داریوں کو جوڑے رکھو؛ کیوں کہ صلہ رحمی سے بڑھ کر کوئی نیکی جلد ثواب حاصل کرنے والی نہیں ہے، اور ظلم سے بچتے رہو؛ کیوں کہ ظلم سے بڑھ کر کوئی گناہ سزا کو جلدی لانے والا نہیں ہے، اور والدین کی نافرمانی سے بچتے رہو؛ کیوں کہ جنت کی خوشبو ایک ہزار سال کی مسافت سے آنے لگتی ہے؛ لیکن قسم بخدا! درج ذیل گنہگار اس جنت کی خوشبو بھی نہ پاسکیں گے: (۱) والدین کی نافرمانی کرنے والا (۲) رشتہ داری کو قطع کرنے والا (۳) بوڑھا زناکار (۴) اور اپنے کپڑوں کو (ٹخنے سے نیچے) تکبر کی وجہ سے لٹکانے والا، اور یقیناً بڑائی اور کبریائی تو صرف اور صرف اللہ رب العالمین ہی کو زیب دیتی ہے۔

ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

أَسْرَعُ الْبِرِّ ثَوَاباً إلَيْهِ الْبِرُّ، وَصِلَةُ

ثواب کو سب سے جلدی کھینچنے والی نیکی لوگوں

الرَّحِمِ وَأَسْرَعُ الشَّرِّ عُقُوبَةً الْبَغْيُ وَقَطِيْعَةُ الرَّحِمِ. (سنن ابن ماجه ۳۱۰/ رقم: ۴۲۱۲، الترغيب والترهيب مكمل/ ۵۴۳ رقم: ۳۸۴۷)

کے ساتھ بھلائی کرنا اور رشتہ داروں کے ساتھ حسن سلوک کرنا ہے، اور نقد سزا کا مستحق بنانے والی برائی ظلم اور قطع رحمی ہے۔

اور ایک روایت حضرت ابوامامہ باہلی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: ''میری امت کے کچھ لوگ کھانے پینے، لہو ولعب اور موج مستی میں رات گذاریں گے، جب صبح اٹھیں گے تو ان کے چہرے بندر اور خنزیر کی صورتوں میں مسخ کر دئے جائیں گے، اور ان میں سے کسی کے گھر زمین میں دھنس جائیں گے اور کچھ لوگوں پر آسمانوں سے اسی طرح پتھروں کی بارشیں ہوگی جیسے قوم لوط پر ہوئی تھیں، اور کچھ لوگوں پر ایسی ہولناک آندھیاں چلیں گی جیسا کہ قوم عاد پر چلائی گئی تھیں، اور ان کا یہ حشر درج ذیل گناہوں میں مبتلا ہونے کی وجہ سے ہوگا: (۱) شراب خوری (۲) ریشم کا لباس پہننا (جو امت کے مردوں پر حرام ہے) (۳) گانے بجانے والیوں میں مشغولیت (۴) سودخوری (۵) اور قطع رحمی''۔ (رواہ احمد ۲۵۹/۵، شعب الایمان للبیہقی: ۵۶۱۴، بحوالہ الترغیب والترہیب رقم: ۲۷۸۰)

اور صحابی رسول سیدنا حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

مَا مِنْ ذَنْبٍ أَجْدَرُ أَنْ يُّعَجِّلَ اللّٰهُ لِصَاحِبِهِ الْعُقُوبَةَ فِي الدُّنْيَا مَعَ مَا يَدَّخِرُ لَهُ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْبَغْيِ وَقَطِيْعَةِ الرَّحِمِ. (ابن ماجه ۳۱۰، رقم: ۴۲۱۱، ترمذي: ۲۵۱۱، الترغيب والترهيب مكمل/ ۵۴۴ رقم: ۳۸۷۸، مكارم الأخلاق ۱۶۰)

ظلم اور قطع رحمی کے علاوہ کوئی گناہ ایسا نہیں ہے جو اس لائق ہو کہ اللہ تعالیٰ آخرت میں اس کی سزا مقرر کرنے کے ساتھ ساتھ دنیا ہی میں اس کے مجرم کو سزا سے دوچار فرمائیں۔

ایک طرف یہ ارشادات نبویہ ہیں دوسری طرف ہمارے معاشرہ کے جو حالات ہیں وہ

سب کے سامنے ہیں، آج دوسروں سے دوستیاں ہیں اور اپنوں سے عداوتیں ہیں۔ ذرا ذرا سی باتوں پر بول چال، آنا جانا، لین دین، رشتہ ناطہ سب ختم کر دیا جاتا ہے، حتی کہ بھائی بھائی میں سالوں تک ایسی دوریاں رہتی ہیں کہ ایک دوسرے سے بات چیت تو کجا صورت دیکھنا بھی گوارا نہیں کرتا، اور عموماً ان خرابیوں کی بنیاد یا تو مالی حقوق میں بے ایمانیاں ہوتی ہیں یا محض حسد اور بغض کی وجہ سے حالات خراب ہو جاتے ہیں، اور کہیں کہیں مقدمہ بازیوں کی نوبت آتی ہے، جو سالوں سال جاری رہتی ہے، اور پورے خاندان کی عزت اور معیشت خاک میں مل جاتی ہے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو عقل سلیم عطا فرمائیں۔ آمین۔

پل صراط پر ''صلہ رحمی'' اور امانت داری کی جانچ پڑتال

قیامت کے میدان میں جب پل صراط سے لوگوں کا گذر شروع ہوگا تو اس کے داخلہ پوائنٹ پر ''امانت'' اور ''رحم مادر'' مجسم شکلوں میں دائیں بائیں موجود ہوں گے، اور گذرنے والوں کو پہلے ان دونوں سے ''پروانۂ راہ داری'' حاصل کرنا پڑے گا۔ یعنی امانت و دیانت اور رشتہ داریوں کے معاملات میں جن کا ریکارڈ صاف ہوگا انہیں عافیت سے پل صراط سے گذرنے دیا جائے گا اور جن لوگوں کا ریکارڈ ان دونوں باتوں میں خراب رہا ہوگا انہیں روک لیا جائے گا۔ نبی اکرم ﷺ نے پل صراط کی منظر کشی کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

وَتُرْسَلُ الْأَمَانَةُ وَالرَّحِمُ تَقُوْمَانِ جَنْبَتَيِ الصِّرَاطِ يَمِيْناً وَشِمَالاً.

''امانت'' اور ''رحم مادر'' کو چھوڑ دیا جائے گا، پس وہ پل صراط کے دائیں بائیں کھڑے ہو جائیں گے۔

(مسلم ۱/۱۱۲ رقم: ۱۹۵)

اس کی شرح فرماتے ہوئے حضرت علامہ حافظ بن حجر عسقلانیؒ فرماتے ہیں کہ: ''امانت داری اور رشتہ داری کی عظمت شان اور بندوں پر لازم ان کے حقوق کی رعایت کی عظیم اہمیت کی بنا پر ان دونوں کو پل صراط پر امانت دار اور خیانت کرنے والے اور رشتہ داری کا خیال رکھنے اور قطع کرنے والے میں امتیاز کے لئے کھڑا کیا جائے گا، پس یہ دونوں اپنے حقوق ادا کرنے والوں کی

طرف سے دفاع کریں گے، اور کوتاہی کرنے والوں کے خلاف گواہی دیں گے‘‘۔ (فتح الباری۱۴؍۵۵۳)

الغرض رشتہ داری کا معاملہ بڑا نازک اور اہم ہے، اس میں کوتاہی اور غفلت دنیا اور آخرت دونوں میں ذلت اور محرومی کا سبب ہے، اس لئے خواہ کچھ بھی ہو آدمی کو اپنی طرف سے صلہ رحمی اور معاملات کو درست رکھنے کی کوشش کرنا لازم ہے۔

رشتہ ناطہ جوڑنے کی فکر

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر کوئی رشتہ دار اپنی نادانی کی وجہ سے قطع رحمی اور بگاڑ پر آمادہ رہے، تو دیگر رشتہ داروں کو کیا کرنا چاہئے؟ تو اس بارے میں پیغمبر علیہ السلام نے یہ ہدایت کی ہے کہ ایسے شخص سے الگ تھلگ ہونے کے بجائے اس سے قربت بڑھانے کے اسباب اختیار کئے جائیں، اور اس کی برائی کا جواب اچھائی کے ساتھ دیا جائے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

لَيْسَ الْمُكَافِئُ بِالْوَاصِلِ، إِنَّمَا الْوَاصِلُ الَّذِيْ إِذَا قُطِعَتْ رَحِمُهُ وَصَلَهَا . (البخاري ۸۸۶/۲ رقم: ۵۹۹۱، مكارم الأخلاق ۱۷۷)

برابر سرابر معاملہ کرنے والا صلہ رحمی کرنے والا نہیں کہا جائے گا؛ بلکہ صلہ رحمی کرنے والا اصل میں وہ ہے جو قطع رحمی کا جواب صلہ رحمی سے دے۔

رازدار رسول حضرت حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

لاَ تَكُوْنُوْا إِمَّعَةً، تَقُوْلُوْنَ إِنْ أَحْسَنَ النَّاسُ أَحْسَنَّا، وَإِنْ ظَلَمُوْا ظَلَمْنَا، وَلٰكِنْ وَطِّنُوْا اَنْفُسَكُمْ، إِنْ أَحْسَنَ النَّاسُ أَنْ تُحْسِنُوْا وَإِنْ أَسَاؤُوْا أَنْ لاَ تَظْلِمُوْا. (رواه الترمذي ۲۱/۲ رقم: ۲۰۰۷، الترغيب

تم امعہ (یعنی ’’جیسے کو تیسا‘‘ جواب دینے والے) مت بنو کہ یہ کہو کہ اگر لوگوں نے ہمارے ساتھ اچھا سلوک کیا تو ہم بھی ان کے ساتھ اچھا برتاؤ کریں گے، اور اگر انہوں نے ظلم کیا تو ہم بھی ان پر ظلم کریں گے بلکہ اپنے آپ کو اس پر جماؤ کہ اگر لوگ اچھا برتاؤ کریں تو تم ان

والترهيب مكمل ٣/٥٤٣ رقم: ٣٨٣٩)

کے ساتھ حسن سلوک کرو اور اگر وہ حق تلفی کریں تو تم ان پر ظلم کا ارادہ مت کرو۔

واقعہ یہ ہے کہ دنیا کے مشکل ترین کاموں میں سے یہ ہے کہ آدمی برائی کا جواب بھلائی سے دے؛ کیوں کہ آدمی کے اندر کا نفس اس کام میں پتھر بن کر رکاوٹ ڈالنے کی کوشش کرتا ہے، اور اپنی بے عزتی اور بے وقعتی کا ایسا احساس جگاتا ہے کہ انسان کا پورا وجود سراپا انتقام بن جاتا ہے، جس کے نتیجہ میں دوستیاں دشمنی میں اور محبتیں عداوت میں بدل جاتی ہیں، اور فریقین میں دشمنی کی آگ ایسی بھڑکتی ہے کہ پھر بجھنے کا نام نہیں لیتی، اب یہ آگ اگر شروع ہی میں حسنِ تدبیر اور حلم و بردباری کے فرحت بخش قطرات سے بجھادی جائے تو آسانی بڑے سے بڑے فتنے دب جاتے ہیں۔ خاص طور پر آپسی حقوق میں ایثار وقربانی اور صبر وضبط ایسی صفات ہیں جن کا فوری اثر ظاہر ہوتا ہے، اسی لئے حق پر ہونے کے باوجود آدمی کا جھگڑے کو چھوڑ دینا بڑی فضیلت کی بات ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایسے شخص کے لئے جنت کے درمیانی حصہ میں ایک محل کی بشارت دی ہے۔ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد گرامی ہے:

مَنْ تَرَكَ الْمِرَاءَ وَهُوَ مُبْطِلٌ بُنِيَ لَهُ بَيْتٌ فِيْ رَبَضِ الْجَنَّةِ، وَمَنْ تَرَكَهُ وَهُوَ مُحِقٌّ بُنِيَ لَهُ فِيْ وَسَطِهَا، وَمَنْ حَسَّنَ خُلُقَهُ بُنِيَ لَهُ فِيْ اَعْلاَهَا. (ابوداؤد ٢/٦٦١ رقم: ٤٨٠٠، ترمذي ٢/٢٠ رقم: ١٩٩٣، الترغيب والترهيب مكمل ٥٩ رقم: ٢٣٣)

جو شخص ناحق ہونے کی وجہ سے جھگڑا چھوڑ دے اس کے لئے جنت کے کنارے پر محل بنے گا، اور جو شخص حق پر ہونے کے باوجود جھگڑے سے دست بردار ہوجائے اس کے لئے جنت کے بیچ میں محل بنایا جائے گا، اور جو شخص اپنے اخلاق درست کرلے اس کے لئے جنت کے اعلیٰ حصہ میں محل تعمیر ہوگا۔

بلاشبہ ایثار کی وجہ سے بڑے بڑے فتنے ٹل جاتے ہیں، جب کہ انتقام اور مقابلہ آرائی خاندانوں میں نفرتوں کی آگ بھڑکا دیتی ہے، اور ''لمحوں نے خطا کی تھی صدیوں نے سزا پائی'' کا مصداق ظاہر ہوجاتا ہے؛ لیکن درحقیقت یہ بڑا ہی مشکل کام ہے، اور خاص توفیق خداوندی کے بغیر

آدمی اس نسخہ پر عمل نہیں کرسکتا، اسی وجہ سے ان اخلاق کو سب سے زیادہ فضیلت والا عمل قرار دیا گیا ہے۔ صحابی رسول سیدنا حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ پیغمبر علیہ السلام نے ارشاد فرمایا: ''عقبہ! کیا میں تمہیں دنیا اور آخرت کے سب سے افضل اخلاق کے بارے میں نہ بتاؤں''؟ میں نے عرض کیا کہ: ''حضرت ضرور بتلایئے''! تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

تَصِلُ مَنْ قَطَعَکَ وَتُعْطِي مَنْ حَرَمَکَ وَتَعْفُوْ عَمَّنْ ظَلَمَکَ. (مسند أحمد ۱٤۸/٤ - ۱٥۸، مکارم الأخلاق للطبراني ۳۳۲/۲، الترغیب والترهیب مکمل ٥٤۳ رقم: ۳۸٤۳)

جو تم سے رشتہ توڑے تم اس سے رشتہ جوڑو، اور جو تمہیں محروم کرے اسے تم عطا کرو، اور جو تم پر ظلم کرے تم اسے معاف کردو۔

اسی طرح کی روایت حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے بھی مروی ہے، اور حضرت ابی ابن کعب رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

مَنْ سَرَّهُ أَنْ یُّشْرَفَ لَهُ الْبُنْیَانُ وَتُرْفَعُ لَهُ الدَّرَجَاتُ فَلْیَعْفُ عَمَّنْ ظَلَمَهُ وَلِیُعْطِ مَنْ حَرَمَهُ، وَلِیَصِلَ مَنْ قَطَعَهُ. (اخرجه الحاکم فی المستدرك ۲۹٥/۲، مکارم الأخلاق للطبراني ۳۳۲، والترغیب والترهیب مکمل/ ٥۳۱ رقم: ۳٦٤۷)

جسے یہ بات اچھی لگے کہ (آخرت میں) اس کے لئے بلند وبالا عمارتیں بنائی جائیں اور اس کے رتبے بلند کئے جائیں، تو اسے چاہئے کہ اپنے اوپر ظلم کرنے والے کو معاف کردے، اور محروم کرنے والے پر داد ودہش جاری رکھے، اور رشتہ داری توڑنے والے کے ساتھ صلہ رحمی کرے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: ''تین صفات جس میں پائی جائیں تو اللہ تعالیٰ اس کا حساب وکتاب آسان فرمائیں گے، اور اسے اپنی رحمت سے جنت میں داخل فرمائیں گے''۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ: ''اے اللہ کے رسول! میرے ماں باپ آپ پر قربان، وہ تین صفات کونسی ہیں''؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

تُعْطِيْ مَنْ حَرَمَکَ وَتَصِلُ مَنْ قَطَعَکَ وَتَعْفُوْ عَمَّنْ ظَلَمَکَ فَإِذَا فَعَلْتَ ذٰلِکَ تَدْخُلُ الْجَنَّةَ.

(الترغيب والترهيب مكمل ۵۳۱/ رقم: ۳۶۲۶)

(۱) جو تمہیں محروم کرے تم اسے نوازو، (۲) اور جو تم سے رشتہ توڑے تم اس سے جوڑو (۳) اور جو تم پر ظلم کرے تم اسے معاف کردو، اگر تم ایسا کروگے تو تم جنت میں داخل ہو جاؤگے۔

نفس وشیطان کے جھانسے میں نہ آئیں

جب کبھی کسی رشتہ دار وغیرہ سے ان بن ہوتی ہے تو شیطان خوب شیر الگاتا ہے، اور شیطان صفت انسان موقع غنیمت جان کر لگائی بجھائی کر کے خوب روٹیاں سیکتے ہیں، تو یہ موقع بڑی ہوش مندی برتنے کا ہوتا ہے۔ اس وقت لازم ہوتا ہے کہ آدمی صبر وضبط سے کام لے اور وقتی جذبات کے بجائے دور رس اثرات کو سامنے رکھ کر فیصلے کرے، اور نفس وشیطان کے دھوکے کا شکار نہ ہو۔ خود راقم الحروف کو اس کا تجربہ ہوا کہ ہمارا ایک ساتھی کسی غلط فہمی کی وجہ سے ہم سے ناراض ہوگیا، جب ہمیں احساس ہوا تو ہم نے اس سے معاملات کی صفائی اور بدگمانی دور کرنے کے لئے اس کے کمرے پر جانے کا ارادہ کیا؛ لیکن یہ عمل شروع میں اتنا بوجھل معلوم ہوا جیسے ہمارے قدم کئی کئی ٹن بھاری ہوگئے ہوں، اور شیطان طرح طرح کے وساوس دل میں ڈالتا رہا کہ: ''تمہاری غلطی تھوڑی ہے، اسے لاکھ غرض ہو تو آئے وغیرہ وغیرہ''۔ لیکن اللہ کا فضل ہوا اور احقر اللہ کے بھروسے پر اس ساتھی کے کمرے کی طرف چل ہی پڑا اور جا کر کھلے دل سے معافی کی درخواست کر دی، آپ یقین جانیں کہ اس ایک جملہ نے سارے سابقہ غبار کو ایک دم صاف کر دیا، اور اسی وقت ذہن ودماغ کا سارا بوجھ ہلکا ہوگیا۔

شیطان آدمی کو یہ سمجھاتا ہے کہ جواب دہی اور مقابلہ آرائی میں تیری شان ہے، جب کہ حقیقت یہ ہے کہ حلم وبردباری کی وجہ سے جو آدمی کو وقعت حاصل ہوتی ہے اس کی کوئی نظیر نہیں ہے۔ سیدنا حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آکر عرض کیا کہ: ''اے اللہ کے رسول! میرے کچھ رشتہ دار ہیں جن کے ساتھ میں حسنِ سلوک

کرتا ہوں اور وہ برابر قطع رحمی کرتے ہیں، اور میں ان کے ساتھ اچھا برتاؤ کرتا ہوں جب کہ وہ میرے درپئے آزار رہتے ہیں، اور میں ان کے ساتھ بردباری کا معاملہ کرتا ہوں، مگر وہ لوگ میرے ساتھ جہالت پر اتارو رہتے ہیں"۔ اس کی یہ بات سن کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

إِنْ كُنْتَ كَمَا قُلْتَ فَكَأَنَّمَا تُسِفُّهُمُ الْمَلَّ وَلَا يَزَالُ مَعَكَ مِنَ اللّٰهِ ظَهِيرٌ عَلَيْهِمْ مَا دُمْتَ عَلٰى ذٰلِكَ. (مسلم شریف ٣١٥/٢ رقم: ٢٥٥٨، الترغیب والترهیب مکمل ٥٤٣/ رقم: ٢٧١٦)

اگر بات وہی ہے جو تم کہہ رہے ہو تو گویا کہ تم ان (اپنے رشتہ داروں) پر گرم گرم راکھ ڈال رہے ہو (یعنی اس سے وہ لوگ خود ہی ذلیل ہو رہے ہیں) اور جب تک تم اس حال پر قائم رہو گے اللہ کی طرف سے تمہارے ساتھ ان رشتہ داروں کے مقابلہ کیلئے ایک مددگار (فرشتہ) رہے گا۔

یہ روایت اجتماعی اور معاشرتی زندگی کے لئے سنہرے اصول کی حیثیت رکھتی ہے، جو خاندان اور جو قوم اس اصول پر مضبوطی سے کار بند ہوجائے وہ سب آپس میں برابر شیر وشکر رہیں گے اور اگر خاندان میں کوئی نادانی پیش آئے گی بھی تو وہ حسن تدبیر کی وجہ سے پنپنے سے پہلے ہی دم توڑ دے گی؛ اس لئے عافیت کے لئے اس اصول پر کار بند رہنا ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان ہدایات پر عمل کی توفیق مرحمت فرمائیں۔ آمین۔

خلاصہ :- یہاں تک آیت: ﴿إِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ وَإِيْتَآءِ ذِي الْقُرْبٰى الخ﴾ ۔ میں مامورات کا بیان بفضلہٖ تعالیٰ پورا ہوا، جن میں عدل وانصاف، احسان، اور صلہ رحمی سے متعلق مضامین ذکر کئے گئے۔ آگے منہیات یعنی اللہ تعالیٰ طرف سے حرام کردہ، باتوں کا بیان شروع ہوگا۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

چوتھا باب:

اِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالإِحْسَانِ وَاِيْتَآءِ ذِىْ الْقُرْبٰى
وَيَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ،
يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ○
[النحل: ۹۰]

فواحش کی روک تھام

پہلی فصل:

برائیوں سے بچنے کا اہتمام

زیرِتشریح آیت: ﴿اِنَّ اللّٰہَ یَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَ الْاِحْسَانِ الخ﴾ میں مامورات (یعنی عدل واحسان اور صلہ رحمی) کا ذکر گذشتہ مضامین میں آ چکا ہے، اب آگے منہیات یعنی اللہ تعالیٰ کی حرام کردہ باتوں کا ذکر شروع ہوتا ہے، جن کو اس آیت میں تین جامع لفظوں میں بیان کیا گیا ہے، یہ تین الفاظ تمام ہی ممنوع باتوں کو پوری طرح شامل ہیں:

(۱) ان میں پہلا لفظ: ''**الفحشاء**'' ہے جو ہر طرح کی بے حیائی کو محیط ہے۔

(۲) دوسرا لفظ: ''**المنکر**'' ہے، جس کے ضمن میں شریعت کے سبھی ناپسندیدہ اعمال آ جاتے ہیں۔

(۳) اور تیسرا لفظ: ''**البغي**'' ہے، جو سبھی مظالم، بغاوت اور سرکشیوں اور حق تلفیوں کو شامل ہے۔

یہاں یہ یاد رکھنا ضروری ہے کہ شریعت کی بنیاد دو چیزوں پر ہے: (۱) مامورات، یعنی فرائض وواجبات پر عمل کرنا (۲) منہیات، یعنی حرام ومکروہات وغیرہ سے باز رہنا۔ اور ان دونوں کی یکساں طور پر اہمیت ہے۔ مامور پر عمل کرنا جس طرح ضروری ہے اسی طرح منہیات سے بچنا بھی لازم ہے؛ بلکہ منہیات سے بچنا اس اعتبار سے زیادہ اہمیت رکھتا ہے کہ اس کے بغیر مامور کی حفاظت نہیں ہوسکتی، مثلاً اگر کوئی شخص خوب عبادتیں کرتا ہو اور خیر کا کوئی کام نہ چھوڑتا ہو؛ لیکن ساتھ میں وہ گناہوں کا بھی عادی ہو تو یہ گناہ اس کی ساری نیکیوں کو بے اثر کردیں گے، اور اس کا سارا ثواب برابر ضائع ہوتا رہے گا؛ اس لئے اعمالِ صالحہ کی بقا اور تحفظ کے لئے ممنوع اور حرام باتوں

سے بچنا نہایت ضروری اور لازم ہے، اسی لئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صحابی کو نصیحت کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

اِتَّقِ الْمَحَارِمَ تَكُنْ أَعْبَدَ النَّاسِ . (رواه الترمذی٢/٥٦ رقم: ٢٣٠٥، الترغيب والترهيب مكمل ٥٥٠ رقم: ٣٩٠٢)

تم اللہ کی حرام کردہ چیزوں سے بچتے رہو تو تم لوگوں میں سب سے بڑے عبادت گذار بن جاؤں گے۔

تو گویا نرا عابد ہونا کافی نہیں ہے؛ بلکہ ساتھ میں متقی ہونا بھی ضروری ہے، اور خاص کر بڑے گناہوں سے بچنا اور زیادہ لازم ہے، قرآنِ کریم میں نیک لوگوں کی صفت بیان کرتے ہوئے فرمایا گیا:

اَلَّذِيْنَ يَجْتَنِبُوْنَ كَبَائِرَ الإِثْمِ وَالْفَوَاحِشَ اِلَّا اللَّمَمَ، اِنَّ رَبَّكَ وَاسِعُ الْمَغْفِرَةِ. (النجم: ٣٢)

وہ لوگ جو بڑے بڑے گناہوں اور بے حیائی کے کاموں سے بچتے ہیں الا یہ کہ کبھی کبھار کے چھوٹے گناہ، یقیناً تمہارا پروردگار بہت وسیع مغفرت والا ہے۔

نیز ارشاد خداوندی ہے:

اِنْ تَجْتَنِبُوْا كَبٰٓئِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّئٰتِكُمْ وَنُدْخِلْكُمْ مُّدْخَلاً كَرِيْماً . (النساء: ٣١)

اگر تم ان بڑے گناہوں سے پرہیز رکھو جن سے تمہیں روکا گیا ہے تو ہم تم سے تمہاری خطاؤں کو معاف کردیں گے اور تمہیں عزت کے مقام (جنت) میں داخل کردیں گے۔

دوسری جگہ ارشاد ہوا:

وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى. فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَأْوٰى. (النزعت: ٤٠-٤١)

اور جو شخص اپنے پروردگار کے سامنے کھڑے ہونے کا خوف رکھے اور اپنے نفس کو بری خواہشات سے روکے رکھے، تو جنت ہی اس کا ٹھکانہ ہے۔

لہٰذا تمام اہل ایمان کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے خالق و مالک رب العالمین کے تمام اوامر پر عمل کریں اور سبھی ممنوع باتوں سے مکمل پرہیز رکھیں، جبھی وہ اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کر سکتے ہیں۔

اصلاح کیلئے اجتماعی محنت کی ضرورت

اور اس بارے میں انفرادی محنتیں کافی نہیں؛ بلکہ اجتماعی طور پر پوری اُمت کا یہ فریضہ ہے کہ وہ اپنے اپنے دائرۂ اَثر میں اچھائیوں کو پھیلانے اور برائیوں پر نکیر کرنے کی محنت کرے۔ اُمتِ محمدیہ کو تمام امتوں پر برتری کا جو اعزاز عطا ہوا ہے، اُس کی خاص پہچان اور امتیاز یہی ہے کہ اس اُمت کے افراد اپنی اصلاح کے ساتھ ساتھ دوسروں کی اصلاح کی بھی فکر کرتے ہیں، چناں چہ ارشادِ خداوندی ہے:

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ.

(ال عمران: ۱۱۰)

تم لوگ سب امتوں میں بہتر ہو، جنہیں لوگوں کے لئے (نفع کی خاطر) بھیجا گیا ہے، تم اچھے کاموں کا حکم کرتے ہو اور برے کاموں سے منع کرتے ہو، اور اللہ پر ایمان لاتے ہو۔

آج عمومی طور پر بھلائیوں کو پھیلانے کی تو محنتیں ہو رہی ہیں، وعظ و نصیحت، جلسے اجتماعات، دعوتی تحریکات سب جاری ہیں؛ لیکن برائیوں پر مؤثر انداز میں نکیر کرنے کا عمل امت میں کمزور ہو رہا ہے، حالاں کہ اس عمل کے بغیر اصلاح کا تصور ہی نہیں کیا جا سکتا، مثال کے طور پر آدمی مدرسہ سے وابستہ ہو جائے یا جماعت میں وقت لگالے؛ لیکن اس کے گھر میں منکرات بلا روک ٹوک جاری ہوں تو یہ شخص بھی زیادہ دن تک منکرات کے برے اثرات سے محفوظ نہیں رہ پائے گا۔ حفاظت جبھی ممکن ہے جب کہ گھر والوں کا ذہن منکرات کو مٹانے کا بن جائے اور وہ گھر کا ماحول دینی اور شرعی بنانے پر آمادہ ہو جائیں۔

عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ منکرات پر نکیر تو صرف علماء کا کام ہے، حالاں کہ یہ بات حقیقت کے مطابق نہیں؛ کیوں کہ بے شک علماء کا کام یہ ہے کہ وہ امت کو بتائیں کہ فلاں کام گناہ

ہے اور فلاں معاملہ حرام ہے؛ لیکن ان کے بتانے کے بعد اپنے دائرۂ اثر میں عمل کرنا اور کرانا تو ہر مسلمان کی ذمہ داری ہے، اگر علماء بتلاتے رہیں اور امت کے لوگ عمل نہ کریں اور سننے کے بعد بھی ان میں احساس بیدار نہ ہو، تو پھر اصلاح کیسے ہوگی؟ اصلاح جبھی ممکن ہے جب ہر مسلمان مرد وعورت اپنے اوپر اصلاح کی فکر اوڑھ لے اور جہاں موقع ملے اپنی ذمہ داری کو ادا کرنے میں کوتاہی نہ کرے۔ اللہ تعالیٰ نے بلا کسی امتیاز کے تمام ایمان والے مردوں اور عورتوں کی خصوصی صفات بیان کرتے ہوئے یہ بشارت آمیز آیت نازل فرمائی ہے جو ہمیں ایمانی ذمہ داریاں یاد دلاتی ہے، ارشاد خداوندی ہے:

وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَآءُ بَعْضٍ، يَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلاةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكوٰةَ وَيُطِيْعُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ، أُولٰٓئِكَ سَيَرْحَمُهُمُ اللّٰهُ، إِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ. (التوبة: ۷۱)

اور ایمان والے مرد اور ایمان والی عورتیں ایک دوسرے کے مددگار ہیں، اچھی باتوں کا حکم کرتے ہیں اور بری بات سے روکتے ہیں، اور نماز قائم رکھتے ہیں اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں، اور اللہ اور اس کے رسول کے حکم پر چلتے ہیں، انہیں لوگوں پر اللہ تعالیٰ رحم فرمائیں گے، بے شک اللہ تعالیٰ زبردست اور حکمت والے ہیں۔

یہ آیت نہایت جامع ہے، جس میں اجمال کے ساتھ تمام تمام اہل ایمان کی دینی ذمہ داریوں کو جمع کر دیا گیا ہے، اس کے برخلاف منافقین کی علامت یہ بتائی گئی ہے کہ وہ منکر کو پھیلاتے ہیں اور اچھائی پر بند لگاتے ہیں۔ (توبہ: ۶۷)

تو ہمیں منافقین کی خصلتیں نہیں اختیار کرنی ہیں؛ بلکہ ایمانی صفات سے اپنے کو آراستہ کرنا ہے۔

نہی عن المنکر کی تاکید

احادیثِ شریفہ میں بھی کثرت کے ساتھ منکر پر نکیر کرنے کی تاکیدات وارد ہیں، ایک صحیح روایت میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے منکرات پر نکیر کی ضرورت ظاہر کرتے ہوئے ایک بہت

واضح مثال بیان فرمائی کہ:

مَثَلُ الْقَائِمِ فِيْ حُدُوْدِ اللّٰهِ وَالْوَاقِعِ فِيْهَا كَمَثَلِ قَوْمٍ اسْتَهَمُوْا عَلٰى سَفِيْنَةٍ فَصَارَ بَعْضُهُمْ أَعْلاَهَا وَبَعْضُهُمْ أَسْفَلَهَا، فَكَانَ الَّذِيْنَ فِيْ أَسْفَلِهَا إِذَا اسْتَقَوْا مِنَ الْمَاءِ مَرُّوْا عَلٰى مَنْ فَوْقَهُمْ، فَقَالُوْا: لَوْ أَنَّا خَرَقْنَا فِيْ نَصِيْبِنَا خَرْقاً فَلَمْ نُؤْذِ مَنْ فَوْقَنَا فَإِنْ تَرَكُوْهُمْ وَمَا أَرَادُوْا هَلَكُوْا جَمِيْعاً وَإِنْ أَخَذُوْا عَلٰى أَيْدِيْهِمْ نَجَوْا وَأَنْجَوْهُمْ جَمِيْعاً. (بخاری شریف ۳۳۹/۱ رقم: ۲۴۹۳، تنبیہ الغافلین ۲۳)

اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ حدود پر قائم رنے اولے (دین دار باعمل) اور حدود کو پامال کرنے والے (بدعمل) کی مثال ایسی ہے جیسے ایک (دومنزلہ) کشتی کے مسافر جگہ کے بارے میں قرعہ اندازی کریں، پس بعض کو اوپر کی منزل میں جگہ ملے اور بقیہ کو نیچے کے حصہ میں جگہ ملے، تو جو لوگ نیچے کی منزل میں ہوں وہ پانی لینے کے لئے اوپر کی منزل والوں کے پاس سے گذرا کریں (جس سے انہیں تکلیف ہوتی ہو جس کی بنا پر) وہ یہ خیال کریں کہ ہم اپنے حصہ کی کشتی میں نیچے ہی سوراخ کرلیں (وہیں سے پانی لے لیا کریں) اور اوپر والوں کو اذیت نہ دیں، تو اب اگر اوپر والے لوگ نیچے والوں کو اپنے حال پر چھوڑ دیں گے (اور انہیں سوراخ کرنے سے نہیں روکیں گے) تو سب کے سب (اوپر نیچے والے) ہلاک ہو جائیں گے اور اگر اوپر والے نیچے والوں کا ہاتھ پکڑلیں گے (اور سوراخ نہیں کرنے دیں گے) تو سب کے سب نجات پاجائیں گے۔

امام محی الدین احمد بن ابراہیم ابن النحاس الدمشقی (المتوفی ۸۱۴ھ) صاحب ''تنبیہ الغافلین'' لکھتے ہیں کہ اس حدیث سے کئی فوائد حاصل ہوئے:

(۱) سب مسلمان دین میں - جو آخرت میں ذریعہ نجات ہے - اسی طرح مشترک ہیں جیسا کہ ایک کشتی والے دنیا میں نجات پانے کے اعتبار سے مشترک ہوتے ہیں۔

(۲) جس طرح کشتی کے شرکاء کا کشتی میں سوراخ کرنے پر خاموش رہنا کشتی کے ڈوبنے

کا سبب ہے اسی طرح فاسق کی ناجائز حرکتوں پر دیگر اہل ایمان کا خاموش رہنا اخروی ہلاکت اور دین کی بربادی کا سبب ہوگا۔

(۳) اگر کشتی میں سوراخ کرنے والا منع کرنے والوں کو یہ جواب دے کہ ''تمھیں میرے عمل سے کیا مطلب؟ میں خود ہی تو ڈوب رہا ہوں تمھیں اس سے کیا لینا دینا وغیرہ''، تو جس طرح اس کا یہ جواب کشتی کے دیگر سواروں کی تشفی کا سبب نہیں ہوسکتا، اسی طرح گناہ کرنے والے کا اسے ٹوکنے پر یہ جواب دینا کہ ''میں خود اپنے فعل کا ذمہ دار رہوں، جو عذاب ہوگا مجھے ہوگا تمھیں کیا غرض پڑی ہے وغیرہ'' بھی محض حماقت سمجھا جائے گا؛ اس لئے کہ اس برائی کا اثر صرف اس کے کرنے والے تک ہی محدود نہیں ہوتا؛ بلکہ پورا معاشرہ اس سے متأثر ہوتا ہے۔

(۴) اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جس طرح کشتی میں کسی ایک شخص کا سوراخ کرنے والے کو روکنا سب کی نجات کے لئے کافی ہوتا ہے، اسی طرح معاشرہ میں ایک فرد یا ایک جماعت کا منکرات پر نکیر کے فریضہ کو بجالانا پورے معاشرہ کی طرف سے کفایہ سمجھا جائے گا، اور سب کی طرف سے گناہ سے نجات کا سبب ہوگا۔

(۵) جس طرح کشتی میں سوراخ کرنے والے کو روکنے پر اعتراض کرنا سخت حماقت اور جہالت کی دلیل سمجھی جاتی ہے، اسی طرح منکرات پر نکیر کرنے والوں پر اعتراض کرنا اور فقرے کسنا بھی نری جہالت اور حماقت کی بات ہے کہ معترض خود اپنی تباہی سے بچنے کو غلط قرار دے رہا ہے، العیاذ باللہ۔

(۶) ایک بات یہ بھی معلوم ہوئی کہ اگر کشتی میں سوراخ کرنے پر کوئی بھی سوار روک ٹوک نہ کرے اور پوری کشتی غرق ہوجائے اور سب مسافر ڈوب جائیں تو یہ سارے کے سارے گناہ گار اور قصوروار؛ بلکہ خودکشی کرنے والے کہلائیں گے، اسی طرح منکرات پر نکیر نہ کرنے کی وجہ سے اگر پورا معاشرہ ہی تباہ ہوجائے، تو معاشرہ کے سبھی افراد ذمہ دار قرار دئے جائیں گے اور موجبِ عتاب قرار پائیں گے۔

(۷) ایک نکتہ یہ بھی معلوم ہوا کہ جس طرح کشتی میں سوراخ کرنے والا دراصل احمق اور بے وقوف سمجھا جاتا ہے کہ اپنے ہی ہاتھوں اپنی ہلاکت کا سامان کر رہا ہے، اسی طرح گناہ کرنے والا بھی پرلے درجہ کا بے وقوف ہے کہ وہ اپنی بدعملی کے ذریعہ خود اپنے کو عذاب کا مستحق بنا رہا ہے۔ (تنبیہ الغافلین ملخصاً/۸۸-۸۹)

خلاصہ یہ کہ اس روایت سے معلوم ہوگیا کہ منکرات کی نحوست اور نقصانات صرف اس کے کرنے والے تک محدود نہیں رہتے؛ بلکہ پوری آبادی اس کے مضر اثرات سے متأثر ہوتی ہے؛ لہٰذا برائی کرنے والے کو روکنا نہ صرف اس برے شخص کی نجات کے لئے ناگزیر ہے؛ بلکہ خود نصیحت کرنے والے کی نجات بھی اسی میں مضمر ہے۔ اسی بنا پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: ''اللہ تعالیٰ کبھی ایسا نہیں کرتے کہ خاص لوگوں کے کالے کرتوت کی وجہ سے پوری کی پوری قوم کو عذاب دے دیں؛ لیکن ہاں اگر یہ صورتِ حال ہو کہ قوم کے معزز اور بااثر لوگ برائی روکنے کی قدرت رکھنے کے باوجود برائیوں کو مٹانے کی فکر نہ کریں تو اب اگر عذاب آئے گا تو وہ اچھے اور برے سب لوگوں کو اپنی لپیٹ میں لے لے گا''۔ (مسند احمد ۱۹۲/۴، عن عدی بن عمیرؓ)

اور صحابی رسول حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی ایک روایت میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ کیا نیک لوگوں کے رہتے ہوئے کوئی بستی ہلاک کی جاسکتی ہے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: ''ہاں (ہلاک کی جائے گی) جب کہ نیک لوگ اپنی ذمہ داری کی ادائیگی میں سستی کریں اور معاصی کو دیکھ کر خاموش رہیں''۔ (تنبیہ الغافلین عن الطبرانی والبزار ۱/۹۱)

برائی کو دیکھ کر خاموش رہنا کلمۂ طیبہ کی توہین ہے

یاد رکھنا چاہئے کہ دین کی بقا کے لئے برائیوں پر روک ٹوک اشد ضروری ہے، اس کے بغیر دین باقی نہیں رہے گا؛ بلکہ ہر طرف اور اندھیر پھیل جائے گا، حتی کہ محض کلمہ پڑھنا بھی نفع نہ دے گا۔ خادم رسول سیدنا حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

لا تَـزَالُ "لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ" تَنْفَعُ مَنْ قَـالَهَـا وَتَـرُدُّ عَـنْهُـمُ الْعَـذَابَ وَالنِّقْمَةَ مَا لَمْ يَسْتَخِفُّوْا بِحَقِّهَا.

کلمہ طیبہ "لا إلٰه إلا اللّٰه" اس وقت تک اپنے کہنے والے کو نفع دیتا رہے گا اور اس سے عذاب اور مصیبت ٹلاتا رہے گا جب تک کہ لوگ اس کا استخفاف اور اس کی توہین نہ کریں۔

یہ سن کر صحابہ نے عرض کیا کہ: "اے اللہ کے رسول! کلمہ طیبہ 'لا الٰہ الا اللہ' کا استخفاف کیسے ہوسکتا ہے"؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

يَـظْهَـرُ الْعَـمَلُ بِمَعَاصِي اللّٰهِ فَلاَ تُنْكَرُ وَلاَ تُغَيَّرُ. (رواه الأصبهاني، تنبيه الغافلين ۹۸)

برملا اللہ کی نافرمانیاں کی جائیں اور ان پر نہ کوئی نکیر ہو اور نہ انہیں ختم کرنے کی فکر ہو۔

اَفسوس ہے کہ آج ایسا ہی زمانہ آ گیا کہ برسرِ عام گناہ ہوتے ہیں؛ لیکن بااثر حضرات بزورِ طاقت روکنا تو در کنار زبان سے بھی دو لفظ نکالنا پسند نہیں کرتے؛ بلکہ اب تو شیطان نے ایسی پٹی پڑھائی ہے کہ برائیوں کو اچھا اور اچھائیوں کو معیوب سمجھا جانے لگا، اگر کوئی شخص دین پر عمل کرے اور تقویٰ والی زندگی گذارنا شروع کردے اور لباس اور تراش خراش مسلمانوں جیسی بنالے، تو اسے قدم قدم پر بڑے ناگوار تبصروں کا سامنا کرنا پڑتا ہے، حتی کہ گھر والے اور کہیں کہیں تو خود ماں باپ بچوں کی دین داری میں سب سے بڑی رکاوٹ بن جاتے ہیں، بلاشبہ یہی وہ حالات ہیں جن کی طرف نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اشارہ فرمایا تھا، چناں چہ ایک روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

كَيْفَ بِكُـمْ إِذَا طَغٰى نِسَـاؤُكُمْ وَفَسَـقَ شَبَـابُـكُـمْ وَتَـرَكْتُمْ جِهَـادَكُـمْ؟ قَـالُوْا: وَإِنَّ ذٰلِكَ لَكَائِنٌ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ؟ قَالَ: نَعَمْ،

اس وقت تمہارا کیا حال ہوگا جب تمہاری عورتیں سرکش ہوجائیں گی اور تمہارے جوان فاسق ہوجائیں گے اور تم جہاد چھوڑ دوگے۔ صحابہؓ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! کیا واقعی ایسا ہوگا؟

وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ وَأَشَدَّ مِنْهُ سَيَكُوْنُ، قَالُوْا: وَمَا أَشَدُّ مِنْهُ ؟ قَالَ: كَيْفَ أَنْتُمْ إِذَا رَأَيْتُمُ الْمَعْرُوْفَ مُنْكَراً وَالْمُنْكَرَ مَعْرُوْفاً ؟ قَالُوْا: أَوَ كَائِنٌ ذٰلِكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ؟ قَالَ : نَعَمْ، وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ وَأَشَدَّ مِنْهُ سَيَكُوْنُ، يَقُوْلُ اللّٰهُ إِنِّيْ حَلَفْتُ لَأَبْعَثَنَّ عَلَيْهِمْ فِتْنَةً يَصِيْرُ الْحَلِيْمَ فِيْهِ حَيْرَاناً. (رواه ابن أبي الدنيا، تنبيه الغافلين/ ١٠٠، والسيوطي في جمع الجوامع ٤٥٦/١، والموصلي في مسنده عن حديث أبي هريرة، مجمع الزوائد ٢٨١/٧)

تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قسم اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے اس سے بھی زیادہ سخت بات پیش آئے گی۔ صحابہؓ نے عرض کیا کہ اس سے زیادہ سخت بات کیا ہوگی؟ تو پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا کہ: اس وقت تمہارا کیا حال ہوگا جب تم اچھائی کو برائی اور برائی کو اچھا سمجھنے لگو گے۔ صحابہؓ نے (بڑے تعجب سے) عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! کیا کبھی ایسا بھی ہوگا؟ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کی قسم! اس سے بھی زیادہ سخت معاملہ ہوگا، اور وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی قسم کھا کر ارشاد فرماتے ہیں کہ میں ایسے لوگوں کو اس قدر سخت فتنہ میں مبتلا کروں گا کہ ان میں عقل مند آدمی بھی حیران وسرگرداں ہوجائے گا (اور حق ناحق کا پتہ چلنا سخت دشوار ہوجائے گا) العیاذ باللہ۔

اگر دیکھا جائے تو وہ سب پیش گوئیاں جن کا اس حدیث میں ذکر ہے آج ہر طرف پائی جارہی ہیں، یہ ہم سب کے لئے لمحہ فکریہ ہے؛ اس لئے ہماری ذمہ داری ہے کہ ہم برائیوں کی روک ٹوک میں اپنی حد تک اپنے زیر اثر ماحول میں اپنا مذہبی فریضہ بجالائیں، اسی میں ہماری نجات پوشیدہ ہے۔

دوسری فصل:

فواحش اور بے حیائی کی ممانعت

آیت: ﴿ اِنَّ اللّٰہَ یَأْمُرُ بِالْعَدْلِ الخ ﴾ میں ممنوع باتوں کا ذکر فرماتے ہوئے سب سے پہلے ﴿اَلْفَحْشَآءُ﴾ کو رکھا گیا ہے۔ مفسرین کے نزدیک اس جامع لفظ میں ''زنا'' اور اس تک پہنچانے والی تمام باتیں شامل ہیں، اور ظاہر ہے کہ اسلام جیسا پاکیزہ مذہب کسی بھی طرح کے فواحش کو قطعاً برداشت نہیں کرسکتا، چناں چہ ایک دوسری جگہ قرآنِ کریم میں فرمایا گیا:

قُلْ إِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّيَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ. (الاعراف: ۳۳)

اے پیغمبر! آپ فرمادیجئے کہ میرے رب نے کھلی اور چھپی تمام بے حیائی کی باتوں کو حرام قرار دیا ہے۔

اور ایک جگہ دیگر نصیحتوں کے درمیان یہ اہم نصیحت بھی کی گئی:

وَلاَ تَقْرَبُوْا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ. (الأنعام: ۱۵۱)

اور ظاہری اور پوشیدہ ہر طرح کے فواحش کے قریب مت جاؤ۔

ان دونوں آیتوں کا مقصود یہ ہے کہ فواحش خواہ برسرِ عام ہوں یا تنہائی میں ہوں، اور خواہ کسی حکومت میں انہیں قانونی تحفظ حاصل ہو یا نہ ہو، اللہ تعالیٰ کی نظر میں ہر طرح کے فواحش بہرحال ممنوع ہیں، اللہ تعالیٰ کی غیرت ان باتوں کو ہرگز گوارا نہیں کرتی۔ سیدنا حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

وَاللّٰهِ لَأَنَا أَغْيَرُ مِنْهُ وَاللّٰهِ أَغْيَرُ مِنِّي مِنْ أَجْلِ غَيْرَةِ اللّٰهِ حَرَّمَ

قسم بخدا! میں (سعد بن عبادہ رئیس انصار) سے زیادہ غیرت مند ہوں اور اللہ تعالیٰ مجھ سے زیادہ

الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ.

(بخاری شریف ۲/۱۱۰۳ رقم: ۷۴۱۶،

مسلم ۱/۴۹۱ رقم: ۱۴۹۹)

غیرت والے ہیں، اللہ تعالیٰ نے غیرت ہی کی بنا پر تمام کھلی اور چھپی بے حیائیوں کو حرام قرار دے رکھا ہے۔

اسلام ہی دنیا کا وہ واحد مذہب ہے جو پوری سنجیدگی اور معقولیت کے ساتھ انسانی فطرت وجبلت کو ملحوظ رکھتے ہوئے ''انسدادِ فحاشی'' کے لئے مؤثر اور سو فیصد کامیاب نظام دنیا کے سامنے پیش کرتا ہے۔ جب کہ دیگر مذاہب سے وابستہ لوگ گوکہ فحاشیت کے خلاف زبانی جمع خرچ کرتے ہوں مگر فحاشی کو روکنے کا عملی نظام ان کے یہاں موجود نہیں ہے، یہی وجہ ہے کہ اسلام کے علاوہ ہر مذہب اپنے ماننے والوں کو فحاشیت سے روکنے میں بری طرح ناکام ہو چکا ہے۔

یوروپ میں کلیسائی نظام فحاشی کو کیا مٹاتا وہ خود ہی فحاشیت کا شکار ہو گیا ہے، یہودیت کی مذہبی لابی بظاہر فحاشیت کو مٹانے کے احکام جاری کرتی ہے، مگر ان کا معاشرہ اسے قبول کرنے کو بالکل تیار نہیں ہے، یہی حال دنیا کی دیگر اقوام کا ہے کہ وہ پوری طرح فحاشیت کے دل دل میں پھنس چکی ہیں اور حد تو یہ ہے کہ ان کی نظر میں فحاشیت اور بدکاری کوئی عیب نہیں؛ بلکہ موجودہ زمانہ کا فیشن بن چکی ہے۔

لیکن فحاشیت کے اس سیل رواں میں آج جو مذہب سد سکندری بن کر کھڑا ہے وہ صرف اور صرف ''اسلام'' ہے، جو خواتین کے تقدس کو ہر حال میں تحفظ عطا کرتا ہے، اور جو ہوس ناک اور بدطینت لوگوں کے ذریعہ صنف نازک کی بے حرمتی کو ہرگز گوارا نہیں کرتا، جس کی نظر میں ''زنا بالجبر'' (جبریہ بدکاری) اور ''زنا بالرضاء'' (آپسی رضامندی سے بدکاری) دونوں یکساں درجہ کے جرم ہیں؛ لیکن دنیا کی بے حیا اور خنزیر خور اقوام کو اسلام کی یہی خوبی سب سے زیادہ کھلتی ہے، اسی لئے آج کل یوروپ میں بالخصوص مسلم عورتوں کے نقاب وحجاب کے خلاف تحریکات چل رہی ہیں۔ اور فرانس جیسے اظہار رائے کی آزادی کے دعوے دار ملک میں عورتوں کو حجاب پہن کر عوامی مقامات میں آنے کو خلافِ قانون قرار دیا جا چکا ہے۔ یہ سب تحریکات اسلام کے خلاف چھپے ہوئے بغض

وعناد کا مظاہرہ تو ہیں ہی، ساتھ میں داعیانِ تحریک کے فکری دیوالیہ پن کی دلیل بھی ہیں، گویا کہ وہ یہ تحریکات چلا کر دنیا کو یہ پیغام دینا چاہتے ہیں کہ: ''جب ہم ننگے ہیں تو دنیا میں کوئی اور بھی شریفانہ لباس میں نظر نہ آنا چاہئے؛ بلکہ سبھی کو ننگے پن کا مظاہرہ کرنا چاہئے''۔ لیکن اسلام ایسی بے غیرت تحریکات سے ہرگز خائف نہیں ہے؛ بلکہ تجربہ ہے کہ جتنا ہی اسلامی شعائر کو دبانے کی کوشش کی جائے گی، اسلام اتنا ہی شان وشوکت کے ساتھ ابھر کر سامنے آئے گا اور آ تا رہا ہے۔

فحاشی: ''شیطان'' کا بنیادی مشن ہے

قرآن وسنت سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ شروع ہی سے شیطان کا مشن یہ رہا ہے کہ انسان کو ظاہری اور روحانی ہر طرح کے لباس سے ننگا کر دیا جائے، گویا اسے ''ننگا پن'' سب سے زیادہ پسند ہے، حتی کہ یہی ملعون ابلیس سیدنا حضرت آدم علیہ السلام اور سیدتنا حضرت حوا علیہا السلام کی جنت کے لباس سے بے لباسی کا سبب بنا اور اسی نے انسانوں کو فحاشی اور بے حیائی کے نت نئے طریقے سکھلائے، اور برابر سکھلائے چلا جا رہا ہے۔ اس بارے میں ہوشیار کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ لَا يَفْتِنَنَّكُمُ الشَّيْطٰنُ كَمَآ اَخْرَجَ اَبَوَيْكُمْ مِّنَ الْجَنَّةِ يَنْزِعُ عَنْهُمَا لِبَاسَهُمَا لِيُرِيَهُمَا سَوْاٰتِهِمَا اِنَّهٗ يَرٰىكُمْ هُوَ وَقَبِيْلُهٗ مِنْ حَيْثُ لَا تَرَوْنَهُمْ، اِنَّا جَعَلْنَا الشَّيٰطِيْنَ اَوْلِيَآءَ لِلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ. وَاِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً قَالُوْا وَجَدْنَا عَلَيْهَآ اٰبَآءَنَا وَاللّٰهُ اَمَرَنَا بِهَا، قُلْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَاْمُرُ

اے آدم کی اولاد! تم کو شیطان نہ بہکائے جس طرح اس نے تمہارے ماں باپ کو جنت سے نکال دیا کہ ان کے کپڑے اتروا دیئے؛ تاکہ ان کو ان کی پوشیدہ جگہیں دکھائے، بے شک وہ شیطان اور اس کی ذریت تم کو دیکھتی ہے جہاں سے تم ان کو نہیں دیکھتے۔ اور جب (یہ مشرکین) کوئی بے حیائی کا کام کرتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم نے اپنے باپ دادوں کو اسی پر پایا ہے، اور اللہ نے ہم کو اس کا حکم کیا ہے۔ اے پیغمبر! آپ

بِالْفَحْشَاءِ، اَتَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ. (الاعراف: ۲۷-۲۸)

فرما دیجئے کہ اللہ تعالیٰ بے حیائی کا حکم نہیں فرماتے؛ کیوں تم اللہ پر جھوٹ باندھ رہے ہو جس کا تم علم نہیں رکھتے۔

اور سورۂ نور میں متنبہ کیا گیا:

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّیْطٰنِ، وَمَنْ یَّتَّبِعْ خُطُوٰتِ الشَّیْطٰنِ فَاِنَّهٗ یَاْمُرُ بِالْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ. (النور: ۲۱)

اے ایمان والو! شیطان کے نقوش قدم پر مت چلو، اور جو شیطان کے قدموں پر چلے گا تو وہ تو بے حیائی اور برے کام ہی کا حکم کرتا ہے۔

قرآن کریم کے یہ ارشادات بالکل برحق ہیں، بلاشبہ تمام شیطانی قوتیں اسی بات کو اپنا نصب العین بنائے ہوئے ہیں کہ پوری انسانیت کو ننگا کر کے جانور بنا دیا جائے، اور ان کے وقار اور تہذیب کو خاک میں ملا دیا جائے، اور جس طرح کتے بلی، اور خنزیر مادر زاد ننگے رہ کر منہ مارتے پھرتے ہیں، یہی حال سب آدمیوں کا ہو جائے۔ نعوذ باللہ منہ۔

آج شیطانی مشن پوری دنیا میں پھل پھول رہا ہے، ثقافت اور فنونِ لطیفہ کے خوش نما عنوان سے ناچ رنگ کی ٹریننگ کے ادارے قائم ہیں، کھیل کود کا پورا شعبہ بین الاقوامی طور پر فواحش کی زد میں آچکا ہے، تفریح کے عنوان سے مخربِ اخلاق فلموں کا ایک زہریلا سیلاب ہے، جو ٹیلی ویژن، انٹرنیٹ اور موبائلوں کے ذریعہ انسانیت کے رگ وریشے میں نفوذ کرتا جا رہا ہے، اور اس دشمن انسانیت مشن کا خاص نشانہ نوجوان لڑکے اور لڑکیاں ہیں، جن کی عصری تعلیم کے اکثر اعلیٰ ادارے مخلوط نظام تعلیم کی بنا پر فواحش کے مراکز میں تبدیل ہو چکے ہیں، ان اداروں میں تعلیم حاصل کر کے عفت مآب رہ پانا اس دور میں جوئے شیر لانے سے کم نہیں ہے۔ دنیا کی چمک دمک میں صنف نازک اپنی عظمت اور حیثیت کو بھلا بیٹھی ہے، اور چند ٹکوں کی خاطر اور معمولی مفادات اور چند لمحات کی لذت کے حصول کے لئے اپنی عصمت قربان کرنے پر آمادہ ہے۔

اس گندے اور ناپاک ماحول میں جب کبھی اسلام کی حقیقت وصداقت پرمبنی پاکیزہ تعلیمات کی بازگشت کہیں سنائی دیتی ہے یا کسی عالم کا اصلاحی بیان پریس میں آتا ہے یا کسی دارالافتاء سے مسلمان عورتوں اور مردوں کو شریعت کی حدود میں رہنے کا مشورہ دیا جاتا ہے، تو شیطانی مشن چلانے والے ''انسان نما شیطانوں'' کا پورا ٹولہ حرکت میں آ جاتا ہے اور قبل اس کے کہ لوگ اسلام کی تعلیم کی صداقت اور اس کے دوررس نتائج کا جائزہ لیں، میڈیا میں فحاشیت کے ایجنٹوں کے جائزوں، تبصروں اور پھر زہرافشانیوں کا ایک طوفان کھڑا کر دیا جاتا ہے، اور سب کا نشانہ صرف اور صرف اسلام ہوتا ہے، یہ صورتِ حال بجائے خود اس بات کی بیّن دلیل ہے کہ اس شیطانی مشن کی راہ میں پوری دنیا میں اگر کوئی رکاوٹ باقی ہے تو وہ صرف اور صرف اسلام اور اس کی پاکیزہ تعلیمات ہی ہیں۔ ان شیطانی مشن کے علم برداروں کو خطرہ صرف یہ ہے کہ اگر عورت کو اس کی اصل قدر معلوم ہوگئی اور وہ سکون کے حصول کی خاطر اسلام کے دامن سے وابستہ ہونے لگی تو شیطنت کے سارے اڈوں کی رونقیں غائب ہو جائیں گی، ناچ رنگ کے اڈوں پر تالے پڑ جائیں گے، اور دنیا میں پھر سے پاکیزگی کی بہار آ جائے گی، جو اس مفسد ٹولہ کو کسی صورت میں منظور نہیں ہے۔

ایسی صورت میں بالخصوص فرزندانِ اسلام کا یہ فرض بنتا ہے کہ وہ خود بھی پاکیزہ زندگی گذاریں اور فواحش سے دور رہیں، اور دوسروں کو بھی عفت مآب بنانے کی کوشش کریں، اور اس بارے میں اسلام کی مقدس تعلیمات کو عام کرنے میں دریغ نہ کریں۔

اِنسدادِ فحاشی کا اِسلامی نظام

شریعتِ اسلامیہ نے دنیا سے فحاشی کو مٹانے کے لئے جو مستحکم انتظامات فرمائے ہیں، ان کا اگر خلاصہ کیا جائے تو بالترتیب درج ذیل عنوانات میں انہیں سمیٹا جاسکتا ہے:

(۱) قرآن وحدیث میں وعد ووعید کے ذریعہ فحاشی کے خلاف ذہن سازی۔

(۲) عورتوں کے بلاضرورت گھر سے باہر نکلنے پر روک۔

(۳) عورتوں کو پردے کا حکم۔

(۴) اجنبی مردوں اور عورتوں کے لئے نظریں جھکانے کا حکم۔

(۵) اجنبی مرد وعورت میں تنہائی کی ممانعت۔

(۶) اجنبی مرد وعورت کے یکجا سفر کرنے کی ممانعت۔

(۷) اجنبی مرد وعورت کے مابین نرم اور بے تکلف گفتگو کی ممانعت۔

(۸) حلال راستہ اپنانے اور نکاح کرنے کی تاکید۔

(۹) فواحش کی نشر واشاعت کی ممانعت۔

(۱۰) زنا کے ثبوت پر سخت سزائیں۔

دنیا کا تجربہ ہے کہ جب اور جہاں عفت وعصمت کے تحفظ کا مذکورہ نظام نافذ کیا گیا، وہاں پاکیزگی اور پاک بازی اور عفت مآبی کے ایسے خوش نما مناظر دیکھنے کو ملے کہ دنیا حیرت زدہ رہ گئی، اور آج ہزار خرابیوں کے باوجود اور فحاشی کے اسباب گھر گھر موجود ہونے کے باوجود عفت مآبی کا تناسب اسلام سے نسبت رکھنے والوں میں الحمد للہ دوسروں سے بہت زیادہ ہے؛ لیکن چوں کہ فضاؤں میں بے حیائی کا زہر خطرناک حد تک بڑھتا جا رہا ہے؛ اس لئے اطمینان سے بیٹھنے کا موقع نہیں؛ بلکہ بیدار مغز، محتاط اور ہوشیار رہنے کی ضرورت ہے۔ اسی مقصد سے اس موضوع پر قدرے تفصیل سے روشنی ڈالنا مناسب ہے۔

قرآنِ کریم میں بے حیائی کی ممانعت

قرآنِ کریم میں متعدد جگہ فواحش اور بدکاری کی ممانعت کی گئی ہے، ایک آیت میں ارشاد ہے:

وَلاَ تَقْرَبُوْا الزِّنٰی اِنَّهٗ کَانَ فَاحِشَةً وَسَآءَ سَبِيْلاً. (بنی اسرئیل:۳۲)

اور زنا کے قریب مت جاؤ بے شک وہ بے حیائی کا کام ہے اور بری راہ ہے۔

فاحشہ اور زنا کاری ایسا ناسور ہے جو معاشرہ کی اخلاقی جڑوں کو بالکل کھوکھلا کر دیتا ہے، اس کی وجہ سے خاندانی نظام بکھر جاتا ہے، رشتے ناطے مخدوش ہو جاتے ہیں، اور گھر گھر میں بھیانک فسادات رونما ہو جاتے ہیں، جن کے ثبوت کے لئے کسی دلیل کی ضرورت نہیں ہے۔

اسی طرح قرآنِ کریم میں بے حیائی کی باتوں کے مذاکرہ اور انہیں مزے لے لے کر بیان کرنے سے بھی سخت منع کیا گیا ہے، اور ایسے شریروں کے لئے بدترین دنیوی واخروی عذاب کی وعید سنائی گئی ہے، ارشادِ ربانی ہے:

اِنَّ الَّذِيْنَ يُحِبُّوْنَ اَنْ تَشِيْعَ الْفَاحِشَةُ فِيْ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ، وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لاَ تَعْلَمُوْنَ. (النور: ١٩)

بے شک جو لوگ چاہتے ہیں کہ مسلمانوں میں بے حیائی اور بدکاری کا چرچا ہو، ان کے لئے دنیا اور آخرت میں دردناک عذاب ہے، اور اللہ تعالیٰ جانتے ہیں اور تم نہیں جانتے۔

اسی بنا پر اسلامی حکومت میں ''حدِ قذف'' جاری کرنے کا ضابطہ ہے کہ اگر کوئی شخص کسی کی طرف زنا کی نسبت کرے اور اپنے قول پر چار عینی گواہ نہ پیش کر سکے، تو اس پر ۸۰؍کوڑے کی سزا جاری کی جاتی ہے۔ (سورۃ النور:۴)

اسی سے معلوم ہوگیا کہ آج کل اخبارات ورسائل میں عصمت دری کے جو واقعات باقاعدہ تفصیلات کے ساتھ شائع کئے جاتے ہیں، اسلام کی نظر میں ایسی خبروں کی اشاعت بجائے خود جرم ہے؛ اور ایسے واقعات کو ممکنہ حد تک چھپانے کا حکم ہے؛ کیوں کہ ایسی خبروں کو پڑھ کر فاسد ذہن والے لوگ خاص لذت حاصل کرتے ہیں، اور گندی باتوں کا معاشرہ میں چرچا شروع ہو جاتا ہے، اور کہیں کہیں تو یہی خبریں اور ان میں درج تفصیلات دیگر مجرموں کے لئے رہنمائی کا ذریعہ بن جاتی ہیں، نعوذ باللہ من ذٰلک۔

نیز قرآنِ کریم میں ہم جنسی (لواطت وغیرہ) کو بھی ''فاحشہ'' سے تعبیر کر کے اس میں مبتلا قومِ لوط کے سخت ترین عذاب کا متعدد جگہ ذکر فرمایا گیا ہے، جس کے تصور ہی سے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔

قومِ لوط کے تذکرے کے ضمن میں حضرت لوط علیہ السلام کی نصیحت کے الفاظ ایک جگہ اس طرح نقل کئے گئے:

وَلُوطًا إِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ أَتَأْتُونَ الْفَاحِشَةَ مَا سَبَقَكُمْ بِهَا مِنْ أَحَدٍ مِّنَ الْعَالَمِينَ. إِنَّكُمْ لَتَأْتُونَ الرِّجَالَ شَهْوَةً مِنْ دُونِ النِّسَاءِ، بَلْ أَنْتُمْ قَوْمٌ مُّسْرِفُونَ. (الأعراف: ۸۰-۸۱)

اور ہم نے لوط علیہ السلام کو بھیجا جب انہوں نے اپنی قوم سے کہا کہ کیا تم ایسی بے حیائی کا کام کرتے ہو جو تم سے پہلے کسی نے دنیا جہاں میں نہیں کیا، تم شہوت کے مارے عورتوں کو چھوڑ کر مردوں پر جا دوڑتے ہو؛ بلکہ تم لوگ حد سے بڑھے ہوئے ہو۔

اور پھر اس قوم پر جو بھیانک عذاب آیا اس کی تفصیل اس طرح بیان کی گئی:

فَلَمَّا جَآءَ أَمْرُنَا جَعَلْنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا وَأَمْطَرْنَا عَلَيْهَا حِجَارَةً مِّنْ سِجِّيلٍ مَّنْضُودٍ مُّسَوَّمَةً عِنْدَ رَبِّكَ، وَمَا هِيَ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ بِبَعِيْدٍ. (هود: ۸۲-۸۳)

پھر جب ہمارا حکم آ پہنچا و ہم نے اس بستی کے اوپر کے حصے کو نیچے کا حصہ کردیا، اور اس پر برسائے پتھر کنکر کے تہ بہ تہ، جو تیرے رب کے نزدیک نشان زدہ تھے، اور وہ مقام ان ظالموں سے کچھ دور بھی نہیں۔

یعنی اللہ تعالیٰ نے فواحش کو پھیلانے اور خلافِ فطرت طریقہ پر شہوت رانی کی سزا میں پوری قوم کو دنیا سے نیست و نابود کرڈالا، اور پھر اس کی تفصیلات قرآنِ کریم میں متعدد جگہ بیان فرمائیں؛ تاکہ امتِ محمدیہ ان سے عبرت حاصل کرے اور ایسے منحوس اعمال سے اپنے کو بچائے۔

قرآنِ کریم میں عفت وعصمت کی حفاظت پر بشارتیں

قرآنِ کریم میں اللہ تعالیٰ نے اعلانات فرمائے ہیں کہ جو لوگ ہماری رضا والی صفات اپنائیں گے، ہم انہیں جنت کے باغات اور بے شمار انعامات سے نوازیں گے۔ چناں چہ سورۂ مؤمنون میں فلاح یاب اہل ایمان کی ایک اہم صفت یہ بیان ہوئی:

وَالَّذِينَ هُمْ لِفُرُوجِهِمْ حٰفِظُوْنَ. إِلَّا عَلٰى أَزْوَاجِهِمْ أَوْ مَا مَلَكَتْ

اور جو اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرتے ہیں، مگر اپنی بیویوں اور باندیوں پر کہ ان پر کچھ ملامت

أَيۡمَانُهُمۡ فَإِنَّهُمۡ غَيۡرُ مَلُوۡمِيۡنَ. فَمَنُ ابۡتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِکَ فَاُولٰٓئِکَ هُمُ الۡعٰدُوۡنَ. (المؤمنون: ۵-۷)

نہیں، اور جو اس کے علاوہ طلب کرے تو وہی لوگ حد سے گذرنے والے ہیں۔

اور پھر ان صفات پر یہ بشارت آمیز وعدہ فرمایا:

اُولٰٓئِکَ هُمُ الۡوَارِثُوۡنَ. الَّذِيۡنَ يَرِثُوۡنَ الۡفِرۡدَوۡسَ. هُمۡ فِيۡهَا خٰلِدُوۡنَ. (المؤمنون: ۱۰-۱۱)

یہی لوگ وارث ہیں جو فردوس (جنت کا سب سے اعلیٰ درجہ) کی میراث پائیں گے، وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

اور سورۂ فرقان میں اللہ تعالیٰ کے خاص بندوں جن کو ''عبادالرحمٰن'' کا شاندار لقب عطا ہوا ہے، ان کی ممتاز صفات میں ایک صفت یہ بیان کی گئی ہے کہ ''وہ زنا نہیں کرتے'' اور پھر ان کی مجموعی صفات پر یہ بشارت سنائی گئی:

اُولٰٓئِکَ يُجۡزَوۡنَ الۡغُرۡفَةَ بِمَا صَبَرُوۡا وَيُلَقَّوۡنَ فِيۡهَا تَحِيَّةً وَّسَلَامًا. خٰلِدِيۡنَ فِيۡهَا حَسُنَتۡ مُسۡتَقَرًّا وَّمُقَامًا. (فرقان: ۷۵-۷۶)

ان لوگوں کو ان کے صبر کے بدلہ میں بالا خانے عطا ہوں گے، اور ان کا دعائے خیر اور سلام سے وہاں استقبال ہوگا، ہمیشہ وہیں رہیں گے، رہنے کی اور ٹھہرنے کی بہترین جگہ ہے۔

اور سورۂ احزاب میں مسلمان مردوں اور عورتوں کی صفات میں ''شرم گاہوں کی حفاظت کرنے کی صفت'' کو شامل کیا گیا اور اخیر میں فرمایا گیا:

أَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمۡ مَّغۡفِرَةً وَأَجۡرًا عَظِيۡمًا. (الاحزاب: ۳۵)

اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے بخشش اور بڑا اجر تیار کر رکھا ہے۔

اسی طرح سورۂ معارج میں بھی سورۂ مومنون والی صفات بیان کرکے یہ مژدۂ جاں فزا سنایا گیا:

اُولٰٓئِکَ فِيۡ جَنّٰتٍ مُّکۡرَمُوۡنَ. (المعارج: ۳۵)

وہی لوگ باغوں میں ہوں عزت سے۔

اور سورۂ تحریم میں ایمان والی عورتوں کی قدردانی اور تعریف فرماتے ہوئے حضرت مریم بتول

(طاہرہ وطیبہ) کا جب ذکر فرمایا گیا تو سب سے پہلے ان کی عفت مآبی کو بیان فرمایا، چناں چہ ارشاد ہوا:

وَ مَرْيَمَ ابْنَةَ عِمْرَانَ الَّتِيْ أَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِيْهِ مِنْ رُّوْحِنَا وَصَدَّقَتْ بِكَلِمٰتِ رَبِّهَا وَ كُتُبِهٖ وَ كَانَتْ مِنَ الْقَانِتِيْنَ. (التحریم: ۱۲)

اور عمران کی بیٹی مریم جس نے اپنی شرم گاہ کی حفاظت کی، پھر ہم نے اس میں پھونک دی ایک اپنی روح اور وہ اپنے پروردگار کے کلمات اور اس کی کتابوں کی تصدیق کرتی رہی اور وہ فرماں برداروں میں سے تھی۔

ان آیتوں کو پڑھنے سے یقیناً یہ ذہن بنتا ہے کہ انسان کو وقتی حرام لذت میں پڑ کر آخرت کی ان عظیم نعمتوں سے اپنے کو ہرگز محروم نہ کرنا چاہیے، اور یقیناً عقل مندی کا تقاضا یہی ہے کہ آدمی ''فاحشہ'' کے قریب بھی نہ جائے، اور اگر کبھی اس بارے میں کوتاہی ہوجائے تو فوراً سچی توبہ کرے اور ندامت کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے معافی کا طالب ہو، تو اس کو ضرور بخشش سے نوازا جائے گا۔ اسی کو قرآنِ مقدس نے ان الفاظ میں بیان فرمایا:

وَالَّذِيْنَ إِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً أَوْ ظَلَمُوْا أَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوْا اللّٰهَ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِهِمْ وَمَنْ يَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ إِلَّا اللّٰهَ، وَلَمْ يُصِرُّوْا عَلٰى مَا فَعَلُوْا وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ. أُولٰٓئِكَ جَزَآؤُهُمْ مَغْفِرَةٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَجَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَنِعْمَ اَجْرُ الْعَامِلِيْنَ. (آل عمرن: ۱۳۵)

اور وہ لوگ جو اگر کبھی بے حیائی کے مرتکب ہوجائیں یا (گناہ کرکے) اپنے اوپر ظلم کریں تو اللہ کو یاد کرکے اس سے اپنے گناہوں کی معافی چاہتے ہیں، اور اللہ کے سوا کون گناہوں کو معاف کرسکتا ہے؟ اور وہ لوگ اپنے کئے ہوئے گناہ پر دانستہ اصرار نہیں کرتے، یہی لوگ ہیں جن کا بدلہ ان کے پروردگار کی طرف سے مغفرت ہے اور ایسے باغ ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں اور وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے، اور نیک کام کرنے والوں کا کیا بہترین اجر ہے۔

معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے یہ چاہتے ہیں کہ اولاً ان سے کوئی گناہ اور بے حیائی کا عمل صادر ہی نہ ہو، اور اگر اتفاقاً کوئی بے اعتدالی یا حکم عدولی ہوجائے تو فوراً اللہ کی طرف رجوع ہوکر مغفرت کے طالب ہوں تو اللہ تبارک وتعالیٰ نہ صرف مغفرت سے نوازیں گے؛ بلکہ دائمی جنتوں کا مستحق بھی بنادیں گے، اور وہ نہایت مہربان اور بے انتہاء رحم والے ہیں۔

اَحادیثِ شریفہ میں بدکاری پر وعیدیں

محسنِ انسانیت ''امام المتقین'' سرورِ عالم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے احادیثِ شریفہ میں فواحش اور بدکاریوں کے بارے میں شدید وعیدیں ارشاد فرمائی ہیں، جن میں سے چند روایات ذیل میں پیش ہیں:

(۱) سیدنا حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

لَایَزْنِی الزَّانِی حِیْنَ یَزْنِی وَهُوَ مُؤْمِنٌ. (بخاري ۱/٦ ۳۲ رقم: ۲٤۷٥، مسلم ۱/٦ ٥ رقم: ٥۷، الترغيب والترهيب مكمل ۱۱ ٥ رقم: ۳٥۸٦)

زناکار زنا کرتے وقت مومن نہیں رہتا۔

اس روایت کی تشریح میں علماء کے اقوال کا خلاصہ یہ ہے کہ:

الف:- گناہ کی وجہ سے ایسا شخص مؤمن کامل نہیں رہتا۔

ب:- بحالتِ گناہ وہ نور ایمانی یعنی معصیت سے بچانے پر آمادہ کرنے والی ایمانی کیفیت سے محروم ہوجاتا ہے۔

ج:- وہ شخص اگرچہ اخروی اعتبار سے مؤمن رہے؛ لیکن دنیا میں اس سے ''مؤمن'' کا معزز لقب ہٹالیا جاتا ہے۔ (شرح نووی علی مسلم ۱/۵۶ وغیرہ)

د:- ایمان کی صورتِ مثالیہ نکل کر زناکار پر سایہ فگن ہوجاتی ہے، اور عمل بد کے بعد پھر لوٹ آتی ہے۔ (ابوداؤد شریف اور ترمذی کی ایک روایت سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے)

(۲) حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

يَـا بَـغَـايَا الْعَرَبِ، يَا بَغَايَا الْعَرَبِ! إِنَّ أَخْـوَفَ مَا أَخَافُ عَلَيْكُمُ الزِّنَا وَالشَّهْوَةُ الْخَفِيَّةُ. (رواه الطبراني، الترغيب والترهيب مكمل ٥١٨، رقم: ٣٦٤٣)

اے عرب کے بدکارو! اے عرب کے بدکارو! مجھے تمہارے بارے میں سب سے زیادہ ڈر اور خطرہ زنا اور پوشیدہ شہوت سے ہے۔

یعنی یہ ایسی خطرناک لت ہے جس سے پورا معاشرتی نظام تباہ اور برباد ہو جاتا ہے اور گھر گھر میں فتنہ فساد اور خون خرابہ کی نوبت آ جاتی ہے، حتی کہ نسلیں تک مشتبہ ہو جاتی ہیں۔

(۳) حضرت عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

تُـفْتَـحُ أَبْـوَابُ السَّمَـاءِ نِصْفَ اللَّيْلِ فَيُـنَادِيْ مُنَادٍ، هَلْ مِنْ دَاعٍ فَيُسْتَـجَـابُ لَـهٗ؟ هَلْ مِنْ سَـائِلٍ فَيُعْطٰى؟ هَلْ مِنْ مَكْرُوْبٍ فَيُفَرَّجُ عَـنْـهُ؟ فَلَا يَبْقٰى مُسْلِمٌ يَدْعُو بِـدَعْوَةٍ إِلَّا اسْتَـجَـابَ اللّٰـهُ عَزَّ وَجَـلَّ إِلَّا زَانِيَةً تَسْعٰى بِفَرْجِهَا أَوْ عَشَّارًا. (رواه الطبراني وأحمد ٢٢/٤، الترغيب والترهيب مكمل ٥١٨ رقم: ٣٦٤٤)

آدھی رات کے وقت آسمان کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اور منادی آواز لگاتا ہے کہ کیا کوئی پکارنے والا ہے جس کی دعا قبول کی جائے؟ کیا کوئی سائل ہے جسے نوازا جائے؟ کیا کوئی پریشان حال غمزدہ ہے جس کی پریشانی دور کی جائے؟ پس کوئی دعا مانگنے والا مسلمان باقی نہیں بچتا، مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ اس کی دُعا قبول فرماتا ہے، سوائے اپنی شرم گاہ کو بدکاری میں لگانے والی زانیہ اور ظالمانہ ٹیکس وصول کرنے والے کے (کہ ان کی دُعا ایسے مقبول وقت میں بھی قبول نہیں ہوتی)

اس حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ زنا کاری ایسی نحوست ہے جو دعاؤں کی قبولیت میں

بڑی رکاوٹ بنی رہتی ہے، اور مستجاب مقامات اور مقبول اوقات میں بھی زانی کے لئے قبولیت کے دروازے نہیں کھولے جاتے۔

(۴) سیدنا حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تین آدمیوں سے قیامت میں اللہ تعالیٰ نہ تو گفتگو فرمائیں گے اور نہ انہیں گناہوں سے پاک فرمائیں گے:

شَيْـخٌ زَانٍ، وَمَـلِكٌ كَـذَّابٌ، وَعَـائِلٌ مُسْتَكْبِرٌ. (رواه مسلم ۷۱/۱ رقم: ۱۰۷)

(۱) بوڑھا زنا کار (۲) جھوٹا بادشاہ (۳) قلاش متکبر۔

ویسے تو زنا ہر حالت میں حرام ہے، خواہ جوانی کی حالت ہو یا بڑھاپے کی؛ لیکن خاص طور پر حدیث بالا میں بوڑھے زنا کار پر لعنت کی گئی ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ بڑھاپے میں عموماً جذبات سرد ہوجاتے ہیں اور قویٰ مضمحل ہوجاتے ہیں، اور ساتھ میں عقل وتجربہ اور عمل کے انجام کو جاننے کے اعتبار سے بھی وہ نوجوان کے مقابلہ میں زیادہ باخبر ہوتا ہے۔ اس کے باوجود ایسے شخص سے زنا کا صدور اس کی طبعی خباثت کی دلیل ہے، اسی بنا پر وہ ملعون قرار دیا گیا ہے۔

زنا کار پر برزخی عذاب

(۵) جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا کہ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم سے اکثر پوچھا کرتے تھے کہ کسی نے کوئی خواب دیکھا ہو تو بیان کرے۔ حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا طویل خواب حضرات صحابہؓ سے بیان فرمایا کہ رات سوتے ہوئے خواب میں دو شخص میرے پاس آئے اور مجھے ساتھ لے کر چلے، پھر کئی ایسے لوگوں پر گذر رہوا جنہیں طرح طرح کے عذاب دیئے جارہے تھے (پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا)

فَأَتَيْنَا عَلٰى مِثْلِ التَّنُّورِ. قَالَ: وَأَحْسِبُ أَنَّهُ كَانَ يَقُولُ: فَإِذَا فِيهِ

پھر ہم تنور جیسی جگہ پر آئے۔ راوی کہتا ہے کہ غالباً آپ نے یہ بھی فرمایا کہ اس تنور کے اندر سے

لَغَطٌ وَأَصْوَاتٌ. قَالَ: فَاطَّلَعْنَا فِيهِ فَإِذَا فِيهِ رِجَالٌ وَنِسَاءٌ عُرَاةٌ فَإِذَا هُمْ يَاتِيهِمْ لَهَبٌ مِنْ أَسْفَلَ مِنْهُمْ فَإِذَا أَتَاهُمْ ذٰلِكَ اللَّهَبُ ضَوْضَوْا.

چیخ وپکار کی آوازیں آرہی تھیں۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جب ہم نے اس میں جھانکا تو اس میں ننگے مرد اور ننگی عورتیں تھیں اور ان کے نیچے سے آگ کی لپٹ آرہی تھی، تو جب آگ کی لپٹ آتی تھی تو وہ شور مچاتے تھے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ساتھیوں سے ان بدنصیبوں کے بارے میں جاننا چاہا تو انہوں نے کہہ دیا کہ ابھی اور آگے چلیں، پھر سب مناظر دکھانے کے بعد ہر ایک کے بارے میں تعارف کرایا اور ان تنور والوں کے بارے میں کہا:

أَمَّا الرِّجَالُ وَالنِّسَاءُ الْعُرَاةُ الَّذِيْنَ هُمْ فِي مِثْلِ بِنَاءِ التَّنُّوْرِ، فَإِنَّهُمُ الزُّنَاةُ وَالزَّوَانِيْ، الخ. (بخاری شریف ۱۰٤٤/۲ رقم: ۷۰٤۷)

اور وہ ننگے مرد وعورت جو تنور جیسی جگہ میں تھے وہ زناکار مرد اور عورتیں تھیں۔

شارحین حدیث لکھتے ہیں کہ زناکاروں کی یہ فضیحت آمیز اور ذلت ناک سزا ان کے جرم کے عین مطابق ہے؛ اس لئے کہ (۱) زناکار، لوگوں سے چھپ کر عموماً جرم کرتا ہے، اس کا تقاضا ہوا کہ اسے ننگا کر کے رسوا کیا جائے۔ (۲) زناکار جسم کے نچلے حصہ سے گناہ کرتا ہے، جس کا تقاضا ہوا کہ تنور میں ڈال کر نیچے سے آگ دہکائی جائے۔ (کرمانی، فتح الباری بحوالہ حاشیہ بخاری شریف حضرت نانوتویؒ ۱۰۴۴/۲)

(٦) ایک اور حدیث میں حضرت ابواُمامہ باہلی رضی اللہ عنہ نے بھی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے طویل خواب کا ذکر فرمایا ہے، جس میں مذکور ہے:

ثُمَّ انْطُلِقَ بِيْ فَإِذَا أَنَا بِقَوْمٍ أَشَدَّ شَيْءٍ انْتِفَاخًا وَأَنْتَنَهُ رِيْحًا كَأَنَّ رِيْحَهُمُ الْمَرَاحِيْضُ، قُلْتُ

پھر مجھے لے جایا گیا تو میرا گذر ایسے لوگوں پر ہوا جو (سڑنے کی وجہ سے) بہت پھول چکے تھے اور ان سے نہایت سخت بدبو آرہی تھی گویا کہ پاخانوں

مَـنْ هٰؤُلاءِ؟ قَالَ: هٰؤُلاءِ الزَّانُونَ. (رواه ابن خزيمة رقم: ١٩٨٦، وابن حبان في صحيحهما رقم: ٧٤٤٨، الترغيب والترهيب مكمل ٥١٨ رقم: ٣٦٤٨)

پاخانوں کی بدبو ہو، میں نے پوچھا کہ یہ کون لوگ ہیں؟ جواب ملا کہ یہ ''زناکار لوگ'' ہیں۔

زانیوں کا جہنم میں برا حال

ایک روایت میں حضرت بریدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل فرماتے ہیں کہ:

أَنَّ السَّـمٰوَاتِ السَّبْعَ وَالْأَرْضِيْنَ السَّبْعَ لَيَلْعَنَ الشَّيْخَ الزَّانِيْ وَإِنَّ فُرُوْجَ الزُّنَاةِ لَيُؤْذِيَ أَهْلَ النَّارِ نَتْنُ رِيْحِهَا. (رواه البزار، الترغيب والترهيب مكمل ٥٢٠ رقم: ٣٦٥٩)

ساتوں آسمان اور ساتوں زمینیں بوڑھے زناکار پر لعنت کرتی ہیں، اور بدکار عورتوں کی شرم گاہوں کی بدبو سے خود جہنمی بھی اذیت میں ہوں گے۔

نیز ایک حدیث میں شراب پینے والوں کی سزا بیان کرتے ہوئے فرمایا گیا کہ انہیں ''نہرغوطہ'' سے پانی پلایا جائے گا۔ اور اس نہر کی حقیقت یہ بیان کی گئی:

نَهْــرٌ يَـجْـرِيْ مِـنْ فُـرُوْجِ الْمُوْمِسَاتِ يُؤْذِيْ أَهْلَ النَّارِ رِيْحُ فُـرُوْجِهِـمْ. (رواه أحمد ١٦٠/٤، الترغيب والترهيب ١٧٦/٣)

یہ ایسی نہر ہے جو زناکار عورتوں کی شرم گاہوں سے نکلی ہے جن کی شرم گاہوں کی بدبو خود اہل جہنم کے لئے بھی باعث اذیت ہوگی۔ (اعاذنا اللہ منہ)

عموماً زناکار عورتیں میک اپ اور خوشبوؤں کا استعمال کر کے لوگوں کو اپنی طرف راغب کرتی ہیں، تو جہنم میں اس کے برعکس ان کو سراپا بدبودار بنا دیا جائے گا، حتی کہ ان سے اٹھنے والی سڑاند سے جہنمی بھی عاجز ہوں گے اور یہ بدبو ان کے لئے مستقل عذاب بن جائے گی، نعوذ باللہ من ذلک۔

زنا کی چند نحوستیں

(۷) حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد نقل فرماتی ہیں کہ آپ نے فرمایا:

لَا تَزَالُ أُمَّتِي بِخَيْرٍ مَالَمْ يَفْشُ فِيهِمْ وَلَدُ الزِّنَا، فَإِذَا فَشَا فِيهِمْ وَلَدُ الزِّنَا فَأَوْشَكَ أَنْ يَعُمَّهُمُ اللّٰهُ بِعَذَابٍ. (مسند أحمد ٣٣٣/٦، الترغيب والترهيب مكمل ٥٢١ رقم: ٣٦٦٣)

میری امت اس وقت تک برابر خیر میں رہے گی؛ جب تک کہ ان میں حرام اولاد کی کثرت نہ ہوا اور جب ان میں حرام اولاد کی کثرت ہوجائے گی تو عنقریب اللہ تعالیٰ انہیں عمومی عذاب میں مبتلا کردے گا۔

(۸) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:

إِذَا ظَهَرَ الزِّنَا وَالرِّبَا فِي قَرْيَةٍ فَقَدْ أَحَلُّوْا بِأَنْفُسِهِمْ عَذَابَ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ. (المعجم الكبير للطبراني ١٧٨/١، مستدرك حاكم ٣٧/٢، الترغيب والترهيب مكمل ٥٢١ رقم: ٣٦٦٤)

جب بھی کسی قوم میں زناکاری یا سودخوری کی کثرت ہوگی وہ اپنے آپ کو عذابِ خداوندی کا مستحق بنالیں گے۔

(۹) حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں:

إِذَا ظَهَرَ الزِّنَا ظَهَرَ الْفَقْرُ وَالْمَسْكَنَةُ. (فيض القدير ١٨٢/٤)

جب زناکاری کی کثرت ہوجائے تو فقر ومحتاجگی عام ہوجائے گی۔

(۱۰) اور دوسری روایت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

مَاظَهَرَتِ الْفَاحِشَةُ فِي قَوْمٍ قَطُّ يُعْمَلُ بِهَا فِيهِمْ عَلَانِيَةً إِلَّا ظَهَرَ

جب بھی کسی قوم میں برسرعام بے حیائی اور بدکاری کی کثرت ہوگی تو ان میں طاعون اور

فِيهِمُ الطَّاعُونُ وَالْأَوْجَاعُ الَّتِي لَمْ تَكُنْ فِي أَسْلَافِهِمْ . (ابن ماجة ۲۹۰ رقم: ٤٠١٩، الترغيب والترهيب مكمل ٥٢٣ رقم: ٣٦٨٥)

ایسی بیماریاں پھیل جائیں گی، جو ان سے پہلے لوگوں میں پائی نہ جاتی تھیں۔

اِن اَحادیث کی صداقت آج بالکل عیاں ہے، بے حیائیوں اور بدکاریوں سے بھرپور مغربی اور مشرقی معاشرہ میں ایسے خطرناک اور لاعلاج بدترین امراض جنم لے چکے ہیں جن کا اس سے پہلے کبھی نام بھی نہیں سنا گیا تھا، اور میڈیکل سائنس کی ہزار ترقیوں کے باوجود ابھی تک ان جان لیوا بیماریوں کا کوئی علاج دریافت نہیں ہو پایا ہے، جیسا کہ آج ہر طرف ''ایڈز'' نامی بیماری کا شور ہے۔ پوری دنیا اس کے تصور ہی سے سہمی ہوئی ہے، اور تمام طبی تحقیقات سے یہ ثابت ہو چکا ہے کہ یہ بیماری غلط اور خلافِ فطرت جنسی تعلقات کی وجہ سے ہی وجود میں آتی ہے؛ لیکن اس کی روک تھام کے لئے جتنی بھی کوششیں کی جارہی ہیں وہ سب بے سود ثابت ہو رہی ہیں، اور یہ بیماری برابر روز افزوں ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کی روک تھام کے نام پر جو بھی اقدامات کئے جارہے ہیں، وہ اصل مرض کو مٹانے والے نہیں؛ بلکہ اور بڑھانے والے ہیں۔ اس مرض کا اصل علاج یہ ہے کہ ناجائز جنسی تعلقات سے پرہیز کیا جائے، جبھی اس مرض کا مکمل خاتمہ ہوسکتا ہے، مگر اس کے متعلق بین الاقوامی ادارے اس اصل علاج کو اپنی بدنیتی اور پوشیدہ طبعی خباثت کی بنا پر نظر انداز کر کے سارا زور صرف ''مانع حمل آلات'' کے استعمال کرنے پر دیتے ہیں، اور نہایت بے غیرتی اور بے شرمی کے ساتھ نئی عمر کے بچوں اور بچیوں اور کالجوں کے طلبہ اور طالبات کے سامنے اس کی ٹریننگ دی جاتی ہے، جس کی بنا پر شہوانی جذبات برانگیختہ ہوتے ہیں اور گویا کہ نوجوانوں کو مانعِ حمل چیزوں کے استعمال کے ساتھ ناجائز جنسی تعلقات بنانے پر آمادہ کیا جاتا ہے۔ تو اس صورتِ حال میں اس مرض کے خاتمہ کا تصور ہی فضول ہے، اگر معاشرہ میں بے حیائیاں، فواحش اور ناجائز جنسی تعلقات کا چلن رہے گا، تو ایسے جان لیوا اور ناقابلِ علاج امراض حدیث بالا کی پیش گوئی کے

مطابق یقیناً پائے جاتے رہیں گے، اور دنیا اس عذاب سے ہرگز محفوظ نہ رہ سکے گی۔ جسمانی صحت مندی، معاشرتی سکون اور ذہنی یکسوئی کے حصول کا واحد راستہ یہی ہے کہ فواحش کے تمام سوراخوں کو بند کیا جائے اور ڈھکی چھپی اور ظاہری بے حیائیوں کو بدترین جرم قرار دے کر معاشرہ سے ان کی جڑوں کو اکھیڑ دیا جائے۔

تیسری فصل:

انسدادِ فحاشی کی عملی ہدایات

گذشتہ صفحات میں فواحش کی روک تھام کے متعلق قرآن وسنت میں پیش کردہ فکری انداز کی ہدایات اجمالاً ذکر کی جا چکی ہیں، جن کو پڑھ کر اس بات کی ذہن سازی ہوتی ہے کہ اسلام کی نظر میں بے حیائی ایسا جرم ہے جس سے انسان رحمت خداوندی سے محروم اور اخروی اعتبار سے سزا کا مستحق ہوجاتا ہے۔ بلاشبہ یہ باتیں بالخصوص فکرِ آخرت رکھنے والوں کے لئے نہایت مؤثر ہیں؛ کیوں کہ خوفِ آخرت سے بڑھ کر کوئی صفت برائیوں سے بچانے سے کارگر ثابت نہیں ہوسکتی۔

لیکن انسان بہرحال انسان ہے، وہ ایک بات کو غلط سمجھنے کے باوجود ماحول سے متأثر ہوکر غلطی کر بیٹھتا ہے، اور برائی سے بچنے کا جذبہ اپنے اندر رکھنے کے باوجود فطری تقاضوں سے بسا اوقات مجبور ہوجاتا ہے، اس لئے اسلام نے اپنے ''دینِ فطرت'' ہونے کا ثبوت دیتے ہوئے فواحش پر بندش لگانے کے بارے میں صرف فکری ذہن سازی پر اکتفاء نہیں کیا؛ بلکہ عملی طور پر ایسی ہدایات بھی جاری کیں جن کو روبہ عمل لانے سے آدمی کو خود بخود ایسا ماحول میسر آجاتا ہے کہ وہ فواحش سے بآسانی بچ سکتا ہے۔ چناں چہ ذیل میں ان ہدایات کی قدرے تفصیل پیش کی جارہی ہے:

مرد وعورت کو نظریں جھکائے رکھنے کا حکم

دنیا میں جب بھی فحاشی پھیلے گی تو اس کی ابتدا بدنظری سے ہوگی؛ اس لئے اسلام نے اس معاملہ میں سب سے پہلے یہ حکم دیا کہ مرد وعورت سب ''غضِ بصر'' کا اہتمام رکھیں، یعنی خلافِ جنس ناجائز مواقع پر نگاہ جمانے سے بچیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ أَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ذٰلِكَ أَزْكٰى لَهُمْ، إِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌ بِمَا يَصْنَعُوْنَ. وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنَاتِ يَغْضُضْنَ مِنْ أَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ. (النور ۳۰/۱۸)

کہہ دیجئے! ایمان والوں کو کہ ذرا اپنی آنکھیں نیچی رکھیں، اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کریں، اس میں ان کے لئے خوب ستھرائی ہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ کو خبر ہے جو کچھ کرتے ہیں، اور کہہ دیجئے ایمان والی عورتوں سے کہ ذرا اپنی آنکھیں نیچی رکھیں، اور تھامتی رہیں اپنے ستر کو۔

اس آیت کی پرداز خود بتا رہی ہے کہ جب تک نظر محفوظ نہ ہو ستر اور شرم گاہ کی حفاظت کی ضمانت نہیں دی جاسکتی، اس لئے کہ فواحش کا دروازہ بدنظری ہے۔ فواحش پر بند اسی وقت لگے گا جب بدنظری پر روک لگائی جائے۔ اور ایک حدیث میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بدنظری کو زہر میں بجھا ہوا شیطانی تیر قرار دیا ہے۔ ارشاد نبوی ہے:

اَلنَّظْرُ سَهْمٌ مَسْمُوْمٌ مِنْ سِهَامِ إِبْلِيْسَ، مَنْ تَرَكَهَا مِنْ مَخَافَتِيْ أَبْدَلْتُهٗ إِيْمَاناً يَجِدُ حَلَاوَتَهٗ فِيْ قَلْبِهٖ. (رواه الطبراني والحاكم، الترغيب والترهيب مكمل ٤٢٩ رقم: ٢٩٥٤)

نظر (بدنظری) شیطان کے تیروں میں سے ایک زہر میں بجھا ہوا تیر ہے جو اسے میرے (اللہ کے) ڈر سے چھوڑ دے تو میں اسے اس کے بدلہ میں ایسا ایمان (ایمانی حلاوت) عطا کروں گا جس کی چاشنی وہ اپنے دل میں محسوس کرے گا۔

اس حدیث میں بدنظری کو زہر میں بجھا ہوا تیر کہا گیا ہے وہ اسی وجہ سے ہے کہ اس کے گندے اثرات ذہن ودماغ کی تہہ میں بیٹھ جاتے ہیں اور نکالے نہیں نکلتے، اور شیطان لعین بدنظری کرا کے پھر وہی گندے مناظر بار بار یاد دلانے کی کوشش کرتا ہے، حتی کہ نماز کے دوران بھی وہی خیالات اور وساوس دل میں ڈالتا رہتا ہے جس کی بنا پر عبادت کی لذت قطعاً ختم ہوجاتی ہے۔ کوئی شخص کتنی ہی عبادتیں کرلے، حج وعمرہ سے شرف یاب ہوجائے یا تبلیغی جماعت میں لمبا وقت لگا کر آ ئے؛ لیکن اگر اس کے بعد خدانخواستہ بدنظری میں مبتلا ہوگیا تو دل میں جو بھی روحانیت پیدا ہوئی

ہوگی وہ سکنڈوں میں کافور ہو جائے گی، بدنظری کے بعد شیطان کو آگے کچھ کرنے کی ضرورت نہیں پڑتی؛ کیوں کہ اس کا براہ راست دل پر اثر پڑتا ہے اور جب دل ہی مضمحل اور سیاہ ہو جائے تو پھر اعضاء وجوارح سے کوئی عمل خیر خوش دلی سے صادر نہیں ہوسکتا، جو شخص بدنظری میں مبتلا اور فحش تصاویر اور فلمیں وغیرہ دیکھنے کا شوقین ہوگا وہ نماز اور دیگر عبادات کا پابند ہو ہی نہیں سکتا، بدنظری اور عبادات میں غفلت لازم ملزوم ہیں، جہاں نظر میں خرابی ہوگی وہاں عبادات سے تنفر بھی ضرور ہوگا۔

بدنگاہی کی ایک بڑی نحوست یہ ہوتی ہے کہ اس کے مریض شخص کا چہرہ بے نور ہو جاتا ہے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

لَتَغُضَّنَّ أَبْصَارَكُمْ وَلَتَحْفَظَنَّ فُرُوْجَكُمْ أَوْ لَيَكْسِفَنَّ اللّٰهُ وُجُوْهَكُمْ. (رواه الطبراني، الترغيب والترهيب ۲۵/۳)

تم لوگ اپنی نگاہوں کو ضرور نیچی رکھا کرو اور اپنی شرم گاہوں کی ضرور حفاظت کیا کرو ورنہ اللہ تعالیٰ تمہارے چہروں کو بے نور فرما دیں گے۔

واقعہ بھی یہی ہے کہ بدنظری اور بدکاری سے دل بے نور ہو جاتے ہیں، چہرے کی رونق جاتی رہتی ہے اور ایمان کی حلاوت رخصت ہو جاتی ہے۔ نعوذ باللّٰه منه۔

بے اختیار نظر پڑ جائے تو کیا کریں؟

تاہم ایسا ممکن ہے کہ کسی وقت اچانک بے اختیار نادانستہ طور پر کسی نامناسب جگہ نظر پڑ جائے تو اب کیا کریں؟ اس بارے میں بھی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے رہنمائی فرمائی ہے۔ حضرت جریر بن عبداللہ فرماتے ہیں کہ میں نے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام سے اچانک پڑ جانے والی نظر کے بارے میں سوال کیا؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے حکم دیا: کہ ”میں فوراً اپنی نظر وہاں سے ہٹا لوں“۔ (مسلم شریف ۲۱۵۹)

اور ایک مرتبہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ سے ارشاد فرمایا: ”میاں علی! نظر پر نظر مت جماؤ، اس لئے کہ پہلی نظر تو معاف ہے، مگر دوسری مرتبہ

دیکھنے کی اجازت نہیں ہے‘‘۔(ابوداؤد: ۲۱۴۹)

ایک روایت میں ہے کہ حجۃ الوداع میں عرفات سے واپسی کے موقع پر حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فضل ابن عباس رضی اللہ عنہما کو اپنے ساتھ اپنی سواری پر بٹھالیا۔ حضرت فضل رضی اللہ عنہ خود خوب صورت شخص تھے، راستہ میں قبیلۂ خثعم کی ایک خوبصورت عورت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی مسئلہ پوچھنے لگی، تو حضرت فضل رضی اللہ عنہ اس عورت کو دیکھنے لگے۔ یہ دیکھ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فضل ابن عباس رضی اللہ عنہما کی ٹھوڑی پکڑ کر چہرہ دوسری طرف گھما دیا اور ارشاد فرمایا:

رَأَیۡتُ شَابـاًّ وَشَابَّةً فَلَمۡ آمَنُ الشَّیۡطٰنَ عَلَیۡهِمَا. (بخاری ۹۲۰/۲ رقم: ٦٢٢٨، مسلم ۳۹۹/۱ رقم: ٣١٣٤)

میں نے ایک جوان مرد اور ایک جوان عورت کو دیکھا پس میں ان دونوں پر شیطان کا اثر پڑنے سے مطمئن نہیں ہوں۔ (اسی لئے نظر ہٹائی گئی)

حافظ ابن قیمؒ اچانک نظر پڑ جانے پر نظر ہٹا لینے کی حکمت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ’’نظر جب دل میں اثر انداز ہوجائے تو اگر دیکھنے والا پہلے ہی مرحلہ میں نظر نیچی کر کے اس کے اثر کو ختم کردے تو علاج آسان ہے ورنہ اگر نظر بار بار اٹھی اور اس صورت کے نقوش دل کی خالی تختی پر جا کر مرتسم ہوگئے تو یہ بار بار کی نظر، یوں سمجھو کہ اس پانی کی طرح ہے جس سے پودے کو سیراب کیا جاتا ہے اور اس کے ذریعہ سے وہ دن بدن بڑھتا جاتا ہے، اسی طرح نظر بد سے برائی دل میں بیٹھ جاتی ہے، اور آدمی احکام شریعت سے بے پرواہ ہوجاتا ہے اور آزمائشوں میں مبتلا ہوجاتا ہے، اور منکرات ومعاصی میں گرفتار ہوکر اپنے کو ہلاکت میں ڈال لیتا ہے۔ (ذم الھوی بحوالہ الاتقیا وفتن النساء ۱۲-۱۳)

بہر حال اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ اگر اول مرحلہ میں نظر ہٹالی جائے تو بات وہیں ختم ہوجاتی ہے۔ لیکن اگر اس وقت نفس پر قابو نہ رکھا تو آگے قابو پانا نہایت مشکل ہوتا ہے۔ اسی لئے ایک دوسری روایت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی ترغیب دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

مَا مِنۡ مُسۡلِمٍ یَنۡظُرُ إِلٰی مَحَاسِنِ

جو مسلمان کسی عورت کے محاسن کو پہلی مرتبہ دیکھ کر

إِمْرَأَةٍ أَوَّلَ مَرَّةٍ ثُمَّ يَغُضُّ بَصَرَهُ إِلَّا أَحْدَثَ اللّٰهُ عِبَادَةً يَجِدُ حَلاوَتَهَا. (رواه أحمد ٢٦٤/٥، مشكوٰة ٢٧٠، الترغيب والترهيب مكمل ٤٢٩ رقم: ٢٩٥٥)	اپنی نظر جھکا لے تو اللہ تعالیٰ (اس کے بدلہ میں) اسے ایسی عبادت کی توفیق عطا فرماتے ہیں جس کی لذت وہ خود محسوس کرتا ہے۔

اس لئے ہر مسلمان کو مذکورہ ہدایت پیش نظر رکھنی چاہئے اور جب بھی ایسے ابتلاء کا موقع پیش آئے تو ہمت سے کام لے کر برائی کے مادہ کو پہلے ہی مرحلہ میں کچل دینا چاہئے۔

نظر کی حفاظت کے چند اہم فوائد

اگر کوئی شخص ہمت کرکے اپنے کو بدنظری سے بچانے کی کوشش کرے تو اسے انشاء اللہ درج ذیل فوائد ضرور حاصل ہوں گے، چناں چہ علامہ ابن القیم جوزیؒ اپنی کتاب ''روضۃ المحبین'' میں لکھتے ہیں:

(۱) دل، بے فائدہ حسرت وافسوس سے نجات پائے گا؛ کیوں کہ جو شخص نظر کو آزاد چھوڑ دیتا ہے وہ ہمیشہ حسرت میں رہتا ہے (اس لئے کہ جس پر نظر پڑی ہے وہ اسے اکثر حاصل نہیں ہو پائے گی، اور دیکھنے والا خواہ مخواہ تڑپتا رہے گا) اس سے پتہ چلا کہ دل کے لئے سب سے زیادہ نقصان دہ چیز نظر کی لاپروائی ہے، اور یہ بدنظری دل پر ایسے ہی وار کرتی ہے جیسے تیر شکار پر وار کرتا ہے، یا یوں کہئے کہ یہ بدنظری آگ کا وہ شرارہ ہے جسے خشک گھاس میں ڈال دیا گیا ہو، تو یا تو وہ سب کی سب جل جائے گی نہیں تو کچھ نہ کچھ تو ضرور جلے گی۔ (یہی حال بدنظری کا بھی ہے کہ اس سے پورا دل نہ جلے مگر کچھ حصہ تو ضرور سلگنے لگتا ہے)

(۲) جو شخص نظر کی حفاظت کرتا ہے اس کے دل میں ایسی نورانیت پیدا ہوتی ہے جو اس کے چہرے اور آنکھوں سے اجاگر ہوتی ہے، جب کہ نظر کی بے احتیاطی کی وجہ سے چہرے پر پھٹکار برستی ہے، غالباً اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے غض بصر کی آیات کے بعد ﴿اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ والی آیت نازل فرمائی، جس میں نورانیت کا ذکر ہے۔

(۳) بدنظری سے بچنے والے شخص کو اللہ تعالیٰ قلبی بصیرت اور فراست سے سرفراز کرتے ہیں جو دل کی نورانیت کا لازمی اثر ہے (پس ایسا شخص فتنوں سے اور غلط روی سے محفوظ رہتا ہے)

(۴) بدنگاہی سے احتراز کرنے والے شخص کے دل پر علوم نبوت کا فیضان ہوتا ہے جب کہ بدنگاہی کا مریض شخص قلبی ظلمت کا شکار ہونے کی وجہ سے علم کے نور سے محروم رہتا ہے۔

(۵) جو شخص ہمت سے کام لے کر نظر کو غلط جگہ استعمال ہونے سے بچاتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو مزید ہمت اور بہادری سے سرفراز فرماتے ہیں، جب کہ بدنظری کا شکار شخص ہمیشہ کم ہمت اور بزدل بنا رہتا ہے۔

(۶) غضِ بصر ایک عظیم فائدہ یہ بھی ہے کہ عفت مآب شخص ہمیشہ دل میں خاص فرحت اور اطمینان محسوس کرتا ہے، یہ بات بدنگاہ شخص کو ہرگز حاصل نہیں ہو پاتی۔

(۷) عفیف النظر شخص لذت وشہوت کی قید سے نجات پاتا ہے، اور حقیقی آزادی کی دولت سے مالا مال ہوتا ہے۔

(۸) نظر کو قابو میں رکھنے والا اپنے اس عظیم عمل کی بدولت گویا کہ اپنے اوپر جہنم کے دروازے کو بند رکھتا ہے؛ کیوں کہ بدنظری شہوت کا ایک اہم دروازہ ہے، جو انسان کو بدعملی میں مبتلا کر کے جہنمی بنانے کا عموماً سبب بن جاتی ہے۔

(۹) نظر کو محفوظ رکھنے والے کی عقلی استعداد میں اضافہ ہوتا ہے، اور اس کی قوت حافظہ اور دوراندیشی کی صلاحیت مزید نکھر کر سامنے آتی ہے۔

(۱۰) اور ایک بڑا فائدہ یہ ہے کہ نظر کو قابو میں رکھنے سے شہوت کے شر سے آدمی محفوظ رہتا ہے، جب کہ بدنظری کرنے والے کی زندگی مدہوشی اور غفلت میں گذرتی ہے۔ (روضۃ المحبین ۱۱۳، بحوالہ النظر واحکامہ، د: طارق طواری ۴، المکتبۃ الشاملۃ)

لہٰذا ان فوائد کو حاصل کرنے کے لئے ذرا ہمت سے کام لینے کی ضرورت ہے، نگاہ کو ناجائز مواقع سے بچانے کا اہتمام کیا جائے، بالخصوص رسالوں اور اخبارات وغیرہ کی فحش تصاویر پر نظریں

جمانے سے بھی ضرور پرہیز کرنا چاہئے ؛ کیوں کہ ان تصاویر کے مفاسد وخطرات نا قابل بیان ہیں، جب کہ سینما بینی اور فلموں کا شوق تو دین ودنیا سب کے لئے سخت تباہ کن اور شرم ناک ہے، ہر مسلمان کو ایسے نا جائز مشاغل واعمال سے کوسوں دور رہنا چاہئے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو فواحش سے پوری طرح محفوظ رکھیں، آمین۔

چوتھی فصل:

حجابِ اِسلامی؛ عفت مآبی کی فطری تدبیر

اِسلام نے دنیا کو عفت مآب معاشرہ عطا کرنے کے لئے عورتوں کو ''حجاب'' کا حکم دیا ہے، اور تجربہ سے یہ بات پوری طرح صادق ہے کہ ''اسلامی حجاب'' اپنائے بغیر نہ تو فواحش پر بند لگ سکتا ہے اور نہ ہی عورتوں کا صحیح معنی میں تحفظ ہوسکتا ہے۔ ''حجاب'' کے بغیر عورتوں کے تحفظ کا خیال ایک ایسا خواب ہے جو کبھی شرمندۂ تعبیر نہیں ہوسکتا۔ ممکن ہے کہ کچھ ہوس ناک مردوں کے ناپاک پیروپیگنڈے سے متأثر ہوکر کوئی نادان عورت ''حجاب'' کو اپنے اوپر بوجھ سمجھے؛ لیکن جب بھی وہ پرسکون زندگی کی تلاش میں نکلے گی، تو اسے بہرحال ''حجاب'' کے آغوش میں آنا پڑے گا، جو نہ صرف عورت؛ بلکہ پوری انسانی برادری کو پرسکون اور باوقار زندگی عطا کرنے کی فطری تدبیر اور یقینی ضمانت ہے۔

''حجاب'' کے حکم کی ابتداء حضرات ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے گھروں سے کی گئی اور عام لوگوں کو حکم ہوا کہ وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے گھروں میں بلا اجازت داخل نہ ہوں اور اگر امہات المؤمنینؓ سے کوئی سامان لینا چاہتے ہیں تو پردے کے پیچھے سے لیا کریں ارشاد خداوندی ہے:

وَإِذَا سَأَلْتُمُوْهُنَّ مَتَاعاً فَاسْئَلُوْهُنَّ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ، ذٰلِكُمْ أَطْهَرُ لِقُلُوْبِكُمْ وَ قُلُوْبِهِنَّ. (الأحزاب: ٥٣)	اور جب تم ان سے کوئی چیز مانگو تو پردے کے پیچھے سے مانگا کرو، یہ تمہارے اور ان کے دلوں کے لئے زیادہ پاکیزگی کا باعث ہے۔

خادم رسول سیدنا حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت کے مطابق اس آیت کا نزول ام المؤمنین حضرت سیدتنا زینب بنت جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے حضرت پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام

کے ساتھ آسمانی نکاح کے بعد ولیمہ کے موقع پر ہوا، جس کا تفصیلی واقعہ کتب حدیث میں درج ہے۔

(بخاری شریف ۲/ ۷۰۶ حدیث: ۴۷۹۰ تفسیر ابن کثیر مکمل ۱۰۷۴)

اس آیتِ مبارکہ کی پرداز خود بتارہی ہے کہ اجنبی مردوں اور عورتوں کے درمیان دلی پاکیزگی حاصل کرنے کے لئے حجاب کا اہتمام ضروری ہے، ورنہ امت کی پاکیزہ ترین خواتین یعنی ازواجِ مطہراتؓ، اور اُمت کے پاک باز ترین اَفراد یعنی حضراتِ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو یہ تاکیدی حکم ہرگز نہ دیا جاتا۔

عورت کا چہرہ پردہ میں داخل ہے یا نہیں؟

یہاں ایک اہم بحث یہ ہے کہ حجابِ اسلامی میں عورت کا چہرہ بھی داخل ہے یا نہیں؟ اس سلسلہ میں اصل مدار قرآنِ پاک کی درج ذیل آیت پر ہے۔ سورۂ نور میں ارشادِ خداوندی ہے:

وَقُلْ لِلْمُؤْمِنَاتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُيُوْبِهِنَّ. (النور: ۳)

اور کہہ دیں ایمان والیوں کو کہ ذرا اپنی نگاہیں نیچی رکھیں، اور تھامتی رہیں اپنے ستر کو، اور نہ دکھلائیں اپنا سنگار مگر جو کھلی چیز ہے اس میں سے، اور ڈال لیں اپنی اوڑھنی اپنے گریبان پر۔

اس آیت کی تفسیر میں "مَا ظَهَرَ مِنْهَا" کے مصداق کو متعین کرنے میں اختلاف ہوا ہے، افقہ الصحابہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے "مَا ظَهَرَ مِنْهَا" کا مصداق عورت کے ظاہری کپڑوں کو قرار دیا ہے، گویا ان کے نزدیک ''مَا ظَهَرَ" سے مراد دیگر اعضاء کو چھپانے کے بعد عورت کا ظاہری سراپا ہے، اس تفسیر کے اعتبار سے عورت کے لئے دیگر اعضاء کی طرح چہرہ اور ہتھیلیاں اجنبیوں کے سامنے ظاہر کرنا مطلقاً منع ہے۔

اس کے برخلاف حضرت عبداللہ بن عمر حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت انس بن مالک اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور بہت سے اکابر تابعین نے ''مَا ظَهَرَ مِنْهَا" کا

مصداق ظاہری مواقع زینت یعنی چہرے اور ہتھیلیوں کو قرار دیا ہے، اس تفسیر کے اعتبار سے عورت پر چہرہ اور کفین کو چھپانا اس طرح فرض نہیں ہے، جس طرح بالوں اور سینے اور دیگر اعضاء کو اجنبیوں سے چھپانا فرض ہے، بشمول احناف زیادہ تر فقہاء کی رائے بھی اسی تفسیر کے مطابق ہے، اسی بنا پر عورت کے لئے نماز میں چہرہ اور ہتھیلیوں کو چھپانے کا حکم نہیں دیا گیا۔

لیکن سورۂ احزاب کی ایک آیت سے اس بات کا اشارہ ملتا ہے کہ فتنہ کے خطرہ کے وقت عورتوں کے لئے چہروں کو چھپانے کا حکم ہے۔ ارشادِ خداوندی ہے:

يَـٰٓأَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِأَزْوَاجِكَ وَبَنَاتِكَ وَنِسَآءِ الْمُؤْمِنِينَ يُدْنِينَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيبِهِنَّ، ذٰلِكَ أَدْنىٰ أَنْ يُعْرَفْنَ فَلَا يُؤْذَيْنَ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوراً رَحِيماً. (الأحزاب: ۵۹)	اے پیغمبر! آپ اپنی بیویوں اور مسلمانوں کی عورتوں کو کہہ دیجئے کہ وہ اپنی چادریں تھوڑی سی اپنے اوپر لٹکالیں، اس میں یہ قریب ہے کہ پہچانی جائیں اور کوئی ان کو نہ ستائے، اور اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا نہایت مہربان ہے۔

اس آیت سے دلالۃً یہ بات معلوم ہوئی کہ شریف اور عزت مآب عورتوں کو ایسی لمبی چادر (یا برقعہ وغیرہ) استعمال کرنا چاہئے جس سے ان کا چہرہ چھپ جائے اور شریر لوگوں کو یہ احساس ہوجائے کہ اس عورت کا تعلق شرفاء سے ہے، اس کے ساتھ کوئی شرارت ہوئی تو انجام برا ہوگا۔ چناں چہ مفسرِ قرآن علامہ ابوبکر جصاص رازی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

فِي هٰذِهِ الْآيَةِ دَلَالَةٌ عَلىٰ أَنَّ الْمَرْأَةَ الشَّابَّةَ مَامُورَةٌ بِسَتْرِ وَجْهِهَا عَنِ الْأَجْنَبِيِّينَ وَإِظْهَارِ السَّتْرِ وَالْعَفَافِ عِنْدَ الْخُرُوجِ لِئَلَّا يَطْمَعَ أَهْلُ الرَّيْبِ فِيهِنَّ.	اس آیت میں اس بات کی طرف واضح دلالت موجود ہے کہ جوان عورت کو اجنبی مردوں سے چہرہ چھپانے اور گھر سے باہر نکلتے وقت پردہ اور پاک بازی کے اظہار کا حکم دیا گیا ہے؛ تاکہ شریر لوگوں کو ان میں دل چسپی لینے کی جرأت نہ ہو۔

(أحكام القرآن للجصاص ۳۷۲/۳)

مذکورہ بالا دونوں آیتوں سے متعلق تفسیری اقوال اور خیر القرون میں حضرات صحابیاتؓ اور خواتین اسلام کے طرز عمل کو سامنے رکھ کر فقہائے احناف نے یہ موقف اپنایا ہے کہ عورت کے لئے چہرہ اور ہتھیلیوں کو اجنبیوں سے چھپانا فرض تو نہیں ہے؛ لیکن جہاں فتنہ کا اندیشہ ہو وہاں چھپانا واجب ہے، اور جہاں فتنہ کا اندیشہ نہ ہو مثلاً عورت بوڑھی ہو یا کوئی عذر ہو مثلاً گواہی میں چہرہ کھولنے کی ضرورت ہو یا ڈاکٹر کو مریضہ کا چہرہ دیکھنے کی ضرورت ہو وغیرہ، ایسے مقام پر چہرہ کھولنے کی اجازت ہے، اسی بات کو فقہاء نے درج ذیل عبارات میں واضح فرمایا ہے:

وَتُمْنَعُ الْمَرْأَةُ الشَّابَّةُ مِنْ كَشْفِ الْوَجْهِ بَيْنَ الرِّجَالِ لاَ لِأَنَّهُ عَوْرَةٌ بَلْ لِخَوْفِ الْفِتْنَةِ. (در مختار) قَالَ الشَّامِيُ: وَالْمَعْنٰى تُمْنَعُ مِنَ الْكَشْفِ لِخَوْفِ أَنْ يَرىٰ الرِّجَالُ وَجْهَهَا فَتَقَعُ الْفِتْنَةُ، لِأَنَّهُ مَعَ الْكَشْفِ قَدْ يَقَعُ النَّظْرُ إِلَيْهَا بِشَهْوَةٍ. (شامي ۷۲/۲ زكريا)

اور جوان عورت کو مردوں کے درمیان چہرہ کھولنے سے منع کیا جائے گا اس وجہ سے نہیں کہ چہرہ عورت میں داخل ہے؛ بلکہ فتنہ کے اندیشہ کی وجہ سے (درمختار) اور علامہ شامیؒ نے فرمایا کہ مطلب یہ ہے کہ جوان عورت کو چہرہ کھولنے سے منع کیا جائے گا کہ کہیں مرد اس کا چہرہ دیکھ کر فتنہ میں نہ پڑ جائیں؛ کیوں کہ چہرہ کھلے رہنے کی حالت میں کبھی شہوت کی نظر بھی پڑ سکتی ہے۔

اور دوسری جگہ اس کی مزید وضاحت اس طرح کی گئی ہے:

وَيَنْظُرُ مِنَ الْأَجْنَبِيَّةِ وَلَوْ كَافِرَةً إِلٰى وَجْهِهَا وَكَفَّيْهَا فَقَطْ لِلضَّرُوْرَةِ الخ، فَإِنْ خَافَ الشَّهْوَةَ أَوْشَكَّ إِمْتَنَعَ نَظْرُهُ إِلَيْهَا فَحلَ النَّظْرُ مُقَيَّدٌ بِعَدَمِ الشَّهْوَةِ وَإِلاَّ فَحَرَامٌ، وَهٰذَا فِيْ زَمَانِهِمْ وَأَمَّا فِيْ

اور مرد ضرورت کے وقت اجنبی عورت - اگرچہ وہ کافرہ ہو - کا چہرہ اور ہتھیلیاں دیکھ سکتا ہے؛ لیکن اگر (اس کے دیکھنے سے) شہوت کا اندیشہ یا شک ہو تو اسے دیکھنا منع ہے، پس معلوم ہوا کہ دیکھنے کی اجازت شہوت نہ ہونے کی شرط کے ساتھ مقید ہے، ورنہ اگر شہوت ہو تو اجنبی عورت کو

زَمَانِنَا فَمُنِعَ مِنَ الشَّابَّةِ. (درمختار مع الشامي ۵۳۱/۹-۵۳۲ زكريا)

بالقصد دیکھنا حرام ہے، اور یہ تفصیل بھی ان (متقدمین فقہاء) کے زمانہ میں تھی، اور ہمارے زمانہ میں (بلاکسی قید اور تفصیل کے) جوان عورت کو دیکھنے سے منع کیا جائے گا۔

واضح ہو کہ فقہاء احناف کے یہاں فرض اور واجب دو الگ الگ اصطلاحات ہیں بایں معنی کہ فرض کے ثبوت کے لئے دلیل قطعی ضروری ہوتی ہے، جب کہ واجب کے ثبوت کے لئے ظنی دلیل بھی کافی ہوتی ہے؛ لیکن عمل کے اعتبار سے دونوں میں زیادہ فرق نہیں ہے، اسی وجہ سے واجب کو فرض عملی بھی کہا جاتا ہے؛ لہٰذا جن حالات میں فقہاء نے چہرہ چھپانے کو واجب قرار دیا ہے اس پر بھی عمل اسی طرح ضروری ہے جیسے فرض پر عمل ضروری ہوتا ہے۔

اور یہ بات محتاجِ دلیل نہیں ہے کہ موجودہ دور میں عورت کا چہرہ کھولنا سخت فتنہ کا سبب ہے، خود عورت کے لئے بھی اور ان مردوں کے لئے بھی جن کی نظر عورت کے چہرے پر پڑتی ہے؛ لہٰذا ایسے فتنہ کے حالات میں جو جدت پسند لوگ سورۂ نور کی آیت: ﴿مَا ظَهَرَ مِنْهَا﴾ کی ایک تفسیر کو بنیاد بنا کر عورتوں کے لئے مطلقاً اجنبی مردوں کے سامنے چہرہ کھولنے کی تبلیغ کرتے ہیں وہ نصوصِ شریعت کے ساتھ کھلواڑ کرنے والے اور قصداً زمانے کے حالات سے چشم پوشی کرنے والے ہیں۔

اسی ضمن میں یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ دو چیزیں الگ الگ ہیں: (۱) ایک ہے عورتوں کے چہرہ اور ہتھیلیوں کا ستر میں داخل نہ ہونا۔ (۲) دوسرے یہ کہ اجنبی شخص کے لئے اس چہرہ پر قصداً نظر ڈالنا۔

تو چہرہ کے ستر میں داخل نہ ہونے سے اجنبی کے لئے دیکھنے کی اجازت نہیں ہوسکتی؛ کیوں کہ اس بارے میں قرآنِ کریم میں صاف طور پر اجنبی مردوں اور عورتوں کو ایک دوسرے سے نظر جھکانے کا حکم موجود ہے، اب جو لوگ عورت کو چہرہ کھلے رکھنے کی ترغیب دیتے ہیں وہ خود بتائیں کہ کیا آج کل کے ماحول میں عورت کے چہرہ کھولنے کی حالت میں مردوں کا ان سے نظریں

بچائے رکھنا ممکن ہے؟ دوسری طرف یہ شرعی اصول اپنی جگہ ہے کہ جو چیز فتنہ تک پہنچانے کا سبب ہو وہ خود ممنوع ہوتی ہے؛ لہٰذا خلاصہ یہی نکلے گا کہ جس طرح مردوں کے لئے بالقصد و بالارادہ اجنبی عورت کو دیکھنا ناجائز ہے، اسی طرح عورت کے لئے اپنے کو اجنبی مردوں سے پوری طرح چھپانا لازم ہے، اس کی تائید ''ازواجِ مطہرات'' رضی اللہ عنہن کے عمل سے ہوتی ہے کہ وہ جب حج کے لئے تشریف لے گئیں اور اِحرام کی حالت میں تھیں اور عورتوں کا احرام چہروں ہی میں ہوتا ہے کہ چہرہ کو کپڑا نہ لگے، تو انہوں نے اس کا اہتمام رکھا کہ جب کسی ایسی جگہ سے گذریں جہاں مرد ہوتے ہوں، تو گھونگھٹ نکال کر اپنا چہرہ چھپا لیتی تھیں۔ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

كَانَ الرُّكْبَانُ يَمُرُّوْنَ بِنَا وَنَحْنُ مُحْرِمَاتٌ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَإِذَا حَاذَوْا بِنَا سَدَلَتْ إِحْدَانَا جِلْبَابَهَا مِنْ رَأْسِهَا عَلٰى وَجْهِهَا فَإِذَا جَاوَزُوْنَا كَشَفْنَاهَا. (سنن أبي داؤد ۱/۲۵٤ رقم: ۱۸۳۳، ابن ماجة ۲۱۰ رقم: ۲۹۳۵)

قافلے ہمارے پاس سے گذرتے تھے اور ہم بحالتِ احرام نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سفرِ حج میں تھے، تو جب قافلے کے لوگ ہمارے سامنے آتے تو ہم اپنی چادر سر سے چہرے پر لٹکا لیتے تھے، اور جب قافلے آگے بڑھ جاتے تو ہم اپنے چہرے کھول لیتے تھے۔

یہ اس بات کی دلیل ہے کہ عورتوں کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ اپنی بے حجابی سے مردوں کو فتنہ میں مبتلا ہونے سے بچائیں، اگر وہ ایسا نہیں کریں گی تو بزبانِ نبوت لعنت کی مستحق قرار پائیں گی؛ البتہ ضرورت کے مواقع اس سے مستثنیٰ ہیں، اور اس بارے میں شریعت کی رخصتیں اسلام کے دینِ فطرت ہونے کی کھلی دلیل ہیں؛ کیوں کہ بہت سے مواقع زندگی میں ایسے پیش آجاتے ہیں جن میں چہرہ کھولے بغیر چارہ نہیں ہوتا، تو ایسی جگہوں میں عدمِ شہوت کی قید کے ساتھ شریعت نے عورت کو چہرہ کھولنے کی اجازت دی ہے، مگر اس طرح کی رخصتوں کا ناجائز اور بے جا استعمال نہیں ہونا چاہئے۔

سب سے اچھی عورت کی پہچان، خاتونِ جنت کی زبانی

دنیا والے یہ سمجھتے ہیں کہ بہترین عورت وہ ہے جو حسن وجمال والی ہو، زیب وزینت اور میک اَپ کی دلدادہ ہو، محفلوں اور بازاروں اور تفریح گاہوں میں آنے جانے میں اسے کوئی عار نہ ہو، ایسی ہی عورتوں کو آج پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے اور اس معاملہ میں خواتین ایک دوسرے پر سبقت کرتی نظر آتی ہیں؛ لیکن مسلمان عورتوں کو دنیا کی رو میں بہنے کے بجائے اس بارے میں خاتونِ جنت حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا کردار پیش نظر رکھنا چاہئے، ان کا نظریہ کیا تھا؟ اس کا اندازہ درج ذیل واقعہ سے ہوسکتا ہے:

امیر المؤمنین سیدنا حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں یہ ذکر چل رہا تھا کہ عورت کے لئے کون سی بات سب سے اچھی ہے؟ اہلِ مجلس خاموش رہے، بعد میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ گھر تشریف لے گئے اور جاکر سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے پوچھا کہ آج مجلسِ نبوت میں یہ ذکر چل رہا تھا کہ کون سی عورت سب سے اچھی ہے؟ اس بارے میں آپ کی رائے کیا ہے؟ اس پر حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ: ''عورت کی سب سے اچھی صفت یہ ہے کہ وہ نہ تو خود غیر مردوں کو دیکھے اور نہ اس پر کسی غیر مرد کی نظر پڑے''۔ یہ بات حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے نبی اکرم علیہ السلام سے جاکر نقل کر دی، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تصدیق کی اور فرمایا: ''فَاطِمَةُ بَضْعَةٌ مِنِّيْ'' یعنی فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا تو میرے بدن کا ٹکڑا ہے۔ (یعنی انہوں نے جو کہا وہ گویا شریعت کی عین ترجمانی ہے) (نساء فی ظل رسول اللہ ﷺ عن البزار وغیرہ ۲۳۶، معارف القرآن ۷/۲۱۶، حیاء اور پاکدامنی ۹۵)

آخری درجہ کی پاک بازی

خاتونِ جنت جگر گوشۂ رسول حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی عفت مآبی اور پاک بازی کا کچھ اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ جب آپؓ مرض الوفات میں تھیں اور زندگی سے بالکل

مایوس ہوچکی تھیں، تو آپؓ نے اپنی تیماردار حضرت اسماء بنت عمیسؓ (زوجہ خلیفۂ اول سیدنا حضرت صدیق اکبرؓ) سے نہایت حسرت بھرے انداز میں فرمایا کہ: ''جب میرا انتقال ہوجائے گا تو میری لاش کھلے طور پر چارپائی پر رکھ کر لے جائی جائے گی (اور اَجنبی مردوں کی نظریں میرے کفن پر پڑیں گی) اسے سوچ سوچ کر مجھے شرم آرہی ہے''۔ یہ سن کر حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ میں آپؓ کو ایسا جنازہ بنا کر دکھاتی ہوں جو حبشہ کے علاقہ میں عورتوں کے لئے بنایا جاتا ہے، تو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ دکھلاؤ، چناں چہ حضرت اسماءؓ نے چند تازہ ٹہنیاں منگوائیں اور ان سے ڈنڈیاں نکال کر انہیں چارپائی کے اوپر اس طرح فٹ کردیا کہ اوپر سے چادر ڈالنے پر اندر کے جسم کا پتہ نہ چل سکے، حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اس طرح کے جنازہ کے انداز کو دیکھ کر اطمینان کا سانس لیا اور مسکرا کر اپنی خوشی کا اظہار کیا، حالاں کہ آپ کو پیغمبر علیہ السلام کی وفات کے بعد کبھی مسکراتے نہیں دیکھا گیا تھا، چناں چہ حضرت فاطمہؓ کی وفات پر اسی انداز کا جنازہ بنایا گیا اور رات ہی میں آپؓ کی تدفین کردی گئی۔ رَضِيَ اللّٰہُ عَنْہَا وَأَرْضَاھَا۔ (نساء فی ظل رسول اللہ ﷺ ۳۴۸-۳۴۹)

یہ ہے عفت مآبی! کہ وفات کے بعد بھی اجنبیوں کی نظر پڑنے کے تصور سے شرم آرہی ہے، دوسری طرف آج کی بے حیا عورتوں کا حال ہے کہ انہیں زندگی میں بھی بے پردگی اور عریانیت پر شرم نہیں آتی، اور بس نہیں چلتا کہ بدن کو لباس کی قید سے بالکل آزاد کردیں، اور ایسے بے حیا مردوں کی بھی کمی نہیں ہے جو گھر کی عورتوں کی اس بے لباسی پر ناگواری کے بجائے فخر محسوس کرتے ہیں۔ (العیاذ باللہ)

''پردہ'' کے شرعی حدود

فحاشی کے دروازوں کو بند کرنے کے لئے شریعت نے مفصل ہدایات دی ہیں، اگر ان کے مطابق زندگی گذاری جائے گی تو معاشرہ میں بے حیائی کے رجحانات پنپ ہی نہیں سکتے۔ علامہ برہان الدین محمود بن صدر الشریعہ البخاری (المتوفی ۶۱۶ھ) نے اپنی معرکۃ الآراء کتاب ''المحیط البرہانی'' میں اور علامہ فرید الدین عالم ابن العلاء الدہلویؒ (المتوفی ۷۸۶ھ) نے اپنی شہرۂ آفاق کتاب ''الفتاویٰ التاتارخانیۃ'' میں پردے کے مسائل کو بہت مرتب انداز میں بیان کیا ہے، جس کا خلاصہ

ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔ موصوف فرماتے ہیں کہ: پردے کے مسائل اصلاً چار قسموں پر مشتمل ہیں:

(۱) مرد کا مرد کو دیکھنا:

اس کا حکم یہ ہے کہ ایک مرد دوسرے مرد کے ناف سے لے کر گھٹنے کے علاوہ سارے بدن کو دیکھ سکتا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ ران اور گھٹنا بھی مرد کے ستر میں داخل ہے، اس کا ہر حال میں دوسروں سے چھپانے کا اہتمام رکھنا چاہئے، بعض مرد لوگ نیکر یا جانگیا پہن کر ٹہلتے نظر آتے ہیں، یہ ہرگز جائز نہیں۔ احادیث شریفہ میں بھی رانوں کو ڈھکنے کا حکم دیا گیا ہے۔ (دیکھئے حاشیہ فتاویٰ تاتارخانیہ، تحقیق: مفتی شبیر احمد صاحب ۸۹/۱۸، بحوالہ ترمذی شریف ۱۰۷/۲، السنن الکبریٰ بیہقی ۸۵/۳)

(۲) عورت کا عورت کو دیکھنا:

اس کا حکم یہ ہے کہ ایک عورت دوسری عورت کے بدن کو صرف اس قدر دیکھ سکتی ہے جتنا ایک مرد کے لئے دوسرے مرد کا بدن دیکھنے کی اجازت ہے، یعنی ناف سے گھٹنے تک کے حصہ کو چھوڑ کر بقیہ بدن دیکھنے کی گنجائش ہے۔ (البتہ اگر غیر مسلم عورت ہو تو اس سے مسلمان عورتوں کو پورا پردہ کرنا چاہئے، اس کے سامنے بلاضرورت ہتھیلی اور چہرہ کے علاوہ بقیہ بدن کھولنا درست نہیں ہے۔) (خواتین کے شرعی مسائل، مولانا منور سلطان ندوی ۴۸۳ بحوالہ تفسیر قرطبی ۹۵/۱۲)

(۳) عورت کا اَجنبی مرد کو دیکھنا:

اس بارے میں قدرے تفصیل ہے کہ اگر فتنہ اور شہوت کا اندیشہ ہو تو عورت کے لئے اجنبی مرد کو قصداً دیکھنا بالکل جائز نہیں ہے، اور اگر شہوت کے نہ ہونے کا یقین یا گمان غالب ہو تو نظر پڑنے کی فی الجملہ گنجائش ہے؛ لیکن پیٹ، پیٹھ، اور ناف سے لے کر گھٹنے تک کا حصہ دیکھنے کی اجازت بہرحال نہ ہوگی۔ (اسی سے معلوم ہو گیا کہ بعض عورتیں تقریبات کے موقع پر دولہا وغیرہ کو دیکھنے کے لئے تاک جھانک کرتی ہیں یہ درست نہیں ہے۔) (اصلاح الرسوم ۵۶)

(۴) مرد کا عورت کو دیکھنا:

اس کی شرعاً چار صورتیں ہو سکتی ہیں:

الف:- مرد کا اپنی بیوی یا مملوکہ باندی کو دیکھنا: تو شرعاً ان کا پورا بدن مرد کے لئے دیکھنا جائز ہے، اور زوجین میں آپس میں پردہ کا حکم نہیں ہے، تاہم بہتر یہی ہے کہ مباشرت کے وقت نظر کی حفاظت رکھی جائے، بعض روایات میں ہے کہ: ''پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے زوجین کو بے محابا ننگا ہونے سے منع فرمایا ہے''۔ (المحیط البرہانی ۲۶/۸)

ب:- مرد کا اپنی محرم عورتوں کو دیکھنا: ایسی محرم رشتہ دار جن سے کبھی بھی نکاح حلال نہیں ہوسکتا ہے، جیسے بیٹی، بہن، ماں، خالہ، پھوپھی، وغیرہ، ان کے مواقعِ زینت مثلاً کان، گردن، سر، کلائی، بازو، پنڈلی وغیرہ پر نظر پڑنے میں شرعاً حرج نہیں ہے؛ البتہ پیٹ، پیٹھ، پہلو، ناف سے لے کر گھٹنے تک کا حصہ دیکھنا محارم کا بھی جائز نہیں، اور جہاں فتنہ کا اندیشہ ہو، وہاں کوئی بھی عضو دیکھنا اور چھونا درست نہ ہوگا۔

ج:- مرد کا اَجنبی عورت کو دیکھنا: تو اگر فتنہ کا خطرہ ہو (جیسا کہ آج کل واقع ہے) تو مرد کے لئے کسی نامحرم اجنبی عورت کے حصۂ بدن کو دیکھنا جائز نہیں اور نامحرم عورتوں میں چچازاد، پھوپھی زاد، ماموں زاد بہنیں، اسی طرح چچی، ممانی، اور سالیاں وغیرہ بھی شامل ہیں۔ (البتہ اگر فتنہ کا اندیشہ بالکل نہ ہو (جو بہت نادر الوقوع ہے) مثلاً عورت بہت بوڑھی ہو، تو صرف اس کے چہرے اور ہتھیلی پر اتفاقاً یا ضرورۃً اُچٹتی ہوئی نظر ڈالنے کی گنجائش ہے) اور خود بوڑھی عورت کے لئے قرآنِ کریم میں پردہ میں کچھ رخصت دی گئی ہے؛ لیکن پھر بھی بہتر یہی ہے کہ عمر دراز عورتیں بھی پردہ کا اہتمام رکھیں، اور بلاضرورت بے پردہ نہ ہوں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَاَنْ يَّسْتَعْفِفْنَ خَيْرٌ لَّهُنَّ﴾ [النور: ٦٠] گوکہ ان کے لئے زائد کپڑے اُتارنے کی اِجازت ہے؛ لیکن اگر وہ بے پردگی سے بالکل بچیں، تو ان کے لئے اور بہتر ہے۔

د:- مرد کا غیر مملوکہ باندی کو دیکھنا: کسی دوسرے شخص کی باندی سے پردہ کے بارے میں یہ تفصیل ہے کہ اگر فتنہ کا خطرہ ہو تو اس کو دیکھنے سے حتی الامکان اجتناب کیا جائے اور اگر عام حالت ہو اور فتنہ کا اندیشہ نہ ہو تو جس طرح اپنی محرم عورتوں کے ظاہری اعضاء کو دیکھنے کی گنجائش ہے، اسی طرح غیر کی باندی کے اعضاء کو دیکھنا بھی جائز ہے۔

واضح رہے کہ آج کل جو عورتیں گھروں میں خادمہ کے طور پر کام کرتی ہیں، وہ باندیوں کے حکم میں نہیں ہے، وہ آزاد عورتیں ہوتی ہیں، ان سے اسی طرح پردہ کیا جائے گا جیسے اجنبی عام عورتوں سے پردہ ہوتا ہے۔ (تلخیص از: ''المحیط البرہانی''، تحقیق: نعیم اشرف نور احمد ۲۴-۲۷، فتاویٰ تاتارخانیہ تعلیق: مفتی شبیر احمد صاحب ۱۸/۸۹-۹۵)

مشترک گھرانوں میں پردہ کا اہتمام

جس گھر میں کئی خاندان مشترک طور پر رہائش پذیر ہوں، مثلاً کئی بھائیوں کی بیویاں اور لڑکے لڑکیاں یکجا رہتے ہوں، تو یہ چچازاد یا تائے زاد بہن بھائی آپس میں محرم نہیں ہیں؛ لہٰذا یہ جب بڑے ہوجائیں، یعنی دس سال سے اوپر عمر کے ہوجائیں، تو اُن میں کم از کم اِس قدر پردے کا اہتمام ضروری ہے کہ بچیوں اور عورتوں کے سر کے بال، گردن، سینہ، پنڈلیاں وغیرہ ساتر رہیں، ان پر گھر کے نامحرم مردوں اور لڑکوں کی نظر نہ پڑنے پائے؛ البتہ اگر چہرہ اور ہتھیلی پر نظر پڑجائے تو گنجائش ہے؛ تاہم اگر چہرہ دیکھنے میں بھی شہوت اور فتنہ کا اندیشہ ہو، تو اس سے بھی منع کیا جائے گا، اور کڑی نگرانی رکھی جائے گی۔ فتاویٰ بزازیہ میں ہے:

وَالْحُكْمُ بِالْفَرْقِ بَيْنَ الْأَجْنَبِيِّ وَذِي الرَّحِمِ إِذَا كَانَ النَّظَرُ لَا عَنْ شَهْوَةٍ فَأَمَّا بِالشَّهْوَةِ فَلَا يَحِلُّ لِأَحَدٍ النَّظَرُ. (البزازية على هامش الهندية ٦/٤ ٢٧، بحوالہ خواتین کے شرعی مسائل ۱/ ٤٨١)

اور اجنبی اور رشتہ دار کے حکم میں فرق اس وقت ہے جب کہ بلاشہوت نظر پڑجائے، اگر شہوت کی نظر ہو تو کسی کے لئے بھی ایسی نظر جائز اور حلال نہیں ہے۔

یہی حکم بھائیوں کی بیویوں کا بھی ہے کہ دیور یا جیٹھ کے سامنے ''بھابھی'' کو اعضاء زینت ظاہر کرنا درست نہیں ہے، مشترک گھرانے میں حرج کی وجہ سے صرف چہرہ کھولے رکھنے کی گنجائش ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ ۱۹/۶ ۷اڈابھیل)

اور شریف گھرانوں کا طریقہ یہ ہے کہ عورتیں اپنے دیور یا جیٹھ سے بے تکلف نہیں ہوتیں؛

بلکہ ''گھونگھٹ دار'' پردہ کرتی ہیں، اور صرف بقدر ضرورت بات چیت پر اکتفاء کرتی ہیں۔ بلاشبہ یہ فتنہ سے تحفظ کے لئے ناگزیر ہے؛ کیوں کہ اگر ایسے رشتہ داروں سے پردہ نہ کیا جائے اور شرعی حدود کا خیال نہ رکھا جائے تو مفاسد کے خطرات ''عین واقعہ'' بن کر سامنے آتے ہیں، اسی وجہ سے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس بارے میں ایک سوال کے جواب میں نہایت معنی خیز جملہ ارشاد فرمایا کہ: ''اَلْحَمُوُ اَلْمَوْتُ''. (بخاري شريف ۷۸۷/۲) یعنی ''دیور (یا شوہر کا رشتہ دار) تو موت ہے'' کہ آمد ورفت کی کثرت کی وجہ سے وہاں ابتلاء کا خطرہ زیادہ ہے۔

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی نور اللہ مرقدہٗ ''اِصلاح الرسوم'' میں تحریر فرماتے ہیں:

''جو شرعاً نامحرم ہو اس کے سامنے سر، بازو اور پنڈلی وغیرہ بھی کھولنا حرام ہے، اور اگر سخت مجبوری ہو مثلاً عورت کو ضروری کاروبار کے لئے گھر سے باہر نکلنا پڑتا ہو یا کوئی رشتہ دار کثرت سے گھر میں آتا جاتا ہو اور گھر میں تنگی کی بنا پر ہر وقت پردہ نہیں رکھا جا سکتا، صرف ایسی حالت میں جائز ہے کہ اپنا چہرہ اور دونوں ہاتھ کلائی کے جوڑ تک اور پیر ٹخنے تک کھولے رکھے، اس کے علاوہ اور کسی حصۂ بدن کو کھولنا جائز نہ ہوگا؛ لہٰذا ایسی عورتوں پر لازم ہے کہ سر کو خوب ڈھانکیں، کرتہ بڑی آستین کا پہنیں، پاجامہ غرارہ دار نہ پہنیں اور کلائی اور ٹخنے نہ کھلنے دیں''۔

نیز فرماتے ہیں:

''نامحرم مرد وعورت میں باہم ہم کلامی بھی بلاضرورت ممنوع ہے، اور ضرورت کے وقت بھی فضول باتیں نہ کرے، نہ ہنسے، نہ مذاق کی کوئی بات کرے، حتیٰ کہ لہجہ کو نرم بھی نہ کرے''۔ (اصلاح الرسوم ۵۵-۵۶)

مذکورہ بالا ہدایات کو پیش نظر رکھ کر ہمیں اپنے گھروں کا جائزہ لینے کی ضرورت ہے کہ ذرا ذرا سی رشتہ داریوں کا بہانہ بنا کر پردہ کے معاملہ میں کس قدر شرعی حدود کا تجاوز کیا جاتا ہے، حتیٰ کہ نامحرم سسرالی رشتہ داروں کے ساتھ جو عورت پردہ کرنا چاہے یا جو شوہر اپنی بیوی کو شرعی پردہ کرائے اسے سخت ناگوار تبصروں کا سامنا کرنا پڑتا ہے، جو نہایت نامناسب اور خطرناک بات ہے۔

گھر کے ملازمین سے پردہ

گھر میں کام کرنے والے ملازمین اگر بالغ ہوں، تو ان سے بھی اسی طرح پردہ کیا جائے گا جیسے اَجنبی مردوں سے پردہ ہوتا ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ ۲۰۷/۱۹) اُن کا گھر میں بے تکلف آنا جانا اور گھر کی عورتوں اور لڑکیوں کے درمیان گھل مل کر رہنا ناجائز اور بہت سے فتنوں کا سبب ہے۔ خادم رسول سیدنا حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ جس دن مجھے پہلی مرتبہ احتلام ہوا (علامت بلوغ ظاہر ہوئی) تو میں نے صبح کو اس بات کی خبر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دی، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: ''اب تم عورتوں (ازواجِ مطہرات) کے گھروں میں داخل مت ہونا''۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے اس حکم سے جتنا افسوس ہوا اتنا کسی اور حکم سے نہ ہوا تھا (کہ حضور کے گھروں میں بے حجاب آنے جانے سے محرومی ہوگئی؛ لیکن حکم نبوی مانے بغیر چارہ نہ تھا) (المعجم الاوسط للطبرانی ۱۷/۲/۸، بحوالہ حاشیہ فتاویٰ تاتارخانیہ، تعلیق: مفتی شبیر احمد صاحب ۱۰۲/۱۸)

اب اندازہ لگایئے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ جیسے پاکیزہ خادم جن کا بچپن پیغمبر علیہ السلام کے گھروں میں گذرا، اور ازواجِ مطہرات جیسی مقدس خواتین جن کی عفت وعصمت کی شہادت خود قرآنِ کریم نے دی ہے، جب ان کے بارے میں پردہ کی ہدایت کردی گئی تو کیا ہمارے گھرانوں کے خادموں کے بارے میں بدرجۂ اولیٰ یہ حکم نہ ہوگا؟

لیکن افسوس ہے کہ آج مسلم معاشرہ میں اس کے متعلق سخت بے احتیاطی پائی جاتی ہے، خاص کر سرمایہ دار گھرانوں میں نوجوان لڑکے بے پردہ گھروں میں رہتے ہیں، اور گھر کی عورتیں یہ سمجھتی رہتی ہیں کہ اس سے کیا پردہ؟ یہ تو ہماری گودوں کا کھلایا ہوا ہے، اور یہ تو ہمارے گھروں میں پل کر جوان ہوا ہے، تو یہ سوچ قطعاً غلط اور خلافِ شریعت ہے۔

اسی طرح بعض گھرانوں میں بڑی عمر کی لڑکیاں بے حجابی کے ساتھ خدمت گذاری کرتی ہیں، اور گھر کے لڑکوں اور مردوں کے سامنے بے پردہ رہا کرتی ہیں، اور بسا اوقات ان میں تنہائی کی نوبت بھی آجاتی ہے، یہ بھی ہرگز جائز نہیں ہے؛ بلکہ کھلی ہوئی بے حیائی ہے، اس بے احتیاطی کی وجہ

سے فواحش کے دروازے کھلتے ہیں، جو ناقابل بیان ہیں، جن کے تصور ہی سے سر شرم سے جھک جاتا ہے۔

اَجنبی مرد وعورت میں تنہائی منع ہے

دو ایسے مرد وعورت یا لڑکا لڑکی جن میں آپس میں نکاح کسی وقت بھی شرعاً ممکن ہوسکتا ہو، ان کا کسی جگہ تنہائی میں جمع ہونا شریعت میں جائز نہیں ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

لاَ يَخْلُوَنَّ رَجُلٌ بِإِمْرَأَةٍ إِلاَّ كَانَ ثَالِثُهُمَا الشَّيْطَان. (ترمذي ۲/۲۲۱ رقم: ۱۱۷۱، مشكوٰة شريف ۲/۲٦۹)	دو اجنبی مرد وعورت جب تنہائی میں اکٹھے ہوتے ہیں تو ان میں تیسرا شیطان ہوتا ہے۔ (جو انہیں برائی پر آمادہ کرتا ہے)

اس سے معلوم ہوگیا کہ گھر میں یا گھر سے باہر نامحرموں کا تنہائی میں ملنا جلنا، اور بے تکلفی سے ساتھ رہنا قطعاً درست نہیں ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ آج کے آزاد معاشرہ میں جنسی بے راہ روی اور فواحش کی زیادتی کا سبب یہی مرد وعورت کا بے محابا اختلاط ہے، جس نے انسانیت اور نسوانیت کی قدروں کو پامال کرکے رکھ دیا ہے؛ کیوں کہ فطرت انسانی کے اعتبار سے یہ بات مشکل ترین؛ بلکہ تقریباً ناممکن ہے کہ مرد وعورت کا آزادانہ میل ملاپ ہو اور وہاں برائیاں نہ پائی جائیں؟ مخلوط اسکول کالجوں اور مخلوط ملازمت کی جگہوں کا بدترین ماحول اس کی تائید کے لئے کافی ہے، جہاں بے حیائی کا ''گناہ'' ایک برائی نہیں؛ بلکہ نعوذباللہ فیشن بن چکا ہے۔ اللّٰهم احفظنا منه۔

شادی سے قبل منگیتر سے میل جول

شریعت میں اِس کی تو گنجائش ہے کہ آدمی جس لڑکی سے نکاح کرنا چاہتا ہو، اس پر کسی بہانہ سے نظر ڈال لے؛ تاکہ آئندہ ازدواجی تعلقات میں مزید استحکام ہو۔ (ترمذی ۱/۲۰۷، مشکوٰۃ ۲/۲٦۸)

لیکن جب تک اُس منگیتر سے عقدِ نکاح نہ ہو، وہ عام اجنبی عورت کے درجہ میں ہے؛ لہٰذا اس کا تنہائی میں رہنا اس کے ساتھ سفر کرنا یا اس سے بے تکلف اور بے محابا گفتگو کرنا، خواہ آمنے سامنے ہو

یا ٹیلی فون اور موبائل سے ہو سب اسی طرح ناجائز ہے، جیسے کسی اور اجنبی عورت سے ناجائز ہوتا ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: ''کوئی انسان گندگی اور کیچڑ میں سنے ہوئے خنزیر سے اپنے جسم کو لگائے، یہ اس سے بہتر ہے کہ اس کا کاندھا کسی ایسی عورت سے مس کرے جو اس کے لئے حلال نہ ہو''۔ (الترغیب والترہیب مکمل ۴۳۱ حدیث: ۲۹۷۱)

آج کل مروجہ بے حیائیوں میں سے یہ بھی ہے کہ منگنی کے بعد لڑکے لڑکی کے تعلقات اور بات چیت کو خصوصاً ماڈرن خاندانوں میں برا نہیں سمجھا جاتا، حالاں کہ اس گناہ والی زندگی سے بہتر تو یہ ہے کہ منگنی طے کرتے وقت ہی ان کا عقد کر دیا جائے؛ تاکہ شرعی رکاوٹ اسی وقت ختم ہو جائے اور یہ دونوں گنہگار نہ ہوں۔

نامحرم اُستاذ سے سبق پڑھنا

اِسی طرح نامحرم استاذ یا ماسٹر سے پردہ کے بغیر سبق یا ٹیوشن پڑھنا عورت کے لئے قطعاً جائز نہیں ہے، اور اگر تنہائی ہو تو پردہ کے ساتھ بھی جائز نہیں ہے؛ اس لئے کہ نفس ہر ایک کے ساتھ لگا ہوا ہے، کب شیطان بہکا دے، کسی کے بارے میں کوئی ضمانت نہیں دی جاسکتی۔ آئے دن اخبارات وغیرہ میں استاذ شاگردی کے رشتوں کی پامالی کی خبریں چھپتی رہتی ہیں، اس لئے اس بارے میں نہایت احتیاط کی ضرورت ہے، اگر کسی مرد استاذ سے درس لینا ناگزیر ہو، تو لازم ہے کہ دونوں میں پردہ حائل ہو اور عورت کے ساتھ اس کا شوہر یا محرم موجود ہو؛ کیوں کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

لَا یَخْلُوَنَّ أَحَدُکُمْ بِاِمْرَأَۃٍ إِلَّا مَعَ ذِيْ رَحْمٍ. (بخاری شریف ۷۸۷/۲، رقم: ۵۲۳۳)

تم میں سے کوئی شخص ہرگز کسی اجنبی عورت کے ساتھ تنہائی میں نہ رہے، الا یہ کہ اس عورت کا محرم ساتھ ہو۔

عورتوں کو بلاضرورت گھر سے باہر جانے کی ممانعت

شریعت میں عورتوں کی تمام سرگرمیوں کا دائرہ ان کے گھروں تک محدود کیا گیا ہے، اسی وجہ سے:

(۱) عورتوں پر جہاد فرض نہیں ہے۔ (الا یہ کہ خصوصی حالات ہوں)

(۲) عورتوں پر جمعہ وعیدین کی نماز واجب نہیں ہے۔

(۳) عورتوں کو مسجد میں آکر جماعت سے نماز پڑھنے کی تاکید نہیں ہے؛ بلکہ ان کا گھروں میں ہی نماز پڑھنا زیادہ موجب ثواب ہے۔

(۴) عورتوں پر کمانے کی مشقت نہیں ہے؛ بلکہ نکاح سے پہلے ان کا نفقہ والد پر، نکاح کے بعد شوہر پر اور بعد میں اولاد یا دیگر رشتہ داروں پر ہے، خود ان پر کوئی مالی ذمہ داری نہیں ہے۔

اِن احکامات کی وجہ یہی ہے کہ عورتوں کا کثرت سے گھروں سے باہر رہنا فتنہ کا سبب بنتا ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

أَلْمَرْأَةُ عَوْرَةٌ فَإِذَا خَرَجَتْ إِسْتَشْرَفَهَا الشَّيْطَانُ. (ترمذي شريف شريف ۱/۲۲۲ رقم: ۱۱۷۳)

عورت چھپانے کی چیز ہے، جب وہ گھر سے باہر نکلتی ہے تو شیطان اس کی تاک میں رہتا ہے۔

اس لئے عورت کی ساری دل چسپیاں گھر کے اندر ہی رہنی چاہئیں، اور اسے ''شمع محفل'' بننے کے بجائے ''چراغ خانہ'' بن کر زندگی گذارنی چاہئے، اس کے لئے عافیت اور سکون کا راستہ یہی ہے، جو اس کی فطری صلاحیتوں کے عین مطابق ہے۔

عورت کو تنہا سفر کی ممانعت

تاہم دنیا میں ضرورتیں آدمی کے ساتھ لگی رہتی ہیں، چناں چہ کبھی عورتوں کو گھروں سے باہر جانا ناگزیر ہوتا ہے، یہ ضرورتیں دنیوی بھی ہوسکتی ہیں اور دینی بھی۔ مثلاً کسی رشتہ داری میں جانا ہے یا عورت پر حج فرض ہے جس کی ادائیگی کے لئے سفر کرنا ہے وغیرہ، تو اس بارے میں شریعت نے دو باتوں کی رہنمائی فرمائی:

اول یہ کہ پوری طرح پردے کے ساتھ گھر سے باہر نکلے، بے پردگی کے ساتھ آوارہ عورتوں کی طرح باہر نہ نکلے۔ قرآنِ پاک میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿وَقَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ وَلَا

تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُوْلیٰ﴾ [الاحزاب: ۳۳] یعنی اپنے گھروں میں ٹھہری رہیں اور زمانۂ جاہلیت کی طرح (حسن و جمال کی) نمائش نہ کرو۔

دوسرے یہ کہ اگر سفرِ شرعی کے بقدر سفر ہے تو شوہر یا محرم کے ساتھ جائے، اکیلے نہ جائے اور جہاں فتنہ کا اندیشہ ہو تو قریبی مسافت کے سفر میں بھی اکیلے نہ جائے۔

عَنْ أَبِيْ سَعِيْدٍ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: لَا يَحِلُّ لِامْرَأَةٍ تُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ أَنْ تُسَافِرَ سَفَرًا، فَيَكُوْنُ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ فَصَاعِدًا إِلَّا وَمَعَهَا أَبُوْهَا أَوْ أَخُوْهَا أَوْ زَوْجُهَا أَوْ اِبْنُهَا أَوْ ذُوْ مَحْرَمٍ مِنْهَا. (رواه الترمذي ۱/ ۲۲۰ رقم: ۱۱۷۰)

نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ السلام نے ارشاد فرمایا کہ جو عورت اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتی ہو اس کے لئے تین دن یا اس سے زیادہ تنہا سفر کرنا جائز نہیں؛ البتہ یہ کہ اس کے ساتھ اس کے محارم میں سے باپ، بھائی یا شوہر یا بیٹا ہو۔

آج کل بعض جگہ دیکھا گیا کہ عورتیں نامحرم ڈرائیور کے ساتھ بے تکلف طویل سفر کرتی ہیں، اور اسے بہت سے گھرانوں میں معیوب بھی نہیں سمجھا جاتا، حالاں کہ شریعت کی نظر میں یہ عمل جائز نہیں، اور اس سے اجتناب لازم ہے، عورت کا سفر خواہ دینی ہو یا دنیوی، محرم یا شوہر کے ساتھ ہی ہونا چاہئے۔ اس ہدایت کو نظر انداز کرنے کی وجہ سے بڑے مفاسد رونما ہوتے ہیں جو بے عزتی کا سبب بن جاتے ہیں، اعاذنا اللہ منہ۔

شریعت میں برقع کا ثبوت

پاک دامن مسلم عورتوں میں گھر سے باہر نکلتے وقت برقع پہننے کا جو رواج ہے یہ دورِ نبوت کی پاکیزہ خواتین اسلام کے عمل سے ماخوذ ہے۔ ام المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں:

لَمَّا نَزَلَتْ هٰذِهِ الْاٰيَةُ : ﴿يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ﴾ خَرَجَ نِسَاءٌ مِنَ الْأَنْصَارِ كَأَنَّ عَلٰى رُؤُوْسِهِمُ الْغِرْبَانُ مِنْ أَكْسِيَةٍ سُوْدٍ يَلْبِسْنَهَا. (أبوداؤد شريف ٥٦٧/٢، أحكام القرآن للرازي ٣٧٢/٣)

جب یہ آیت: ﴿يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ﴾ (اور لٹکالیں وہ اپنے اوپر اپنی چادریں) نازل ہوئی تو انصار کی عورتیں اس حالت میں کالا لباس پہنے ہوئے گھر سے نکلیں، گویا اُن کے سروں پر کالے کوّے بیٹھے ہوں۔

اور امام محمد بن سیرینؒ سے مروی ہے کہ مشہور تابعی عالم حضرت عبیدہؒ نے آیت: ﴿يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ﴾ کی عملی تفسیر فرماتے ہوئے چادر کو چہرے پر اس طرح لپیٹا کہ صرف ایک آنکھ نظر آرہی تھی۔ (احکام القرآن ۳۷۱/۳)

گویا موصوف نے آیتِ مبارکہ کی تفسیر اس طرح فرمائی کہ عورت پورے بدن کو چہرے سمیت ڈھانک لے اور صرف بقدر ضرورت ایک آنکھ کھولے رکھے؛ تاکہ دیکھ کر چلنے میں دشواری نہ ہو۔

الغرض ''برقعہ'' کا منشا بھی یہی ہے کہ زینت والے رنگ برنگے کپڑوں پر اجنبی مرد کی نظر نہ پڑے، اور یہ کپڑے کسی کے لئے فتنہ کا سبب نہ بن جائیں۔

فیشن اِیبل برقعوں کی وبا

لیکن آج کل مستورات نے برقعوں میں بھی فتنہ کا راستہ ڈھونڈ نکالا ہے، اور اب چمک دمک والے ''کامدار برقعے'' چل پڑے ہیں، جو بڑے قیمتی، جاذبِ نظر اور چست ہوتے ہیں، جن کے پہننے سے برقع کا مقصد ہی فوت ہوجاتا ہے، اور ساتھ میں کہیں کہیں پورا چہرہ یا آدھا چہرہ کھلا نظر آتا ہے۔ اسی طرح بہت سی عورتیں برقع پہننے کے باوجود پیچھے سے سر کے بال برقع کے باہر ڈالے رکھتی ہیں، جو کھلی ہوئی بے حجابی اور بے غیرتی کی بات ہے۔

مشہور مفسر علامہ آلوسی بغدادی رحمۃ اللہ علیہ اپنی معرکۃ الآراء تفسیر ''روح المعانی'' میں لکھتے ہیں:

ثُمَّ اعْلَمْ أَنَّ عِنْدِيْ مِمَّا يَلْحَقُ بِالزِّيْنَةِ الْمَنْهِي عَنْ إِبْدَاءِ هَا، مَا يَلْبَسُهُ أَكْثَرُ مُتْرَفَاتِ النِّسَاءِ فِيْ زَمَانِنَا فَوْقَ ثِيَابِهِنَّ وَيَتَسَتَّرْنَ بِهٖ إِذَا خَرَجْنَ مِنْ بُيُوْتِهِنَّ وَهُوَ غِطَاءٌ مَنْسُوْجٌ مِنْ حَرِيْرٍ ذِيْ عِدَّةِ أَلْوَانٍ، وَفِيْهِ مِنَ النُّقُوْشِ الذَّهَبِيَّةِ أَوِ الْفِضِّيَّةِ مَا يَبْهَرُ الْعُيُوْنَ وَأَرىٰ أَنَّ تَمْكِيْنَ أَزْوَاجِهِنَّ وَنَحْوِهِمْ لَهُنَّ مِنَ الْخُرُوْجِ بِذٰلِكَ وَمَشْيِهِنَّ بِهٖ بَيْنَ الْأَجَانِبِ مِنْ قِلَّةِ الْغَيْرَةِ وَقَدْ عَمَّتِ الْبَلْوىٰ بِذٰلِكَ.

(روح المعانی ۱۸/۱۴۶، خواتین کے بناؤ سنگار کے احکام ۱۵۴)

یہ بات اچھی طرح جان لینی چاہئے کہ میرے خیال میں جس طرح کی زینت کا اظہار شریعت میں منع ہے، اس میں یہ بھی ہے جو ہمارے زمانہ کی مال دار عورتیں اپنے کپڑوں کے اوپر پہنتی ہیں، اور گھر سے باہر نکلتے وقت ان کپڑوں سے پردہ کا کام لیتی ہیں، حالاں کہ وہ رنگ برنگے ریشمی دھاگوں سے بنا ہوا برقع ہوتا ہے، جس میں سونا یا چاندی کی نقش نگاری ہوتی ہے، جسے دیکھ کر آنکھیں خیرہ ہوجاتی ہیں، اور میں سمجھتا ہوں کہ شوہر وغیرہ کا ان عورتوں کو اس انداز میں گھر سے نکلنے اور اجنبی مردوں کے درمیان آنے جانے پر روک ٹوک نہ کرنا بے غیرتی پر مبنی ہے، جس کا چلن آج کل بہت عام ہوگیا ہے۔

اس لئے لازم ہے کہ عورتیں ڈھیلے ڈھالے، سادے اور غیر جاذبِ نظر برقعے ہی پہنا کریں، اور یہ بات اچھی طرح سمجھ لیں کہ برقعے زینت کے اظہار کے لئے نہیں؛ بلکہ زینت کو چھپانے کے لئے ہیں، اگر خود انہی کو مزین کردیا جائے گا تو قرآنی حکم ﴿وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ﴾ (اور نہ ظاہر کریں اپنی زینت) کی کھلی ہوئی خلاف ورزی ہوگی، گھر کے مردوں کو بھی ان باتوں کی نگرانی رکھنی چاہئے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ہر معاملہ میں شرعی حدود کی رعایت رکھنے کی توفیق مرحمت فرمائیں۔

پانچویں فصل:

نکاح؛ پاک دامنی کا سب سے بڑا ذریعہ

دنیا کو آباد رکھنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے مرد وعورت کے درمیان فطری طور پر کشش رکھی ہے، اب اس کشش کے تقاضوں پر مطلقاً بند لگا دینا، جس طرح خلافِ فطرت اور ناقابل عمل ہے، اسی طرح اس عمل کو بے لگام کر دینا بھی سخت فتنہ اور فساد کا سبب ہے؛ لہٰذا معتدل اور قابل عمل راستہ یہی ہے کہ ان فطری تقاضوں کا رخ پاکیزہ راستوں کی طرف موڑ دیا جائے، اور ناپاک ذرائع پر پابندی لگا دی جائے۔ اسی بنا پر اسلام میں خصوصیت کے ساتھ نکاح کی تاکید کی گئی ہے، اور تجربہ سے یہ بات صادق آتی ہے کہ نکاح عفت و پاکیزگی کا سب سے بڑا ذریعہ اور وساوسِ شیطانیہ کو دفع کرنے کا سب سے مؤثر ہتھیار ہے۔ اسی کے ساتھ دنیا کی آبادی اور ''عالمی اَمن'' کی برقراری کا سبب بھی ہے، اِباحیت و رہبانیت کے بجائے نکاح کا حکم دے کر اِسلام نے اپنے دینِ فطرت ہونے کا مکمل ثبوت فراہم کر دیا ہے۔

نکاح کی ترغیبات

قرآنِ کریم کی متعدد آیاتِ مبارکہ سے نکاح کے مطلوب ومرغوب ہونے کا پتہ چلتا ہے۔ چناں چہ فرمایا گیا:

(۱) فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ. (النساء: ۳)

تو نکاح کرلو جو عورتیں تم کو اچھی لگیں دو دو، تین تین، چار چار۔

(۲) وَاَنْكِحُوا الْاَيَامٰى مِنْكُمْ

اور نکاح کردو بیواؤں کا اپنے اندر اور جو نیک

وَالصَّالِحِيْنَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَاِمَآئِكُمْ. (النور: ۳۲) — ہوں تمہارے غلام اور باندیاں۔

(۳) وَاُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ اَنْ تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِكُمْ مُحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسَافِحِيْنَ (النساء: ۲۳) — اور حلال ہیں تم کو سب عورتیں ان کے سوا، بشرطیکہ طلب کرو ان کو اپنے مال کے بدلے قید میں لانے کو، نہ مستی نکالنے کو۔

(٤) وَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ مِنْكُمْ طَوْلاً اَنْ يَّنْكِحَ الْمُحْصَنٰتِ الْمُؤْمِنَاتِ فَمِنْ مَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ مِنْ فَتَيٰتِكُمُ الْمُؤْمِنٰتِ . (النساء: ۲۵) — اور جو کوئی تم میں سے مسلمان بیویوں کو نکاح میں لانے کی استطاعت نہ رکھے، تو نکاح کرلے ان سے، جو تمہارے ہاتھ کے مال ہیں، (باندیاں) جو کہ تمہارے آپس کی مسلمان باندیاں ہیں۔

یہ آیات واضح طور پر دلالت کر رہی ہیں کہ عفت و پاک دامنی حاصل کرنے اور توالدو تناسل کے مقاصد سے نکاح کرنا اللہ تعالیٰ کی نظر میں نہایت مہتم بالشان معاملہ ہے۔ اسی بنا پر قرآنِ کریم میں جابجا اہتمام کے ساتھ معاشرتی مسائل کو ذکر فرمایا گیا ہے۔

اَحادیثِ مبارکہ میں نکاح کی اہمیت

علاوہ ازیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قولی وعملی احادیث بھی نکاح کی اہمیت پر صراحۃً دال ہیں:

(۱) ایک حدیث میں ارشادِ نبوی ہے:

مَنْ تَزَوَّجَ فَقَدْ اسْتَكْمَلَ نِصْفَ الْإِيْمَانِ فَلْيَتَّقِ اللّٰهَ فِي النِّصْفِ الْبَاقِيْ. (مشكوٰة شريف ۲۶۸/۲، المعجم الاوسط للطبراني ۳۷۲/۵، حاشية الفتاوىٰ التاتارخانية ٤/٤) — جب کسی شخص نے نکاح کرلیا تو اس نے اپنا آدھا دین مکمل کرلیا، اب وہ (آگے) آدھے باقی ماندہ دین میں اپنے پروردگار سے ڈرتا رہے۔

نکاح کو نصف دین قرار دینے کی وجہ یہ ہے کہ گناہوں کا زیادہ تر صدور انسان کے منہ اور شرم گاہ سے ہوتا ہے، اگر وہ نکاح کر کے شرم گاہ کو گناہوں سے بچالے، تو گویا اس نے معاصی کے آدھے راستے کو بند کر دیا اور دینی خرابی سے بچالیا۔

(۲) نیز ارشاد نبوی ﷺ ہے:

يَا مَعْشَرَ الشَّبَابِ مَنِ اسْتَطَاعَ مِنْكُمُ الْبَاءَةَ فَلْيَتَزَوَّجْ فَإِنَّهُ أَغَضُّ لِلْبَصَرِ وَأَحْصَنُ لِلْفَرَجِ الخ. (رواه البخاري ٧٥٨/٢ رقم: ٥٠٦٥، مشكوة شريف ٢٦٧/٢)

اے نوجوانوں کی جماعت! جو تم میں سے قدرت رکھتا ہو، اسے چاہئے کہ وہ نکاح کرلے؛ اس لئے کہ وہ نگاہ کو بہت زیادہ نیچا رکھنے اور شرم گاہ کی بہت زیادہ حفاظت کا ذریعہ ہے۔

یعنی یہ نکاح عفت وعصمت کی حفاظت کا سب سے مامون ومحفوظ راستہ ہے، ہر صاحبِ قدرت مسلمان کو اس پر عمل کرنا چاہئے۔

(۳) ایک حدیث میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تین شخصوں کی مدد کرنا اللہ تعالیٰ نے خود اپنے ذمہ میں لازم کر رکھا ہے:

(١) اَلْمُجَاهِدُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ (٢) وَالْمُكَاتَبُ الَّذِيْ يُرِيْدُ الْأَدَاءَ (٣) وَالنَّاكِحُ الَّذِيْ يُرِيْدُ الْعَفَافَ. (رواه الترمذی ٢٩٥/١ رقم: ١٦٥٥، الترغيب والترهيب مكمل ٤٣٢ رقم: ٢٩٨٣، المستدرك للحاكم ١٦٠/١، ابن حبان في صحيحه رقم: ٤٠١٩)

(۱) اللہ کے راستہ میں جہاد کرنے والا (۲) وہ غلام جو اپنی آزادی کے لئے قیمت ادا کرنا چاہتا ہو (۳) وہ نکاح کرنے والا جو پاک دامنی چاہتا ہو۔

اس حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ عفت وعصمت کے تحفظ کے لئے جو شخص نکاح کا ارادہ کرے گا، اللہ کی مدد اس کے شامل حال ہوگی، انشاء اللہ تعالیٰ۔

(۴) اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض صحابہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے ’’ترکِ لذات‘‘

کے ارادہ کا علم ہونے پر ارشاد فرمایا:

أَمَا وَاللّٰهِ إِنِّي أَخْشَاكُمْ لِلّٰهِ وَأَتْقَاكُمْ لَهُ لٰكِنِّي أَصُومُ وَأُفْطِرُ وَأُصَلِّي وَأَرْقُدُ وَأَتَزَوَّجُ النِّسَاءَ، فَمَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِي فَلَيْسَ مِنِّي. (بخاری شریف ۷۵۷/۲ رقم: ۵۰۶۳، مصنف عبد الرزاق ۱٦۷/٦ رقم: ۱۰۳۷٤)

خبردار ہوجاؤ! قسم بخدا! میں تم میں سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا اور تم میں سب سے بڑا متقی ہوں؛ لیکن میں روزہ رکھتا ہوں اور بلا روزہ بھی رہتا ہوں، اور رات میں نماز بھی پڑھتا ہوں اور آرام بھی کرتا ہوں، اور عورتوں سے نکاح بھی کرتا ہوں، پس جو شخص میری سنت اور طریقہ سے اعراض کرے، وہ مجھ میں سے نہیں ہے۔

اس حدیث سے پتہ چلا کہ نکاح سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہونے کی بنا پر ایک اہم عبادت بھی ہے۔

(۵) اور ایک موقع پر نکاح کی ترغیب دیتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ خطاب فرمایا:

تَزَوَّجُوا الْوَدُودَ الْوَلُودَ فَإِنِّي مُكَاثِرٌ بِكُمُ الْأُمَمَ. (أبوداؤد شریف ۲۸۰/۱ رقم: ۲۰۵۰، الترغیب والترهیب مکمل ٤۳۳ رقم: ۲۹۹۰)

ٹوٹ کر محبت کرنے والی اور زیادہ بچے جننے والی عورت سے نکاح کرو؛ کیونکہ میں تمہارے ذریعہ سے قیامت کے دن (دیگر امتوں پر) کثرت کرنے والا ہوں گا۔

معلوم ہوا کہ نکاح کے اہم ترین مقاصد دو ہیں: اول زوجین میں محبت کی فراوانی، جو خاندانوں میں جوڑ کا بڑا سبب ہے۔ اور دوم طلبِ اولاد، جس پر دنیا کی آبادی کا مدار ہے؛ لہٰذا نکاح کو محض شہوت رانی اور موج مستی کا ذریعہ نہیں بنانا چاہئے۔

(٦) نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

مَنْ أَرَادَ أَنْ يَّلْقَى اللّٰهَ طَاهِراً مُطَهَّراً فَلْيَتَزَوَّجِ الْحَرَائِرَ. (ابن ماجة ۱۳٤ رقم: ۱۸٦۲)

جو شخص چاہتا ہے ہو کہ اللہ تعالیٰ کے دربار میں پاک اور پاکیزہ ہونے کی حالت میں حاضر ہو، تو اسے چاہئے کہ آزاد عورتوں سے نکاح کرے۔

(۷) نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

مَنْ كَانَ مُوْسِراً لِأَنْ يَّنْكِحَ ثُمَّ لَمْ يَنْكِحْ فَلَيْسَ مِنِّيْ. (رواه البيهقي في شعب الإيمان ٤/٣٨٢ رقم: ٥٤٨١، والطبراني باسناد حسن، الترغيب والترهيب مكمل ٤٣٢ رقم: ٢٩٨٤)

جو شخص نکاح کرنے کی مالی وسعت رکھنے کے باوجود نکاح نہ کرے اس کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں۔

ان روایتوں سے اسلام کی نظر میں نکاح کی اہمیت کا اندازہ بآسانی لگایا جا سکتا ہے۔ فقہ حنفی کی ایک اہم کتاب درمختار میں لکھا ہے کہ: ''صرف دو عبادتیں ایسی ہیں جو حضرت آدم علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ سے لے کر قیامت تک یکساں طور پر مشروع ہیں، ان میں ایک ایمان ہے، دوسرے نکاح۔ اور یہ دونوں عبادتیں جنت میں بھی جاری رہیں گی''۔ (درمختار مع الشامی ۳/۱)

نکاح؛ سب سے لمبی عبادت

نکاح کا شمار حضرات انبیاء علیہم السلام کی خاص سنتوں میں ہوتا ہے۔ (زادالمعاد ج۴/ ۲۵۲)

بعض بزرگوں کے افادات میں احقر نے پڑھا کہ دنیا میں سب سے لمبی عبادت ''نکاح'' ہے؛ اس لئے کہ نماز، روزہ اور حج وغیرہ سب کے اوقات منٹوں، گھنٹوں اور دنوں میں محدود ہیں؛ لیکن نکاح اگر عبادت اور سنت کی نیت سے کیا جائے، تو اس کا سلسلہ سالوں تک بلا توقف جاری رہتا ہے۔ مثلاً ۲۰ ر سال کی عمر میں نکاح ہوا، اور ۸۰ ر سال کی عمر پائی، تو مسلسل ۶۰ ر سال لگا تار آدمی نکاح کی عبادت میں مشغول قرار پائے گا؛ اس لئے ہمیشہ نکاح کو ایک اہم ترین عبادت سمجھ کر ہی انجام دینا چاہئے، اور اسے محض دنیا داری کی رسم نہ سمجھنا چاہئے۔

نکاح سلفِ صالحین کی نظر میں

حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم، تابعین اور سلف صالحین نے بھی نکاح کا نہ صرف معمول رکھا؛ بلکہ اس کی برابر رغبت دلاتے رہے۔ احیاء العلوم میں حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے نقل فرمایا ہے کہ:

(۱) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے تھے: ’’نکاح سے مانع صرف دو چیزیں ہیں: ایک عاجزی، دوسرے فسق و فجور‘‘۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ۳/۴۴۰)

(۲) حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا مقولہ ہے کہ: ’’حاجی کا حج اس وقت تک کامل مکمل نہ ہوگا جب تک کہ وہ شادی نہ کرلے‘‘۔ یعنی شادی شدہ شخص کے مقابلہ میں غیر شادی شدہ شخص عموماً فراغتِ قلب کے ساتھ ارکان ادا نہیں کرپاتا۔

(۳) حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ: ’’اگر میری عمر کے کل دس دن ہی رہ جائیں، تو بھی میری خواہش ہوگی کہ میں نکاح کرلوں؛ تاکہ اللہ تعالیٰ کے سامنے ’’بلا زوجہ‘‘ والا ہونے کی حالت میں پیش نہ ہوں‘‘۔ (مثلہ فی مجمع الزوائد ۴/۲۵۱)

(۴) حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کی دو بیویاں طاعون کی وبا میں انتقال فرماگئیں، آپ خود بھی طاعون میں مبتلا تھے، مگر پھر بھی آپ نے لوگوں سے کہا کہ: ’’میری شادی کرادو؛ کیوں کہ مجھے یہ بات ناپسند ہے کہ میں اللہ تعالیٰ سے ’’بے بیوی والا‘‘ ہونے کی صورت میں ملاقات کروں‘‘۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ۳/۴۳۹)

(۵) حضرت عمر رضی اللہ عنہ بہت نکاح کرنے والے تھے اور فرماتے تھے کہ: ’’میں صرف اولاد طلب کرنے کے لئے نکاح کرتا ہوں‘‘۔

(۶) پچھلی اُمتوں میں ایک عابد کثرتِ عبادت کی وجہ سے اہلِ زمانہ پر فائق ہوگیا، اس کا ذکر جب اس زمانہ کے نبی کے سامنے ہوا، تو انہوں نے فرمایا کہ: ’’وہ اچھا آدمی ہے بشرطیکہ وہ ایک سنت کو نہ چھوڑے‘‘۔ جب نبی کا یہ قول اس عابد کو معلوم ہوا، تو وہ بہت مغموم ہوا، اور اس نے آکر نبی علیہ السلام سے اس بارے میں دریافت کیا، تو انہوں نے جواب دیا کہ: ’’تم نے نکاح کی سنت چھوڑ رکھی ہے‘‘۔ تو عابد نے جواب دیا کہ میں اسے حرام نہیں سمجھتا، مگر بات یہ ہے کہ میں فقیر ہوں اور لوگوں پر بوجھ ہوں (اس لئے نکاح نہیں کرتا) اس پر نبی وقت نے کہا کہ میں اپنی بیٹی تمہارے نکاح میں دیتا ہوں، اور اس کا نکاح اپنی بیٹی سے کردیا۔

(۷) بشر بن الحارث کہتے ہیں کہ: ''احمد بن حنبل مجھ پر تین وجوہات سے بڑھے ہوئے ہیں: ایک تو وہ خود اپنے لئے اور ساتھ میں غیروں (اہل وعیال) کے لئے کماتے ہیں، اور میں صرف اپنے لئے ہی کماتا ہوں۔ دوسرے وہ نکاح کرنے میں بڑے وسیع الظرف واقع ہوئے ہیں، اور میں اس معاملہ میں تنگ ہوں۔ تیسرے یہ کہ وہ امام کے درجہ پر فائز کئے گئے ہیں''۔

(۸) منقول ہے کہ حضرت امام احمد بن حنبلؒ نے اپنے صاحب زادے عبداللہ کی والدہ کی وفات کے اگلے ہی دن دوسرا نکاح کرلیا اور فرمایا کہ: ''میں بے بیوی والا بن کر رات گزارنا پسند نہیں کرتا''۔

(۹) بشر بن الحارث کا جب انتقال ہوا، تو بعض لوگوں نے انہیں خواب میں دیکھا اور حالات پوچھے، انہوں نے جواب دیا کہ: ''اللہ تعالیٰ نے جنت میں میرے اتنے درجے بلند فرمائے کہ میں حضرات انبیاء علیہم السلام کے مقامات دیکھ سکتا ہوں؛ تاہم میں اہل وعیال والے خوش نصیبوں کے درجہ تک نہ پہنچ سکا''۔

(۱۰) انہی بشر بن الحارث سے خواب میں پوچھا گیا کہ حضرت ابو نصر تمارؒ کے ساتھ کیا معاملہ ہوا؟ بشر نے کہا کہ انھیں مجھ سے ستر درجہ اوپر رکھا گیا ہے۔ لوگوں نے کہا کہ دنیا میں تو ہم انھیں آپ سے اونچا نہ سمجھتے تھے، تو بشر نے جواب دیا کہ یہ درجہ انہیں اپنے بچوں اور اہل وعیال کی تکلیفوں پر صبر کی وجہ سے حاصل ہوا ہے۔

(۱۱) بعض لوگوں کا مقولہ ہے کہ شادی شدہ آدمی سے غیر شادی شدہ شخص ایسے ہی افضل ہے، جیسے بیٹھے رہنے والے کے مقابلہ میں جہاد کرنے والا افضل ہوتا ہے۔ اور شادی شدہ شخص کی ایک رکعت غیر شادی شدہ کی ستر رکعت نماز سے افضل ہے۔ (احیاء العلوم ۲/۱۱-۲۱)

بات اصل میں یہ ہے کہ ہمارا دین ہمیں رہبانیت کی تعلیم نہیں دیتا کہ آدمی الگ تھلگ رہ کر تجرد کی زندگی گذارے یا پہاڑوں اور غاروں میں رہنے لگے؛ بلکہ فضیلت کا مستحق اسلام کی نظر میں وہ شخص ہے جو سنتوں پر عامل ہو، لوگوں سے مل جل کر رہے، اور اہل خانہ اور رشتہ داروں کے حقوق

ادا کرے۔ اور ظاہر ہے کہ ان حقوق کی ادائیگی میں آدمی کو جن مراحل سے گذرنا پڑتا ہے، ان کو حسن وخوبی سے برداشت کرنا آدمی کے درجات میں ترقی کا سبب بن جاتا ہے، یہ درجات دوسرے لوگوں کو حاصل ہونے مشکل ہوتے ہیں۔

نکاح کے درجے

حالات اور ضروریات کے لحاظ سے حضرات فقہاء کرام نے نکاح کے مختلف مراتب اور درجے مقرر فرمائے ہیں۔ جن کی تفصیل حسبِ ذیل ہے:

(۱) اگر شوہر بیوی کے حقوق کی ادائیگی پر قادر ہو، یعنی مہر ونفقہ کا انتظام کرسکتا ہو اور اسے یقین ہو کہ اگر وہ نکاح نہ کرے گا، تو مبتلائے معصیت ہوجائے گا، تو ایسے شخص پر نکاح کرنا فرض ہے۔

(۲) اگر وہ حقوق ادا کرسکتا ہو اور نکاح نہ کرنے کی صورت میں ابتلائے معصیت کا اندیشہ ہو، نیز اس کے شہوانی جذبات برانگیختہ ہوں، تو ایسے آدمی پر نکاح کرنا واجب ہے۔

(۳) اگر اعتدال کی حالت ہو، یعنی نہ تو جذبات میں تلاطم ہو اور نہ بالکل سردمہری ہو، اور ساتھ میں حقوق زوجہ کی ادائیگی پر قدرت ہو، تو ایسی حالت میں نکاح کرنا سنتِ مؤکدہ ہے۔ پاک دامنی اور توالد وتناسل کی نیت سے ناکح کو ثواب ملے گا اور تارک گنہ گار ہوگا۔

(۴) اور ایسے وقت نکاح کرنا مکروہ تحریمی ہے جب کہ اسے عورت کے حقوق میں کوتاہی کرنے کا اندیشہ ہو۔

(۵) اور اگر عورت پر ظلم وناانصافی کا یقین ہو (اپنی مجبوری اور تنگی کی بناپر) تو اس وقت نکاح کرنا قطعاً جائز نہیں؛ بلکہ حرام ہے؛ اس لئے کہ یہ حق تلفی کا باعث ہے۔ (درمختار مع الشامی کراچی ۳/۶-۷)

اور حنفیہ کے نزدیک نکاح میں اشتغال نوافل سے بڑھ کر ہے۔ علامہ کاسانی رحمۃ اللہ علیہ نے ''بدائع الصنائع'' میں اور علامہ ابن نجیم رحمۃ اللہ علیہ نے ''البحر الرائق'' میں اسے مدلل طور پر ذکر فرمایا ہے۔ (البحر الرائق ۳/۸۰)

واضح رہے کہ یہ ساری ترغیبات اس شرط کے ساتھ مشروط ہیں کہ نکاح کرنے والا جسمانی

و مادی ہر اعتبار سے حقوقِ زوجیت ادا کرنے پر قادر ہو، ورنہ اگر مطلقاً اس کی اجازت دی جائے گی، تو عورتوں پر ظلم وستم کا دروازہ کھل جائے گا۔ اسی بنا پر قرآنِ کریم میں ایسے عاجزوں کو عفت کے ساتھ زندگی گزارنے کا حکم دیا گیا ہے۔ سورۂ نور میں ارشاد فرمایا گیا ہے:

وَلْيَسْتَعْفِفِ الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ نِكَاحاً حَتّٰى يُغْنِيَهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ. (النور: ٣٣)	ایسے لوگوں کو کہ جن کو نکاح کا مقدور نہیں ان کو چاہئے کہ اپنے نفس کو قابو میں رکھیں یہاں تک کہ اللہ ان کو اپنے فضل سے غنی کردے۔

اور استطاعت نہ ہونے پر پاک دامن رہنے کی تدبیر پیغمبر علیہ السلام نے یہ بیان فرمائی کہ آدمی لگاتار روزے رکھے، اس سے شہوت کا زور ٹوٹ جائے گا۔ (بخاری شریف ۲/۷۵۸) اور جذبات پرسکون ہوجائیں گے۔

❍❖❍

چھٹی فصل:

نکاح کرتے وقت کن باتوں کا خیال رہے؟

شریعت کی نظر میں نکاح زندگی کی رفاقت کا ایک پختہ عہد ہے، جو اسی وقت کامیابی کے ساتھ انجام پاسکتا ہے جب کہ دونوں عہد کرنے والے فریقوں (زن وشوہر) کے درمیان انس ومحبت پیدا کرنے کے اسباب کامل طور پر پائے جائیں، اور دونوں ایک دوسرے کے حقوق کا پورا پورا خیال رکھیں۔ چناں چہ شریعت نے اس مقصد کے حصول کے لئے بھی بہت واضح ہدایتیں دی ہیں۔

دین داری

اس سلسلہ میں ایک اہم ہدایت یہ ہے کہ نکاح کرتے وقت دونوں جانب دین داری کا لحاظ رکھا جائے؛ اس لئے کہ دین ہی ایسی چیز ہے جو انسان کو حقوق کی ادائیگی پر پوری طرح آمادہ کرسکتی ہے۔ دنیا میں سب سے زیادہ قابل مشورہ معاملہ ''رشتہ ناطہ'' کا ہوتا ہے، جس میں لوگ کافی تحقیق وجستجو کے بعد ہی کوئی فیصلہ کرتے ہیں، تو اس اہم ترین معاملہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قیامت تک آنے والی پوری امت کو یہ خیر خواہانہ مشورہ دیا کہ رشتہ ناطہ میں جانبین میں دین داری کو ضرور ملحوظ رکھا جائے۔

چناں چہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

تُنْكَحُ الْمَرْأَةُ لِأَرْبَعٍ لِمَالِهَا وَلِحَسَبِهَا وَلِجَمَالِهَا وَلِدِيْنِهَا فَاظْفَرْ بِذَاتِ الدِّيْنِ. (رواه البخاري ٧٦٢/٢ رقم: ٤٨٩٩، مسلم ٤٧٣/١ رقم: ١٤٠٠، ابوداؤد ٢٨٠/١ رقم: ٢٠٤٨، ابن ماجه ٢٣٣ رقم: ١٨٤٥، مشكوة ٢٦٧/٢)

عورت سے چار وجہوں سے نکاح کیا جاتا ہے: اس کے مال، حسب ونسب، حسن وجمال اور دین داری کی وجہ سے، مگر تم دین داری والے رشتہ کو لپک لو۔

نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اَلدُّنْيَا مَتَاعٌ وَخَيْرُ مَتَاعِهَا الْمَرْأَةُ الصَّالِحَةُ. (مسلم ٤٧٥/١ رقم: ١٤٦٧، نسائي ٦٠/٢ رقم: ٣٢٣٤، مسند أحمد ١٦٨/٢ رقم: ٦٥٦٧، صحيح ابن حبان ٢٩٧/٤ رقم: ٤٠٣٤، مشكوة ٢٦٧/٢)

دنیا سب کی سب تھوڑے عرصہ کا سامان ہے، اور دنیا کا بہترین سامان نیک (دین دار) بیوی ہے۔

اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

مَا اسْتَفَادَ الْمُؤْمِنُ بَعْدَ تَقْوَى اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ خَيْراً لَهُ مِنْ زَوْجَةٍ صَالِحَةٍ إِنْ أَمَرَهَا أَطَاعَتْهُ وَإِنْ نَظَرَ إِلَيْهَا سَرَّتْهُ وَإِنْ أَقْسَمَ عَلَيْهَا أَبَرَّتْهُ وَإِنْ غَابَ عَنْهَا نَصَحَتْهُ فِي نَفْسِهَا وَمَالِهِ. (رواه ابن ماجة ١٣٣ رقم: ١٨٥٧، المعجم الكبير للطبراني ٢٢٢/٨ رقم: ٧٨٨١، مشكوة ٢٦٨/٢)

مؤمن نے تقویٰ کے بعد کوئی بھلائی نیک بیوی سے بڑھ کر حاصل نہیں کی، جس کی صفت یہ ہے کہ وہ اسے کوئی حکم دے، تو اس کی اطاعت کرے۔ جب وہ اس کی طرف دیکھے، تو اسے خوش کردے۔ جب اس پر کوئی قسم کھائے، تو اسے پورا کردے۔ اور اگر اس سے غائب ہو، تو اپنی ذات اور اس کے مال میں خیانت نہ کرے۔

نیز نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:

مَنْ رَزَقَهُ اللّٰهُ إِمْرَأَةً صَالِحَةً فَقَدْ أَعَانَهُ عَلٰى شَطْرِ دِيْنِهِ فَلْيَتَّقِ اللّٰهَ فِيْ الشَّطْرِ الْبَاقِيْ. (رواه الطبراني والحاكم ١٦١/٢، الترغيب والترهيب مكمل ٤٣٢ رقم: ٢٩٨٢)

جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے نیک بیوی عطا فرمائی، تو اس کو آدھے دین پر کاربند رہنے میں اس کی اعانت فرمادی؛ لہٰذا بقیہ آدھے کے بارے میں وہ اللہ سے ڈرتا رہے۔

اسی طرح لڑکوں میں بھی اسی صفت کو اولین اہمیت دی جائے، محض حسب ونسب اور مال ودولت کو نہ دیکھا جائے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

إِذَا خَطَبَ إِلَيْكُمْ مَنْ تَرْضَوْنَ دِيْنَهُ وَخُلُقَهُ فَزَوِّجُوْهُ، إِلَّا تَفْعَلُوْهُ تَكُنْ فِتْنَةٌ فِيْ الْأَرْضِ وَفَسَادٌ عَرِيْضٌ. (رواه الترمذي ٢٠٧/١، مشكوٰة شريف ٢٦٧/٢)

اگر تمہارے پاس ایسا شخص رشتہ لے کر آئے، جس کی دین داری اور اخلاق تم کو پسند ہو تو (اپنی لڑکی وغیرہ) اس سے بیاہ دو، اگر ایسا نہ کروگے تو زمین میں فتنہ اور بڑا فساد پیدا ہو جائے گا۔

اور قرآنِ کریم میں اللہ تعالیٰ نے اپنے خاص منظورِ نظر بندوں کی صفات بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ وہ اس طرح دعا کرتے ہیں:

رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ أَزْوَاجِنَا وَذُرِّيَّتِنَا قُرَّةَ أَعْيُنٍ وَاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ إِمَاماً. (الفرقان: ٧٤)

اے ہمارے رب! ہمیں ایسے جوڑے اور ایسی اولادیں عطا فرمائیے جو ہماری آنکھوں کی ٹھنڈک ہوں اور ہمیں تقویٰ والوں کا امام بنادیجئے۔

ظاہر ہے کہ یہ دعا عالمِ اسباب میں بغیر دین داری والے ماحول کے پوری نہیں ہوسکتی۔ بریں بنا خوش گوار ازدواجی زندگی گزارنے اور اپنی نسل میں دینی جذبات برقرار رکھنے کے لئے گھروں میں دینی ماحول پیدا کرنے کا خاص خیال رکھا جائے۔ محض مال ودولت یا حسن وجمال کوئی چیز نہیں، یہ وقت کے ساتھ ساتھ ڈھل جانے والی چیزیں ہیں، جب کہ دین داری وہ صفت ہے جو دنیا وآخرت میں عزت وعافیت کا سبب ہے، اور اس کے بغیر حقیقی سکون حاصل ہونا متصور نہیں ہے۔

تاہم اگر دین داری کے ساتھ حسن وجمال وغیرہ بھی مل جائے تو شرعاً اس میں کوئی حرج نہیں؛ بلکہ بعض وجوہات سے اس میں بھی مصلحت ہوتی ہے، جیسا کہ روایت میں ہے کہ صحابیِ رسول حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک عورت کو نکاح کا پیغام دیا، تو پیغمبر علیہ السلام نے ان سے پوچھا کہ: ''کیا تم نے اس عورت کو دیکھا ہے''؟ حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ: ''دیکھا تو نہیں''، تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اپنی مخطوبہ کو دیکھنے کا حکم دیا، اور فرمایا کہ اس عمل کی وجہ سے تمہارے درمیان محبت کے جذبات میں اضافہ ہوگا''۔ (مشکوۃ شریف ۲۶۹/۲)

لیکن یہ واضح رہے کہ اس کو دیکھنا اس انداز سے نہ ہونا چاہئے کہ لڑکی کے گھر والوں کی ناگواری کا سبب ہو؛ بلکہ کسی بہانہ سے اس پر نظر ڈال لینا مناسب ہے اور اس دور میں بہتر ہے کہ گھر کی عورتوں کو اسے دیکھنے کے لئے بھیجے؛ تاکہ مقصد احسن طریقہ پر حاصل ہو۔

کفائت (برابری) کا خیال

حسنِ معاشرت کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ زوجین میں رتبہ اورعزت وغیرہ میں یکسانیت پائی جائے۔ عموماً یہ دیکھا جاتا ہے کہ اگر زوجین ہم رتبہ یا ماحول کے اعتبار سے ہم آہنگ نہیں ہیں، تو ان میں انس ومحبت کا فقدان پایا جاتا ہے، اسی وجہ سے شریعت نے ''کفائت'' کا لحاظ کرنے کا حکم دیا ہے، علاوہ ازیں یہ حکم اولاد میں خاندانی خصوصیات اور اخلاق وشمائل برقرار رکھنے کا ذریعہ بھی ہے۔

آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

تَخَيَّرُوْا لِنُطَفِكُمْ لَا تَضَعُوْهَا إِلَّا فِي الْأَكْفَاءِ. (سنن الدارقطني ٢٠٧/٢ رقم: ٣٧٤٦، السنن الكبرى ١٣٣/٧، قديم ٢١٥/٧، جديد رقم: ١٣٧٥٨)

کفو میں شادی بیاہ کرو اور اپنے نطفوں کو انہیں میں رکھو۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''میں حسب نسب والی عورتوں کو صرف ان کے ہم مثلوں میں شادی کرنے کا حکم دوں گا اور اس کے خلاف سے روکوں گا''۔ (دارقطنی ۲۰۶/۲ حدیث: ۳۷۴۳) اس لئے کہ ایسی عورتوں کا دوسری جگہوں پر نبھاؤ مشکل ہوگا۔

حضرت امام ابوحنیفہؒ سے منقول ہے کہ: ''کفو دین داری، عزت ومنصب اور مال میں دیکھا جائے، سفیان ثوریؒ اور ابن ابی لیلیٰؒ بھی اس قسم کے الفاظ ارشاد فرماتے تھے۔ (دارقطنی ۲۰۷/۲ حدیث: ۳۷۴۹) اور کتبِ فقہ میں صراحت کی گئی ہے کہ کفائت میں چھ اسباب ووجوہات پیش نظر رکھی جائیں گی۔

(۱) اسلام (۲) آزادی (۳) دین داری (۴) حسب ونسب (۵) صنعت وحرفت (۶) مال ودولت۔ (درمختار ۴/ ۲۰۴-۲۱۷ زکریا)

لیکن یہ واضح رہے کہ شریعت میں کفاءت ایک انتظامی حکم ہے، اس کا اصل مقصد اور منشاء

زوجین میں ہم آہنگی کے مواقع فراہم کرنا ہے، اس میں ضرورت سے زیادہ شدت اور تعصب جیسا کہ آج کل رواج ہوگیا ہے وہ بے اصل ہے، اس سے اجتناب کرنا چاہئے۔ خاص کر مسلمان برادریوں کے درمیان تحقیر وتنقیص کا سلسلہ بالکل بند ہونا چاہئے۔

جبریہ شادی کی ممانعت

ایک اہم ہدایت یہ ہے کہ زوجین کی رضامندی اور طبعی رجحان کے مطابق ہی شادی کی جائے، زبردستی ان پر شادی کا فیصلہ نہ تھوپا جائے، جہاں اس امر کا خیال نہیں رکھا جاتا وہاں جلد ہی جدائی اور افتراق کی نوبت آجاتی ہے۔

اسی لئے شریعت میں بالغ ہوجانے کے بعد لڑکے اور لڑکی سے نکاح کی اجازت لینا ضروری قرار دیا گیا ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اَلأَیِّمُ أَحَقُّ بِنَفْسِهَا مِنْ وَلِیِّهَا، وَالْبِكْرُ تُسْتَأْذَنُ فِي نَفْسِهَا وَإِذْنُهَا صُمَاتُهَا. (مسلم ۴۵۵/۱ رقم: ۱۴۲۱، أبوداؤد ۲۸۶/۱ رقم: ۲۰۹۸، ترمذي ۲۱۰/۱ رقم: ۱۱۰۸، مشکوٰۃ شریف ۲۷۰/۲)	بے شوہر والی عورت (مطلقہ یا بیوہ) اپنے ولی (باپ دادا وغیرہ) کے بنسبت خود اپنے بارے میں فیصلہ کرنے کی زیادہ حق دار ہے، اور باکرہ (کنواری عورت) سے بھی اجازت لی جائے گی اور اس کی خاموشی اجازت ہوگی۔

اس حدیث سے صاف معلوم ہوا کہ باپ دادا وغیرہ اولیاء کو زبردستی بالغہ عورت کی شادی کی اجازت نہیں ہے؛ بلکہ اس کی مرضی کو پیش نظر رکھنا ضروری ہے، بریں بنا بطور مشورہ عرض ہے کہ آج کل کے ماحول میں اگر والدین کو اندازہ ہوجائے کہ لڑکا لڑکی کے درمیان نکاح کا رجحان پایا جاتا ہے، اور وہ رشتہ کسی درجہ میں بھی قابلِ قبول ہو تو پھر والدین کو انکار پر ضد نہیں کرنی چاہئے؛ بلکہ لڑکے لڑکی کی رائے کو قبول کرلینا چاہئے، ورنہ بڑے فتنے پیدا ہونے کا اندیشہ رہتا ہے۔

اسی طرح زوجین کی عمروں کا بھی لحاظ رکھا جائے، بعض والدین اپنے ذاتی مفادات یا کسی خاندانی مصلحت سے عمر کے کافی فرق کے ساتھ نکاح کردیتے ہیں، یہ بات قطعاً مناسب نہیں ہے۔

نیز اس دور میں بالخصوص نابالغی کی حالت میں نکاح نہ کیا جائے؛ کیوں کہ اس سے بھی بہت سے مفاسد پیدا ہو جاتے ہیں۔ (اصلاح انقلابِ امت ۲/۴۳)

آج بھی بعض علاقوں میں نابالغی کی شادی کو ایک خاندانی فیشن سمجھا جاتا ہے؛ بلکہ نابالغوں کی اجتماعی شادیوں کی بڑی بڑی تقریبات منعقد ہوتی ہیں، تو یہ سب چیزیں مفاسد کی وجہ سے قابل ترک ہیں، ان کی حوصلہ افزائی نہیں ہونی چاہئے۔

اسی طرح بہتر ہے کہ ایسی عورت سے نکاح کیا جائے جس کے نازنخرے اور مطالبات کم سے کم ہوں اور وہ اچھے اخلاق اور بہتر آداب کی حامل ہو۔ یہ صفات عموماً کنواری لڑکیوں میں زیادہ پائی جاتی ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ:

عَلَيْكُمْ بِالْأَبْكَارِ فَإِنَّهُنَّ أَعْذَبُ أَفْوَاهاً وَأَنْتَقُ أَرْحَاماً وَأَرْضٰى بِالْيَسِيْرِ. (رواه ابن ماجة مرسلاً ١٣٤، مشكوٰة شريف ٢/٢٦٨)

کنواری عورتوں سے نکاح کرو اس لئے کہ وہ میٹھے منہ والی، صاف رحم والی اور کم مال پر بھی راضی ہونے والی ہیں۔

لیکن اگر ضرورت ہو تو مطلقہ اور بیوہ عورتوں سے بھی شادی کر لینی چاہئے بلکہ بعض اوقات ان سے نکاح کرنا زیادہ باعث اجر وثواب ہوتا ہے۔

اَولیاء اور والدین کا فرض

نکاح کے متعلق لڑکوں، لڑکیوں کے والدین اور ان کے اولیاء پر بڑی اہم ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں، جن سے عہدہ برآ ہونا ان پر ضروری ہے۔ مثلاً ان پر ضروری ہے کہ بلوغ کے بعد ہی سے وہ لڑکے اور لڑکی کے نکاح کی فکر شروع کر دیں۔ اور جیسے ہی کسی درجہ میں مناسب رشتہ مل جائے نکاح میں دیر نہ کریں۔ حدیث میں آتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

مَنْ وُلِدَ لَهٗ وَلَدٌ فَلْيُحْسِنْ إِسْمَهٗ وَأَدَبَهٗ، فَإِذَا بَلَغَ فَلْيُزَوِّجْهُ فَإِنْ بَلَغَ

جس شخص کے اولاد ہو وہ اس کا اچھا نام رکھے اور اسے ادب سکھائے، پھر جب وہ بالغ ہو جائے تو

وَلَمْ يُزَوِّجْهُ فَأَصَابَ إِثْماً فَإِنَّمَا إِثْمُهُ عَلَىٰ أَبِيهِ. (رواه البيهقي في شعب الإيمان ٦/ ٤٠١ رقم: ٨٦٦٦، مشكوٰة شريف ٢/ ٢٧١)

اس کا نکاح کردے اگر وہ بالغ ہونے کے بعد نکاح نہ کرے گا اور اولاد کسی گناہ (زنا) میں مبتلا ہوگی تو اس کا گناہ اس کے باپ پر بھی ہوگا۔

واقعہ یہ ہے کہ بالغ ہوجانے کے بعد بلا کسی عذر اور سبب کے کنوارے لڑکے اور لڑکیوں کو نکاح سے باز رکھے رہنا معاشرہ میں خرابیاں پیدا ہونے کا ایک بڑا سبب ہے۔ بعض جگہ تو یہ دیکھا گیا ہے کہ جب تک ۳۰ اور ۴۰ ؍سال تک عمر نہ ہوجائے شادی ہی نہیں کی جاتی اور اس سے کم عمر میں نکاح کو معیوب سمجھا جاتا ہے یہ نہایت جہالت وحماقت کی بات ہے۔ اور ایک طرح کا ظلم ہے جس سے بچنا چاہئے۔ ایک حدیث میں ارشاد نبوی ﷺ ہے کہ: ’’وہ عورت محتاج ہے، محتاج ہے، جس کا شوہر نہ ہو، لوگوں نے پوچھا کہ اگرچہ اس کے پاس مال ہو، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں! اگرچہ اس کے پاس مال ہو‘‘۔ (جمع الفوائد بحوالہ اِصلاح انقلابِ امت ۲/ ۲۹) کیوں کہ محض مال سے نکاح کی فطری ضرورت پوری نہیں ہوسکتی۔

نکاح مطلقہ و بیوگان

دوسری بڑی کوتاہی جو ہمارے معاشرہ میں رائج ہے اور جس سے بہت زیادہ اولیاء وذمہ داران اعراض کرتے ہیں وہ بیوگان اور مطلقہ عورتوں کا دوسرا نکاح نہ کرنا ہے۔ حالاں کہ قرآن کریم میں ہدایت فرمائی گئی ہے کہ: ’’مطلقہ عورتیں اگر نکاح کرنا چاہیں تو انہیں اس عمل سے نہ روکو‘‘۔ (سورہ بقرہ ۲۳۲)

بعض گھروں میں یہ دیکھا گیا کہ کسی لڑکی کو طلاق ہوئی یا وہ بیوہ ہوکر میکہ آگئی اور گھر کے کام کاج میں ہاتھ بٹانے لگی، تو والدین یا بھائی وغیرہ یہ سوچ کر کہ اگر اس کا نکاح ثانی ہوگیا تو ہماری خدمت اور دیکھ ریکھ کون کرے گا؟ محض اس خودغرضی کی بنا پر اس کے دوسرے نکاح کی نہ صرف یہ کہ کوشش نہیں کرتے؛ بلکہ اگر کوئی معقول اور مناسب رشتہ آتا بھی ہے تو اسے حیلے بہانے سے ٹال دیتے ہیں، حالاں کہ یہ نامعقول رویہ اور اس عورت کے ساتھ بدترین ظلم ہے، جس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ وہ عورت بہت گھٹ گھٹ کر زندگی گذارتی ہے، اور والدین اور بھائیوں کے گذرنے کے بعد تو

اس کی زندگی موت سے بدتر ہوجاتی ہے، **اللّٰھم احفظنا منہ۔**

اس لئے پوری کوشش کرنی چاہئے کہ اگر کوئی عذر نہ ہو اور ضرورت پائی جائے تو مطلقہ وبیوگان کے نکاح میں خاندانی عرف ورواج کا خیال نہ کرتے ہوئے شرعی حکم کے مطابق پیش قدمی کی جائے۔ اس طرح نہ صرف یہ کہ ایک بے سہارا عورت کی کفالت کا انتظام ہوگا بلکہ سنت کے احیاء کا ثواب بھی ملے گا۔

نکاح کی تقریب

تقریب نکاح کا انعقاد شریعت کے بتائے ہوئے طریقوں کے مطابق ہونا چاہئے؛ تاکہ دینی ودنیوی برکتوں سے سرفراز ہواجا سکے۔ اس بارے میں درج ذیل ہدایتوں کو سامنے رکھا جائے۔

(۱) ایک عمومی ضابطہ تو یہ ہے کہ پوری تقریب میں اسراف بے جا اور فضول خرچیوں سے ہرممکن احتراز کیا جائے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

إِنَّ أَعْظَمَ النِّكَاحِ بَرَكَةً أَيْسَرُهُ مَؤُنَةً. (شعب الإيمان ٥/٢٥٤، رقم: ٦٥٦٨، مشكوة شريف ٢/٢٦٨)

سب سے بابرکت نکاح وہ ہے جس میں کم سے کم خرچ ہو۔

(۲) نکاح کی مجلس برسر عام منعقد کی جائے۔ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

’’اس نکاح کا اعلان کرو‘‘۔ (مشکوۃ شریف ۲۶۸)

جس نکاح کا عام اعلان نہ ہو وہ اگر شرائط کے مطابق ہو تو اگرچہ منعقد ہوجاتا ہے لیکن اس طرح کے نکاحوں میں بہت سے مفاسد ہیں جن سے اجتناب کرنا چاہئے۔ (اصلاح انقلاب امت ۲/۵۲)

(۳) نکاح مسجد میں کیا جائے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ’’نکاح مساجد میں کیا کرو‘‘۔ (مشکوۃ شریف ۲/۲۶۸)

حقیقت یہ ہے کہ مسجد میں نکاح بہت سی خرابیوں کو روکنے کا سبب ہے اور عبادت ہونے کی بنا پر اس کا مسجد میں ہی انجام پانا زیادہ مناسب ہے۔

(۴) بہتر ہے کہ اس مبارک تقریب کا انعقاد جمعہ کے دن کیا جائے۔ (درمختار ۳/۸ کراچی)

(۵) دولہا کے گلے میں پھولوں اور نوٹوں کا ہار ڈالنا اور سہرا باندھنا یہ سب ہندوانی رسمیں ہیں، ان سے احتراز کیا جائے۔

(٦) نکاح کے عقد سے پہلے ''خطبہ مسنونہ'' پڑھا جائے۔ (درمختار ۳/۸ کراچی) یہ خطبہ حمد وصلوٰۃ اور مناسب آیات واَحادیث پر مشتمل ہونا چاہئے۔

(۷) تقریب نکاح کے دوران خاص طور پر اس کا خیال رکھا جائے کہ کوئی خلافِ شرع رسم ورواج اور گناہ کا کام نہ ہو مثلاً فوٹو کھینچنا، ویڈیو فلم بنانا وغیرہ۔

(۸) رسم ورواج کے مطابق لمبی لمبی باراتیں لے جانا شرعاً مذموم ہے۔ اس طریقہ کو ترک کیا جائے۔ وغیرہ۔

ساتویں فصل:

نکاح کو آسان اور بابرکت بنائیں!

فواحش کو مٹانے میں ''نکاح'' اسی وقت اہم کردار ادا کرسکتا ہے جب کہ معاشرہ میں نکاح کرنا اتنا آسان ہو کہ ہر ضرورت مند بسہولت نکاح کی ضرورت پوری کرسکتا ہو۔ تجربہ سے یہ بات ثابت ہے کہ ''جس معاشرہ میں نکاح آسان ہوگا وہاں بدکاری مشکل ہوگی اور جہاں نکاح مشکل ہوگا وہاں بدکاری کے راستے آسان ہوجائیں گے''۔ آج کے دور میں فواحش کی کثرت کی من جملہ وجوہات میں سے ایک بڑی وجہ یہ بھی ہے کہ آج عام معاشرہ میں نکاح ایک بڑا پرتکلف اور مشکل عمل بن گیا ہے، رشتہ پکا ہونے سے لے کر ولیمہ کے بعد تک رسومات وتکلفات اور بے ضررت خرچ واخراجات کا ایک طومار ہے جس کے بوجھ نے آج غریب اور متوسط طبقے کے لوگوں کا جینا دوبھر کردیا ہے۔ کتنی ہی شادیاں فضول خاندانی رسومات کی وجہ سے رکی ہوئی ہیں، اور کتنی ہی جوان لڑکیاں ماں باپ کی بے بسی کی بنا پر رشتوں سے محروم ہیں، اور ظاہر ہے کہ جب بے نکاحے جوان لڑکے لڑکیوں کی کثرت ہوگی تو فتنوں کے دروازوں کو بند کرنا بے حد مشکل ہوگا۔ واضح ہو کہ شریعت کی نظر میں نکاح تکلف وتصنع سے دور ایک سادہ عمل ہے جسے آج ہم نے خود ہی سب سے پرتکلف عمل بنالیا ہے چناں چہ نکاح کی شرعی تعریف یہ ہے کہ: ''نکاح ایسا عقد ہے جس سے عورت سے جسمانی نفع اٹھانے کی اجازت حاصل ہو جاتی ہے، اور جو گواہوں (دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتوں) کی موجودگی میں اصالۃً یا وکالۃً ایجاب وقبول کے ذریعہ منعقد ہوجاتا ہے اس عقد کی بنا پر مرد پر ''مہر'' اور بیوی کے نان نفقہ اور سکنی کی ذمہ داری اور عورت پر شوہر کی اطاعت لازم ہوتی ہے''۔

نکاح کی حقیقت یہ ہے جو اوپر ذکر کی گئی۔ اس کے علاوہ ہم نے جو لین دین وغیرہ لوازمات اپنا لئے ہیں ان پر نکاح کی صحت یا انعقاد موقوف نہیں ہے۔

مہر! نکاح کا سب سے اہم خرچ

نکاح کا سب سے بڑا لازمی خرچہ ''مہر'' ہے جو مرد پر لازم ہوتا ہے۔ ارشاد خداوندی ہے:

وَاٰتُوا النِّسَآءَ صَدُقٰتِهِنَّ نِحْلَةً. (النساء: ٤)   تم لوگ بیبیوں کو ان کے مہر خوش دلی سے دے دیا کرو۔

سورہ نساء کی آیت ۲۴ سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ عورتوں کو مہر دینا ضروری ہے۔ نکاح میں مہر اس طرح لازم ہے کہ اگر عقد کے وقت مہر کا ذکر بھی نہ کیا جائے یا یہ شرط لگا دی جائے کہ مہر نہ ہوگا تو بھی خود بخود مہر مثل واجب ہو جاتا ہے۔ مہر مثل کا مطلب یہ ہے کہ اس خاندان اور اس جیسی عورتوں کا عرف میں جو مہر مقرر کیا جاتا ہو وہی رکھا جائے۔ (ہدایہ ۲ر۳۰۴)

حنفیہ کے نزدیک مہر کی کم سے کم مقدار (جسے عرف میں مہر محمدی اور مہر شرع پیغمبری) کہا جاتا ہے دس درہم کے بقدر چاندی ہے۔ (درمختار ۳ر۱۰۱ کراچی)

دس درہم کا وزن ۲ر تولہ ساڑھے سات ماشہ ہے اور موجودہ اوزان کے بموجب اس کی مقدار ۳۰ر گرام ۶۱۸ر ملی گرام ہوتی ہے۔ (ایضاح المسائل ۱۲۹)

اس کی قیمت آج کل تقریباً دو ہزار روپئے ہوتی ہے، کم از کم اتنی رقم تو مہر میں مقرر کرنا بہر حال ضروری ہوگا۔

''مہر'' دکھاوے کے لئے نہیں؛ بلکہ ادائیگی کے لئے ہے

اس زمانہ میں زیادہ مہر باندھنے کو ایک فیشن اور فخر کی چیز بنالیا گیا ہے۔ اور محض ناموری، ریاکاری اور دنیوی عزت کے خیال سے اپنی وسعت سے زیادہ مہر قبول کئے جاتے ہیں۔ اور شروع ہی سے ان کی ادائیگی نہ کرنے کی نیت ہوتی ہے اور نہایت بے غیرتی کے ساتھ یا تو بیوی کی خوشامد

درآمد کر کے جبراً وقہراً معاف کرالیا جاتا ہے یا پھر پوری زندگی ادا کرنے کی فکر نہیں کی جاتی اور اگر بیوی مطالبہ کرے تو اسے سخت ناگواری کا سبب قرار دیا جاتا ہے۔ یہ مہر کی زیادتی بسا اوقات لڑکی کے لئے بھی نہایت مصیبت کا ذریعہ بن جاتی ہے مثلاً اگر زوجین میں موافقت نہ ہوسکے تو شوہر محض اس لئے لڑکی کو معلق رکھتا ہے کہ طلاق کی وجہ سے اسے مہر ادا کرنا پڑے گا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے ''عورت کی بہترائی میں سے یہ ہے کہ اس کا رشتہ آسانی سے ہو اور اس کی مہر کم ہو''۔ (مجمع الزوائد ۴/۲۵۵)

اور امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ارشاد گرامی ہے: ''خبردار عورتوں کی مہروں میں حد سے تجاوز اور مبالغہ مت کرو اگر یہ دنیوی عزت اور اللہ کی نظر میں تقویٰ کی بات ہوتی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس پر عمل فرمانے کے تم سے زیادہ مستحق تھے۔ مجھے نہیں معلوم کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ازواج مطہرات اور اپنی صاحبزادیوں میں سے کسی کا نکاح بارہ اوقیہ چاندی سے زیادہ پر کیا ہو''۔ (مشکوۃ شریف ۲/۲۷۷)

اور ایسے شخص کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سخت وعید فرمائی ہے جو مہر مقرر کر کے شروع سے ادا نہ کرنے کا خیال رکھتا ہو۔ ارشاد نبویؐ ہے:

أَيُّمَا رَجُلٍ تَزَوَّجَ إِمْرَأَةً عَلٰى مَا قَلَّ مِنَ الْمَهْرِ أَوْ كَثُرَ لَيْسَ فِيْ نَفْسِهٖ أَنْ يُؤَدِّيَ إِلَيْهَا حَقَّهَا خَدَعَهَا فَمَاتَ وَلَمْ يُؤَدِّ إِلَيْهَا حَقَّهَا لَقِيَ اللّٰهَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَهُوَ زَانٍ. (رواه الطبراني في الصغير والأوسط ٤٣/١، رجاله ثقات، مجمع الزوائد ٢٨٤/٤، الترغيب والترهيب مكمل ٤٠٨ رقم: ٢٨٠٦)

جو شخص کسی عورت سے کم یا زیادہ مہر پر نکاح کرے اور اس کے دل میں اس حق کو ادا کرنے کا خیال نہ ہو اور اس نے عورت کے ساتھ فریب کیا ہو، تو اگر وہ عورت کا حق ادا کئے بغیر مر گیا تو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے دربار میں ''زانی'' کی حالت میں حاضر ہوگا۔

اس لئے مہر کی ادائیگی کا خاص اہتمام کرنا چاہئے اور اتنی مہر نہیں باندھنی چاہئے جس کی ادائیگی دشوار ہو جائے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اکثر ازواج مطہرات اور صاحبزادیوں کی مہر پانچ سو درہم چاندی منقول ہے، اس کو مہر فاطمی کہا جاتا ہے۔ حضرت مولانا مفتی محمد شفیعؒ صاحب کی تحقیق کے مطابق اس کا وزن ۱۳۱ تولہ تین ماشہ (چاندی) ہے۔ (جواہر الفقہ ۱/۴۲۴)

اور موجودہ اوزان کے اعتبار سے اس کی مقدار ایک کلو پانچ سو تیس گرام نو سو ملی گرام چاندی ہوتی ہے۔ (ایضاح المسائل) (اس اعتبار سے آج کل تقریباً ۷۵؍ہزار روپئے مہر فاطمی کی قیمت ہوگی) لیکن یہ مقدار بھی آج کے دور میں غرباء اور متوسط طبقہ کے لئے بہت زائد ہے، اور اس کا ادا کرنا دشوار ہے؛ اس لئے وسعت سے زیادہ بوجھ نہ لیتے ہوئے اتنی ہی مہر مقرر کرنے چاہئیں جو بآسانی ادا کئے جاسکیں، اور جو شخص لکھ پتی اور کروڑ پتی ہو اس کے لئے اپنی وسعت کے مطابق زیادہ مقرر کرنا بھی درست ہے، مگر ادائیگی کا اہتمام ضرور ہونا چاہئے۔

تلک وجہیز

غیر مسلموں کی جن بے ہودہ رسموں نے ہمارے معاشرہ میں جگہ پکڑی ہے، ان میں ایک حد درجہ رذیل اور گھٹیا رسم "تلک اور جہیز" کی ہے، جس میں نہایت بے غیرتی، بے شرمی اور بے حیائی کے ساتھ لڑکے والے لڑکی والوں سے معقول رقم کے طالب ہوتے ہیں، اور کار، موٹر سائیکل اور دیگر دنیوی ساز وسامان وغیرہ کی فرمائشوں کی تکمیل پر رشتہ موقوف رہتا ہے۔ اس غیر انسانی اور نامعقول رواج نے آج سیکڑوں نہیں؛ ہزاروں مسلم بچیوں اور جوان لڑکیوں کو گھروں میں بلا شادی گھٹ گھٹ کر زندگی گزارنے پر مجبور کر دیا ہے۔ کتنے ایسے غریب ماں باپ ہیں جن کی راتوں کی نیندیں اس فکر میں اڑی جاتی ہیں کہ وہ کیسے اپنی عزیز بچیوں کے لئے تلک وجہیز وغیرہ کا انتظام کر کے اپنے فرض سے سبک دوشی حاصل کریں۔ تلک وجہیز سے بڑھ کر لالچ، طمع اور کمینہ پن کی کوئی مثال نہیں ہوسکتی اس رسم کا دین وشریعت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ یہ سراسر ظلم اور ناانصافی ہے اور اس کا نتیجہ کسی کے لئے بہتر صورت میں برآمد نہیں ہوسکتا۔ صحابی رسول سیدنا حضرت انس رضی اللہ عنہ

فرماتے ہیں کہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ:

مَنْ تَزَوَّجَ إِمْرَأَةً لِعِزِّهَا لَمْ يَزِدْهُ إِلَّا ذُلًّا، وَمَنْ تَزَوَّجَهَا لِمَالِهَا لَمْ يَزِدْهُ اللّٰهُ إِلَّا فَقْراً، وَمَنْ تَزَوَّجَهَا لِحُسْنِهَا لَمْ يَزِدْهُ اللّٰهُ إِلَّا دَنَاءَةً، وَمَنْ تَزَوَّجَ إِمْرَأَةً لَمْ يُزَوِّجْهَا إِلَّا لَيَغُضَّ بَصَرَهُ أَوْ لِيُحْصِنَ فَرَجَهُ أَوْ يَصِلَ رَحِمَهُ بَارَكَ اللّٰهُ فِيْهَا وَبَارَكَ لَهَا فِيْهِ. (رواه الطبراني في الأوسط، مجمع الزوائد ٢٥٤/٤، الترغيب والترهيب مكمل ٤٣٣/ رقم: ٢٩٨٨)

جو شخص کسی عورت سے محض اس کی عزت کی وجہ سے شادی کرے تو اللہ تعالیٰ اس شوہر کی ذلت میں اضافہ فرمائیں گے، اور جو شخص عورت کی محض مال داری کی بنیاد پر اس سے نکاح کرے تو اللہ تعالیٰ اس شخص کے فقر وفاقہ میں ہی زیادتی کریں گے، اور جو شخص کسی عورت سے اس کے محض حسن وجمال کی وجہ سے ہی شادی کرے تو اللہ تعالیٰ اس کی دنائت کو ہی بڑھائیں گے، اور جو شخص کسی عورت سے اپنی نگاہ کو پست رکھنے ور شرم گاہ کو حرام سے بچانے اور رشتہ داروں کے ساتھ صلہ رحمی کی غرض سے نکاح کرے گا تو اللہ تعالیٰ شوہر کے لئے بیوی میں اور بیوی کے لئے اس شوہر میں برکت عطا فرمائیں گے۔

''تلک اور جہیز'' مسلم معاشرہ کے لئے ایک رستا ہوا ناسور ہے۔ اس رسم نے صرف لڑکی کے لئے ہی ذلت کے اسباب فراہم نہیں کئے بلکہ یہ پورے قوم کے ماتھے پر کلنک کا ٹیکہ ہے۔ اسلام جیسا مقدس اور پاکیزہ دین ان خرافات کا متحمل ہرگز نہیں ہوسکتا اور نہ کسی حاملِ دین وشریعت سے یہ امید کی جاسکتی ہے کہ وہ اس رسم پر عمل کرکے اپنی قوم کے لئے بے عزتی کا سامان مہیا کرے۔

البتہ اگر لڑکی کے والدین اپنی خوشی سے بلا دکھاوے، بلا جبر اور بلا مطالبہ کے، وسعت کے مطابق اپنی بچی کو نقدی، یا زیور یا کچھ ضرورت کی چیزیں دیتے ہیں، جیسا کہ شرفاء کے یہاں معمول ہے تو اس حد تک یہ امر بلاشبہ جائز ہے۔ جیسا کہ منقول ہے کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو رخصتی کے وقت کچھ چیزیں مرحمت فرمائی تھیں۔ (بہشتی زیور ۶/ ۳۷)

اسراف وتبذیر سے بچیں!

شادیوں میں اس وقت جس قدر تصنع، دکھاوا اوراسراف ہونے لگا ہے وہ بھی توجہ کے قابل اور لائق اصلاح ہے۔اسلام نے ہمیں اس معاملہ میں جس قدر سادگی کا حکم دیا ہے اسی قدر اس میں تکلف کا رواج پڑتا جارہا ہے اور مال ودولت کا اتنا ضیاع ہورہا ہے جس کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا ہے۔شادی کی تقریبات میں وہ لوگ جو دینی امور میں ایک روپیہ خرچ کرتے ہوئے رنجیدہ خاطر ہوجاتے ہیں سجاوٹ اور ڈیکوریشن میں ہزاروں اور لاکھوں روپیہ پانی کی طرح فضول بہادیتے ہیں اور اس کو اپنی عزت کا ذریعہ سمجھتے ہیں اسی طرح دعوتوں میں محض نام ونمود اور شہرت کی خاطر ہزاروں لوگوں کو مدعو کیا جاتا ہے اور بلاضرورت طرح طرح کے نہایت قیمتی کھانے پکوائے جاتے ہیں۔یہ فضول خرچی اوراسراف شریعت کی نظر میں نہایت مذموم ہے۔ارشادخداوندی ہے:

وَكُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ. (الاعراف: ۳۱)

اور کھاؤ اور پیو اور بیجا خرچ نہ کرو۔اس کو خوش نہیں آتے بیجا خرچ کرنے والے۔

اسی طرح ارشاد فرمایا گیا:

وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيْرًا، إِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوْا إِخْوَانَ الشَّيَاطِيْنَ. (بنی اسرائیل: ۲۶-۲۷)

اور (مال کو) بے موقع مت اڑانا بے شک بے موقع اڑانے والے شیطان کے بھائی بند ہیں۔

دراصل جیسی تقریبات میں ہمیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم، بناتِ طیبات اور ازواجِ مطہرات اور دیگر حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کا اسوہ اور طریقہ پیش نظر رکھنا چاہئے۔اسی میں ہمارے لئے عزت ہے، ان حضرات نے کبھی وہ تکلفات نہیں کئے جو آج ہمارے یہاں کئے جاتے ہیں، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مدینہ منورہ میں رہتے تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر باش تھے۔مگر وہ نکاح کرتے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی خبر دینے کی ضرورت نہ سمجھتے تھے۔حضرت عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کا واقعہ مشہور ہے کہ انہوں نے نکاح کرلیا اور

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کونہیں بتایا جب وہ بعد میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اس حالت میں حاضر ہوئے کہ عورتوں کی خوشبو (کا رنگ) ان کے کپڑوں پر لگا تھا، تو پوچھنے پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کوان کے نکاح کا علم ہوا۔ (مشکوۃ شریف ۲۷۷/۲)

یہ اس بات کی دلیل ہے کہ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کے نزدیک اس تقریب کا تنا اہتمام نہیں تھا جتنا بے جا اہتمام ہم لوگ کرنے لگے ہیں۔

بفے سسٹم

خاص طور پر دعوتوں میں کھانے کے معاملہ میں اسراف بہت بڑھتا جا رہا ہے، بے شمار قسم کے ماکولات ومشروبات تیار کئے جاتے ہیں، اور اس پر مستزاد یہ کہ کھانے کا مسنون طریقہ یعنی زمین پر فرش بچھا کر کھانے کا معمول تو اب تقریباً ختم ہو چکا؛ کیوں کہ انگریزی فیشن والے چست اور تنگ لباس اس طریقہ پر کھانے کے لئے بیٹھنے کے متحمل نہیں ہیں۔ میز کرسیوں پر کھانے کا سلسلہ چل رہا تھا، مگر اب تو سب طریقوں کی جگہ ''بفے سسٹم'' نے لے لی ہے، کہ ''دستِ خود دہانِ خود'' یعنی خود ہی پلیٹ اٹھائیں خود ہی سالن وغیرہ نکالیں اور پھر جانوروں کی طرح شادی ہال میں ٹہل ٹہل کر جگالی کریں، بھلے ہی اچھی طرح کھایا نہ جائے مگر نام نہاد ''اسٹینڈرڈ'' پر آنچ نہ آئے۔ العیاذ باللہ۔ ایسے ماحول میں کوئی دین دار اور سادہ مزاج پہنچ جاتا ہے تو وہ سخت کلفت میں پڑ جاتا ہے۔

نکاح کو گناہ سے بچائیں!

نکاح انسانی زندگی کا ایک انقلابی اور تاریخی موڑ ہوتا ہے، اس موڑ پر جس قدر اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی مقصود ہوگی اتنا ہی اگلی زندگی میں برکتیں نصیب ہوں گی، اور اگر اس اولین مرحلہ ہی میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور گناہ کا اقدام کر لیا جائے تو پوری زندگی اس کی نحوست برقرار رہے گی؛ لہٰذا نکاح کی تقریبات کو منکرات ومعاصی سے پوری طرح بچانا بہت ضروری ہے؛ لیکن افسوس ناک بات یہ ہے کہ آج کل نکاح کی تقریبات ''مجموعۂ منکرات'' بن گئی ہیں۔ ان منکرات میں سب سے

بڑا بدترین منکر بے پردگی اور بے حجابی کا ہے۔اول تو اب ہمارے یہاں شرعی پردہ ہی کہاں رہا ہے؟ اور جن خاندانوں میں خوش قسمتی سے اس کا اہتمام اب بھی باقی ہے ان میں بھی تقریبات کے موقع پر کھل کر بے پردگی کا مظاہرہ ہوتا ہے اور اسے عیب نہیں سمجھا جاتا۔نو جوان لڑکے کھانے وغیرہ کے انتظام کے بہانے بے دھڑک شادی کے گھر میں آتے جاتے ہیں۔نو جوان لڑکیاں بن ٹھن کر بے پردہ تقریبات میں شریک ہوتی ہیں اور بعض جگہ تو یہ غضب ہوتا ہے کہ عورتوں کو کھانا کھلانے والے ''مرد بیرے'' ہوتے ہیں، یہ بے حیائی ایک مؤمن کے لئے سوہان روح ہونی چاہئے۔مگر افسوس ہے کہ اچھے اچھے دیندار حضرات بھی اس برائی کو برائی نہیں سمجھتے۔

دوسرے یہ کہ ان مواقع پر دولہا کو سلامی کے لئے گھروں میں بلایا جاتا ہے اور عورتیں جن میں بیشتر دولہا کے لئے غیر محرم ہوتی ہیں اسے گھیر لیتی ہیں اس کے ساتھ مذاق اور دل لگی کرتی ہیں اور اس کھلی ہوئی بے غیرتی کو لازمی اور ضروری خیال کیا جاتا ہے۔تف ہے اس بے حیائی پر!اور ماتم ہے شرم و ناموس کی اس ذلت ورسوائی پر!

اسی طرح بعض جگہوں پر لڑکی سے اجازت لینے کے لئے جو وکیل اور گواہ بنائے جاتے ہیں وہ اس کے لئے اجنبی اور غیر محرم ہوتے ہیں، جو عورتوں کے مجمع میں بے تکلف جا کر اجازت لیتے ہیں، حالاں کہ یہ طریقہ قطعاً غلط اور ناجائز ہے، نکاح میں عورت سے اجازت لینے والے وکیل و گواہ اس کے محرم ہی ہونے چاہئیں۔بعض خاندانوں میں معلوم ہوا کہ پوری برادری کا ایک ہی وکیل ہے، جہاں بھی نکاح ہوگا وہی اجازت لینے جائے گا، تو یہ محض جہالت ہے، اس سے اجتناب لازم ہے۔

اسی طرح ایک بڑی معصیت جو خصوصاً تقریبات کا ایک لازمی جزو بن گئی ہے وہ فوٹو گرافی ،اور ویڈیو گرافی کی لعنت ہے جس نے شرم وحیا کے دامن کو بالکل تار تار کر کے رکھ دیا ہے۔ نوجوان لڑکے لڑکیوں کے دولہا دولہن کے ساتھ گروپ فوٹو کھینچے جاتے ہیں پھر انہیں دوستوں کو تحفہ میں دیا جاتا ہے۔ ویڈیو کے ذریعہ ان کی فلمیں بنائی جاتی ہیں اور بے شرمی کے ساتھ ان کی نمائش

ہوتی ہے۔ العیاذ باللہ۔ فوٹو گرافی کا عذاب ہی کیا کم تھا (کہ تصویر بنانے والے سب سے سخت عذاب کے مستحق ہیں) اس حیا سوز تصویر کشی نے اسے مزید لعنت کا مستحق بنا دیا ہے۔ عقد نکاح جیسی مسنون عبادت اور مبارک مذہبی تقریب میں ایسے عظیم منکرات کا اِرتکاب نہایت جسارت اور بے غیرتی کی بات ہے۔ کاش ہمیں اس کی سنگینی کا احساس ہو اور اس لعنت سے قوم کو بچانے کی جدو جہد کر سکیں۔

اسی طریقہ پر تقریبات میں گانے بجانے کا اہتمام اور ریکارڈنگ وغیرہ ایسی واہیات اور قطعاً خلاف شرع چیزیں ہیں جو ہرگز کسی صاحبِ ایمان کو زیب نہیں دیتیں۔ اس سے بہر حال دور رہنا اور دوسرں کو دور رہنے کی تلقین کرنا ضروری ہے۔ اور ساتھ میں ان برائیوں کے سد باب کے لئے اجتماعی طور پر اور سماجی تحریک کے انداز میں مسلسل کام کرنے کی ضرورت ہے۔

❍❖❍

آٹھویں فصل:

سیدنا حضرت یوسف علیہ السلام کی بے مثال عفت مآبی

نوجوانانِ عالم کے لئے پاک دامنی کا ایک مثالی کردار

قرآنِ کریم میں جو بھی واقعات مذکور ہیں وہ اپنے اندر عظیم نصیحتیں رکھتے ہیں، اور قرآنِ کریم نہایت دل پذیر انداز میں براہِ راست انسان کے ضمیر کو مخاطب بناتا ہے، چوں کہ یہاں فواحش کی روک تھام کا مضمون چل رہا ہے، اسی مناسبت سے قرآنِ کریم میں درج کردہ ایک اہم ترین واقعہ کے بعض اجزاء ذیل میں پیش کئے جاتے ہیں، یہ واقعہ سید المتقین جلیل القدر پیغمبر، سیدنا حضرت یوسف علیہ السلام سے متعلق ہے، جن کے واقعات کو قرآنِ کریم میں ''احسن القصص'' سے تعبیر فرمایا ہے۔ اور ایک پوری سورت ''سورۂ یوسف'' انہی کے اثر انگیز واقعات پر مشتمل ہے، اور ان مسلسل واقعات میں ویسے تو ہر واقعہ اپنے اعتبار سے عبرت آموز ہے، خواہ وہ برادرانِ یوسف کے حسد سے متعلق ہو، یا قید خانہ میں پیش آمدہ حالات ہوں، یا شاہِ مصر کے خواب اور اس کے بعد کے انقلابات کے احوال ہوں، سبھی اجزاء قابل نصیحت وموعظت ہیں؛ لیکن ان میں سب سے اہم واقعہ وہ ہے جس کا تعلق سیدنا حضرت یوسف علیہ السلام کی بے مثال پاکیزگی، پاک دامنی اور عفت مآبی سے ہے، جس کی نظیریں دنیا میں خال خال ہی ملتی ہیں۔

حسنِ بے مثال

سیدنا حضرت یوسف علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے بے نظیر حسن و جمال سے نوازا تھا، نبی اکرم،

خاتم النبیین، سیدنا ومولانا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم جب سفر معراج پر تشریف لے گئے اور وہاں سیدنا حضرت یوسف علیہ السلام سے ملاقات ہوئی، تو آپ نے ان کے بارے میں فرمایا:

وَإِذَا هُوَ قَدْ أُعْطِيَ شَطْرَ الْحُسْنِ. حضرت یوسف علیہ السلام کو ساری دنیا کے حسن کا آدھا حصہ عطا کیا گیا تھا۔

(رواہ مسلم ۹۱/۱ رقم: ۱۶۲)

اِسی حسن وجمال کی وجہ سے آپ کو قافلہ والوں نے غلام ظاہر کر کے جب مصر کے بازار میں بیچنے کے لئے پیش کیا تو حاکم شہر ''عزیز مصر'' کے علاوہ کسی کو ان کی قیمت کی ادائیگی کا حوصلہ نہ ہوا، چناں چہ آپ کو عزیز مصر خرید کر گھر لائے اور بیوی سے تاکید کی کہ ان کی اچھی طرح دیکھ بھال کرو، ہم انہیں اپنا لے پالک بیٹا بنالیں گے، سیدنا حضرت یوسف علیہ السلام عزیز مصر کے گھر میں پلے بڑھے، جب جوانی کی دہلیز پر قدم رکھا تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے علم وحکمت کی صلاحیت سے نوازے گئے؛ لیکن ابھی آپ کو روحانی ترقی کے اعلیٰ ترین منازل طے کرنے تھے، اس لئے ایک عظیم آزمائش سے آپ کو گذارا گیا، یہ آزمائش ایسی نازک ہے جس کے تصور ہی سے دل کانپ اٹھتا ہے، یہ وہ مقام ہے جہاں اچھے اچھے مدعیانِ تقویٰ کے لئے بھی ثابت قدم رہنا سخت دشوار ہوتا ہے، اور اللہ تعالیٰ کی خاص توفیق اور نصرت کے بغیر کوئی اس امتحان میں کامیابی کا دعویٰ نہیں کرسکتا۔

سیدنا حضرت یوسف علیہ السلام کے ساتھ واقعہ یہ ہوا کہ آپ جس گھر میں مقیم تھے، اسی گھر کی ''رانی''، جس کا نام ''زلیخا'' تھا، وہ آپ کے حسن وجمال پر فریفتہ ہوگئی، اور یہ وارفتگی اتنی بڑھی کہ اسے نہ اپنے منصب کا خیال رہا اور نہ گھر کی عزت کا، چناں چہ ایک موقع پر اس نے کسی بہانہ سے سیدنا حضرت یوسف علیہ السلام کو اندرونی کمرے میں بلاکر سارے دروازے بند کردئے، اور بے غیرت بن کر برائی پر آمادہ کرنے لگی — یہاں ذرا دل پر ہاتھ رکھیں اور تصور کریں کہ جوانی کا آغاز ہے، حسن وجمال اور جسمانی طاقت وقوت کا عروج ہے، تنہائی ہے، دنیوی بدنامی کا خوف دور دور تک نہیں ہے، اور خود عورت معصیت کی طرف دعوت دے رہی ہے، اور وہ عورت بھی گھر کے باہر کی نہیں؛ بلکہ گھر کی مالکن ہے، اور غالب گمان یہ ہے کہ وہ بھی حسن وجمال اور زیب وزینت والی ہوگی، اس موقع پر معصیت سے بچے رہنا یقیناً بڑا کمال ہے — اب ہوا یہ کہ وہ عورت سیدنا

حضرت یوسف علیہ السلام کو رجھانے کی پوری کوشش کر رہی ہے اور جلد از جلد اپنی حرام تمنا کی تکمیل کے لئے کوشاں ہے؛ لیکن پیغمبرانہ عصمت سے مالامال رأس المتقین سیدنا حضرت یوسف علیہ السلام کمالِ اعتماد کے ساتھ جواب دے رہے ہیں:

مَعَاذَ اللّٰهِ، إِنَّهٗ رَبِّیٓ أَحْسَنَ مَثْوَایَ، إِنَّهٗ لاَ يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ.

(يوسف: ٢٤)

خدا کی پناہ! وہ عزیز میرا مالک ہے، اس نے مجھ کو اچھی طرح رکھا، بے شک بے انصاف لوگ بھلائی نہیں پاتے۔

سیدنا حضرت یوسف علیہ السلام کے بالترتیب یہ تینوں کلمات بہترین تعبیر وترتیب پر دلیل ہیں، حضرت امام فخر الدین رازیؒ ''تفسیر کبیر'' میں فرماتے ہیں:

هٰـذَا التَّـرْتِيْـبُ فِـيْ غَايَةِ الْحُسْنِ وَذٰلِكَ لِأَنَّ الْإِنْـقِيَـادَ لِأَمْـرِ اللّٰـهِ تَعَـالٰـى وَتَـكْلِيْفِـهٖ أَهَمُّ الْأَشْيَـاءِ لِـكَثْـرَةِ إِنْعَامِهٖ وَأَلْطَافِهٖ فِيْ حَقِّ الْـعَبْـدِ فَـقَـوْلُهٗ ''مَعَاذَ اللّٰهِ'' إِشَارَةٌ إِلٰـى أَنَّ حَـقَّ الـلّٰهِ تَعَالٰى يَمْنَعُ عَنْ هٰـذَا الْعَمَلِ وَأَيْضاً حُقُوْقُ الْخَلْقِ وَاجِبَةُ الـرِّعَـايَةِ، فَلَـمَّا كَانَ هٰذَا الـرَّجُلُ قَـدْ أَنْـعَمَ فِيْ حَقِّيْ يَقْبَحُ مُـقَابَلَةُ إِنْعَامِهٖ وَإِحْسَانِهٖ بِالْإِسَائَةِ، وَأَيْـضـاً صَوْنُ النَّفْسِ عَنِ الضَّرَرِ وَاجِـبٌ وَهٰـذِهِ اللَّذَّ ةُ لَذَّ ةٌ قَـلِيْلَةٌ يَتْبَـعُهَـا خِـزْيٌ فِيْ الدُّنْيَا وَعَذَابٌ

جواب کی یہ ترتیب نہایت شاندار ہے، بایں وجہ کہ اللہ تعالیٰ کے احکامات وتکلیفات کی بجا آوری سب سے اہم چیز ہے؛ کیوں کہ بندہ پر اللہ تعالیٰ کے انعامات اور لطف وکرم بہت زیادہ ہیں۔ پس حضرت یوسف علیہ السلام کا مَعَاذَ اللّٰهِ (اللہ کی پناہ) کہنا اس جانب مشیر ہے کہ اللہ تعالیٰ کا حق اس برے عمل کو انجام دینے سے مانع ہے۔ علاوہ ازیں مخلوق کے حقوق کی رعایت بھی ضروری ہے؛ لہٰذا جب اس شخص (عزیز مصر) نے میرے حق میں انعام وکرم کا معاملہ کیا تو اس کے احسانات کا بدلہ برائی (اس کے حرم میں خیانت) سے دینا یقیناً بری بات ہے۔ نیز خود اپنی ذات کو نقصان سے محفوظ رکھنا بھی ضروری ہے، اور یہ

شَدِيُدٌ فِيُ الْاٰخِرَةِ، وَاللَّذَّةُ الْقَلِيُلَةُ إِذَا لَزِمَهَا ضَرَرٌ شَدِيُدٌ فَالْعَقْلُ يَقْتَضِيُ تَرْكَهَا وَالْإِحْتِرَازُ عَنْهَا فَقَوْلُهٗ: ﴿إِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ﴾ إِشَارَةٌ إِلَيْهِ فَثَبَتَ أَنَّ هٰذِهِ الْجَوَابَاتِ الثَّلَاثَةَ مُرَتَّبَةٌ عَلٰى أَحْسَنِ وُجُوْهِ التَّرْتِيْبِ.

(تفسیر الفخر الرازی ۱۸/۱۷۱)

یہ (حرام کاری کی) لذت تھوڑی دیر کی مستی ہے، جس کے ساتھ دنیا کی ذلت اور آخرت کا سخت عذاب لگا ہوا ہے، اور معمولی سی لذت کے ساتھ اگر سخت نقصان جڑا ہوا ہو، تو عقل سلیم ایسے عمل کو ترک کرنے اور اس سے احتراز کرنے کا تقاضا کرتی ہے، چناں چہ آپ کا ارشاد ﴿اِنَّهٗ لَا یُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ﴾ (بے شک بے انصاف فلاح نہیں پاتے) اسی حقیقت کی جانب اشارہ کررہا ہے۔ اس تفصیل سے معلوم ہوگیا کہ یہ تینوں جوابات بہترین ترتیب پر واقع ہوئے ہیں۔

تفسیر کے مذکورہ بالا الفاظ بار بار پڑھ کر ذہن میں راسخ کئے جانے کے قابل ہیں، اگر کوئی شخص گناہ کے ماحول میں پھنس جائے اور وہ مذکورہ مضمون کا استحضار کرلے تو امید ہے کہ اس میں گناہ سے بچنے کی ہمت مضبوط ہوجائے گی، بالخصوص وہ لوگ جو گھریلو ملازم کے طور پر کام کرتے ہیں اور نفسانی وشیطانی فتنوں سے دوچار رہتے ہیں، ان کے لئے سیدنا حضرت یوسف علیہ السلام کا جواب اصلاح کے لئے اکسیر کی حیثیت رکھتا ہے۔

موقع پر قدم نہ ڈگمگانا بغیر توفیق ایزدی کے ممکن نہیں

لیکن کوئی شخص اپنے کو پارسا نہ سمجھے، اور نہ پارسائی کا کبھی دعویٰ کرے؛ کیوں کہ اگر مدد خداوندی نہ ہو تو کوئی گناہ اور بے حیائی سے اپنے دامن کو محفوظ نہیں رکھ سکتا۔ حد تو یہ ہے کہ زلیخا (عزیز مصر کی بیوی) تو نفسانی خیالات میں پھنس ہی چکی تھی، اگر سیدنا حضرت یوسف علیہ السلام اپنے رب کی ''خاص برہان'' نہ دیکھ لیتے تو ممکن تھا کہ آپ کے دل میں بھی برائی کا خیال آجاتا؛ کیوں کہ انسان اور بشر ہونے کے ناطے ایسے نازک ماحول میں اس طرح کے خیالات آنا کوئی

مستبعد نہ تھا؛ لیکن اللہ تعالیٰ نے خاص حفاظت فرمائی اور سیدنا حضرت یوسف علیہ السلام اس خطرناک موڑ سے اپنا دامن بچا کر صاف نکل گئے۔ ارشاد خداوندی ہے:

وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ وَهَمَّ بِهَا لَوْلَا أَنْ رَّاٰى بُرْهَانَ رَبِّهٖ، كَذٰلِكَ لِنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوْٓءَ وَالْفَحْشَاءَ، إِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِيْنَ. (یوسف: ۲۴)

اور عورت نے یوسف کا ارادہ کیا اور اگر یوسف علیہ السلام اپنے رب کی قدرت وحجت نہ دیکھ لیتے تو ان کے دل میں بھی عورت کا خیال آ جاتا، اور یہ اس لئے ہوا؛ تاکہ ہم ان سے برائی اور بے حیائی مٹائیں اور وہ یقیناً ہمارے برگزیدہ بندوں میں سے ہیں۔

جس دلیل وبرہان کو دیکھ کر سیدنا حضرت یوسف علیہ السلام کا دل برائی کا وہم آنے سے بھی محفوظ رہا وہ برہان کیا تھی؟ اس بارے میں حضرات مفسرین کی آراء مختلف ہیں؛ لیکن حضرت امام قرطبیؒ نے اپنی معرکۃ الآراء تفسیر ''الجامع لاحکام القرآن'' میں اس قول کو ترجیح دی ہے کہ: ''جس کمرے میں زلیخا نے حضرت یوسف علیہ السلام کو بند کیا تھا وہاں زلیخا کا ایک بت سونا چاندی اور موتیوں سے مرصع کیا ہوا رکھا تھا، اس نے اس بت پر پردہ ڈال دیا، تو حضرت یوسف علیہ السلام نے پوچھا یہ تم کیا کر رہی ہو؟ زلیخا بولی کہ مجھے اپنے اس معبود سے شرم آتی ہے، تو حضرت یوسف علیہ السلام نے ارشاد فرمایا: ''مجھے اپنے اللہ سے شرم کرنے کا زیادہ حق ہے''۔ (تفسیر الجامع لاحکام القرآن ۹/۱۴۹)

واقعی یہ وہی کیفیت حضوری واحسانی ہے جو اہل تصوف کے نزدیک اعلیٰ درجہ کا کمال ہے کہ آدمی ہر وقت اپنے کو اللہ عالم الغیب والشہادۃ کی نظروں کے سامنے خیال کرے، یہ کیفیت جتنی مضبوط ہوگی اتنی ہی عبادت میں لذت پیدا ہوگی اور خلاف شریعت باتوں سے بچنے کا داعیہ ابھرے گا۔

گناہ سے بچنے کے لئے اپنی حد تک کوشش ضروری ہے

سیدنا حضرت یوسف علیہ السلام گناہ کے خطرے کو بھانپ کر بند دروازوں کی طرف چل پڑے، اور زلیخا بھی پیچھے دوڑی اور آپ کو پیچھے سے روکنے کی کوشش میں آپ کے کرتے کا پچھلا

دامن پھاڑ ڈالا۔ اس سے معلوم ہوا کہ آدمی جب گناہ کی جگہ پھنس جائے تو اس کی پہلی کوشش اور فکر یہی ہونی چاہئے کہ یہاں سے وہ باہر کیسے نکلے؟ وہ گناہ کی جگہ پر مجبور محض بن کر نہ بیٹھا رہے؛ بلکہ اس ماحول سے نکلنے کی ہر ممکن کوشش کرے، اگر صدق دل سے وہ ایسی کوشش کرے گا تو یقیناً اسے کامیابی ملے گی، جیسا کہ سیدنا حضرت یوسف علیہ السلام کو نجات ملی ہے۔ چناں چہ اسی بات کو قرآنِ کریم میں دوسری جگہ ان الفاظ میں بیان فرمایا:

وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجاً. (الطلاق: ۲)

اور جو اللہ سے ڈرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے لئے نکلنے کی صورت پیدا فرما دیتے ہیں۔

لہٰذا آج کسی کا یہ بہانہ بنانا کہ ''میں یار دوستوں میں پھنس گیا تھا، اس لئے مجھ سے فلاں گناہ ہوگیا'' یہ محض عذر لنگ ہے، اگر آدمی کے اندر گناہ سے بچنے کا داعیہ مضبوط ہو تو وہ خطرناک اور نازک حالات میں بھی اپنے دامن کو گناہ کی گندگی سے بچانے میں یقیناً کامیاب ہوسکتا ہے، ہاں اگر دل میں ارادہ ہی نہ ہو تو بہانے ہزار ہیں۔

اللہ تعالیٰ اپنے متقی بندوں کو سرخ رو فرماتے ہیں

جب سیدنا حضرت یوسف علیہ السلام دروازے کھول کر باہر نکلے تو کیا دیکھتے ہیں کہ سامنے عزیزِ مصر موجود ہے، اس نے اپنی آنکھوں سے حضرت یوسف علیہ السلام اور آپ کے پیچھے دوڑنے والی اپنی بیوی زلیخا کو دیکھ لیا، اچانک یہ صورت حال دیکھ کر زلیخا کے پیروں تلے سے زمین نکل گئی، اور اسے اپنی براءت کی فکر ہوئی اور بے اختیار اس نے الٹا الزام حضرت یوسف علیہ السلام پر رکھ دیا، قرآنِ کریم میں اس کی منظر کشی اس طرح کی گئی:

وَاسْتَبَقَا الْبَابَ وَقَدَّتْ قَمِيْصَهٗ مِنْ دُبُرٍ وَّاَلْفَيَا سَيِّدَهَا لَدَى الْبَابِ، قَالَتْ مَا جَزَآءُ مَنْ اَرَادَ بِاَهْلِكَ سُوْٓءًا اِلَّآ اَنْ يُّسْجَنَ اَوْ عَذَابٌ

اور وہ دونوں دروازے کی طرف دوڑے، اور عورت نے اس (یوسف علیہ السلام) کا کرتہ پیچھے سے چیر ڈالا، اور وہ دونوں عورت کے شوہر (عزیزِ مصر) سے دروازے کے پاس مل گئے،

أَلِيُمٌ. (یوسف: ۲۵) عورت بولی کہ جوشخص تیرے گھر والوں کے ساتھ برائی کا ارادہ کرے اس کی سزا سوائے قید میں ڈالنے یا دردناک عذاب کے اور کچھ نہیں ہوسکتی۔

یہ جھوٹا الزام سن کر حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنی صفائی دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

هِيَ رَاوَدَتْنِيُ عَنُ نَفُسِيُ. (یوسف: ۲٦) یہی عورت اپنا مطلب نکالنے کے لئے مجھ کو پھسلاتی تھی۔

اور اللہ تعالیٰ نے سیدنا حضرت یوسف علیہ السلام کی صداقت و براءت اس طرح ظاہر فرمائی کہ وہیں ایک چھوٹا بچہ گہوارے میں لیٹا ہوا تھا، اس نے عجیب فیصلہ کن اور معقول بات کہی کہ یہ دیکھ لیا جائے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کا دامن آگے سے پھٹا ہوا ہے یا پیچھے سے؟ اگر آگے سے پھٹا ہے تو عورت کی بات سچی ہوسکتی ہے؛ لیکن اگر پیچھے سے پھٹا ہے تو یقینی طور پر عورت جھوٹ بول رہی ہے، اور حضرت یوسف علیہ السلام ہی سچے ہیں، اور گناہ سے قطعاً بری ہیں، چناں چہ جب تحقیق کی گئی تو پتہ چلا کہ دامن پیچھے سے پھٹا ہے، تو خود عزیز مصر کو یقین آ گیا کہ اصل معاملہ کیا ہے؟ قرآن کریم میں فرمایا گیا:

فَلَمَّا رَای قَمِيُصَهُ قُدَّ مِنُ دُبُرٍ قَالَ إِنَّهُ مِنُ كَيُدِكُنَّ، إِنَّ كَيُدَكُنَّ عَظِيُمٌ. (یوسف: ۲۸) پس جب عزیز مصر نے یوسف علیہ السلام کا کرتہ پیچھے سے پھٹا ہوا دیکھا تو بول اٹھا کہ یہ تم عورتوں کا فریب ہے، اور یقیناً تمہارا فریب بڑا ہے۔

لیکن چوں کہ معاملہ اپنے گھر کا تھا، اور رسوائی کا خطرہ تھا، اس لئے اس نے دونوں کو معاملہ دبانے کی تلقین کی اور کہا:

يُوسُفُ أَعُرِضُ عَنُ هٰذَا، وَاسُتَغُفِرِيُ لِذَنُبِكِ إِنَّكِ كُنُتِ مِنَ الُخَاطِئِيُنَ. (یوسف: ۲۹) یوسف! اس بات کو جانے دو اور اے عورت (زلیخا) تو اپنے گناہ پر معافی مانگ، یقیناً تو ہی قصوروار ہے۔

اس تفصیل سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جوشخص تنہائی میں اللہ کو راضی کرے گا، تو اللہ تعالیٰ اسے

لوگوں کے سامنے رسوائی سے بچانے کا ضرور انتظام فرمادیں گے، جیسا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے ساتھ ہوا۔

فتنہ پر فتنہ

ابھی تک تو بات گھر کے اندر تک تھی؛ لیکن جو بات گھر کے ملازمین یا عورتوں تک پہنچ جائے وہ عموماً چھپی نہیں رہتی، اس واقعہ میں بھی یہی ہوا کہ رفتہ رفتہ امراء اور وزراء کے گھروں میں یہ تبصرے چل پڑے کہ "زلیخا" ملکۂ وقت ہونے کے باوجود اپنے ہی غلام کو دل دے بیٹھی ہے، جو بڑی ناگواری اور بے غیرتی کی بات ہے۔ عورتوں کے یہ تبصرے "زلیخا" تک بھی پہنچ گئے، تو اسے بہت احساس ہوا، اور اس نے یہ ٹھان لی کہ میں ان عورتوں کو یہ باور کرا کے رہوں گی کہ یوسف علیہ السلام کون ہیں؟ اور کیا وہ واقعی محبوب بنائے جانے کے لائق ہیں یا نہیں؟ چناں چہ اس نے یہ تدبیر کی کہ تمام بیگمات کی ایک پر تکلف دعوت کا پروگرام اپنے گھر میں رکھا، اور پھل فروٹ کاٹنے کے لئے ہر عورت کے واسطے الگ الگ چھریوں کا انتظام کردیا، اور عین اس وقت جب کہ وہ چھریوں سے فروٹ کاٹنے کا ارادہ کر رہی تھیں، حضرت یوسف علیہ السلام سے کہا کہ تم ان عورتوں کے سامنے سے گذر جاؤ، بس جیسے ہی ان عورتوں کی نظر حضرت یوسف علیہ السلام کے جمال جہاں تاب پر پڑی ہر ایک اپنے حواس کھو بیٹھی، اور بجائے فروٹ کاٹنے کے اپنی انگلیوں ہی پر چھری چلادی، اور بے اختیار چیخ اٹھیں:

حَاشَ لِلّٰهِ مَا هٰذَا بَشَراً، إِنْ هٰذَا إِلَّا مَلَكٌ كَرِيْمٌ. (یوسف: ۳۱) — یہ شخص کوئی آدمی نہیں؛ بلکہ کوئی معزز فرشتہ ہے۔

ان عورتوں کا یہ انداز دیکھ کر زلیخا کے حوصلے اور بڑھ گئے، اور اس نے اولاً اپنی مجبوری بیان کی کہ میں ان کے عشق میں کیوں گرفتار ہوئی؟ کہ وہ تم نے دیکھ ہی لیا، اور پھر اس نے ان عورتوں سے خطاب کرتے ہوئے حضرت یوسف علیہ السلام کو دھمکی آمیز لہجے میں یہ بات سنائی کہ اگر اب وہ میری مراد پوری نہ کریں گے تو انہیں ذلت کے ساتھ جیل جانا پڑے گا۔ ارشاد خداوندی ہے:

قَالَتْ فَذٰلِكُنَّ الَّذِيْ لُمْتُنَّنِيْ فِيْهِ وَلَقَدْ رَاوَدْتُّهٗ عَنْ نَّفْسِهٖ فَاسْتَعْصَمَ وَلَئِنْ لَّمْ يَفْعَلْ مَآ اٰمُرُهٗ لَيُسْجَنَنَّ وَلَيَكُوْنًا مِّنَ الصّٰغِرِيْنَ.

(یوسف: ۳۲)

بولی: یہ وہی ہیں جن کے بارے میں تم نے مجھ پر لعن طعن کا بازار گرم کیا تھا، اور واقعۃً میں نے اس سے اپنی مطلب براری کی کوشش کی تھی؛ لیکن وہ پاک صاف رہا، اور اب اگر وہ میرا کہنا نہ مانے گا تو ضرور جیل بھیج دیا جائے گا، اور یقیناً بے عزت ہو جائے گا۔

تفسیر کی کتابوں میں لکھا ہے کہ زلیخا کی اس جسارت پر عورتوں نے نہ صرف اس کی تائید کی؛ بلکہ وہ حضرت یوسف علیہ السلام کو اس بات پر آمادہ کرنے لگیں کہ وہ زلیخا کی بات مان لیں۔ (تفسیر کبیر وغیرہ) گویا کہ ابھی تک ایک عورت سے سابقہ تھا، اب پوری ٹولی برائی پر آمادہ کرنے لگی، یہ امتحان پہلے مرحلہ سے اور بڑھا ہوا تھا۔

جیل جانا منظور ہے، رب کی نافرمانی منظور نہیں

اس موڑ پر سیدنا حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کمال پاک بازی کا ثبوت دیتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے فریاد کی کہ: ''الٰہ العالمین! مجھے جیل جانا منظور ہے؛ لیکن جس برائی کی یہ عورت دعوت دے رہی ہے، اسے قبول کرنے کو میں تیار نہیں ہوں''، اور ساتھ میں کمال تواضع کا اظہار فرماتے ہوئے یہ بھی کہا کہ: ''اس موقع پر پاک بازی بغیر اللہ تعالیٰ کی خاص مدد کے ممکن نہیں ہے''۔

ارشاد خداوندی ہے:

قَالَ رَبِّ السِّجْنُ أَحَبُّ إِلَيَّ مِمَّا يَدْعُوْنَنِيْ إِلَيْهِ، وَإِلَّا تَصْرِفْ عَنِّيْ كَيْدَهُنَّ أَصْبُ إِلَيْهِنَّ وَأَكُنْ مِّنَ الْجٰهِلِيْنَ. (یوسف: ۳۳)

فرمایا: اے میرے رب! جس (ناجائز) کام کی طرف یہ عورت مجھے بلا رہی ہے اس کے مقابلہ میں مجھے جیل میں جانا زیادہ پسند ہے، اور اگر آپ ان عورتوں کے داؤ پیچ مجھ سے دفع نہ فرمائیں گے تو میں ان کی طرف مائل ہو کر نادانوں میں شامل ہو جاؤں گا۔

حضرت یوسف علیہ السلام کے اس عظیم کردار سے نصیحت ملی کہ آدمی دنیا کی عارضی مشقت برداشت کرلے؛ لیکن گناہ کی نحوست سے آخرت میں سخت تکلیف سے بچنے کا ضرور انتظام کرے، عقل مندی کا تقاضا یہی ہے، ایک مؤمن کو ہمیشہ معصیت سے بچنا چاہئے، خواہ اس کے لئے کتنی ہی مشقت جھیلنی پڑے، بہر حال اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف علیہ السلام کی فریاد سن لی اور حالات ایسے بنے کہ آپ کو معاملہ رفع دفع کرنے کی غرض سے جیل خانہ میں پہنچا دیا گیا، جیل میں آپ کے پہنچنے سے وہاں کا ماحول بھی نورانی ہوگیا، اور آپ قیدیوں کے مصلح اور مرجع ہدایت بن گئے، اور آپ نے وہاں دعوتی محنتیں شروع کردیں، اللہ تعالیٰ نے ''تعبیر الرؤیا'' کا خاص ملکہ آپ کو عطا فرمایا تھا، لوگ آپ سے اپنے خواب بیان کرتے آپ ان کی ایسی تعبیریں بتاتے کہ وہ صبح کی طرح سچی پیش آتیں۔ اسی دوران بادشاہ نے ایک عجیب وغریب خواب دیکھا جس کی تعبیر کسی کے سمجھ میں نہیں آئی، ایک قیدی جو آپ سے اپنے خواب کی تعبیر معلوم کرچکا تھا، اور اسے رہائی مل گئی تھی، اس نے بادشاہ سے کہا کہ اجازت ہو تو میں اپنے قیدی دوست سے تعبیر معلوم کرآؤں، بادشاہ نے اجازت دی، اس نے حضرت یوسف علیہ السلام سے تعبیر پوچھی، آپ نے صحیح صحیح تعبیر بتادی۔

بادشاہ نے ایک قاصد بھیجا کہ خود یوسف علیہ السلام کی زبانی تعبیر سنے، تو حضرت یوسف علیہ السلام نے کمال صبر کا ثبوت دیتے ہوئے اس قاصد سے جو رہائی کا پیغام لایا تھا، یہ کہہ دیا کہ: ''جاؤ! پہلے یہ تحقیق کرو کہ عورتوں نے اپنے ہاتھ کیوں کاٹے تھے''؟ چناں چہ بادشاہ نے جب تحقیق کی تو سب عورتوں نے صاف براءت کردی کہ ہم نے حضرت یوسف علیہ السلام میں کوئی برائی نہیں دیکھی اور خود زلیخا بول اٹھی کہ میں ہی خطاوار تھی اور یوسف علیہ السلام ہی سچے ہیں۔ اس موقع پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت یوسف علیہ السلام کی تعریف فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا:

لَوْ لَبِثْتُ فِي السِّجْنِ طُوْلَ لُبْثِ يُوْسُفَ لَأَجَبْتُ الدَّاعِيَ. (رواه البخاري ٤٧٧/١ رقم: ٣٣٧٢، مسلم شريف ٨٥/١ رقم: ١٥١)

اور اگر میں حضرت یوسف علیہ السلام کی طرح لمبی مدت تک جیل خانہ میں رہتا تو رہائی کا پیغام لانے والے داعی کی دعوت ضرور قبول کرلیتا۔

واقعی یہ بڑے ضبط کی بات تھی کہ مشقت آمیز جیل سے رہائی کا موقع مل رہا تھا؛ لیکن آپ نے معاملہ کی صفائی کے بغیر باہر آنا گوارا نہ فرمایا، اس سے نصیحت ملی کہ مقتدیٰ شخص کو اپنے اوپر لگنے والے الزامات کی صفائی دینے کا ضرور اہتمام کرنا چاہئے؛ تاکہ آئندہ اس پر کوئی انگلی نہ اٹھا سکے، اور قوم میں اس کا اعتماد بحال رہے۔ آج بہت سے لوگ قوم وملت سے بالکل بے نیاز ہو کر زندگی گذارتے ہیں اور بسا اوقات اپنے بارے میں پھیلائی جانے والی افواہوں کی صفائی پر کوئی دھیان نہیں دیتے، جس کا انہیں بعد میں بہت نقصان اٹھانا پڑتا ہے، ایسے حضرات کے لئے سیدنا حضرت یوسف علیہ السلام کے طرزِ عمل میں یقیناً بہترین اسوہ اور نمونہ موجود ہے۔

نفس تو ''امّارہ'' ہے

اس پورے واقعہ کا ایک اہم پہلو یہ ہے کہ سیدنا حضرت یوسف علیہ السلام اگرچہ ہر نازک موڑ پر اطاعت پر جمے رہے، اور معصیت کی طرف نظر اٹھا کر بھی نہ دیکھا، اور برائی کے ہر موقع پر صاف بچ کر نکل آئے؛ لیکن آپ نے ایک لمحہ کے لئے بھی اپنی اس پارسائی پر بھروسہ نہیں کیا اور نہ اپنے نفس کے شر سے کبھی غافل ہوئے؛ بلکہ عاجزی کے ساتھ یہ فرماتے رہے:

وَمَآ أُبَرِّئُ نَفْسِيْ إِنَّ النَّفْسَ لَأَمَّارَةٌ بِالسُّوْٓءِ إِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّيْ إِنَّ رَبِّيْ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ. (یوسف: ۵۳)	اور میں اپنے جی کو پاک نہیں کہتا، بے شک یہ جی تو برائی ہی سکھلاتا ہے، مگر یہ کہ جس پر میرا رب رحم کردے، یقیناً میرا رب بہت بخشنے والا اور مہربان ہے۔

اب دیکھئے جب ایک نبی اپنے نفس کے بارے میں یہ رائے ظاہر فرما رہے ہیں تو ہما شما کی کیا مجال کہ وہ اپنے نفس پر بھروسہ کرے، ہمیں تو اور زیادہ اپنے نفس سے ہوشیار رہنا چاہئے؛ کیوں کہ اگر نفس کے بارے میں ذرا بھی غفلت برتی جائے گی، تو وہ انسان کو ایسی جگہ لا کھڑا کرے گا جہاں اسے ذلت ورسوائی کے علاوہ کچھ نہ ملے گا۔

صبر وتقویٰ کلیدِ کامیابی ہے

سیدنا حضرت یوسف علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے معصیت سے بچایا، پھر حکومت کے خزانے آپ کے حوالے کردئے، اور بالآخر آپ کے والدین اور بھائیوں نے آپ کی قدم بوسی کی، شروع زندگی کا وقت بڑی آزمائشوں میں گذرا؛ لیکن بعد میں ترقیات اور فتوحات کے دروازے کھلتے چلے گئے، یہ مقام آپ کو کیسے حاصل ہوا؟ اس کی بے شمار تفصیلات کو اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف علیہ السلام کی زبانی ایک آیت کے ٹکڑے میں اس طرح بیان فرمایا:

إِنَّـهُ مَـنْ يَّتَّـقِ وَيَـصْـبِـرْ فَإِنَّ اللّٰهَ لاَ يُضِيْعُ أَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ. (یوسف: ۹۰)	بے شک جو شخص اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے اور صبر سے کام لیتا ہے، تو اللہ تعالیٰ نیکی کرنے والوں کے حق کو ضائع نہیں فرماتے۔

اس آیت میں پیش کیا گیا اعلامیہ رہتی دنیا تک کے لئے نسخۂ کیمیا ہے، مسلم قوم اگر کامیابی کی متمنی اور ترقی کی متلاشی ہے تو اسے یہی نسخہ اپنانا پڑے گا، تقویٰ والا معاشرہ بنانا ہوگا اور حالات پر صبر کی عادت ڈالنی ہوگی، اس کے بغیر ترقی اور عزت کی بات کرنا فضول ہے، اور ایسا خواب ہے جو نہ کبھی شرمندۂ تعبیر ہوا اور نہ آئندہ ہوسکتا ہے۔ وَمَا عَلَيْنَا اِلَّا الْبَلاَغُ الْمُبِيْنُ۔

نویں فصل:

پاک دامنی کا صلہ

جو شخص قدرت اور اختیار کے باوجود پاک بازی کا راستہ اختیار کرتا ہے اس کے لئے قرآن وحدیث میں بڑی بشارتیں وارد ہیں، گویا وقتی طور پر خواہش نفس پر قابو پانے کا وہ عظیم صلہ ملتا ہے جس کا دنیا میں کوئی تصور نہیں کیا جا سکتا، ایسا شخص اللہ تعالیٰ کا منظور نظر بن جاتا ہے اور سب سے بڑا عبادت گذار قرار پاتا ہے؛ کیوں کہ محض کثرتِ عبادت اصل نہیں؛ بلکہ عبادات کی حفاظت کی اہمیت زیادہ ہے، اسی لئے جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اِتَّقِ الْمَحَارِمَ تَكُنْ أَعْبُدَ النَّاسِ. (رواه الترمذي ٥٦/٢ رقم: ٢٣٠٥، الترغيب والترهيب مكمل ٥٥٠ رقم: ٣٩٠٢)

اللہ تعالیٰ کی حرام کردہ باتوں سے بچو، تو تم سب سے بڑے عبادت گذار بن جاؤ گے۔

اس لئے ہر مسلمان کو عبادات کرنے کے ساتھ ساتھ ان کو ضائع ہونے سے بچانے کی بھی فکر رکھنی چاہئے، اور یہ جبھی ہوگا جب کہ آدمی گناہوں سے پوری طرح بچنے کا اہتمام کیا کرے، اور نفس کے تقاضہ پر عمل کرنے کے بجائے شریعت کے تقاضوں پر عمل کی پابندی کرے۔ ممکن ہے کہ یہ بات نفس پر گراں گذرے؛ لیکن جو اس مرحلہ کو صبر واستقامت کے ساتھ پار کرلے گا وہ فلاح یاب ہوجائے گا۔

جنت الفردوس کا وعدہ

جنت کا سب سے اعلیٰ درجہ ''جنت الفردوس'' ہے، اس اعلیٰ ترین درجہ کے جو لوگ مستحق قرار دئے گئے ہیں ان کی صفاتِ عالیہ سورۂ مؤمنون کے شروع میں بیان کی گئی ہیں، انہی میں سے

ایک صفت یہ بھی ہے:

وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حَافِظُوْنَ، إِلَّا عَلٰى أَزْوَاجِهِمْ أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُمْ فَإِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ.

(المؤمنون: ٥-٦)

اور جو لوگ اپنی شرم گاہوں کو تھام کر رکھنے والے ہیں سوائے اپنی بیویوں اور باندیوں سے، سو ان پر کوئی ملامت نہیں ہے۔

مذکورہ صفات والوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ خوش خبری سنائی گئی:

أُولٰئِكَ هُمُ الْوَارِثُوْنَ. الَّذِيْنَ يَرِثُوْنَ الْفِرْدَوْسَ. هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ. (المؤمنون: ١٠-١١)

یہی لوگ ہیں جو وارث ہونے والے ہیں، جو فردوس کے مالک ہوں گے اور وہ اس میں ہمیشہ ہمیش رہیں گے۔

اسی طرح کی بشارتیں سورۂ فرقان اور سورۂ معارج وغیرہ میں بھی وارد ہیں۔

جنت میں داخلہ کی ضمانت

ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص مجھ سے چھ باتوں کی ضمانت لے لے، میں اس کے لئے جنت کی ضمانت لیتا ہوں، صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا یارسول اللہ! وہ چھ باتیں کیا ہیں؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

مَنْ إِذَا حَدَّثَ صَدَقَ، وَإِذَا وَعَدَ أَنْجَزَ، وَإِذَا أُئْتُمِنَ أَدّٰى وَمَنْ غَضَّ بَصَرَهُ وَحَفِظَ فَرْجَهُ وَكَفَّ يَدَهُ أَوْ قَالَ نَفْسَهُ.

(شعب الإيمان ٣٦٥/٤ رقم: ٥٤٣٤)

(۱) جو جب بولے تو سچ ہی بولے (۲) جب وعدہ کرے تو پورا کرے (۳) جب امین بنایا جائے تو امانت ادا کرے (۴) جو اپنی نگاہ نیچی رکھے (۵) جو اپنی شرم گاہ کی حفاظت کرے (۶) اور جو اپنے ہاتھ یا اپنی ذات کو (دوسروں کو اذیت دینے سے) روکے رکھے۔

حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے

ارشاد فرمایا:

يَا شَبَابَ قُرَيْشٍ! إِحْفَظُوْا فُرُوْجَكُمْ وَلَا تَزْنُوْا أَلَا! مَنْ حَفِظَ فَرْجَهُ فَلَهُ الْجَنَّةُ.

(شعب الإيمان ٣٦٥/٤ رقم: ٥٤٢٥)

اے قریش کے جوانو! اپنی شرم گاہوں کو محفوظ رکھو اور زنا نہ کرو، اچھی طرح سمجھ لو کہ جو شخص اپنی شرم گاہ کو محفوظ رکھ لے اس کے لئے جنت ہے۔

ایک اور حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

يَا فِتْيَانَ قُرَيْشٍ! لَا تَزْنُوْا فَإِنَّهُ مَنْ سَلِمَ اللّٰهُ لَهُ شَبَابَهُ دَخَلَ الْجَنَّةَ. (شعب الإيمان ٣٦٥/٤ رقم: ٥٤٢٦)

اے قریش کے جوانو! زنا نہ کرو؛ کیوں کہ اللہ تعالیٰ جس کی جوانی کو محفوظ کردے وہ جنت میں داخل ہوگیا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

مَنْ حَفِظَ مَا بَيْنَ لَحْيَيْهِ وَ بَيْنَ رِجْلَيْهِ دَخَلَ الْجَنَّةَ. (شعب الإيمان ٣٦٠/٤ رقم: ٥٤٠٦، وروى الترمذي نحوه رقم: ٢٤٠٩)

جو شخص اس چیز کو محفوظ کرلے جو اس کے دو جبڑوں کے درمیان ہے (یعنی زبان) اور اس چیز کو محفوظ کرے جو دو پیروں کے درمیان ہے (یعنی شرم گاہ) وہ جنت میں داخل ہوگیا۔

اسی طرح ایک روایت بخاری شریف میں حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے جس میں یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص مذکورہ دو چیزوں کی مجھ سے ضمانت لے لے میں اس کے لئے جنت کی ضمانت لیتا ہوں۔

میدانِ محشر میں عرشِ خداوندی کا سایہ

ایک روایت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سات ایسے خوش نصیب لوگوں کا ذکر فرمایا ہے، جنہیں میدانِ محشر میں عرشِ خداوندی کے سایہ میں بٹھایا جائے گا، ان میں سے ایک وہ شخص بھی ہے جس کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

رَجُلٌ دَعَتهُ إِمْرَأَةٌ ذَاتُ مَنْصَبٍ وَجَمَالٍ فَقَالَ إِنِّي أَخَافُ اللّٰهَ.

(مسلم شریف ۳۳۱/۱ رقم: ۱۰۳۱)

ایسا شخص جسے کوئی عزت دار اور خوبصورت عورت بدکاری کے لئے بلائے اور وہ کہہ دے کہ مجھے اللہ سے ڈر لگ رہا ہے۔

اگر عورت حسن وجمال اور منصب والی ہو اور وہ از خود کسی شخص کو برائی پر آمادہ کرے تو یہ نہایت نازک مقام ہوتا ہے، اس نازک ترین امتحان میں جو شخص کامیاب ہو جائے اس کو یقیناً میدانِ محشر میں عزت وتکریم سے نوازا جائے گا، جس کا ذکر حدیث بالا میں صراحۃً کیا گیا ہے؛ لیکن یہ یاد رکھنا چاہئے کہ اس نازک امتحان میں کامیاب وہی شخص ہوسکتا ہے جس کا دل ہر وقت خوف وخشیت سے معمور ہو، اور اللہ تعالیٰ کی ذات کا مکمل استحضار نصیب ہو۔

وہ دروازہ جو بند نہیں

علامہ عبد اللہ ابن اسعد الیافعی (المتوفی ۷۶۸ھ) نے اپنی کتاب ''الترغیب والترہیب'' میں بعض سچی توبہ کرنے والوں کے واقعات کے ضمن میں لکھا ہے کہ ایک شخص عورتوں کا بڑا رسیا تھا، ایک دن وہ اپنے دروازے کی چوکھٹ پر کھڑا تھا، سامنے سے ایک حسین وجمیل عورت گذری، اس نے اسے زبردستی اپنے گھر میں کھینچ لیا، اور اس کو برائی پر آمادہ کرنے لگا، تو عورت نے کہا کہ اپنے گھر کا دروازہ بند کرلو؛ تاکہ کوئی ہمیں نہ دیکھ سکے، تو اس شخص نے کہا کہ میں نے سب دروازے بند کرلئے، تو عورت بولی کہ ایک دروازہ ابھی بند ہونے سے رہ گیا ہے، اس شخص نے کہا کہ وہ کونسا دروازہ ہے؟ تو عورت نے کہا کہ: ''یہ وہ دروازہ ہے جس سے اللہ تعالیٰ ہمیں دیکھ رہے ہیں''، بس عورت کا یہ جملہ سن کر اس شخص کے دل کی کیفیت بدل گئی اور اس نے اسی عورت کے سامنے اللہ تعالیٰ سے گناہوں سے سچی توبہ کرلی۔ (الترغیب والترہیب للیافعی ۱۶۳)

اسی مضمون کو بعض عربی شعراء نے اِن الفاظ میں ادا کیا ہے:

وَ إِذَا خَلَوْتَ بِرِيبَةٍ فِي ظُلْمَةٍ ❖ وَالنَّفْسُ دَاعِيَةٌ إِلَى الطُّغْيَانِ
فَاسْتَحْيِ مِنْ نَظَرِ الْإِلٰهِ وَقُلْ أَلا! ❖ إِنَّ الَّذِيْ خَلَقَ الظَّلَامَ يَرَانِيْ

ترجمہ :- (۱) جب تو اندھیرے میں کسی تہمت کی جگہ پر تنہا ہو اور نفس سرکشی پر اتارہا ہو۔ (۲) تو اللہ کے دیکھنے سے شرم کر، اور یہ کہہ دے کہ خبردار ہوشیار! بے شک جو اندھیریوں کا خالق ہے وہ مجھے دیکھ رہا ہے۔

ایک نصیحت آموز واقعہ

مکہ معظّمہ میں ایک بڑے بزرگ علامہ عبید بن عمیر مکی (المتوفی ۶۸ ھ) مقیم تھے، جو صلاح وتقویٰ اور دین داری میں شہرت رکھتے تھے، اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے صحبت یافتہ تھے، علامہ عجلی نے اپنی کتاب (الثقات ۱۱۹/۲) میں ان کے متعلق واقعہ نقل کیا ہے کہ مکہ معظّمہ میں ایک خوبصورت منکوحہ عورت تھی، اس عورت نے ایک روز اپنا چہرہ آئینہ میں دیکھا اور اپنے شوہر سے کہنے لگی کہ بتاؤ کیا یہ ممکن ہے کہ کوئی شخص اس چہرہ کو دیکھ کر فتنہ میں مبتلا نہ ہو؟ شوہر نے کہا کہ ہاں ممکن ہے، عورت بولی کہ ایسا شخص کون ہے؟ شوہر نے کہا کہ عبید بن عمیر، اس عورت نے کہا کہ آپ مجھے اجازت دیں میں ان کو فتنہ میں مبتلا کردوں گی، شوہر نے اجازت دے دی، یہ عورت شیخ عبید بن عمیر کے پاس آئی اور ایک مسئلہ پوچھنے لگی، اور اسی دوران اپنے چہرہ سے نقاب اٹھادی، وہ چہرہ چاند کے ٹکڑے کے مانند تھا، پھر کہنے لگی کہ میں آپ پر عاشق ہوگئی ہوں، آپ میرے بارے میں غور کریں، شیخ نے فرمایا کہ میں تجھ سے چند سوالات کرتا ہوں، اس کے بعد ہی تیرے بارے میں سوچوں گا، پھر حضرت نے سوال کرنے شروع کئے:

پہلا سوال یہ کیا کہ اگر ملک الموت تیری روح قبض کرنے آجائیں، تو کیا اس وقت تجھے خوشی ہوگی کہ میں تیری خواہش پوری کروں؟ عورت نے کہا کہ ہرگز نہیں۔

پھر آپ نے سوال کیا کہ جب لوگوں کو ان کے اعمال نامے دئے جارہے ہوں گے اور تجھے یہ علم نہ ہوگا کہ میرا اعمال نامہ دائیں ہاتھ میں ملے گا یا بائیں ہاتھ میں؟ تو کیا اس حالت میں تجھے یہ بات پسند ہوگی کہ میں تیری حاجت پوری کروں؟ عورت نے کہا کہ واللہ نہیں۔

پھر آپ نے سوال کیا کہ جب تو میدانِ محشر میں پل صراط پر گذرنے کا ارادہ کررہی ہوگی

اور تجھے معلوم نہیں ہوگا کہ تو نجات پاتی ہے یا نہیں، تو کیا ایسے وقت تجھے یہ برائی کرنا پسند ہوگا؟ تو وہ کہنے لگی واللہ نہیں!

پھر آپ نے وزنِ اعمال اور اللہ کے سامنے سوال و جواب کے وقت کی کیفیات کا ذکر کرکے یہی سوال کیا، تو عورت کا جواب نفی میں تھا۔

ان سب سوال وجواب کے بعد آپ نے فرمایا کہ اللہ کی بندی اللہ سے ڈر، اور اللہ تعالیٰ نے جو احسانات تجھ پر فرمائے ہیں، اس پر شکر ادا کر۔

شیخ عبید بن عمیر کی اس اصلاحی مؤثر گفتگو سے اس شوخ عورت کے دل کی دنیا بدل گئی، اور وہ زیب وزینت اور حسن و جمال پر ناز کرنے کے بجائے نماز روزہ اور عبادات میں مشغول ہوگئی؛ تا آں کہ اس کا شوہر بعد میں یہ کہا کرتا تھا کہ عبید بن عمیر نے میری عورت کو بگاڑ کر راہبہ بنا دیا۔

(تلخیص از: نصیحۃ المسلمین ترجمہ: رسالۃ المسترشدین از: حضرت مولانا قمر الزماں صاحب الہ آبادی وحضرت مولانا عبداللہ کاپودری صاحب زید مجدہم ۳۵۸-۳۵۹)

پاک دامنی کی برکت سے موت سے نجات ملی

صحیح احادیث میں پرانی قوموں کا ایک واقعہ نقل کیا گیا ہے کہ تین چرواہے بارش سے بچنے کے لئے ایک غار میں جا چھپے، اچانک ایک بڑی چٹان اوپر سے لڑھکی اور وہ غار گویا قبر بن گیا، اب ان تینوں نے آپس میں ایک دوسرے سے یہ کہا کہ اس وقت تمہیں سوائے سچائی اور اللہ تعالیٰ سے صدق دلی کے ساتھ فریاد کے علاوہ کوئی چیز بچا نہیں سکتی؛ اس لئے ہر آدمی اللہ تعالیٰ سے اپنی زندگی کے اس عمل صالح کے حوالہ سے دعا مانگے جو اس نے پورے خلوص سے انجام دیا ہو۔

چناں چہ ان میں سے ایک شخص کھڑا ہوا اور اس نے یہ دعا کی کہ اے اللہ! آپ جانتے ہیں کہ میرا ایک مزدور تھا، جس نے ایک بوری چاول کے بدلہ میں میرا کام انجام دیا، پھر وہ مزدوری لئے بغیر چلا گیا، چناں چہ میں نے اس کے حصہ کے چاول کو کھیت میں بویا، جس سے اتنا نفع ہوا کہ میں نے اس کی ایک گائے خریدلی، پھر بعد میں جب وہ اپنی مزدوری مجھ سے مانگنے آیا تو میں نے کہا

کہ جا یہ گائے تو لے جا، وہ کہنے لگا کہ میرے تو چاول تھے تو میں نے کہا کہ نہیں یہ گائے تیری ہی ہے، اور اسی چاول سے خریدی گئی ہے، چناں چہ وہ اسے لے گیا، پس اے الٰہ العالمین! اگر تو جانتا ہے کہ میں نے یہ عمل صرف تیرے ڈر سے کیا ہے تو اس مصیبت سے ہمیں نجات عطا فرما، پس وہ چٹان تھوڑی سی اپنی جگہ سے کھسک گئی۔

پھر دوسرا شخص کھڑا ہوا، اس نے ان الفاظ میں دعا کی کہ اے اللہ! آپ کو معلوم ہے کہ میرے ماں باپ بوڑھے اور کبیر السن تھے، اور میں ہر رات ان کی خدمت میں اپنی بکریوں کا دودھ سب سے پہلے پیش کیا کرتا تھا، تو ایک رات مجھے ان کے پاس پہنچنے میں دیر ہوگئی پس جب میں پہنچا تو وہ سو چکے تھے، اور میرے گھر والے اور بچے بھوک سے بے چین تھے، اور میں ماں باپ کو پلائے بغیر بچوں کو پلانا نہیں چاہتا تھا، اور مجھے ان دونوں کو جگانا بھی اچھا نہیں لگتا تھا، اور یہ بھی مجھے پسند نہیں تھا کہ میں انہیں چھوڑ کر خود پیوں جس سے انہیں مزید کمزوری ہو جائے، پس میں صبح ہونے تک ان کا انتظار کرتا رہا، اے الٰہ العالمین! اگر آپ جانتے ہیں کہ یہ میں نے صرف آپ کے ڈر سے کیا ہے تو آپ ہماری مشکل آسان فرمایئے، چناں چہ وہ چٹان مزید کھسک گئی، حتی کہ اُنہیں آسمان نظر آنے لگا۔ (لیکن ابھی وہ اس میں سے نکل نہیں سکتے تھے)

پھر ان میں تیسرا شخص کھڑا ہوا اور اس نے دعا کرتے ہوئے یہ الفاظ کہے:

أَللّٰهُمَّ إِنْ كُنتَ تَعْلَمُ أَنَّهُ كَانَ لِيْ إِبْنَةُ عَمٍّ مِنْ أَحَبِّ النَّاسِ إِلَيَّ، وَأَنِّي رَاوَدْتُهَا عَنْ نَفْسِهَا فَأَبَتْ إِلاَّ أَنْ آتِيَهَا بِمِائَةِ دِيْنَارٍ، فَطَلَبْتُهَا حَتّٰى قَدَرْتُ، فَأَتَيْتُهَا بِهَا فَدَفَعْتُهَا إِلَيْهَا، فَأَمْكَنَتْنِي مِنْ نَفْسِهَا، فَلَمَّا قَعَدْتُ بَيْنَ رِجْلَيْهَا فَقَالَتْ: إِتَّقِ	اے اللہ آپ کو یقیناً یہ بات معلوم ہے کہ میری ایک چچا زاد بہن تھی جو مجھے لوگوں میں سب سے زیادہ پسند تھی، تو میں نے اس کو اپنی طرف مائل کرنے کی بہت کوشش کی، مگر وہ سو اشرفیاں لئے بغیر تیار نہ ہوئی پس میں نے محنت کر کے سو اشرفی جمع کیں اور لے جا کر اسے پیش کیں، چناں چہ اس نے مجھے اپنے اوپر قدرت دے دی، پھر

اللّٰہَ وَلَا تَفُضَّ الْخَاتَمَ إِلَّا بِحَقِّهٖ، فَقُمْتُ وَتَرَكْتُ الْمِائَةَ الدِّيْنَارَ. فَإِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ أَنِّيْ فَعَلْتُ ذٰلِكَ مِنْ خَشْيَتِكَ فَفَرِّجْ عَنَّا، فَفَرَّجَ اللّٰهُ عَنْهُمْ فَخَرَجُوْا. (بخاری شریف مع فتح الباری ٨/٦٢٧ حدیث: ٣٤٦٥)

جب میں اس کے سامنے بیٹھا تو اس نے کہا کہ اللہ سے ڈر! اور استحقاق کے بغیر مہر مت توڑ، چناں چہ میں وہاں سے اٹھ کھڑا ہوا اور میں نے وہ سو اشرفیاں بھی واپس نہیں لیں، پس اے اللہ اگر آپ جانتے ہیں کہ یہ عمل میں نے آپ کے ڈر سے انجام دیا ہے تو آپ اس مصیبت سے ہمیں نجات عطا فرمائیے۔

چناں چہ اللہ تعالیٰ نے وہ پوری چٹان اپنی جگہ سے ہٹادی اور یہ لوگ بسلامت باہر آ گئے، اور نجات پا گئے۔

اس روایت سے یہ معلوم ہوا کہ اعمالِ صالحہ سے دنیا میں بھی نجات ملتی ہے اور بلائیں ٹلتی ہیں، اور خاص کر خوفِ خداوندی کے سبب جو شخص گناہ سے بچے گا وہ تقربِ خداوندی کے اونچے درجات تک لمحوں میں پہنچ جائے گا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی کامل خشیت نصیب فرمائیں، آمین۔

پاک بازی کی بنا پر مغفرت نصیب ہوئی

ترمذی شریف میں حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے حوالہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بنی اسرائیل میں کفل نام کا ایک شخص تھا، جو کسی بھی گناہ سے نہیں بچتا تھا، پس اس کے پاس ایک عورت آئی اس نے اسے ساٹھ اشرفی دے کر بدکاری پر آمادہ کرلیا، پھر جب وہ بدکاری کرنے کے لئے بیٹھا تو خوفِ خداوندی کی وجہ سے اس عورت پر کپکپی طاری ہوگئی اور وہ بے اختیار رونے لگی، تو کفل نے اس عورت سے کہا کہ تو کیوں رو رہی ہے؟ کیا میں نے تجھے مجبور کیا ہے، وہ کہنے لگی کہ نہیں؛ بلکہ یہ ایسا عمل ہے جو میں نے زندگی میں کبھی نہیں کیا، اور صرف محتاجگی کی وجہ سے میں اس پر مجبور ہوئی ہوں، تو کفل نے اس سے کہا کہ اچھا! یہ بات ہے کہ تو صرف فقر کی وجہ سے اس پر مجبور ہوئی، اور تو اس کی عادی نہیں ہے، پس تو چلی جا اور یہ اشرفیاں

بھی تیری ہی ہیں، اور پھر اس نے یہ کہا کہ اللہ کی قسم میں آج کے بعد کبھی بھی اللہ کی نافرمانی نہ کروں گا۔ اتفاق یہ کہ اسی رات اس کفل کی موت ہوگئی تو صبح کو دیکھا گیا کہ اس کے دروازے پر یہ لکھا ہوا تھا کہ: ''اللہ تعالیٰ نے کفل کی مغفرت فرمادی ہے''۔ (ترمذی شریف ۷۶/۲، انوار ہدایت ۲۴۷)

زنا سے بچنے کی ایک عمدہ تدبیر

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک نوجوان نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آکر عرض کیا کہ یارسول اللہ! کیا آپ مجھے زنا کی اجازت دے سکتے ہیں؟ اس کی یہ جسارت دیکھ کر مجلس میں بیٹھے لوگ شور مچانے لگے اور کہنے لگے کہ اسے اٹھاؤ اسے اٹھاؤ (یہ کیا بک رہا ہے) مگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نہیں اسے بیٹھے رہنے دو اور مجھ سے قریب کرو، جب وہ قریب ہوگیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ کیا یہ کام تم اپنی ماں کے ساتھ اچھا سمجھتے ہو؟ تو اس نے کہا نہیں، میں آپ پر قربان! تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اسی طرح لوگ بھی اپنی ماں کے ساتھ اسے اچھا نہیں سمجھتے۔ پھر آپ نے پوچھا کہ اگر کوئی تمہاری بیٹی کے ساتھ ایسا کرے تو کیا تمہیں اچھا لگے گا؟ تو اس نے کہا ہرگز نہیں یارسول اللہ! تو آپ نے ارشاد فرمایا: اسی طرح لوگ اپنی بیٹی کے ساتھ اسے اچھا نہیں سمجھتے۔ پھر آپ نے اس کی بہن، پھوپھی اور خالہ وغیرہ کا ذکر کرکے اسی طرح سمجھایا تو اس کی سمجھ میں آگیا، اور اس نے عرض کیا: یارسول اللہ! میرے لئے دُعا فرمایئے! تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر یہ دعائیہ کلمات ارشاد فرمائے:

اَللّٰهُمَّ اِغْفِرْ ذَنْبَهُ وَطَهِّرْ قَلْبَهُ وَحَصِّنْ فَرْجَهُ.	اے اللہ اس کے گناہ معاف فرما، اس کا دل پاک فرما اور اس کی شرم گاہ کی حفاظت فرما۔

راوی فرماتے ہیں کہ اس کے بعد اس نوجوان کا یہ حال ہوگیا تھا کہ اس کی نگاہ کسی بدعملی کی طرف اُٹھتی ہی نہ تھی۔ (شعب الایمان ۳۶۲/۴ حدیث: ۵۴۱۵)

اس واقعہ میں پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بدکاری سے بچنے کی ایک ایسی عمدہ تدبیر امت کو

بتلائی ہے کہ جو بھی بُرائی کرنے والا ایک لمحہ کے لئے بھی اس بارے میں سوچ لے، تو وہ اپنے غلط ارادے سے باز آ سکتا ہے؛ کیوں کہ ظاہر ہے کہ جس عورت سے بدکاری کا ارادہ ہوگا وہ کسی کی بہن، بیٹی یا ماں ضرور ہوگی اور جس طرح آدمی خود اپنی ماں بہنوں کے ساتھ یہ جرم گوارا نہیں کرتا، اسے سوچنا چاہئے کہ دوسرے لوگ اسے کیوں کر گوارہ کریں گے؟

اللہ تعالیٰ پوری امت کو سچی پاک دامنی نصیب فرمائیں، اور ہر طرح کی بے حیائی اور بے شرمی سے حفاظت فرمائیں، آمین۔

دسویں فصل:

لواطت اور ہم جنسی کی لعنت

زیر بحث آیت: ﴿وَيَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ الخ﴾ میں ''اَلْفَحْشَاءُ'' کا ایک اہم مصداق وہ بدترین عمل بھی ہے جسے ''لواطت'' یا ''ہم جنسی'' کا نام دیا گیا ہے، یعنی مردوں اور عورتوں کا فطری طریقہ کو چھوڑ کر آپس میں جنسی تعلق قائم کرنا جو نہ صرف یہ کہ خلافِ فطرت؛ بلکہ اخلاقی اعتبار سے بھی نہایت گھناؤنا اور خبیث عمل ہے۔ انسان تو انسان عام جانور بھی اس بدترین عمل کے قریب نہیں جاتے۔

مشہور محدث امام محمد بن سیرین فرماتے ہیں کہ: ''جانوروں میں سے بھی سوائے گدھے اور خنزیر کے کوئی جانور قوم لوط والا عمل نہیں کرتا''۔ (تفسیر در منثور ۳/۱۸۷)

لیکن آج اپنے آپ کو مہذب اور انسانیت کی ٹھیکے دار قرار دینے والی یورپین قومیں اس عملِ بد کی نہ صرف تائید کر رہی ہیں؛ بلکہ ان کے ممالک میں اس عمل کو قانونی حیثیت دے کر برسرِ عام شرم وحیا اور انسانیت کا جنازہ نکال دیا گیا ہے، اور اس پر طرہ یہ کہ بے غیرت اور بے ضمیر میڈیا نے پورے عالم میں ایسا ماحول بنا دیا ہے کہ اگر کوئی شخص اس عمل کی برائی ظاہر کر دے تو اس کے خلاف ہی مباحثے اور تبصرے شروع ہو جاتے ہیں۔

ابھی چند روز پہلے ہندوستان کے ایک مسلمان وزیر نے اپنی کتاب میں ہم جنسی کو ایک بیماری قرار دے دیا، تو یہ سب مادر پدر آزاد، بے شرم بیمار ذہنیت کے لوگ اس وزیر کے سر ہو گئے، گویا اس بارے میں اظہارِ رائے بھی ایک جرم بن گیا، اس صورتِ حال پر جتنا بھی ماتم کیا جائے کم ہے۔

قومِ لوط کا بھیانک انجام

ہم جنسی وہ منحوس اور بدترین جرم ہے جس کا دنیا میں سب سے پہلے قوم لوط نے ارتکاب کیا تھا، یہ قوم اردن کے مشرقی جانب بحرمیت کے کنارے ''سدوم'' وغیرہ شہروں میں آباد تھی، اس کی ہدایت کے لئے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بھتیجے حضرت لوط علیہ السلام کو مبعوث کیا گیا تھا، جب حضرت لوط علیہ السلام نے اس قوم کے حالات کا جائزہ لیا تو پتہ چلا کہ یہ پوری کی پوری قوم شرک وکفر کے ساتھ ساتھ ہم جنسی کے گندے اور خلافِ فطرت عمل میں مبتلا ہے؛ بلکہ اس غلیظ عمل کی موجد بھی ہے کہ اس سے پہلے دنیا کی کسی قوم میں اس برائی کا وجود نہ تھا، شیطان لعین نے سب سے پہلے ''سدوم'' کے لوگوں کو ہی یہ گندی راہ سجھائی تھی، تو حضرت لوط علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کو نصیحتیں فرمائیں۔ قرآنِ کریم میں کئی جگہ ان کے ناصحانہ الفاظ نقل کئے گئے ہیں۔ سورۂ اعراف میں ہے:

وَلُوْطًا إِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖٓ أَتَأْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ مَا سَبَقَكُمْ بِهَا مِنْ أَحَدٍ مِنَ الْعٰلَمِيْنَ. إِنَّكُمْ لَتَأْتُوْنَ الرِّجَالَ شَهْوَةً مِّنْ دُوْنِ النِّسَآءِ، بَلْ أَنْتُمْ قَوْمٌ مُّسْرِفُوْنَ.

(الإعراف: ۸۰-۸۱)

اور ہم نے لوط کو بھیجا، جب کہا اس نے اپنی قوم سے کہ کیا تم اس بے حیائی کے کام کو کرتے ہو جس کو تم سے پہلے سارے عالم میں کسی نے نہیں کیا۔ تم عورتوں کو چھوڑ کر مردوں پر شہوت کے مارے دوڑتے ہو، یقیناً تم لوگ حد سے آگے گذرنے والے ہو۔

اور سورۂ شعراء میں ارشاد ہے کہ حضرت لوط علیہ السلام نے فرمایا:

أَتَأْتُوْنَ الذُّكْرَانَ مِنَ الْعٰلَمِيْنَ. وَتَذَرُوْنَ مَا خَلَقَ لَكُمْ رَبُّكُمْ مِّنْ أَزْوَاجِكُمْ، بَلْ أَنْتُمْ قَوْمٌ عٰدُوْنَ.

(الشعراء: ۱۶۵-۱۶۶)

کیا تم دنیا کے مردوں سے شہوت رانی کرتے ہو؟ اور چھوڑتے ہوئے اپنی بیویوں کو جو تمہارے رب نے تمہارے واسطے ہی بنائی ہیں؛ بلکہ تم لوگ حد سے گذرنے والے ہو۔

اس کے علاوہ بھی مختلف انداز میں حضرت لوط علیہ السلام انہیں سمجھانے کی کوششیں کرتے

رہے؛ لیکن وہ لوگ ایسے خبیث الفطرت تھے کہ مان کر نہیں دیئے ؛ بلکہ الٹے حضرت لوط علیہ السلام کا مذاق اڑاتے رہے اور انہیں اپنے علاقہ سے نکال دینے کی دھمکیاں دینے لگے۔ قرآنِ پاک میں ارشاد ہے:

وَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖٓ إِلَّآ أَنْ قَالُوْٓا أَخْرِجُوْهُمْ مِّنْ قَرْيَتِكُمْ، إِنَّهُمْ أُنَاسٌ يَّتَطَهَّرُوْنَ. (الإعراف: ۸۲)	اور اس کی قوم نے یہی جواب دیا کہ ان کو اپنے شہر سے نکال دو یہ لوگ بہت پاکیزہ رہنا چاہتے ہیں۔

اور جب حضرت لوط علیہ السلام انہیں اللہ کے عذاب سے ڈراتے تو وہ لوگ بڑی جسارت اور ڈھٹائی کے ساتھ یہی کہتے کہ وہ عذاب لاکر دکھاؤ جس سے تم ڈراتے ہو، قرآنِ پاک میں ذکر ہے:

فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖٓ إِلَّآ أَنْ قَالُوْا ائْتِنَا بِعَذَابِ اللّٰهِ إِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ. (عنکبوت: ۲۹)	پھر ان کی قوم کا کچھ جواب نہ تھا مگر یہی کہ بولے کہ ہم پر اللہ کا عذاب نازل کرادیجئے اگر آپ سچے ہیں۔

اس قوم کی پے در پے شرارتوں اور خباثتوں سے تنگ آ کر بالآخر حضرت لوط علیہ السلام کے مقدس ہاتھ فریاد کے لئے بارگاہِ خداوندی میں اٹھ گئے اور ارشاد ہوا:

رَبِّ انْصُرْنِيْ عَلَى الْقَوْمِ الْمُفْسِدِيْنَ. (عنکبوت: ۳۰)	اے میرے رب ان شریر لوگوں پر میری مدد فرمایئے!

یہ فریاد بارگاہِ خداوندی میں قبول ہوئی اور اس منحوس وملعون قوم کو سبق سکھانے کا خدائی فیصلہ کرلیا گیا، اور اس کام کو انجام دینے کے لئے فرشتوں کی ایک جماعت ''سدوم'' کے لئے روانہ ہوئی، جس نے بحکم خداوندی اپنی مہم پر جاتے ہوئے ملک شام میں حضرت ابراہیم علیہ السلام سے بھی ملاقات کی (اور انہیں بڑھاپے میں ''اسحٰق'' نام کے ایک صاحب زادے کی بشارت سنائی) جس کا ذکر قرآنِ پاک میں کئی جگہ موجود ہے۔ پھر یہ فرشتے خوب رو، اور بے ریش نوجوانوں کی شکل میں حضرت لوط علیہ السلام کے گھر مہمان بن کر پہنچے۔ خوب رو نوجوانوں کی خبر ملتے ہی اس شہوت پرست قوم کی خباثت نے انگڑائی لی اور آبرو باختہ افراد کا ایک ہجوم حضرت لوط علیہ السلام کی

رہائش گاہ پر چڑھ دوڑا، یہ وقت حضرت لوط علیہ السلام کے لئے بڑی تنگی اور مشقت کا تھا، مہمانوں کی بے عزتی کے تصور سے ان کی پریشانی ناقابل بیان تھی، اور اس دیارِ غیر میں ان نازک حالات میں اپنی بے کسی کا بھی بڑا احساس تھا، چنانچہ آپ نے ان اوباشوں کو سمجھانے کی ہر ممکن کوشش کرڈالی حتی کہ (اپنے فعل بد سے باز آنے اور اپنی روش درست کرلینے کی شرط پر) اپنی صاحب زادیوں کا ان (میں سے ہم کفو افراد) سے رشتہ کردینے تک کی پیش کش فرمادی، مگر انہیں نہ باز آنا تھا نہ باز آئے، اور پوری ڈھٹائی سے کہہ دیا کہ ہمیں آپ کی لڑکیوں سے کچھ لینا دینا نہیں، ظاہر ہے کہ یہ خباثت اور گستاخی کی آخری حد تھی، بالآخران خبیثوں کی مسلسل شرارت اور حضرت لوط علیہ السلام کی بے بسی دیکھ کر حضرت جبرئیل علیہ السلام نے بحکم خداوندی اپنے بازو کوان ہوس پرستوں پر کھینچ کر مارا جس سے وہ سب کے سب اندھے ہوگئے، اسی کو قرآنِ کریم میں اس آیت میں بیان کیا گیا:

وَلَقَدْ رَاوَدُوْهُ عَنْ ضَيْفِهٖ فَطَمَسْنَآ أَعْيُنَهُمْ فَذُوْقُوْا عَذَابِيْ وَنُذُرِ. (القمر: ٣٧)	اور اس سے اس کے مہمانوں کو لینے کا مطالبہ کرنے لگے پس ہم نے ان کی آنکھیں ملیامیٹ کردیں، اب چکھو میرا عذاب اور میرا ڈرانا۔

نیز فرشتوں نے حضرت لوط علیہ السلام کو تسلی دی کہ ہم کوئی انسان نہیں ہیں؛ بلکہ آپ کے رب کے بھیجے ہوئے فرشتے ہیں اور یہ خبیث آپ کو کچھ نقصان نہ پہنچاسکیں گے اور اب ان لوگوں پر بڑا عذاب آیا ہی چاہتا ہے؛ لہٰذا آپ رات ہی میں صبح ہونے سے پہلے پہلے اپنے لوگوں کو لے کر اس علاقہ سے فوراً نکل جایئے، اور جاتے وقت کوئی پیچھے مڑکر نہ دیکھے، اور جو پیچھے مڑکر دیکھے گا وہ انہیں میں رہ جائے گا، چنانچہ پیچھے رہ جانے والوں میں حضرت لوط علیہ السلام کی وہ کافرہ بیوی بھی تھی جس نے فرشتوں کی آمد کی اطلاع اوباشوں کو دی تھی، پھر صبح ہوتے ہی اس قوم پر جواندوہ ناک عذاب آیا ہے، اس کی منظر کشی قرآنِ پاک میں اس طرح کی گئی ہے:

فَلَمَّا جَآءَ أَمْرُنَا جَعَلْنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهَا حِجَارَةً	پھر جب ہمارا حکم آ پہنچا تو ہم نے وہ بستی اوپر کینیچے کرڈالی اور ہم نے اس پر کنکر کے پتھر تہہ بہ تہہ

مِّنْ سِجِّيْلٍ مَّنْضُوْدٍ، مُّسَوَّمَةً عِنْدَ رَبِّکَ، وَمَا هِيَ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ بِبَعِيْدٍ.

(هود: ۸۱ - ۸۲ - ۸۳)

برسادئے، وہ سب پتھر تیرے رب کے پاس سے نشان زدہ تھے (ان پر عذاب کی خاص علامت تھی) اور اس طرح کا عذاب (ایسے) ظالموں سے کچھ دور نہیں۔

تفسیری روایات میں ہے کہ قومِ لوط کئی شہروں میں آباد تھی، ہر شہر کی آبادی تقریباً ایک لاکھ نفوس پر مشتمل تھی، ان سب بستیوں کو حضرت جبرئیل علیہ السلام نے پوری زمین وغیرہ سمیت اوپر اٹھایا اور اسے آسمان تک لے گئے کہ آسمان والوں نے ان بستیوں کے جانوروں تک کی آوازیں اپنے کانوں سے سنیں، پھر وہیں سے ان بستیوں کو الٹ کر زمین پر پٹخ دیا، اور ساتھ میں نشان زدہ پتھروں کی بارش کر کے پوری قوم کو کچل دیا گیا، حتیٰ کہ اس قوم کے جو افراد دنیا میں ادھر ادھر گئے ہوئے تھے ان پر بھی پتھر کی بارش کر کے ان کا کام تمام کر دیا گیا۔ (تلخیص: تفسیر ابن کثیر مکمل ۶۷۰-۶۷۱)

قومِ لوط پر جو عذاب آیا اس میں عذاب کی تقریباً تمام شکلیں بیک وقت جمع کر دی گئیں، اس میں اوباشوں کی آنکھوں کا اندھا ہو جانا پھر زلزلہ کا آنا، زمین کا دھسنا اور الٹنا بھی ہے اور پتھروں کی بارش کے ساتھ ساتھ پانی میں ڈبونے کا بھی عذاب یہاں جمع ہے، جس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ یہ عمل اللہ کے نزدیک کس قدر قابل لعنت اور لائق غضب وعذاب ہے؟ **اللّٰهم احفظنا منه۔**

احادیثِ شریفہ میں ہم جنسی کی مذمت

اس منحوس عمل کی احادیثِ شریفہ میں نہایت سخت مذمت وارد ہوئی ہے۔ ایک حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

إِنَّ مِنْ أَخْوَفِ مَا أَخَافُ عَلٰی أُمَّتِيْ أَوْ عَلٰی هٰذِهِ الْأُمَّةِ عَمَلُ قَوْمِ لُوْطٍ.

(رواه الترمذي ۲۷۰/۱ رقم: ۱۴۵۷، ابن ماجة ۱۸۴ رقم: ۲۵۶۳، شعب الإيمان ۳۵۴/۴ رقم: ۵۳۷۴، الترغيب والترهيب مكمل ۵۲۳/ رقم: ۳۶۸۳)

ان بدترین چیزوں میں جن کا مجھے اپنی اُمت پر سب سے زیادہ خطرہ ہے وہ قوم لوط کا عمل ہے۔

اورحضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تین مرتبہ یہ جملہ ارشادفرمایا:

لَعَنَ اللّٰہُ مَنْ عَمِلَ عَمَلَ قَوْمِ لُوْطٍ. (رواه ابن حبان ٤٤١٧، جامع المهلكات ٢٠٩)

اللہ کی پھٹکار ہے اس شخص پر جو قومِ لوط والا عمل کرے۔

اورحضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشادفرمایا:

وَإِذَا كَثُرَ اللَّوْطِيَةُ رَفَعَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ يَدَهُ عَنِ الْخَلْقِ فَلاَ يُبَالِيْ فِيْ أَيِّ وَادٍ هَلَكُوْا. (رواه الطبراني، الترغيب والترهيب مكمل ٥٢٤ رقم: ٣٦٨٦)

جب لواطت (کسی قوم میں) عام ہو جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ مخلوق سے (اپنی حفاظت ونصرت کا) ہاتھ اٹھا لیتے ہیں اور پھر یہ پروانہیں فرماتے کہ یہ لوگ کس وادی میں جاکر ہلاک ہوں گے۔

اورحضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی ایک روایت میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشادفرمایا:

أَرْبَعَةٌ يُصْبِحُوْنَ فِيْ غَضَبِ اللّٰهِ وَيُمْسُوْنَ فِيْ سَخَطِ اللّٰهِ، قُلْتُ: مَنْ هُمْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ؟ قَالَ : اَلْمُتَشَبِّهُوْنَ مِنَ الرِّجَالِ بِالنِّسَاءِ وَالْمُتَشَبِّهَاتُ مِنَ النِّسَاءِ بِالرِّجَالِ، وَالَّذِيْ يَأْتِي الْبَهِيْمَةَ، وَالَّذِيْ يَأْتِي الرِّجَالَ. (رواه البيهقي في شعب الإيمان ٣٥٦/٤ رقم: ٥٣٨٥، الترغيب والترهيب مكمل ٥٢٤ رقم: ٣٦٨٩)

چار طرح کے لوگ اللہ کے غضب میں صبح کرتے ہیں اور اس کی ناراضگی میں شام کرتے ہیں، میں نے عرض کیا کہ یہ کون لوگ ہیں؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (۱)عورتوں کی مشابہت کرنے والے مرد (۲) مردوں سے مشابہت رکھنے والی عورتیں (۳) وہ شخص جو جانور سے اپنی خواہش پوری کرے (۴) اور وہ شخص جو مردوں سے شہوت رانی کرے۔

اورحضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل فرماتے ہیں کہ آپ نے فرمایا:

لاَ یَـنْـظُرُ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ إِلٰی رَجُلٍ أَتٰی رَجُلاً أَوِ امْرَأَةً فِيْ دُبُرِهَا.
(رواه الترمذي ۱/۲۷۰ رقم: ۱۱٦٥، والترغیب والترهیب مکمل ۵۲۵ رقم: ۳٦۹۵)

اللہ تعالیٰ ایسے شخص کی طرف نظر رحمت نہیں فرمائیں گے جو شخص کسی مرد یا عورت کے پیچھے کے راستہ سے شہوت پوری کرتا ہے۔

اِن اَحادیثِ شریفہ سے مذکورہ عمل بد کی شناعت کا بآسانی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ یہ عمل دنیاوآخرت میں تباہی وبربادی اور بدترین ذلت کا سبب ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ پوری امت کو اس سے محفوظ رکھیں۔

بیویوں کے ساتھ خلافِ فطرت عمل کرنا

جس طرح مرد کا مرد سے خواہش پوری کرنا حرام ہے اسی طرح اپنی منکوحہ بیوی سے خلافِ فطرت طریقہ پر انتفاع بھی حرام ہے، قرآنِ پاک میں اس کی ممانعت کی طرف اشارات موجود ہیں، جب کہ سرورِ عالم، محسن انسانیت حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے امت کی نصیحت ورہنمائی کا حق ادا فرماتے ہوئے بہت وضاحت کے ساتھ اس عمل سے روکا ہے۔

امیر المؤمنین سیدنا حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اِسْتَحْیُوْا فَإِنَّ اللّٰهَ لاَ یَسْتَحْیِيْ مِنَ الْحَقِّ، وَلاَ تَـأْتُـوْا النِّسَـاءَ فِيْ أَدْبَارِهِنَّ. (رواه أبو یعلیٰ باسناد جید، الترغیب والترهیب مکمل ۵۲۵ رقم: ۳٦۹۷)

شرم وحیا کیا کرو؛ کیوں کہ اللہ تعالیٰ حق بات کہنے سے نہیں شرماتے اور عورتوں کے پاس ان کے پیچھے کے راستہ میں مت جایا کرو۔

اور حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

لَعَنَ اللّٰهُ الَّذِیْنَ یَأْتُوْنَ النِّسَاءَ فِيْ مَحَاشِهِنَّ. (الترغیب والترهیب مکمل ۵۲۵ رقم: ۳۷۰۰)

اللہ کی لعنت ہے ایسے لوگوں پر جو عورتوں کی گندگی کی جگہوں (پیچھے کے راستوں) میں جاتے ہیں۔

اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

مَنْ أَتَى النِّسَاءَ فِيْ أَعْجَازِهِنَّ فَقَدْ كَفَرَ. (رواه الطبراني، الترغيب والترهيب مكمل/٥٢٥ رقم: ٣٧٠١)

جو عورتوں کے پیچھے کے راستہ میں جماع کرے اس نے کفر کا ارتکاب کیا۔ (یعنی کافروں جیسا عمل کیا)

نیز ایک روایت میں ہے کہ: ''جو شخص حیض کی حالت میں عورت سے جماع کرے یا اس کے پیچھے کے راستہ سے خواہش پوری کرے یا کاہن کے پاس جا کر اس کی باتوں کی تصدیق کرے تو اس نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہونے والی وحی کا انکار کیا''۔ (رواہ احمد ۲/ ۴۰۸، والترمذی حدیث: ۱۳۵، الترغیب والترہیب مکمل ۵۲۵ حدیث: ۳۷۰۴)

مذکورہ روایات پوری امت کے لئے تنبیہ کا سبب ہیں، بالخصوص آج کل انٹرنیٹ وغیرہ آلات کے ذریعہ جو بے ہودہ مناظر عام کئے جا رہے ہیں اور انسانی اخلاق کے بجائے شیطانی اور حیوانی اعمال کا رواج دینے میں طاغوتی طاقتیں سرگرم ہیں ان سے ہوشیار رہنے کی ضرورت ہے۔ عقل مند انسان وہی ہے جو اپنے کو شہوت کا غلام نہ بنائے؛ بلکہ انسانیت و شرافت کا معیار ہر حالت میں برقرار رکھے۔

بے حیائیاں؛ لاعلاج امراض کا سبب

بعض روایات میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

لَمْ تَظْهَرِ الْفَاحِشَةُ فِيْ قَوْمٍ قَطُّ حَتّٰى يُعْلِنُوْا بِهَا إِلَّا فَشَا فِيْهِمُ الطَّاعُوْنُ وَالْأَوْجَاعُ الَّتِيْ لَمْ تَكُنْ مَضَتْ فِيْ أَسْلَافِهِمِ الَّذِيْنَ مَضَوْا. (الزواجر ٢/٢٢٩، الترغيب والترهيب مكمل ٥٢٣ رقم: ٣٥٢٣، ابن ماجة ١٨٤ رقم: ٤٠١٩)

جب کسی قوم میں بے حیائیاں برسرِ عام کی جانے لگیں تو ان پر طاعون اور ایسے امراض مسلط کر دئے جاتے ہیں جن کا ان سے پہلے گذرے ہوئے لوگوں میں کبھی نام بھی نہ سنا گیا ہو۔

آج اس حدیث کی صداقت بالکل عیاں ہوچکی ہے، بے حیا اور فحش فطرت اقوام میں ''ایڈز''جیسی موذی اور نا قابل علاج بیماری نے جنم لیا ہے جس سے پورے عالم پر دہشت طاری ہے اور گویا ہاہا کار مچی ہوئی ہے۔اقوامِ متحدہ کا محکمۂ صحت کروڑوں ڈالر''ایڈز بچاؤ'' مہم پر خرچ کررہا ہے،مگر اہل دنیا کی پست فکری اور ہوس پرستی پرہنسی آتی ہے کہ وہ ایسے امراض کے بچاؤ کے لئے فطری اور مؤثر طریقہ(فواحش سے کلی اجتناب)اپنانے کے بجائے اپنی بدنیتی کی بنا پر صرف ''محفوظ جنسی عمل'' کی مہم چلائے ہوئے ہیں، جو ان امراض میں اضافہ کا تو سبب ہوسکتا ہے؛لیکن اس سے امراض پر روک لگانے کی بات سوچنا ایک دیوانے کے خواب سے زیادہ کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔ **فَیَا لَلْعَجَبُ !**

ہمیں یہ کہنے میں کوئی عار نہیں کہ اس طرح کی مشکلات کا حل صرف اور صرف اسلامی تعلیمات پرعمل کرنے میں ہی مضمر ہے،ان سے قطع نظر کر کے جو بھی مہم چلائی جائے گی اس کے لئے بہرحال ناکامی ہی مقدر ہوگی،جس کا آج ہرکوئی مشاہدہ کرسکتا ہے۔

فواحش میں ابتلاء کے ظاہری نقصانات

لواطت یا دیگر فواحش کے عادی اشخاص دنیا ہی میں اپنی بدعملیوں کے اثرات دیکھ لیتے ہیں، مثلاً:

(۱) ناجائز تعلق رکھنے والوں کے درمیان عموماً انجام کار سخت نفرت ہو جاتی ہے،اور دونوں کی زندگی اجیرن بن جاتی ہے۔

(۲) فواحش کی وجہ سے دل سیاہ اور سخت ہوجاتے ہیں، اور عبادت کی لذت سے انسان قطعاً محروم ہوجاتا ہے۔

(۳) ایسے شخص کے چہرہ پرسیاہی اور بے رونقی چھا جاتی ہے۔

(۴) اس کے دینی و دنیوی ہر طرح کے حالات خراب ہوجاتے ہیں۔

(۵) وہ لوگوں کی نظر میں ذلیل اور مبغوض قرار پاتا ہے۔

(۶) عموماً ایسے شخص سے اللہ کی عطا کردہ نعمتیں چھین لی جاتی ہیں۔

(۷) اور سب سے بڑی نحوست یہ ہوتی ہے کہ یہ شخص خیر کی توفیق اور دینی خدمات کی سعادت سے محروم کردیا جاتا ہے، وغیرہ۔ (مستفاد: جامع المہلکات من الکبائر والمحرمات ۲۱۳-۲۱۴)

خوبصورت لڑکوں کے ساتھ اُٹھنا بیٹھنا موجبِ فتنہ ہے

ہم جنسی سے بچنے کے لئے وہ تمام دروازے بند کرنے ضروری ہیں جو اس منحوس عمل تک پہنچاتے ہیں، ان میں سب سے اہم یہ ہے کہ بے ریش نوعمر بچوں کے ساتھ نظر بازی تنہائی اور اختلاط سے بچنے کی ہر ممکن کوشش کی جائے؛ کیوں کہ اس بیماری؛ بلکہ سبھی فواحش کی ابتدا بدنظری ہی سے ہوتی ہے، کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے:

كُلُّ الْحَوَادِثِ مَبْدَأُهَا مِنَ النَّظْرِ ❖ وَمُعَظَّمُ النَّارِ مِنْ مُسْتَصْغَرِ الشَّرَرِ

ہر فحش حادثہ کی ابتدا بدنظری سے ہی ہوتی ہے، اور بڑی آگ چھوٹی سی چنگاری ہی سے لگا کرتی ہے۔

وَالْمَرْءُ مَا دَامَ ذَا عَيْنٍ يُقَلِّبُهَا ❖ فِيْ أَعْيُنِ الْعَيْنِ مَوْقُوْفٌ عَلَى الْخَطَرِ

اور جب تک آدمی دیکھنے اور بھکنے والی آنکھ کا مالک رہتا ہے وہ خطرہ کی جگہ پر کھڑا رہتا ہے۔

كَمْ نَظْرَةٍ فَعَلَتْ فِيْ قَلْبِ صَاحِبِهَا ❖ فِعْلَ السِّهَامِ بِلاَ قَوْسٍ وَلَا وَطَرِ

کتنی ہی نظریں آدمی کے دل میں بغیر تانت اور کمان کے تیر کا کام کرجاتی ہیں۔

يَسُرُّ نَاظِرُهُ مَا ضَرَّ خَاطِرَهُ ❖ لَا مَرْحَباً بِسُرُوْرٍ عَادَ بِالضَّرَرِ

دیکھنے والا ایسے منظر کو دیکھ کر خوش ہوتا ہے جس سے اس کے دل کو نقصان پہنچتا ہے، اور ایسی خوشی میں کوئی مبارک بادی نہیں ہے جو نقصان لے کر لوٹے۔

خلاصہ یہ کہ بدنظری سے بہر حال احتیاط لازم ہے۔ چناں چہ مروی ہے کہ پیغمبر علیہ السلام کے پاس جب عبدالقیس کے لوگ وفد بنا کر آئے تو ان میں ایک خوبصورت بے ریش نوجوان بھی

تھا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اپنے پیچھے بیٹھنے کا حکم دیا؛ تا کہ اس پر نظر نہ پڑے۔
(الزواجر ۲/۲۳۴)

اور بعض تابعین کا قول ہے کہ: ''دین دار عبادت گزار نوجوانوں کے لئے پھاڑ کھانے والے درندے سے بھی بڑا دشمن اور نقصان دہ، وہ امرد لڑکا ہے جو اس کے پاس آتا جاتا ہے''۔

حضرت حسن بن ذکوان رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ: ''مال داروں کے بچوں کے ساتھ زیادہ اُٹھا بیٹھا نہ کرو؛ اس لئے کہ ان کی صورتیں عورتوں کی طرح ہوتی ہیں اور ان کا فتنہ کنواری عورتوں سے زیادہ سنگین ہے''۔ (شعب الایمان ۴/۳۵۸) کیوں کہ عورتیں تو کسی صورت میں حلال ہوسکتی ہیں؛ لیکن لڑکوں میں حلت کی کوئی صورت ہی نہیں ہے۔

حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت سفیان ثوریؒ حمام میں داخل ہوئے، تو وہاں ایک خوبصورت لڑکا بھی آ گیا، تو آپ نے فرمایا کہ: ''اسے باہر نکالو؛ کیوں کہ عورت کے ساتھ تو ایک شیطان ہوتا ہے اور لڑکوں کے ساتھ دس سے زائد شیطان ہوتے ہیں''۔ (شعب الایمان ۴/۳۶۰)

اسی بنا پر نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا حکم ہے کہ جب بچے سمجھ دار ہوجائیں، تو ان سب کے بستر علاحدہ کردینے چاہئیں؛ تا کہ ابتداء ہی سے وہ بُری عادتوں سے محفوظ ہوجائیں، نیز بچوں پر نظر رکھنی چاہئے کہ وہ زیادہ وقت بالخصوص تنہائی کے اوقات بڑے لڑکوں کے ساتھ نہ گذاریں، اگر کئی بچے ایک کمرے میں رہتے ہوں تو ہر ایک کا بستر اور لحاف الگ ہونا چاہئے۔ ان حکمت آمیز ہدایات پر عمل کر کے ہی امت کو ایسی بری باتوں سے یقیناً بچایا جاسکتا ہے، اللہ تعالیٰ ہم کو اور ہماری نسلوں کو ہر قسم کے اخلاقی امراض سے محفوظ رکھیں، آمین۔

گیارہویں فصل:

بدکاری کے مجرموں کیلئے مؤثر سزاؤں کا نظام

انسانوں کی طبعیتیں مختلف ہیں، بعض لوگ سمجھانے سے بآسانی مان جاتے ہیں اور اپنے کو سدھار لیتے ہیں، جب کہ بہت سے لوگ ایسے ہیں کہ جن پر وعظ و پند کا کوئی اثر نہیں ہوتا؛ بلکہ ان کے لئے زجر وتوبیخ اور سخت تنبیہ کی ضرورت ہوتی ہے۔ بریں بنا انسانی معاشرہ سے برائیوں کو مٹانے کے لئے ترغیب کے ساتھ ساتھ ترہیب کا راستہ اپنانا بھی ضروری ہے، چناں چہ اسلام نے اپنے دینِ فطرت ہونے کا ثبوت دیتے ہوئے فواحش ومنکرات کے انسداد کے لئے جہاں وعظ و پند اور ترغیب وتشویق کی راہ اختیار کی ہے (جس کے بعض نمونے گذشتہ صفحات میں گذر چکے ہیں) وہیں فحاشی کے واقعی مجرموں کے لئے سخت سزائیں بھی تجویز کی ہیں، جن کے اجراء سے فواحش کا زور قدرتی طور پر ختم ہوجاتا ہے، چناں چہ تجربہ یہ بتاتا ہے کہ جس ملک میں سنجیدگی اور انصاف کے ساتھ ان سزاؤں کو جاری کیا گیا وہاں حیرت انگیز طور پر فواحش کے انسداد میں کامیابی نصیب ہوئی ہے، بالخصوص برسرعام بدکاریوں پر تو ضرور بند لگ گیا ہے۔

غیر شادی شدہ زناکار کی سزا

جو مرد وعورت ابھی غیر شادی شدہ ہوں اور ان میں ناجائز تعلق قائم ہوجائے اور شہادت یا اقرار سے اس جرم کا پختہ ثبوت ہوجائے تو ان پر برسرعام سو کوڑے لگانے کی سزا جاری کی جائے گی۔ قرآنِ کریم میں ارشادِ خداوندی ہے:

اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِىْ فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ. (النور: ۲)	بدکاری کرنے والی عورت اور بدکاری کا مرتکب مرد، ان دونوں میں سے ہر ایک کو سو سو درّے لگاؤ۔

اور بعض اَحادیثِ شریفہ میں سو کوڑے کی سزا کے ساتھ ایک سال کے لئے وطن بدر کر دینے کی سزا بھی منقول ہے؛ لیکن محققین کے نزدیک یہ حکم بطور حد شرعی کے نہیں؛ بلکہ بطور تعزیر ہے، یعنی حاکم شرعی کی مصلحت آمیز رائے پر منحصر ہے؛ کیوں کہ بسا اوقات مجرم کا لوگوں کے سامنے ہونا فحش واقعہ کی اشاعت کا سبب بنتا ہے، اس لئے مصلحت اس کی متقاضی ہوتی ہے کہ اسے کچھ عرصہ کے لئے کہیں اور بھیج دیا جائے؛ تا کہ تذکرہ بند ہو جائے اور لوگوں کے ذہنوں سے واقعہ محو ہو جائے؛ لیکن کبھی مصلحت اس کے خلاف بھی ہو سکتی ہے کہ وہ مجرم دوسری جگہ جا کر کہیں مزید نہ بگڑ جائے؛ اس لئے اس حکم کو حاکم کی صواب دید پر چھوڑ دینا مناسب ہے کہ وہ حالات دیکھ کر اس بارے میں فیصلہ کرے۔ (مستفاد: احکام القرآن للجصاص ۳/ ۲۵۷، تکملہ فتح الملہم ۲/ ۴۰۹)

شادی شدہ زانیوں کی سزا

جو مرد و عورت شادی شدہ اور آزاد ہوں، ان پر اگر زنا کا جرم شہادت یا اقرار سے ثابت ہو جائے تو اس کے لئے شریعت میں بڑی اندوہ ناک سزا تجویز کی گئی ہے، جس کے تصور ہی سے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں اور وہ سزا یہ ہے کہ ایسے شخص کو خواہ مرد ہو یا عورت، میدان میں لا کر پتھروں وغیرہ سے اتنا مارا جائے کہ وہ مر جائے۔ اس سلسلہ کی اَحادیثِ شریفہ متواتر اور مشہور سندوں سے ۵۰/ سے زائد صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے ثابت ہیں، جن سے انکار کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ (تکملہ فتح الملہم ۲/ ۴۱۹-۴۳۲)

دورِ نبوت میں رجم کے اہم واقعات

خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اس طرح کے کئی واقعات پیش آئے، اور ان کے متعلق جو آپ نے فیصلے فرمائے وہ قیامت تک آنے والی امت کے لئے نمونہ بن گئے۔ ایک واقعہ صحابی رسول حضرت ماعز اسلمی رضی اللہ عنہ کا ہے کہ ان سے زنا کا صدور ہو گیا تھا، پھر احساس ہونے پر وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور وقفہ وقفہ سے چار مرتبہ زنا کا اقرار کیا

اور عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! مجھے پاک فرما دیجئے! یہ دیکھ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ماعز رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں تحقیق کی، اور جب یہ یقین ہو گیا کہ وہ محصن ہیں اور ہوش و حواس کے عالم میں اقرار کر رہے ہیں تو ان پر رجم (سنگ ساری) کی سزا جاری فرمائی، اور ان کی وفات کے بعد ان کے متعلق یہ تبصرہ فرمایا کہ: ’’ماعزؓ نے ایسی توبہ کی ہے کہ اگر اسے پھیلا دیا جائے تو ایک بڑی جماعت کو کافی ہو جائے‘‘۔ (مسلم شریف ۶۸/۲ وغیرہ)

اسی طرح ایک شادی شدہ غامدی عورت نے بھی برائی کا اقرار کیا جب کہ وہ حاملہ تھی، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بچہ کی پیدائش اور زمانۂ رضاعت تک اس پر سزا جاری کرنے میں تاخیر فرمائی اور جب بچہ اتنا بڑا ہو گیا کہ بغیر ماں کے زندہ رہ سکے تو اس پر رجم کی سزا جاری کی، اور وفات کے بعد اس کی جنازہ کی نماز پڑھائی، اور جب حضرت عمرؓ نے اس کی نماز جنازہ پر تعجب کا اظہار کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لَقَدْ تَابَتْ تَوْبَةً لَوْ قُسِمَتْ بَيْنَ سَبْعِيْنَ مِنْ أَهْلِ الْمَدِيْنَةِ لَوَسِعَتْهُمْ وَهَلْ وَجَدْتَّ تَوْبَةً أَفْضَلَ مِنْ أَنْ جَادَتْ بِنَفْسِهَا لِلّٰهِ تَعَالٰى. (بخاري ۳۱۱/۱ رقم: ۲۳۱٤، مسلم ٦٩/۲ رقم: ١٤٩٦)

یقیناً اس عورت نے ایسی توبہ کی جو مدینہ کے ستّر لوگوں کے لئے کافی ہے، اور اس سے افضل توبہ آپ کہاں پائیں گے کہ اس نے بخوشی اللہ کی رضا کے حصول کے لئے (گناہ کا اقرار کر کے) اپنی جان پیش کر دی۔

ان واقعات سے جہاں احکام رجم کا اجراء ہوا وہیں یہ بھی ثابت ہوا کہ سزا کے جاری کرنے کے باوجود مجرم کی تذلیل اور اس پر طعن و تشنیع نہیں کی جائے گی؛ بلکہ اس کی زندگی کے خیر کے پہلوؤں کو ہی اجاگر کیا جائے گا۔

یہودیوں کی خیانت

رجم کا یہی حکم توریت میں یہودیوں کو بھی دیا گیا تھا، مگر انھوں نے اپنی شرارت سے اس حکم کی تکمیل میں سخت خیانت کی تھی کہ جب ان کے یہاں زنا کاری کی کثرت ہونے لگی اور شرفاء بھی

اس میں ملوث ہوگئے، تو اولاً سزا کے اجراء میں سفارش اور دباؤ یا رشوت کی وجہ سے تفریق کی گئی کہ غریبوں پر تو سزا توریت کے حکم کے موافق جاری کی جاتی اور امیر اور شریفوں کو کسی بہانے سے معاف کردیا جاتا، یا معمولی سزا دے کر چھوڑ دیا جاتا، اس ناانصافی سے جب معاشرہ میں اشتعال پیدا ہوا تو سب نے مل بیٹھ کر نہایت جسارت اور خباثت کا ثبوت دیتے ہوئے اتفاقِ رائے سے یہ طے کیا کہ زنا کی سزا میں سنگ ساری کے بجائے کوڑے مارے جائیں اور منہ کالا کر کے شہر میں گشت کرایا جائے، چناں چہ اسی پر عمل ہونے لگا۔ (مسلم شریف ۲/۰ ۷)

پھر جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی تو مدینہ اور اس کے اطراف میں رہنے والے یہودیوں نے یہ سوچا کہ شاید اسلام میں اس جرم کی سزا میں کچھ تخفیف ہو؛ لہٰذا اسی تخفیف کو قانون بنا دیا جائے اور توریت کے حکم کو پس پشت ڈالنے کا جواز فراہم کیا جائے، اسی مقصد سے زنا کے ایک واقعہ کا مقدمہ نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سامنے پیش ہوا، جس کی تفصیل بتاتے ہوئے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ:

''فدک'' کے یہودیوں میں سے کسی شخص نے زنا کا ارتکاب کیا تو وہاں کے رہنے والے لوگوں نے مدینہ کے یہودیوں کو لکھا کہ اس معاملہ میں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے رجوع کرو، اگر آپ صرف کوڑے لگانے کا حکم دیں تو اسے منظور کرلو اور اگر سنگ ساری کا حکم دیں تو اسے مت ماننا، چناں چہ یہود مدینہ نے اس بارے میں پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام سے رجوع کیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اپنے علماء میں سے دو قابل ترین لوگوں کو بلاؤ، چناں چہ وہ دو شخصوں کو لے آئے، جن میں سے ایک اعور (کانا) تھا جس کا نام ''ابن صوریا'' تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا کہ: ''کیا تمہارے پاس توریت نہیں ہے جس میں اس معاملہ کے متعلق حکم خداوندی موجود ہے؟'' ان دونوں نے اس کا اقرار کیا، پھر پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ: ''میں تمہیں اس ذات کی قسم دیتا ہوں جس نے بنی اسرائیل کے لئے سمندر میں راستے بنائے، اور تمہارے اوپر بادلوں سے سایہ کیا، اور تمہیں فرعونیوں سے نجات دی، اور بنی اسرائیل پر من وسلویٰ

نازل کیا، تم سچ سچ بتاؤ کہ توریت میں رجم کے بارے میں کیا حکم ہے؟'' ان دونوں میں سے ایک نے دوسرے سے کہا کہ آج تک تمہیں کسی نے ایسی قسم نہ دی ہوگی، پھر ان دونوں نے جواب دیا کہ: ''ہمارے نزدیک بدنظری زنا کے درجہ میں ہے، اسی طرح عورت سے گلے لگنا اور بوسہ لینا بھی زنا ہے؛ لیکن اگر چار آدمی واضح طور پر ان دونوں کی عین بدکاری پر گواہی دیں تو پھر رجم واجب ہوتا ہے''۔ یہ سن کر پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فیصلہ فرمایا کہ: ''زیر قضا معاملہ میں بھی یہی حکم جاری ہوگا''، چناں چہ مذکورہ شخص کو سنگسار کیا گیا۔ (مسند حمیدی ۲/۴۱ ۵-۵۴۲، بحوالہ تکملہ فتح الملہم ۲/۴۱۷)

گویا آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی شریعت میں توریت کے حکم کو برقرار رکھا؛ بلکہ اس حکم کو دوبارہ زندہ فرمایا جو یہودیوں کے نفاق کی وجہ سے مردہ ہو چکا تھا۔ اس بات کی طرف سورۂ مائدہ کی آیت: ﴿یٰٓاَیُّهَا الرَّسُوْلُ لَا یَحْزُنْکَ الَّذِیْنَ یُسَارِعُوْنَ فِی الْکُفْرِ الخ﴾ میں اشارہ کیا گیا ہے۔

حدِ شرعی میں سفارش منظور نہیں

اسلام میں شرعی حدود میں کسی کی سفارش ہرگز قبول نہیں کی جاتی، اور اس بارے میں نرمی برتنا قطعی طور پر ممنوع ہے، مجرم خواہ کوئی بھی ہو، اگر جرم ثابت ہوجاتا ہے تو اس پر بہرحال سزا جاری ہوگی، اور جو بھی سزا ہے وہ سب پر یکساں طور پر جاری کی جائے گی، خواہ مجرم معاشرہ میں کسی بھی طبقہ سے تعلق رکھنے والا ہو، چناں چہ زنا کی حد کا حکم دینے کے بعد اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَلَا تَاْخُذْکُمْ بِهِمَا رَاْفَةٌ فِیْ دِیْنِ اللّٰهِ اِنْ کُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ. (النور: ۲)	اور ان پر اللہ کا حکم نافذ کرنے میں تم کو ان پر ترس نہ آئے، اگر تم اللہ تعالیٰ (کی ذات وصفات) اور آخرت کے دن پر یقین رکھتے ہو۔

اور دیکھا جائے تو یہ شرط انتہائی ضروری ہے، اس کے بغیر حد کا جو مقصد ہے یعنی برائیوں پر روک ٹوک یہ ہرگز پورا نہیں ہوسکتا؛ کیوں کہ جہاں کوئی بااثر مجرم ہوگا تو اس کے لئے سفارشیں آنی شروع ہوجائیں گی، اور حد جاری کرنا سخت مشکل ہوجائے گا، نیز اگر اس بارے میں امیر وفقیر اور

شریف ووضیع میں فرق کیا جائے گا تو معاشرہ میں انارکی پھیل جائے گی اور طبقاتی جنگ شروع ہوجائے گی، جیسا کہ یہودی معاشرہ میں ہوا۔

اس لئے اسلام نے حدودِ شرعیہ (جن کا تعلق اللہ تعالیٰ کے حق سے ہے) میں سفارش کا دروازہ ہی بند کر دیا۔ روایات میں آتا ہے کہ ایک عورت چوری کے جرم میں پکڑی گئی، چناں چہ اس پر ہاتھ کاٹنے کا حکم جاری ہوا، عورت کا تعلق قریش کے معروف خاندان (بنومخزوم) سے تھا، خاندان والوں کو اس کے ہاتھ کاٹے جانے پر بے عزتی کا احساس ہوا، چناں چہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نہایت پسندیدہ صحابی حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ سے اس عورت کے حق میں سفارش کرائی، یہ سن کر پیغمبر علیہ السلام کا چہرۂ انور متغیر ہوگیا اور ارشاد فرمایا: ''اللہ کی حدود کے بارے میں تم سفارش کی جرأت کر رہے ہو؟'' حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ نے معذرت اور معافی کی درخواست کی، پھر شام کے وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو جمع کر کے خطاب فرمایا:

أَمَّا بَعْدُ ! فَإِنَّمَا أُهْلَكَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ أَنَّهُمْ كَانُوْا إِذَا سَرَقَ فِيْهِمُ الشَّرِيْفُ تَرَكُوْهُ، وَإِذَا سَرَقَ فِيْهِمُ الضَّعِيْفُ أَقَامُوْا عَلَيْهِ الْحَدَّ وَإِنِّيْ وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ لَوْ أَنَّ فَاطِمَةَ بِنْتَ مُحَمَّدٍ سَرَقَتْ لَقَطَعْتُ يَدَهَا.

(مسلم شریف ٢/٦٤ رقم : ١٦٨٨)

خطبہ کے بعد آپ نے فرمایا کہ تم سے پہلی قوموں کی ہلاکت کا ایک سبب یہ تھا کہ ان میں اگر کوئی شریف چوری کرتا تو اسے ویسے ہی چھوڑ دیتے تھے اور اگر کسی کمزور شخص سے چوری کا جرم صادر ہوتا تھا تو اس پر حد جاری کرتے تھے، اور میں اس ذات کی قسم کھا کر کہتا ہوں جس کے قبضہ میں میری زندگی ہے کہ اگر فاطمہ بنت محمد (میری چہیتی بیٹی) بھی چوری کی مرتکب ہوئی تو میں اس کا بھی ہاتھ کٹوا دوں گا۔

آپ نے مخزومی عورت پر حد جاری فرمائی۔ اللہ اکبر! یہ ہے انصاف پسندی اور معاشرہ سے برائیوں کی بیخ کنی کا حقیقی جذبہ، جس کی مثال دور دور تک نہیں ملتی۔

حد برسرِ عام جاری کی جائے

حدود کے اجراء کے بارے میں ایک اہم اسلامی حکم یہ ہے کہ یہ سب حدیں کسی کمرے یا جیل میں بند کرکے جاری نہ ہوں؛ بلکہ عوامی جگہ پر برسرِ عام انھیں انجام دیا جائے؛ کیوں کہ ان حدود سے اصل مقصود مجرم کو انفرادی طور پر تکلیف دینا نہیں ہے؛ بلکہ اس کے ذریعہ جرائم پر روک لگانا اصل مقصود ہے، اور یہ جبھی حاصل ہوگا جب کہ عوام کے سامنے اس کا اجراء ہو؛ تاکہ اس منظر کو دیکھ کر جرم کا ارادہ کرنے والوں کے حوصلے پست ہو جائیں اور سزاؤں کی دھمک دل میں بیٹھ جائے، اس لئے زنا کی سزا میں آگے حکم یہ دیا گیا:

وَلْيَشْهَدْ عَذَابَهُمَا طَآئِفَةٌ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ. (النور:) — اور چاہیئے ان دونوں پر سزا (کے اجراء کا منظر) مسلمانوں کی ایک جماعت خود مشاہدہ کرے۔

اس عوامی عمل سے دو فائدے مزید حاصل ہوں گے:

(۱) یہ شبہ دور ہو جائے گا کہ کہیں اندر اندر سیٹنگ کرکے معاملہ کو رفع دفع نہ کر دیا گیا ہو۔

(۲) دوسرے یہ کہ مجرم جس خاندان سے تعلق رکھتا ہوگا اس کے اہل خاندان واضح طور پر اپنی سبکی محسوس کریں گے اور آئندہ اپنے حلقۂ اثر میں ایسے جرائم کی روک ٹوک کے لئے خود بھی فکر مند رہیں گے، چناں چہ اگر خاندان کے افراد خود متفکر ہو جائیں تو خاص طور پر فواحش سے متعلق جرائم پر بہت حد تک قابو پایا جاسکتا ہے؛ کیوں کہ عموماً ایسے جرائم اہل خانہ کی لاپرواہی کے سبب ہی پیش آتے ہیں۔

حد کے ثبوت کی سخت شرائط

چوں کہ بدکاری کی سزائیں نہایت سخت ہیں؛ اس لئے اس کا عین امکان تھا کہ کہیں لوگ اس کا ناجائز استعمال نہ کرنے لگیں اور دشمنی یا انتقام کے جذبہ سے معمولی بہانے سے اپنے دشمن کو ذلیل کرنے کا راستہ نکال لیں؛ اس لئے شریعت نے اس معاملہ میں بہت سخت شرائط تجویز کی ہیں، مثلاً:

(۱) حد سے متعلق جرائم کا ثبوت صرف مردوں کی گواہی سے ہوسکتا ہے، عورتوں کی گواہی اس بارے میں معتبر نہیں۔ (شامی ۶/۸ زکریا) کیوں کہ عام طور پر عورتوں میں جذباتیت زیادہ پائی جاتی ہے، اور وہ حالات سے زیادہ متأثر ہوجاتی ہیں، اس لئے ان کو حدود کے معاملات سے دور رکھنا ہی مناسب ہے۔

(۲) زنا کے ثبوت کے لئے چار ثقہ اور عادل مردوں کا ایک ہی مجلس میں گواہی دینا شرط ہے، اگر ایک گواہ کی بھی کمی ہو یا گواہ متہم ہو تو جرم ثابت نہ ہوگا۔ (شامی ۶/۸-۱۰ از کریا)

(۳) ان گواہوں کی گواہی اسی وقت معتبر ہوگی جب کہ وہ سرمہ دانی میں سلائی ڈالے جانے کی گواہی کی طرح گواہی دیں۔ (درمختار مع الشامی ۶/۱۰ از کریا)

گویا کوئی شک وشبہ ہرگز نہ ہو، محض مرد وعورت کے آپس میں ملنے کی گواہی یا ایک کمرہ میں پائے جانے کی گواہی حد جاری کرنے کے لئے کافی نہیں ہے۔

(۴) البتہ اگر مجرم خود اقرار کرلے تو بھی جرم کا ثبوت ہوسکتا ہے جب کہ دوسرا فریق اس کے اقرار کی تکذیب نہ کرے (اگر تکذیب کردے گا تو حد جاری نہ ہوگی) (شامی ۶/۱۱ از کریا)

(۵) رجم کی ابتداء زنا کے گواہوں سے ہی کرائی جائے گی، اگر وہ گواہ بعد میں رجم سے انکار کردیں یا غائب ہوجائیں یا سزا کے اجراء سے پہلے مرجائیں تو حد رجم ساقط ہوجاتی ہے۔ (درمختار مع الشامی ۶/۱۴ از کریا)

یہ ایسی شرائط ہیں کہ بآسانی ان کا دستیاب ہونا مشکل ہے، یہی وجہ ہے کہ اسلامی تاریخ میں گواہی کی بنیاد پر رجم کی سزا جاری کرنے کی مثالیں بہت شاذ ونادر ہی پائی جاتی ہیں، زیادہ تر واقعات اقرار ہی پر مبنی ہوتے ہیں، اور اقرار کا سبب اور محرک وہ خوف وخشیت خداوندی بنتا ہے، جو ہر مسلمان کے دل میں موجود ہے کہ آخرت کی جواب دہی کے خوف سے آدمی دنیا ہی میں اپنے کو پاک وصاف کرنے کی فکر کرتا ہے، اور برضاء ورغبت حکم شرعی کو تسلیم کرلیتا ہے۔

زنا کی الزام تراشی پر حد قذف کا حکم

اسلام کے نزدیک فواحش کا چرچا اور عام لوگوں میں تذکرہ بھی ناپسند ہے، اور بالخصوص ذرا

ذرا سے شبہ سے کسی کو بدنام کرنے کی مہم چلانا اور الزام تراشی کرنا شریعت میں قطعاً نا قابلِ برداشت ہے؛ کیونکہ اسلام کی نظر میں انسانوں کی عزت کی بڑی اہمیت ہے، اسی لئے قرآنِ پاک میں بے ثبوت الزام تراشی کرنے والوں پر ''۸۰؍کوڑے لگانے اور تاحیات مردود الشہادۃ'' ہونے کی سزا مقرر کی گئی ہے۔ ارشادِ خداوندی ہے:

وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ ثُمَّ لَمْ يَاْتُوْا بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ فَاجْلِدُوْهُمْ ثَمَانِيْنَ جَلْدَةً وَّلَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَةً اَبَدًا، وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ. (النور: ٤)

اور جو کوئی پاکباز (معصوم) عورتوں پر عیب لگاتے ہیں، پھر (اپنی بات کے ثبوت میں) چار مردوں کی گواہی پیش نہیں کرتے تو ان کو اسّی کوڑے مارو، اور اس کی گواہی کبھی قبول نہ کرو وہ لوگ یقیناً فاسق ہیں۔

واقعۃً حد قذف کا فلسفہ انسدادِ فواحش میں بڑا مؤثر اور کارگر ثابت ہوتا ہے، اور یہی وہ بہترین تدبیر ہے جس کے ذریعہ فواحش کی اشاعت اور تذکروں پر حقیقۃً بند لگایا جا سکتا ہے؛ کیوں کہ جب یہ خطرہ ہوگا کہ چار واضح گواہیوں کے پیش نہ کرنے پر ۸۰؍کوڑے مارے جائیں گے تو آدمی کسی شخص کی طرف بدکاری کی نسبت کرنے سے پہلے ہزار بار سوچے گا، اور بے قصوروں کو بدنام کرنے کا سلسلہ یقیناً رک جائے گا۔

واقعۂ افک

ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ طیبہ رضی اللہ عنہا کی ذاتِ عالی کے متعلق رئیس المنافقین عبد اللہ بن اُبی ابن سلول نے اپنی گندی ذہنیت سے بے ثبوت ہرزہ سرائی شروع کی جس سے بعض مخلص مسلمان بھی متأثر ہوگئے اور بے بنیاد افواہوں کا سلسلہ چل پڑا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی سخت ذہنی اذیت پہنچی، بالآخر اللہ تعالیٰ نے سورۂ نور میں دو رکوع سیدتنا حضرت عائشہ صدیقہ مطہرہ رضی اللہ عنہا کی برأت اور اہلِ بیت نبوت کی پاکیزگی کے بارے میں نازل فرمائے جس سے دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہوگیا۔ (مسلم شریف ۲؍۳۶۴-۳۶۶)

اور طبرانی کی ایک روایت میں ہے کہ اس واقعہ کے لیڈر عبد اللہ بن ابی پر دوہری حد قذف

(۱۶۰؍کوڑے) جاری کی گئی، جب کہ دیگر لوگوں پر اکہری سزا جاری ہوئی۔ (رواہ الطبرانی فی الکبیر ۲۳؍۱۳۴ حدیث: ۱۶۲، وفیہ اسماعیل بن یحییٰ التیمی وہو کذاب، مجمع الزوائد ۲۸۰/۶، بیان القرآن ۱۱۸/۲ سورۂ نور)

(اور اس بارے میں دوسری روایت یہ ہے کہ عبد اللہ بن ابی پر ۸۰؍کوڑوں ہی کی سزا جاری کی گئی۔ (طبرانی کبیر ۱۳۷/۲۳ رقم: ۱۸۱) اور ایک قول یہ ہے کہ بقیہ لوگوں پر حد قذف جاری ہوئی؛ لیکن عبد اللہ بن اُبی پر سرے سے حد ہی جاری نہ ہوئی؛ تاکہ آخرت میں اس کا عذاب اور زیادہ ہو۔ (تفسیر قرطبی ۱۸۶/۶)

ان احکامات کی روح یہی ہے کہ اسلام فواحش کے چرچے اور تذکرے کو بالکل پسند نہیں کرتا، اور اسلام کی نظر میں فواحش کے واقعات کو چٹخارے لے کر بیان کرنا سخت مبغوض ہے، ارشادِ خداوندی ہے:

إِنَّ الَّذِيْنَ يُحِبُّوْنَ أَنْ تَشِيْعَ الْفَاحِشَةُ فِي الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيْمٌ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَأَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ. (النور: ۱۹)	بے شک جو لوگ یہ چاہتے ہیں کہ ایمان والوں میں بدکاری کا چرچا ہو ان کے لئے دنیا اور آخرت میں دردناک عذاب ہے، اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔

آج کل جو اخبارات وغیرہ میں باقاعدہ اہتمام کے ساتھ جنسی زیاتیوں کی تفصیلی خبریں شائع ہوتی ہیں، اسلامی شریعت کی رو سے ان کی کوئی گنجائش نہیں ہے؛ کیوں کہ فاسد ذہنیت کے لوگ ایسی خبروں میں بھی اپنے لئے دلچسپی کا سامان فراہم کر لیتے ہیں، پھر اس کی وجہ سے جو خاندانی عزتیں تار تار ہوتی ہیں، ان کا حل سوائے اس کے کچھ نہیں ہے کہ ایسی باتوں کا تذکرہ ہی سرے سے بند کر دیا جائے، اسلامی تعلیم یہی ہے۔

اسلامی نظامِ حکومت میں لواطت کی سزا

اگر کسی شخص پر اسلامی حکومت میں لواطت اور ہم جنسی کا جرم شرعی ثبوت سے ثابت ہو جائے تو اس پر کیا سزا جاری کی جائے؟ اس بارے میں متعدد روایات وآثار مروی ہیں:

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ وَجَدْتُّمُوْهُ يَعْمَلُ عَمَلَ قَوْمِ لُوْطٍ فَاقْتُلُوْا الْفَاعِلَ وَالْمَفْعُوْلَ بِهِ.

(مسند أحمد ۳۰۰/۱، أبوداؤد ۶۱۳/۲ رقم: ۴۴۶۲، ابن ماجة ۱۸۴ رقم: ۲۵۶۱، ترمذي ۲۷۰/۱ رقم: ۱۴۵۶، حاشية رد المحتار ۳۵/۶ بيروت)

جسے تم قومِ لوط والا عمل کرتے ہوئے پاؤ تو کرنے والے کو بھی اور جس کے ساتھ یہ عمل کیا جارہا ہو اسے بھی قتل کرڈالو۔ (یعنی ان کے وجود سے دنیا کو پاک کردیا جائے)

سیدنا حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ بھی مروی ہے کہ انہوں نے ایسے شخص کی سزا کے بارے میں فرمایا کہ: ''اسے شہر کی سب سے اونچی عمارت سے گرا کر پتھروں سے سنگسار کردیا جائے''۔ (شعب الایمان ۳۵۷/۴)

صحابیِ رسول سیدنا حضرت خالد بن الولید رضی اللہ عنہ نے خلیفۂ اول سیدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ انہوں نے عرب کے بعض قبائل میں ایک ایسا شخص دیکھا ہے جس کے ساتھ عورتوں کی طرح نکاح کیا جاتا ہے۔ (یعنی ہم جنسی کی جاتی ہے) جب یہ خط حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچا، تو آپ نے حضرات صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کو جمع کیا اور مشورہ فرمایا کہ ایسے شخص کو کیا سزا دی جائے؟ تو سیدنا حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہ ایسا جرم ہے جس کا صرف ایک امت یعنی قوم لوط نے ارتکاب کیا تھا، تو اللہ نے انہیں ایسی سزا دی جو آپ جانتے ہیں۔ میرا مشورہ یہ ہے کہ ایسے شخص کو آگ میں جلا دیا جائے، چناں چہ دیگر صحابہ کی رائے بھی اس سے متفق ہوگئی، اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مذکورہ شخص کو جلادینے کا حکم دے دیا۔ (شعب الایمان ۳۵۷/۴)

حماد بن ابراہیم کہتے ہیں کہ: ''اگر کسی شخص کو دو مرتبہ سنگسار کرنا مناسب ہوتا تو لواطت کرنے والے کو دو مرتبہ سنگسار کیا جاتا''۔ (حوالہ بالا ۳۵۷/۴)

فقہاء احناف کا اس بارے میں نظریہ یہ ہے کہ لواطت کرنے والے پر زنا کی حد تو جاری نہیں کی جائے گی؛ البتہ اسے حاکم وقت تعزیراً زیادہ سے زیادہ بدترین سزا دے سکتا ہے، خواہ آگ میں جلا کر ہو یا سنگسار کر کے ہو یا کوڑے مار کر ہو یا بدبودار جگہ میں تازندگی قید کر کے ہو۔ اور جو شخص

اس عمل کا عادی ہو اسے امام المسلمین یقیناً قتل کرنے کا اختیار رکھتا ہے جیسا کہ احادیث سے واضح ہے۔ (تفصیل دیکھئے: فتاویٰ شامی ’’مطلب فی حکم اللواطۃ‘‘ بیروت ۶/۳۵)

ہندوستان جیسے ممالک میں حد جاری نہ ہوگی

یہاں دو باتیں ضرور واضح رہنی چاہئیں:

(۱) محض کسی کے الزام لگانے سے کسی پر جرم ثابت نہیں ہوسکتا؛ لہٰذا جب تک کہ شرعی ثبوت کے ساتھ معاملہ کی تحقیق نہ ہوجائے، کسی شخص کو مجرم قرار دینا سخت گناہ ہے۔

(۲) ایسے مجرمین پر قتل وغیرہ کی سزا جاری کرنے کا اختیار صرف اسلامی حکومت کے حاکم شرعی کو ہے؛ لہٰذا اگر بالفرض کسی شخص پر اس طرح کا کوئی جرم شرعی ثبوت سے ثابت بھی ہو جائے پھر بھی غیر حاکم شرعی کو (خواہ وہ پنچایت کیوں نہ ہو) اس پر سزا جاری کرنے کا حق نہیں ہے، پس ہندوستان جیسے ممالک میں اپنے طور پر ایسی سزائیں جاری کرنا شرعاً درست نہ ہوگا۔

اب سوال یہ ہے کہ ایسے مجرمین کے ساتھ پھر کیا معاملہ کیا جائے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ چوں کہ ہمارے پاس حدود کے اجراء کی طاقت نہیں ہے، اس لئے ہم ایسے موقع پر صرف اخلاقی دباؤ کا راستہ ہی اپنا سکتے ہیں کہ ایسے لوگوں کو سچے دل سے توبہ پر آمادہ کریں اور اگر وہ پھر بھی باز نہ آئیں تو ان سے مقاطعہ کا راستہ اپنائیں، ممکن ہے کہ برادری سے الگ تھلگ ہونے کے خوف سے ان میں سدھار ہو جائے۔ **وما ذٰلک علی اللّٰہ بعزیز۔**

خلاصہ:- مذکورہ بالا تفصیلات سے بآسانی یقین کیا جاسکتا ہے کہ اسلامی شریعت معاشرہ میں ’’انسدادِ فواحش‘‘ کے لئے جو مؤثر نظام پیش کرتی ہے اس کی نظیر دنیا کے کسی دستور میں نہیں دکھلائی جاسکتی، اور واقعہ یہی ہے کہ اس نظام کو نظر انداز کرکے فواحش کی روک تھام کے لئے جو کوششیں کی جائیں گی وہ کبھی بھی بارآور اور مؤثر نہیں ہوسکتیں، اور نہ ہی وہ فواحش کو روکنے میں نتیجہ خیز ثابت ہوسکتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ پوری انسانیت کو فواحش سے محفوظ رکھیں، اور حقیقی معنی میں عفت مآبی سے سرفراز فرمائیں، آمین۔

پانچواں باب:

اِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالإِحْسَانِ وَاِيْتَآءِ ذِىْ الْقُرْبٰى
وَيَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْبَغْيِ،
يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ○
[النحل: ۹۰]

منکرات سے اجتناب

پہلی فصل:

شرک؛ سب سے بڑا منکر!

زیرِ بحث آیت: ﴿اِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ......﴾ میں اللہ تعالیٰ کی منع کردہ باتوں میں ''اَلْفَحْشَآءُ'' کے بعد ''اَلْمُنْكَرُ'' کو ذکر فرمایا گیا ہے۔ ''منکر'' کے معنی عربی زبان میں ہر اجنبی، نامانوس اور ناپسندیدہ چیز کے آتے ہیں، اسی بنا پر شریعت کی مخالف ہر بات پر ''منکر'' کا اطلاق کیا جاتا ہے، یعنی اس کا مؤمن سے کوئی واسطہ مطلب نہ ہونا چاہئے اور جس طرح ایک نامانوس شخص سے آدمی دوری بنا کر رکھتا ہے، اسی طرح ہر گناہ سے دوری بنائی رکھنی چاہئے، اس کے برخلاف شریعت کے موافق کاموں پر ''معروف'' کا اطلاق کیا گیا ہے، جس کے معنی شناسا، اور جان پہچان رکھنے والی بات کے آتے ہیں، اور قرآنِ کریم میں جابجا یہ تاکید کی گئی ہے کہ معروف یعنی نیکی اور بھلائی کی باتوں کی خوب اشاعت ہو اور منکرات پر مبنی اقوال وافعال پر مسلم معاشرہ میں روک ٹوک ہوتی رہے؛ کیوں کہ اگر روک ٹوک نہ ہوگی تو رفتہ رفتہ منکرات غالب آجائیں گے اور دین کا حلیہ بگڑ جائے گا، اس لئے ہر شخص کو اپنے دائرۂ اثر میں اچھے کاموں کی اِشاعت اور منکرات پر نکیر کرنے کا کام ضرور جاری رکھنا چاہئے۔

اِن منکرات میں سے بڑا منکر اور اللہ تعالیٰ کی نظر میں سب سے زیادہ ناپسندیدہ عمل شرک ہے، یعنی اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات میں کسی دوسرے کو ہم سر یا ہم پلہ یا دخیل قرار دینا، تمام ہی انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی تعلیم وتبلیغ کی ابتداء شرک کی نفی سے ہوتی ہے، سب کے کلمہ کا پہلا جزو یہی ہے کہ: ''لا الٰہ الا اللہ'' یعنی اللہ تعالیٰ عزوجل کے مقابلہ میں کسی کی نہ کوئی طاقت ہے اور نہ کوئی

معبود و مسجود بنائے جانے کے لائق ہے، اللہ تعالیٰ کی حرام کردہ باتوں میں سب سے اولین بات شرک کی حرمت ہے۔ چناں چہ سورۂ انعام میں حضرات انبیاء علیہم السلام کی تعلیمات کا ذکر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا گیا:

قُلْ تَعَالَوْا اَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ اَنْ لَّا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئاً. (الانعام: ۱۵۱)

آپ کہئے کہ آؤ میں تمہیں سناؤں جو تمہارے رب نے تم پر حرام کیا ہے کہ تم اس کے ساتھ شریک نہ کرو کسی چیز کو۔

''سورۂ لقمان'' میں حضرت لقمانؑ کی نصیحتوں کے ضمن میں ارشاد ہوا:

يٰبُنَيَّ لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ، اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ. (لقمان: ۱۳)

پیارے بیٹے! اللہ کا کسی کو شریک نہ ٹھیرانا، یقیناً شرک بڑی بھاری ناانصافی ہے۔

نیز ''سورۂ جن'' میں صاف فرمایا گیا:

وَاَنَّ الْمَسَاجِدَ لِلّٰهِ فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰهِ اَحَداً. (الجن: ۱۸)

اور یہ کہ سجدہ کی جگہیں صرف اللہ کے لئے ہیں، سو مت پکارو اللہ کے ساتھ کسی کو۔

نیز ارشادِ خداوندی ہے:

فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَاداً وَّاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ. (البقرة: ۲۲)

اور اللہ کے مثل کسی کو مت ٹھیراؤ اور تم تو جانتے ہو۔

اور ''سورۂ مائدہ'' میں واضح اعلان کردیا گیا:

اِنَّهٗ مَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَاْوٰهُ النَّارُ، وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ. (المائدة: ۷۲)

بے شک جس نے اللہ کے ساتھ شریک ٹھیرایا اللہ تعالیٰ نے اس پر جنت حرام کی ہے، اور اس کا ٹھکانا دوزخ ہے، اور گنہ گاروں کی کوئی مدد کرنے والا نہیں ہے۔

اسی طرح احادیثِ شریفہ میں جہاں بڑے بڑے گناہ شمار کرائے گئے ہیں، ان میں پہلے

نمبر پر شرک کے گناہ کو رکھا گیا ہے، اسلام میں اس سے بڑا کوئی منکر اور گناہ نہیں ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ ایک شخص نے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام سے پوچھا کہ: ''اللہ کے نزدیک سب سے بڑا گناہ کونسا ہے؟'' تو نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:

أَنْ تَدْعُوَ لِلّٰهِ نِداًّ وَهُوَ خَلَقَكَ. (بخاری شریف ۲/۱۰۱۴ رقم: ٦٨٦١)

(سب سے بڑا گناہ یہ ہے کہ) تم اللہ کے ساتھ کسی کو ہمسر قرار دو، حالاں کہ وہی تمہارا خالق ہے۔

ایک حدیث میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: ''سات ہلاکت خیز گناہوں سے بچو، پھر آپ نے گناہوں کو گناتے ہوئے سب سے پہلے ''اَلشِّرْكُ بِاللّٰهِ'' کو ذکر فرمایا۔ (بخاری شریف حدیث: ٢٧٦٦)

یہ اس بات کی واضح دلیل ہے، منکرات میں سب سے زیادہ نکیر کئے جانے کے قابل گناہ شرک ہے۔

شرک ناقابلِ معافی

اللہ تعالیٰ کی نظر میں شرک کا گناہ ناقابل معافی ہے، اگر کوئی شخص شرک سے توبہ کئے بغیر مرگیا تو وہ کبھی جنت میں نہیں جاسکتا، جب کہ دیگر گناہوں اور بدعملیوں کا یہ حال نہیں ہے، ان کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے حوالہ ہے، چاہے تو ویسے ہی معاف فرمادیں اور چاہے تو سزا دے کر ایمان کی بدولت جنت میں داخل فرمادیں۔ شرک کے بارے میں قرآنِ کریم میں کئی جگہ ارشاد فرمایا گیا:

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ، وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدِ افْتَرٰى اِثْماً عَظِيْماً. (النساء: ٥٠)

بے شک اللہ تعالیٰ اس بات کو نہیں معاف فرماتے کہ اس کے ساتھ شریک کیا جائے اور اس کے علاوہ گناہ جو چاہے بخش دیتے ہیں، اور جس نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کیا اس نے بڑا طوفان باندھا۔

حضرت ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ گناہ کی چار قسمیں ہیں:

(۱) وہ گناہ جو بغیر توبہ کے معاف نہیں ہوتے، کفر وشرک اسی قسم میں داخل ہیں۔

(۲) وہ گناہ جو استغفار اور نیکیوں سے خود بخود معاف ہوجاتے ہیں، یعنی چھوٹے موٹے صغیرہ گناہ۔

(۳) وہ گناہ جو توبہ سے تو معاف ہوتے ہی ہیں؛ لیکن اللہ تبارک وتعالیٰ اگر چاہیں تو بغیر توبہ کے بھی معاف فرمادیں گے، اس قسم میں حقوق اللہ سے متعلق کبیرہ گناہ داخل ہیں۔

(۴) وہ گناہ جس میں محض توبہ سے معافی نہیں ہوتی؛ بلکہ عملاً اس کی تلافی کرنی پڑتی ہے، یہ حقوق العباد سے متعلق گناہِ کبیرہ ہیں، جس کو دنیا میں صاحب حق کا حق ادا کرکے یا اس سے معافی تلافی کرکے نپٹایا جاسکتا ہے، اور آخرت میں اس طرح کے گناہوں کے ساتھ تین صورتیں پیش آئیں گی:

الف:- یا تو ظالم کی نیکیاں ظلم کے بدلہ میں مظلوم کو دلادی جائیں گی۔

ب:- یا مظلوم کی برائیاں ظالم پر لاددی جائیں گی۔

ج:- یا پھر اللہ تعالیٰ اپنی طرف سے مظلوم کو عطا فرماکر اسے ظالم سے راضی فرمادیں گے۔ (مرقاۃ المفاتیح ۴؍۱ ۲۰ بیروت)

شرک سفید جھوٹ ہے

شرک سے بڑا جھوٹ بھی دنیا میں کوئی نہیں ہے، یہ اتنا بڑا جھوٹ ہے کہ اگر اس کی وجہ سے آسمان پھٹ پڑے اور زمین شق ہوجائے تو بجا ہے۔ قرآنِ کریم میں اللہ تعالیٰ کے لئے ہم جنس اولاد کے لچر عقیدہ کی تردید کرتے ہوئے بہت زوردار انداز میں ارشاد فرمایا گیا:

وَقَالُوْا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَداً. لَقَدْ جِئْتُمْ شَيْئاً اِداًّ. تَكَادُ السَّمٰوَاتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَتَنْشَقُّ الْاَرْضُ وَتَخِرُّ الْجِبَالُ هَداًّ. اَنْ دَعَوْا	اور لوگ کہتے ہیں کہ رحمٰن اولاد رکھتا ہے، یقیناً تم بہت بھاری چیز لائے ہو، قریب ہے کہ اس کی وجہ سے سب آسمان پھٹ پڑیں اور زمین ٹکڑے ٹکڑے ہوجائے اور پہاڑ ریت ہوکر گر پڑیں،

لِلرَّحْمٰنِ وَلَداً. وَمَا يَنْبَغِيْ لِلرَّحْمٰنِ اَنْ يَّتَّخِذَ وَلَداً. اِنْ كُلُّ مَنْ فِي السَّمٰوَاتِ وَالْاَرْضِ اِلَّآ اٰتِ الرَّحْمٰنِ عَبْداً. (مریم: ۸۸-۹۳)

اس پر کہ رحمٰن کے نام پر اولاد پکارتے ہیں، اور رحمٰن کو اولاد رکھنا زیب نہیں دیتا، جو کچھ بھی آسمان وزمین میں ہے وہ رحمٰن کے سامنے بندہ ہی ہو کر آئے گا۔

دیکھئے کیسا پرشوکت اور پراثر اسلوب ہے جو ذہن ودماغ کو جھنجھوڑنے کے لئے کافی ہے، اور شرک وکفر کے تاروپود کو بکھیر دینے والا ہے۔

عقیدۂ شرک عقل کے خلاف ہے

غور کیا جائے تو عقیدۂ شرک کا خلافِ عقل ہونا بآسانی سمجھ میں آسکتا ہے؛ کیوں کہ یہ کبھی نہیں ہوسکتا کہ بغیر بنائے کوئی چیز بن جائے اور یہ بھی نہیں ہوسکتا کہ ایک نظام بیک وقت دو متوازی طاقتوں کے ذریعہ بخیر وخوبی چل جائے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

لَوْ كَانَ فِيْهِمَا اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا. (الانبیاء: ۲۲)

اگر ہوتے ان دونوں میں اور حاکم اللہ کے سوا تو دونوں خراب ہو جاتے۔

اس کی تفسیر کرتے ہوئے حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

’’اس کو یوں سمجھو کہ عبادت نام ہے کامل تذلل کا، اور کامل تذلل صرف اسی ذات کے سامنے اختیار کیا جاسکتا ہے جو اپنی ذات وصفات میں ہر طرح کامل ہو اسی کو ہم ’’اللہ‘‘ یا ’خدا‘‘ کہتے ہیں۔ ضروری ہے کہ خدا کی ذات ہر قسم کے عیوب ونقائص سے پاک ہو، نہ وہ کسی حیثیت سے ناقص ہو نہ بیکار، نہ عاجز ہو نہ مغلوب، نہ کسی دوسرے سے دبے نہ کوئی اس کے کام میں روک ٹوک کرسکے۔ اب اگر فرض کیجئے آسمان وزمین میں دو خدا ہوں، تو اگر دونوں اسی شان کے ہوں گے، اس وقت دیکھنا یہ ہے کہ عالم کی تخلیق اور علویات وسفلیات کی تدبیر دونوں کے کلی اتفاق سے ہوتی ہے یا گاہ بگاہ باہم اختلاف بھی ہو جاتا ہے۔ اتفاق کی صورت میں دو احتمال ہیں: یا تو اکیلے ایک سے کام نہیں چل سکتا تھا؛ اس لئے دونوں نے مل کر انتظام کیا تو معلوم ہوا کہ دونوں میں سے ایک

بھی کامل قدرت والا نہیں، اور اگر تنہا ایک سارے عالم کا کام کامل طور پر سر انجام دے سکتا تھا تو دوسرا بیکار ٹھہرا ......۔ اور اگر اختلاف کی صورت فرض کریں تو لامحالہ مقابلہ میں ایک مغلوب ہوکر اپنے ارادہ اور تجویز کو چھوڑ بیٹھے گا تو وہ خدا نہ رہا، اور یا دونوں بالکل مساوی ومتوازی طاقت سے ایک دوسرے کے خلاف اپنے ارادہ اور تجویز کو عمل میں لانا چاہیں گے تو اول تو (معاذاللہ) خداؤں کی اس رسہ کشی میں سرے سے کوئی چیز موجود ہی نہ ہو سکے گی، اور موجود چیز پر زور آزمائی ہونے لگی، تو اس کش مکش میں ٹوٹ پھوٹ کر برابر ہو جائے گی۔ یہاں سے یہ نتیجہ نکلا کہ اگر آسمان وزمین میں دو خدا ہوتے تو آسمان وزمین کا یہ نظام کبھی کا درہم برہم ہو جاتا، ورنہ ایک خدا کا بیکار یا ناقص وعاجز ہونا لازم آتا جو خلاف مفروض ہے‘‘۔ (فوائد عثمانی برترجمہ شیخ الہندؒ ۴۳۱)

اسی بات کو قرآنِ کریم میں دوسری جگہ اس طرح بیان کیا گیا:

مَا اتَّخَذَ اللّٰهُ مِنْ وَلَدٍ وَّمَا كَانَ مَعَهٗ مِنْ اِلٰهٍ اِذاً لَّذَهَبَ كُلُّ اِلٰهٍ بِمَا خَلَقَ وَلَعَلَا بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ، سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يَصِفُوْنَ. (المؤمنون ۹۱)

اللہ نے کوئی بیٹا نہیں بنایا، اور نہ اس کے ساتھ کسی کا حکم چلے، یوں ہوتا تو لے جاتا ہر حکم والا اپنی بنائی چیز کو، اور چڑھائی کرتا ایک پر ایک، اللہ نرالا ہے ان کی بتلائی باتوں سے۔

ان مدلل آیات سے پتہ چلا کہ اللہ کی ذات وصفات میں کسی دوسرے کو شریک ماننا پرلے درجہ کی جہالت اور حماقت ہے، کوئی بھی عقل مند شخص اسے قبول نہیں کرسکتا، اسی لئے قرآنِ کریم نے یہاں تک فرمادیا کہ اللہ پر ایمان نہ لانے والے اور شرک وبت پرستی وغیرہ پر جمنے والے لوگ دائرۂ انسانیت ہی سے خارج اور جانوروں اور چوپایوں کی صف میں کھڑے کئے جانے کے لائق ہیں۔ ارشادِ خداوندی ہے:

وَلَقَدْ ذَرَأْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيْراً مِنَ الْجِنِّ وَالْإِنْسِ لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ بِهَا وَلَهُمْ اَعْيُنٌ لَا يُبْصِرُوْنَ بِهَا. وَلَهُمْ

اور ہم نے پیدا کئے دوزخ کے واسطے بہت سے جن اور آدمی، ان کے دل ہیں کہ ان سے سمجھتے نہیں، اور آنکھیں ہیں کہ ان سے دیکھتے نہیں،

اٰذَانٌ لَایَسْمَعُوْنَ بِھَا اُولٰئِکَ کَالاَنْعَامِ بَلْ ھُمْ اَضَلُّ اُولٰئِکَ ھُمُ الْغٰفِلُوْنَ. (الاعراف ۱۷۹)

اور کان ہیں کہ ان سے سنتے نہیں، وہ ایسے ہیں جیسے چوپائے؛ بلکہ ان سے بھی زیادہ بے راہ، وہی لوگ ہیں غافل۔

دوسری جگہ فرمایا:

اِنَّ شَرَّ الدَّوَابِّ عِنْدَ اللّٰہِ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا فَھُمْ لَایُؤْمِنُوْنَ. (الانفال: ۵۵)

اللہ کے یہاں سب جانداروں میں بدتر وہ ہیں جو منکر ہوئے پھر ایمان نہیں لائے۔

اور قرآن وحدیث میں جو جابجا شرک کو نا قابل معافی جرم قرار دیا گیا ہے، اس کی وجہ یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عقل سے نواز کر اتنی صلاحیت تو ہر عقل مند کو پہلے ہی سے عطا کر دی ہے کہ وہ ذرا سی توجہ سے شرک کے گھناؤنے عقیدہ سے بچ سکتا ہے، اس نعمتِ عظمیٰ کے ہونے کے باوجود اگر کوئی شخص شرک سے نہ بچے تو ظاہر ہے کہ اس سے بڑا احسان فراموش اور غافل اور کون ہوسکتا ہے؟ ایسے شخص کو جتنی بھی سزا دی جائے کم ہے۔

○❖○

دوسری فصل:

توحیدِ خالص کے درجات اور شرک کی قسمیں

مسند الہند، امام اکبر حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے ارشاد فرمایا ہے کہ عقیدۂ توحید کی تکمیل کے لئے چار درجوں کی توحید کا ماننا لازم ہے، اگر کسی بھی درجہ کی توحید میں ذرہ برابر بھی کمی رہ جائے گی تو انسان ہرگز ''موحد'' نہیں کہلایا جاسکتا، وہ چار درجے یہ ہیں:

(۱) **توحیدِ ذات**:- یعنی یہ ماننا کہ واجب الوجود ذات جو ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہنے والی ہے، وہ صرف اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذات ہے، یہ صفت اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی دوسرے میں قطعاً نہیں پائی جاتی۔

(۲) **توحیدِ خلق**:- یعنی یہ تسلیم کرنا کہ آسمان وزمین، عرش وکرسی اور تمام مخلوقات کا خالق صرف اور صرف اللہ تبارک وتعالیٰ ہے، صفت خلق میں اس کا کوئی سہیم وشریک نہیں ہے (اس کو ''توحید ربوبیت'' بھی کہتے ہیں)

(۳) **توحیدِ تدبیر**:- یعنی یہ یقین کرنا کہ کائنات میں جو کچھ بھی ہوا ہے یا ہو رہا ہے یا آئندہ ہونے والا ہے، ان سب کا مدبر صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ہے، اس نظام کو چلانے میں کسی غیر کو دور دور تک کوئی دخل نہیں ہے، اور اللہ تبارک وتعالیٰ اپنی مرضی کا خود مالک ہے، اس کے فیصلے کو کوئی روک نہیں سکتا۔

(۴) **توحیدِ الوہیت**:- یعنی یہ عقیدہ رکھنا کہ عبادت کے لائق صرف اللہ کی ذات ہے، اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی کو معبود بنانا ہرگز جائز نہیں ہے، اور ''توحیدِ تدبیر'' کے لئے ''توحیدِ الوہیت''

لازم ہے، یعنی جو کائنات کو چلانے والا ہے بس وہی معبود بنائے جانے کے لائق ہے۔ (حجۃ اللہ البالغۃ، مع رحمۃ اللہ الواسعۃ ۱/۵۹۰)

توحید کے درج بالا درجات میں سے اول دو درجے یعنی ''توحیدِ ذات'' اور ''توحیدِ خلق'' عام طور پر مشرکین کے نزدیک بھی قابل قبول تھے، اور آج بھی اکثر مشرکین کا یہی حال ہے کہ وہ خالق تو صرف ایک ہی کو مانتے ہیں (جسے وہ اپنی زبان میں ''ایشور'' یا ''بھگوان'' وغیرہ کا نام دیتے ہیں) لیکن توحید کے تیسرے اور چوتھے درجے کو وہ ماننے پر نہ کل تیار تھے اور نہ آج تیار ہیں۔ (شرح العقیدۃ الطحاویہ لامام ابن ابی العز الدمشقی ۲۱)

دنیا میں مروجہ شرک کی قسمیں

دنیا میں جو شرک پھیلا یا پھیل رہا ہے، وہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے وسیع مطالعہ کی روشنی میں بنیادی طور پر تین قسموں پر منقسم ہے:

(۱) **ستارہ پرستوں کا شرک** :- کچھ لوگوں نے جب یہ دیکھا کہ آسمان پر نظر آنے والے چاند سورج اور ستاروں کے اثرات اور منافع روئے ارض پر آنکھوں سے نظر آتے ہیں، اس لئے انہوں نے ان ستاروں ہی کو معبود بنا ڈالا اور ان کی تصاویر بنا کر ان کی پوجا شروع کردی، اور حوادث عالم میں ان ستاروں کو مؤثر بالذات سمجھنے لگے (چناں چہ آج بھی ''سوریہ دیوتا'' اور ''چندرما دیوتا'' کا تصور برادران وطن میں موجود ہے) نیز قرآنِ کریم میں سیدنا حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی قوم کے ستارہ پرست ہونے کا ذکر ہے، جس پر نہایت مؤثر انداز میں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے نکیر فرمائی ہے۔ (دیکھئے: سورۂ انعام: ۷۶-۷۹)

بت پرستی!

(۲) **مورتی پوجا کرنے والوں کا شرک** :- اس قسم کے مشرکین گوکہ تخلیق عالم میں اللہ تعالیٰ کی خالقیت کے قائل ہیں؛ لیکن انہوں نے اللہ تعالیٰ تک رسائی حاصل

کرنے کے لئے اپنی دانست میں خود تراشیدہ مورتیوں کووسیلہ بناکر اُن کی عبادت جاری کررکھی ہے، اور خدائے وحدہ لاشریک کوبھول بیٹھے ہیں، وہ اپنے اس عمل کی تائید میں عام طور پر تین باتیں کہتے ہیں:

الف:- اللہ تعالیٰ کے جونیک بندے پہلے گذرے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کے دربار میں بہت مقرب تھے،جس کی بنا پر اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنے کچھ اختیارات سونپ دئے ہیں، (جیسے ہمارے ملک کے ہندو''کالی دیوی'' کے لئے تعلیم کے اختیارات اور''لکشمی دیوی'' کے لئے مالی اختیارات وغیرہ ثابت کرتے ہیں، گویا کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے لئے وزیروں کی پوری کابینہ بنادی ہے، نعوذ باللہ) اسی لئے ان کی پوجا کی جاتی ہے؛ تاکہ وہ ہمارے حق میں اپنے مفوضہ اختیارات استعمال کرسکیں۔

ب:- مشرکین کی زبانوں پر یہ بات بھی رہتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات نہایت درجہ بلند و برتر ہے، ہم ضعیفوں کی وہاں تک رسائی براہِ راست نہیں ہوسکتی؛ اس لئے ہم ان گذرے ہوئے بزرگوں اور صالحین کا دامن پکڑتے ہیں؛ تاکہ اللہ تعالیٰ تک رسائی حاصل کرلیں۔قرآنِ کریم میں ان کا یہ نظریہ ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے:

وَالَّذِیْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِہٖ أَوْلِیَآءَ، مَا نَعْبُدُھُمْ إِلَّا لِیُقَرِّبُوْنَا إِلَی اللّٰہِ زُلْفٰی. (الزمر: ۳)

اور جنہوں نے اللہ کوچھوڑ کر دوسروں کوحمایتی بنا رکھا ہے (وہ کہتے ہیں) کہ ہم تو ان کوصرف اس لئے پوجتے ہیں؛ تاکہ وہ ہم کواللہ کے قریبی درجہ میں پہنچادیں۔

گویا کہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ تک رسائی حاصل کرنے کے لئے اپنے مزعومہ معبودوں کی پرستش ضروری خیال کرتے ہیں اور جس طرح دنیا میں کسی وزیراعظم تک بغیر پیش کار اور سکریٹری کے رسائی نہیں ہوتی، اسی طرح وہ سمجھتے ہیں کہ ان معبودوں کے بغیر اللہ تعالیٰ تک رسائی نہیں ہوسکتی، العیاذ باللہ۔

ج:- مشرکین کے نزدیک اللہ کے خاص بندے مرنے کے بعد بھی زندہ رہتے ہیں، اور لوگوں کی فریادسن کراسے حل کرانے میں سرگرم رہتے ہیں، انہی مخصوص بندوں کی طرف دل کومتوجہ رکھنے کے لئے ان کی تصویریں تراشی گئی ہیں؛ تاکہ انہیں راضی کرکے اپنا کام نکالا جاسکے۔ تو شروع شروع میں یہ بت اصل نہ تھے؛ بلکہ وہ ''صالحین'' اصل مقصود تھے جن کی یہ تصویریں بنائی گئی تھیں، پھر بعد میں آنے والوں نے اصل سے قطع نظر کرکے انہی بتوں کو اصل معبود کا درجہ دے دیا۔(حجۃ اللہ البالغۃ مع رحمۃ اللہ الواسعۃ ۱/۵۹۴-۵۹۵)

غور کیا جائے تو مشرکین کی یہ سب دلیلیں قطعاً لچر اور بودی ہیں، نہ تو اللہ تعالیٰ نے کسی فرد کو اختیارات منتقل فرمائے ہیں، اور نہ ہی اللہ تبارک وتعالیٰ کسی کی سفارش ماننے پر مجبور ہیں؛ بلکہ اس کی اجازت کے بغیر کسی کو سفارش کے لئے دم مارنے کی ہمت بھی نہیں ہے، اور نہ ہی انبیاء یا اولیاء دنیا سے پردہ فرمانے کے بعد نظام عالم میں متصرف ہیں، یہ سب خیالات محض جھوٹے اور من گھڑت ہیں، اور اٹکل اور تخمینے کی باتیں ہیں، حقیقت سے ان کا دور دور تک واسطہ نہیں ہے، قرآنِ کریم میں جابجا مشرکین کے ان موہوم نظریات کی تردید کی گئی ہے، جو قرآنِ کریم کا مطالعہ کرنے والوں پر مخفی نہیں ہے۔

عیسائیوں کا شرک

(۳) مشرکین کا تیسرا گروہ عیسائیوں کا ہے، انہوں نے سیدنا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو عام لوگوں کے مقابلہ میں اللہ تعالیٰ کا خاص مقرب خیال کرتے ہوئے کبھی تو ''ابن اللہ'' یعنی اللہ کا بیٹا کہہ دیا، اور کبھی خود ذاتِ خداوندی کو نعوذ باللہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام میں حلول مان کر انہی پر ''اللہ'' کا اطلاق کردیا، اور پھر بعد میں آنے والوں نے سب باتوں سے قطع نظر کرتے ہوئے ان کو اللہ تعالیٰ کے حقیقی بیٹے کے درجے میں رکھ دیا، اور اللہ تعالیٰ کی تمام صفات ان میں ثابت کردیں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی اصل تعلیم وہدایات کو پامال کرتے ہوئے خود انہیں ہی معاذ اللہ معبود ماننے لگے۔

چناں چہ قرآنِ پاک میں جا بجا اس من گھڑت عقیدے کی پوری قوت کے ساتھ تردید کی گئی ہے، اور فرمایا گیا ہے کہ جب اللہ کے بیوی ہی نہیں ہے تو اولاد کیسے ہوسکتی ہے؟ اور یہ کہ اللہ تعالیٰ تو خود خالق و مالک اور موجود ہے، اسے اولاد کی کیا حاجت؟ وغیرہ۔ (رحمۃ اللہ الواسعۃ ۱/۵۹۶-۵۹۷)

دنیا میں شرک کے مظاہر

شرک کی اصل حقیقت یہ ہے کہ مدعو، یا مسجود کو کامل ترین اور بااختیار مان کر اس کے سامنے کمالِ تذلل کا اظہار کیا جائے، (جیسا کہ ایک عابد اپنے معبود کے سامنے کرتا ہے) اس معنی کے اعتبار سے شرک کا اصل تعلق تو دل کے اعتقاد سے ہے؛ لیکن کچھ ظاہری اعمال ایسے ہیں جو انسان کے دل میں موجود خیالات کے لئے علامت اور دلیل بنتے ہیں، اور انہیں دیکھ کر فاعل کے نظریات کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے؛ لہٰذا اسلامی شریعت میں وہ تمام افعال جو شرک پر دلیل بنتے ہوں انہیں مطلق حرام قرار دیا گیا ہے، اب ان افعال کے ساتھ اگر نعوذ باللہ دل کا عقیدہ بھی شامل ہو تو بلاشبہ آدمی مشرک ہوجائے گا اور اگر دلی عقیدہ نہ ہو پھر بھی یہ فعل حرام ہوگا؛ کیونکہ یقیناً یہ مشرکانہ فعل انجام کار مشرکانہ عقیدہ تک پہنچنے کا ذریعہ بن سکتا ہے، اور جو اعمال خاص طور پر شرک کے مظاہر قرار پاتے ہیں وہ درج ذیل ہیں:

(۱) غیر اللہ کو سجدہ کرنا: اگر یہ سجدۂ عبادت ہے تو بلا شبہ سجدہ کرنے والا مشرک ہے، اور اگر محض اظہارِ تعظیم کے لئے سجدہ کیا ہے پھر بھی یہ سجدہ عمل شرک ہونے کی بنا پر حرام ہے۔

(۲) اپنی ضروریات کی تکمیل کے لئے (غائب یا میت) غیر اللہ سے فریاد کرنا۔

(۳) کسی کو اللہ کا بیٹا یا بیٹی کہنا۔

(۴) کتاب اللہ کو چھوڑ کر علماء و مشائخ کو شریعت میں تحلیل و تحریم کا اختیار دینا (البتہ اگر علماء کو شریعت کا ترجمان سمجھ کر ان کی بات مانیں تو وہ اس میں داخل نہیں ہے)

(۵) غیر اللہ کے لئے جانور ذبح کرنا (جیسا کہ بہت سے مندروں اور مزارات پر جانور چڑھائے جاتے ہیں)

(۶) غیر اللہ کے نام پر جانور چھوڑنا (جیسا کہ غیر مسلم لوگ سانڈ وغیرہ چھوڑ دیتے ہیں)

(۷) غیر اللہ کے نام کی قسم کھانا (حتی کہ نبی اور قرآنِ کریم کی قسم کھانا بھی جائز نہیں ہے)

(۸) غیر اللہ کی متعین جگہوں کا حج کرنا (چناں چہ بہت سے برادرانِ وطن بعض مندروں کا باقاعدہ طواف کرتے ہیں، اور اسی طرح اہل بدعت مسلمان بھی بہت سے مزارات کا چکر لگاتے ہیں اور خصوصاً عرس کے مواقع پر طرح طرح کی خرافات کرتے ہیں، یہ سب رسومات شریعت میں حرام ہیں)

(۹) غیر اللہ کی طرف بندگی کی نسبت کرنا، چناں چہ زمانۂ جاہلیت میں بتوں کی بندگی والے نام رکھنے کا بڑا رواج تھا، اور مسلمانوں میں بھی ''عبد النبی'' اور ''غلام رسول'' جیسے ناموں کا رواج رہا ہے، جو پسندیدہ نہیں ہے (کیوں کہ بندگی صرف اللہ تبارک وتعالیٰ ہی کے لئے زیب دیتی ہے، کوئی بندہ دوسرے کا بندہ حقیقۃً نہیں ہوسکتا)

(اس مضمون کی مزید تفصیل شارح علوم ولی اللّٰہی حضرت الاستاذ مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالنپوری دامت برکاتہم العالیہ کی معرکۃ الآراء کتاب ''رحمۃ اللہ الواسعۃ، شرح حجۃ اللہ البالغۃ'' کے ۶۱۶ –تا– ۶۳۱ میں ملاحظہ فرمائیں)

دنیا میں شرک کا آغاز کیسے ہوا؟

قرآن وحدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ دنیا میں شرک کی ابتداء اولیاء اللہ کے جاہل اور غالی عقیدت مندوں کے ذریعہ ہوئی، جیسا کہ مفسر قرآن سیدنا حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا اثر بخاری شریف میں موجود ہے کہ عرب کے قبائل میں پانچ ''بتوں'' کی پوجا ہوتی تھی، ''وَدّ'' نامی بت دومۃ الجندل کے بنوکلب کا معبود تھا، قبیلۂ ہذیل نے ''سواع'' کو معبود بنا رکھا تھا، جب کہ قبیلۂ مادکا بت ''یغوث'' نام کا تھا، اور ''یعوق'' نامی بت کی پوجا ہمدان میں کی جاتی تھی، اور ''نسر'' حمیری قبائل کا بت تھا۔

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ یہ بت قوم نوح علیہ السلام کے نیک

لوگوں کے نام تھے، ان نیک لوگوں کا جب انتقال ہوگیا تو شیطان نے انہیں پٹی پڑھائی کہ جن مجلسوں میں یہ لوگ بیٹھتے تھے وہاں ان کی صورتیں بنا کر نصب کردی جائیں؛ (تا کہ ان کی یادگار باقی رہے) تو شروع شروع میں تو ان کی پوجا نہیں ہوتی تھی (لیکن لوگ وہاں آ کر برکت حاصل کرتے تھے اور قیام کرتے تھے) تا آں کہ جب ایک نسل گذر گئی، اور نئی نسل آئی، جنہیں اصل حقیقت کا علم نہ تھا تو انہوں نے خدا کو چھوڑ کر تصویروں کی پوجا شروع کردی۔ (بخاری شریف ۲/۷۳۲، کتاب التوحید ۱۰۹)

اسی کو قرآنِ کریم میں اس آیت میں ذکر کیا گیا ہے:

وَقَالُوْا لَا تَذَرُنَّ اٰلِهَتَكُمْ وَلَا تَذَرُنَّ وَداًّ وَّلَا سُوَاعاً وَّلَا يَغُوْثَ وَيَعُوْقَ وَنَسْراً. (نوح: ۲۳)	اور بولے ہرگز نہ چھوڑنا اپنے معبودوں کو، اور ہرگز نہ چھوڑنا وَد کو اور نہ سواع کو اور نہ یغوث کو اور یعوق اور نہ نسر کو۔

اور صحیح روایات میں ہے کہ ام المؤمنین سیدتنا حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے حبشہ کے علاقہ کے ایک گرجا گھر کا تذکرہ کیا جس میں پہلے لوگوں کی تصویریں موجود تھیں، تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: ''ان لوگوں کا یہ طریقہ تھا کہ جب ان میں کسی نیک آدمی کا انتقال ہوجاتا تو اس کی قبر پر مسجد بنادیتے تھے، اور وہاں اس کی تصویر لگادیتے تھے، تو یہ (تصویر لگانے والے لوگ) اللہ کے نزدیک مخلوق میں بدترین لوگ ہیں''۔ (بخاری شریف حدیث: ۱۳۴۱)

عرب کے مشہور بت ''لات'' کے بارے میں حضرت مجاہدؒ کی روایت ہے کہ: ''یہ ایک شخص تھا، جو حاجیوں کو ستو گھول کر پلایا کرتا تھا، جب وہ مرگیا تو لوگوں نے اس کی قبر کو عبادت گاہ بنادیا''۔ (کتاب التوحید ۱۲۰) اور بڑھتے بڑھتے وہ عرب کا سب سے بڑا بت بن گیا۔

ان روایات سے صاف معلوم ہوگیا کہ دنیا میں شرک پھیلنے کا بڑا سبب جاہلوں کی اولیاء اللہ سے اندھی عقیدت رہی ہے، اور اسی راستہ سے شیطان نے اہل توحید کے عقیدوں پر نقب لگائی ہے، کیوں کہ اگر وہ شیطان خود اپنی عبادت کی کھلم کھلا دعوت دیتا تو کوئی اس کی بات نہ مانتا، لہٰذا اس

نے اللہ کے نیک اور مقدس بندوں کی عقیدت کی آڑ میں کفر وشرک کا بازر گرم کیا اور اس عنوان سے اس نے لاکھوں بندگانِ خدا کو بڑی آسانی کے ساتھ شرک کے دلدل میں پھنسا دیا، بلا شبہ اس کی یہ شاطرانہ تدبیر بے حد مؤثر ثابت ہوئی، جس کے مکروہ اثرات آج اولیاء اللہ کے مزارات پر کھلی آنکھوں دیکھے جاسکتے ہیں۔العیاذ باللہ۔

تیسری فصل:

قبروں کو سجدہ گاہ بنانے کی سخت ممانعت

انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام اور اولیاء اللہ سے لوگوں کو چوں کہ دلی عقیدت ہوتی ہے، اس لئے شیطان کا داؤ اس عنوان سے لوگوں پر جلدی چل جاتا ہے، اور وہ عقیدت ومحبت کے غلو میں شرک کے جال میں گرفتار ہو جاتے ہیں، اسی لئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو زندگی کے آخری لمحات تک یہی فکر دامن گیر رہی کہ کہیں امت کے غلو پسند لوگ آپ کی قبر اطہر پر شرکیہ اعمال نہ کرنے لگیں، چناں چہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دل کی گہرائی کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے یہ دعا مانگی:

اَللّٰهُمَّ لَا تَجْعَلْ قَبْرِيْ وَثَناً يُعْبَدُ إِشْتَدَّ غَضَبُ اللّٰهِ عَلٰى قَوْمٍ إِتَّخَذُوْا قُبُوْرَ أَنْبِيَائِهِمْ مَسَاجِدَ.

اے اللہ! میری قبر کو ’’پوجا جانے والا بت‘‘ نہ بنایئے گا، اللہ کا سخت غصہ ہے ایسے لوگوں پر جو اپنے انبیاء کی قبروں کو سجدہ گاہ بنا دیتے ہیں۔

(موطا إمام مالك، حديث : ٨٥، باب جامع الصلوٰة، كتاب التوحيد ١١٥)

اور ام المؤمنین سیدتنا حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ مرض الوفات میں پیغمبر علیہ السلام سخت تکلیف میں تھے، اسی دوران جب معمولی افاقہ ہوا تو فرمانے لگے:

لَعَنَ اللّٰهُ الْيَهُوْدَ وَالنَّصَارٰى إِتَّخَذُوْا قُبُوْرَ أَنْبِيَائِهِمْ مَسَاجِدَ.

یہود ونصاریٰ پر اللہ تعالیٰ کی پھٹکار ہے کہ انہوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو سجدہ گاہ بنا دیا۔

(مسلم شريف ٢٠١/١ رقم: ٥٢٩)

اس کے بعد ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ: ’’اسی خطرہ سے نبی اکرم

صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کو لوگوں کے سامنے ظاہر نہیں کیا گیا کہ کہیں لوگ اس کا سجدہ نہ شروع کردیں"۔(مسلم شریف حدیث:۵۲۹)

گویا کہ اللہ تعالیٰ نے پیغمبر علیہ السلام کی یہ دعا کہ: "آپ کی قبر مبارک معبود کی صورت اختیار نہ کرپائے" قبول فرمائی، اور ایسے انتظامات قدرتی طور پر ہوتے چلے گئے کہ آپ کی قبر شرک کے اثرات سے بالکلیہ محفوظ رہی۔ اولاً خود ام المؤمنین سیدتنا حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اس کی نگرانی فرماتی رہیں، بعد ازاں وہ حجرہ مقفل کردیا گیا، اندر کسی کو جانے کی اجازت نہ تھی؛ تاآنکہ "ولید بن عبدالملک" کے زمانہ میں جب حجرۂ مبارکہ مسجد نبوی میں شامل کیا گیا تو اندرونی دیوار کے باہر ایسی پانچ کونی دیوار بنائی گئی جس میں کوئی دروازہ نہیں ہے، پس اب کوئی اصل قبر اطہر کی جگہ تک نہیں پہنچ سکتا، اور وہاں قبر کے عین سامنے سجدہ وغیرہ کرنے کا کوئی احتمال نہیں ہے۔(حاشیہ: الجامع الفرید/۴۹۸)

اہلِ قبور وغیرہ سے استعانت واستغاثہ ممنوع ہے

یہاں یہ بات اچھی طرح یادرکھنی چاہئے کہ اگر کوئی شخص کسی زندہ شخص سے کسی ایسے معاملہ میں تعاون طلب کرے جو اس کے اختیار میں ہو تو اس میں شرعاً کوئی حرج نہیں، مثلاً کوئی ضرورت مند شخص کسی سے قرض مانگے، یا اپنے بوجھ کو اٹھانے کے لئے سہارا چاہے تو اس میں کوئی رکاوٹ نہیں۔ اسی طرح زندہ شخص سے دعا کی درخواست کرنے میں بھی کوئی حرج نہیں۔ چناں چہ ثابت ہے کہ نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے سیدنا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے عمرہ کے سفر میں جاتے وقت ان سے دعا میں یاد رکھنے کی خواہش کی تھی۔ اسی طرح آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حکم دیا تھا کہ اگر ان کی ملاقات خیر التابعین "حضرت اویس قرنیؒ" سے ہو تو ان سے دعائے مغفرت کی درخواست کریں، اس سے معلوم ہوا کہ زندہ شخص سے دعا کی درخواست کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

البتہ کسی غائب شخص یا دنیا سے پردہ کرجانے والے شخص سے مدد طلب کرنا اور یہ سمجھنا کہ یہ میت شخص ہماری فریاد سن کر اس کو پورا کرنے پر قادر ہے، یا اس میت شخص کا اللہ تعالیٰ پر ایسا زور ہے کہ یہ

جس کے حق میں سفارش کردے تو اللہ تعالیٰ اس کی بات ضرور ہی مانیں گے،اس عقیدہ کے ساتھ اہل قبور اولیاء اللہ سے استعانت اور استغاثہ یقیناً شرک اور بدعت ہے،جس کی شریعت میں کوئی گنجائش نہیں ہے،اور سلفِ صالحین اور فقہاء سے اس کی تردید اوراس پر نکیر منقول ہے۔(مستفاد:روح المعانی ۱۸۳/۴)

اہلِ قبور سے استغاثہ کے متعلق ایک موضوع روایت

یہاں یہ وضاحت بھی مناسب ہے کہ کچھ طالع آزماؤں نے اپنے غلط عمل کی تائید میں ایک قطعاً باطل اور موضوع روایت عوام میں چلا رکھی ہے،جس کے الفاظ یہ ہیں: ’’**إِذَا اَعْيَتْكُمُ الْأُمُوْرُ فَعَلَيْكُمْ بِأَهْلِ الْقُبُوْرِ أَوْ فَاسْتَغِيْثُوْا بِأَهْلِ الْقُبُوْرِ**‘‘. (جب تمہارے معاملات تمہیں تھکا دیں تو تم اہل قبور سے مدد چاہو) تو تمام محدثین کے نزدیک یہ روایت سراپا موضوع ہے،پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف اس کا انتساب کھلا ہوا بہتان ہے۔

اس روایت کے بارے میں صاحب روح المعانی علامہ محمود آلوسیؒ فرماتے ہیں:

وَهُوَ حَدِيْثٌ مُفْتَرىً عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ بِاِجْمَاعِ الْعَارِفِيْنَ بِحَدِيْثِهٖ لَمْ يَرْوِهٖ أَحَدٌ مِنَ الْعُلَمَاءِ وَلَا يُوْجَدُ فِيْ شَيْءٍ مِنْ كُتُبِ الْحَدِيْثِ الْمُعْتَمَدَةِ، وَقَدْ نَهٰى النَّبِيُّ ﷺ عَنْ اِتِّخَاذِ الْقُبُوْرِ الْمَسَاجِدَ وَلَعَنَ عَلٰى ذٰلِكَ، فَكَيْفَ يُتَصَوَّرُ مِنْهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ الْأَمْرُ بِالْإِسْتِعَانَةِ وَالطَّلَبُ مِنْ أَصْحَابِهَا، سُبْحَانَكَ هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِيْمٌ.

(روح المعاني ١٨٧/٤)

اور یہ روایت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر سراسر بہتان ہے،جس پر حدیث کے جانکار تمام علماء کا اجماع ہے، اور کسی بھی معتبر عالم نے نہ تو یہ روایت نقل کی ہے اور نہ ہی کسی معتمد کتاب میں اس روایت کا کچھ اتہ پتہ ہے،اور خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قبروں کو سجدہ گاہ بنانے سے منع فرمایا،اور اس پر لعنت فرمائی ہے تو بھلا یہ کیسے متصور ہوسکتا ہے کہ اس ممانعت کے باوجود پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام انہی قبر والوں سے مدد طلب کرنے کا حکم دیں؟ اللہ کی ذات پاک ہے، یقیناً یہ کھلا ہوا بہتان ہے۔

شریعت میں قبروں کی زیارت کا مقصد

یہ صحیح ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قبروں کی زیارت کا حکم دیا ہے؛ لیکن اس کا مقصد نعوذ باللہ قبر والوں سے استعانت یا ان کی بے جا تعظیم نہیں ہے؛ بلکہ اس کا مقصد آخرت کی یاد دہانی ہے، چناں چہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

زُوْرُوْا الْقُبُوْرَ فَإِنَّهَا تُذَكِّرُ الْمَوْتَ. قبروں کی زیارت کیا کرو؛ اس لئے کہ وہ موت کو یاد دلاتی ہیں۔

(رواه مسلم ١/٣١٤ رقم: ٩٧٦)

اور ایک دوسری روایت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: ”میں تمہیں پہلے قبروں پر جانے سے منع کرتا تھا؛ لیکن اب سنو! قبروں کی زیارت کیا کرو؛ کیوں کہ وہ دلوں کو نرم کرتی ہیں، آنکھ سے آنسو جاری کرتی ہیں، اور آخرت کی یاد دلاتی ہیں“۔ (رواہ الحاکم، شرح الصدور ۴۹)

الغرض گاہے بگاہے قبرستان جانا چاہئے اور وہاں جاکر اپنی موت کو یاد کر کے آخرت کی تیاری کا جذبہ دل میں پیدا کرنا چاہئے؛ لیکن اگر قبروں کو کھیل، تماشہ، تفریح، اودھم بازی اور خرافات کا مرکز بنالیا جائے، جیسا کہ آج کل بہت سے بڑے بڑے اکابر اولیاء اللہ کی قبروں پر ہورہا ہے، تو اس کی ہرگز اجازت نہیں دی جاسکتی، یہ سب باتیں اسلامی شریعت کے قطعاً خلاف اور محض ڈھونگ ہیں۔

مشہور حنفی عالم علامہ احمد رومیؒ اپنی کتاب ”مجالس الابرار“ میں لکھتے ہیں کہ: ”قبر کی زیارت دو قسموں پر مشتمل ہے:

(۱) **زیارتِ شرعی**:- جس کا مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے مطابق قبر پر حاضری دی جائے، جس میں ۲/ باتیں مقصود ہوں۔

الف:- نصیحت وعبرت حاصل کرنا (اپنی موت کو یاد کرنا)

ب:- اور اہل قبور کو سلام کر کے ان کے حق میں دعا کرنا (تو اس کی یقیناً اجازت ہے)

(۲) **زیارتِ بدعی**:- اس کی صورت یہ ہے کہ قبر پر نماز پڑھنے، اس کا طواف کرنے، اس کا بوسہ لینے، اور اس پر اپنے چہرے کو رگڑنے، اور اس کی خاک حاصل کرنے اور اہلِ قبور

سے فریاد کر کے ان سے مدد مانگنے وغیرہ کے لئے قبروں پر جانا جیسا کہ زمانۂ جاہلیت میں بتوں کے پجاری بتوں سے استدعا کیا کرتے تھے، تو اس طرح قبروں کی زیارت دراصل مشرکین کے طرزِ عمل سے ماخوذ ہے، اور باتفاق جمیع مسلمین یہ ہرگز مشروع نہیں ہے، یہ کام نہ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے اور نہ آپ کے صحابۂ کرام اور تابعین اور ائمہ کرام سے اس کا ثبوت ملتا ہے الخ۔

(بحوالہ: الجامع الفرید ۶۳۱-۶۳۲)

غیر اللہ کو سجدہ حرام ہے

اسلام میں اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور کے لئے سجدہ کرنا قطعاً حرام ہے؛ کیوں کہ سجدہ آخری درجہ کا تذلل ہے، جو صرف اسی کے سامنے زیبا ہے جو اعلیٰ درجہ کی کبریائی کا مالک ہو اور وہ صرف اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذات ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَاَنَّ الْـمَسَاجِدَ لِلّٰهِ فَلاَ تَدْعُوْا مَعَ اللّٰهِ اَحَداً. (سورۂ جن: ۱۸)

اور یہ کہ سجدہ گاہیں صرف اللہ کے لئے ہیں، پس اللہ کے ساتھ کسی کو مت پکارو۔

اور دوسری جگہ ارشاد فرمایا:

لَا تَسْـجُدُوْا لِلشَّمْسِ وَلَا لِلْقَمَرِ وَاسْـجُـدُوْا لِـلّٰهِ الَّذِیْ خَلَقَهُنَّ اِنْ کُنْتُمْ اِیَّاهُ تَعْبُدُوْنَ. (حم لسجدة: ۳۷)

نہ سجدہ کرو سورج کو اور نہ چاند کو اور (صرف) اس خدا کو سجدہ کرو جس نے ان (چاند سورج وغیرہ) کو پیدا کیا ہے اگر تم کو خدا کی عبادت کرنی ہے۔

مسند احمد میں روایت ہے کہ جب خادم رسول سیدنا حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ یمن سے واپس مدینہ منورہ حاضر ہوئے تو انہوں نے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام سے عرض کیا کہ: ''میں نے یمن میں لوگوں کو آپس میں ایک دوسرے کے لئے (تعظیماً) سجدہ کرتے ہوئے دیکھا ہے، تو کیا ہم لوگ آپ کی تعظیم میں سجدہ نہ کیا کریں؟ یہ سن کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: ''اگر میں (اللہ کے علاوہ) کسی انسان کو سجدہ کرنے کو کہتا تو میں بیوی کو حکم دیتا کہ وہ اپنے شوہر کو سجدہ کرے''۔ (مسند احمد ابن حنبل ۵/ ۲۲۷-۲۲۸)

لیکن چوں کہ آپ نے کسی مخلوق کے لئے سجدہ کرنے کی اجازت دی ہی نہیں، اس لئے بیوی کو بھی اس کی اجازت نہیں ہے۔ شرحِ فقہ اکبر میں تحریر ہے :

وَالسَّجْدَةُ حَرَامٌ لِغَيْرِهِ سُبْحَانَهُ. (شرح فقه أكبر ٢٢٨)

اللہ تبارک وتعالیٰ کے علاوہ کے لئے سجدہ قطعاً حرام ہے۔

اور علامہ ابن نجیمؒ نے البحر الرائق میں تحریر فرمایا ہے:

وَمَا يَفْعَلُهُ مِنَ السُّجُوْدِ بَيْنَ يَدَيِ السُّلْطَانِ فَحَرَامٌ وَالْفَاعِلُ وَالرَّاضِيْ بِهِ اٰثِمَانِ؛ لِأَنَّهُ أَشْبَهُ بِعَبَدَةِ الْأَوْثَانِ. (لبحر الرائق ١٩٨/٨)

اور بادشاہ کے سامنے جو سجدہ کیا جاتا ہے وہ حرام ہے، اور سجدہ کرنے والا اور اس فعل سے راضی رہنے والا دونوں گنہگار ہیں؛ کیوں کہ یہ مورتی پوجا کرنے والوں سے زیادہ مشابہ ہے۔

غیر اللہ کو سجدہ کرنے والا کافر ہوگا یا نہیں؟

اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی کو سجدہ کرنا تو یقیناً فعل حرام ہے، اس میں کوئی شک وشبہ نہیں ہونا چاہئے؛ لیکن اگر کوئی شخص غیر اللہ کو سجدہ کرلے تو اسے کافر کہیں گے یا نہیں؟ تو اس میں محتاط علماء نے یہ تفصیل کی ہے کہ اگر عبادت یعنی ثواب سمجھ کر غیر اللہ کو سجدہ کیا ہے تو ایسے شخص کے کافر ہونے میں شبہ نہیں ہے۔ فتاویٰ عالمگیری میں صاف لکھا ہے:

وَإِنْ سَجَدَ السُّلْطَانَ بِنِيَّةِ الْعِبَادَةِ أَوْلَمْ تَحْضُرْهُ النِّيَّةُ فَقَدْ كَفَرَ.

اور اگر عبادت کی نیت سے یا بلا نیت بادشاہ کے سامنے سجدہ کیا تو کافر ہوجائے گا۔

(الفتاویٰ الهندية ٣٦٨/٥)

لیکن اگر تعظیم یا سلامی کی نیت سے غیر اللہ کو سجدہ کیا ہے تو اس میں فقہاء کا اختلاف ہے، بعض نے اسے مطلقاً کفر قرار دیا ہے، جب کہ بعض نے اسے فعل حرام ماننے کے باوجود موجبِ کفر قرار دینے میں توقف کیا ہے۔ علامہ ابن نجیمؒ فرماتے ہیں:

وَذَكَرَ الصَّدْرُ الشَّهِيْدُ: أَنَّهُ لَا

علامہ صدر شہیدؒ نے فرمایا کہ اس طرح کے سجدہ

يُكْفَرُ بِهٰذَا السُّجُوْدِ لِأَنَّهٗ يُرِيْدُ بِهِ التَّحِيَّةَ، وَقَالَ شَمْسُ الْأَئِمَّةِ السَّرَخْسِيّ: اَلسُّجُوْدُ لِغَيْرِ اللّٰهِ تَعَالٰى عَلٰى وَجْهِ التَّعْظِيْمِ كُفْرٌ.

(البحر الرائق ۸/ ۱۹۸)

کی وجہ سے تکفیر نہیں کی جائے گی؛ کیونکہ اس نے سلامی کا ارادہ کیا ہے، جب کہ علامہ شمس الائمہ سرخسیؒ نے فرمایا ہے کہ غیر اللہ کو تعظیم کے بطور سجدہ کرنا مطلقاً کفر ہے۔

اس لئے ہر مسلمان کو اپنے اسلام کی حفاظت کرتے ہوئے غیر اللہ کو سجدہ کرنے سے ضرور بچنا چاہئے۔

غیر اللہ کے لئے منت ماننا جائز نہیں

مشہور حنفی فقیہ علامہ قاسم بن قطلو بغا فرماتے ہیں کہ: ''آج کل بہت سے عوام جو غیر اللہ کے لئے منتیں مانتے ہیں، مثلاً کسی شخص کا کوئی عزیز قریب گم شدہ یا بیمار ہوتا ہے تو وہ کسی نیک آدمی کی قبر پر جاتا ہے اور اس کے سرہانے چادر چڑھا کر کہتا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ نے میرا فلاں گم شدہ شخص لوٹا دیا یا مریض صحت مند ہوگیا یا میری مراد پوری ہوگئی، تو میں اتنا سونا چاندی یا مال یا موم اور تیل پیش کروں گا، تو یہ منت بالا جماع حرام اور باطل ہے، اور اس کے باطل ہونے کی کئی وجوہات ہیں:

(۱) یہ مخلوق کے لئے منت ہے جب کہ مخلوق کے لئے منت اور نذر جائز نہیں ہے۔

(۲) یہ عبادت کی ایک شکل ہے اور غیر اللہ کے لئے عبادت درست نہیں۔

(۳) اس منت میں یہ بدعقیدگی پائی جارہی ہے کہ میت شخص اللہ تعالیٰ کے بغیر معاملات میں تصرفات کا حق رکھتا ہے، حالاں کہ غیر اللہ کے بارے میں یہ عقیدہ موجب کفر ہے''۔ (شرح درر البحار بحوالہ: الجامع الفرید ۶۳۱)

علامہ موصوف کی اس واضح عبارت کو سامنے رکھ کر آج جائزہ لینے کی ضرورت ہے کہ کیا آج کل اولیاء اللہ کے مزارات پر یہ شرکیہ اور کفریہ کاروبار جاری ہے یا نہیں؟

غیر اللہ کے نام پر جانور ذبح کرنا حرام ہے

اللہ کے علاوہ کسی کے لئے کوئی جانور قربان کرنا یا غیر اللہ کے اعزاز کے لئے جانور ذبح کرنا قطعاً حرام ہے، اور ایسا جانور محض مردار ہوتا ہے، کسی کے لئے اس کا استعمال حلال نہیں رہتا۔ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے غیر اللہ کے نام پر ذبح کرنے والوں پر لعنت فرمائی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ عالی ہے:

لَعَنَ اللّٰـهُ مَنْ ذَبَحَ لِغَيْرِ اللّٰهِ. اس شخص پر اللہ کی پھٹکار ہے جو غیر اللہ کے لئے جانور ذبح کرے۔

(مسلم شریف ۱۶۰/۲ رقم: ۱۹۷۸)

اور سیدنا حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے موقوفاً ایک روایت نقل کی گئی ہے کہ: ''ایک مکھی کی وجہ سے ایک آدمی جنت میں گیا، اور مکھی ہی کی وجہ سے دوسرا آدمی جہنم میں گیا''۔ صحابہؓ نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! یہ کیسے ہوا؟ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: ''دو آدمیوں کا ایک قبیلہ سے گذر ہوا، وہاں ایک بت تھا، جس پر بھینٹ چڑھائے بغیر وہ کسی کو گذرنے نہ دیتے تھے، تو انہوں نے ان دو آدمیوں میں سے ایک سے کہا کہ تم بت پر کوئی بھینٹ چڑھاؤ، اس نے کہا کہ میرے پاس چڑھاوے کے لئے کچھ نہیں ہے، تو انہوں نے کہا کہ کچھ نہ ہو تو ایک مکھی ہی کی بلی دے دو، چناں چہ اس آدمی نے مکھی اس بت پر قربان کردی، تو ان لوگوں نے اسے چھوڑ دیا، پس وہ بت پر اس مکھی کی قربانی کی بنا پر جہنم میں داخلہ کا مستحق بنا، جب کہ دوسرے شخص نے صاف کہہ دیا کہ میں اللہ عزوجل کے علاوہ کسی کے لئے قربانی پیش نہ کروں گا، چناں چہ اس قبیلہ کے لوگوں نے اسے قتل کر دیا، پس وہ جنت میں داخلہ کا مستحق ہوا''۔ (کتاب الزہد للامام احمدؒ ۱۷، حدیث: ۸۴، کتاب التوحید ۷۳-۷۴)

امام اہلِ سنت حضرت امام نووی شافعیؒ فرماتے ہیں:

وَأَمَّا الذَّبْحُ لِغَيْرِ اللّٰهِ فَالْمُرَادُ بِهِ أَنْ يَّذْبَحَ بِاسْمِ غَيْرِ اللّٰهِ كَمَنْ اور غیر اللہ کے لئے ذبح کرنے سے مراد یہ ہے کہ غیر اللہ کے نام پر مثلاً کسی بت کے نام پر یا

ذَبَحَ لِلصَّنَمِ أَوْ لِلصَّلِيْبِ أَوْ لِمُوْسٰى أَوْ عِيْسٰى أَوْ لِلْكَعْبَةِ وَنَحْوِ ذٰلِكَ، وَكُلُّ هٰذَا حَرَامٌ وَلاَ تَحِلُّ هٰذِهِ الذَّبِيْحَةُ سَوَاءٌ كَانَ الذَّابِحُ مُسْلِماً أَوْ نَصْرَانِياً أَوْ يَهُوْدِياً نَصَّ عَلَيْهِ الشَّافِعِيُّ، وَاتَّفَقَ عَلَيْهِ أَصْحَابُنَا فَإِنْ قَصَدَ مَعَ ذٰلِكَ تَعْظِيْمَ الْمَذْبُوْحِ لَهٗ غَيْرِ اللّٰهِ وَالْعِبَادَةِ لَهٗ كَانَ ذٰلِكَ كُفْراً، فَإِنْ كَانَ الذَّابِحُ قَبْلَ ذٰلِكَ مُسْلِماً صَارَ بِالذِّبْحِ مُرْتَداً. (نووی علی مسلم ۱۶۰/۲ حدیث: ۱۹۷۸، الجامع الفرید ۱۳۳)

صلیب کے نام پر، یا حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام کے نام پر یا اس جیسے کسی نام پر جانور کو ذبح کرنا تو یہ سب حرام ہے، اور ایسا ذبیحہ حلال نہیں ہوتا، خواہ ذبح کرنے والا مسلمان ہو یا عیسائی ہو یا یہودی ہو، اس کی امام شافعیؒ نے صراحت فرمائی ہے اور ہمارے تمام اصحاب اس بات پر متفق ہیں، اور اگر غیر اللہ کے نام پر ذبح کرنے کے ساتھ ساتھ مذبوح لہ (جس کے لئے ذبح کیا گیا یعنی چڑھایا گیا ہے) اس کی تعظیم اور اس کی عبادت (یعنی اجر وثواب کا حصول) مقصود ہو تو یہ عمل کفر ہے، اگر کوئی مسلمان ایسا کرے گا تو وہ اس عمل کی وجہ سے مرتد ہو جائے گا، نعوذ باللہ۔

الغرض اللہ کے علاوہ کسی بھی شخص یا مخلوق کے لئے قصداً کوئی قربانی نہیں کی جاسکتی، اسلام میں یہ مطلقاً حرام ہے۔

چوتھی فصل:

دعاؤں میں توسل کا مسئلہ

یہاں ایک اہم بحث یہ ہے کہ عام طور دعاؤں میں توسل کا جو معمول ہے اس کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ تو اس بارے میں تمام بحثوں کا حاصل یہ ہے کہ:

الف:- دعا کرتے وقت اللہ تعالیٰ کے اسماءِ حسنیٰ کو وسیلہ بنانا نہ صرف جائز؛ بلکہ مامور اور پسندیدہ ہے۔ ارشادِ خداوندی ہے:

وَلِلّٰهِ الْأَسْمَآءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا. (الاعراف: ۱۸۰)

اور اللہ کے لئے ہیں سب اچھے نام، سو اس کو انہی ناموں سے پکارو۔

نیز احادیثِ شریفہ میں بکثرت ایسے کلمات مروی ہیں جن میں اللہ تعالیٰ کے صفاتی ناموں کے ذریعہ دعائیں مانگی گئی ہیں۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ہم لوگ حضور اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے، کہ ایک شخص حاضر ہوئے اور انہوں نے نماز پڑھی، پھر انہوں نے درج ذیل الفاظ سے دعا مانگی:

اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَسْئَلُکَ بِأَنَّ لَکَ الْحَمْدُ لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ الْمَنَّانُ بَدِيْعُ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضِ يَاذَا الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ، يَا حَيُّ يَا قَيُّوْمُ. (کتاب الدعاء ۵۳)

اے اللہ! میں آپ سے سوال کرتا ہوں اس وسیلہ سے کہ ہر طرح کی خوبیاں صرف آپ ہی کے لئے ہیں، آپ کے علاوہ کوئی عبادت کے لائق نہیں، آپ ہی بہت احسان کرنے والے ہیں، اور آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے والے

ہیں، اے عزت اور بزرگی والے اور اے ہمیشہ سے زندہ اور ہمیشہ نگرانی کرنے والے۔

تو نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ دعائیہ کلمات سن کر ارشاد فرمایا کہ: ’’اس شخص نے اللہ کے اسم اعظم کے ذریعہ دعا مانگی ہے، جس کے وسیلہ سے اس سے جو بھی مانگا جائے وہ عطا فرماتا ہے‘‘۔ (کتاب الدعاء ۵۴)

نیک اعمال کا وسیلہ

ب:- دعاؤں میں اپنے نیک اعمال کا وسیلہ اختیار کرنا بھی جائز اور مطلوب ہے، قرآنِ کریم میں اللہ تعالیٰ نے خود اس کا حکم دیا ہے، ارشاد فرمایا:

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَابْتَغُوْا اِلَیْهِ الْوَسِیْلَةَ. (المائدۃ: ۳۵)	اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور اس تک پہنچنے کے لئے وسیلہ ڈھونڈو۔

اس آیت میں وسیلہ سے اکثر مفسرین نے اعمالِ خیر کو ہی مراد لیا ہے۔ (دیکھئے: تفسیر قرطبی ۱۱۰/۳ بیروت)

نیز ایک صحیح حدیث سے بھی اس طرح کے وسیلہ کے جواز کا پتہ چلتا ہے، چنانچہ بخاری شریف میں روایت ہے کہ پرانی قوموں کے تین شخص جنگل میں جا رہے تھے، راستہ میں بارش ہونے لگی، تو انہوں نے قریبی پہاڑ کے ایک غار میں پناہ لی، اتفاق یہ کہ اوپر سے ایک بڑی چٹان نے کھسک کر ان کے غار کے منہ کو بند کر دیا، تو انہوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ ہم میں سے ہر ایک اپنی زندگی کے سب سے مقبول عمل کا وسیلہ دے کر اللہ سے دعا مانگے۔ چناں چہ تینوں نے ترتیب وار اپنے اعمال کے وسیلہ سے دعا مانگی، جس کی بدولت وہ چٹان بفضل خداوندی ہٹ گئی اور وہ بحفاظت باہر نکل آئے، ایک نے اپنے والدین کی خدمت گذاری کا حوالہ دیا، دوسرے نے اپنی پاک دامنی اور عفت مآبی کے واقعہ کا وسیلہ دیا، اور تیسرے نے مزدور کے ساتھ امانت اور حقوق کی ادائیگی کا واسطہ دیا (جس کی تفصیل بخاری شریف ۲۹۴/۱ وغیرہ میں موجود ہے) الغرض اعمالِ صالحہ کے ذریعہ وسیلہ کا جواز متفق علیہ ہے۔

صالح زندہ شخص کا وسیلہ

ج: -کسی صالح زندہ شخص کے وسیلہ سے بھی دعا مانگنے کا ثبوت ملتا ہے۔ چنانچہ بخاری شریف میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ:

إِنَّ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ كَانَ إِذَا قُحِطَ إِسْتَسْقٰى بِالْعَبَّاسِ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ، فَقَالَ: أَللّٰهُمَّ إِنَّا كُنَّا نَتَوَسَّلُ إِلَيْكَ بِنَبِيِّنَا صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَتَسْقِيْنَا وَإِنَّا نَتَوَسَّلُ إِلَيْكَ بِعَمِّ نَبِيِّنَا فَاسْقِنَا قَالَ فَيُسْقَوْنَ.

(بخاری شریف ۱/۱۳۷ رقم: ۱۰۱۰)

سیدنا حضرت عمر بن الخطابؓ قحط سالی کے وقت حضرت عباس بن عبد المطلبؓ کے وسیلہ سے اللہ تعالیٰ سے سیرابی طلب فرماتے ہوئے یوں دعا کرتے تھے کہ: ''اے اللہ! ہم اپنے پیغمبر ﷺ کے وسیلہ سے دعا مانگتے تھے، تو آپ ہمیں بارش سے نوازتے تھے، اب ہم اپنے پیغمبر علیہ السلام کے محترم چچا کے ذریعہ آپ سے درخواست کرتے ہیں پس ہمیں سیراب فرمایئے۔ راوی کہتے ہیں کہ اس دعا کے بعد بارش ہوجاتی تھی''۔

خلیفۂ راشد امیر المؤمنین سیدنا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس عمل سے معلوم ہوا کہ جس شخص کے بارے میں عند اللہ مقبول ہونے کا گمان ہو اس کے وسیلہ سے بھی دعا کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے، اور اس میں قبولیت کی امید زیادہ ہے، اور اس کے جواز میں کوئی اختلاف نہیں ہے، اور یہ وسیلہ محض اس صالح شخص کی دعا کے ذریعہ نہیں ہے؛ بلکہ اس کے مقام ومرتبہ کے لحاظ سے ہے۔ چناں چہ اس موقع پر سیدنا حضرت عمرؓ کا جو خطبہ منقول ہے اس کے الفاظ شارح بخاری حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے اس طرح نقل فرمائے ہیں:

إِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَرٰى لِلْعَبَّاسِ مَا يَرَى الْوَلَدُ لِلْوَالِدِ فَاقْتَدُوْا أَيُّهَا

بلا شبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عباسؓ کے ساتھ ایسا ہی معاملہ فرماتے تھے جیسے ایک بیٹا اپنے والد کے ساتھ کرتا ہے، اس لئے اے لوگو!

النَّاسُ بِرَسُوْلِ اللّٰهِ فِيْ عَمِّهِ الْعَبَّاسِ وَاتَّخِذُوْهُ وَسِيْلَةً إِلَى اللّٰهِ. (فتح الباري ٦٣٢/٣)

حضرت عباسؓ کے بارے میں پیغمبر علیہ السلام کے طریقہ کی پیروی کرو، اور اللہ تعالیٰ کے دربار میں انہیں وسیلہ بناؤ۔

اس سے صاف معلوم ہوا کہ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خاندانی عظمت کی بنا پر ان کو سامنے رکھ کر بارش کی دعا کا اہتمام کیا گیا تھا۔

نیز اس کی تائید اس تفصیل سے ہوتی ہے کہ جب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو دعا کے لئے وسیلہ بنایا تو حضرت عباسؓ نے اس وقت جو کلمات ادا فرمائے وہ درج ذیل تھے:

اَللّٰهُمَّ لَمْ يَنْزِلْ بَلاءٌ إِلَّا بِذَنْبٍ وَلَمْ يُكْشَفْ إِلَّا بِتَوْبَةٍ، وَقَدْ تَوَجَّهَ الْقَوْمُ بِيْ لِمَكَانِيْ مِنْ نَبِيِّكَ وَهٰذِهِ أَيْدِيْنَا إِلَيْكَ بِالذُّنُوْبِ، وَنَوَاصِيْنَا إِلَيْكَ بِالتَّوْبَةِ فَاسْقِنَا الْغَيْثَ. (فتح الباري ٦٣٢/٣، التوسل، حقائق شبهات/ الشاملة)

اے اللہ! بلائیں گناہوں کی وجہ سے ہی نازل ہوتی ہیں اور توبہ کے بغیر مصیبتوں سے نجات نہیں مل سکتی، اور لوگ میری طرف آپ کے پیغمبر علیہ السلام سے (نسبی) قرابت کی وجہ سے متوجہ ہوئے ہیں، اور یہ ہمارے اٹھے ہوئے ہاتھ گناہوں سے پُر ہیں، اور ہماری پیشانیاں توبہ کے لئے آپ کے سامنے (جھکی ہوئی) ہیں، پس ہمیں بارش سے نواز دیجئے۔

ان کلمات میں ''لِمَكَانِيْ مِنْ نَبِيِّكَ'' کا لفظ اس بات کی دلیل ہے کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے مقام ومرتبہ کی بنیاد پر ان کی ذات کو وسیلہ بنایا گیا تھا، نہ کہ محض ان کی دعا کو، جیسا کہ بعض حضرات کا قول ہے۔

محبتِ نبویؐ کا وسیلہ

د:- نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم یا دیگر اولیاء اللہ سے مسلمان کو جو محبت ہوتی ہے، اس محبت

کے وسیلہ سے دعا مانگنا بھی جائز ہے، یہ بھی عمل صالح کے وسیلہ سے دعا مانگنے کے درجہ میں ہے۔

سعودی عرب کی اعلیٰ اختیاراتی ''فتویٰ کمیٹی'' کے ایک فتویٰ میں یہ عبارت درج ہے:

اَلثَّـانِـيُ أَنْ يُّـنَـادِيَ اللّٰـهَ مُتَوَسِّلاً إِلَيْهِ بِحُبِّ نَبِيِّهٖ وَاتِّبَاعِهٖ إِيَّاهُ، وَحُبِّهٖ لِأَوْلِيَـاءِ اللّٰهِ بِأَنْ يَّقُوْلَ: اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَسْـأَلُكَ بِحُبِّيْ لِنَبِيِّكَ وَاتِّبَاعِيْ لَـهٗ بِـحُبِّيْ لِأَوْلِيَائِكَ أَنْ تُعْطِيَنِيْ كَـذَا، فَهٰـذَا جَائِزٌ لِأَنَّهٗ تَوَسُّلٌ مِنَ الْعَبْدِ إِلٰى رَبِّهٖ بِعَمَلِهِ الصَّالِحِ.

(الشاملة/ فتاویٰ اللجنة الدائمة/ التوسل)

دوسری صورت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہوئے اللہ کے رسول سے محبت اور آپ کی اتباع، اور اولیاء اللہ سے محبت کا وسیلہ مانگے، مثلاً یہ الفاظ کہے کہ ''اے اللہ! میں آپ کے پیغمبر علیہ السلام سے اپنی محبت، اور آپ کی پیروی اور آپ کے نیک بندوں سے محبت کا وسیلہ سے درخواست کرتا ہوں کہ آپ فلاں چیز مجھے عطا فرمایئے، تو یہ طریقہ جائز ہے، اس لئے کہ یہ دراصل اپنے نیک عمل کے ذریعہ سے ایک بندے کا اپنے رب سے وسیلہ ڈھونڈنا ہے''۔

قرآنِ کریم کا وسیلہ

۵:- قرآنِ کریم پڑھ کر قرآنِ کریم کے وسیلہ سے دعا مانگنا بھی ثابت ہے۔ حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

مَنْ قَـرَأَ الْـقُـرْآنَ فَلْيَسْـئَلِ اللّٰهَ بِهٖ فَـإِنَّهٗ سَيَجِيْءُ أَقْوَامٌ يَقْرَؤُنَ الْقُرْاٰنَ يَسْأَلُوْنَ بِهِ النَّاسَ.

(سنن الترمذي ۱۱۹/۲)

جو شخص قرآنِ کریم پڑھے تو اسی قرآن کے وسیلہ سے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگے، کیوں کہ عنقریب ایسے لوگ پیدا ہوں گے جو قرآن پڑھ کر اس کے ذریعہ سے لوگوں سے سوال کریں گے۔ (یعنی خود قرآن ہی کو کمائی کا ذریعہ بنائیں گے جو پسندیدہ نہیں ہے)

قرآنِ کریم کے وسیلہ کی جواز کی وجہ یہ ہے کہ قرآن اللہ کا کلام اور اس کی صفت ہے؛ لہٰذا قرآن کا وسیلہ دراصل اللہ تعالیٰ ہی کا وسیلہ ہے، سعودی عرب کی فتویٰ کمیٹی کے فتویٰ میں درج ہے:

وَيَجُوْزُ التَّوَسُّلُ بِالْقُرْآنِ لِأَنَّهُ كَلَامُ اللّٰهِ لَفْظاً وَمَعْنىً وَكَلَامُهُ تَعَالٰى صِفَةٌ مِنْ صِفَاتِهٖ، فَالتَّوَسُّلُ بِهٖ تَوَسُّلٌ إِلَى اللّٰهِ بِصِفَةٍ مِنْ صِفَاتِهٖ.

(الشاملة / فتاویٰ اللجنة الدائمة)

اور قرآن کے ذریعہ سے توسل جائز ہے، اس لئے کہ یہ قرآن لفظاً اور معنیً اللہ ہی کا کلام ہے، اور اللہ کا کلام اس کی صفات میں سے ایک صفت ہے، پس قرآن کو وسیلہ بنانا اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے ایک صفت کے ذریعہ ہی وسیلہ ڈھونڈنا ہے (جو بالاتفاق جائز ہے)

اسی سے یہ مفہوم ہوا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور اولیاء اللہ سے اللہ تعالیٰ کو جو محبت ہے اس محبت کے وسیلہ سے بھی دعا مانگنا جائز ہے؛ کیوں کہ یہ بھی اللہ تعالیٰ کی صفتِ عالیہ ہے۔

دعاؤں میں نبی اکرم ﷺ کا وسیلہ اختیار کرنا

و:- جمہور علماء اہل سنت والجماعت کے نزدیک دعاؤں میں سرورِ عالم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے عظیم مقام ومرتبہ کا وسیلہ دینا بھی جائز ہے، اور اس کی دلیل یہ صریح حدیث ہے کہ ایک نابینا شخص نے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے عافیت کے لئے دعا کی درخواست کی، تو پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا کہ: ''اگر چاہو تو میں دعا کروں اور اگر چاہو تو تم صبر کرو، تو یہ تمہارے لئے بہتر ہوگا''؛ لیکن اس نابینا شخص نے پھر دعا کی درخواست کی تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اچھا جاؤ! اچھی طرح وضو کرو پھر ان الفاظ سے دعا مانگو:

اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَسْئَلُكَ وَأَتَوَجَّهُ إِلَيْكَ بِنَبِيِّكَ مُحَمَّدٍ نَبِيِّ الرَّحْمَةِ إِنِّيْ تَوَجَّهْتُ بِكَ إِلٰى رَبِّيْ فِيْ حَاجَتِيْ هٰذِهٖ لِتَقْضِيَ

اے اللہ! میں آپ سے سوال کرتا ہوں اور آپ کی طرف متوجہ ہوں آپ کے نبی حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے وسیلہ سے جو نبیٔ رحمت ہیں، میں آپ ﷺ کے ذریعہ اپنے رب سے اپنی اس

لِيْ، اَللّٰهُمَّ فَشَفِّعْهُ فِيَّ. (سنن الترمذي ۱۹۸/۲، نیز دیکھئے: غیر مقلدین کے ۵۶/اعتراض کے جوابات ۱۲۹، مؤلفہ: مفتی شبیر احمد قاسمی)

ضرورت (بینائی لوٹانے) پورا کرنے کا خواستگار ہوں، اے اللہ میرے بارے میں حضور اکرم ﷺ کی سفارش قبول فرمایئے۔

یہ روایت حضور اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلا کی زندگی میں آپ کی ذاتِ عالی کو دعاؤں میں وسیلہ بنانے کے جواز پر صریح دلیل ہے، اور اسی سے استدلال کرتے ہوئے آپ کے دنیا سے پردہ فرمانے کے بعد بھی آپ کے وسیلہ کے جواز کا قول جمہور علماء امت نے اختیار کیا ہے، اور اس سے خدانخواستہ یہ ہرگز مطلب نہیں ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذات پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی زور ثابت کیا جائے؛ بلکہ اس وسیلہ کا صحیح مفہوم وہی ہے جو مفسر قرآن حضرت علامہ محمود آلوسی البغدادیؒ نے اپنی معرکۃ الآراء تفسیر ''روح المعانی'' میں بیان کیا ہے۔ آپ کے الفاظ درج ذیل ہیں:

أَنَا لَا أَرَى الْبَأْسَ بِالتَّوَسُّلِ إِلَى اللّٰهِ تَعَالٰى بِجَاهِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عِنْدَ اللّٰهِ تَعَالٰى حَيًّا وَمَيِّتاً، وَيُرَادُ مِنَ الْجَاهِ مَعْنىً يَرْجِعُ إِلٰى صِفَةٍ مِنْ صِفَاتِهِ تَعَالٰى، مِثْلُ أَنْ يُّرَادَ بِهِ الْمَحَبَّةَ التَّامَّةَ أَلْمُسْتَدْعِيَةَ عَدَمَ رَدِّهِ وَقُبُوْلَ شَفَاعَتِهِ فَيَكُوْنُ مَعْنٰى قَوْلِ الْقَائِلِ: إِلٰهِي أَتَوَسَّلُ بِجَاهِ نَبِيِّكَ أَنْ تَقْضِيَ لِيْ حَاجَتِيْ: إِلٰهِيْ أَجْعَلُ مَحَبَّتَكَ لَهُ وَسِيْلَةً فِيْ قَضَاءِ حَاجَتِيْ، وَلَا فَرْقَ بَيْنَ هٰذَا

میں باری تعالیٰ کی بارگاہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مرتبۂ عالی کا وسیلہ دینے میں حالت حیات اور بعد وفات دونوں صورتوں میں کوئی حرج نہیں سمجھتا اور یہاں آپ کے جاہ ومرتبہ سے ایسے معنی مراد لئے جائیں گے جو اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے کسی صفت کی طرف راجع ہوں گے۔ مثلاً یہ مراد لیا جائے کہ اللہ تعالیٰ کی پیغمبر علیہ السلام سے وہ کامل محبت جو اس بات کی متقاضی ہے کہ آپ کی بات اور سفارش رد نہ ہو؛ لہٰذا اللہ تعالیٰ سے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جاہ ومرتبہ کے حوالہ سے اپنی حاجت روائی کی درخواست دراصل اس معنی میں ہوگی کہ اے اللہ!

وَقَوْلِكَ إِلٰهِيْ اَتَوَسَّلُ بِرَحْمَتِكَ أَنْ تَفْعَلَ كَذَا، إِذْ مَعْنَاهُ أَيْضاً إِلٰهِيْ أَجْعَلُ رَحْمَتَكَ وَسِيْلَةً فِيْ فِعْلِ كَذَا.

(روح المعانی ١٨٧/٦)

میں آپ کی پیغمبر علیہ السلام سے محبت کو اپنی ضرورت کی تکمیل کے لئے واسطہ بناتا ہوں، اس معنی کے اعتبار سے اس دعا میں اور اللہ کی رحمت کے واسطے سے دعا مانگنے میں حقیقۃً کوئی فرق نہیں رہا؛ کیوں کہ اس کے معنی بھی رحمت خداوندی کو وسیلہ بنانے کے ہیں (جو فی الجملہ جائز ہے)

اس سے صاف معلوم ہوگیا کہ اہلِ سنت والجماعت کے نزدیک نبی اکرم علیہ السلام کا وسیلہ دراصل اس محبت وتعلق کا وسیلہ ہے جو اللہ تعالیٰ کو اپنے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ہے، اس لئے اس معنی کے اعتبار سے اس وسیلہ میں شرک کا کوئی شائبہ نہیں پایا جاتا۔ البتہ اگر کوئی شخص صفاتِ خداوندی میں حضور اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو نعوذ باللہ شریک سمجھے، یا آپ کو نظامِ کائنات میں متصرف یا با اختیار قرار دے، جیسا کہ بہت سے اہل بدعت کا عقیدہ ہے، تو اس طرح کا وسیلہ ہرگز جائز نہیں ہے۔

یہاں یہ واضح رہنا چاہئے کہ بعض متأخرین علماء نے جن میں علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ پیش پیش ہیں، سداً للذ ریعۃ بہت شدت کے ساتھ وفات یافتہ حضراتِ انبیاء وصالحین کے وسیلہ کا انکار کیا ہے، اور اس پر با قاعدہ کتابیں لکھی ہیں، اور نابینا والی روایت کے یہ معنی بیان کئے ہیں کہ ان صحابی نے حضور اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذات کو وسیلہ نہیں بنایا تھا؛ بلکہ حضور کی دعا کو وسیلہ بنایا تھا، حالاں کہ ان کی یہ تخصیص دعا کے ظاہری کلمات سے میل نہیں کھاتی۔ دوسرے یہ کہ انہوں نے اس طرح کے وسیلہ کو صرف زندوں تک خاص کیا ہے، جو لوگ وفات پا چکے ہیں ان کے وسیلے کی اجازت نہیں دی ہے، حالاں کہ یہ تخصیص بھی بے دلیل ہے، کیوں کہ اگر وسیلہ کے عدم جواز کی وجہ شرک کا شائبہ ہے، تو اس میں زندہ یا مردہ کی کوئی تخصیص نہیں ہونی چاہئے، کیوں کہ جو چیز شرک ہے وہ جس طرح مردہ کے لئے منع ہوگی اسی طرح زندہ کے لئے بھی منع ہوگی۔

اور صحیح بات یہی ہے جس کی طرف علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ نے اشارہ فرمایا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم یا دیگر انبیاء وصالحین کا وسیلہ اس لئے اختیار کیا جاتا ہے کہ یہ حضرات عند اللہ محبوب ہیں اور اللہ کی صفت محبت کا ان سے تعلق ہے، اور اصل وسیلہ اسی صفت محبت کا ہے۔ اسی معنی کے اعتبار سے اعمالِ صالحہ کا وسیلہ اختیار کیا جاتا ہے، کیوں کہ یہ اعمال عند اللہ مقبول ہیں، جن کی وجہ سے آدمی رحمت خداوندی کا مستحق ہوتا ہے، اور اعمال کا ذکر کر کے دراصل اسی رحمت کا وسیلہ ڈھونڈھا جارہا ہے۔

ایک شبہ کا ازالہ

اب یہاں سوال یہ ہے کہ اگر وسیلہ کے یہی معنی تھے تو صحابہ، تابعین اور ائمہ کی دعاؤں میں عام طور پر اس وسیلہ کا ذکر کیوں نہیں ملتا؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ بہت سی روایات میں آپ کی وفات کے بعد بھی وسیلہ کا پتہ چلتا ہے۔ چناں چہ مصنف ابن ابی شیبہ میں لکھا ہے کہ حضرت عمرؓ کے دورِ خلافت میں قحط سالی کے وقت ایک صاحب (جن کا نام حافظ ابن حجرؒ نے بلال بن الحارث المزنی لکھا ہے) نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر اطہر پر جاکر بارش کے لئے دعا کی درخواست کی، جس پر ان کی خواب میں رہنمائی کی گئی کہ حضرت عمرؓ سے سلام کہیں اور خوش خبری سنائیں کہ بارش ہوگی۔ (مصنف ابن ابی شیبۃ ۳۵۹/۶، فتح الباری ۶۲۹/۳)

اس کے علاوہ بھی کئی واقعات مروی ہیں۔ ان میں سے بعض اگرچہ کسی درجہ میں متکلم فیہ ہیں؛ لیکن مجموعی طور پر ثبوت کے لئے کافی ہیں۔

اور دوسرا جواب یہ ہے کہ ممکن ہے کہ ان حضرات نے عوام کے شرک کے زمانہ سے قرب کی وجہ سے بطور احتیاط جائز وسیلہ کی صورت سے بھی احتراز کیا ہو کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ ناواقف لوگ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذات کو متصرف ومختار قرار نہ دینے لگیں۔

دعاؤں میں اَولیاء اللہ کو مخاطب بنانا

خلاصہ یہ کہ اگر اللہ سے دعا مانگی جائے اور ساتھ میں اللہ کے نیک بندوں کا وسیلہ دیا جائے،

تو اس کی تو گنجائش نکل سکتی ہے، جیسا کہ اوپر مذکور ہوا؛ لیکن آج کل جو مزارات پر طریقہ جاری ہے کہ لوگ براہِ راست صاحب قبر کو خطاب کر کے اس سے اپنی مرادیں مانگتے ہیں اور یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ نعوذ باللہ ان اولیاء اللہ کا اللہ کے یہاں یہ مقام ہے کہ یہ جو چاہیں گے وہ ہو جائے گا، اور یہ لوگ قبر میں ہونے کے باوجود معاملات کو بنانے یا بگاڑنے پر قادر ہیں تو اس عقیدہ کے ساتھ اولیاء اللہ سے خطاب کرنا قطعاً حرام ہے، اور اس کا وسیلہ کی جائز شکلوں سے کوئی تعلق نہیں۔ علامہ آلوسیؒ فرماتے ہیں:

إِنَّ النَّاسَ قَدْ أَكْثَرُوْا مِنْ دُعَاءِ غَيْرِ اللّٰهِ تَعَالٰى مِنَ الْأَوْلِيَاءِ الْأَحْيَاءِ مِنْهُمْ وَالْأَمْوَاتِ وَغَيْرِهِمْ، مِثْلُ ''يَا سَيِّدِيْ فُلَانُ أَغِثْنِيْ''، وَلَيْسَ ذٰلِكَ مِنَ التَّوَسُّلِ الْمُبَاحِ فِيْ شَيْءٍ، وَاللَّائِقُ بِحَالِ الْمُؤْمِنِ عَدَمُ التَّفَوُّهِ بِذٰلِكَ، وَأَنْ لَّا يَحُوْمَ حَوْلَ حِمَاهُ وَقَدْ عَدَّهُ أُنَاسٌ مِنَ الْعُلَمَاءِ شِرْكًا، وَإِلَّا يَكُنْهُ فَهُوَ قَرِيْبٌ مِنْهُ، وَلَا أَرٰى أَحَدًا مِمَّنْ يَقُوْلُ ذٰلِكَ إِلَّا وَهُوَ يَعْتَقِدُ أَنَّ الْمَدْعُوَّ الْحَيَّ الْغَائِبَ أَوِ الْمَيِّتَ الْمَغِيْبَ يَعْلَمُ الْغَيْبَ أَوْ يَسْمَعُ النِّدَاءَ وَيَقْدِرُ بِالذَّاتِ أَوْ بِالْغَيْرِ عَلٰى جَلْبِ الْخَيْرِ وَدَفْعِ الْأَذٰى، وَإِلَّا لَمَا دَعَاهُ وَلَا فَتَحَ فَاهُ، وَفِيْ ذٰلِكَ بَلَاءٌ مِنْ رَبِّكُمْ

آج کل لوگ کثرت سے اللہ کے علاوہ زندہ اور وفات شدہ اولیاء اللہ کو پکارتے ہیں، مثلاً کہتے ہیں اے فلاں شیخ! میری مدد کیجئے، تو اس طریقہ کے وسیلہ کا اس کی جائز صورتوں سے کوئی تعلق نہیں ہے، اور مؤمن کی شان کے لائق یہ ہے کہ وہ ایسی بکواس زبان سے نہ نکالے اور ممنوع حد کے قریب بھی نہ جائے، بہت سے لوگوں نے اس صورت کو شرک میں داخل مانا ہے، تو اگر یہ حقیقی شرک نہ ہو تو اس سے قریب تو ضرور ہے، اور جو شخص بھی اس طرح پکارتا ہے تو وہ یہی عقیدہ رکھتا ہے کہ جس غائب زندہ یا وفات شدہ کو پکارا جا رہا ہے وہ غیب کی باتیں جانتا ہے اور فریاد کو سنتا ہے، اور وہ خود اپنے ذریعہ سے یا کسی دوسرے کے ذریعہ سے نفع رسانی یا پریشانی کے دفعیہ پر قادر ہے، اگر اس کا یہ عقیدہ نہ ہوتا تو وہ ہرگز اس طرح نہ پکارتا اور نہ منہ کھولتا، اور اس میں تمہارے رب کی طرف سے سخت آزمائش ہے،

عَظِيْمٌ، فَالْحَزْمُ التَّجَنُّبُ عَنْ ذٰلِکَ وَعَدَمُ الطَّلَبِ إِلاَّ مِنَ اللّٰهِ تَعَالٰى الْقَوِيِّ الْغَنِيِّ الْفَعَّالِ لِمَا يُرِيْدُ. (روح المعاني ١٨٨/٦)

اس لئے احتیاط اسی میں ہے کہ ایسی باتوں سے پوری طرح احتراز کیا جائے، اور سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی سے فریاد نہ کی جائے، جو ہر طرح کی قوت کا مالک، غنی اور اپنے ہر ارادے کو پورا کرنے پر قادرِ مطلق ہے۔

خلاصہ یہ کہ مزارات پر جاری صورتیں عام طور پر شرکیہ ہیں، ان سے اجتناب لازم ہے؛ لیکن انہیں دیکھ کر وسیلہ کی جائز صورتوں کا انکار کرنا بھی مناسب نہیں، اور یہاں یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ وسیلہ دعا کی قبولیت کے لئے کوئی لازم اور ضروری نہیں ہے، بلکہ صرف مباح ہے؛ اس لئے اس کا ایسا التزام بھی نہیں ہونا چاہئے کہ عوام اسے ضروری خیال کرنے لگیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

پانچویں فصل:

جھاڑ پھونک اور تعویذ کا شرعی حکم

شرک سے متعلق چوں کہ گفتگو چل رہی ہے، اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ جھاڑ پھونک اور تعویذات وعملیات سے متعلق چند بنیادی باتیں قارئین کے سامنے پیش کردی جائیں؛ کیوں کہ آج کل یہ مسئلہ بھی افراط وتفریط کا شکار ہوکر رہ گیا ہے، ایک طرف وہ جاہل عوام ہیں جنہوں نے نفس تعویذ اور جھاڑ پھونک کو مؤثر سمجھ کر اپنا عقیدہ خراب کررکھا ہے، دوسری طرف وہ سخت گیر مصلحین ہیں جو سرے سے تعویذ ہی کو ناجائز قرار دیتے ہیں، اس لئے معتدل رائے سامنے آنی ضروری ہے؛ تاکہ حق کے متلاشی حضرات کے لئے عمل کرنا آسان ہو، اولاً یہ سمجھنا چاہئے کہ دوا ہو یا تعویذ، اس سے تقدیر نہیں بدل سکتی، یہ سب اسباب ہیں، ان کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا جو فیصلہ ہوگا اسی کا نفاذ ہوگا، ورنہ محض دوا یا تعویذ سے کچھ ہونے والا نہیں ہے۔ حضرت ابوخزامہ اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ ”یہ جو ہم دوا علاج اور جھاڑ پھونک کرتے ہیں اور اپنے بچاؤ کا سامان کرتے ہیں، کیا یہ باتیں تقدیری فیصلوں کو بدل سکتی ہیں“؟ تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”هِيَ مِنْ قَدَرِ اللّٰهِ“. (ترمذی شریف ۲۷/۲، ابن ماجہ ۲٤٥) یعنی ان اسباب کا استعمال بھی تقدیر کے مطابق ہے کہ آدمی یہ اسباب جبھی اختیار کرے گا جب اس کے لئے یہ بات اس کی تقدیر میں لکھی ہوگی، یہ ایسا ایمان افروز جملہ ہے جو ایمان میں پیدا کئے جانے والے ہزاروں شکوک وشبہات کا مسکت جواب ہے، جس کے بعد کسی چوں چرا کی گنجائش ہی نہیں رہتی۔ بہرحال اس موضوع پر چند اہم نکات ذیل میں پیش کئے جارہے ہیں:

شرکیہ کلمات سے جھاڑ پھونک حرام ہے

(۱) ایسے جنتر منتر پڑھ کر جھاڑ پھونک کرنا جن کے معنی معلوم نہ ہوں یا وہ شیاطین وغیرہ سے مدد لینے پر مشتمل ہوں، قطعاً حرام ہے، اسلام میں اس کی اجازت نہیں ہے۔ افسوس ہے کہ آج کل بعض جاہل مرد وعورت اپنی حاجات کے لئے پنڈتوں وغیرہ کے پاس جاتے ہیں اور ان سے جھاڑ پھونک کراتے ہیں یا ان سے تعویذات یا دم کئے ہوئے ڈورے اور گنڈے لے کر آتے ہیں، اور انہیں استعمال کرتے ہیں، تو شریعت میں یہ عمل ہرگز جائز نہیں اور ایسا کرنے والے لوگوں پر کفر کا شدید خطرہ ہے۔

صحابیِ رسول سیدنا حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی اہلیہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے میری گردن میں ایک ڈورا پڑا ہوا دیکھا تو پوچھا کہ: ''یہ کیا ہے؟'' میں نے کہا کہ: ''یہ دم کیا ہوا ڈورا ہے'' (جو ایک یہودی عورت نے دیا تھا)۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ یہ سن کر حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے وہ ڈورا لے کر کاٹ دیا اور ارشاد فرمایا کہ: ''میرے اہل خانہ اس طرح کے شرک سے قطعاً مستغنی ہیں''۔ اور میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے کہ: ''جھاڑ پھونک، ڈورے، اور تعویذ گنڈے سب شرک ہیں''۔ حضرت زینب فرماتی ہیں کہ میں نے حضرت ابن مسعودؓ سے عرض کیا کہ: ''آپ مجھے اس سے منع کیوں فرما رہے ہیں؟ حالاں کہ میری آنکھیں دکھنے آرہی تھیں، تو میں نے فلاں یہودی کے پاس جاکر جھاڑ پھونک کرائی تو میری آنکھیں ٹھیک ہوگئیں''؟ تو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ: ''یہ سب شیطان کی کاری گری ہے، اسی نے اولاً آنکھ میں کچوکا لگایا پھر جب (اس کے نام سے) جھاڑا گیا تو اس نے اپنی شرارت روک دی (اور تم سمجھیں کہ جھاڑنے سے شفا ہوگئی) تمہیں تو بس یہ پڑھنا کافی تھا جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پڑھا کرتے تھے'':

أَذْهِبِ الْبَأْسَ رَبَّ النَّاسِ وَاشْفِ — اے لوگوں کے پروردگار! آپ اس تکلیف کو دور

أَنْـتَ الشَّـافِيُ لَا شِـفَاءَ إِلَّا شِفَاءُ كَ شِـفَـاءً لَا يُغَادِرُ سُقْماً. (رواه أبوداؤد ۲/ ۵۴۲ رقـم: ۳۸۸۳، مشكوٰة المصابيح مع المرقاة ۳۷۲)

فرما دیجئے، اور اے شافیٔ مطلق! آپ شفا عطا فرمایئے، آپ کے علاوہ شفاء کسی کے پاس نہیں، آپ ایسی شفا دیجئے کہ کوئی بیماری نہ رہے۔

شارحین حدیث نے دیگر احادیث اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے عمل کو سامنے رکھ کر اس حدیث کی یہ شرح فرمائی ہے کہ اس میں جن باتوں کو حرام اور شرک کہا گیا ہے اس سے وہ عملیات مراد ہیں جن میں شرکیہ کلمات ہوں اور قرآنی عملیات کا حکم یہ نہیں ہے، ان کی شرائط کے ساتھ اجازت ہے۔ (دیکھئے: مرقاۃ المفاتیح لملاعلی قاریؒ ۸/ ۳۷۳)

مروجہ ڈورے یا کڑے پہننا جائز نہیں ہے

(۲) آج کل مزارات وغیرہ پر خاص قسم کے ڈورے اور کڑے دستیاب ہیں، جنہیں آفات وبلیات سے بچنے کے عقیدے یا اپنی منت اور مراد پوری ہونے کے اعتقاد سے پہنا جاتا ہے، اور بکثرت مسلم نوجوانوں کی کلائیوں میں اس طرح کے ڈورے اور دھاگے نظر آتے ہیں، تو شریعت کی نظر میں ایسی چیزیں پہننا ہرگز جائز نہیں ہے، ان میں ایک طرح کا شرک پایا جاتا ہے، اس لئے کہ پہننے والے عوام اکثر انہی ڈوروں وغیرہ کو مؤثر بالذات سمجھتے ہیں۔

صحابی رسول سیدنا حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ دس لوگ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہوئے، جن میں سے ۹؍ لوگوں کو تو آپ نے بیعت فرمالیا اور ایک شخص کو بیعت نہیں کیا، اس کے بازو پر ایک ڈورا بندھا ہوا تھا، تو دیگر لوگوں نے عرض کیا کہ اس کا کیا ماجرا ہے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس کے بازو میں ڈورا بندھا ہے (اس لئے اسے بیعت نہیں کیا) چناں چہ اس شخص نے ڈورا کاٹ ڈالا، تب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے بیعت سے مشرف فرمایا، پھر ارشاد ہوا:

مَنْ عَلَّقَ فَقَدْ أَشْرَكَ. (رواه أحمد ۴/ ۱۵۶، الترغيب والترهيب: ۷۱۳)

جس نے تعویذ لٹکایا اس نے شرک کیا۔

علامہ خطابیؒ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد وہ ڈورے ہیں جنہیں زمانۂ جاہلیت میں لوگ اس عقیدے سے باندھتے تھے کہ وہ انہیں آفات وبلیات سے محفوظ رکھیں گے، حالاں کہ یہ نظریہ محض جہالت اور گمراہی پر مبنی ہے، بچانے والی اور برائی کو ہٹانے والی ذات سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کوئی نہیں ہے۔ (حاشیہ الترغیب والترہیب ۲۱۳)

حضرت ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں:

وَالْمُرَادُ بِالشِّرْكِ اعْتِقَادُ أَنَّ ذٰلِكَ سَبَبٌ قَوِيٌّ وَلَهُ تَاثِيْرٌ فَإِنَّهُ شِرْكٌ خَفِيٌّ، وَأَمَّا إِنْ اعْتَقَدَ أَنَّهُ مُؤَثِّرٌ فَإِنَّهُ شِرْكٌ جَلِيٌّ. (مرقاة المفاتيح ۸/۳۷۱)

اور شرک سے مراد یہاں یہ عقیدہ رکھنا ہے کہ وہ تعویذ بجائے خود ایک قوی سبب ہے، اور اس میں کچھ تاثیر پائی جاتی ہے، تو یہ شرکِ خفی (پوشیدہ شرک) ہے، لیکن اگر عقیدہ یہ ہو کہ وہ تعویذ بذاتہٖ مؤثر ہے تو یہ شرکِ جلی (کھلا ہوا شرک) ہے۔

سنن ابن ماجہ میں سیدنا حضرت عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کی کلائی میں پیتل کا ایک کڑا دیکھا (جب کہ مرد کے لئے اس کی اجازت نہیں) چناں چہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ: ''یہ کڑا کیسا ہے؟'' اس شخص نے جواب دیا کہ: ''یہ واہنہ (ایک پٹھے کا درد) کے علاج کے لئے ہے''، تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ: ''اس کڑے کو اتار دو؛ کیوں کہ اس سے تمہارے درد میں اور اضافہ ہی ہوگا''۔ (سنن ابن ماجہ ۲۵۲)

اور بعض روایات میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ''اگر تم اس کڑے کو پہننے کی حالت میں مر گئے تو تم کبھی فلاح نہ پاؤ گے''۔ (مجمع الزوائد: ۸۴۰۲/ الشاملۃ)

ان دھاگوں میں ایک دوسری خرابی بھی پائی جاتی ہے کہ اکثر یہ دھاگے اور گنڈے ہمارے برادرانِ وطن کے تیوہار ''راکھی بندھن'' میں باندھے جانے والے ڈوروں کے مشابہ ہوتے ہیں اور یہ کڑے سکھوں کے استعمال کردہ کڑوں کے مشابہ ہوتے ہیں، تو تشبہ بالکفار کی بنا پر بھی ان کی سخت ممانعت ہے؛ لہٰذا معاشرہ کے فکر مند حضرات کو توجہ کے ساتھ ایسی گمراہی کی باتوں سے نئی نسل کو بچانے کی کوشش کرنی چاہئے۔

جھاڑ پھونک کن شرطوں کے ساتھ جائز ہے؟

(۳) تاہم جس طرح اللہ تعالیٰ نے دنیا میں ہر مرض کی دوا پیدا فرمائی ہے، اسی طرح اسباب کے درجہ میں بعض کلمات کو بھی مقرر فرمایا ہے، اور ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات سے زیادہ مؤثر اور کون سا کلام ہوسکتا ہے؟ اس لئے تمام امت کا اجماع ہے کہ تین شرطوں کے ساتھ متأثر شخص پر جھاڑ پھونک جائز ہے۔ شارح بخاری علامہ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ فرماتے ہیں:

قَدْ أَجْمَعَ الْعُلَمَاءُ عَلٰى جَوَازِ الرُّقٰى عِنْدَ اِجْتِمَاعِ ثَلاثَةِ شُرُوْطٍ: (١) أَنْ يَكُوْنَ بِكَلامِ اللّٰهِ تَعَالٰى أَوْ بِأَسْمَائِهٖ وَصِفَاتِهٖ (٢) وَبِاللِّسَانِ الْعَرَبِيِّ أَوْ بِمَا يُعْرَفُ مَعْنَاهُ مِنْ غَيْرِهٖ (٣) وَأَنْ يَعْتَقِدَ أَنَّ الرُّقْيَةَ لَا تُؤَثِّرُ بِذَاتِهَا بَلْ بِذَاتِ اللّٰهِ تَعَالٰى. (فتح الباري ١٠/٢٤٠)

تین شرطوں کے پائے جانے کے وقت جھاڑ پھونک کے جواز پر علماء کا اتفاق ہے: (۱) یہ کہ وہ اللہ تعالیٰ کے کلام یا اس کے نام وصفات پر مشتمل ہو (۲) اور عربی زبان یا کسی دوسری زبان کے ایسے کلمات پر مشتمل ہو جس کے معنی معلوم ہوں (۳) اور یہ اعتقاد رکھے کہ رقیہ خود مؤثر نہیں؛ بلکہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہی مؤثر حقیقی ہے۔

مذکورہ بالا بنیادی شرطوں کے ساتھ جھاڑ پھونک کی اجازت ہے، اگر ان میں سے ایک شرط بھی مفقود ہوجائے تو جھاڑ کی اجازت نہیں ہے۔ صحیح مسلم شریف میں حضرت عوف بن مالکؓ کی روایت ہے کہ ہم لوگ زمانۂ جاہلیت میں جھاڑ پھونک کرتے تھے، تو اس بارے میں ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مسئلہ پوچھا تو آپ نے ارشاد فرمایا:

أَعْرِضُوْا عَلٰى رُقَاكُمْ، لَا بَأْسَ بِالرُّقٰى مَا لَمْ يَكُنْ فِيْهِ شِرْكٌ. (فتح الباري ١٠/٢٤٠، مسلم ٢/٢٢٤ رقم: ٢٢٠٠)

اپنے جھاڑ پھونک کے کلمات میرے سامنے پیش کرو رقیہ میں کوئی حرج نہیں جب کہ اس میں شرک کی آمیزش نہ ہو۔

اسی طرح سیدنا حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم

نے جھاڑ پھونک کی ممانعت کا اعلان فرمایا، تو انصار کے قبیلہ بنوعمرو بن عوف کے لوگ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ ہم لوگ بچھو کے کاٹنے پر ایک جھاڑ نے کا عمل کرتے ہیں تو وہ عمل آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کیا گیا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

مَا أَرىٰ بَأْسًا، مَنِ اسْتَطَاعَ أَنْ يَّنْفَعَ أَخَاهُ فَلِيَنْفَعْهُ.
(فتح الباری ۲٤٠/١٠)

میں اس میں کوئی حرج نہیں سمجھتا، جو شخص اپنے بھائی کو کسی طرح بھی نفع پہنچا سکے تو اسے چاہئے کہ نفع پہنچائے۔

ان روایات سے معلوم ہوا کہ جھاڑ پھونک مطلق ناجائز نہیں؛ بلکہ شرائط کے ساتھ اس کی اجازت ہے، اور شرائط کا لحاظ رکھنا بہرحال ضروری ہے۔

حدیث سے جھاڑ پھونک کا ثبوت

(۴) متعدد صحیح احادیث سے رقیہ اور جھاڑ پھونک کا ثبوت ملتا ہے، چناں چہ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے کہ سیدنا حضرت جبرئیل علیہ الصلوٰۃ والسلام نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے آکر دریافت فرمایا کہ: ''کیا آپ بیمار ہیں؟'' تو پیغمبر علیہ السلام نے اثبات میں جواب دیا، یہ سن کر حضرت جبرئیل علیہ السلام نے یہ دعا پڑھی:

بِسْمِ اللّٰهِ أَرْقِيْكَ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ يُؤْذِيْكَ مِنْ شَرِّ كُلِّ نَفْسٍ أَوْ عَيْنِ حَاسِدٍ، اَللّٰهُ يَشْفِيْكَ بِسْمِ اللّٰهِ أَرْقِيْكَ. (مسلم شریف ۲۱۹/۲، حدیث: ۲۱۸۶)

اللہ کے نام سے میں آپ کو ہر تکلیف دہ چیز سے حفاظت کا طالب ہوں، ہر شخص کے شر سے اور ہر حسد کرنے والی نگاہ کے شر سے، اللہ تعالیٰ آپ کو شفاء سے نوازیں، اللہ کے نام سے میں آپ پر رقیہ کا عمل کرتا ہوں۔

حضرت عبدالعزیز بن صہیبؒ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں اور ثابت بنانی حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو حضرت ثابت نے حضرت انسؓ سے عرض کیا کہ میں بیمار

ہوں، پس حضرت انس رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا کہ: ''کیا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے رقیہ کے ذریعہ تمہارا علاج نہ کروں؟'' ثابت نے عرض کیا ''ہاں ضرور!'' پس حضرت انس رضی اللہ عنہ نے یہ کلمات پڑھے:

اَللّٰھُمَّ رَبَّ النَّاسِ مُذْھِبَ الْبَاسِ اشْفِ أَنْتَ الشَّافِيْ، لَا شِفَاءَ إِلَّا أَنْتَ شِفَاءً لَا یُغَادِرُ سُقْماً.

(بخاری شریف ۸۵۵/۲ رقم: ۵۷۴۳)

اے اللہ! لوگوں کے پروردگار! تکلیف کو دور کرنے والے! مجھے شفاء عطا فرمایئے، بے شک آپ ہی شفاء دینے والے ہیں، آپ کے علاوہ کوئی شفاء دینے والا نہیں، آپ مجھے ایسی شفاء سے نوازیئے کہ کسی بیماری کو نہ چھوڑے۔

سانپ بچھو وغیرہ کے ڈنک کا جھاڑ سے علاج

ام المؤمنین سیدتنا حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر ڈنک سے جھاڑنے کی اجازت دی ہے۔ (بخاری شریف ۸۵۴/۲ حدیث: ۵۷۴۱)

سیدنا حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں مشغول تھے کہ ایک بچھو نے آپ کو ڈنک مارا، تو پیغمبر علیہ السلام نے نماز سے فارغ ہو کر ارشاد فرمایا کہ: ''اللہ تعالیٰ بچھو کو اپنی رحمت سے دور فرمائے، یہ نہ تو نمازی کو چھوڑتا ہے نہ اوروں کو، پھر آپ نے نمک ملا ہوا پانی ایک برتن میں منگوایا اور جہاں بچھو نے ڈنک مارا تھا اس جگہ کو پانی میں رکھ کر سورۂ اخلاص اور معوذتین پڑھتے رہے''۔ (رواہ الطبرانی، مجمع الزوائد: ۸۴۴۵/ الشاملۃ)

سیدنا حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک انصاری صحابی حضرت عمرو بن حنسہ سانپ کے ڈسنے کا جھاڑ کرنا جانتے تھے، تو انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ حضرت! آپ نے جھاڑ پھونک سے منع کر دیا ہے، اور میں سانپ کاٹے کا جھاڑ جانتا ہوں، تو اب کیا کروں؟ نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ تم جو کلمات پڑھتے ہو وہ سناؤ، چناں چہ انہوں نے وہ کلمات سنا دئے، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ''اس میں کوئی حرج نہیں، یہ وہ کلمات ہیں جن سے حضرت سلیمان

علیہ السلام نے حشرات الارض (سانپ بچھو وغیرہ) سے عہد لیا تھا''۔ (مجمع الزوائد: ۸۴۴۸)

بعض روایات میں وہ کلمات اس طرح آئے ہیں: ''**بسم اللّٰه شجة قرينة ملحه بحر**''. (مجمع الزوائد: ٨٤٤٧)

ان روایات سے معلوم ہوا کہ آیاتِ قرآنیہ وغیرہ پڑھ کر ڈسنے کا علاج کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

دم کرنے کا ثبوت

مریض اور متأثر شخص کے سامنے جس طرح آیاتِ قرآنیہ اور دعائیں پڑھنا ثابت ہے، اسی طرح ان آیات کو پڑھ کر دم کرنا بھی صحیح احادیث سے ثابت ہے۔

ام المؤمنین سیدتنا حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے مرض الوفات میں معوذتین پڑھ کر اپنے اوپر دم کیا کرتے تھے، پھر جب آپ کا ضعف بڑھ گیا، تو میں یہ سورتیں پڑھ کر آپ کے دستِ مبارک پر پھونکتی تھی اور پھر آپ کا دستِ مبارک آپ کے بدن پر پھیرتی تھی؛ تاکہ برکت زیادہ ہو۔ (بخاری شریف ۲/۸۵۷ حدیث: ۵۰۱۶، مسلم شریف حدیث: ۲۱۹۲، ابوداؤد شریف ۲/۵۴۵ حدیث: ۳۹۰۲)

یزید بن ابی عبیدؒ فرماتے ہیں کہ میں نے صحابی رسول حضرت سلمہ ابن الاکوع رضی اللہ عنہ کی پنڈلی میں ایک چوٹ کا اثر دیکھا، تو میں نے پوچھا کہ: اے ابومسلم (حضرت سلمہ کی کنیت) یہ چوٹ کیسی ہے؟'' اس پر حضرت سلمہؓ نے تفصیل بیان کی کہ غزوۂ خیبر میں مجھے یہ چوٹ لگی تھی، لوگوں نے کہا کہ سلمہ کو چوٹ لگ گئی، چناں چہ مجھے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے جایا گیا، پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے چوٹ کی جگہ پر تین مرتبہ دم فرمایا، اس کے بعد سے (الحمد للہ) آج تک تکلیف نہیں ہوئی۔ (بخاری شریف ۲/۶۰۵، حدیث نمبر: ۴۲۰۶، ابوداؤد شریف ۲/۵۴۳)

اس سے معلوم ہوا کہ بابرکت شخص سے برکت والے کلمات پڑھوا کر دم کرانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

دم کیا ہوا پانی مریض کو پلانا یا چھڑکنا

جس طرح مریض پر دم کرنا ثابت ہے، اسی طرح دم کئے ہوئے پانی کو پلانا اور چھڑکنا بھی ثابت ہے۔ام المؤمنین سیدتنا حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا معمول تھا کہ معوذتین پڑھ کر برتن میں رکھے ہوئے پانی پر دم کرتی تھیں، اور پھر فرماتی تھیں کہ اسے مریض پر چھڑک دیا جائے۔ (الرقیۃ والشرعیۃ: للدکتور عجیل جاسم النشمی / الشاملۃ) یہ بھی ایک مؤثر طریقۂ علاج ہے۔

نظر لگنا برحق ہے

ایک انسان کا دوسرے انسان پر نظر ڈالنے کی وجہ سے منظور الیہ شخص کا متأثر ہوجانا برحق ہے، اور تجربہ سے صادق ہے، اور یہ اثر خود بخود نہیں ہوتا؛ بلکہ اللہ کی عادت اسی طرح جاری ہے کہ بعض اشخاص کی نظر جب کسی پر پڑتی ہے تو اس کا اثر ظاہر ہوجاتا ہے، تو دراصل یہ نظر کی تاثیر نہیں؛ بلکہ فیصلہ خداوندی کی تاثیر ہے، جس سے انکار کی گنجائش نہیں ہے۔ (حاشیہ بخاری شریف ۲/۸۵۴)

اسی لئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:

اَلْعَیْنُ حَقٌّ. (بخاری شریف ۸۵٤/۲ رقم: ۵۷٤۰، مسلم شریف ۲۲۰/۲ رقم: ۲۱۸۷، ابن ماجہ ۲۵۰ رقم: ۳۵۰۷) یعنی نظر لگنا برحق ہے۔

اور آپ نے بعض صورتوں میں نظر ڈالنے والے شخص کو ہدایت دی کہ اگر اسے کوئی چیز اچھی لگے تو فوراً ''ماشاء اللہ'' یا ''تبارک اللہ'' کہہ دیا کرے، تو اس کی وجہ سے بدنظری کا اثر نہ ہوگا۔

(مؤطا مالک ۳۷۳-۳۷۴، سنن ابن ماجہ ۲۵۰)

نظر اُتارنا

جب نظر لگنا برحق ہے تو اب اس کے اتارنے کی بھی تدبیریں کرنی چاہئیں، اور چوں کہ یہ ایک غیر محسوس چیز ہے، اس لئے اس کا اتار بھی محض حسی دواؤں سے نہیں ہوسکتا؛ بلکہ مؤثر کلمات سے ہی ہوگا، اسی لئے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے قرآنی کلمات وغیرہ کے ذریعہ نظر اتارنے کا حکم دیا:

ام المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے گھر میں ایک لڑکی کو دیکھا، جس کے چہرے پر نظر کا اثر تھا، یعنی پیلا پن تھا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ''اس کے لئے جھاڑ پھونک کرواؤ، اسے نظر لگ گئی ہے''۔ (بخاری شریف ۲/۸۵۴ حدیث نمبر:۵۷۳۹)

حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ: ''اے اللہ کے رسول! جعفر (رضی اللہ عنہ) کی اولاد کو نظر بہت لگتی ہے، تو میں کیا ان کے لئے رقیہ (جھاڑ پھونک) کرسکتی ہوں؟'' تو نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا:

نَعَمْ! وَلَوْ كَانَ شَيْئٌ سَابَقَ الْقَدْرَ سَبَقَتْهُ الْعَيْنُ. (مسلم شريف ٢/ ٢٢٠ رقم: ٢١٨٨، ابن ماجه شريف ٢٥١ رقم: ٣٥١٠، موطا مالك ٣٧٤)

ہاں! (جھاڑ پھونک کراؤ) کیوں کہ اگر کوئی چیز قضاء وقدر کو بدل سکتی تو نظر ضرور بدل دیتی (مگر قضاء وقدر کو کوئی بدل نہیں سکتا)

اور بعض روایات میں ہے کہ نظر اتارنے کے لئے جس شخص کی نظر لگی ہے اگر اس کے بدن کا دھوون حاصل کر کے منظور الیہ پر ڈالا جائے تو اس عمل کے کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ (مسلم شریف ۲/۲۲۰) گویا نظر اتارنے کی یہ بھی ایک تدبیر ہے۔

علاوہ ازیں حضرات علماء ومشائخ سے نظر اُتارنے کی الگ الگ تدبیریں منقول ہیں، مثلاً شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہٗ کا مجرب عمل ہے کہ جس شخص کو نظر لگ جائے اسے ۱۱/سرخ مرچیں ڈنٹھل سمیت لے کر ہر مرچ پر ایک مرتبہ سورۂ فاتحہ پڑھ کر پورے بدن پر اتار دیں، اور پھر سب مرچوں کو آگ میں جلادیں، اور تین دن تک ہر روز یہی عمل کریں تو انشاء اللہ نظر کا اثر جاتا رہے گا۔ نیز حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی کتاب ''اعمالِ قرآنی'' اور ''بہشتی زیور'' میں بھی نظر اتارنے کی متعدد تدبیریں درج ہیں۔

اس کے علاوہ جو بھی طریقہ تجربہ سے مفید ہو اور اس میں ناموزوں کلمات نہ ہوں، اس کے ذریعہ سے نظر اتارنے میں شرعاً کوئی حرج نہیں ہے۔

تعویذ باندھنے یا لٹکانے کا حکم

اوپر صحیح اور معتبر دلائل سے جھاڑ پھونک کا مشروع ہونا ثابت ہو چکا ہے، جس سے انکار کی گنجائش نہیں، اب یہاں ایک بحث یہ ہے کہ جن کلمات سے دم کیا جا رہا ہے اگر ان صحیح کلمات کو لکھ کر بدن میں لٹکا دیا جائے جس کو عرف میں ''تعویذ'' کہا جاتا ہے، تو شریعت میں اس کی کیا حیثیت ہے؟ تو اس بارے میں دورِ صحابہ سے ہی اختلاف رہا ہے۔

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی طرف یہ رائے منسوب ہے کہ وہ مطلقاً تعویذ لٹکانے کو منع فرماتے تھے، اور اس کی دلیل میں وہ واقعہ پیش کیا جاتا ہے جو ان کی اہلیہ محترمہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے حوالہ سے منقول ہے، جسے اس مضمون کے شروع میں تحریر کیا گیا ہے؛ لیکن اس واقعہ کے سیاق وسباق سے معلوم ہوتا ہے کہ جس ڈورے کو حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کاٹ کر پھینکا تھا وہ ایک یہودی کا دیا ہوا تھا، جس کے بارے میں یہ تحقیق نہ تھی کہ وہ کس طرح کے کلمات پر مشتمل ہے، اس لئے اس میں یہ بھی احتمال ہے کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے پیش نظر تعویذ کا عدم جواز ان صورتوں تک محدود ہو جو یقینی طور پر کلماتِ حق پر مشتمل نہ ہوں۔

اس کے برخلاف صحابئ رسول حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کا معمول صراحت کے ساتھ منقول ہے کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے تعلیم کردہ دعائیہ کلمات لکھ کر چھوٹے بچوں کے گلے میں ڈال دیا کرتے تھے۔ روایت حسبِ ذیل ہے:

إِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُعَلِّمُهُمْ مِنَ الْفَزَعِ كَلِمَاتٍ : أَعُوْذُ بِكَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّامَّةِ مِنْ غَضَبِهٖ وَشَرِّ عِبَادِهٖ وَمِنْ هَمَزَاتِ الشَّيْطَانِ وَأَنْ يَّحْضُرُوْنَ. وَكَانَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو يُعَلِّمُهُنَّ مَنْ	نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم گھبراہٹ اور پریشانی کے دفعیہ کے لئے لوگوں کو یہ کلمات سکھلاتے تھے (جن کا ترجمہ یہ ہے:) میں اللہ تعالیٰ کے کلمات تامہ کے ذریعہ اللہ کے غصہ سے اور اللہ کے بندوں کے شر سے اور شیطان کی وسوسہ انگیزیوں سے اور شیطان کے سامنے آنے سے

عَـقَـلَ مِنْ بَنِيهِ وَمَنْ لَّمْ يَعْقِلْ كَتَبَهُ فَأَعْلَقَهُ عَلَيْهِ.

(أبو داؤد ٥٤٣/٢ رقم: ٣٨٩٣)

پناہ چاہتا ہوں، اور حضرت عبداللہ بن عمروؓ اپنی اولاد میں سے جو سمجھدار بچے ہوتے تھے انہیں یہ کلمات سکھلا کر زبانی یاد کرادیتے تھے اور جو بچے بے شعور ہوتے تھے ان کے گلے میں یہ کلمات لکھ کر تعویذ کے طور پر ڈال دیتے تھے۔

نیز علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے فتاویٰ میں نقل فرمایا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ دردِزہ میں مبتلا عورت کے لئے ولادت میں آسانی کے واسطے ایک تعویذ لکھ کر اس کے بازو میں باندھنے کا حکم دیتے تھے۔ اور بعض روایات میں ہے کہ اس تعویذ کو گھول کر پلانے اور تعویذ کے پانی کو مذکورہ عورت کی رانوں وغیرہ میں چھڑکنے کا حکم دیتے تھے۔ (دیکھئے: مجموعہ فتاویٰ ابن تیمیہ ۶۴/۱۹-۶۵، مطبوعہ: الرئاسۃ العامۃ لشؤون الحرمین الشریفین)

ان روایات سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ان حضرات کے نزدیک صحیح کلمات پر مشتمل تعویذ لٹکانے میں کوئی حرج نہ تھا، جمہور علماء کی رائے بھی یہی ہے؛ البتہ سعودی عرب کے بعض سلفی علماء بہت شدت کے ساتھ ہر طرح کے تعویذ کا انکار کرتے ہیں؛ لیکن دلائل کی رو سے یہ شدت روا نہیں، خود علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کے مجموعۂ فتاویٰ میں صراحت کے ساتھ تعویذ کا جواز منقول ہے۔

البتہ یہ ضرور ہے کہ جس معاشرہ میں شرائط وحدود کا لحاظ کئے بغیر بدعقیدگی کے ساتھ تعویذوں کا رواج ہوجائے تو اس کی حوصلہ افزائی نہیں کرنی چاہئے، اور عوام وخواص کو آگاہ کرنا چاہئے کہ تعویذ اصل نہیں؛ بلکہ اللہ کی قدرت اور اس کا فیصلہ ہی اصل ہے۔ اللہ تعالیٰ کا اگر فیصلہ نہ ہو تو آدمی لاکھ تعویذ کرلے اس سے نہ کسی کی بگڑی بن سکتی ہے اور نہ بنی ہوئی زندگی بگڑ سکتی ہے۔

جھاڑ پھونک پر نذرانہ لینے کا جواز

صحیح احادیثِ شریفہ سے یہ بھی ثابت ہے کہ قرآنی کلمات وغیرہ کے ذریعہ علاج کرنے پر نذرانہ کا لین دین فی نفسہٖ درست ہے، اس بارے میں مشہور واقعہ صحابی رسول حضرت ابوسعید خدری

رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ صحابہ کی ایک جماعت سفر میں تھی، راستہ میں انہوں نے عرب کے ایک قبیلہ کی آبادی کے قریب پڑاؤ ڈالا، اوران سے ضیافت کی گذارش کی، مگر ان قبیلہ والوں نے ضیافت سے صاف انکار کردیا، اتفاق یہ ہوا کہ قبیلہ کے سردار کوکسی زہریلی چیز نے ڈس لیا، پس انہوں نے اس کے علاج کی بہت کوشش کی، مگرکوئی فائدہ نہ ہوا، تو بعض لوگوں نے یہ رائے دی کہ یہ جماعت جوتمہارے قریب ٹھہری ہوئی ہے، ہوسکتا ہے ان کے پاس اس کا کوئی علاج ہو، چناں چہ وہ لوگ ہمارے پاس آئے اور پوری تفصیل بتائی کہ سردار کوڈس لیا گیا ہے، اور کوئی علاج کارآمد نہیں ہورہا ہے، تو کیا تمہارے پاس اس کی کوئی تدبیر ہے؟ تو حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اللہ کی قسم میں اس کا علاج کروں گا، لیکن چوں کہ تم لوگوں نے ہماری درخواست پر ضیافت سے انکار کردیا تھا، اس لئے میں اس وقت تک نہیں جھاڑوں گا جب تک تم ہمارے لئے مناسب معاوضہ مقرر نہ کرو، چناں چہ بکریوں کی ایک تعداد پر معاوضہ کی بات طے ہوگئی، پھر حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے سورۂ فاتحہ پڑھ پڑھ کر دم کرنا شروع کردیا، تاآں کہ وہ شخص جو ڈسا گیا تھا ایسا چست ہوگیا جیسے اسے رسی سے کھول دیا گیا ہو، اوراس طرح چلنے پھرنے لگا جیسے اسے کوئی تکلیف ہی نہ ہو، چناں چہ قبیلہ والوں نے اپنے وعدہ کے مطابق عوض میں بکریاں دے دیں۔ اب یہ بحث ہوئی کہ انہیں آپس میں تقسیم کرلیا جائے؛ لیکن حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے مشورہ دیا کہ ابھی رکھو، ہم پیغمبر علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوکر تحقیق کریں گے، چناں چہ جب وہ لوگ واپس ہوئے اور پورا واقعہ سنایا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا کہ: ’’تمہیں یہ کیسے پتہ چلا کہ سورۂ فاتحہ بھی رقیہ ہے؟ اور جو بھی تم نے کیا ٹھیک کیا، یہ بکریاں تقسیم کرلو، اوراس میں میرا بھی حصہ رکھو‘‘۔ (بخاری شریف ۲/۸۵۵-۸۵۶)

اسی واقعہ کے بعض طرق میں پیغمبر علیہ السلام کا یہ جملہ بھی منقول ہے کہ:

إِنَّ اَحَقَّ مَا أَخَذْتُمْ عَلَيْهِ أَجْراً كِتَابُ اللّٰهِ.	یقیناً ان چیزوں میں جن کوتم دم کرکے معاوضہ لیتے ہو، سب سے زیادہ معاوضہ کی مستحق چیز اللہ

(بخاری شریف ۲/ ۸۵٤، رقم: ۵۷۳۷) کی کتاب ہے (یعنی شرکیہ کلمات وغیرہ کے مقابلہ میں قرآنی آیات پڑھ کر معاوضہ لینا زیادہ موزوں ہے)

اسی طرح حضرت خارجہ بن صلت تمیمی رحمہ اللہ اپنے چچا کے حوالہ سے نقل کرتے ہیں کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو جب وہاں سے واپس لوٹنے لگے تو راستہ میں ایک آبادی سے گذر ہوا، جہاں ایک پاگل شخص بیڑیوں میں جکڑا ہوا تھا، تو اس کے گھر والوں نے کہا کہ: ''آپ لوگ پیغمبر علیہ السلام کے پاس سے واپس آرہے ہو، تو کیا آپ کے پاس ایسا علاج ہے جس سے اس مریض کو شفاء ملے؟'' چناں چہ میں نے سورۂ فاتحہ پڑھ کر اسے جھاڑا جس سے وہ ٹھیک ہوگیا، پس انہوں نے مجھے سو بکریاں دیں، جنہیں لے کر میں پیغمبر علیہ السلام کے پاس حاضر ہوا، اور پورا قصہ سنایا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ: ''کیا تم نے سورۂ فاتحہ ہی پڑھی تھی، کچھ اور نہیں پڑھا تھا؟'' میں نے کہا کہ: ''نہیں''، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: ''یہ بکریاں تم لے لو، کیوں کہ بہت سے لوگ تو حرام طریقہ پر جھاڑ پھونک کر کے کھاتے ہیں؛ لیکن تم نے صحیح اور حق جھاڑ پھونک سے مال حاصل کیا ہے''۔ (ابوداؤد شریف ۲/ ۵۴۴ حدیث: ۳۸۹۶)

ان روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ علاج کے عوض میں روپیہ لینے کی فی نفسہٖ گنجائش ہے۔

اَکابر علماء کے لئے اُجرت مناسب نہیں

تاہم مقتداء حضرات (وہ علماء جن کی طرف دینی معاملات ومسائل میں رجوع کیا جاتا ہے، اور ان کے عمل کو نمونہ اور سند قرار دیا جاتا ہے) کے لئے بہتر یہی ہے کہ وہ تعویذ گنڈے کو ذریعہ آمدنی نہ بنائیں؛ کیوں کہ اس کی وجہ سے ان کی حیثیت عرفی مجروح ہوتی ہے، اور آج کل جس طرح اس کام کو ایک پیشہ کی حیثیت دے دی گئی ہے اور باقاعدہ اس کی دکانیں کھل گئیں ہیں اس کا ثبوت سلف صالحین کے زمانہ سے نہیں ملتا؛ لہٰذا احتیاط لازم ہے۔

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ اسی طرح کے ایک سوال کے جواب میں

فرماتے ہیں کہ: ’’قبل شفاء کے لینے میں تو بدنامی ہے جو مضرِ دین عوام ہے، اور شفاء کے بعد لینے میں یہ محذور تو نہیں؛ لیکن مقتداءلوگوں کے لئے کچھ نامناسب معلوم ہوتا ہے، پس جب تک حاجت شدیدہ نہ ہو تو تحرز اولیٰ ہے‘‘۔ (امدادالفتاویٰ ۴۰۳/۴)

جھاڑ پھونک اور تعویذ سے بالکلیہ احتراز افضل ہے

اوپر آمدہ تفصیل سے جھاڑ پھونک کا نفس جواز معلوم ہو چکا ہے؛ لیکن یہ بات اپنی جگہ طے شدہ ہے کہ افضل اور اعلیٰ بات یہی ہے کہ آدمی جھاڑ پھونک کا مشغلہ بالکل اختیار نہ کرے، چناں چہ اُمتِ محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں سے جن لوگوں کو بلاحساب وکتاب جنت میں داخلہ کی بشارت دی گئی ہے، ان لوگوں کی صفات میں ایک اہم صفت یہ بیان کی گئی ہے کہ وہ جھاڑ پھونک نہ کرتے ہیں نہ کراتے ہیں۔ تفصیلی روایت ملاحظہ فرمائیں:

حضرت حسین بن عبدالرحمٰن کہتے ہیں کہ میں حضرت سعید بن جبیر کی خدمت میں حاضر تھا، تو حضرت نے پوچھا کہ رات ستارہ ٹوٹنے کا منظر کس نے دیکھا ہے؟ تو میں نے عرض کیا کہ میں نے دیکھا ہے، اور میں نماز میں نہیں تھا؛ بلکہ مجھے بچھو نے ڈس لیا تھا، تو حضرت سعید بن جبیر نے پوچھا کہ پھر تم نے کیا کیا؟ تو میں نے کہا کہ میں نے جھاڑ پھونک کر لی، تو حضرت نے پوچھا کہ جھاڑ پھونک پر تمہیں کس بات نے آمادہ کیا؟ تو میں نے عرض کیا کہ مجھے امام شعبیؒ کے واسطے سے ایک حدیث پہنچی ہے، تو حضرت نے فرمایا کہ امام شعبیؒ نے تم سے کیا بیان کیا؟ تو میں نے عرض کیا کہ انہوں نے حضرت بریدہ اسلمی رضی اللہ عنہ کے حوالہ سے یہ روایت بیان کی کہ: ’’لَا رُقْيَةَ إِلَّا مِنْ عَيْنٍ أَوْ حُمَةٍ‘‘. (رقیہ تو صرف نظر یا ڈنک کے لئے ہی درست ہے) تو حضرت سعید نے فرمایا کہ تم نے جو سنا وہ ٹھیک ہے؛ لیکن مجھ سے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے خود بیان فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ: ’’میرے سامنے امتیں پیش کی گئیں، پس میں نے ایک نبی کو دیکھا کہ ان کے ساتھ ایک چھوٹی سی جماعت ہے اور کسی نبی کو دیکھا کہ ان کے ساتھ ایک دو شخص ہیں، اور کسی نبی کو اس حال میں دیکھا کہ ان کے ساتھ کوئی بھی نہیں ہے، پھر میرے سامنے ایک

بہت بڑی جماعت پیش کی گئی تو مجھے خیال ہوا کہ یہ میری امت ہے، تو بتایا گیا کہ یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم ہے؛ لیکن آپ اوپر کی طرف نظر اٹھایئے، پس میں نے دیکھا تو ایک زبردست مجمع ہے، پھر کہا گیا کہ دوسری طرف نظر اٹھایئے، تو اس طرف بھی بڑا مجمع تھا، تو مجھ سے کہا گیا کہ یہ آپ کی امت ہے، اور ان کے ساتھ ستر ہزار ایسے لوگ ہیں جو بغیر عذاب اور بلاحساب وکتاب کے جنت میں داخل ہوں گے، یہ فرمانے کے بعد آپ اٹھ کر دولت خانہ میں تشریف لے گئے، اور حاضرین صحابہ میں یہ بحث شروع ہوگئی کہ وہ خوش نصیب لوگ جو بلاحساب وکتاب جنت میں داخل ہوں گے، یہ کون لوگ ہوں گے؟ تو ان میں سے کسی نے کہا کہ یہ غالباً صحابہ کرام ہوں گے، اور بعض نے کہا کہ یہ وہ لوگ ہوں گے جو اسلام ہی میں پیدا ہوں گے اور انہوں نے اللہ کے ساتھ کبھی بھی شرک نہ کیا ہوگا، اور بعض دوسری آراء بھی سامنے آئیں، اتنے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم گھر سے باہر تشریف لے آئے، تو آپ نے پوچھا کہ تم لوگ کیا بحث کررہے تھے؟ تو ہم نے پوری بات بتائی، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

هُمُ الَّذِيْنَ لَا يَرْقُوْنَ وَلَا يَسْتَرْقُوْنَ وَلَا يَتَطَيَّرُوْنَ وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ. (وَفِيْ رِوَايَةٍ: لَا يَكْتَوُوْنَ)

وہ ایسے لوگ ہیں جو نہ تو جھاڑ پھونک کرتے ہیں اور نہ بدفالی کرتے ہیں اور اپنے پروردگار پر کامل توکل کرتے ہیں، اور بعض روایات میں ہے کہ وہ آگ سے داغنے کے ذریعہ علاج نہیں کرتے۔

یہ سن کر ایک صحابی حضرت عکاشہ بن محصن رضی اللہ عنہ نے کھڑے ہوکر عرض کیا کہ: ’’حضرت! میرے حق میں دعاء فرمادیجئے کہ اللہ تعالیٰ میرا شمار اس جماعت میں فرمادیں‘‘، تو آپ نے فرمایا کہ: ’’تم ان ہی میں سے ہو‘‘۔ پھر ایک اور صاحب نے کھڑے ہوکر یہی درخواست کی تو ان سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمادیا کہ عکاشہ تم پر بازی لے گئے۔ (مسلم شریف مع فتح الملہم ۱/۳۷۹-۳۸۰)

اس حدیث کی شرح فرماتے ہوئے بعض حضرات نے یہ فرمایا کہ اس سے مراد یہ ہے کہ یہ لوگ جھاڑ پھونک کو مؤثر نہیں سمجھتے، اور شرکیہ کلمات والے تعویذ نہیں کرتے؛ لیکن اس تشریح پر یہ

اشکال ہے کہ رقیہ کومؤثر ماننے یا کلماتِ شرک کے ذریعہ سے رقیہ کرنے سے تو شریعت میں مطلقاً ممانعت ہے، اور اس اعتبار سے تو ہر مؤمن اس بشارت کا مستحق ہونا چاہئے، حالاں کہ ایسا نہیں ہے، اس لئے اس کی صحیح تشریح وہ ہے جو مسند الہند حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ سے منقول ہے کہ جنت میں بلا حساب وکتاب داخل ہونے والے حضرات توکل اور اعتماد کے اعلیٰ ترین مقام پر فائز ہوں گے، جس کا مقتضی یہ ہے کہ ان تمام اسباب کو ترک کر دیا جائے، جن کی شریعت میں کسی بھی درجہ میں ممانعت آئی ہے، گوکہ بعض صورتوں میں ان اسباب کا جواز بھی ثابت ہو، پھر بھی کمالِ توکل یہ ہوگا کہ ان کے استعمال کرنے سے احتراز کیا جائے، چناں چہ اس وضاحت کی روشنی میں جب ہم دیکھتے ہیں تو پتہ چلتا ہے کہ حدیث میں آگ سے داغنے سے علاج کرانے اور رقیہ اور جھاڑ پھونک سے مدد لینے نیز بدفالی سے فی الجملہ منع کیا گیا ہے۔ تو یہ جنت میں اولین داخلہ کے مستحق خوش نصیب حضرات اپنے کمالِ توکل کی وجہ سے جائز سمجھنے کے باوجود ایسے ممنوع اسباب سے بھی بچنے کی کوشش کرنے والے ہیں، اور ایسے کامل متوکلین کی تعداد امت میں ہر زمانہ میں مختصر ہی رہی ہے۔ (مستفاد: فتح الملہم ۱/۳۷۸)

بہر حال پسندیدہ یہی ہے کہ آدمی بلا وجہ تعویذات کا مشغلہ اختیار نہ کرے، اور توکل کا اعلیٰ درجہ حاصل کرنے کی کوشش کرتا رہے۔

حکیم الامت حضرت تھانویؒ کا ایک جامع فتویٰ

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی نور اللہ مرقدہٗ سے ایک صاحب نے سوال کیا جس کا مفہوم یہ تھا کہ: ''میں اگرچہ کلام الٰہی کو برحق مانتا ہوں؛ لیکن میں زمانہ کے دستور کے موافق قرآنی آیات وغیرہ سے جھاڑ پھونک مطلق نہیں کرتا، تو کیا میرا عقیدہ غلط تو نہیں؟'' اس پر حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے بہت مختصر مگر جامع اور شافی جواب ارشاد فرمایا جو اس بحث میں فیصلہ کن موقف کی حیثیت رکھتا ہے۔ حضرتؒ نے فرمایا: ''(جھاڑ پھونک) جائز تو ہے مگر افضل یہی ہے کہ نہ کیا جائے، آپ کا عقیدہ ٹھیک ہے''۔ (امداد الفتاویٰ ۴/۸۸)

ایک وضاحت:- ترکِ رقیہ کی اَفضلیت کے علم کے باوجود بعض اکابر سے تعویذات وعملیات میں جو اشتغال منقول ہے، وہ ایک خاص مصلحت کے پیشِ نظر تھا کہ ہندوستان کے شرکیہ ماحول میں عوام غیر مسلم جادوگروں یا تانترکوں اور بدکردار جاہل بدعتیوں کے جال میں آکر اپنا ایمان غارت کررہے تھے، اس لئے ان کے ایمان کے تحفظ کے لئے ضروری ہوا کہ جائز حدود میں رہ کر اُنہیں متبادل جائز علاج فراہم کیا جائے، جو شرک اور اس کے جراثیم سے پاک ہو اور آیاتِ قرآنیہ اور صحیح کلمات پر مشتمل ہو، اسی جذبہ کو سامنے رکھ کر بزرگوں نے یہ طریقہ مجبوراً اپنایا تھا، جس کا خاطر خواہ فائدہ بھی سامنے آیا اور بہت سے عوام کفر وشرک کے نرغہ سے نکل کر راہِ راست پر آ گئے۔ **فَجَزَاهُمُ اللّٰهُ تَعَالیٰ أَحْسَنَ الْجَزَاءِ۔**

○❖○

چھٹی فصل:

بدعت: منکرِ عظیم

اسلام میں کفر وشرک کے بعد سب سے بڑا بدترین گناہ ''بدعت'' ہے، جو شریعت میں کسی طرح منظور نہیں ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:

مَنْ أَحْدَثَ فِيْ أَمْرِنَا هٰذَا مَا لَيْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ. (بخاري ۳۷۱/۱ رقم: ۲۶۹۷، مسلم ۷۷/۲ رقم: ۱۷۱۸، مشکوٰة شریف ۲۷/۱)

جو شخص ہمارے دین میں کوئی ایسا طریقہ ایجاد کرے جو دین میں نہ ہو تو وہ مردود ہے۔

بات اصل میں یہ ہے کہ دین مکمل ہو چکا ہے، اور اس کے سب احکامات صراحةً یا دلالةً سامنے آ چکے ہیں، اب اگر کسی ایسے کام کو دین کے عنوان سے شروع کیا جائے جس کا کسی بھی درجہ میں نصوصِ شرعیہ اور مصادرِ شریعت سے ثبوت نہ ہو تو یہ گویا اس بات کا درپردہ اقرار ہوگا کہ دین پہلے ناقص تھا، اب اس نئے کام کے ذریعہ کامل ہوا ہے، تو یہ دعویٰ قرآنِ کریم کے اعلان ﴿اَلْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ﴾ [المائدة: ۳] کے بموجب بجائے خود باطل ہوگا۔ بریں بنا شریعت میں کوئی ایسی بات قبول نہیں کی جا سکتی جس کا ثبوت دورِ نبوت، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور سلف صالحین سے نہ ہو، چناں چہ مذکورہ بالا حدیث کی تشریح کرتے ہوئے مشہور شارح حدیث حضرت ملا علی قاریؒ حضرت قاضی عیاضؒ سے نقل فرماتے ہیں:

مَنْ أَحْدَثَ فِيْ الْإِسْلَامِ رَأْيًا لَمْ

جو شخص اسلام میں کوئی ایسی رائے ظاہر کرے

يَكُنْ لَهُ مِنَ الْكِتَابِ وَالسُّنَّةِ سَنَدٌ ظَاهِرٌ أَوْ خَفِيٌّ مَلْفُوظٌ أَوْ مُسْتَنْبَطٌ فَهُوَ مَرْدُودٌ عَلَيْهِ، قِيلَ فِي وَصْفِ الْأَمْرِ بِهٰذَا إِشَارَةٌ إِلٰى أَنَّ أَمْرَ الإِسْلَامِ كَمُلَ وَانْتَهٰى وَشَاعَ وَظَهَرَ ظُهُوْرَ الْمَحْسُوْسِ بِحَيْثُ لَا يَخْفٰى عَلٰى كُلِّ ذِيْ بَصَرٍ وَبَصِيْرَةٍ، فَمَنْ حَاوَلَ الزِّيَادَةَ فَقَدْ حَاوَلَ أَمْراً غَيْرَ مَرْضِيٍّ لِأَنَّهُ مِنْ قُصُوْرِ فَهْمِهٖ رَأٰهُ نَاقِصاً. (مرقاة المفاتيح ۳۳٦/۱)

جس کی کتاب وسنت میں کوئی ظاہر یا پوشیدہ سند مقولہ یا مستنبط دلیل کی شکل میں موجود نہ ہو، تو وہ مردود اور نا قابل قبول ہے۔ بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ اس حدیث میں ’’فی امرنا‘‘ لاکر یہ بتایا گیا ہے کہ دین اسلام اب کامل ومکمل ہوکر اپنی انتہاء کو پہنچ چکا ہے، اوراس طرح محسوس طور پر ظاہر ہو چکا ہے کہ اس میں کسی بھی دیکھنے اور بصیرت رکھنے والے کی نظر میں کوئی پوشیدگی نہیں رہ گئی؛ لہٰذا جو شخص (بدعت کے ذریعہ) دین میں کسی زیادتی کی ناکام کوشش کرے گا، وہ ایک ناپسندیدہ کام کی کوشش کرنے والا ہوگا؛ کیوں کہ وہ گویا کہ اپنی کم فہمی کی بنا پر اسلام کو ناقص سمجھ رہا ہے، (حالاں کہ یہ اس کی فہم کا قصور ہے اسلام میں کوئی نقص نہیں ہے)

غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ تمام اہل بدعت کا یہی حال ہے کہ انہوں نے نت نئے طریقے گڑھ کر انہیں دین کا لازمی جزء بنا ڈالا، اور مذہب کو کھیل تماشا بنا کر رکھ دیا ہے۔

بدعت کی تعریف

بدعت کے لغوی معنیٰ ’’نئی ایجاد‘‘ کے آتے ہیں؛ لیکن شریعت کی اصطلاح میں ’’بدعت اس عمل کو کہا جاتا ہے جسے دین کا جزو اور موجب اجر وثواب سمجھ کر انجام دیا جائے، جب کہ اس عمل کا ثبوت کتاب وسنت اور سلف صالحین سے نہ ہو‘‘۔ علامہ شاطبیؒ فرماتے ہیں:

[اَلْبِدْعَةُ] إِنَّهَا طَرِيْقَةٌ فِيْ الدِّيْنِ مُخْتَرِعَةٌ تُضَاهِي الشَّرِيْعَةَ يُقْصَدُ

بدعت یہ دین میں من گھڑت طریقہ ہے جو شریعت کے برابر درجہ میں رکھ دیا جاتا ہے، اور جو

بِالسُّلُوْکِ عَلَیْھَا مَا یُقْصَدُ بِالطَّرِیْقَةِ الشَّرْعِیَّةِ. (الموسوعة الفقهية ٢٣/٨)

مقاصد شریعت پر عمل کرنے میں پیشِ نظر ہوتے ہیں، بعینہٖ وہی مقاصد اس (من گھڑت) طریقہ کو اپنانے میں بھی پیشِ نظر رکھے جاتے ہیں۔

اس تعریف سے معلوم ہوا کہ جو مباح اعمال دین اور ثواب سمجھ کر نہیں کئے جاتے؛ بلکہ انہیں دنیوی مقاصد ومصالح کے تحت انجام دیا جاتا ہے، گوکہ پہلے زمانہ میں ان کا وجود نہ تھا، مثلاً ہوائی جہاز پر سوار ہونا، یا ایسے ماکولات ومشروبات نوش کرنا، جو دورِ نبوت میں دستیاب نہ تھے وغیرہ، تو یہ چیزیں بدعت میں داخل نہیں ہیں؛ کیوں کہ انہیں کوئی ثواب کی نیت سے انجام نہیں دیتا۔ یہ وضاحت اس لئے ضروری ہوئی کہ بعض اہل بدعت کو جب بدعات پر ٹوکا جاتا ہے تو وہ یہی جواب دیتے ہیں کہ پھر تو آپ ہوائی جہاز کا سفر بھی نہ کریں، اور فلاں کھانا بھی نہ کھائیں، وغیرہ، تو یہ جواب محض تلبیس اور دھوکہ ہے، کیوں کہ ان باتوں کا بدعت سے کوئی تعلق نہیں، یہ امور مباح ہیں جن کی شریعت میں نہ تردید ہے اور نہ ترغیب ہے۔

اسی طرح بدعت کی تعریف سے وہ تمام امور بھی خارج ہیں جن کا ثبوت کسی نہ کسی درجہ میں دورِ نبوت سے ملتا ہے، یا جو کسی ثابت شدہ دینی امر کے حصول میں شرط اور ذریعہ کی حیثیت رکھتے ہیں، مثلاً تعلیم دین کے لئے مدرسے قائم کرنا، یا قرآنِ کریم سمجھنے کے لئے نحو وصرف کی تعلیم دینا، تو یہ چیزیں بدعت نہیں ہیں؛ کیوں کہ ان کی اصل دورِ نبوت اور سلفِ صالحین میں موجود ہے۔

ہر بدعت گمراہی ہے

اسلام کی نظر میں ہر بدعت گمراہی ہے، چناں چہ سرورِ عالم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم عام طور پر جمعہ کے خطبہ میں یہ کلمات ارشاد فرماتے تھے:

أَمَّا بَعْدُ فَإِنَّ خَیْرَ الْحَدِیْثِ کِتَابُ اللّٰہِ وَخَیْرُ الْھَدْیِ ھَدْیُ مُحَمَّدٍ ﷺ وَشَرَّ الْأُمُوْرِ مُحْدَثَاتُھَا وَکُلُّ

امابعد: کائنات میں سب سے بہتر بات اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے، اور سب سے بہترین اسوۂ مبارکہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کا طریقہ ہے، اور بدترین

بِدْعَةٍ ضَلاَ لَةٌ. (مسلم شریف ۲۸۵/۱ رقم: ۸٦٧) چیز (دین میں) من گھڑت باتیں ہیں، اور ہر بدعت گمراہی ہے۔

اس روایت سے معلوم ہوا کہ ہر وہ عمل جس پر شرعاً بدعت کی تعریف صادق آتی ہے خواہ دیکھنے میں کتنا ہی خوبصورت لگے، وہ یقیناً گمراہی ہے۔ اور بعض اکابر علماء سے جو بدعتِ حسنہ وغیر حسنہ کی تقسیم منقول ہے وہ مجاز کے اعتبار سے ہے، مثلاً امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا تراویح کی جماعت کو بدعتِ حسنہ فرمانا، تو یہ مجاز کے طور پر تھا؛ کیوں کہ تراویح کی اصل خود دورِ نبوت سے موجود ہے، وہ بدعت کیسے ہوسکتی ہے؟ اس کے برخلاف حقیقی بدعت وہی ہے جس کا کوئی ثبوت دورِ نبوت اور سلفِ صالحین سے نہ ہو اور ایسی بدعات یقیناً ضلالت اور گمراہی ہیں، جن سے اجتناب لازم ہے، جیسے پکی قبریں بنانا، قبروں پر چادر چڑھانا، چراغاں کرنا وغیرہ۔

بدعت کی تائید جرم ہے

اسلام میں بدعت تو ممنوع ہے ہی، ساتھ میں بدعت اور اہل بدعت کی تائید بھی سخت جرم ہے، چناں چہ نبیٔ اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کو متنبہ فرمایا کہ وہ مدینہ منورہ زادہا اللہ شرفاً میں کسی بدعقیدہ بدعتی شخص کو پناہ نہ دیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث میں اس سلسلہ میں نہایت سخت وعید ارشاد فرمائی کہ:

اَلْمَدِيْنَةُ حَرَمٌ مَا بَيْنَ عِيْرٍ إِلٰى ثَوْرٍ فَمَنْ أَحْدَثَ فِيْهَا حَدَثاً أَوْ آوىٰ مُحْدِثاً فَعَلَيْهِ لَعْنَةُ اللّٰهِ وَالْمَلٰئِكَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ، لَايُقْبَلُ مِنْهُ صَرْفٌ وَلَا عَدْلٌ. (بخاری ۱۰۸٤/۲ رقم: ۷۳۰۰، مسلم ۱٤٤/۱ رقم: ۱۳۷۰)

مدینہ منورہ ''عیر'' سے لے کر مقام ''ثور'' تک حرم ہے، پس جس شخص نے اس خطہ میں کوئی بدعت ایجاد کی یا کسی بدعقیدہ بدعتی کو پناہ دی تو اس پر اللہ تعالیٰ کی اور فرشتوں کی اور تمام انسانوں کی لعنت ہے، اس کی فرض یا نفل کوئی بھی عبادت قبول نہ ہوگی۔

اس روایت سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ بدعت کی پشت پناہی حضور اکرم علیہ السلام کی نظر میں کتنا سخت گناہ ہے۔

بدعات کی مثال جعلی نوٹوں کے مانند ہے

قرآن وسنت سے ثابت شدہ عقائد واعمال رائج الوقت کھرے سکوں اور اصلی نوٹوں کی طرح ہیں کہ وہ ہر جگہ چلیں گے اوران کی پوری قیمت وصول ہوگی، جب کہ من گھڑت بدعات وخرافات کھوٹے سکوں اور جعلی نوٹوں کے مانند ہیں کہ بازار میں ان کی کوئی قیمت نہیں ہوتی؛ بلکہ ان کا چلانا حکومت کی نظر میں جرم سمجھا جاتا ہے،اورانہیں یا تو جلا دیا جاتا ہے یا پھاڑ کر ردی کے ٹوکرے میں ڈال دیا جاتا ہے۔اسی طرح قیامت میں بدعتیوں کا حال ہوگا کہ وہ جن بدعتی اعمال کو اچھا سمجھ رہے ہوں گے،انہیں بارگاہِ خداوندی سے رَد (Riject) کردیا جائے گا،اورالٹا انہیں دین میں زیادتی کا مجرم بنا کران پر سزا جاری کی جائے گی،اوران کی زندگی کی ساری محنت ضائع ہوجائے گی۔اس وقت اہل بدعت کی ذلت ونکبت ناقابل بیان ہوگی،اور بدعت سازی کی ساری ترنگ ہرن ہوجائے گی۔

بدعتی شخص اعزاز کے قابل نہیں

اسلام میں بدعت میں مبتلا شخص عزت کے قابل نہیں ہے،ایک مرسل روایت میں وارد ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

مَـنْ وَقَّرَ صَاحِبَ بِدْعَةٍ فَقَدْ أَعَانَ عَلَى هَدْمِ الإِسْلَامِ. (شعب الإيمان للبيهقي ٧/ ٦١ رقم: ٩٤٦٤)

جس شخص نے کسی بدعتی کی (اس کی بدعت کی بنیاد پر) تعظیم وتکریم کی تو اس نے اسلام کی بنیاد مٹانے پر تعاون کیا۔

یعنی بدعتی شخص کی عزت افزائی دراصل صحیح دین کو نقصان پہنچانے کا ذریعہ ہے۔

بدعتی شخص توبہ کی توفیق سے محروم

بدعت کا ایک بڑا نقصان یہ ہے کہ اس میں مبتلا شخص اللہ تعالیٰ کی خاص توفیق اور توبہ کی سعادت سے عموماً محروم رہتا ہے۔ چناں چہ نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک مرتبہ بدعت کی

نحوست بیان کرتے ہوئے یہ ارشاد فرمایا:

إِنَّ اللّٰهَ حَجَبَ التَّوْبَةَ عَنْ صَاحِبِ كُلِّ بِدْعَةٍ حَتّٰى يَدَعَ بِدْعَتَهُ. (شعب الإيمان ٧/ ٦٠)	بے شک اللہ تبارک وتعالی نے ہر بدعتی شخص کو توبہ کی توفیق سے محروم کردیا ہے؛ تا آں کہ وہ اپنی بدعت سے باز نہ آجائے۔

مشہور محدث حضرت سفیان بن عیینہؒ فرماتے ہیں کہ عام گناہوں کے مقابلہ میں شیطان کو بدعت زیادہ پسند ہے۔(شعب الایمان ۷/ ۵۹ حدیث: ۹۴۵۶)

اور اس پسندیدگی کی وجہ یہ ہے کہ جب آدمی کوئی عام گناہ کرتا ہے تو اس کے ضمیر پر ایک ٹھیس لگتی ہے اور وہ کبھی نہ کبھی توبہ ضرور کرلیتا ہے؛ لیکن بدعتی شخص چوں کہ اپنے عملِ بدعت کو عین عبادت سمجھتا ہے اس لئے اسے توبہ کی توفیق نہیں ہوتی بلکہ وہ بدعت کی دلدل میں مزید دھنستا چلا جاتا ہے، وہ سمجھتا تو یہ ہے کہ میں بہت بڑا کارِ ثواب انجام دے رہا ہوں، جب کہ درحقیقت وہی عمل اس کے لئے وبال بنتا رہتا ہے، اسی لئے حضرت حسن بصریؒ نے فرمایا کہ ”سنت کے مطابق تھوڑا عمل بدعت والے زیادہ اعمال سے بہت بہتر ہے“۔(شعب الایمان ۷/ ۷۲ حدیث: ۹۵۲۳) اس لئے ہر صاحبِ ایمان کو بدعت اور بدعتی سے دور رہنا چاہئے۔

مشہور محدث حضرت یحییٰ بن ابی کثیرؒ فرماتے ہیں کہ ”جب تمہاری ملاقات راستہ میں کسی بدعتی سے ہو تو اس راستہ کو چھوڑ کر دوسرا راستہ اختیار کرلو“۔

حضرت عبداللہ بن مبارکؒ نے فرمایا کہ ”بدعتی شخص کی مجلس میں بیٹھنے سے بچتے رہو“۔

حضرت فضیل بن عیاضؒ فرماتے ہیں کہ ”جو شخص بدعتی شخص کے ساتھ بیٹھے اٹھے گا وہ حکمت سے محروم رہے گا“۔(شعب الایمان ۷/ ۶۴ حدیث: ۹۴۸۲)

ابو قلابہؒ فرماتے ہیں کہ ”اہل بدعت کے ساتھ نہ تو اٹھو بیٹھو اور نہ ان سے جھک بازی کرو، اس لئے کہ مجھے اس بات سے اطمینان نہیں ہے کہ کہیں وہ تمہیں اپنی گمراہی میں شامل نہ کرلیں، یا تمہارے اندر صحیح باتوں کے بارے میں شکوک وشبہات نہ ڈال دیں“۔(شعب الایمان ۷/ ۶۰ حدیث ۹۴۶۱)

بدعتیوں کو "حوضِ کوثر" سے دھتکار دیا جائے گا

نیز بدعت کی ایک بڑی نحوست یہ ہے کہ جو بدعتی توبہ کئے بغیر مر جائے وہ میدانِ محشر میں سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ مبارک سے اولین مرحلہ میں "آبِ کوثر" پینے سے محروم رہے گا، اور اسے نہایت ذلت کے ساتھ حوضِ کوثر سے دھتکار دیا جائے گا۔ احادیث میں ہے کہ قیامت میں ہر نبی کا الگ الگ حوض ہوگا اور ہمارے آقا و مولیٰ، امام الانبیاء والمرسلین، سید الاولین والآخرین، سرورِ کائنات حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا حوضِ کوثر سب سے بڑا ہوگا، جس میں ستاروں کی تعداد کے بقدر پیالے دستیاب ہوں گے، اور امتِ محمدیہ کی بھیڑ وہاں جمع ہوگی اور خود سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی نگرانی میں آبِ کوثر پلایا جارہا ہوگا، اور ستر ہزار فرشتے اس حوضِ کوثر کی نگرانی پر مامور ہوں گے کہ کہیں غیر مستحق کوئی شخص یہاں نہ آجائے، اسی درمیان نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دیکھیں گے کہ کچھ لوگوں کو فرشتے آگے آنے سے روک رہے ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرشتوں سے فرمائیں گے کہ یہ تو میرے لوگ معلوم ہوتے ہیں (انہیں کیوں روک رہے ہو؟) تو فرشتے جواب دیں گے کہ حضرت! آپ کو معلوم نہیں انہوں نے آپ کے دنیا سے پردہ فرمانے کے بعد کیا کیا خرافات ایجاد کی تھیں؟ یہ سن کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی انہیں "سُحقاً سُحقاً" (دفع ہو جاؤ، دفع ہو جاؤ) کہہ کر دھتکار دیں گے، العیاذ باللہ۔ مسلم شریف کی روایت میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

أَنَا فَرَطُكُمْ عَلَى الْحَوْضِ مَنْ وَرَدَ شَرِبَ وَمَنْ شَرِبَ لَمْ يَظْمَأْ أَبَداً وَيَرِدَنَّ عَلَيّ أقوامٌ أَعْرِفُهُمْ وَيَعْرِفُوْنِي، ثُمَّ يُحَالُ بَيْنِي وَبَيْنَهُمْ فَأَقُوْلُ إِنَّهُمْ مِنِّي، فَيُقَالُ إِنَّکَ لَا تَدْرِي مَا عَمِلُوا بَعْدَکَ، فَأَقُوْلُ

میں حوضِ کوثر پر تمہارا منتظر رہوں گا، جو وہاں حاضر ہوگا وہ اس کا پانی پیئے گا اور جو پانی پی لے گا وہ پھر کبھی پیاسا نہ ہوگا، اور میرے سامنے کچھ ایسے لوگ آئیں گے جنہیں میں جانتا ہوں گا اور وہ مجھے پہچانتے ہوں گے، پھر میرے اور ان کے درمیان رکاوٹ کر دی جائے گی تو میں کہونگا کہ وہ

تو میرے لوگ ہیں، تو جواب میں کہا جائے گا کہ آپ کو معلوم نہیں کہ انہوں نے آپ کے پیچھے کیا کیا کارستانیاں کی ہیں، تو میں کہوں گا: ’’اللہ کی رحمت سے دور ہو، دور ہو وہ شخص جس نے میرے بعد دین میں تبدیلی کا ارتکاب کیا‘‘۔

سُحقًا سُحقًا لِمَنْ بَدَّلَ بَعْدِيْ.

(مسلم شریف ۲۴۹/۲ رقم: ۲۲۸۹)

علامہ قرطبیؒ اس حدیث کی شرح میں تحریر فرماتے ہیں کہ: ’’ہمارے معتبر علماء کی رائے یہ ہے کہ جو شخص بھی نعوذ باللہ دین سے ارتداد اختیار کرے گا یا دین میں کوئی نئی بدعت ایجاد کرے گا جس کی شریعت میں کوئی گنجائش نہ ہو، تو وہ قیامت کے روز حوضِ کوثر سے دھتکار دئے جانے والوں میں شامل ہوگا، اور ان میں سب سے شدت کے ساتھ ہٹائے جانے والوں میں وہ لوگ ہوں گے جنہوں نے مسلمانوں کی جماعت میں تفرقہ پیدا کیا ہوگا، اور ان کے راستہ سے الگ راہ اختیار کی ہوگی‘‘۔ (التذکرہ فی احوال الموتی والآخرہ ۳۵۲)

مذکورہ بالا تفصیلات کی روشنی میں یہ بات یقینی طور پر کہی جاسکتی ہے کہ آج جو لوگ بھی بدعت کے امام بنے ہوئے ہیں، اور انہوں نے محبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور محبت اہل بیت رضی اللہ عنہم کا ڈھونگ رچا کر عوام کو بدعات میں مبتلا کر رکھا ہے یہ سب داعیانِ بدعت قیامت میں ضرور ذلت ورسوائی سے دوچار ہوں گے، اور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے قرب سے محروم ہوں گے، اور اس دن انہیں پتہ چل جائے گا کہ وہ کتنا بڑا ذلت کا بوجھ اپنی گردن پر لاد کر آئے ہیں۔ اَللّٰھُمَّ احْفَظْنَا مِنْهُ۔

بدعت کے بارے میں صحابہ رضی اللہ عنہم کی سخت احتیاط

انہی وجوہات کی بنیاد پر حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم بدعت کے معاملہ میں حد درجہ محتاط تھے، اور ان میں کا ہر شخص ہر معاملہ میں اس بات پر گہری نظر رکھتا تھا کہ کہیں امت میں کوئی بدعت جاری نہ ہوجائے۔ چناں چہ ایک مرتبہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ مسجدِ نبوی میں تشریف لائے تو دیکھا کہ وہاں ایک جماعت بیٹھی ہوئی ہے جن میں ایک شخص پکار کر کہتا ہے کہ سومرتبہ اللّٰہ أکبر پڑھو، تو سب لوگ زور زور سے تکبیر کہنے لگتے ہیں، پھر وہ شخص پکارتا ہے کہ لا إلٰہ إلا اللّٰہ پڑھو، تو سب لوگ لا إلٰہ إلا اللّٰہ پڑھنے لگتے ہیں، اسی طرح وہ درود پڑھنے کو کہتا ہے، تو سب لوگ درود

پڑھنے لگتے ہیں، یہ صورت دیکھ کر حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ کیا تم لوگ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اوران کے صحابہ رضی اللہ عنہم سے زیادہ ہدایت یافتہ ہو؟ دراصل تم ایک بڑی بدعت کے مرتکب ہورہے ہو، کیا تم حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کے علم پر فضیلت رکھتے ہو؟ (احکام الاحکام ۱/۲/۵ بحوالہ راہِ سنت ۱۲۴، از: حضرت مولانا سرفراز خان صفدر)

یعنی اس طرح مسجد میں مل کر تکبیر وتہلیل کے نام پر شور مچانے کا عمل دورِ نبوت اور دور صحابہ رضی اللہ عنہم سے ثابت نہیں ہے، اس پر نکیر کی وجہ یہی تھی کہ کہیں یہ مخصوص ہیئت ہی بعد میں خصوصیت کے ساتھ موجب ثواب نہ سمجھ لی جائے۔

اسی طرح حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے جب یہ دیکھا کہ اکثر ائمہ نماز کے بعد عموماً دائیں طرف رخ کرکے بیٹھنے کا بہت اہتمام کرنے لگے ہیں، تو آپ رضی اللہ عنہ نے محسوس کیا کہ کہیں یہ عمل بعد میں لازم نہ سمجھ لیا جائے اس لئے آپ رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا:

لَا يَجْعَلُ أَحَدُكُمْ لِلشَّيْطَانِ شَيْئاً مِنْ صَلَاتِهِ يَرىٰ أَنَّ حَقاً عَلَيْهِ أَنْ لَا يَنْصَرِفَ إِلَّا عَنْ يَمِيْنِهِ، لَقَدْ رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ كَثِيْراً يَنْصَرِفُ عَنْ يَسَارِهِ. (رواه البخاري ۱۱۸/۱ رقم: ۸۵۲، مسلم ۲٤۷/۱ رقم: ۷۰۷، مشكوٰة ۸۷/۱، مرقاة ۲٦/۳ رقم: ۹٤٦)

تم میں سے کوئی شخص اپنی نماز کا کچھ حصہ شیطان کے حوالہ نہ کرے یعنی یہ نہ سمجھے کہ اس پر دائیں طرف رخ کرکے بیٹھنا لازم ہے، اس لئے کہ میں نے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بہت مرتبہ بائیں طرف کو رخ کرتے ہوئے بھی دیکھا ہے۔

حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ ایک جلیل القدر صحابی ہیں ان کے صاحب زادے فرماتے ہیں کہ میں نے حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم میں اپنے والد سے زیادہ بدعت کا سخت مخالف کسی کو نہیں دیکھا، ایک مرتبہ میں نے نماز پڑھتے ہوئے سورہ فاتحہ میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم زور سے پڑھ دی جس کو موصوف نے سن لیا، اور ارشاد فرمایا کہ:

يَا بُنَيَّ إِيَّاكَ وَالْحَدَثَ فَإِنِّيْ صَلَّيْتُ خَلْفَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ

بیٹے! بدعت سے بچتے رہو، اس لئے کہ میں نے نبی اکرم ﷺ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ حضرت عمر رضی اللہ عنہما ور

وَأَبِي بَكْرٍ ﷛ وَعُمَرَ ﷛ وَعُثْمَانَ ﷛ فَلَمْ أَسْمَعْ أَحَداً مِّنْهُمْ يَقُوْلُ ذٰلِكَ، إِذَا قَرَأْتَ فَقُلْ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ. (موسوعة آثار الصحابہ ۳٤۷/۳)

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے پیچھے نماز پڑھی ہے تو میں نے ان میں سے کسی کو بھی بسم اللہ (جہراً) پڑھتے ہوئے نہیں سنا؛ لہٰذا جب تم (جہری) قراءت کرو تو الحمدللہ رب العالمین سے ابتدا کیا کرو۔

یہ باتیں دیکھنے میں معمولی ہیں؛ لیکن ان سے یہ اندازہ لگانا دشوار نہیں ہے کہ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم ہر اس کام سے بیزار تھے جو پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ثابت نہ ہو، اور جو شخص بھی علم صحیح کا حامل ہوگا وہ کبھی بھی بے سند اور من گھڑت عقائد و رسومات کو قبول نہیں کرے گا۔

بدعت کا سبب جہالت ہے یا شرارت

غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ امت میں بدعت کی اشاعت کے پیچھے دو اسباب کارفرما رہے ہیں:

(۱) اول یہ کہ دشمنانِ اسلام نے دین میں بگاڑ پیدا کرنے کی غرض سے نہایت شاطرانہ طور پر فکری اور عملی بدعتیں مسلم معاشرہ میں داخل کر دیں، اور ان کے اس قدر فضائل و مناقب بیان کیے کہ امت کا ایک بڑا طبقہ ان سے متأثر ہو کر گمراہی کے راستہ پر چل پڑا، اور اس نے صحیح دینی عبادات کو پسِ پشت ڈال کر من گھڑت رسومات ہی کو دین سمجھ لیا۔

(۲) بدعات پھیلنے کا دوسرا بڑا سبب جہالت ہے، جہالت اور بدعت لازم ملزوم ہیں، جہاں دینی اعتبار سے جہالت پائی جائے گی وہاں بدعت کا ہونا یقینی ہے، کیوں کہ جب صحیح بات کا علم ہی نہ ہوگا تو دینی لبادہ اوڑھ کر جو شخص بھی بدعات رائج کرنا چاہے گا اس پر کوئی نکیر کرنے والا نہ ہوگا، اور لوگ جہالت کی وجہ سے اس کی غلط باتوں کو دین سمجھ کر اختیار کر لیں گے۔ چناں چہ آج جہاں جہاں بھی جہالت عام ہے وہاں کثرت سے بدعات بھی رائج ہیں اور لوگ اس قدر متشدد ہیں کہ صحیح بات سننے سمجھنے تک کو تیار نہیں ہیں۔ اور بدعتیوں کے پیشواؤں نے سنتِ صحیحہ کے متبعین کے

خلاف اپنے عوام کی ایسی ذہن سازی کر رکھی ہے کہ وہ حق کے قریب بھی نہ جانے پائیں، اور پوری زندگی بس گمراہی اور نفرت کے ماحول میں گذار دیں۔ اللّٰھم احفظنا منه۔

موجودہ زمانہ کا حال

اُمت میں بدعات کا کی ابتداء اخیر دور صحابہ رضی اللہ عنہم سے ہی ہوگئی تھی، شیعیت، خارجیت اور اس کے بعد فتنۂ باطنیت اور فتنۂ اعتزال یہ سب فکری بدعت کی بدترین صورتیں تھیں، جو آج بھی ترقی پا کر کسی نہ کسی نام سے موجود ہیں، ان کے علاوہ عملی بدعات کا رواج بھی کچھ کم نہیں، اولیاء اللہ رحمہم اللہ تعالیٰ کی محبت کی آڑ میں سارے عالم میں مزارات پر بدعت کی شرک آمیز دوکانیں خوب پھل پھول رہی ہیں۔

آج درگاہوں اور مزارات پر چادر چڑھائی اور طواف وسجدہ ریزی کا جو طوفان بدتمیزی مچا ہوا ہے وہ سب دین کی اصل شبیہ کو مسخ کرنے کا سبب ہے، اور بعض بدعتی علماء اپنے فتوؤں میں بظاہر ان چیزوں کی تردید کرتے ہیں، مگر عملی طور پر ان میں اکثر لوگ نہ صرف ان بدعات میں شریک رہتے ہیں؛ بلکہ دھڑلے سے ان کی سرپرستی بھی کرتے ہیں اور بعض حضرات لچر تاویلات کے ذریعہ ان بدعملیوں کو سند جواز عطا کرتے ہیں، جو حد درجہ قابلِ مذمت عمل ہے۔

بدعات کا خاتمہ کیسے ہو؟

مگر یہاں ایک اہم سوال یہ ہے کہ چوں کہ ہر بدعت دین کے نام پر ہی کی جاتی ہے اور بدعت کا شوقین ہر شخص اسے دین ثابت کرنے پر ایڑی چوٹی کا زور لگا دیتا ہے تو پھر آخر ان بدعات پر روک کیسے لگے؟ تو اس بارے میں ہمارے پاس ہمارے آقا ومولا سرور دو عالم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی واضح رہنمائی موجود ہے۔ صحابیٔ رسول حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا پر اثر وعظ فرمایا کہ سننے والوں کی آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے اور دل کانپ اٹھے، تو ہم نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! یہ تو آخری نصیحت معلوم ہوتی ہے تو آپ ہمیں کیا تاکیدی حکم دینا چاہتے ہیں؟ تو آپ نے جواب میں ارشاد فرمایا:

قَدْ تَرَكْتُمْ عَلَى الْبَيْضَاءِ، لَيْلُهَا كَنَهَارِهَا، لَايَزِيْغُ عَنْهَا بَعْدِیْ إِلَّا هَالِكٌ، مَنْ يَعِشْ مِنْكُمْ فَسَيَرىٰ اِخْتِلَافاً كَثِيْراً فَعَلَيْكُمْ بِمَا عَرَفْتُمْ مِنْ سُنَّتِیْ وَسُنَّةُ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِيْنَ الْمَهْدِيِّيْنَ عَضُّوْا عَلَيْهَا بِالنَّوَاجِذِ، وَإِيَّاكُمْ وَمُحْدَثَاتِ الْأُمُوْرِ، فَإِنَّ كُلَّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٍ وَكُلَّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٍ. (مجمع الزوائد ۲/۲ ۲۰، سنن ابن ماجة ۴۳، لموسوعة الفقهية ۲۴/۸)

میں تم کو روشن شریعت پر چھوڑ کر جا رہا ہوں، جس کی رات بھی دن کی طرح (روشن) ہے، اس سے میرے بعد وہی شخص اعراض کرے گا جو تباہ ہونے والا ہے، تم میں جو شخص بعد میں زندہ رہے گا تو وہ بہت اختلاف دیکھے گا، اس لئے تم پر میری معروف سنتوں اور میرے ہدایت یافتہ خلفائے راشدین کی سنتوں کی پیروی لازم ہے، ان سنتوں پر دانت گاڑ کر رہنا، اور تم من گھڑت باتوں سے بچتے رہنا؛ کیوں کہ ہر من گھڑت بات بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔

ہادیٔ عالم، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فیصلہ کن ارشاد عالی کے بعد اب معاملہ صاف ہے وہ تمام من گھڑت اعمال و رسومات جن پر آج اہل بدعت قائم ہیں ان میں سے ایک ایک بات کو پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بتائی ہوئی کسوٹی پر پرکھنا چاہئے، پھر فیصلہ کرنا چاہئے کہ کیا صحیح ہے اور کیا غلط؟ اور کیا سنت ہے اور کیا بدعت؟ محرم کی تعزیہ داری، اکھاڑے بازی، اور کھچڑے کی نذر و نیاز ہو یا شب برأت کا حلوہ، عرس کے نام پر تماشے ہوں یا شہادت کے نام پر ماتم، موت کی رسمیں ہوں یا خوشی کے ٹوٹکے، ان کا دورِ نبوت اور دورِ صحابہ رضی اللہ عنہم میں کہیں اَتہ پتہ نہیں ملتا، یہ سب ہواء وہوس کے پرستاروں کی ایجادات ہیں، مقدس مذہب اسلام اس طرح کی خرافات سے پوری طرح بری ہے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے کامل مکمل دین میں ان تماشوں کی کوئی گنجائش نہیں ہے، اور جو شخص ان بے اصل باتوں ہی کو اصل دین قرار دے وہ یقیناً دین کی بنیادوں کو مٹانے والا، اور شریعت بیضاء کی شان پر بدنما داغ لگانے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ امت کو ہر طرح کی بدعات سے محفوظ رکھیں اور اہل بدعت کی تلبیسات سے بچائے رکھیں، آمین۔

ساتویں فصل:

بدعت کے درجات

''بدعت'' والے افکار واعمال کے درجات مختلف ہیں، بعض ایسی بدعات ہیں جو کفر تک پہنچانے والی ہیں، اور کچھ ایسی بدعات ہیں جو موجبِ کفر تو نہیں؛ البتہ ضلالت وگمراہی اور موجبِ فسق ضرور ہیں۔ اب بحث یہ ہے کہ کس بدعت کو موجبِ کفر کہیں اور کس بدعت کو فسق قرار دیں؟ اس کے لئے کسوٹی اور معیار کیا ہے؟ تو اس بارے میں یہ اصول پیشِ نظر رکھا جائے گا کہ جو عقیدہ اور نظریہ کسی متواتر صریح اسلامی عقیدہ سے متصادم ہو اس کے اوپر کفر کا اطلاق ہوگا، مثلاً کوئی شخص اللہ تعالیٰ کے لئے انسانوں جیسا جسم ثابت کرے یا خلیفۂ اول امیر المؤمنین سیدنا حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی صحابیت کا انکار کرے، یا سرورِ عالم حضرت خاتم النبیین محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبوت جاری رہنے کا عقیدہ رکھے (نعوذ باللہ) تو اس طرح کے عقائد رکھنے والوں کو یقیناً کافر کہا جائے گا۔ صاحبِ درمختار علامہ علاء الدین حصکفیؒ لکھتے ہیں:

وإن أنكر بعض ما علم من الدين ضرورة كفر بها كقوله: إن الله تعالٰى جسم من الأجسام وانكاره صحبة الصديق.

(درمختار مع الشامی بیروت ۲/۲۵۷)

اور اگر دین میں بداہۃً ثابت شدہ کسی بات کا منکر ہو تو اس کی تکفیر کی جائے گی، مثلاً کسی شخص کا یہ کہنا کہ اللہ تعالیٰ عام جسموں کی طرح ایک جسم ہے یا سیدنا حضرت ابوبکر صدیقؓ کی صحابیت کا انکار کرنا (موجبِ کفر ہے، جب کہ ان کی صحابیت قرآنی آیت: اِذْ يَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ سے ثابت ہے)

اور جو عقیدہ سنت کے خلاف تو ہو، مگر کسی تاویل باطل اور شبہ فاسدہ پر مبنی ہو تو اس پر فسق وضلال کا اطلاق ہوگا، تاہم اس کے ماننے والے کو احتیاطاً کافر نہیں کہا جائے گا، جیسا کہ خوارج ومعتزلہ صفاتِ خداوندی کے بارے میں اہل سنت والجماعت سے الگ رائے رکھتے ہیں، اور عذابِ قبر اور شفاعت کی بعض اقسام کے منکر ہیں اور گناہِ کبیرہ کے مرتکب کو کافر قرار دیتے ہیں، تو گوکہ ان کی یہ آراء قطعاً باطل ہیں؛ لیکن چوں کہ انہوں نے اپنی دانست میں ان کی بنیاد عقلی ونقلی تاویلات پر رکھی ہے، اس لئے انہیں کافر نہیں کہیں گے؛ بلکہ بدعتی اور گمراہ قرار دیں گے۔ محقق ابن الہمامؒ فرماتے ہیں:

وَجَهْلُ الْمُبْتَدِعَةِ كَالْمُعْتَزِلَةِ مَانِعِيْ ثُبُوْتِ الصِّفَاتِ زَائِدَةً وَعَذَابِ الْقَبْرِ وَالشَّفَاعَةِ وَخُرُوْجِ مُرْتَكِبِ الْكَبِيْرَةِ وَالرُّؤْيَةِ لَا يَصْلُحُ عُذْراً لِوُضُوْحِ الْأَدِلَّةِ مِنَ الْكِتَابِ وَالسُّنَّةِ الصَّحِيْحَةِ لٰكِنْ لَا يُكَفَّرُ إِذْ تَمَسُّكُهُ بِالْقُرْآنِ أَوِ الْحَدِيْثِ أَوِ الْعَقْلِ. (شامي ۲/۲۵۷ بيروت)

اور بدعتیوں جیسے معتزلہ - جو زائد صفاتِ خداوندی کے منکر ہیں، اور عذابِ قبر اور شفاعت اور رویت کے منکر ہیں، اور مرتکب کبیرہ کو خارج از اسلام مانتے ہیں - ان کا جہل عذر نہیں؛ کیوں کہ (ان کی رائے کے خلاف) ان امور پر کتاب وسنت میں واضح دلائل موجود ہیں؛ لیکن انہیں کافر نہیں قرار دیا جائے گا، اس لئے کہ وہ بھی قرآن وحدیث اور عقل سے استدلال کرتے ہیں (گوکہ ان کا استدلال فاسد ہے)

یہ واقعتہً اہل سنت والجماعت کی حق پسندی کی نشانی ہے کہ وہ تاویل کرنے والے اہل بدعت کو علی الاطلاق کافر نہیں کہتے؛ بلکہ ان کی بدعت پر نشان دہی کر کے انہیں راہِ راست پر آنے کی دعوت دیتے ہیں۔ حضرت علامہ ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں:

فَمِنْ عُيُوْبِ أَهْلِ الْبِدْعَةِ أَنَّهُ يُكَفِّرُ بَعْضُهُمْ بَعْضاً وَمِنْ مَمَادِحِ أَهْلِ

پس بدعتیوں کے عیوب میں سے ایک عیب یہ ہے کہ وہ ایک دوسرے کی تکفیر کرتے ہیں اور اہل

السُّنَّةِ وَالْجَمَاعَةِ أَنَّهُمْ يُخْطِئُوْنَ وَلَا يُكَفِّرُوْنَ. (شرح فقه أكبر ۲۷۱)

سنت والجماعت کی قابل تعریف باتوں میں سے ایک بات یہ ہے کہ وہ اہل بدعت کو غلط قرار دیتے ہیں، مگر ان کی علی الاطلاق تکفیر نہیں کرتے۔

لیکن اس کے برخلاف آج کچھ نادانوں نے امت کی تکفیر ہی کو اپنا ''مقدس مشن'' بنا رکھا ہے، جب کہ ملا علی قاریؒ نے اس تکفیری مہم کو اہل بدعت کا خاص عیب قرار دیا ہے، اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو ہدایت سے نوازیں، آمین۔

فکری بدعات پر ایک نظر

اسلام میں فکری اور نظریاتی اعتبار سے بدعات کا آغاز شروع کی صدیوں میں ہی ہو چکا تھا، سب سے پہلے ''فکری بدعت'' شیعیت اور روافض کی شکل میں ظاہر ہوئی، یہ اختلاف شروع میں صرف ایک سیاسی اختلاف تھا کہ اولین خلافت کا مستحق کون ہے؟ لیکن ملعون عبداللہ بن سبا یہودی اور اس کے ایجنٹوں نے حضرات اہل بیت رضی اللہ عنہم سے عام اہل اسلام کی فطری محبت کا ناجائز فائدہ اٹھاتے ہوئے اس سیاسی اختلاف کو باقاعدہ مذہبی رنگ دے دیا، اور قرآن وسنت سے ہٹ کر اپنے الگ اصول بنا لئے، اور انہی من گھڑت اصولوں پر الگ مذہب کی عمارت کھڑی کر لی اور خلفائے راشدین اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے بغض اور ان پر تبرا بازی کو اپنا شعار بنا لیا، بلاشبہ فکری اور عملی بدعات کی ایجاد واشاعت میں فرقۂ شیعیت کا مکروہ کردار سب سے زیادہ نمایاں ہے؛ بلکہ یہ پورا مذہب ہی بدعات وخرافات کا مجموعہ ہے۔ بعد میں شیعیت کی شاخیں در شاخیں نکلتی رہیں اور بدعات کے درخت برگ وبار لاتے رہے اور یہ سلسلہ آج تک روز افزوں ہے، بس اللہ تعالیٰ ہی امت کو اس شر سے محفوظ رکھیں، آمین۔

اس کے بعد خوارج کا فتنہ اٹھا، جس سے امیر المؤمنین سیدنا حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے جہاد فرمایا، یہ فرقہ اپنے ہم فکروں کے علاوہ سارے مسلمانوں کی تکفیر کا قائل تھا، جو شخص بھی ان کے موقف کا مؤید نہ ہو یا کسی گناہِ کبیرہ کا مرتکب ہو وہ ان خوارج کے نزدیک اسلام سے خارج تھا، اور

اس سے جنگ وقتال کو وہ ضروری خیال کرتے تھے، اور آیاتِ متشابہات اور صفاتِ خداوندی کے بارے میں جھک بازی انکا خاص شعار تھا، اسی فرقہ کے قریب قریب معتزلہ تھے، انہیں بھی اپنے عقائد پر بڑا ناز تھا، اور وہ تمام نصوص کو اپنی عقل نارسا کی کسوٹی پر پرکھنے کے بڑے شوقین تھے، جس نے انہیں بدعقیدگی اور فکری بدعات کے دلدل میں پھنسا ڈالا تھا۔ آج کے دور میں بھی ایسے افراد اور فرقے پائے جاتے ہیں جو تکفیر امت اور خود رائی میں خوارج و معتزلہ کے نقش قدم پر چلنے والے ہیں، چناں چہ جو بھی ان کا ہم نوا نہ ہو اسے بلا تکلف کافر و مشرک کہنے میں وہ دریغ نہیں کرتے، جیسا کہ آج کل پرجوش متشدد سلفی حضرات نے پورے عالم میں مقلدین کے خلاف تکفیر و اضلال کی مہم چھیڑ رکھی ہے، یہ بعینہٖ وہی ذہن ہے جو خوارج و معتزلہ کا تھا۔

برصغیر میں اہلِ بدعت کی چند بدعقیدگیاں

برصغیر ہند و پاک میں اہلِ بدعت نے جو فکری بدعات رائج کی ہیں وہ حد درجہ خطرناک ہیں، انہوں نے قرآن وسنت کی صحیح نصوص کو جان بوجھ کر نظر انداز کرتے ہوئے سرورِ عالم جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے لئے ایسی صفات ثابت کی ہیں جن سے صفاتِ خداوندی میں شرک کی بو آتی ہے، مثلاً:

(۱) نبی اکرم ﷺ کو عالم الغیب ماننا:

واضح ہو کہ اگر کوئی شخص حضور اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بعینہٖ اسی طرح عالم الغیب مانے، جیسے اللہ تعالیٰ عالم الغیب ہے تو یہ عقیدہ یقیناً کفر ہوگا، خود قرآنِ کریم میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو جا بجا یہ حکم دیا گیا ہے کہ وہ اپنے سے علم غیب ذاتی کی نفی کر دیں، ایک جگہ ارشادِ خداوندی ہے:

قُلْ لَآ أَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِيْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ وَلَآ أَعْلَمُ الْغَيْبَ. (الانعام، جزء آیت: ۵۰)	آپ فرما دیجئے کہ میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں اور نہ میں غیب کی باتیں (ذاتی طور پر) جانتا ہوں۔

حضرت ملا علی قاریؒ شرح فقہ اکبر میں تحریر فرماتے ہیں:

ثُمَّ اعْلَمْ أَنَّ الْأَنْبِيَاءَ عَلَيْهِمُ الصَّلوٰةُ وَالسَّلَامُ لَمْ يَعْلَمُوا الْمُغَيَّبَاتِ مِنَ الْأَشْيَاءِ إِلَّا مَا عَلَّمَهُمُ اللّٰهُ تَعَالٰى أَحْيَاناً، وَذَكَرَ الْحَنَفِيَّةُ تَصْرِيحاً بِالتَّكْفِيرِ بِاعْتِقَادِ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَعْلَمُ الْغَيْبَ لِمُعَارَضَةِ قَوْلِهِ تَعَالٰى: ﴿قُلْ لَا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضِ الْغَيْبَ إِلَّا اللّٰهُ﴾ [النمل: ٦٥] (شرح فقه اكبر ٢٥٣)

پھر جان لو کہ حضراتِ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام غیب کی باتوں کا صرف اتنا ہی علم رکھتے ہیں جتنا اللہ تعالیٰ ان کو کبھی کبھار مرحمت فرماتے ہیں، اور علماء احناف نے حضور اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے عالم الغیب ہونے کا عقیدہ رکھنے پر کفر کی صراحت فرمائی ہے؛ اس لئے کہ یہ عقیدہ قرآنی آیت: ﴿قُلْ لَا يَعْلَمُ مَنْ......﴾ (آپ فرمادیجئے کہ زمین وآسمان میں اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی بھی غیب کی باتیں نہیں جانتا) کے معارض ہے۔

اور اگر علم غیب عطائی کا قائل ہو کر حضور اکرم علیہ السلام کو عالم الغیب کہے (جیسا کہ اکثر اہل بدعت کا دعویٰ ہے) تو یہ عقیدہ گو کہ کفر نہ ہو؛ لیکن فسق وبدعت ضرور ہے؛ اس لئے کہ سلفِ صالحین سے ''عالم الغیب'' کا لقب اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور کے لئے ہرگز ثابت نہیں ہے؛ لہٰذا نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ''عالم الغیب'' کا لقب دینا بدعت وضلالت ہوگا۔ یہاں یہ واضح رہنا چاہئے کہ اہل سنت والجماعت کا یہ عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سرورِ عالم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو بلاشبہ غیب کی بے شمار ضروری باتوں کا علم عطا کیا تھا، یہ علم یقیناً آپ کی شایانِ شان تھا، اور اس عطا میں پیغمبر علیہ السلام کو پوری مخلوق میں خصوصی امتیاز حاصل ہے، کیوں کہ آپ تمام انبیاء کے سردار تھے؛ اس لئے انبیاء کو دئے گئے علوم کا سب سے بڑا حصہ آپ ہی کو عطا ہوا؛ لیکن یہ علم غیب نہ تو کلی تھا اور نہ ہی ذاتی تھا، یعنی نہ تو یہ بات تھی کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے علم کا ہر جزء آپ کو عطا کردیا ہو اور نہ یہ تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بغیر عطا کے کوئی علم مل گیا ہو؛ بلکہ یہ علم غیب جزئی اور عطائی تھا، یہی

اہل سنت والجماعت کا موقف ہے، اور یہی دلائل سے مؤید اور برحق ہے، اور اس کے خلاف صرف ضلالت ہی ضلالت ہے۔

(۲) حضور اکرم ﷺ اور دیگر انبیاء علیہم السلام کو حاضر و ناظر ماننا:

یہ عقیدہ بھی قطعاً بے دلیل اور من گھڑت ہے، اور اسے شرک آمیز بدعت کے علاوہ کوئی اور نام نہیں دیا جاسکتا، اس کے باطل ہونے پر کتاب وسنت کی متعدد نصوص دال ہیں، اور اس عقیدہ کے ثبوت کے لئے جو دلائل پیش کئے جاتے ہیں وہ محض فریب اور دھوکہ ہیں۔

(۳) حضور اکرم علیہ السلام کو بشریت کی صفت کے بجائے محض نور کہنا:

حالاں کہ قرآنی آیات اور صحیح احادیث میں صراحۃً نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بشریت کی صفات سے متصف قرار دیا گیا ہے، پھر بھی لچر تاویلات کے ذریعہ بشریت کے ایسے معنی بیان کرنا کہ بشر بشر نہ رہے؛ بلکہ ذاتی اعتبار سے نور بن جائے، یہ محض عناد وتعصب ہے۔ (واضح ہو کہ سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا روحانی اعتبار سے ''نورِ ہدایت'' بلکہ ''سراجِ منیر'' ہونا خود قرآن سے ثابت ہے؛ لیکن اس کی ایسی تشریح کرنا جس سے آپ کی بشریت کی نفی ہوجائے، یہ یقیناً فکری بدعات ہی کی ایک کڑی ہے)

(۴) اَنبیاء اور اَولیاء اللہ کو قبر میں رہ کر کائنات میں متصرف ماننا:

یہ عقیدہ بھی سراسر بدعت اور شرک آمیز ہے، یہ صحیح ہے کہ اللہ کے مقرب بندوں کو خاص قسم کی حیاتِ برزخی حسبِ مراتب حاصل ہوتی ہے، اور خاص طور پر سرورِ عالم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی قبر اطہر میں اعلیٰ درجہ کی حیات حاصل ہے کہ آپ روضۂ اقدس علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام پر حاضر ہوکر سلام پیش کرنے والوں کا سلام بنفس نفیس سن کر اس کا جواب مرحمت فرماتے ہیں، وغیرہ؛ لیکن اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہے کہ آپ دنیا میں خارجی طور پر نفع وضرر کے مالک ہوں یا کسی کی کسی بھی انداز میں اللہ تعالیٰ کی مرضی کے بغیر مدد کرسکیں، یہ عقیدہ سراسر بے دلیل اور محض جہالت ہے۔

اوراس کے علاوہ نہ جانے کیا کیا خرافات اورتوہمات ان لوگوں نے مسلم عوام میں رائج کرر کھے ہیں، بالخصوص امام اہل سنت حضرت شاہ عبدالقادر جیلانی نوراللہ مرقدہٗ جن کی پوری زندگی توحید وسنت کی اشاعت اورشرک وبدعت کی تردید میں گذری، جس پر ان کے خطبات ومواعظ صریح دلیل ہیں، مگر ان کی مقدس ذات کے ساتھ اہل بدعت نے یہ بدترین ظلم کیا کہ ان کی تعلیمات کوقطعاً نظرانداز کر کے انہیں ''غوثِ پاک'' اور''غوثِ اعظم'' کالقب دے ڈالا اوران کی جانب بے سروپاافسانے گڑھ کرمنسوب کردئے، جن کا عقل ونقل سے کوئی ثبوت نہیں، اورحیرت ہے کہ انہی خرافات وواہیات کو اسلام کا نشان بنادیا گیا، العیاذ باللہ۔ اللہ تعالیٰ تمام امت کو ایسی خرافات سے محفوظ رکھیں، اورصحیح دین پراستقامت نصیب فرمائیں، آمین۔

آٹھویں فصل:

عملی بدعات پر ایک نظر

فکری بدعات کے علاوہ امت میں عملی بدعات کا شیوع بھی کچھ کم نہیں رہا، اس طرح کی بدعات بھی دو درجوں پر منقسم ہیں:

(ا) اولاً وہ بدعات جو صراحۃً کسی نص سے ٹکراتی ہیں اور انہیں اہل بدعت نے محض نفسانی خواہشات اور خودغرضی کی بنا پر دنیا میں رائج کر رکھا ہے، انہیں تقرب سمجھ کر انجام دیا جاتا ہے، اور اس کے لئے ایسی ایسی رکیک تاویلات کی جاتی ہیں جن کا سچائی سے کوئی جوڑ نہیں، ایسی بدعات کی چند مثالیں ذیل میں پیش کی جارہی ہیں:

قبروں پر سجدہ کرنا

اسلام میں اللہ کے علاوہ کسی زندہ یا مرحوم کے لئے سجدہ کرنا قطعاً حلال نہیں ہے، قرآنِ پاک اور اَحادیثِ شریفہ میں غیر اللہ کے لئے سجدہ کرنے کی سخت ممانعت وارد ہے؛ لیکن آج مزارات پر نہایت بے شرمی کے ساتھ سجدوں کا سلسلہ جاری ہے، اس ایمان سوز منظر کا اولیاء اللہ کے مزارات پر بکثرت مشاہدہ کیا جاسکتا ہے، یہ سجدہ اگر عبادت کی نیت سے ہو تو اس کے شرک ہونے میں کوئی شبہ نہیں، اور اگر تعظیم کی نیت سے ہو تو گناہِ کبیرہ ہونے میں کوئی شک نہیں ہے۔ اس بات کو اہلِ بدعت علماء نے بھی تسلیم کیا ہے، اور اپنی کتابوں میں تحریر کیا ہے۔ فاضل بریلوی مولانا احمد رضا خاں صاحب بڑے واشگاف الفاظ میں تحریر فرماتے ہیں:

’’مسلمان، اے مسلمان! اے شریعتِ مصطفوی کے تابع فرمان! جان اور یقین جان کہ

سجدہ حضرت عزت عز جلالہ کے سوا کسی کے لئے نہیں، اس کے غیر کو سجدۂ عبادت تو یقیناً اجماعاً شرک مہین وکفر مبین اور سجدۂ تحیت حرام وگناہِ کبیرہ بالیقین‘‘۔

آگے لکھتے ہیں:

’’تو قرآنِ عظیم نے ثابت فرمایا کہ سجدۂ تحیت ایسا سخت حرام ہے کہ مشابہ کفر ہے، والعیاذ باللہ تعالیٰ‘‘۔ (الزبدۃ الزکیہ ۵ ،بحوالہ: امام احمد رضا اور ردِ بدعات ومنکرات، از: یاسین اختر مصباحی ۲۴۳-۲۴۴)

لیکن حیرت ہے کہ ان تفصیلات کے باوجود اس طبقہ کے علماء نے قبوریوں کی سرپرستی میں کبھی کمی نہیں کی؛ بلکہ ان کی خاموش تائید کے ساتھ ہی یہ بدعات کی دوکانیں پھل پھول رہی ہیں۔

قبروں کو پختہ بنانا

قبروں کو پختہ بنانا ایسی بدعت ہے جو صحیح حدیث کے خلاف ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صاف طور پر قبروں کو پختہ بنانے سے منع فرمایا ہے۔ سیدنا حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے، وہ فرماتے ہیں:

نَهٰـى رَسُـوْلُ الـلّٰـهِ ﷺ : أَنْ يُـجَـصَّـصَ الْـقَبْـرَ وَأَنْ يُبْنٰى عَلَيْهِ وَأَنْ يُقْعُدَ عَلَيْهِ. (رواه مسلم ۳۱۲/۱ رقم: ۹۷۰، نسائي ۲۸۵/۱، أبوداؤد رقم: ۳۲۲۵ مشکوٰة شريف ۱٤۸/۱)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قبر کو پختہ بنانے اور اس پر عمارت بنانے اور اس پر بیٹھنے سے منع فرمایا ہے۔

اور حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کتاب الآثار میں حنفیہ کا مذہب نقل کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

وَنَكْرَهُ أَنْ يُجَصَّصَ أَوْ يُطَيَّنَ الخ. لِاَنَّ الـنَّبِـيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰـى عَـنْ تَـرْبِيْـعِ الْـقُبُـوْرِ

اور ہم قبر کو پختہ بنانے اور اس پر لپائی کرنے کو مکروہ سمجھتے ہیں (الخ) اس لئے کہ حضرت نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے قبروں کو چوکور بنانے اور

وَتَجْصِيْصِهَا، قَالَ مُحَمَّدٌ: بِهٖ نَأْخُذُ وَهُوَ قَوْلُ أَبِیْ حَنِيْفَةَ. (کتاب الآثار ۹۶-۹۷، راہِ سنت ۱۸۱)

اُنہیں پختہ کرنے سے منع فرمایا ہے۔ امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ ہم اسی کو لیتے ہیں، اور یہی امام ابوحنیفہؒ کا قول ہے۔

اور تقریباً یہی بات حنفیہ کی فقہی کتابوں: کبیری، شامی، عالمگیری اور فتح القدیر وغیرہ میں موجود ہے؛ لیکن افسوس ہے کہ آج حنفیت کے دعوے دار اہلِ بدعت کچھ کمزور فقہی اقوال وآراء کا سہارا لے کر بڑے دھڑلّے سے پختہ مزارات بناتے ہیں؛ بلکہ ان کے پیر صاحبان تو زندگی ہی میں اپنی قبر اور قبہ وغیرہ سب بناجاتے ہیں؛ تاکہ وارثین کو زحمت ہی نہ اٹھانی پڑے۔ محبتِ رسول کے دعوے کے ساتھ حدیث وسنت کی ایسی برملا مخالفت؛ بلکہ بغاوت حیرت ناک ہے۔

قبروں پر چادریں چڑھانا

مروجہ بدعات میں ایک بڑی بدعت قبروں پر چادریں چڑھانے کی بھی ہے، حالاں کہ اس کے متعلق اَحادیث میں ممانعت وارد ہے۔ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

إِنَّ اللّٰهَ لَمْ يَأْمُرْنَا أَنْ نَكْسُوَا الْحِجَارَةَ وَالطِّيْنَ. (مسلم ۲/۲۰۰ رقم: ۲۱۰۷)

اللہ تعالیٰ نے ہمیں مٹی اور پتھر کو کپڑے پہنانے کا حکم نہیں دیا۔

علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے فتاویٰ الحجہ اور بعض دیگر فقہاء کے حوالہ سے صراحۃً اولیاء اللہ کی قبروں پر چادر، عمامے اور کپڑے وغیرہ ڈالنے کی کراہت نقل فرمائی ہے، اس کے بعد شیخ عبدالغنی النابلسیؒ کے حوالے سے اس کے جواز کی بات نقل کی ہے، اور اپنا رجحان بھی اسی جانب ظاہر فرمایا ہے۔ (دیکھئے: شامی کراچی ۶/۳۶۳)

لیکن تحقیق یہ ہے کہ جواز کی بات بلا دلیل ہے، اور صحیح بات حدیث کے موافق وہی ہے جسے ''فتاویٰ الحجہ'' سے نقل کیا گیا ہے۔ چناں چہ مسند الہند حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ (جن کی

شخصیت اہل بدعت کے نزدیک بھی مسلم ہے)اپنے فتاویٰ میں تحریر فرماتے ہیں:

واما ارتکاب محرمات از روشن کردن چراغہا وملبوس ساختن قبور بدعت شنیعہ اند۔(فتاویٰ عزیزی ۱۴۲،بحوالہ:"فرقۂ بریلویت"	اور حرام کاموں کا ارتکاب مثلاً قبروں پر چراغ روشن کرنا اور ان پر چادریں چڑھانا بدترین بدعت ہیں۔

مولانا محمد الیاس گھمن)

اس طرح کے عدم جواز کے فتاویٰ کے باوجود اولیاء اللہ کی تعظیم کے نام پر یہ بدعت آج پورے عالم میں پھیلی ہوئی ہے، اوراس کے ساتھ اس میں شرکیہ عقیدے بھی شامل ہوتے جارہے ہیں، مثلاً اپنی ضرورتیں پوری کرنے کے لئے قبروں پر چادر چڑھانے کی منتیں مانگی جاتی ہیں، اور لطف یہ ہے کہ چڑھانے سے پہلے ہی ان چادروں کو متبرک سمجھا جاتا ہے، اور کہیں کہیں یہ تماشہ دیکھنے میں آتا ہے کہ جلوس کی شکل میں لمبی چوڑی چادریں ڈھول تاشے اور ڈی جے کے بے ہنگم شور کے ساتھ لے جائی جاتی ہیں۔

احقر نے بذاتِ خود اس طرح کی ایک چادر کو لے جاتے ہوئے دیکھا، جو پندرہ بیس میٹر لمبی تھی، اور دسیوں مرد وعورت اسے اٹھا کر لے جارہے تھے، اور آگے ایک ٹمپو پر میوزک والی قوالی ڈی جے کے ذریعہ تیز آواز کے ساتھ بجائی جارہی تھی، اور چادر کے ساتھ چلنے والے لوگ اس چادر کو ہاتھ لگا کر چوم رہے تھے اور چادر پر پیسے ڈال رہے تھے۔ ظاہر ہے کہ اس طرح کی خرافات اور من گھڑت تماشوں کا دین اسلام سے کوئی جوڑ نہیں ہے، ایسی واہیات حرکتوں میں پڑنے والے لوگ اس مقدس اور پاکیزہ دین کو بدنام کرنے والے اوراس کی جڑوں کو کھودنے والے ہیں، اور جو علماء اہل بدعت ان حرکتوں کو غلط سمجھنے کے باوجود خاموش رہتے ہیں تو وہ عنداللہ سخت مجرم ہیں۔ ان حرکتوں کے خلاف منظّم تحریک چلانے کی ضرورت ہے۔

قبروں پر چراغاں کرنا

اسی طرح قبر پر چراغاں کرنا اور قبروں کے قریب آگ جلانا بھی احادیث میں منع آیا ہے؛

لیکن اہل بدعت میں یہ امور بلانکیر رائج ہیں۔ نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے قبروں پر چراغ جلانے والوں پر لعنت کی ہے۔ سیدنا حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایت ہے، وہ ارشاد فرماتے ہیں:

لَعَنَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ زَائِرَاتِ الْقُبُوْرِ وَالْمُتَّخِذِیْنَعَلَیْهَا الْمَسَاجِدَ وَالسُّرُجَ. (سنن أبوداؤد ٤٦١/٢ رقم: ٣٢٣٦، سنن نسائي ٢٨٧/١ رقم: ٢٠٣٩، مشکوٰۃ ٧١/١، راہِ سنت ١٩٢)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قبروں کی زیارت کرنے والی عورتوں پر اور قبروں کو سجدہ گاہ بنانے والوں پر اور ان پر چراغ جلانے والوں پر لعنت فرمائی ہے۔

شارح حدیث علامہ سندھیؒ اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ قبر پر چراغ جلانا مال کا بلا فائدہ ضائع کرنا ہے، نیز اس میں قبر کی ایسی تعظیم ہے جو انہیں سجدہ گاہ بنانے کے مشابہ ہے۔ (حاشیہ سندھی علی النسائی ۵۹۱ بیروت)

نیز چراغ میں آگ ہوتی ہے اور آگ سے قبروں کو بچانے کا حکم ہے، صحیح روایت میں ہے کہ حضرت عمرو بن العاص اور حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما نے اپنے جنازے کے ساتھ آگ لے جانے سے ممانعت فرمائی تھی۔ (دیکھئے: مسلم شریف ۷۶/۱، موطا مالک ۷۸، بحوالہ: راہِ سنت ۱۹۴)

اور فتاویٰ عالمگیری میں صاف لکھا ہے:

وَإِیْقَادُ النَّارِ عَلَی الْقُبُوْرِ فَمِنْ رُسُوْمِ الْجَاهِلِیَّةِ. (علمگیري ١٧٨/١)

قبروں پر آگ جلانا جاہلیت کی رسموں میں سے ہے۔

ان تمام ممانعتوں کے باوجود آج مزارات پر چراغ جلانا بہت بڑا کارِ ثواب سمجھا جاتا ہے، خصوصاً جمعرات کو پیروں کی پکی قبروں کے طاقچے شام ہوتے ہی چراغوں کے روشنی سے جگمگا اٹھتے ہیں، اور جاہل بدعتی مرد و عورت اس چراغ جلانے کو بہت بڑا ثواب اور تقرب کا کام سمجھتے ہیں، اور ان کے علماء کبھی سنجیدگی کے ساتھ انہیں منع کرنے کی زحمت نہیں کرتے۔ ذرا غور فرمائیں کہ جس بات پر پیغمبر علیہ السلام نے بذاتِ خود لعنت فرمائی ہے اس سے کیسی چشم پوشی برتی جارہی ہے؟

قبروں پر اگر بتی جلانا

اگر بتی جلانے میں بھی آگ جلانے والی ممانعت ضمناً ثابت ہوتی ہے، اس کے علاوہ اس میں اسراف اور فضول خرچی بھی پائی جاتی ہے؛ کیوں کہ یہ خوشبومیت تک تو پہنچنے سے رہی، اور اوپر سے قبر پر خوشبو جلانا کسی دلیل سے ثابت نہیں ؛ لہٰذا یہ عمل فضول ہوا۔ اب یہاں بعض اہلِ بدعت نے کھینچ تان کر قبر پر حاضر لوگوں تک خوشبو پہنچانے کے لئے اگر بتی جلانے کی گنجائش زبردستی نکالی ہے، وہ محض تحکم ہے، نصوص میں اس کی کوئی نظیر یا دلیل موجود نہیں ، اور خاص کر جب کہ اسے ذریعہ تقرب سمجھ لیا جائے، تو اس کے بدعت وضلالت ہونے میں کوئی شبہ ہی نہیں رہتا۔

عورتوں کا اَولیاءاللہ کے مزارات پر جانا

مروجہ بدترین بدعات میں سے ایک بدعت عورتوں کے مزارات پر جانے کی ہے۔ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قبر کی زیارت کو جانے والی عورتوں پر لعنت فرمائی ہے۔ (ابوداؤد شریف ۱۰۵/۲ حدیث: ۳۲۳۶)

اور ممانعت کی علت یہی ہے کہ عورتیں مزارات پر جاکر حدود پر قائم نہیں رہ پائیں گی، جیسا کہ مشاہدہ ہے؛ لہٰذا اس علت اور مشاہدہ کے ہوتے ہوئے ان بعض فقہی عبارتوں کی کوئی حیثیت نہیں رہ جاتی، جن سے کچھ قیود کے ساتھ اجازت مفہوم ہوتی ہے۔ چناں چہ مشہور محقق حنفی عالم شیخ ابراہیم الحلبیؒ اپنی مشہور ومستند کتاب ’’غنیۃ المستملی ‘‘میں تحریر فرماتے ہیں:

وَالَّذِي يَنْبَغِي أَنْ يَكُوْنَ التَّنْزِيْهُ مُخْتَصاًّ بِزَمَنِهٖ عَلَيْهِ الصَّلوٰةُ وَالسَّلامُ حَيْثُ كَانَ يُبَاحُ لَهُنَّ الْخُرُوْجُ لِلْمَسَاجِدِ وَالْأَعْيَادِ وَغَيْرِ ذٰلِكَ، وَأَنْ يَكُوْنَ فِيْ

اور مناسب بات یہ ہے کہ عورتوں کے قبرستان جانے کا مکروہ تنزیہی ہونا حضور اکرم علیہ السلام کے زمانۂ مبارک کے ساتھ خاص تھا؛ کیوں کہ اس دور میں انہیں مسجد اور عیدگاہ وغیرہ میں آنے کی (ضرورۃً) اجازت تھی؛ لیکن ہمارے زمانہ

زَمَانِنَا لِلتَّحْرِيمِ لِمَا فِيْ خُرُوْجِهِنَّ مِنَ الْفَسَادِ. وَفِيْ كِفَايَةِ الشَّعْبِيِّ سُئِلَ الْقَاضِيْ عَنْ جَوَازِ خُرُوْجِ النِّسَاءِ إِلَى الْمَقَابِرِ، فَقَالَ : لَا يُسْأَلُ عَنِ الْجَوَازِ وَالْفَسَادِ فِيْ مِثْلِ هٰذَا، وَإِنَّمَا يُسْأَلُ عَنْ مِقْدَارِ مَا يَلْحَقُهَا مِنَ اللَّعْنِ فِيْهِ، وَاعْلَمْ أَنَّ كُلَّمَا قَصَدَتِ الْخُرُوْجَ كَانَتْ فِيْ لَعْنَةِ اللّٰهِ وَمَلَائِكَتِهٖ، وَإِذَا خَرَجَتْ تَحُفُّهُ الشَّيَاطِيْنُ مِنْ كُلِّ جَانِبٍ، وَإِذَا أَتَتِ الْقُبُوْرَ يَلْعَنُهَا رُوْحُ الْمَيِّتِ وَإِذَا رَجَعَتْ كَانَتْ فِيْ لَعْنَةِ اللّٰهِ. (ذكره في التاترخانية ۹۲/۳ زكريا، غنية المتملي ۵۹۴)

میں یہ کراہت تحریمی ہونی چاہئے؛ کیوں کہ عورتوں کے نکلنے میں فساد ہی فساد ہے۔ اور کفایۃ الشعبی میں منقول ہے کہ قاضی سے پوچھا گیا کہ عورتوں کا قبرستان جانا جائز ہے یا نہیں؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ اس مسئلہ میں جواز وفساد کا سوال نہ کرو؛ بلکہ یہ پوچھو کہ کتنی مقدار میں وہ عورت لعنت کی مستحق ہوگی، اور یقین کرلو کہ جب بھی عورت مزارات پر جانے کا ارادہ کرے گی اس پر اللہ اور اس کے فرشتوں کی لعنت شروع ہو جائے گی، اور جب وہ گھر سے باہر نکلے گی تو ہر طرف سے شیاطین اسے گھیر لیں گے، اور جب وہ قبر پر آئے گی تو میت کی روح اس پر لعنت بھیجے گی، اور جب وہ لوٹ کر جائے گی تو اللہ کی لعنت لے کر جائے گی۔

اور یہ بات مخفی نہیں ہے کہ آج کل عورتوں کے قبرستان جانے آنے سے کس قدر مفاسد اور فتنے پیدا ہوگئے ہیں، نہ صرف عورتوں کے عقیدے بگڑ رہے ہیں؛ بلکہ بے حیائیوں اور بدکاریوں کے دروازے بھی کھل رہے ہیں، ان فتنوں کے ہوتے ہوئے مزارات پر عورتوں کی آمد ورفت کی حوصلہ افزائی کسی طرح جائز قرار نہیں دی جاسکتی۔

فاضل بریلوی کا ایک اہم فتویٰ

فاضل بریلوی علامہ احمد رضا خاں صاحب نے بھی اس بارے میں انصاف پسندی کا ثبوت دیتے ہوئے روضۂ اقدس علی صاحبہ الصلوٰۃ والسلام کے علاوہ دیگر مزارات پر عورتوں کے

جانے کوممنوع قرار دیا ہے۔ کسی سائل نے کچھ فقہی عبارتوں کا حوالہ دے کر اس بارے میں موصوف کی رائے جاننا چاہی تو انہوں نے تحریر کیا:

''میں اس رخصت کو جو بحرالرائق میں لکھی ہے، مان کر نظر بحالاتِ نساء سوائے حاضری روضۂ انور کہ واجب یا قریب بہ واجب ہے، مزاراتِ اولیاء یا دیگر قبور کی زیارت کو عورتوں کا جانا باتباع غنیۃ علامہ محقق ابراہیم حلبی ہرگز پسند نہیں کرتا، خصوصاً اس طوفان بے تمیزی رقص ومزامیر وسرود میں جو آج کل جہال نے اعراسِ طیبہ میں برپا کر رکھا ہے، اس کی شرکت کو میں عوام رجال کو بھی پسند نہیں رکھتا، نہ کہ وہ جن کو انجشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدی خوانی بالحان خوش پر عورتوں کے سامنے ممانعت فرما کر انہیں نازک شیشیاں فرمایا''۔ (فتاویٰ رضویہ ۴/۱۶۵)

نیز علامہ موصوف سے پوچھا گیا کہ اجمیر شریف میں خواجہ صاحب کے مزار پر عورتوں کا جانا جائز ہے یا نہیں؟

تو آپ نے ارشاد فرمایا: ''غنیۃ میں ہے یہ نہ پوچھو کہ عورتوں کا مزارات پر جانا جائز ہے یا نہیں؟ بلکہ یہ پوچھو کہ اس عورت پر کس قدر لعنت ہوتی ہے اللہ کی طرف سے، اور کس قدر صاحب قبر کی جانب سے، جس وقت وہ گھر سے ارادہ کرتی ہے لعنت شروع ہوجاتی ہے، اور جب تک واپس آتی ہے، ملائکہ لعنت کرتے رہتے ہیں۔

سوائے روضۂ انور کے کسی مزار پر جانے کی اجازت نہیں، وہاں کی حاضری البتہ سنت جلیلہ عظیمہ قریب بواجبات ہے، اور قرآنِ عظیم نے اسے مغفرتِ ذنوب کا تریاق بتایا''۔ (الملفوظ ۱۰۶، بحوالہ: امام احمد رضا اور ردِ بدعات ومنکرات، از: یاسین اختر مصباحی ۲۷۰)

مذکورہ بالا تفصیلات کی روشنی میں تمام علماء کو متفق ہو کر (خواہ وہ بریلوی ہوں یا دیوبندی) عورتوں کے مزارات پر آنے جانے پر نکیر کرنی چاہیئے، اور اس بارے میں اپنی دینی ذمہ داری بجالانی چاہیئے۔ اللہ تعالیٰ پوری امت کو بدعات ومنکرات سے محفوظ فرمائیں، آمین۔

قبروں پر عرس کرنا

نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ:

لَا تَتَّخِذُوْا قَبْرِیْ عِیْداً. (أبو داؤد ۲۷۹/۱، رقم: ۲۰٤۲، أحمد فی مسنده ۳٦۸/۲، مشکوٰۃ شریف ۸٦/۱)

میری قبر کو عید (کی طرح تیوہار) مت بناؤ۔

اس حدیث کا مطلب واضح ہے کہ جس طرح عید کا دن اجتماع کے لئے متعین ہوتا ہے اسی طرح میری قبر پر کسی خاص دن جمع ہونے کے لئے متعین کرنا درست نہیں؛ بلکہ حسبِ وسعت جب جو شخص حاضر ہونا چاہے، حاضر ہوتا رہے۔

شارح حدیث علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں:

نَهَاهُمْ عَنِ الْاِجْتِمَاعِ لَهَا اِجْتِمَاعُهُمْ لِلْعِيْدِ نُزْهَةً وَزِيْنَةً وَكَانَتِ الْيَهُوْدُ وَالنَّصَارىٰ تَفْعَلُ ذٰلِكَ بِقُبُوْرِ أَنْبِيَائِهِمْ فَأَوْرَثَتْهُمُ الْغَفْلَةُ وَالْقَسْوَةُ.
(طیبی بحواله: مرقاة المفاتیح ۱۰/۳)

نبی کریم ﷺ نے ان کو (قبر پر) عید کی طرح تفریح اور زینت کے انداز میں اجتماع سے منع فرمایا، اور یہود ونصاریٰ اپنے انبیاء علیہم السلام کی قبروں پر یہ حرکتیں کرتے ہیں جس کی بنا پر ان کے دلوں میں سختی اور غفلت غالب ہوگئی تھی۔

اس حدیث کی روشنی میں اولیاء اللہ کی قبروں پر وقت اور تاریخ کی تعیین کے ساتھ عرس کے نام پر جو میلے لگائے جاتے ہیں، ان کی ممانعت واضح طور پر معلوم ہوتی ہے؛ لیکن اہل بدعت ایصالِ ثواب وغیرہ کے نام پر اس طرح کے اجتماعات کو سند جواز عطا کرتے ہیں۔ درج بالا حدیث نبوی کے بالمقابل یہ طریقہ یقیناً بدعت اور بے شمار مفاسد پر مشتمل ہے، اور اس کے مفاسد اس قدر بڑھ چکے ہیں کہ کوئی بھی ضمیر رکھنے والا مسلمان ان کی تائید نہیں کرسکتا۔ عرس کے میلے ٹھیلوں میں مردوں عورتوں کا کھلے عام اختلاط ہوتا ہے، گانے باجوں کی دُھنوں کی آوازوں پر مست نوجوان تھرکتے اور مٹر گشتی کرتے ہوئے نظر آتے ہیں، اور کہیں کہیں تو گانے والی عورتیں اور طوائفیں بھی عرس کی زینت کو بڑھانے کے لئے لائی جاتی ہیں۔ الغرض یہ پورا عمل شروع سے اخیر تک سراسر منکرات وخرافات پر مشتمل ہوتا ہے، جس کا نظارہ اکثر مزارات میں عرس کے موقع پر دیکھا جاسکتا ہے۔ اَللّٰهُمَّ احْفَظْنَا مِنْهُ۔

نویں فصل:

موسیقی آمیز قوالیاں

اس دور میں رائج قبیح ترین بدعات ومنکرات میں سے ایک بدعت یہ ہے کہ حمد ونعت کے اشعار قوالی کے نام پر ڈھول تاشے اور سارنگی کی آوازوں کے ساتھ گائے جاتے ہیں، اور انہیں بڑا عبادت کا کام سمجھا جاتا ہے۔ خاص طور پر بزرگانِ دین اولیاء اللہ رحمہم اللہ تعالیٰ کے اکثر مزارات پر عرس کے موقع پر یہ بدعت شنیعہ تقریباً لازمی طور پر انجام دی جاتی ہے، حالاں کہ احادیث شریفہ میں گانے باجے کی سخت مذمت وارد ہے۔

ایک حدیث میں ارشاد ہے:

صَوْتَانِ مَلْعُونَانِ فِی الدُّنْیَا وَالْآخِرَةِ: مِزْمَارٌ عِنْدَ نِعْمَةٍ وَرَنَّةٌ عِنْدَ مُصِیْبَةٍ. (الترغيب والترهيب ٧٢٨ رقم: ٥٣٠٥)

دو آوازیں دنیا اور آخرت میں قابلِ لعنت ہیں: ایک خوشی کے وقت میوزک کی آواز، دوسرے مصیبت کے وقت بین کرنے کی آواز۔

ایک اور حدیث میں ارشادِ نبوی ہے:

مَنْ جَلَسَ إِلٰی قَیْنَةٍ یَسْمَعُ مِنْهَا صُبَّ فِی أُذُنِهِ الْآنُکُ یَوْمَ القِیَامَةِ. (قرطبي ٥٠/٧ پ٢١، ومثله في حاشية سنن أبي داؤد ٦٧٤/٢)

جو شخص گلوکار عورت سے بیٹھ کر گانا سنے اس کے کانوں میں قیامت کے دن سیسہ پگھلا کر ڈالا جائے گا۔

نیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اَلْغِنَاءُ يُنْبِتُ النِّفَاقَ كَمَا يُنْبِتُ الْمَاءُ الزَّرْعَ، وَفِيْ رِوَايَةٍ: يُنْبِتُ النِّفَاقَ فِي الْقَلْبِ الخ. (مشكوٰة شريف ٢/ ٤١١، شعب الإيمان ٤/ ٢٧٩ حديث: ٥١٠٠)

گانا بجانا دل میں نفاق کو ایسے اگاتا ہے جیسے پانی کھیتی کو اُگاتا ہے۔

اسی بناپر امت کے اکابر علماء گانے بجانے کی حرمت پر متفق رہے ہیں۔امام شعبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: ''گانے والا اور جس کے لئے گایا جائے دونوں ملعون ہیں''۔

حضرت فضیل بن عیاض فرماتے ہیں کہ: ''گانا بجانا، زنا کا جنتر منتر ہے''۔حضرت نافع رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ وہ ایک مرتبہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ سفر میں جارہے تھے،تو انہوں نے مزمار (گانے بجانے کے آلہ) کی آواز سنی تو اپنے دونوں کانوں میں انگلیاں دے لیں اوراس جگہ سے دور ہٹ گئے؛ تاکہ آواز نہ سن سکیں اور فرمایا کہ: ''آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی جب ایسی آواز سنتے تھے تو یہی عمل فرمایا کرتے تھے''۔(شعب الایمان ۴/۲۸۳ حدیث: ۵۱۲۰)

مشہور حنفی عالم علامہ حصکفیؒ فتاویٰ بزازیہ سے نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

اِسْتِمَاعُ صَوْتِ الْمَلَاهِي كَضَرْبِ قَصَبٍ وَنَحْوِهٖ حَرَامٌ، لِقَوْلِهٖ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ: اِسْتِمَاعُ الْمَلَاهِي مَعْصِيَةٌ، وَالْجُلُوْسُ عَلَيْهَا فِسْقٌ، وَالتَّلَذُّذُ بِهَا كُفْرٌ أي بِالنِّعْمَةِ، فَصَرْفُ الْجَوَارِحِ إِلٰى غَيْرِ مَا خُلِقَ لِأَجْلِهٖ كُفْرٌ بِالنِّعْمَةِ لَا شُكْرٌ، فَالْوَاجِبُ كُلَّ الْوَاجِبِ أن يُّجْتَنَبَ كَي لَا

لہو ولعب والی چیزوں کی آواز سننا مثلاً بینڈ اور ہارمونیم وغیرہ حرام ہے؛اس لئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ لہو ولعب کی چیزیں سننا گناہ ہےاورایسی مجلس میں بیٹھنا فسق ہے اور ان سے لذت حاصل کرنا کفرانِ نعمت ہے؛ اس لئے کہ اعضاء وجوارح کو ان کاموں میں لگانا جن کے لئے ان کی پیدائش نہیں ہوئی ہے (یعنی معصیت کے کاموں میں لگانا) شکر نہیں؛ بلکہ نعمتِ خداوندی کی ناشکری ہے؛ لہٰذا

يَسْمَعَ لِمَا رُوِیَ اَنَّهُ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ أَدْخَلَ اِصْبَعَهُ فِی أُذُنِهٖ عِنْدَ سَمَاعِهٖ. (در مختار مع الشامي كراچي ٣٤٩/٦ قبيل فصل في اللبس)

واجب سے بڑھ کر واجب ہے کہ ایسی آ وازیں سننے سے اجتناب کیا جائے، جیسا کہ مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے سننے کے وقت اپنے کانوں میں انگلیاں ڈال لی تھیں۔

درج بالا تفصیل سے معلوم ہوا کہ جو قوالیاں، میوزک کی تھاپوں پر گائی جاتی ہیں اور طبلوں اور ہارمونیم کے ساز پر اشعار پڑھے جاتے ہیں، یہ اشعار خواہ کتنے ہی صحیح اور حقیقت پر مبنی ہی کیوں نہ ہوں، میوزک اور آلات موسیقی کے ساتھ مل جانے کی وجہ سے ان کی حرمت اور ممانعت میں کوئی تخفیف نہیں ہوسکتی، میوزک بہرحال حرام ہے۔ فقہ حنفی کے مشہور عالم علّامہ شامیؒ فرماتے ہیں کہ:

فَمَا ظَنُّکَ بِهٖ عِنْدَ الْغِنَاءِ الَّذِیْ يُسَمُّوْنَهُ وَجْداً وَمَحَبَّةً فَإِنَّهُ مَكْرُوْهٌ لَا أَصْلَ لَهُ فِيْ الدِّيْنِ......الخ، وَمَا يَفْعَلُهُ مُتَصَوِّفَةُ زَمَانِنَا حَرَامٌ لَايَجُوْزُ الْقَصْدُ وَالْجُلُوْسُ إِلَيْهِ. (شامی ٣٤٩/٦ قبيل فصل في اللبس)

پس آپ کا کیا خیال ہے اس گانے کے بارے میں جس کو لوگ وجد ومحبت کا نام دیتے ہیں، وہ یقیناً مکروہ ہے، دین میں اس کی کوئی اصل نہیں ہے، الخ۔ اور جو ہمارے زمانہ کے صوفی لوگ (قوالیاں گانا اور وجد وحال طاری کر کے تھرکنا) کرتے ہیں وہ حرام ہے ایسی مجلسوں میں جانا اور شریک ہونا بھی جائز نہیں ہے۔

مگر افسوس ہے کہ آج قوالیوں کو عین عبادت سمجھ کر اسے جعلی اور بناوٹی روحانیت کے حصول کا ذریعہ بنایا جانے لگا، اور پہلے تو یہ قوالیاں عموماً عرس اور مزارات تک محدود تھیں، مگر جب سے نئے الکٹرانک آلات، موبائل، ٹیپ ریکارڈ اور گراموفون وغیرہ ایجاد ہوئے ہیں، تو ان چیزوں کا بہت عموم ہوگیا ہے۔ مسلم محلوں میں جابجا ڈی جے اور ساؤنڈ بکس رکھ کر بلند آواز سے یہ قوالیاں بجائی جاتی ہیں، اور انہیں قطعاً برا نہیں سمجھا جاتا، حالاں کہ عام گانوں کے مقابلہ میں مذہبی اشعار کی قوالیاں اور زیادہ خطرناک ہیں؛ اس لئے کہ ان میں اللہ اور رسول کا نام میوزک کے ساتھ لیا جاتا ہے جو اللہ اور

اس کے رسول کے احکامات کے ساتھ بھونڈے مذاق کا مظاہرہ کرنے کے مرادف ہے۔ یہ تو ایسا ہی ہے جیسے کوئی شخص نعوذ باللہ قرآنِ کریم اور احادیثِ طیبہ کو میوزک پر پڑھنے لگے، ظاہر ہے کہ کوئی بھی مسلمان اسے ہرگز برداشت نہیں کرسکتا، اس لئے غیرت اسلامی کا تقاضا یہ ہے کہ ہم ناجائز آوازوں کے ساتھ اللہ اور اس کے مقدس رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا نام لینا بھی ہرگز پسند نہ کریں۔

فاضل بریلوی کے نزدیک بھی مروجہ قوالی حرام ہے

یہاں یہ بات بھی یادرکھنی چاہیئے کہ متبعینِ سنت علماء دیوبند تو موسیقی آمیز قوالی کو حرام کہتے ہی ہیں، ساتھ میں فاضل بریلوی علامہ احمد رضا خاں صاحب (جن کی شخصیت اہلِ بدعت کے نزدیک انتہائی قابل احترام واکرام ہے) نے بھی ڈھول تاشے اور سارنگی والی قوالی کو قطعاً حرام قرار دیا ہے، موصوف سے سوال کیا گیا تھا کہ: ''ایک عرس میں اس طرح قوالی ہوئی کہ ایک ڈھول اور دو سارنگیاں بج رہی تھیں، اور نعت وغیرہ کے اشعار پڑھے جارہے تھے، تو یہ قوالی جائز ہے یا نہیں؟''
تو موصوف نے جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ:

> ''ایسی قوالی حرام ہے، حاضرین سب گنہگار ہیں، اور ان سب کا گناہ ایسا عرس کرنے والوں اور قوالوں پر ہے اور قوالوں کا بھی گناہ اس عرس کرنے والے پر بغیر اس کے کہ عرس کرنے والے کے ماتھے قوالوں کا گناہ جانے سے قوالوں پر سے گناہ کی کچھ کمی آئے یا اس کے اور قوالوں کے ذمہ حاضرین کا وبال پڑنے سے حاضرین کے گناہ میں کچھ تخفیف ہو، نہیں؛ بلکہ حاضرین میں ہر ایک پر اپنا پورا گناہ، اور قوالوں پر اپنا گناہ الگ، اور سب حاضرین کے برابر جدا، اور ایسا عرس کرنے والے پر اپنا گناہ الگ، اور قوالوں کے برابر جدا، اور سب حاضرین کے برابر علیحدہ۔
>
> وجہ یہ کہ حاضرین کو عرس کرنے والے نے بلایا، یا اسی کے لئے اس گناہ کا سامان پھیلایا اور قوالوں نے انہیں سنایا، اگر وہ سامان نہ کرتا، یہ ڈھول اور سارنگی نہ سناتے تو حاضرین اس گناہ میں کیوں پڑتے؟ اس لئے ان سب کا گناہ ان دونوں پر ہوا، پھر قوالوں کے اس گناہ کا باعث وہ عرس کرنے والا ہوا، وہ نہ کرتا نہ بلاتا تو یہ

کیوں کرآتے بجاتے؛ لہٰذا قوالوں کا گناہ بھی اس بلانے والے پر ہوا‘‘۔

اور چوں کہ عموماً ایسی قوالیوں کی نسبت بعض بزرگانِ دین کی طرف کی جاتی ہے، اور جواز کی بات ان کے حوالے سے نقل کر کے اپنی خواہشات کی تائید اہل بدعت کرتے ہیں، اس لئے ان کے استدلال کا جواب دیتے ہوئے علامہ موصوف نے آگے فرمایا:

’’بعض جہال بدمست یا نیم ملا شہوت پرست یا جھوٹے صوفی بدمست کہ احادیث صحاح مرفوعہ محکمہ کے مقابل بعض ضعیف قصے یا محتمل واقعے یا متشابہ پیش کرتے ہیں، انہیں اتنی عقل نہیں یا قصداً بے عقل بنتے ہیں کہ صحیح کے سامنے ضعیف، متعین کے آگے محتمل، محکم کے حضور متشابہ واجب الترک ہے، پھر کہاں قول کہاں حکایت فعل؟ پھر کجا محرم کجا مبیح؟ ہر طرح یہی واجب العمل، اسی کو ترجیح، مگر ہوس پرستی کا علاج کس کے پاس ہے؟ کاش وہ گناہ کرتے اور گناہ جانتے، اقرار لاتے، یہ ڈھٹائی اور بھی سخت ہے کہ ہوس بھی پالیں اور الزام بھی ٹالیں، اپنے لئے حرام کو حلال بنالیں، پھر اسی پر بس نہیں؛ بلکہ معاذ اللہ اس کی تہمت محبوبانِ خدا اکابر سلسلہ عالیہ چشت قُدِّسَتْ اَسْرَارُهُمْ کے سر دھرتے ہیں، نہ خدا سے خوف نہ بندوں سے شرم کرتے ہیں۔

حالاں کہ خود حضور محبوبِ الٰہی سیدی و مولائی نظام الحق والدین سلطان الاولیاء رضی اللہ تعالیٰ عنہ وعنہم ’’فوائد الفواد شریف‘‘ میں فرماتے ہیں: ’’مزامیر حرام ست‘‘۔ (موسیقی حرام ہے) (احکام شریعت ۲۹ تا ۳۱، بحوالہ: امام احمد رضا اور ردِ بدعات ومنکرات، از: یاسین اختر مصباحی ۲۶۴-۲۶۵)

قوالی کے شوقین لوگ اور اہل بدعت علامہ موصوف کا مذکورہ بالا فتویٰ غور سے بار بار پڑھیں، اور خدا سے خوف کرتے ہوئے ایسی نا جائز بدعات سے خود بھی بچیں اور دوسروں کو بچانے کا فرض انجام دیں، کسی شخص کے لئے اس بارے میں چشم پوشی روا نہیں، اور جو چشم پوشی کرے گا وہ سچا مسلمان اور محبّ خدا و رسول کہلائے جانے کے لائق نہیں ہے۔

دسویں فصل:

تعزیہ وماتم اور سینہ کوبی؛ بدترین بدعات

ماہِ محرم الحرام میں حضراتِ اہل بیت رضوان اللہ علیہم اجمعین کی محبت کی آڑ میں جولوگ تعزیہ داری اور نوحہ وماتم کی مجلسیں سجاتے ہیں وہ بلاشبہ بدترین بدعات وخرافات کے مرتکب ہیں، اور دین اسلام کی جڑوں کو کھودنے والے ہیں، اسلام جیسے مقدس دین میں اِن بے ہودہ اور عقل وخرد سے عاری رسومات کی کوئی گنجائش نہیں ہے، یہ سب جاہلیت کی باتیں ہیں جن پر نعوذ باللہ اہلِ بیت رضی اللہ عنہم کی محبت کا غازہ چڑھا دیا گیا ہے۔اور اسلام سے بغاوت کی انتہاء یہ ہے کہ اس رونے رلانے اور تعزیے بنا کر ڈھکوسلہ بازی کو عین عبادت اور موجبِ اجر وثواب سمجھا جا رہا ہے،اس سفید جھوٹ پر زمین شق ہوجائے تو بجا ہے۔اور خاص کر تعزیہ سازی کا عمل جو پوری دنیا میں صرف برصغیر میں کیا جاتا ہے،مصروشام وایران وغیرہ میں اس کا کوئی وجود نہیں،اور ہندوستان میں بھی نویں صدی سے پہلے اس کو کوئی جانتا بھی نہ تھا،ایسے من گھڑت عمل کے بدعت شنیعہ ہونے میں کوئی شک وشبہ نہ ہونا چاہئے۔ (دیکھئے رسالہ:ابطالِ عزاداری ۱۱-۱۲)

جگر گوشۂ نبوت،محبوبِ حبیب رب العالمین،سیدنا حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ ودیگر افرادِ خانوادۂ رسالت کا کربلا میں مظلومیت کی حالت میں جامِ شہادت نوش کرنا بلاشبہ ایک الم ناک واقعہ ہے،اور ان مقدس نفوس کی قربانیاں یقیناً خراجِ تحسین کے لائق ہیں؛لیکن ان کی محبت کے جوش میں ہوش کھوبیٹھنا،اور شریعت کے احکامات کو نظر انداز کر کے اس موضوع کو کھیل تماشہ اور رسم بنا لینا کہاں کا انصاف ہے؟ محبت اہل بیت کا تو اولین تقاضا یہ ہونا چاہئے کہ انسان شریعت محمدی کا

سو فیصد تابع فرمان بن جائے اور نفسانی ہواء وہوس کی غلامی کا طوق پوری طرح اتار پھینکے۔ جو ناواقف لوگ محض اپنی سادگی یا باپ دادوں کے زمانہ سے چلی آرہی باتوں سے متأثر ہوکر تعزیہ اور نوحہ گری وغیرہ میں حصہ لیتے ہیں، انہیں یاد رکھنا چاہئے کہ سرورِ عالم جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صاف طور پر میت پر بین کرنے سے منع فرمایا ہے، اور اسے کفر کی علامت قرار دیا ہے۔ سیدنا حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

إِثْنَتَانِ فِيْ النَّاسِ هُمَا بِهِمْ كُفْرٌ: أَلطَّعْنُ فِيْ النَّسَبِ وَالنِّيَاحَةُ عَلَى الْمَيِّتِ. (مسلم شريف ۵۸/۱ رقم: ٦٧)

لوگوں میں دو باتوں کا پایا جانا ان کی طرف سے کفر کی نشانی ہے: (۱) نسب کی بنیاد پر کسی پر طعن کرنا (۲) میت پر رونا پیٹنا۔

ایک دوسری روایت میں ارشادِ نبوی ہے:

ثَلاثَةٌ مِنَ الْكُفْرِ بِاللّٰهِ تَعَالىٰ: شَقُّ الْجَيْبِ وَالنِّيَاحَةُ وَالطَّعْنُ فِيْ النَّسَبِ. (رواه مسلم ۷۰/۱ رقم ۱۰۳، ابن حبان في صحيحه: ۳۱٤۱، الترغيب والترهيب مكمل ۷۲۸ رقم: ۵۳۰۳)

تین باتیں اللہ کی ناشکری کی خاص علامت ہیں: (۱) گریبان پھاڑنا (۲) مصیبت پر رونا پیٹنا شور مچانا (۳) نسب کی وجہ سے کسی پر طعن کرنا۔

پس جن باتوں کو خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کفر کی علامت قرار دیا ہے اسے آپ اپنے پیارے نواسے اور گھر والوں کے لئے بھلا کیسے گوارا فرما سکتے ہیں؟

بین کرنے والوں پر سخت ترین عذاب کی وعید

حضرت ابو مالک اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: ''میری امت میں چار باتیں جاہلیت کی پائی جائیں گی: (۱) خاندانی فخر وغرور (۲) نسب کی بنیاد پر طعن وتشنیع (۳) ستاروں سے بارش کی طلب (۴) نوحہ گری''۔ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

إِنَّ النَّائِحَةَ إِذَا لَمْ تَتُبْ قَبْلَ مَوْتِهَا تُقَامُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَعَلَيْهَا سِرْبَالٌ مِنْ قَطِرَانٍ وَدِرْعٌ مِنْ جَرَبٍ.

(رواه مسلم ۳۰۳/۱ رقم: ۹۳٤، الترغيب والترهيب مكمل ۷۲۸ رقم: ۵۳۰۷)

اگر بین کرنے والی عورت توبہ سے قبل مر جائے تو وہ قیامت میں اس حال میں لائی جائے گی کہ اس کے بدن پر تارکول کی شلوار اور گندھک کا کرتہ ہوگا (جس میں آگ جلدی پکڑے گی)

اور ایک ضعیف روایت میں ہے کہ: ''دنیا میں نوحہ کرنے والی عورتیں جہنمیوں پر کتوں کی طرح بھونکیں گی''۔ (رواہ الطبرانی، الترغیب والترہیب مکمل ۷۲۸ حدیث: ۵۳۰۸)

سیدنا حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک ضعیف روایت میں مروی ہے کہ: ''نبی اکرم صلی اللہ علیہ سلم نے بین کرنے والی اور بین سننے والی دونوں طرح کی عورتوں پر لعنت فرمائی ہے''۔ (الترغیب والترہیب مکمل ۷۲۸ حدیث: ۵۳۰۹)

سینہ کوبی اور ماتم کرنے والوں سے رسول اللہ ﷺ بری ہیں

صحابی رسول سیدنا حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

لَيْسَ مِنَّا مَنْ ضَرَبَ الْخُدُوْدَ وَشَقَّ الْجُيُوْبَ وَدَعَا بِدَعْوَى الْجَاهِلِيَّةِ.

(البخاري ۱۷۲/۱ رقم: ۱۲۹٤، مسلم ۷۰/۱ رقم: ۱۰۳، الترغيب والترهيب مكمل ۷۲۹ رقم: ۵۳۱٦)

جو شخص چہرے پیٹے اور گریبان پھاڑے اور زمانۂ جاہلیت کی طرح آوازے کسے، وہ ہم میں سے نہیں ہے۔

اور ایک روایت میں ہے کہ ایک مرتبہ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سخت بیمار ہوئے ان کا سر مبارک گھر کی ایک عورت کی گود میں رکھا ہوا تھا، تو وہ حضرت کی حالت دیکھ کر آواز سے رو پڑیں، اس وقت تو حضرت مرض کی شدت کی وجہ سے جواب نہ دے سکے؛ لیکن جب کچھ افاقہ ہوا تو ارشاد فرمایا کہ جس سے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام بری ہیں میں بھی اس سے بری ہوں، اور

پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام چیخ وپکار مچانے والی، اور غم کے مارے سر منڈانے والی اور کپڑے پھاڑنے والی عورت سے بری ہیں۔ (بخاری شریف ۱/۱۷۲ حدیث:۱۲۹۶)

نیز ایک روایت میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے چہرہ نوچنے والی، گریبان پھاڑنے والی اور کوسنے والی عورت پر لعنت فرمائی ہے۔ (سنن ابن ماجہ ۱/۱۱۳ حدیث: ۱۵۸۵، الترغیب والترہیب مکمل ۷۳۰ حدیث:۵۳۱۹)

تین دن سے زیادہ سوگ منانا حرام ہے

شریعت میں کسی کی وفات پر زیادہ سے زیادہ تین دن تک سوگ منانے اور اظہارِ غم کی اجازت ہے، صرف بیوی کو شوہر کی وفات پر چار مہینہ دس دن تک سوگ منانے کا حکم دیا گیا ہے، یہ حکم بیوی کے علاوہ کسی اور کے لئے نہیں ہے۔ ام المؤمنین حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے اپنے والد حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کی وفات پر تین دن گذرنے کے بعد اہتمام سے خوشبو لگائی، پھر فرمایا کہ مجھے خوشبو اور تیل لگانے کی زیادہ ضرورت نہ تھی؛ لیکن میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو منبر پر یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے:

لَا یَحِلُّ لِامْرَأَةٍ تُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الآخِرِ أَنْ تَحِدَّ عَلٰى مَيِّتٍ فَوْقَ ثَلاثٍ إِلَّا عَلٰى زَوْجٍ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَّعَشْراً. (رواه البخاری ۸۰۳/۲ رقم: ۵۳۳٤، ومسلم ٤۸٦/۱ رقم: ۱٤۸٦)

جو عورت اللہ تعالیٰ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتی ہو اس کے لئے کسی میت پر تین دن سے زیادہ سوگ کرنا حلال نہیں ہے، صرف بیوی کے لئے شوہر کی وفات پر چار مہینہ دس دن سوگ کا حکم ہے۔

بعینہٖ اسی طرح کا واقعہ ام المؤمنین حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کے بارے میں بھی منقول ہے۔

تعزیہ داری شیعوں کی نظر میں

یہاں حیرت کی بات یہ ہے کہ گو کہ عام اہل تشیع محرم کی دھوم دھام اور تعزیہ وماتم میں شرکت

کرتے ہیں؛ لیکن خود انہی کی معتبر کتابوں میں ان خرافات پر سخت نکیر منقول ہے۔ شیعوں کی ایک معتبر کتاب ''من لایحضرہ الفقیه'' میں روایت ہے کہ امام جعفر صادقؒ نے فرمایا:

مَنْ جَدَّدَ قَبْرًا أَوْ مَثَّلَ مِثَالاً فَقَدْ خَرَجَ مِنَ الْإِسْلَامِ. (من لایحضرہ الفقیه ٦٠)

جو کوئی پھر سے قبر بنائے یا اس کی شبیہ اور شکل بنائے تو وہ اسلام سے خارج ہے۔

اس روایت کے آئینہ میں موجودہ اہلِ تشیع کو جائزہ لینا چاہئے کہ وہ تعزیہ وتمثال بنا کر کہاں کھڑے ہیں؟

ماتم ونوحہ کی سزا

شیعوں کے قدوۃ المحدثین، عمدۃ المجتہدین، شیخ الاسلام والمسلمین العالم الربانی ''ملا محمد باقر مجلسی'' نے حیات القلوب ۲/۲۱۵-۲۱۶ مطبوعہ نولکشور لکھنؤ میں شبِ معراج کا واقعہ تفصیل سے ذکر کیا ہے کہ حضور علیہ السلام نے معراج کا قصہ اہلِ بیت کو سناتے ہوئے فرمایا:

زنے را دیدم برصورتِ سگ وآتش در دُبرش داخل می کردند واز دہانش بیروں می آید وملائکہ سر وبدنش را بگرزہائے آہن می زدند، فاطمہ صلوٰۃ اللہ علیہا گفت اے پدر بزرگوار من مرا خبردہ کہ عملِ وسیرتِ ایشاں چہ بود؟ حضرت گفت: آنکہ بصورتِ سگ بود وآتش در دُبرش می کردند اوخوابندہ ونوحہ کنندہ وحسود بود۔ (ترجمہ حیات القلوب ۲/۴۶۷، مطبوعہ: طٰہٰ پبلشنگ سینٹر لکھنؤ)

ایک عورت کو میں نے کتے کی شکل میں دیکھا کہ اس کے پیچھے کے راستہ سے آگ داخل کی جارہی تھی جو اس کے منہ سے برآمد ہورہی تھی، اور فرشتے اس کے سر پر لوہے کے گرز برسا رہے تھے، تو فاطمہ صلوٰۃ اللہ علیہا نے پوچھا کہ ابا جان! مجھے بتایئے کہ اس عورت کا عمل کیا تھا؟ تو حضرت نے فرمایا کہ جسے کتے کی شکل میں دیکھا جس کے پیچھے آگ داخل کی جارہی تھی یہ سونے والی، نوحہ کرنے والی اور حسد کرنے والی عورت تھی۔

قطع نظر اس کے کہ یہ روایت ہمارے نزدیک کس درجہ کی ہے؟ لیکن چوں کہ وہ شیعوں کی

معتبر کتاب کی روایت ہے، اس لئے ان کے لئے تو ضرور حجت ہوگی کہ نوحہ اور بین کرنے والی عورت کے لئے آخرت میں کیسی بھیانک سزا مقرر کی گئی ہے۔

ماتم حبطِ اعمال کا ذریعہ ہے

شیعوں کی ایک اور معتبر ترین کتاب ''فروعِ کافی'' میں منقول ہے کہ امام جعفر صادقؒ روایت کرتے ہیں:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ضَرْبُ الْمُسْلِمِ يَدَهٗ عَلٰى فَخِذِهٖ عِنْدَ الْمُصِيْبَةِ إِحْبَاطٌ لِّأَجْرِهٖ. (فروع كافي ۲۳۲/۱، مطبوعه: نولكشور لكهنؤ، الشافي ترجمه فروع كافى ۲۳۸/۱ کراچی)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ آدمی کا مصیبت کے وقت اپنی ران پر ہاتھ مارنا اس کے اجر وثواب کے برباد ہونے کا سبب ہے۔

اسی فروع کافی میں یہ روایت بھی موجود ہے:

قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عِنْدَ وَفَاتِهٖ لِفَاطِمَةَ لَا تُخْمِشِيْ عَلَيَّ وَجْهًا وَلَا تَرْخٰى عَلَيَّ شَعْرًا وَلَا تُنَادِيْ بِالْوَيْلِ وَالْعُوَيْلِ وَلَا تُقِيْمِيْ عَلَيَّ نَائِحَةً.

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی وفات کے وقت حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے ارشاد فرمایا کہ اپنے چہرے کو میرے غم میں مت نوچنا، اور بال مت اکھیڑنا اور کوسنا چلانا مجھ پر مت کرنا اور نہ کسی بین کرنے والی کو مجھ پر مقرر کرنا۔

ایک دوسری روایت میں ہے:

عَنْ اَبِيْ جَعْفَرٍ عَلَيْهِ السَّلَامُ قَالَ: مَنْ أَقَامَ النَّوَاحَةَ فَقَدْ تَرَكَ الصَّبْرَ وَأَخَذَ فِيْ غَيْرِ طَرِيْقَةٍ.

امام محمد باقر سے روایت ہے کہ جس نے نوحہ کی مجلس قائم کی اس نے صبر چھوڑ دیا اور اسلام کے راستے کے خلاف راستہ اختیار کیا۔

امام جعفر صادق نے فرمایا:

لَا یَصِحُّ الصِّیَاحُ عَلَی الْمَیِّتِ وَلَا یَنْبَغِیْ وَلٰکِنَّ النَّاسَ لَا یَعْرِفُوْنَهٗ وَالصَّبْرُ خَیْرٌ. (فروع کافی ۲۲۶/۱ مطبوعہ: نولکشور لکھنؤ، الشافی ترجمہ فروع کافی ۲۳۹/۱، کتاب الجنائز کراچی)

میت پر چیخ و پکار نہ تو صحیح ہے اور نہ مناسب ہے؛ لیکن لوگ جانتے نہیں ہیں اور صبر ہی میں بہترائی ہے۔

اب ذرا غور فرمائیں کہ جس بات کو صراحۃً نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور ائمہ عظام نے منع فرمایا، اسی کو دین کا اہم ترین جزء بنالیا گیا، کیا یہ دین اسلام سے بغاوت اور پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی کھلی ہوئی نافرمانی نہیں ہے؟

کالا لباس پہننے کی ممانعت

محرم میں سوگ مناتے ہوئے بہت سے لوگ خاص طور پر کالا لباس پہنتے ہیں، اور اسے ثواب کا کام سمجھتے ہیں، اور خاص کر شیعہ لوگ اس کا بہت اہتمام کرتے ہیں، حالاں کہ خود شیعوں کی معتبر کتابوں میں کالے لباس کی ناپسندیدگی منقول ہے۔ دو روایتیں ملاحظہ فرمائیں:

(۱) قَالَ أَمِیْرُ الْمُؤْمِنِیْنَ عَلَیْهِ السَّلَامُ فِیْمَا عَلَّمَ أَصْحَابَهٗ لَا تَلْبِسُوْا السَّوَادَ فَإِنَّهٗ لِبَاسُ فِرْعَوْنَ، وَکَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَآلِهٖ یَکْرَهُ السَّوَادَ إِلَّا فِیْ ثَلٰثَةٍ : اَلْعَمَامَةِ وَالْخُفِّ وَالْکِسَاءِ. (من لایحضره الفقیه ۸۱ باب في لباس المصلي، مطبوعه: مطبع جعفریه نخاس لکھنؤ ۱۳۰۷ء)

امیر المؤمنین (حضرت علی) علیہ السلام نے اپنے ساتھیوں کو نصیحت کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: کالا لباس مت پہنا کرو؛ کیوں کہ یہ فرعون کا لباس ہے، اور پیغمبر علیہ السلام کو بھی کالا رنگ ناپسند تھا، سوائے تین چیزوں میں: (۱) عمامہ (۲) موزہ (۳) چادر۔

(۲) سُئِلَ الصَّادِقُ عَلَیْہِ السَّلَامُ عَنِ الصَّلٰوۃِ فِی الْقَلَنْسُوَۃِ السَّوْدَاءِ؟ فَقَالَ: لَا تُصَلِّ فِیْھَا فَاِنَّھَا لِبَاسُ اَھْلِ النَّارِ. (حوالہ سابق)

امام جعفر صادق سے پوچھا گیا کہ کالی ٹوپی پہن کر نماز پڑھنا کیسا ہے؟ تو آپ نے جواب دیا کہ کالی ٹوپی پہن کر نماز مت پڑھو؛ کیوں کہ یہ جہنمیوں کا لباس ہے۔

حیرت ہے کہ جس کالے لباس کو خود حضرات اہل بیت نے ناپسند سمجھا ہے، اسی لباس کو آج ان کی محبت کے دعوے دار پسندیدہ سمجھ رہے ہیں۔ یا للعجب!!

تعزیہ داری اعلیٰ حضرت بریلوی کی نظر میں

ہمارے علاقوں میں عام طور پر محرم کے منکرات بالخصوص تعزیہ داری میں شیعوں کے علاوہ اہل بدعت بھی پورے ذوق وشوق کے ساتھ شامل نظر آتے ہیں؛ بلکہ بعض شہروں اور دیہاتوں میں تو یہ ساری رسومات وہی لوگ انجام دیتے ہیں جو اپنے کو ''رجسٹرڈ سنی'' کہلاتے ہیں، ان کے معاشرے میں تعزیہ بنانے اور اسے اٹھانے کو سب سے بڑا کارِ ثواب سمجھا جاتا ہے، حالاں کہ خود ان کے اکابر علماء نے ان بے ہودہ باتوں پر سختی سے نکیر فرمائی ہے، ایسے سبھی بھائیوں سے گذارش ہے کہ وہ دوسروں کی بات اگر نہیں مانتے تو کم از کم اپنے مقتدیٰ حضرات کی باتوں کو پڑھ کر ایسی غلط باتوں سے بچنے کا ضرور اہتمام کریں، ان کے علماء کی تعزیہ وماتم کے بارے میں کیا رائے ہے، ملاحظہ فرمائیں:

(۱) فاضل بریلوی علامہ احمد رضا خاں صاحب سے سوال کیا گیا کہ: ''تعزیہ بنانا سنت ہے، جس کا یہ عقیدہ ہو یا قرآن شریف کی کسی آیت یا حدیث سے سند پکڑے، ایسا شخص علماء اہلِ سنت وجماعت کے نزدیک خارج اسلام تو نہ سمجھا جائے گا، اس پر کفر کا اطلاق جائز ہے یا نہیں؟ اور یہ کیسے شروع ہوا؟ اگر سامنے آجائے تو بہ نظر تحقیر یا تعظیم دیکھنا چاہئے یا نہیں؟''

تو موصوف نے جواب دیا کہ: ''وہ جاہل خطاوار مجرم ہے مگر کافر نہ کہیں گے، تعزیہ آتا دیکھ کر اعراض ورو گردانی کریں، اس کی جانب دیکھنا ہی نہ چاہئے، اس کی ابتداء سنا جاتا ہے کہ امیر تیمور

بادشاہ دہلی کے وقت سے ہوئی، واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب''۔(عرفانِ شریعت جزءاول، بحوالہ: امام احمد رضا اور ردِ بدعات ومنکرات ۲۵۲)

اسی طرح موصوف سے پوچھا گیا کہ:''تعزیہ بنانا، اوراس پرنذرونیاز کرنا،عرائض بامید حاجت براری لٹکانا اور بہ نیت بدعت حسنہ اس کو داخل حسنات ماننا کتنا گناہ ہے؟''

تو موصوف نے واضح طور پر جواب لکھا کہ:''افعالِ مذکورہ جس طرح عوام زمانہ میں رائج ہیں، بدعت سیۂ وممنوع وناجائز ہیں،انہیں داخل ثواب جاننا اور موافق شریعت اور مذہب اہلِ سنت ماننا اس سے سخت تر،خطائے عقیدہ وجہل اشد ہے''۔(رسالہ تعزیہ داری ۱۵،بحوالہ: ابطالِ تعزیہ داری ۸۸)

(۲) ایک دوسرے موقع پر فاضل بریلوی موصوف ارشاد فرماتے ہیں کہ:''ہر جگہ نئی تراش، نئی گھڑت، جسے اصل روضۂ سید الشہداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نہ کچھ علاقہ نہ نسبت، پھر کسی میں پریاں، کسی میں براق کسی میں اور بے ہودہ طمطراق، پھر کوچہ بکوچہ دشت بدشت اشاعت غم کے لئے ان کا گشت،اوراس کے گرد سینہ زنی،ماتم داری کی شورافگنی،حرام مرثیوں سے نوحہ کنی،عقل ونقل سے کٹی چھنی، کوئی ان کھپچیوں کو جھک جھک کر سلام کررہا ہے، کوئی مشغولِ طواف، کوئی سجدے میں گرا ہے،کوئی اس مایۂ بدعات کو معاذ اللہ جلوہ گاہِ حضرت امام عالی مقام سمجھ کراس ابرک پنی سے اپنی مرادیں مانگتا ہے، منتیں مانگتا ہے،عرضیاں باندھتا، حاجت روا جانتا ہے، پھر باقی تماشے، باجے، تاشے،مردوں عورتوں کا راتوں کا میل، اور طرح طرح کے بے ہودہ کھیل،ان سب پر طرہ ہیں''۔

(چندسطروں کے بعد)''اب بہارعشرہ کے پھول کھلے،تاشے، باجے بجتے چلے، رنگ رنگ کے کھیلوں کی دھوم، بازاری عورتوں کا ہر طرف ہجوم،شہوانی میلوں کی پوری رسوم،جشن فاسقانہ، یہ کچھ اور اس کے ساتھ خیال وہ کچھ کہ گویا یہ ساختہ ڈھانچے حضرات شہداء کرام علیہم الرضوان کے پاک جنازے ہیں۔

ع: اے مؤمنو اٹھاؤ جنازہ حسین کا

گاتے ہوئے مصنوعی کربلا پہنچے، وہاں کچھ نوچ اتار، باقی توڑ تاڑ دفن کردیئے، یہ ہر سال اضاعت مال کے جرم و وبال جداگانہ رہے۔ اللہ تعالیٰ صدقہ شہداء کرام کربلا علیہم الرضوان والثناء کا مسلمانوں کو نیک توفیق بخشے اور بدعات سے توبہ دے، آمین، آمین۔

تعزیہ داری کہ اس طریقۂ نامرضیہ (غیر پسندیدہ) کا نام ہے قطعاً بدعت وناجائز وحرام ہے، ان خرافات کے شیوع نے اس اصل مشروع کو بھی اب محذور ومحظور کردیا کہ اس میں اہل بدعت سے مشابہت اور تعزیہ داری کی تہمت کا خدشہ اور آئندہ اپنی اولاد یا اہل اعتقاد کے لئے ابتلائے بدعات کا اندیشہ ہے، وما يؤدي إلى محظور، محظور"۔ (بدرالانوار فی آداب الآثار، بحوالہ: امام احمد رضا خان ۲۵۵)

تعزیہ مجمع بدعات ہے

(۳) اور علامہ موصوف فتاویٰ رضویہ میں صراحت فرماتے ہیں:

"تعزیہ جس طرح رائج ہے، یہ ایک بدعت مجمع بدعات ہے، نہ وہ روضۂ مبارک کا نقشہ ہے اور ہو تو ماتم وسینہ کوبی اور تاشے باجوں کے گشت اور خاک میں دبانا یہ کیا روضۂ مبارک کی شان ہے؟ اور پریوں اور براق کی تصویریں بھی شاید روضۂ مبارک میں ہوں گی، امام عالی مقام کی طرف اپنی ہوسات مخترعہ کی نسبت امام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی توہین ہے، کیا توہین امام قابل تعظیم ہے؟ کعبہ معظّمہ میں زمانۂ جاہلیت میں مشرکین نے سیدنا ابراہیم وسیدنا اسماعیل علیہما الصلوٰۃ والسلام کی تصویریں بنائیں اور ہاتھ میں پانسے دیئے تھے، جن پر لعنت فرمائی اور ان تصویروں کو محو فرمادیا، یہ تو انبیاء عظام کی طرف نسبت تھی، کیا اس سے وہ ملعون پانسے معظم ہوگئے یا تصویریں قابل ابقاء، اور اسے ضروری کہنا تو اور سخت افترائے اخبث ہے، وہ بھی کس پر شرع مطہر پر۔ ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ لَا يُفْلِحُوْنَ﴾

اور اس کے منکر کو یزید کہنا رفض پلید ہے، تعزیہ میں کسی قسم کی امداد جائز نہیں۔ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ﴾ (فتاویٰ رضویہ ۱۰/۱۷۴، بحوالہ: امام احمد رضا خان اور ردِ بدعات ومنکرات ۲۵۵)

مفتی اعظم بریلی کا فتویٰ

(۴) بریلوی فرقہ کے مشہور عالم اور مفتی اعظم جناب مولانا مفتی امجد علی صاحب اپنی مشہور زمانہ کتاب ''بہارِ شریعت'' میں لکھتے ہیں کہ:

''تعزیہ داری کہ واقعاتِ کربلا کے سلسلہ میں طرح طرح کے ڈھانچے بناتے اور ان کو حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے روضۂ پاک کی شبیہ کہتے ہیں۔ کہیں تخت بنائے جاتے ہیں، کہیں ضریح بنتی ہے، اور علم وشدے نکالے جاتے ہیں، ڈھول تاشے اور قسم قسم کے باجے بجائے جاتے ہیں، تعزیوں کا بہت دھوم دھام سے گشت ہوتا ہے، آگے پیچھے ہونے میں جاہلیت کے سے جھگڑے ہوتے ہیں، کبھی درخت کی شاخیں کاٹی جاتی ہیں، کہیں چبوترے کھدوائے جاتے ہیں، وہاں جوتے پہن کر جانے کو گناہ جانتے ہیں؛ بلکہ اس شدت سے منع کرتے ہیں کہ گناہ پر بھی ایسی ممانعت نہیں کرتے، چھتری لگانے کو بہت برا جانتے ہیں، تعزیوں کے اندر دو مصنوعی قبریں بناتے ہیں، ایک پر سبز غلاف اور دوسری پر سرخ غلاف ڈالتے ہیں، سبز غلاف والی کو حضرت سیدنا امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قبر اور سرخ غلاف والی کو حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قبر یا شبیہ قبر بتاتے ہیں، اور ہاں شربت وغیرہ پر فاتحہ دلواتے ہیں، یہ تصور کرکے کہ حضرت امام عالی مقام کے روضہ اور مواجہہ اقدس میں فاتحہ دلا رہے ہیں، پھر یہ تعزیے دسویں تاریخ کو مصنوعی کربلا میں لے جاکر دفن کرتے ہیں، گویا یہ جنازہ تھا جسے دفن کر آئے، پھر تیجہ، دسواں اور چالیسواں سب کچھ کیا جاتا ہے، اور ہر ایک خرافات پر مشتمل ہوتا ہے۔

حضرت قاسم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مہندی نکالتے ہیں، گویا ان کی شادی ہو رہی ہے، اور مہندی رچائی جائے گی، اور اسی تعزیہ داری کے سلسلہ میں کوئی پیک بنتا ہے جس کی کمر سے گھنگھرو بندھے ہوتے ہیں، گویا یہ حضرت امام عالی مقام کا قاصد اور ہرکارہ ہے، جو یہاں سے خط لے کر ابن زیاد یا یزید کے پاس جائے گا، اور وہ ہرکاروں کی طرح بھاگا پھرتا ہے۔

کسی بچہ کو فقیر بنایا جاتا ہے، اس کے گلے میں جھولی ڈالتے اور گھر گھر اس سے بھیک

منگواتے ہیں، کوئی سقہ بنوایا جاتا ہے، چھوٹی سی مشک اس کے کندھے سے لٹکتی ہے، گویا یہ دریائے فرات سے پانی بھر کر لائے گا، کسی عَلَم پر مشک لٹکتی ہے اور اس میں تیر لگا ہوتا ہے، گویا یہ حضرت عباس علم بردار ہیں کہ فرات سے پانی لا رہے ہیں، اور یزیدیوں نے مشک کو تیر سے چھید دیا ہے، اسی قسم کی بہت سی باتیں کی جاتی ہیں، یہ سب لغو وخرافات ہیں، ان سے ہرگز حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ خوش نہیں۔

یہ تم خود غور کرو کہ انھوں نے احیاء دین وسنت کے لئے یہ زبردست قربانیاں کیں اور تم نے معاذ اللہ اس کو بدعات کا ذریعہ بنایا۔

بعض جگہ اسی تعزیہ داری کے سلسلہ میں براق بنایا جاتا ہے، جو عجیب قسم کا ہوتا ہے کہ کچھ حصہ انسانی شکل کا ہوتا ہے اور کچھ حصہ جانور کا سا، شاید یہ حضرت امام عالی مقام کی سواری کے لئے ایک جانور ہوگا، کہیں دُلدل بنتا ہے، کہیں بڑی بڑی قبریں بنتی ہیں۔

بعض جگہ آدمی ریچھ، بندر، لنگور بنتے ہیں اور کودتے پھرتے ہیں، جن کو اسلام تو اسلام انسانی تہذیب بھی جائز نہیں رکھتی، ایسی بری حرکت اسلام ہرگز جائز نہیں رکھتا۔ افسوس کہ محبتِ اہلِ بیتِ کرام کا دعویٰ اور ایسی بے جا حرکتیں، یہ واقعہ تمہارے لئے نصیحت تھا اور تم نے اس کو کھیل تماشہ بنالیا۔

اسی سلسلہ میں نوحہ وماتم بھی ہوتا ہے اور سینہ کوبی ہوتی ہے، اتنے زور زور سے سینہ کوٹتے ہیں کہ ورم ہو جاتا ہے، سینہ سرخ ہو جاتا ہے؛ بلکہ بعض جگہ زنجیروں اور چھریوں سے ماتم کرتے ہیں کہ سینہ سے خون بہنے لگتا ہے، تعزیوں کے پاس مرثیہ پڑھا جاتا ہے، اور تعزیہ جب گشت کو نکلتا ہے اس وقت بھی اس کے آگے مرثیہ پڑھا جاتا ہے، مرثیے میں غلط واقعات نظم کئے جاتے ہیں، اہل بیت کرام کی بے حرمتی اور بے صبری اور جزع فزع کا ذکر کیا جاتا ہے، اور چوں کہ اکثر مرثیہ رافضیوں ہی کے ہیں، بعض میں تبرا بھی ہوتا ہے۔

مگر اس رَو میں سنی بھی اسے بے تکلف پڑھ جاتے ہیں، اور انہیں اس کا خیال بھی نہیں ہوتا کہ کیا پڑھ رہے ہیں، یہ سب ناجائز اور گناہ کے کام ہیں"۔ (بہار شریعت ۱۶/ ۲۴۷-۲۴۸)

گـــذارش:- تمام ہی تعزیہ بنانے اور اٹھانے والوں کو اپنے علماء کی مذکورہ بالا عبارات ضرور پڑھنی چاہئیں، دیکھئے کتنی شدت کے ساتھ انہوں نے ان جاہلانہ اور کفریہ رسومات پر نکیر کی ہے، اور زمانۂ حاضر کے علماء کو بھی چاہئے کہ وہ ان تحریروں کو عوام کے سامنے لاکر انہیں بدعات وخرافات سے روکنے میں اپنا منصبی فرض انجام دیں؛ تاکہ آخرت میں سرخ روئی نصیب ہو سکے، بلاشبہ اس دور میں حق بات کہنا بہت بڑے اجر وثواب کی بات ہے۔ اللہ تعالیٰ پوری امت کو بدعات وخرافات اور جاہلانہ رسومات سے محفوظ رکھیں، آمین۔

نوٹ:- اس موضوع پر محدث جلیل، امیر الہند حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اعظمی نور اللہ مرقدہٗ نے ''ابطالِ عزاداری'' کے نام سے ایک رسالہ مرتب فرمایا ہے، جو اپنے موضوع پر بہت جامع اور مفید ہے۔ شائقین حضرات اس رسالہ کو 'مرکز تحقیقات وخدماتِ علمیہ، مرقاۃ العلوم پوسٹ بکس ارمئو ناتھ بھنجن یوپی'' سے حاصل کر کے اپنی معلومات میں اضافہ فرما سکتے ہیں۔

نیز اس مضمون کی تیاری میں کتب شیعہ سے تعزیہ ونوحہ کے متعلق حوالہ جات مہیا کرانے میں نبیرۂ امام اہل سنت، مکرم ومحترم، مخدوم گرامی حضرت مولانا عبد العلیم صاحب فاروقی لکھنوی مدظلہ مہتمم دار المبلغین پاٹانالہ لکھنؤ نے خصوصی توجہ فرمائی، ہم اس کرم فرمائی پر بہت مشکور ہیں۔ (مرتب)

❍❖❍

گیارہویں فصل:

مروجہ بدعات کی دوسری قسم

گذشتہ صفحات میں ان بدعات کا ذکر آیا ہے جن کی تردید صراحۃً نصوص میں موجود ہے؛ لیکن ان کے علاوہ بہت سی بدعات ایسی ہیں جو اُصول کی بنیاد پر بدعات قرار دی گئی ہیں، اور یہ اُصول بھی قرآن وسنت اور آثارِ صحابہ سے ماخوذ ہیں، اور شریعت سے الگ نہیں ہیں، ان کی روشنی میں مروجہ اَعمال کو پرکھا جاتا ہے اور حکم لگایا جاتا ہے۔

(ا) ان میں سے ایک اہم اصول یہ ہے کہ: ’’جس چیز کی تخصیص وقت یا تاریخ کے اعتبار سے ثابت نہ ہو اس کی اپنی جانب سے تخصیص کرنا اور تخصیص کو ضروری اور موجبِ ثواب سمجھنا ممنوع ہے‘‘۔ جیسا کہ نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جمعہ کے دن اور رات کو عبادت کے لئے خاص کرنے سے منع فرمایا۔ آپ کا ارشاد ہے :

لَا تَخْتَصُّوْا لَيْلَةَ الْجُمُعَةِ بِقِيَامٍ بَيْنَ اللَّيَالِيْ وَلَا تَخْتَصُّوْا يَوْمَ الْجُمُعَةِ بِصِيَامٍ مِنْ بَيْنَ الْأَيَّامِ إِلَّا أَنْ يَكُوْنَ فِيْ صَوْمٍ يَصُوْمُهُ أَحَدُكُمْ. (مسلم شریف ۳۶۱/۱ رقم: ۱۱۳۳، بحوالہ: راہِ سنت ۱۱۸)

جمعہ کی رات کو دیگر راتوں کے درمیان عبادت کے لئے خاص نہ کرو اور جمعہ کا دن دیگر ایام کے درمیان روزہ کے لئے مخصوص نہ کرو، الا یہ کہ جمعہ کا دن تمہارے معمول کے روزوں کے درمیان آجائے (مثلاً ایامِ بیض میں جمعہ آجائے یا یوم عاشورہ یا یومِ عرفہ جمعہ کا پڑ جائے)

اب دیکھئے کہ اگرچہ جمعہ کا دن اپنی جگہ فضیلت رکھتا ہے؛ لیکن اس دن کو عبادت کے لئے

خاص کرنا یعنی دیگر ایام کو چھوڑ کر اسی دن کو مخصوص کر لینا اور اس کو مزید فضیلت کا باعث جاننا ایسی تخصیص ہے جو بے دلیل اور ممنوع ہے، اور ظاہر ہے کہ جب جمعہ کی تخصیص ممنوع ہوگی تو اسی سے استدلال کرتے ہوئے دیگر اعمال کا حکم بھی مستنبط کیا جائے گا۔

(۲) ایک دوسرا اصول یہ بھی ہے کہ: ''جو چیزیں فی نفسہ مباح ہیں؛ لیکن شریعت کی طرف سے ان کے بارے میں نہ تو کوئی ہیئت متعین ہے اور نہ کوئی خاص وقت، تو ان مباح یا مستحب اعمال کو کسی خاص ہیئت کے ساتھ مخصوص کر دینا اور اسے ضروری سمجھنا اور ثواب میں اضافہ کا سبب سمجھنا، یہ بھی ممنوع ہے''۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ صحابی رسول حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک مرتبہ مسجد میں تشریف لائے، تو آپ نے دیکھا کہ وہاں ذکر کرنے والوں کی ایک جماعت اس طرح ذکر کر رہی ہے کہ ایک شخص زور سے کہتا ہے کہ ''سو مرتبہ اللہ اکبر پڑھو'' تو سب لوگ (آواز ملا کر) کنکریوں پر تکبیر پڑھنا شروع کر دیتے ہیں، پھر وہ کہتا ہے کہ ''سو مرتبہ لا الٰہ الا اللہ پڑھو'' تو لوگ ''لا الٰہ الا اللہ'' پڑھنے لگتے ہیں، اسی طرح ''سبحان اللہ'' بھی پڑھ رہے ہیں، تو سیدنا حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے ان پر سخت نکیر فرمائی اور ان کے درمیان جا کر ارشاد فرمایا:

فَوَاللّٰـهِ الَّـذِيْ لَا إِلٰـهَ غَيْرُهُ لَقَدْ جِـئْتُـمْ بِبِدْعَةٍ ظَلْمَاءَ أَوْ لَقَدْ فُقْتُمْ عَـلٰـى أَصْحَابِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَـلَيْهِ وَسَلَّمَ. (مجالس الابرار ۱۳۳، بحوالہ راہ سنت ۱۲۳، مؤلفہ: مولانا سرفراز صفدرؒ)

قسم ہے اللہ کی جس کے علاوہ کوئی عبادت کے لائق نہیں، تم سب ایک اندھیری بدعت کے مرتکب ہو رہے ہو یا پھر حضور اکرم ﷺ کے صحابہؓ سے بھی زیادہ فوقیت رکھنے کے مدعی ہو (یعنی جس کام کو صحابہؓ نے اچھا نہیں سمجھا وہ تمہارے اچھا سمجھنے سے کیسے اچھا ہو سکتا ہے؟)

نیز یہ بھی منقول ہے کہ ایک مرتبہ سیدنا حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایسی جماعت کو مسجد سے نکلوا دیا جو سب مل کر بیک آواز کلمہ طیبہ اور دُرود شریف جہراً پڑھ رہے تھے۔ فتاویٰ شامی میں ہے:

عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ أَنَّهُ أَخْرَجَ جَمَاعَةً مِنَ الْمَسْجِدِ يُهَلِّلُوْنَ وَيُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَهْراً وَقَالَ لَهُمْ مَا أَرَاكُمْ إِلَّا مُبْتَدِعِيْنَ.

(شامي ۲/ ۳۵۰، راه سنت ۱۲۷/ ۱)

سیدنا حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ انہوں نے ایک جماعت کو مسجد سے نکلوا دیا جو مسجد میں بلند آواز سے لا الٰہ الا اللہ اور درود شریف پڑھ رہے تھے، اور پھر حضرت (عبداللہ بن مسعودؓ) نے ان لوگوں سے فرمایا کہ: ''میں تم سب کو بدعتی سمجھتا ہوں''۔

اب دیکھئے کہ فی نفسہٖ کلمۂ طیبہ یا درود شریف پڑھنا گو کہ منع نہیں؛ لیکن جب اسے کسی ہیئت کے ساتھ مخصوص کرلیا جائے گا اور اسے ضروری سمجھا جائے گا، تو یہی بات بدعت بن جائے گی، جس کا واضح ثبوت مذکورہ روایت ہے۔ نیز حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ بھی منقول ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:

لَا يَجْعَلَنَّ أَحَدُكُمْ لِلشَّيْطَانِ مِنْ نَفْسِهٖ جُزْءاً لَا يَرىٰ أَنَّ حَقاً عَلَيْهِ لَا يَنْصَرِفُ إِلَّا عَنْ يَمِيْنِهٖ أَكْثَرَ مَا رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَنْصَرِفُ عَنْ شِمَالِهٖ. (رواه البخاري ۱۱۸/۱ رقم: ۸۵۲، مسلم شريف ۲٤۷/۱ رقم: ۷۰۷)

تم میں سے کوئی شخص اپنی نماز میں شیطان کا حصہ نہ رکھے یعنی یہ ضروری نہ سمجھے کہ وہ نماز کے بعد صرف دائیں طرف ہی رخ کرے گا؛ کیوں کہ میں نے اکثر پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بائیں طرف رخ کرتے ہوئے بھی دیکھا ہے۔

مطلب یہ ہے کہ نماز باجماعت کے بعد امام کسی جانب بھی رخ کرکے بیٹھ سکتا ہے؛ لیکن کسی ایک جانب کو ضروری سمجھنا بدعت ہوگا۔ (نووی علی مسلم ۱/۲۴۷)

یہ روایت غیر لازم باتوں کو لازم کرلینے کی ممانعت پر ایک مستقل اصول کی حیثیت رکھتی ہے، جس کو ہر موقع پر پیشِ نظر رکھنے کی ضرورت ہے۔

(۳) ایک تیسرا اصول یہ بھی ہے کہ: ''شریعت سے ثابت شدہ اعمال کی حیثیت من مانے

طور پر بلا دلیل بدل دینا بھی دین میں تحریف اور بدعت ہے"۔اس کی تفصیل یہ ہے کہ شریعت میں جانب اثبات میں پانچ حکم ثابت ہوتے ہیں: (۱) فرض (۲) واجب (۳) سنت (۴) مستحب (۵) مباح۔

اب ان پانچوں کو اپنی اپنی جگہ رکھنا لازم ہے، جو فرض ہے اس کی فرضیت بلا دلیل ساقط نہیں کی جاسکتی، اسی طرح واجب یا سنت کی حیثیت بدلی نہیں جاسکتی، بعینہ اسی طرح مستحب اور مباح حکم کو بھی بلا دلیل بدلا نہیں جاسکتا۔اب اگر کوئی عمل محض مباح یا مستحب ہوا گر اس کو واجب یا فرض کا درجہ دے دیا جائے گا کہ اس پر عمل نہ کرنے والے پر نکیر ہونے لگے گی تو یقیناً یہ عمل بدعت قرار پائے گا،اور حدیث: ''مَنْ أَحْدَثَ فِي أَمْرِنَا هٰذَا مَا لَيْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ". (مشکوٰۃ شریف) (یعنی جس من گھڑت عمل پر دین کا لیبل لگا دیا جائے وہ مردود ہے) کا مصداق بن جائے گا۔ چناں چہ مشہور محدث علامہ محمد طاہر پٹنی مجمع البحار میں فرماتے ہیں:

مَنْ أَصَرَّ عَلٰى عَمَلٍ مَنْدُوبٍ	جو شخص کسی امر مستحب پر اصرار کرے اور اسے
وَجَعَلَ عَزْماً وَلَمْ يَعْمَلْ بِالرُّخْصَةِ	واجب قرار دے اور رخصت وگنجائش کو چھوڑ دے،
فَقَدْ أَصَابَ مِنْهُ الشَّيْطَانُ مِنَ	تو یقیناً شیطان اسے گمراہی کی راہ پر ڈال دے گا،
الإِضْلَالِ فَكَيْفَ مَنْ أَصَرَّ عَلٰى	تو جو شخص کسی بدعت یا گناہ کے کام پر ضد کرے
بِدْعَةٍ أَوْ مُنْكَرٍ. (مجمع البحار ١٤٤،	اور اَڑیل رویہ اپنائے تو اس کا کیا حال ہوگا؟

بحواله راه سنت ١٥٦)

درج بالا اصولِ ثلاثہ کی روشنی میں مروجہ بدعات کا جب جائزہ لیا جاتا ہے تو پتہ چلتا ہے کہ آج اہل بدعت میں جو اعمال جاری ہیں،اور جن کو انہوں نے اپنے مسلک کا امتیاز بنا رکھا ہے، وہ سب اسی طرح کی بدعات کی قبیل سے ہیں کہ ان کی جزئیات الگ الگ گو کہ مباح یا مستحب ہوں؛ لیکن خاص ہیئت کے التزام کی بنیاد پر وہ بدعتِ شنیعہ میں تبدیل ہو چکی ہیں جن کے مفاسد نا قابل بیان ہیں،ان میں سے چند نمایاں چیزوں کی طرف ذیل میں اشارات کئے جا رہے ہیں:

اولیاءاللہ کے مزارات پر عرس کرنا

دورِحاضر کی من جملہ بدعات میں سے ایک بدعت اولیاءاللہ کے مزارات پر عرس کی ہے، عرس کے نام پر جوخرافات ومنکرات مزارات اور درگاہوں پر رائج ہیں، اُن کا دین اِسلام سے کوئی تعلق نہیں ہے؛ بلکہ یہ سب باتیں اِسلام کی شبیہ کو بگاڑنے والی ہیں۔ مسندالہند حضرت امام شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ فرماتے ہیں:

وَمِنْ أَعْظَمِ الْبِدَعِ مَا اخْتَرَعُوْا فِيْ أَمْرِ الْقُبُوْرِ وَاتَّخَذُوْهَا عِيْداً.

(تفهيماتِ الٰهيات ٢/ ٦٤)

اورعظیم بدعات میں سے وہ ہیں جوان بدعتیوں نے قبروں کے معاملہ میں اپنا رکھی ہیں اورانہوں نے قبروں کوخوشی اور میلے ٹھیلے کا مقام بنالیا ہے۔

اورحضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے فتاویٰ میں ہے:

سوال: برائے زیارتِ قبورروزِمعین نمودن یا روزعرسِ ایشاں کہ معین است رفتن درست است یانہ؟

سوال: قبر پر حاضری کے لئے کسی دن کو متعین کرنا، یا عرس والے متعین دن پر اس قبر پر جانا درست ہے یا نہیں؟

جواب: برائے زیارتِ قبورروزمعین نمودن بدعت است واصل زیارت جائز وتعین وقت درسلف نبود وایں بدعت ازاں قبیل است کہ اصلش جائزاست وخصوصیت بدعت مانند مصافحہ بعد العصر کہ درملک توران رائج است وروز عرس برائے یاد دہانیدن وقت دعا برائے میت اگر باشد مضائقہ ندارد؛ لیکن التزام آں نیز بدعت است از ہما

جواب: قبر کی زیارت کے لئے کسی دن کا متعین کرنا بدعت ہے، بات یہ ہے کہ اصالۃً قبر کی زیارت (گوکہ) جائز ہے (مگر) وقت کی تعیین سلف سے ثابت نہیں اور یہ بدعت اسی قبیل سے ہے کہ اس کی اصل جائز ہے مگر تخصیص بدعت ہے، جیسا کہ عصر کے بعد کا مصافحہ جوملک توران میں رائج ہے (کہ مصافحہ فی نفسہٖ درست ہے مگرعصر بعد کی تخصیص بدعت ہے) اور میت کے ایصالِ ثواب کی یاددہانی کے لئے عرس کا دن

قبیل کہ گذشت۔ (فتاویٰ عزیز ۱/۸۹، بحوالہ راہِ سنت ۲۷۱)

مقرر کرنے میں مضائقہ نہیں تھا؛ لیکن اس کا التزام (جو آج کل رائج ہے) وہ بھی بدعت ہے اور اسی قبیل سے ہے جس کا اوپر ذکر ہوا۔

اور مفسرِ کبیر حضرت مولانا قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی رحمہ اللہ تفسیر مظہری میں تحریر فرماتے ہیں:

لَا یَجُوْزُ مَا یَفْعَلُهُ الْجُهَّالُ بِقُبُوْرِ الْأَوْلِیَاءِ وَالشُّهَدَاءِ مِنَ السُّجُوْدِ وَالطَّوَافِ حَوْلَهٗ وَاتِّخَاذُ السُّرُجِ وَالْمَسَاجِدِ إِلَیْهَا وَمِنَ الْاِجْتِمَاعِ بَعْدَ الْحَوْلِ کَالْأَعْیَادِ وَیُسَمُّوْنَهٗ عُرُساً. (تفسير مظهري ٦٥/٢)

اور جاہل لوگ جو اولیاء اللہ اور شہداء اسلام کے مزارات پر حرکتیں کرتے ہیں، مثلاً قبروں کا سجدہ کرنا یا ان کے اِردگرد چکر لگانا، اور ان پر چراغ وغیرہ جلانا اور سال میں وہاں عید کی طرح اجتماع کرنا - جسے وہ عرس کا نام دیتے ہیں - یہ سب باتیں ناجائز ہیں۔

واضح ہو کہ متبعین سنت علماء اہل سنت والجماعت کے علاوہ بعض انصاف پسند علماء اہل بدعت نے بھی کھلے طور پر عرس و برسی کی ممانعت فرمائی ہے، چناں چہ حضرت شاہ حمزہ صاحب مارہروی (جو جناب مولانا احمد رضا خان صاحب بریلوی کے پیرانِ پیر اور مشہور خانقاہ مارہرہ شریف کے سربراہ تھے) نے وصیت کی تھی کہ: ’’فاتحہ برسی بالکل نہ کریں کہ حکم اسی طرح سے ہے‘‘۔ (انوار العارفین ۴۶۹ بحوالہ: راہِ سنت ۲۷۴)

درج بالا تفصیلات سے معلوم ہوگیا کہ وقت کی تعیین کے ساتھ عرس مطلقاً منع ہے، خواہ اس کے ساتھ کوئی اور منکر شامل نہ ہو اور موجودہ دور میں جس اجتماع کو عرس کہا جاتا ہے، وہ صرف اجتماع محض نہیں ہوتا؛ بلکہ وہ منکرات وفواحش کا بدترین میلہ ہوتا ہے، وہاں میوزک پر قوالیاں گائی جاتی ہیں (جو بجائے خود قابل لعنت عمل ہے، خود علامہ احمد رضا خان نے بھی ایسے عرس کرنے والوں پر لعنت فرمائی ہے) نیز بعض عرسوں میں نوٹنکی اور طوائف کے ناچ کا اہتمام ہوتا ہے اور کہیں کہیں

باقاعدہ سرکس لگایا جاتا ہے، اور حیاباختہ نوجوان لڑکے لڑکیوں کا ہنگامہ خیز ہجوم ہوتا ہے، اور شریعت کے احکام کی برملا دھجیاں اڑائی جاتی ہیں اور اس کے باوجود اس عمل کو کارِثواب؛ بلکہ مسلمان ہونے کی سند سمجھا جاتا ہے، نعوذ باللہ منہ۔

آج اس بات کی شدید ضرورت ہے کہ امت کے گمراہ افراد کو صحیح دین کی طرف واپس لایا جائے اور جاہلانہ خرافات ورسومات سے بچنے کی تلقین کی جائے، بالخصوص جس طبقہ کے لوگ اس برائی میں زیادہ شریک ہیں اس طبقہ کے علماء پر یہ ذمہ داری اور زیادہ عائد ہوتی ہے کہ وہ اپنے عوام کو بدعات سے بچانے کی کوشش کریں؛ تاکہ انہیں میدانِ محشر میں سرورِ کائنات، فخرِ موجودات حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے روبرو رسوانہ ہونا پڑے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو ہدایت پر استقامت عطا فرمائیں، آمین۔

❍❖❍

بارہویں فصل:

میلاد کے نام پر بدعات

سرورِ عالم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت کا ذکر مبارک یقیناً ہر مسلمان کے لئے انتہائی بابرکت ہے، اور ولادت ہی کیا، پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زندگی کا ہر ہر ورق اس قابل ہے کہ اسے یاد رکھا جائے، اور بار بار اس کا مذاکرہ کیا جائے، اس میں نہ تو کسی مسلمان کو انکار رہا ہے اور نہ ہو سکتا ہے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ کیا اس کے لئے کوئی ایسی تخصیص کی جا سکتی ہے جس کا ثبوت خود رسولِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یا آپ کے سچے عشاق و جانثار وفدایان؛ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے نہ ہو؟ تو اس بارے میں علماء اہل سنت والجماعت کا موقف یہ ہے کہ اس طرح کی تخصیص اپنی طرف سے جائز نہیں ہے، پورا ذخیرۂ احادیث وآثار صحابہ، وآثار تابعین وتبع تابعین ہمارے سامنے موجود ہے، سینکڑوں جلدوں میں ان حضرات کے اقوال وافعال علماء نے جمع کئے ہیں؛ لیکن ان میں کہیں بھی میلاد کے نام پر کسی مجلس کا پتہ نہیں چلتا، ایسا نہیں ہے کہ یہ حضرات عشاقِ رسول نہ ہوں؟ یا ان کی مجلسوں میں پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ذکر نہ ہوتا ہو، ہرگز نہیں؛ بلکہ وہ تو سچے فدائین رسول ﷺ تھے، ان کی کوئی مجلس اپنے محبوب پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے پرنور تذکرے سے خالی نہ ہوتی تھی، مگر انہوں نے خاص میلاد کے نام پر کوئی مجلس نہیں سجائی، اس لئے کہ وہ جانتے تھے کہ جس بات کا حکم صراحتاً یا دلالتاً دورِ نبوت یا دورِ صحابہ رضی اللہ عنہم سے ثابت نہ ہو، اس پر دین کا لیبل نہیں لگایا جا سکتا، اور اسے ضروری نہیں سمجھا جا سکتا، اسلامی تاریخ اس کی گواہ ہے کہ اسلام کی ابتدائی چھ صدیوں میں مجلس میلاد کا کوئی وجود نہ تھا؛ تا آں کہ ایک فضول خرچ بادشاہ مظفر الدین کوکری اربل نے ۶۰۴ھ میں شہر موصل میں ایک عالم نما شخص ''عمر بن دحیہ ابوالخطاب'' (المتوفی ۶۳۳ھ) کی تائید سے میلاد کے نام پر جشن منانے کا آغاز کیا۔ (راہِ سنت ۱۶۲ وغیرہ)

اسی وقت سے معتبر علماء اس نو ایجاد عمل پر سخت نکیر کرتے رہے، چناں چہ مشہور عالم علامہ ابن الفا کہانیؒ اور علامہ ابن امیر حاج المالکیؒ نے اپنے رسائل میں اس بدعت کے متعلق تفصیلی تبصرہ فرماتے ہوئے اسے مختلف وجوہ سے ناجائز قرار دیا ہے۔

لیکن افسوس ہے کہ بعض علماء اور سادہ لوح قسم کے صوفیاء اور مشائخ کے ذریعہ یہ بدعت پھیلتی رہی اور ہندو پاک میں تو یہ صورتِ حال ہوئی کہ اسے ہر اہم کام کے ساتھ ضروری سمجھا جانے لگا، شادی ہو تو میلاد، غمی ہو تو میلاد، عقیقہ ہو تو میلاد، دوکان کا آغاز ہو تو میلاد اور پھر میلاد پر کتابچے چھاپ دئے گئے، جن میں ایسی بے سند باتیں لکھی گئیں جن کے من گھڑت ہونے میں کوئی شبہ نہیں، نیز ایسے اشعار بنائے گئے جن میں شرک کے ساتھ ساتھ نعوذ باللہ پیغمبر علیہ السلام کی شان میں بے ادبی کا شائبہ ہوتا ہے۔ اس لئے اکابر علماء و مفتیان نے ایسی مجالس کے ممنوع ہونے کا فتویٰ دیا ہے، اور یہ فتویٰ اس لئے نہ تھا کہ نعوذ باللہ ان کی نظر میں سرور عالم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر مبارک ناگوار ہے، ہرگز نہیں، ان کی تو پوری زندگی محبتِ رسول میں ڈوبی ہوئی، سنت کے نور سے معمور اور سیرت مقدسہ کے رنگ میں رنگی ہوئی تھی؛ بلکہ یہ ممانعت کا فتویٰ ان بدعات و منکرات کی بنا پر تھا جو ان مجالس کے ساتھ لازم قرار دے دی گئی ہیں، ورنہ کوئی بھی مسلمان نفس ذکر ولادت کو ہرگز برا نہیں سمجھ سکتا، چناں چہ قطب العالم، امام ربانی حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی نور اللہ مرقدہٗ کا واضح فتویٰ درج ذیل ہے:

> ''جیسا ذکر تمام سیر واحوال فخر عالم علیہ السلام کا مستحسن ہے، ایسا ہی ذکر ولادت آپ کا ذکر خیر ہے، مگر جب کوئی امر مکروہ وبدعت اس کے ساتھ منضم ہو جاتا ہے تو وہ محفل وبیان، بسبب انضمام امر مکروہ وبدعت بن جاتی ہے، مثل نماز کہ عمدہ عبادت اور افضل اطاعت ہے، اگر اس کو وقت مکروہ یا زمین غصب میں کوئی پڑھے تو اس مصلّی پر شرع کی طرف سے زجر وارد ہوتی ہے، اور وہ نماز حرام ومکروہ ہو جاتی ہے، نہ بوجہ صلوٰۃ؛ بلکہ بوجہ انضمام اس امر غیر مشروع کے، علیٰ ہٰذا حال ذکر مولود ہے کہ اگر اس کو بروایاتِ صحیحہ بیان کریں اور کوئی امر امور ممنوعہ غیر مشروعہ سے وہاں موجود نہ ہو تو

جائز ہے، مگر مولود بہیئت مروجہ فی زماننا ہٰذا بدعت وحرام ہے"۔(باقیاتِ فتاویٰ رشیدیہ ۷۵، جامع: مولانا نور الحسن راشد کاندھلوی)

اس کے بعد حضرتؒ نے وہ وجوہات ذکر فرمائی ہیں جن کی بنا پر ایسی مجلسوں میں شرکت سے منع کیا جاتا ہے، مثلاً بے سند مضامین واشعار پڑھنا، اگر بتی اور چراغ اور شیرینی وغیرہ کو ضروری سمجھنا، اسی طرح فساق وفجار کا جمع ہونا وغیرہ، الغرض ہر مسلمان کو ایسی بدعات سے اپنے کو بچانا لازم ہے، یہی محبتِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا عین تقاضا ہے۔

مجلسِ میلاد میں قیام

مجلسِ میلاد کے ساتھ اخیر میں سلام پڑھتے ہوئے قیام کو ایسا ضروری سمجھا جاتا ہے کہ اگر کوئی شخص ان کا ساتھ نہ دے تو پھر اس کی خیر نہیں ہوتی، بریں بنا یہ قیام مستقل الگ بدعت ہے، اور موجودہ دور میں اہل بدعت کا عظیم شعار ہے۔ اس قیام کے بارے میں چار احتمالات ہو سکتے ہیں:

(۱) پہلا احتمال یہ ہے کہ اس مجلس میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بنفس نفیس تشریف لاتے ہوں، جیسا کہ کثرت سے ان مجالس والوں کا عقیدہ ہے، تو یہ عقیدہ قطعاً بے دلیل ہے۔ قرآنِ کریم، احادیثِ شریفہ، اصولِ فقہ یا علم کلام کہیں سے ثابت نہیں، اور اس مجلس کے حاضرین کو اپنی آنکھوں سے زیارتِ نبوی کا شرف حاصل ہوتا نہیں، پھر بھی قیام کو ضروری سمجھنا کیسے درست ہوسکتا ہے؟ اور اگر محض تصور پر کھڑے ہونے کی بات ہے تو صرف سلام کے وقت ہی کیوں کھڑے ہوتے ہیں؛ بلکہ جب بھی اور جہاں بھی پیغمبر علیہ السلام کا تصور آئے، فوراً وہیں کھڑا ہوجانا چاہئے، حالاں کہ کوئی ایسا نہیں کرتا۔

(۲) دوسرا احتمال یہ ہے کہ ولادت شریفہ کی تعظیم کے لئے اس تصور سے قیام کیا جاتا ہو گویا ابھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادتِ شریفہ ہورہی ہے، اس سے پہلے نہ ہوئی تھی، تو یہ تصور کس قدر غلط ہے محتاجِ بیان نہیں؛ کیوں کہ ہر شخص جانتا ہے کہ ولادت ایک مرتبہ ہوتی ہے، بار بار نہیں ہوتی، اور نعوذ باللہ یہ تصور غیر قوموں کی کھلی ہوئی مشابہت ہے۔

(۳) تیسرا احتمال یہ ہے کہ جب بھی ولادتِ شریفہ کا ذکر ہو اس کی تعظیم کی خاطر قیام کیا جائے، تو ایسی صورت میں ہمیں دیکھنا پڑے گا کہ کیا خود پیغمبر علیہ السلام نے اپنی ولادتِ مبارکہ کے ذکر کے وقت قیام فرمایا ہے، یا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم یا تابعین یا محدثین وفقہاء کرام نے ایسی روایات کے بیان کے وقت قیام کیا ہے، جن میں پیغمبر علیہ السلام کی ولادتِ طیبہ کا ذکر ہے، ظاہر ہے کہ اس کا جواب نفی ہی میں ملے گا، تو پھر خاص میلاد کی مجلس ہی میں قیام کا کیا مطلب ہے؟

(۴) چوتھا احتمال یہ ہے کہ محض ذکر رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کو قیام کی وجہ قرار دیا جائے تو یہ بھی بے دلیل ہے، خلفاء راشدین اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کبھی بھی ذکر رسول کے وقت قیام کو ضروری نہیں سمجھا۔ محدثین نے بڑے بڑے مجامع کو حدیثیں املاء کرائیں، مگر کبھی بھی شاگردوں کو یہ نہیں کہا کہ ذکر رسولؐ ہو رہا ہے، سب کھڑے ہو کر لکھو، ایسا کہیں سے ثابت نہیں ہے، نیز یہ بھی ملحوظ رہے کہ اگر ذکر ہی قیام کی علت ہے تو ہونا یہ چاہئے کہ شروع مجلس ہی سے سب حاضرین ختم تک کھڑے ہی کھڑے رہیں، کبھی نہ بیٹھیں؛ کیوں کہ پوری مجلس میں ذکر رسولؐ ہی ہوتا ہے، عین سلام کے وقت کھڑے ہونے کا التزام کیوں ہے؟ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ مطبوعہ میرٹھ، حضرت فقیہ الامت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہیؒ ۴۱۵/۵-۴۲۳)

عیدِ میلاد النبی ﷺ

اسلام میں مذہبی اعتبار سے خوشی کے دن صرف دو ہیں:

(۱) عید الفطر: یعنی رمضان المبارک کے اختتام پر ماہِ شوال کی پہلی تاریخ۔

(۲) عید الاضحیٰ: یعنی ماہِ ذی الحجہ کی دسویں تاریخ، جس میں قربانی کی جاتی ہے۔

ان دو دنوں کے علاوہ کوئی دن اسلام میں مذہبی اعتبار سے خوشی کے لئے خاص نہیں کیا جا سکتا، اگر ایسا کیا جائے گا تو یہ دین میں صریح زیادتی ہوگی، جس کا دوسرا نام ''بدعت'' ہے۔

بے شک اس سے کسی مسلمان کو انکار نہیں ہوسکتا کہ سرورِ عالم، محسنِ انسانیت، فخرِ موجودات، شفیع المذنبین، سیدنا ومولانا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا دنیا میں جلوہ فرمانا انسانی دنیا کا

عظیم الشان واقعہ ہے، جسے ہر مسلمان کو ہر وقت یاد رکھنا چاہئے، اس کے لئے نہ کسی دن کی تخصیص ہے نہ کسی ہفتہ کی اور نہ کسی مہینہ کی۔ اوراسی کے ساتھ ساتھ سیرتِ طیبہ کے دیگر واقعات مثلاً: واقعۂ اسراء ومعراج، واقعۂ ہجرت، واقعۂ غزوۂ بدر، غزوۂ احد، غزوۂ خندق، صلح حدیبیہ اور فتح مکہ وغیرہ بھی اس لائق ہیں کہ ان کا مذاکرہ مسلسل مسلمانوں میں جاری رہنا چاہئے، محبتِ رسول کا تقاضا یہی ہے۔ ان سب کو چھوڑ کر سال کے صرف ایک دن کو ذکرِ ولادتِ رسولؐ کے لئے خاص کرلینا کسی بھی طرح مناسب نہیں ہے۔

اس کے علاوہ درج ذیل امور بھی قابلِ توجہ ہیں:

(۱) ۱۲؍ربیع الاول کو ولادت کی خوشی منانا اس اعتبار سے نہایت نامناسب ہے کہ بہت سے مؤرخین کے نزدیک بعینہٖ یہی تاریخ سرورِ عالم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کی بھی ہے، اسی لئے یہ دن کافی عرصہ تک ''عیدِ میلادالنبیؐ'' کے بجائے ''بارہ وفات'' کے نام سے موسوم تھا۔

تو غور کیا جائے جس دن ہمارے جان سے زیادہ عزیز اور محبوب پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دنیا سے پردہ فرمایا، جس سے زیادہ غم ناک واقعہ امت میں کبھی پیش نہیں آیا، اس الم ناک دن کو ہم عید اور خوشی کے نام سے تعبیر کریں، ہماری اسلامی غیرت اسے کیسے گوارہ کرسکتی ہے؟

(۲) اس نام نہاد عید پر جس طرح آرائش وزیبائش میں لاکھوں روپیہ خرچ کیا جاتا ہے، یہ محض اسراف وتبذیر اور فضول خرچی ہے۔ آج بڑے بڑے شہروں میں بازاروں میں جھالریں لگائی جاتی ہیں، لاکھوں روپیوں کی جھنڈیاں بنا کران سے محلوں کو سجایا جاتا ہے، جابجا بڑے بڑے گیٹ بنائے جاتے ہیں، اور آپس میں مقابلہ ہوتا ہے کہ کس نے گیٹ بنانے پر کتنا خرچ کیا؟ ذرا غور کیا جائے اس فضول خرچی کا کیا نتیجہ نکلا؟ اگر اس کے بجائے یہی رقم بلا کسی تخصیص وتعیین کے غریبوں پر صدقہ کرکے سرورِ عالم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں اس کا ثواب پیش کردیا جاتا تو کیا ہی اچھا ہوتا، اس سے امت کے غریبوں کا بھی فائدہ ہوتا اور اپنی آخرت بھی بنتی اور پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی توجہ بھی نصیب ہوتی، اسے چھوڑ کر کھیل تماشہ سے کوئی فائدہ حاصل ہونے والا نہیں ہے۔

افسوس کا مقام یہ ہے کہ ''عید میلاد النبی'' کے موقع پر بالکل اسی طرح چراغاں کیا جانے لگا، جیسے ہندو لوگ دیوالی میں اور عیسائی لوگ کرسمس میں کرتے ہیں۔ ایک مرتبہ احقر قریبی قصبہ میں گیا، بارہ ربیع الاول کی رات تھی، تو اس پورے قصبہ میں بالکل اسی طرح چراغ جلے ہوئے تھے، جیسے دیوالی میں جلائے جاتے ہیں، اور کوئی فرق ہی نہیں معلوم ہو رہا تھا کہ یہ ہندوؤں کا تیوہار ہے یا مسلمانوں کا؟ ذرا عقل سے سوچا جائے جب اسلام نے اصلی عیدوں میں چراغاں کا حکم نہیں دیا، تو عید میلاد میں چراغاں کی اجازت کیسے ہوسکتی ہے؟ اسلام اس فضول خرچی کو ہرگز گوارہ نہیں کرسکتا۔

(۴) پھر یہ بات بھی سوچنے کی ہے کہ اس موقع پر اپنے ہی ہاتھ سے روضۂ مبارکہ اور بیت اللہ شریف کی شبیہ بنائی جاتی ہے، اور پھر جاہل لوگ اس کی تعظیم اسی طرح کرنے لگتے ہیں جیسے نعوذ باللہ یہی اصل روضۂ اطہر ہو، اور اس کے ارد گرد مردوں عورتوں کا ہجوم ہوجاتا ہے، اور کہیں کہیں تو اس پر منتیں ماننے کا سلسلہ شروع ہوجاتا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ محض جہالت ہے اور اسی طرح کی بدعت ہے جیسے اہل تشیع تعزیہ بنا کر اس کی تعظیم کرتے ہیں۔ احقر کا ایک مرتبہ اس رات میں شہر کانپور جانا ہوا، دیکھا کہ نوجوان لڑکے لڑکیوں کے ٹولے کے ٹولے اِدھر سے اُدھر چلے جارہے ہیں، اور جابجا روضۂ اقدس علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے ماڈل بنے ہوئے ہیں، جن کی تعظیم کی جارہی ہے، ظاہر ہے کہ بارہ ربیع الاول گذرنے کے بعد یہ سارے گیٹ اور بنائے ہوئے ماڈل منہدم کرکے برابر سرابر کردئے جاتے ہیں، یہ دراصل شعائر اسلام کی توہین اور بے حرمتی ہے؛ لیکن بدعات کے جوش میں ان باتوں کی طرف قطعاً دھیان نہیں ہوتا۔

(۵) اسی طرح ''عید میلاد النبی'' کے نام پر جو جلوس نکالے جاتے ہیں ان میں دیگر خرابیوں کے ساتھ بلند آواز سے میوزک والی قوالیاں بھی ڈی جے کے ساتھ بجائی جاتی ہیں، حالاں کہ میوزک اور ڈھول تاشہ اسلام میں جائز نہیں، خود علامہ احمد رضا خاں صاحب بریلوی نے ایسی قوالیوں اور قوالوں پر اور ایسی قوالی کی مجلس پر سخت نکیر کی ہے۔ (امام احمد رضا اور رد بدعات ۴۶۴) لہٰذا جلوسِ میلاد میں ان قوالیوں کی اجازت کیسے دی جاسکتی ہے؟

لمحۂ فکریہ

آج جس طرح ۱۲؍ربیع الاول کو مسلم علاقوں میں سڑکوں پر شور شرابے اور بے ہنگم بھیڑ بھاڑ کے مناظر دکھائی دیتے ہیں، ان کے متعلق صرف اتنا عرض ہے کہ بالفرض اگر آج سرورِ عالم فداہ ابی وامی حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے درمیان تشریف لاکر بذاتِ خود اس ہنگامہ کا مشاہدہ فرمالیں تو کیا آپ کو خوشی ہوگی یا ناگواری؟ کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ نہیں سوچیں گے کہ میں نے امت کو جن کھیل تماشوں اور لغویات سے منع کیا تھا، آج میری امت میری ہی محبت کے عنوان سے میری ہدایات کو پامال کررہی ہے، اور اس سے آگے بڑھ کر ہمارا پختہ عقیدہ کہ سیدنا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے روضۂ اقدس میں اعلیٰ درجہ کی حیات کے ساتھ تشریف فرما ہیں، اور امت کی نیکیوں کی خبر سے آپ کو مسرت ہوتی ہے اور منکرات میں مبتلا ہونے کی خبر سے غم ہوتا ہے۔ (دیکھئے: انباء الاذکیاء للسیوطیؒ ۸ مع الحاوی للفتاویٰ ۲/۲۶۸ بحوالہ فتاویٰ محمودیہ ۳/۳۰۱)

تو ذرا سوچیں جس وقت ان بدعات اور تماشوں کے بارے میں آپ کو علم ہوتا ہوگا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کس قدر اذیت ہوتی ہوگی، اس کا اندازہ نہیں لگایا جاسکتا۔ اس لئے اگر ہمیں اپنے کو پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ناراضگی اور ناگواری سے بچنا ہے، تو محبتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے محض زبانی دعوے کافی نہ ہوں گے؛ بلکہ عملی طور پر سنت کی اتباع اور بدعات سے اجتناب کرنا ہوگا۔

پس رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت رکھنے والے ہر مسلمان کا یہ فریضہ ہے کہ وہ محض رسومات اور آباء واجداد کی روایات پر بھروسہ نہ کرے؛ بلکہ صحیح علم حاصل کرکے اپنی زندگی کو سدھارے، اور ہر قسم کی انفرادی اور اجتماعی بدعات سے بچ کر محبتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سچی نشانی پیش کرے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اور پوری امت کو کامل اتباعِ سنت کی دولت سے نوازیں اور بدعات سے محفوظ رکھیں، آمین۔

تیرہویں فصل:

موت کے بعد کی چند رسمیں اور بدعات

بہت سے علاقوں میں موت کے بعد جو رسمیں اور بدعات جاری ہیں، وہ بھی اکثر اسی قبیل کی ہیں کہ ان میں بلا دلیل اپنی طرف سے تخصیصات کر لی گئی ہیں، اور انہیں ایسا ضروری سمجھا جانے لگا ہے کہ جو ان کی موافقت نہ کرے اس پر لعن طعن کیا جاتا ہے، اسی تخصیص والتزام کا نام بدعت ہے، جس سے ہر مسلمان کو بچنا چاہئے۔ ذیل میں ایسی ہی چند باتوں کی طرف تنبیہ کی جارہی ہے:

(۱) مرنے کے بعد نامحرموں کو چہرہ دکھانا

اگر کسی کی موت ہوجاتی ہے تو محلّہ بھر کی عورتیں محرم نامحرم سب آ کر چہرہ دیکھنا ضروری سمجھتی ہیں، اور اس کا بڑا اہتمام ہوتا ہے، حالاں کہ نامحرم کو قصداً دیکھنا جیسے زندگی میں ناجائز ہے اسی طرح موت کے بعد بھی منع ہے۔ (اصلاح الرسوم ۱۰۲)

اور کبھی اس چہرہ دکھائی کے انتظار میں تدفین میں تاخیر کی نوبت بھی پیش آتی ہے جو شرعاً ناپسندیدہ ہے، اور ویسے بھی میت کا منہ دیکھنا شریعت میں کوئی اہم بات نہیں ہے، اسے کارِ ثواب سمجھنا درست نہیں۔ (اغلاط العوام ۲۱۰)

(۲) نماز جنازہ کے بعد اجتماعی دعا

شریعت میں نماز جنازہ بجائے خود دعا ہے، اس میں ذکر واذکار اور درود شریف کے ساتھ اصل میں میت کے لئے مغفرت کی دعا اور سفارش ہی ہوتی ہے؛ لہٰذا جنازہ کی نماز سے پہلے یا بعد میں باقاعدہ اجتماعی طور پر دعا کا اہتمام ممنوع ہے، اکثر فقہاء احناف اس اجتماعی دعا کو مکروہ قرار

دیتے ہیں۔محیط برہانی میں ہے:

وَلَا يَقُوْمُ الرَّجُلُ بِالدُّعَاءِ بَعْدَ صَلٰوةِ الْجَنَازَةِ؛ لِأَنَّ أَكْثَرَ صَلٰوةِ الْجَنَازَةِ إِنَّمَا هُوَ الدُّعَاءُ. (المحيط البرهاني ٣/١٠٩)

اور نماز جنازہ کے بعد کوئی شخص دعا کا اہتمام نہ کرے؛ کیوں کہ اکثر نماز جنازہ خود ہی دعا ہے۔

تقریباً اسی طرح کی ممانعت کی عبارتیں خلاصۃ الفتاویٰ ۱/۲۲۵، فتاویٰ سراجیہ ۲۳، فتاویٰ بزازیہ ۱/۲۸۳ اور البحر الرائق ۲/۱۸۳ وغیرہ میں بھی موجود ہیں، اور اس کی وجہ بیان کرتے ہوئے حضرت ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں: وَلَا يَدْعُوْ لِلْمَيِّتِ بَعْدَ صَلٰوةِ الْجَنَازَةِ لِأَنَّهُ يُشْبِهُ الزِّيَادَةَ فِيْ صَلٰوةِ الْجَنَازَةِ. (مرقاة المفاتيح ٢/٢١٩، راہِ سنت ٢٠٨) (اور نماز جنازہ سے فراغت کے بعد باقاعدہ دعا نہ کرے؛ کیوں کہ یہ نماز جنازہ میں (اپنی طرف سے) اضافہ کرنے کے مشابہ ہے)

البتہ اگر کوئی دل دل میں دعا کرے یا انفرادی طور پر دعا کرتا رہے، تو یہ کسی حال میں منع نہیں ہے، اسی طرح تدفین کے بعد قبر پر سورۂ بقرہ کی اول وآخر آیتیں پڑھنا بھی ثابت ہے، ممانعت اسی صورت میں ہے جب کہ نماز جنازہ کے بعد دعا کی اجتماعی ہیئت بنائی جائے، یہ صورت سلف سے ہرگز ثابت نہیں ہے۔

(۳) دفن کے بعد قبر پر اذان دینا

اسلام میں اذان ایک مستقل سنت ہے، جس کا مقصد نماز کے لئے لوگوں کو بلانا ہے، اس اعتبار سے اس کا موقع محل شریعت میں متعین ہے (کہ نماز پنج گانہ اور جمعہ کے لئے اذان دی جائے، یا نومولود کے کان میں اذان دیں اور بعض احادیث سے سرکش جنات کے خطرہ کے وقت بھی اذان کا ذکر ملتا ہے، اور فقہاء نے تدبیر کے طور پر کچھ اور مواقع بھی ذکر کئے ہیں) ان مواقع کے علاوہ اذان کا اہتمام مسنون نہیں ہے، حتی کہ عیدین کی نمازوں کے لئے بھی اذان واقامت کا شریعت میں حکم نہیں دیا گیا۔ بریں بنا آج کل بعض جگہوں پر مردہ کی تدفین کے بعد قبر کے اوپر اذان دینے کا جو لازمی دستور

ہے وہ بلاشبہ بدعت ہے، اور اسلامی شعار کا بے جا اور بے محل استعمال ہے۔ علامہ شامیؒ فرماتے ہیں:

وَقِيلَ عِنْدَ إِنْزَالِ الْمَيِّتِ الْقَبْرَ قِيَاساً عَلٰى أَوَّلِ خُرُوجِهٖ لِلدُّنْيَا لٰكِنْ رَدَّهُ ابْنُ حَجَرٍ فِي شَرْحِ الْعُبَابِ. (شامي بيروت ٤٦/٢)

اور کہا گیا ہے کہ میت کو قبر میں اتارتے وقت اذان دی جائے اس کے دنیا میں آنے کے وقت پر قیاس کرتے ہوئے؛ لیکن علامہ ابن حجرؒ نے شرح العباب میں اس پر رد کیا ہے۔

بعض جاہل لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ جس طرح بچہ کی پیدائش کے وقت اس کے کان میں اذان دی جاتی ہے اسی طرح مرتے وقت قبر پر اذان دی جائے گی، تو اس کا جواب یہ ہے کہ پیدائش کے وقت بچہ کے کان میں اذان دینا حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے ثابت ہے۔ (ابوداؤد شریف ۶۹۶/۲ حدیث: ۵۱۰۵)

جب کہ قبر پر اذان حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے کہیں ثابت نہیں، اس لئے دونوں کو ایک درجہ میں نہیں رکھا جاسکتا۔ خاص کر اس لئے بھی کہ اب بات محض جواز سے آگے بڑھ کر وجوب تک پہنچ گئی ہے، اور کسی جائز امر پر اصرار والتزام بجائے خود بدعت ہے۔

اور بعض لوگ یہ دلیل دیتے ہیں کہ مردے کو قبر میں رکھنے کے بعد منکر نکیر کے سوالات کے جواب میں شیطان رخنہ ڈالنے کی کوشش کرتا ہے، اس لئے شیطان کو بھگانے کے لئے اذان دی جاتی ہے، حالاں کہ یہ مفروضہ بالکل غلط ہے، اس لئے کہ شیطان کا عمل دخل دنیوی زندگی تک ہی باقی رہتا ہے، انسان کے مرنے کے بعد شیطان اس پر قطعاً اثر انداز نہیں ہوسکتا، قبر میں تو صرف دنیوی زندگی کے ایمان وعمل ہی کام آئیں گے، نہ شیطان کسی باعمل شخص کو صحیح جواب سے روک سکتا ہے اور نہ کسی بدعمل شخص سے صحیح جواب دلوا سکتا ہے؛ لہٰذا اس وقت شیطان کو بھگانے کی تدبیر محض دل کا بہلاوا ہے، اس کے سوا کچھ نہیں۔ اس وقت کا خاص عمل جو صحیح حدیث سے ثابت ہے وہ یہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی صحابی کے دفن سے فارغ ہوتے تو ارشاد فرماتے:

اِسْتَغْفِرُوْا لِأَخِيْكُمْ وَاسْئَلُوْا لَهُ

اس اپنے بھائی کے لئے مغفرت کی دعا کرو، اور

التَّثْبِيْتَ فَإِنَّهُ الْآنَ يُسْئَلُ. (سنن أبو داؤد ٤٥٩/٢ رقم : ٣٢٢، الترغيب والترهيب مكمل ٧٢٦/ رقم: ٥٢٨٥) منکر نکیر کے جواب میں اس کے لئے ثبات قدمی کا سوال کرو؛ کیوں کہ اس سے ابھی سوال ہونے والا ہے۔

لہٰذا اس وقت اگر یہ دعا کی جائے کہ اللہ تعالیٰ ہمارے مرحوم عزیز کو جواب میں استقامت نصیب فرمائیں، تو یہ عین ارشادِ نبوی کی تعمیل ہوگی، اور اگر اس دعا کو چھوڑ کر اپنی مرضی سے اذان شروع کردی تو الٹے بدعت کا وبال ہوگا۔

اور پھر یہ مفروضہ بھی من گھڑت ہے کہ جہاں جہاں بھی شیطان کے موجود رہنے کا خدشہ ہو وہاں اذان دی جائے؛ کیوں کہ اگر اسی بات کا خیال رکھا جائے گا تو بیت الخلاء جاتے وقت بھی اذان دینی پڑے گی کہ وہاں بھی شیطانوں کا جماؤ رہتا ہے، اور بازار میں ہر وقت اذانیں دینی پڑیں گی کہ وہاں شیطان نے انڈے بچے دے رکھے ہیں، وغیرہ وغیرہ، اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ بس ہر وقت آدمی اذان ہی دیتا رہے؛ تاکہ شیطان بالکل کسی کے قریب ہی نہ آئے، تو خود ہی سوچئے کیا یہ ممکن ہے!

لہٰذا ہر کام کو اپنی جگہ پر رکھنا چاہئے اور حدود سے تجاوز کرکے بدعات کا ارتکاب نہیں کرنا چاہئے، ورنہ یہ دین کھیل تماشہ بن جائے گا۔

(۴) تیجہ، دسواں، چالیسواں وغیرہ

میت کے لئے ایصالِ ثواب منع نہیں ہے، متعلقین کو چاہئے کہ وہ جس طرح بھی ہوسکے دعاؤں، صدقہ وخیرات یا تلاوتِ قرآنِ کریم کے ذریعہ اپنے مردوں کو ثواب پہنچائیں، اس کے لئے نہ تو کوئی خاص طریقہ متعین ہے اور نہ کوئی خاص دن تاریخ متعین ہے؛ لہٰذا اگر اس مقصد سے کسی دن کو متعین کیا جائے گا اور اسے لازمی سمجھا جائے گا تو یہ یقیناً بدعت ہوگا۔

پس آج کل جو رسمیں جاری ہیں کہ میت کے گھر باقاعدہ رشتہ داروں کی دعوتیں ہوتی ہیں اور مرنے کے بعد متعدد تقریبات منائی جاتی ہیں، شریعت مقدسہ میں ان کی قطعاً اجازت نہیں ہے،

فقہاء احناف نے انہیں بدترین بدعت قرار دیا ہے۔ مشہور حنفی فقیہ اور معتبر ترین عالم دین علامہ ابن عابدین شامیؒ (المتوفی ۱۲۵۲ھ) جن کے فتاویٰ شامی کو اس وقت تمام عالم میں سند کی حیثیت حاصل ہے، وہ نقل فرماتے ہیں کہ:

وَيَكْرَهُ اِتِّخَاذُ الضِّيَافَةِ مِنَ الطَّعَامِ مِنْ أَهْلِ الْمَيِّتِ، لِأَنَّهُ شُرِعَ فِيْ السُّرُوْرِ لَا فِيْ الشُّرُوْرِ، وَهِيَ بِدْعَةٌ مُسْتَقْبَحَةٌ، وَرَوَى الإِمَامُ أَحْمَدُ وَابْنُ مَاجَةَ بِإِسْنَادٍ صَحِيْحٍ عَنْ جَرِيْرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ: كُنَّا نَعُدُّ فِيْ اِجْتِمَاعٍ مِنْ أَهْلِ الْمَيِّتِ وَصَنَعَهُمُ الطَّعَامَ مِنَ النِّيَاحَةِ. وَفِيْ الْبَزَّازِيَةِ: وَيَكْرَهُ اِتِّخَاذُ الطَّعَامِ فِيْ الْيَوْمِ الْأَوَّلِ وَالثَّالِثِ وَبَعْدَ الْأُسْبُوْعِ، وَنَقْلُ الطَّعَامِ إِلَى الْقَبْرِ فِيْ الْمَوْسَمِ وَاِتِّخَاذُ الدَّعْوَةِ بِقِرَائَةِ الْقُرْاٰنِ وَجَمْعُ الصُّلَحَاءِ وَالْقُرَّاءِ لِلْخَتْمِ أَوْ لِقِرَاءَةِ سُوْرَةِ الْأَنْعَامِ أَوِ الْإِخْلَاصِ، وَهٰذِهِ الْأَفْعَالُ كُلُّهَا لِلسُّمْعَةِ وَالرِّيَاءِ فَيُحْتَرَزُ عَنْهَا، لِأَنَّهُمْ لَا يُرِيْدُوْنَ بِهَا وَجْهَ اللّٰهِ تَعَالٰى. (شامی ۱۳۹/۳ بیروت، شامی ۱٤۸/۳ زکریا)

اور میت کے گھر والوں کی طرف سے ضیافت ودعوت کا اہتمام مکروہ ہے؛ کیوں کہ دعوت خوشی کے مواقع میں مشروع ہے نہ کہ شرور (غم وغیرہ) کے موقع پر، اور یہ بدترین بدعت ہے، اور امام احمد بن حنبلؒ اور امام ابن ماجہؒ نے صحیح سند سے صحابی رسول حضرت جریر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل فرمایا ہے کہ ہم (صحابہ کرامؓ) میت کے گھر والوں کی طرف سے اجتماعی دعوت کو نیاحت (بین کرنے) میں سے ہی شمار کرتے ہیں (یعنی جس طرح شریعت میں نوحہ کرنا منع ہے، اسی طرح یہ دعوت بھی منع ہے) اور فتاویٰ بزازیہ میں ہے کہ پہلے دن اور تیسرے دن اور ہفتہ کے بعد میت کے گھر کھانے کی دعوت کرنا مکروہ ہے، اسی طرح موسم میں کھانا قبر پر لے جانا اور قرآن خوانی کے مقصد سے کھانے کی دعوت کرنا اور ختم قرآن کے عنوان سے قراء اور صلحاء کو جمع کرنا اور سورۂ انعام اور سورۂ اخلاص کے ختم کے لئے لوگوں کو اکھٹا کرنا یہ سب کام عموماً ریاکاری اور سمعت وشہرت کے مقصد سے ہوتے

ہیں؛ لہٰذا ان سے احتراز کرنا چاہئے؛ کیوں کہ لوگوں کا ارادہ ان اعمال سے ثواب کا نہیں ہوتا۔

اور مشہور حنفی شارح حدیث علامہ ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں:

وَاصْطِنَاعُ أَهْلِ الْبَيْتِ لَهُ لِأَجْلِ اجْتِمَاعِ النَّاسِ عَلَيْهِمْ بِدْعَةٌ مَكْرُوْهَةٌ، بَلْ صَحَّ عَنْ جَرِيْرٍ كُنَّا نَعُدُّ هٰذِهٖ مِنَ النِّيَاحَةِ، وَهُوَ ظَاهِرٌ فِي التَّحْرِيْمِ. قَالَ الْغَزَالِيُ: وَيُكْرَهُ الْأَكْلُ مِنْهُ، وَهٰذَا إِذَا لَمْ يَكُنْ مِنْ مَالِ الْيَتِيْمِ أَوِ الْغَائِبِ وَإِلَّا فَهُوَ حَرَامٌ بِلاَ خِلَافٍ. (مرقاة المفاتيح بحواله فرقهٔ بريلويت ٤٢١)

اور میت کے گھر والوں کی طرف سے وفات پر گھر میں کھانے کی دعوت کرنا؛ تاکہ لوگوں کو اس عنوان سے جمع کریں، یہ ناپسندیدہ ہے؛ بلکہ حضرت جریرؓ سے صحیح سند سے ثابت ہے کہ ہم اسے نوحہ میں شمار کرتے تھے، اور یہ روایت اس کی حرمت پر ظاہر ہے، اور امام غزالیؒ نے فرمایا کہ ایسے کھانے کو نوش کرنا مکروہ ہے، اور یہ حکم اس وقت ہے جب کہ یہ کھانا یتیم یا غائب وارث کے مال سے نہ پکایا گیا ہو اور اگر ان کے مال سے پکا ہوا ہوگا تو بلا کسی اختلاف کے اس کا کھانا حرام ہوگا۔

مذکورہ بالا عبارات بار بار پڑھی جائیں اور اندازہ لگایا جائے کہ شریعت میں یہ عمل کس قدر ناپسند ہے، اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو اس سے بچنے کی توفیق عطا فرمائیں، آمین۔

بریلوی علماء کے فتاویٰ

خود فرقہ بریلویت کے معتبر علماء نے تیجہ، دسواں وغیرہ کی دعوتوں پر سخت نکیر کی ہے، چنانچہ بریلویوں کے اعلیٰ حضرت علامہ احمد رضا خان صاحب بریلوی اسی سلسلہ کے ایک سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں:

”اولاً یہ دعوت خود ناجائز و بدعتِ شنیعہ وقبیحہ ہے، امام احمد اپنی مسند اور ابن ماجہ سنن میں بہ سند صحیح حضرت جریر بن عبد اللہ بجلی رضی اللہ عنہ سے راوی ہیں: ”كُنَّا نَعُدُّ الْاِجْتِمَاعَ إِلٰى

أَهْـلِ الْمَيّتِ وَصَنِيْعَهُمُ الطَّعَامَ مِنَ النِّيَاحَةِ"۔ (یعنی ہم گروہ صحابہؓ اہل میت کے یہاں جمع ہونے کواور ان کے کھانے تیار کرانے کومردے کی نیاحت سے شمار کرتے تھے جس کی حرمت پر متواتر حدیثیں ناطق ہیں)

امام محقق علی الاطلاق "فتح القدیر" شرح "ہدایہ" میں فرماتے ہیں: "يكره اتخاذ الضيافة من الطعام من أهل الميت لأنه شرع في السرور لا في الشرور، وهي بدعة مستقبحة"۔ اہل میت کی طرف سے کھانے کی ضیافت تیار کرنا منع ہے کہ شرع نے ضیافت خوشی میں رکھی ہے نہ کہ غمی میں، اور یہ بدعت شنیعہ ہے"۔

اسی طرح علامہ شرنبلالیؒ نے "مراقی الفلاح" میں فرمایا: ويكره الضيافة من أهل الميت لأنها شرعت في السرور لا في الشرور، وهي بدعة مستقبحة.

فتاویٰ خلاصہ، فتاویٰ سراجیہ، فتاویٰ ظہیریہ، فتاویٰ تاتارخانیہ اور ظہیریہ سے خزانۃ المفتیین کتاب الکراہیہ اور تاتارخانیہ سے فتاویٰ ہندیہ میں بالالفاظ متقاربہ ہے: (واللفظ للسراجية) لايباح اتخاذ الضيافة عند ثلاثة أيام في المصيبة الخ، زاد في الخلاصة: لأن الضيافة يتخذ عند السرور"۔ غمی میں یہ تیسرے دن کی دعوت جائز نہیں کہ دعوت تو خوشی میں ہوتی ہے۔

فتاویٰ امام قاضی خاں کتاب الحظر والاباحۃ میں ہے: "يكره اتخاذ الضيافة في أيام المصيبة لأنها أيام تأسف فلا يليق بها ما يكون للسرور"۔ غمی میں ضیافت ممنوع ہے کہ یہ افسوس کے دن ہیں تو جو خوشی میں ہوتا ہے ان کے لائق نہیں۔

تبیین الحقائق للامام الزیلعی میں ہے: "لا بأس بالجلوس المصيبة إلى ثلث من غير ارتكاب محظور من فرش البسط والأطعمة من أهل الميت"۔ مصیبت کے لئے تین دن بیٹھنے میں کوئی مضائقہ نہیں، جب کہ کسی امر ممنوع کا ارتکاب نہ کیا جائے، جیسے مکلّف فرش بچھانے اور میت والوں کی طرف سے کھانے۔

امام بزازی "وجیز" میں فرماتے ہیں: "يُكْرَهُ اتِّخَاذُ الطَّعَامِ فِي الْيَوْمِ الْأَوَّلِ وَالثَّالِثِ وَبَعْدَ الْأُسْبُوْعِ"۔ یعنی میت کے پہلے یا تیسرے دن یا ہفتہ کے بعد جو کھانا تیار کئے جاتے ہیں سب مکروہ وممنوع ہیں۔

یعنی میت کے پہلے یا تیسرے دن یا ہفتہ کے بعد جو کھانے تیار کرائے جاتے ہیں سب مکروہ وممنوع ہیں۔

علامہ شامی علیہ الرحمہ ''ردالمحتار'' میں فرماتے ہیں: ''**أطال ذٰلک في المعراج وقال هٰذه الأفعال كلها للسمعة والرياء فيحترز عنها**''. یعنی معراج الدرایہ شرح ہدایہ نے اس مسئلہ میں بہت کلام طویل کیا اور فرمایا کہ یہ سب ناموری اور دکھاوے کے کام ہیں، ان سے احتیاز کیا جائے۔

جامع الرموز آخر الکراہیۃ میں ہے: ''**یکره الجلوس لمصيبة ثلاثة أيام أو أقل في المسجد ويكره اتخاذ الضيافة في هٰذه الأيام وكذا أكلها كما في خيرة الفتاوىٰ**''. یعنی تین دن یا کم تعزیت لینے کے لئے مسجد میں بیٹھنا منع ہے، اوران دنوں میں ضیافت بھی ممنوع اوراس کا کھانا بھی منع ہے، جیسا کہ خیرۃ الفتاویٰ میں تصریح کی ہے۔

فتاویٰ القروی اورواقعات المفتیین میں ہے: ''**يكره اتخاذ الضيافة ثلاثة أيام وأكلها لأنها مشروعة للسرور**''. تین دن ضیافت اوراس کا کھانا مکروہ ہے کہ دعوت تو خوشی میں مشروع ہوتی ہے۔

کشف الغطا میں ہے: ''ضیافت نمودن اہل میت اہل تعزیت را وپختن طعام برائے آنہا مکروہ است باتفاق روایات چہ ایشاں را بسبب اشتغال بمصیبت استعدا دوتہیہ آں دشوار است''۔

اسی میں ہے: ''پس آنچہ متعارف شدہ از پختن اہل مصیبت طعام را درسوم وقسمت نمودن آں میان اہل تعزیت واقران غیر مباح ونامشروع است اوتصریح کردہ بداں درخزانہ چہ شرعیت ضیافت نزد سرور ست نہ نزد شرورہوالمشہور عندالجمہور''۔

ثانیا :- غالباً ورثہ میں کوئی یتیم یا اور بچہ نابالغ ہوتا ہے یا بعض ورثہ موجود نہیں ہوتے نہ اُن سے اِس کا اذن لیا جاتا ہے، جب تو یہ امر سخت حرام شدید پر متضمن ہوتا ہے، اللہ عزوجل فرماتا ہے:

إِنَّ الَّذِيْنَ يَأْكُلُوْنَ أَمْوَالَ الْيَتٰمٰى ظُلْمًا إِنَّمَا يَأْكُلُوْنَ فِيْ بُطُوْنِهِمْ نَارًا وَسَيَصْلَوْنَ سَعِيْرًا. (النساء ۱۰)	بے شک جو لوگ یتیموں کے مال ناحق کھاتے ہیں بلاشبہ وہ اپنے پیٹ میں انگارے بھرتے ہیں، اور قریب ہے کہ جہنم کے گہراؤ میں جائیں گے۔

مالِ غیر میں بے اذن غیر تصرف خود ناجائز ہے۔ قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿لَا تَأْكُلُوْا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ﴾ خصوصاً نابالغ کا مال ضائع کرنا جس کا اختیار نہ ہو دا اُسے نہ اُس کے باپ نہ اُس کے وصی کو۔ "لأن الولاية للنظر لا للضرر''. علی الخصوص اگر اُن میں کوئی یتیم ہو تو آفت سخت تر ہے، والعیاذ باللہ رب العالمین۔ ہاں اگر محتاجوں کے دینے کو کھانا پکوائیں تو حرج نہیں؛ بلکہ خوب ہے، بشرطیکہ یہ کوئی عاقل بالغ اپنے مال خاص سے کرلے یا ترکہ سے کریں تو سب وارث موجود بالغ و نابالغ راضی ہوں۔ خانیہ و بزازیہ و تاتارخانیہ و ہندیہ میں ہے:

والـلفظ لهاتين "إن اتخذ طعاماً للفقراء كان حسنا إذا كانت الورثة بالغين فإن كان في الورثة صغير لم يتخذوا ذٰلك من التركة".

نیز فتاویٰ قاضی خاں میں ہے: **"إن اتخذ ولي الميت طعاماً للفقراء كان حسناً إلا أن يكون في الورثة صغير فلا يتخذ من التركة".**

ثالثا :- یہ کہ عورتیں جمع ہوتی ہیں افعال منکرہ کرتی ہیں، مثلاً چلا کر رونا پیٹنا بناوٹ سے منہ ڈھانکنا الی غیر ذٰلک، اور یہ سب نیاحت ہے، اور نیاحت حرام ہے، ایسے مجمع کے لئے میت کے عزیزوں دوستوں کو بھی جائز نہیں کہ کھانا بھیجیں کہ گناہ کی امداد ہوگی۔ **قال اللّٰہ تعالیٰ:** ﴿وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ﴾ نہ کہ اہل میت کا اہتمام طعام کرنا کہ سرے سے ناجائز ہے تو اس مجمع ناجائز کے لئے ناجائز تر ہوگا۔

کشف الغطاء میں ہے: ''ساختن طعام در روز ثانی و ثالث برائے اہل میت اگر نوحہ گراں جمع باشند مکروہ ست زیرا کہ اعانت ست ایشاں را بر گناہ''۔

رابعاً :- اکثر لوگوں کو اس رسم شنیع کے باعث اپنی طاقت سے زیادہ تکلیف کرنی پڑتی ہے، یہاں تک کہ میت والے بے چارے اپنے غم کو بھول کر اس آفت میں مبتلا ہوتے ہیں کہ اس میلہ کے لئے کھانا پان چھالیاں کہاں سے لائیں اور بارہا ضرورت قرض لینے کی پڑتی ہے ایسا تکلف شرع کو کسی امر مباح کے لئے بھی زنہار پسند نہیں نہ کہ ایک رسم ممنوع کے لئے، پھر اس کے باعث جو دقتیں پڑتی ہیں خود ظاہر ہیں، پھر اگر قرض سودی ملا تو حرام خالص ہو گیا اور معاذ اللہ لعنت الٰہی سے پورا حصہ ملا کر بے ضرورت شرعیہ سود دینا بھی سود لینے کے مثل باعث لعنت ہے،

جیسا کہ صحیح حدیث میں فرمایا۔ غرض اِس رسم کی شناعت وممانعت میں شک نہیں، اللہ عزوجل مسلمانوں کو توفیق بخشے کہ قطعاً ایسی رسوم شنیعہ جن سے اُن کے دین ودنیا کا ضرر ہے، ترک کردیں اور طعن بے ہودہ کا لحاظ نہ کریں۔ واللہ الہادی۔

تنبیہ : اگرچہ صرف ایک دن یعنی پہلے ہی روز عزیزوں ہمسایوں کو مسنون ہے کہ اہل میت کے لئے اتنا کھانا پکوا کر بھیجیں جسے وہ دو وقت کھاسکیں اور باصرار انہیں کھلائیں، مگر یہ کھانا صرف اہل میت ہی کے قابل ہونا سنت ہے، اس میلے کے لئے بھیجنے کا ہرگز حکم نہیں اور ان کے لئے بھی فقط روز اول کا حکم ہے آگے نہیں"۔ (احکام شریعت (مولانا احمد رضا خاں) ۲۱۳۔۳۱۷ مطبوعہ مکتبہ جام نور مٹیا محل دہلی، راہِ سنت ۲۷۳)

دوسری جگہ ایک فتویٰ میں تحریر کرتے ہیں:

"شریعت میں ثواب پہنچانا ہے، دوسرے دن ہو خواہ تیسرے دن، باقی یہ تعیین عرفی ہیں، جب چاہے کریں، انہیں دنوں کی گنتی ضروری جاننا جہالت وبدعت ہے"۔ (مجموعہ فتاویٰ قلمی ۳۱۰/۴، بحوالہ راہ سنت ۲۷۳)

اور بعض جگہ جمعرات کے دن جو شہیدوں کے نام پر درختوں اور طاقچوں پر چڑھاوے چڑھائے جاتے ہیں اس کے متعلق ایک سوال کے جواب میں علامہ احمد رضا خان صاحب نے فرمایا:

"یہ سب واہیات وخرافات اور جاہلانہ حماقات وبطالات ہیں، ان کا ازالہ لازم ہے۔ ﴿مَآ اَنۡزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنۡ سُلۡطٰنٍ﴾ وَلَا حَوۡلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الۡعَلِيِّ الۡعَظِيۡمِ. (احکام شریعت ۵۲، راہ سنت ۲۷۴)

اور بریلوی فرقہ کے مفتی اعظم علامہ امجد علی رضوی برکاتی مصنف "بہار شریعت" لکھتے ہیں:

"میت کے گھر والے تیجہ وغیرہ کے دن دعوت کریں تو ناجائز وبدعت قبیحہ ہے کہ دعوت خوشی کے وقت ہے نہ کہ غم کے وقت، اور اگر فقراء کو کھلائیں تو بہتر ہے"۔ (فتح القدیر، بہار شریعت ۱۶۴)

نیز لکھتے ہیں:

"جن لوگوں سے قرآنِ مجید یا کلمہ طیبہ پڑھوایا ان کے لئے کھانا تیار کرانا ناجائز ہے۔ (ردالمحتار) یعنی جب کہ ٹھہرالیا ہو یا معروف ہو یا وہ اغنیاء ہوں"۔ (بہارِ شریعت ۱۶۴/۴)

دیکھئے! یہ فتاویٰ کس قدر واضح ہیں، ان سے رہنمائی حاصل کرتے ہوئے ہمیں اس طرح کی سب رسومات سے بچنے کا ضرور اہتمام کرنا چاہئے، کہیں ایسا نہ ہو کہ ہم تو اپنے مرحوم عزیز کو ثواب پہنچانا چاہیں اور دوسری طرف بدعت کے ارتکاب کی وجہ سے خود ہی مستحق وبال بن جائیں، اس لئے شریعت اور سنت کے دائرہ میں رہتے ہوئے ہی ہمیں ایصالِ ثواب کا اہتمام کرنا چاہئے، اس کے لئے بہتر یہ ہے کہ جو کچھ کرنا ہے خود ہی کریں دوسرے کے بھروسہ پر نہ رہیں؛ کیوں کہ کوئی بھی غیر شخص اس خلوص سے آپ کے میت کے لئے ایصالِ ثواب نہیں کرسکتا جتنا خود آپ کرسکتے ہیں۔ بالخصوص جولوگ کھانے پینے یا روپیہ پیسہ کے لالچ میں قرآن خوانی کے لئے آئیں گے انہیں تو خود ہی ثواب نہ ملے گا تو وہ دوسرے مردے کو ثواب کی سپلائی ہی کیسے کرپائیں گے؟

ضروری تنبیہ

بعض لوگ ان بدعات کے جواز میں حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حوالہ سے ایک روایت بیان کرتے ہیں جس میں پیغمبر علیہ السلام کے صاحب زادے حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کی وفات کے تیسرے دن ایصالِ ثواب کا ذکر ہے، اور اسے حضرت ملاعلی قاریؒ کی کتاب آزرجندی کی طرف منسوب کرتے ہیں، حالاں کہ یہ روایت قطعاً جھوٹ، موضوع اور من گھڑت ہے، اور آزرجندی نام کی کوئی کتاب ملاعلی قاریؒ کی تصنیف ہی نہیں ہے، جس نے بھی یہ بات چلائی ہے وہ بڑا کذاب اور مفتری ہے۔ (دیکھئے: مجموعہ فتاویٰ عبدالحیؒ ۲/۴۷، فتاویٰ رشیدیہ ۴۴۶، فتاویٰ محمودیہ ڈابھیل ۳/۶۴)

الغرض ایسے مسائل ان غیر معتبر روایات سے ثابت نہیں کئے جاسکتے، کسی بھی عمل کو عوام میں جاری کرنے کے لئے معتبر اور واضح دلیل کی ضرورت ہوتی ہے، اور مذکورہ مروجہ بدعات کے ثبوت پر اولاً کوئی دلیل ہی نہیں ہے، اور اگر ہے بھی تو وہ قطعاً ساقط الاعتبار ہے، سبھی عوام وخواص کو ایسی من گھڑت باتوں سے خود بھی بچنا چاہئے اور دوسروں کو بھی بچانے کی کوشش کرنی چاہئے، اللہ تعالیٰ پوری امت کو ہر قسم کی بدعات ورسومات سے محفوظ رکھیں، آمین۔

چودہویں فصل:

صغیرہ اور کبیرہ گناہ

اصل بات تو یہی ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی نافرمانی اپنی ذات کے اعتبار سے جرمِ عظیم ہے، اسی لئے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ: ”ہر وہ عمل جس سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے وہ گناہِ کبیرہ ہے“۔ (تنبیہ الغافلین ۱۲۱)

لیکن قرآنِ کریم اور احادیث شریفہ سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ فی الجملہ سب گناہ دو قسم پر ہیں: (۱) کبیرہ (۲) صغیرہ۔

قرآنِ پاک میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

إِنْ تَجْتَنِبُوْا كَبَآئِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّئٰتِكُمْ وَنُدْخِلْكُمْ مُدْخَلاً كَرِيْمًا. (النساء: ۳۱)

اگر تم منع کردہ بڑے گناہوں سے بچتے رہو گے تو ہم تمہاری (چھوٹی موٹی) کوتاہیاں معاف کردیں گے اور تمہیں عزت کے مقام میں داخل کریں گے۔

نیز سورۂ شوریٰ میں اللہ کے مقرب بندوں کی صفات بیان کرتے ہوئے ارشاد ہوا:

وَالَّذِيْنَ يَجْتَنِبُوْنَ كَبَآئِرَ الْإِثْمِ وَالْفَوَاحِشَ وَإِذَا مَا غَضِبُوْا هُمْ يَغْفِرُوْنَ. (الشوریٰ: ۳۷)

اور جو لوگ بچتے ہیں بڑے گناہوں سے اور بے حیائی کے کاموں سے اور جب انہیں غصہ آئے تو وہ معاف کردیتے ہیں۔

اور سورۂ والنجم میں نیک لوگوں کی صفات اس طرح بیان کی گئیں:

اَلَّذِيْنَ يَجْتَنِبُوْنَ كَبَآئِرَ الْإِثْمِ وَالْفَوَاحِشَ إِلَّا اللَّمَمَ. (النجم: ۳۲)

جو کہ بچتے ہیں بڑے گناہوں اور بے حیائی کے کاموں سے مگر کچھ کوتاہیاں۔

نیز نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے متعدد احادیث میں اس بات کی طرف اشارہ فرمایا کہ کچھ گناہ کبیرہ ہیں اور کچھ صغیرہ۔ صغیرہ گناہ نیکیوں کے ذریعہ خود بخود معاف ہوجاتے ہیں، جب کہ کبیرہ کی معافی کے لئے توبہ لازم ہے۔ مثلاً ارشادِ نبوی ہے:

اَلصَّلَوَاتُ الْخَمْسُ وَالْجُمُعَةُ إِلَى الْجُمُعَةِ كَفَّارَةٌ لِمَا بَيْنَهُنَّ مَا لَمْ تُغْشَ الْكَبَائِرُ. (ترمذی شریف ۵۲/۱، رقم: ۲۳۳، مسلم شریف ۱۲۲/۱)	پانچوں نمازیں اور جمعہ کی نماز اگلے جمعہ تک کے درمیانی گناہوں کے لئے کفارہ ہے، جب کہ کبیرہ گناہوں کا ارتکاب نہ ہو۔

مذکورہ دلائل سے یہ بات واضح ہے کہ گناہوں کو صغیرہ اور کبیرہ دو درجات پر منقسم کیا گیا ہے:

صغیرہ اور کبیرہ گناہ کی تعریف

اب اس بارے میں علماء اور شارحین حدیث کی تعبیرات مختلف ہیں کہ کس گناہ کو کبیرہ کہا جائے اور کس کو صغیرہ؟ ان سب بحثوں کا خلاصہ یہ ہے:

(۱) حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ: ''کبیرہ کا اطلاق ہر اس گناہ پر ہوتا ہے جس کے بارے میں قرآنِ کریم میں جہنم یا غضب خداوندی یا عذاب یا لعنت کی وعیدیں وارد ہوں، یا اس بنا پر دنیا میں حد جاری کی جاتی ہو۔ (جیسے قتل، زنا اور چوری وغیرہ، اور جس پر ایسی وعیدیں وارد نہ ہوں وہ صغیرہ ہیں)

(۲) قاضی حسینؒ اور علامہ حلیمیؒ نے فرمایا کہ: ''گناہِ کبیرہ وہ ہے جو اپنی ذات کے اعتبار سے منہی عنہ ہو، یعنی جس کی صراحۃً قرآن وحدیث میں ممانعت کی جائے، اور اگر اس کے ساتھ کوئی مزید جرم شامل ہوجائے تو وہی کبیرہ ''اکبر الکبائر'' بن جائے گا، مثلاً: زنا اپنی ذات کے اعتبار سے گناہِ کبیرہ ہے؛ لیکن اگر اس کا صدور اپنے پڑوسی کی بیوی کے ساتھ ہو تو یہ ''اکبر الکبائر'' ہوجائے گا۔

اور صغیرہ وہ گناہ ہے جو منصوص علیہ گناہ کے درجہ کا نہ ہو، مثلاً: اجنبی عورت سے بوس و کنار، یہ گو کہ گناہ ہے؛ لیکن زنا کے درجہ کا نہیں؛ لیکن اگر یہی عمل اپنی پڑوسن کے ساتھ کیا گیا تو گناہِ کبیرہ

قرار پائے گا؛ اس لئے کہ اس میں بوس وکنار کے ساتھ ساتھ پڑوسی کی حق تلفی اور خیانت بھی پائی جارہی ہے۔

(۳) حضرت امام غزالی علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ: ’’کبیرہ اور صغیرہ میں حد امتیاز یہ ہے کہ جو گناہ برملا اور بے محابا اور بلا کسی تردد کے جرأت کے ساتھ کیا جائے وہ کبیرہ ہے، اور جس گناہ کو کرتے ہوئے دل میں ندامت اور شرمندگی کا احساس ہو اور اپنے عمل پر اس کا ضمیر ملامت کرے تو ایسا گناہ صغیرہ کہلائے گا‘‘۔

(۴) شیخ عضدالدین بن عبدالسلام رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: ’’اگر کوئی شخص صغیرہ اور کبیرہ گناہوں کے درمیان فرق کو پہچاننا چاہتا ہے تو اسے چاہئے کہ وہ قرآن وحدیث میں منصوص کبائر کے مفسدہ کا گناہوں سے موازنہ کرے، اگر کسی گناہ کا مفسدہ اس منصوص گناہ سے بڑھا ہوا ہے یا اس کے برابر ہے تو وہ گناہِ کبیرہ ہے‘‘۔ مثلاً اگر کوئی شخص اللہ تعالیٰ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کرے یا نعوذ باللہ قرآنِ پاک کی توہین کرے، تو یہ ’’اکبر الکبائر‘‘ ہے؛ کیوں کہ اس کا مفسدہ تمام کبائر سے بڑھ کر ہے۔

اسی طرح اگر کسی پاک دامن عورت کو کوئی شخص پکڑ کر کسی بدکار کے حوالے کردے، یا بے قصور مسلمان کو پکڑ کر قاتل کو سونپ دے، تو یقیناً ان باتوں کا مفسدہ دیگر کبائر سے بڑھا ہوا ہے، وغیرہ۔ (اس کے برخلاف اگر کسی شخص سے بدنظری کا صدور ہوجائے، تو ظاہر ہے کہ یہ عمل اصل زنا کے مقابلہ میں کمتر ہے، اس لئے اتفاقیہ بدنظری کو کبیرہ کے درجہ میں نہیں رکھا جائے گا)

(۵) شیخ ابوعمر بن الصلاحؒ فرماتے ہیں کہ: ’’ہر عظیم گناہ کبیرہ ہے اور اس کی کچھ امتیازی علامات ہیں، مثلاً اس کی وجہ سے حد کا وجوب، یا اس پر آخرت میں جہنم کے عذاب کی وعید، یا اس کے کرنے والے پر فسق یا ملعون ہونے کا اطلاق، وغیرہ‘‘۔ اسی طرح کی بات علامہ قرطبیؒ اور علامہ نوویؒ نے بھی ارشاد فرمائی ہے۔

(۶) علامہ واحدیؒ نے فرمایا کہ: ’’اصل میں شریعت نے چند گناہوں پر کبائر اور چند پر صغائر کی وضاحت کرکے اکثر گناہوں کے بارے میں اجمال سے کام لیا ہے، اور ان کی حیثیت کو

مصلحۃً مخفی رکھا گیا ہے، جیسا کہ شب قدر اور جمعہ کی مقبول ساعت اور اسم اعظم کو مخفی رکھا گیا ہے، اور اس میں حکمت یہ ہے کہ لوگ ہر طرح کے گناہوں سے بچنے کا اہتمام کریں، اور صغیرہ سمجھ کر کسی گناہ کے ارتکاب کی جسارت نہ کریں۔ (تلخیص از: تنبیہ الغافلین لابن النحاس الدمشقی ۱۳۲-۱۳۵، شرح النووی علی مسلم ۱/۶۵)

(۷) علامہ بن القیمؒ، حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ اور شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن دیوبندیؒ وغیرہ حضرات کا رجحان یہ ہے کہ جو گناہ مقاصد میں سے ہیں وہ کبیرہ ہیں، اور جو وسائل و ذرائع کے قبیل سے ہیں وہ صغیرہ ہیں، مثلاً زنا مقصود ہے، تو یہ کبیرہ ہے، اور زنا کے مبادی اور دواعی افعال صغیرہ ہیں۔ (فتح الملہم ۱/۲۵۲)

(۸) حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: ''دراصل کبیرہ اور صغیرہ کی صفت بعض گناہوں میں حقیقی ہے اور بعض میں اضافی ہے، یعنی کچھ گناہ تو ایسے ہیں جو حقیقۃً کبیرہ ہیں، جیسے زنا اور قتل وغیرہ۔ اور بعض ایسے ہیں جو دیگر گناہوں کی بہ نسبت کبیرہ ہیں، مثلاً اجنبی عورت سے بوس و کنار، اس پر نظر ڈالنے کے مقابلہ میں کبیرہ ہے، اور اصل زنا کے مقابلہ میں صغیرہ ہے، الخ''۔

(۹) بعض حضرات نے یہ فرمایا کہ: ''جن گناہوں پر قرآن وسنت میں کبیرہ یا صغیرہ کا اطلاق کیا گیا ہے، وہ تو متعین ہیں؛ لیکن جن گناہوں کے بارے میں کوئی صراحت نہیں ہے، ان میں لوگوں کے مرتبہ کے اعتبار سے درجہ میں فرق ہوجاتا ہے، پس جو حضرات تقربِ خداوندی کے اعلیٰ مقام پر ہیں، ان کے لئے چھوٹے موٹے گناہ بھی کبیرہ کے درجہ میں ہیں، اور جو شخص تقرب کے اس درجہ پر نہ ہو، وہ کبیرہ کو بھی صغیرہ ہی سمجھتا رہتا ہے، جیسا کہ ایک عربی شاعر کا شعر ہے:

لَا يَحْقِرُ الرَّجُلُ الرَّفِيعُ دَقِيقَةً ❖ فِي السَّهْوِ فِيهَا لِلْوَضِيعِ مَعَاذِرُ

فَكَبَائِرُ الرَّجُلِ الصَّغِيرِ صَغَائِرُ ❖ وَصَغَائِرُ الرَّجُلِ الْكَبِيرِ كَبَائِرُ

ترجمہ:- کوئی بلند مرتبہ شخص کسی ایسی معمولی غلطی کو حقیر نہ سمجھے جس میں کم رتبہ شخص کے لئے بہانے موجود ہوں؛ کیوں کہ چھوٹے شخص کے کبیرہ گناہ بھی صغیرہ ہیں، اور بڑے شخص کے صغیرہ گناہ بھی کبیرہ کے درجہ میں ہیں۔ (مستفاد: فتح الملہم ۱/۲۵۳، مرقاۃ المفاتیح ۱/۲۰۳)

صغیرہ گناہ کی عادت بنالینا بھی کبیرہ ہے

یہاں یہ واضح رہنا چاہیئے کہ اگر کوئی شخص کسی صغیرہ گناہ کو ہلکا سمجھ کر اس کا قصداً بار بار ارتکاب کرتا ہے، تو یہ گناہ اس کے حق میں کبیرہ بن جاتا ہے، مثلاً بدنظری ابتداءً گناہِ صغیرہ ہے؛ لیکن اگر اس کی عادت بنالی جائے، جیسا کہ آج کل کا ماحول ہے تو یہی عمل کبیرہ بن جائے گا۔ سیدنا حضرت عمر ابن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور سیدنا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ وہ فرمایا کرتے تھے:

لَا كَبِيْرَةَ مَعَ اِسْتِغْفَارٍ، وَلَا صَغِيْرَةَ مَعَ إِصْرَارٍ. (شرح النووی علی مسلم ٦٥/١)

استغفار کے ساتھ گناہِ کبیرہ باقی نہیں رہتا، جب کہ اصرار اور تکرار کے ساتھ کیا جانے والا گناہ صغیرہ نہیں رہتا (بلکہ کبیرہ بن جاتا ہے)

حکیم الامت حضرت امام غزالیؒ نے اس موضوع پر نہایت نفیس بحث فرمائی ہے، جس کا خلاصہ ذیل میں درج ہے۔ حضرت موصوف فرماتے ہیں کہ: ''چند وجوہات کی بنا پر صغیرہ گناہ بھی کبیرہ کے درجہ میں آجاتا ہے، مثلاً:

(۱) گناہ کو بار بار کرنا:

یعنی جس طرح متواتر نیکیوں کو کرتے رہنے سے دل متأثر ہوتا ہے، اسی طرح متواتر گناہ کرنے کا اثر بھی دل میں جاگزیں ہوتا ہے، اور اس کی وجہ سے دل سیاہ ہوجاتا ہے۔

(۲) گناہ کو ہلکا سمجھنا:

جو گناہ دل کی وحشت اور ندامت کے احساس کے ساتھ کیا جائے، اس کی بخشش کی امید زیادہ ہوتی ہے، اس کے برخلاف جو گناہ (اگرچہ صغیرہ ہو) دلی جسارت اور بےخوفی کے ساتھ کیا جائے گا تو دل کی تاریکی اور بڑھے گی، اور آدمی نورِ اطاعت سے محروم ہوجائے گا۔ اسی لئے حدیث میں فرمایا گیا کہ: ''مؤمن اپنے گناہ کا ایسا بوجھ محسوس کرتا ہے جیسے پہاڑ اس کے سر پر ہو اور اس کے

گرنے کا اندیشہ ہو، جب کہ منافق گناہ کو ایسا سمجھتا ہے گویا ناک پر مکھی بیٹھ گئی ہو، جسے اس نے اڑا دیا ہو"۔(بخاری شریف)

(۳) گناہ کر کے دل میں خوشی ہونا:

یعنی اگر کوئی شخص گناہ کر کے دل تنگ ہونے کے بجائے خوشی محسوس کرے اور اس پر فخر کرے تو یہ اس کے دل کے سیاہ ہونے اور بدنصیب ہونے کی علامت ہے، مثلاً کسی مسلمان کو ذلیل کر کے خوش ہو، یا کسی شخص کو دھوکہ دے کر خوش ہو تو یہ بھی گناہِ کبیرہ کے درجہ میں ہے۔

(۴) اللہ کی پکڑ سے بے خوف ہو کر گناہ کرنا:

گناہ کے باوجود اگر کسی شخص کو اللہ کی طرف سے ڈھیل دی جا رہی ہو، مثلاً اس کی دنیوی آسائش میں کوئی تنگی نہ ہو، تو یہ خوشی کی بات نہیں؛ بلکہ سخت ڈر کا مقام ہے، اگر کوئی اللہ کی پکڑ سے بے خوف رہے گا اور مسلسل گناہ کرتا رہے گا تو وہ بھی گناہِ کبیرہ کا مرتکب سمجھا جائے گا۔

(۵) لوگوں کے سامنے برملا گناہ کرنا یا گناہ کر کے دوسروں کو بتا دینا:

یعنی گناہ کا برملا اظہار چھوٹے گناہ کو کبیرہ کے درجہ تک پہنچا دیتا ہے؛ کیوں کہ اس میں اصل گناہ کے ساتھ پردہ دری کا گناہ بھی شامل ہو گیا ہے، اور اس طرح گناہ کرنے سے دوسروں کو شہہ ملتی ہے، گویا یہ عمل برائیوں کے رواج کا سبب بن جاتا ہے۔ اسی لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "میرے سب امتیوں کی خطائیں درگذر ہونگی، سوائے ان لوگوں کے جو برملا اور برسرِعام گناہ کرتے ہیں کہ ان میں سے کوئی رات میں اپنے گھر میں ایسا گناہ کرتا ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے پردہ ڈال رکھا ہے پھر وہ صبح اٹھ کر اللہ تعالیٰ کی ستر پوشی کو ہٹا دیتا ہے اور خود ہی لوگوں سے اپنے گناہ کا ذکر کر دیتا ہے"۔ (متفق علیہ) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر کسی سے گناہ ہو جائے تو اس کا ذکر کسی کے سامنے نہیں کرنا چاہئے؛ بلکہ خاموشی سے توبہ کر لینی چاہئے۔

(۶) عالم مقتدیٰ کا کسی گناہ کا اظہار کرنا:

یعنی جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے لوگوں کا رہبر اور مقتدیٰ بنایا ہو وہ اگر لوگوں کے سامنے کوئی

گناہ کرتا ہے تو اس گناہ کی نحوست صرف اس کی ذات تک نہیں رہتی؛ بلکہ جو لوگ بھی اسے دیکھ کر گناہ میں اس کی اقتداء کرتے ہیں ان سب کا گناہ اس عالم کے سر پر ہوتا ہے، مثلاً وہ غیر شرعی لباس پہنے یا اپنے مخالفین کے بارے میں بدگوئی کرے، اور لوگ اس کے کہنے کی وجہ سے ان مخالفین سے بدگمانی دل میں بٹھالیں وغیرہ، تو وہ اگرچہ مرجائے گا؛ لیکن اس کا چھوڑا ہوا شر صدیوں تک باقی رہے گا۔ بعض حضرات سے منقول ہے کہ عالم کی غلطی کی مثال ایسی ہے جیسی کشتی بیچ دریا میں ٹوٹ جائے تو یہ کشتی اپنے سواروں سمیت ڈوب جاتی ہے، اسی طرح عالم صرف خود ہی گناہ نہیں کرتا؛ بلکہ اس کے سب متبعین اس کے ساتھ گناہ کے مرتکب ہوتے ہیں۔

بعض اسرائیلی روایات میں ہے کہ ایک عالم لوگوں کو بدعت کی باتیں بتا کر گمراہ کرتا تھا، پھر اسے توبہ کی توفیق ملی تو وہ ایک عرصہ تک اپنی اصلاح میں منہمک رہا، تو اللہ تعالیٰ نے اس زمانہ کے نبی کی طرف وحی بھیجی کہ اس شخص سے یہ کہو کہ اگر تیرا گناہ صرف تیری ذات تک ہوتا تو میں تجھے معاف کر دیتا؛ لیکن میرے ان بندوں کا کیا ہوگا جن کو تو نے گمراہ کر کے جہنم کا ایندھن بنا دیا ہے؟ حضرت امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ علماء کا معاملہ بہت نازک ہے، انہیں چاہئے کہ گناہ سے بھی بچیں اور گناہ کو لوگوں کے سامنے ظاہر کرنے سے بھی احتراز کریں''۔ (تلخیص: احیاء العلوم ۴؍۴۳-۴۵ مطبع رشیدیہ کوئٹہ)

خلاصہ یہ کہ ہر مسلمان کو صغیرہ وکبیرہ ہر طرح کے گناہ سے بچنے کا اہتمام کرنا چاہئے، اور بالخصوص کبائر سے دور رہے، اور اگر کبھی اتفاقاً نفس وشیطان کے اثر سے کسی گناہ کا ارتکاب ہوجائے تو جب تک توبہ نہ کرلے چین نہ آئے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو گناہوں سے پوری طرح بچنے کی توفیق عطا فرمائیں، آمین۔

پندرہویں فصل:

نفسانی منکرات

وہ منکرات جو انسان کو سب سے زیادہ دینی و دنیوی نقصان پہنچاتے ہیں، ان میں نفسانی منکرات کو سب سے زیادہ اہمیت حاصل ہے، جو انسان اپنے نفس پر قابو نہ رکھے، اور اس کا دل نفسانی بیماریوں سے پاک نہ ہو، وہ نہ تو اچھا انسان بن سکتا ہے اور نہ ہی کامل ایمان اسے حاصل ہوسکتا ہے، اس لئے ہر مسلمان کو بالخصوص ہر وقت اپنی ذات کا محاسبہ کرنے اور اپنے نفس کا جائزہ لینے کی ضرورت ہے۔ اور چوں کہ بسااوقات خود انسان اپنے نفسانی امراض کا ادراک نہیں کر پاتا اس لئے بہتر ہے کہ کسی شیخ کامل اور مصلح صادق سے رابطہ کر کے اپنے امراض کو دور کرنے کی فکر کی جائے۔

نفسانی منکرات بے شمار ہیں؛ لیکن ہم ذیل میں چند اہم نفسانی برائیوں پر روشنی ڈالنا مناسب سمجھتے ہیں:

کبروغرور

تکبر وخود نمائی وہ بدترین منکر ہے جو انسان کو دنیا وآخرت میں ذلت کے آخری کنارے تک پہنچادیتا ہے، اور اجتماعی زندگی میں زیادہ تر فتنہ وفساد اور شقاق ونفاق کا سبب یہی تکبر بنتا ہے؛ اس لئے اللہ تعالیٰ کی نظر میں یہ صفت انتہائی مبغوض اور قابل لعنت ہے۔ قرآنِ کریم میں جگہ جگہ مغروروں اور تکبر کرنے والوں کی مذمت وارد ہوئی ہے۔ ارشادِ خداوندی ہے:

إِنَّـهُ لَا يُحِبُّ الْمُسْتَكْبِرِيْنَ. (نحل:۲۳)	بے شک اللہ کو غرور کرنے والے پسند نہیں آتے۔

نیز ارشاد ہے:

إِنَّ اللّٰهَ لاَ يُحِبُّ مَنْ كَانَ مُخْتَالاً فَخُوْرًا. (النساء: ٣٦)

یقیناً اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں ہے وہ شخص جو اِترانے والا اور شیخی بگھارنے والا ہو۔

نیز ارشاد ہے:

كَذٰلِكَ يَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ قَلْبِ مُتَكَبِّرٍ جَبَّارٍ. (الغافر: ٣٥)

اسی طرح اللہ تعالیٰ مہر لگادیتے ہیں ہر گھمنڈی متکبر کے دل پر۔

متکبرین کا ٹھکانہ: جہنم

نیز قرآن وحدیث میں جگہ جگہ یہ بتلایا گیا ہے کہ متکبرین کا ٹھکانہ آخرت میں جہنم ہی کو بنایا جائے گا۔ ایک جگہ ارشادِ خداوندی ہے:

أَلَيْسَ فِيْ جَهَنَّمَ مَثْوًى لِلْمُتَكَبِّرِيْنَ. (الزمر: ٦٠)

کیا جہنم میں تکبر کرنے والوں کا ٹھکانا نہیں ہے؟

حدیث میں آتا ہے کہ ایک مرتبہ جنت اور جہنم میں بحث ہوئی تو جہنم نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے متکبر اور گھمنڈی لوگوں کے واسطے عذاب کی جگہ بنایا ہے۔ اس کے برخلاف جنت نے یہ کہا کہ مجھ میں داخل ہونے والوں میں فقراء ومساکین کی اکثریت ہوگی۔ (مستفاد: ترمذی شریف ۸۳/۲)

متکبرانہ چال

زمین پر اکڑ کر چلنا اور سر کو متکبرانہ انداز میں ہلانا جلانا، قرآن وحدیث کی نظر میں سخت ناپسندیدہ ہے۔ قرآنِ کریم میں فرمایا گیا:

وَلَا تَمْشِ فِى الْاَرْضِ مَرَحًا، اِنَّكَ لَنْ تَخْرِقَ الْاَرْضَ وَلَنْ تَبْلُغَ الْجِبَالَ طُوْلاً. (بنی اسرائیل: ٣٧)

اور مت چل زمین پر اکڑتا ہوا تو پھاڑ نہ ڈالے گا زمین کو اور نہ پہنچے گا پہاڑوں تک لمبا ہو کر۔

اور سورۂ لقمان میں فرمایا گیا:

وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ وَلَا تَمْشِ فِي الْأَرْضِ مَرَحًا، إِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ. وَاقْصِدْ فِيْ مَشْيِكَ وَاغْضُضْ مِنْ صَوْتِكَ إِنَّ أَنْكَرَ الْأَصْوَاتِ لَصَوْتُ الْحَمِيْرِ. (لقمان: ۱۸-۱۹)	اور مت بگاڑو اپنا چہرہ لوگوں کے سامنے، اور مت چل زمین پر اتراتا ہوا، بے شک اللہ کو نہیں بھاتا کوئی اِتراتا بڑائیاں کرنے والا، اور چال میں میانہ روی اختیار کرو اور اپنی آواز پست رکھو، یقیناً سب سے ناگوار آواز وہ گدھوں کی آواز ہے۔

متکبرانہ چال اللہ تعالیٰ کو نہایت مبغوض ہے، پچھلی قوموں میں ایسے واقعات پیش آئے ہیں کہ کوئی شخص تکبر سے اکڑ کر چلتے ہوئے سامنے آیا، تو اللہ تعالیٰ نے اسے زمین میں دھنسا کر نشانِ عبرت بنا دیا۔ نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے:

بَيْنَمَا رَجُلٌ مِمَّنْ كَانَ قَبْلَكُمْ يَجُرُّ إِزَارَهُ مِنَ الْخُيَلَاءِ خُسِفَ بِهٖ فَهُوَ يَتَجَلْجَلُ فِي الْأَرْضِ إِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ. (رواه البخاري ۱/٤٩٥ رقم: ٣٤٨٥، نسائي ٢/٢٩٨ رقم: ٥٣٣٦، الترغيب والترهيب مكمل ٦١٢ رقم: ٤٤٢١)	تمہارے سے پہلی اُمتوں کا ایک شخص تکبر کی بنا پر اپنا تہبند لٹکاتا تھا تو اسے زمین میں دھنسا دیا گیا اور وہ قیامت تک دھنستا ہی چلا جا رہا ہے۔

اور یہ تو دنیا کی سزا ہے، آخرت میں ایسے شخص کا حال یہ ہوگا کہ جب وہ دربارِ خداوندی میں حاضر ہوگا تو اللہ تبارک وتعالیٰ اس پر غضب ناک ہوں گے۔ پیغمبر علیہ السلام کا ارشاد ہے:

مَنْ تَعَظَّمَ فِيْ نَفْسِهٖ أَوِ اخْتَالَ فِيْ مِشْيَتِهٖ لَقِيَ اللّٰهَ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى وَهُوَ عَلَيْهِ غَضْبَانٌ. (رواه الطبراني عن ابن عمر، والحاكم ١/٦٠، الترغيب والترهيب مكمل ٦١٢ رقم: ٤٤٢٧)	جو شخص اپنے آپ کو بڑا سمجھے اور چال میں تکبر کا اظہار کرے تو اللہ تعالیٰ سے وہ اس حال میں ملے گا کہ اللہ تعالیٰ اس پر غصہ ہوگا۔

اور ظاہر ہے کہ جس شخص پر اللہ تعالیٰ غضب کا اظہار فرمائیں اس کی ذلت کا کوئی اندازہ نہیں لگایا جاسکتا۔

کبریائی صرف ذاتِ خداوندی کو زیب دیتی ہے

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى : اَلْكِبْرِيَاءُ رِدَائِيْ وَالْعَظْمَةُ إِزَارِيْ، فَمَنْ نَازَعَنِيْ وَاحِدًا مِنْهُمَا قَذَفْتُهُ فِيْ النَّارِ.

(أبوداؤد ۵٦٦/۲ رقم: ٤٠٩٠، مسلم ۳۲۹/۲ رقم: ۲٦۲۰، ابن ماجة ۳۰۸، الترغيب والترهيب مكمل ٦١٠ رقم: ٤٤٠۳ مسند أحمد ٤١٤/۲)

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے بڑائی میری چادر ہے اور عظمت میری اِزار ہے، جو ان میں سے کوئی چیز بھی مجھ سے لینے کی کوشش کرے گا میں اُسے جہنم میں داخل کروں گا۔

مطلب یہ ہے کہ جس طرح انسان اپنی چادر اور لنگی میں کسی دوسرے کو شریک کرنا پسند نہیں کرتا، اسی طرح اللہ تبارک وتعالیٰ اپنی جلالتِ شان اور کبریائی میں کسی دوسرے کو شریک کرنا گوارا نہیں فرماتے، حقیقی کبریائی صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے۔ (جامع المہلکات ۴۱۲)

تکبر؛ جنت میں داخلہ میں رکاوٹ

تکبر کی برائی کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ جب تک متکبر شخص اپنے تکبر کی سزا نہ بھگت لے گا اسے جنت میں داخلے کی اجازت نہ ملے گی۔ نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا:

لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ أَحَدٌ فِيْ قَلْبِهٖ مِثْقَالُ حَبَّةِ خَرْدَلٍ مِّنْ كِبْرِيَاءٍ.

(مسلم ٦۵/۱ رقم: ۹۱، ترمذی ۲۰/۲ رقم: ۱۹۹۸، مشکوٰة ٤۳۳/۲ رقم: ۵۱۰۷)

کوئی بھی ایسا شخص جنت میں نہ جاسکے گا جس کے دل میں رائی کے دانے کے برابر تکبر ہو۔

یہ حدیث ہم سب کے لئے بہت زیادہ عبرت ناک ہے، اور ہمیں متنبہ کرتی ہے کہ ہم اپنے دل سے کبر وغرور کے اثرات نکالنے کی ہر ممکن کوشش کرتے رہیں۔

متکبرین کا عبرت ناک انجام

عام طور پر متکبرین کا شیوہ یہ ہوتا ہے کہ وہ دنیا میں اپنے کو نمایا کرنے کی کوشش میں لگے رہتے ہیں، اور دل سے یہ چاہتے ہیں کہ ہر جگہ ان کی عزت ہو، ان کا نام لیا جائے، ان کی تعریفیں کی جائیں، اور سیاست سے دلچسپی ہو تو ''زندہ باد'' کے نعرے لگائے جائیں، اور استقبالیہ پروگرام کئے جائیں؛ لیکن یہ سب دنیا کی چند روزہ رونقیں ہیں، ان متکبرین کا آخرت میں کیا انجام ہوگا؟ اس کے تصور ہی سے رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں۔ ملاحظہ فرمایئے نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی یہ ہوش ربا حدیث:

يُحْشَرُ الْمُتَكَبِّرُوْنَ أَمْثَالَ الذَّرِّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فِيْ صُوَرِ الرِّجَالِ يَغْشَاهُمُ الذُّلُّ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ يُسَاقُوْن إِلٰى سِجْنٍ فِيْ جَهَنَّمَ يسمّٰى "بُوْلَسُ" تَعْلُوْهُمْ نَارُ الْأَنْيَارِ يُسْقَوْنَ مِنْ عُصَارَةِ أَهْلِ النَّارِ طِيْنَةِ الْخَبَالِ. (الترمذي ۸۳/۲ رقم۲۴۹۲، مسند أحمد ۱۷۹/۲، مشكوٰة ۴۳۳/۲ رقم: ۵۱۱۲، الترغيب والترهيب مكمل ۶۱۲ رقم: ۴۴۱۹)

تکبر کرنے والوں کو قیامت کے دن چیونٹیوں کی طرح آدمیوں کی صورت میں جمع کیا جائے گا۔ ذلت ان کو ہر طرف سے گھیرے ہوگی، ان کو جہنم کے قید خانہ کی طرف لے جایا جائے گا جس کا نام ''بولس'' ہوگا، ان پر ''آگوں کی آگ'' بلند ہوگی، اور انہیں دوزخیوں کے زخموں کا نچوڑ (خون پیپ وغیرہ) پلایا جائے گا جس کا نام ''طینۃ الخبال'' ہے

اور اس بارے میں دوسری روایت کے الفاظ یہ ہیں:

يُحْشَرُ الْجَبَّارُوْنَ الْمُتَكَبِّرُوْنَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فِيْ صُوَرِ الذَّرِّ تَطُؤُهُمُ النَّاسُ لِهَوَانِهِمْ عَلَى اللّٰهِ. (الزواجر عن اقتراف الكبائر ۱۱۱/۱)

مغرور و متکبر لوگ قیامت میں ذلیل چیونٹیوں کی شکل میں اٹھائے جائیں گے، لوگ انہیں اپنے قدموں سے روندیں گے؛ کیوں کہ وہ اللہ تعالیٰ کی نظر میں ذلیل ہیں۔

ایک اور روایت میں ارشادِ نبوی ہے:

لَا یَزَالُ الرَّجُلُ یَذهبُ بِنَفْسِهٖ حَتّٰی یُكْتَبَ فِي الْجَبَّارِیْنَ فَیُصِیْبُهٗ مَا أَصَابَهُمْ. (ترمذی ۲/۲۰ رقم: ۲۰۰۰، الترغيب والترهيب مكمل ٣ ٦١ رقم: ٤٤٣١)

آدمی برابر اپنے نفس کو (تکبر کی جانب) کھینچتا رہتا ہے تا آں کہ اس کا نام سرکشوں میں لکھ دیا جاتا ہے، پس اسے بھی وہی (عذاب) ہوگا جو ان متکبرین کو ہوگا۔

نیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

وَمَنْ تَكَبَّرَ عَلَی اللّٰهِ دَرَجَةً یَضَعُهُ اللّٰهُ بِهٖ دَرَجَةً حَتّٰی یَجْعَلَهُ فِيْ أَسْفَلِ سَافِلِیْنَ. (ابن ماجة ٣٠٨ رقم: ٤١٧٦، لترغيب والترهيب مكمل ٦٠٩ رقم: ٤٣٩٥، وابن حبان في صحيح رقم: ٥٦٤٩)

اور جو اللہ پر ایک درجہ تکبر کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کا مرتبہ گھٹا تا ہے، حتی کہ اُسے جہنم کے سب سے نچلے درجہ تک پہنچا دیتا ہے۔

سیدنا حضرت عمر ابن الخطاب رضی اللہ عنہ نے ایک دن منبر پر خطبہ دیتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ: اے لوگو! تواضع اختیار کرو؛ اس لئے کہ میں نے نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے کہ:

مَنْ تَوَاضَعَ لِلّٰهِ رَفَعَهُ اللّٰهُ فَهُوَ فِيْ نَفْسِهٖ صَغِیْرٌ وَفِيْ أَعْیُنِ النَّاسِ عَظِیْمٌ، وَمَنْ تَكَبَّرَ وَضَعَهُ اللّٰهُ فَهُوَ فِيْ أَعْیُنِ النَّاسِ صَغِیْرٌ وَفِيْ نَفْسِهٖ كَبِیْرٌ حَتّٰی لَهُوَ أَهْوَنُ عَلَیْهِمْ مِنْ كَلْبٍ أَوْ خِنْزِیْرٍ. (مسند أحمد ٤٤/١، شعب الإيمان ٢٧٦/٦ رقم: ٨١٤٠)

جو شخص اللہ کے لئے عاجزی کرے تو اللہ تعالیٰ اسے سر بلندی سے نوازتے ہیں، پس وہ اپنی نظر میں کم تر لیکن لوگوں کی نظر میں برتر ہوجاتا ہے (اس کے برخلاف) جو شخص تکبر کرتا ہے تو اللہ تعالی اسے ذلیل فرما دیتے ہیں تو وہ لوگوں کی نظر میں کم تر ہوجاتا ہے حالاں کہ وہ خود اپنے کو برتر سمجھتا ہے حتی کہ وہ لوگوں کی نگاہ میں کتے اور خنزیر سے بدتر ہوجاتا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشادعالی کی صداقت کھلے آنکھوں دکھائی دیتی ہے، جو شخص بھی دل سے متواضع ہوتا ہے وہ محبوب خلائق بن جاتا ہے، اور جو غرور اور رعونت ظاہر کرتا ہے تو اس کی ذلت لوگوں کے دلوں میں پیوست ہوجاتی ہے، اس لئے جو شخص ذلت سے بچنا چاہتا ہے اسے تکبر سے دور رہنا پڑے گا، اور حقیقی تواضع اختیار کرنی پڑے گی۔

تکبر کی حقیقت

ایک مرتبہ نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص کے دل میں بھی تکبر ہوگا وہ جنت میں نہیں جائے گا، تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے دریافت کیا کہ اے اللہ کے رسول! ہم میں سے ہر شخص اس بات کو پسند کرتا ہے کہ اس کا کپڑا اور جوتا بہترین ہو (تو کیا یہ بھی تکبر ہے؟) تو پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا:

إِنَّ اللّٰهَ جَمِيلٌ يُحِبُّ الْجَمَالَ، اَلْكِبْرُ بَطَرُ الْحَقِّ وَغَمْطُ النَّاسِ.

(رواه مسلم ٦٥/١ رقم: ٧٩١، ترمذي ٢٠/٢ رقم: ١٩٩٩، الترغيب والترهيب مكمل/٦١٢ رقم: ٤٤٢٠)

بے شک اللہ تعالیٰ باجمال ہیں اور جمال کو پسند فرماتے ہیں (محض اچھا لباس پہننا تکبر نہیں؛ بلکہ) تکبر حق کے انکار اور لوگوں کو کمتر سمجھنے کا نام ہے۔

یعنی اچھے کپڑے یا لباس پہننے سے تکبر کا کوئی تعلق نہیں ہے؛ بلکہ اس کا مدار دلی جذبات پر ہے، اگر دل میں حقانیت ہے اور دوسروں کو اپنے سے حقیر نہیں سمجھتا تو ایسا شخص خواہ کتنا ہی قیمتی لباس پہنے ہوئے ہو، وہ متواضع کہلائے گا، اور اگر دل میں کھوٹ ہے اور اپنی برتری کا خنّاس ہے تو اگرچہ بدن پر لباس معمولی ہو پھر بھی یہ شخص شریعت کی نظر میں متکبر اور قابلِ مذمت ہے۔

اس لئے آدمی کو حق پسند ہونا چاہئے، اور اس کی علامت یہ ہے کہ اگر اپنی غلطی سامنے آجائے تو بلا تکلف اسے تسلیم کرلے، ضدی اور ہٹ دھرم نہ بنے۔ اسی طرح اگر مجلس میں کوئی شخص اس کے خلاف رائے دے تو اس سے ناراض نہ ہو؛ بلکہ سنجیدگی اور صبر وتحمل کے ساتھ معقول انداز میں اس پر غور کرے۔

اسی طرح لوگوں کے ساتھ اس کا رویہ نرم خوئی کا ہونا چاہیئے، بات بات پر جھنجھلانا اور معمولی سی کوتاہی پر جھڑک دینا، یا مقام ومنصب کا لحاظ کئے بغیر گفتگو میں تیز لہجہ اختیار کرنا، یہ سب متکبرین کی علامات ہیں۔ یہ باتیں دیکھنے میں گوکہ معمولی نظر آتی ہیں؛ لیکن ان کے اثرات بہت دور تک پہنچتے ہیں، اور بسا اوقات ایسے نقصانات کا سبب بن جاتے ہیں جن کی بعد میں تلافی کی کوئی صورت نہیں ہوتی۔

تکبر کی چند علامتیں؛ امام غزالیؒ کی نظر میں!

کبر کا اصل تعلق قلبی کیفیت سے ہے؛ لیکن اس کے اثرات آدمی کے عمل اور کردار سے ظاہر ہوتے ہیں۔ حکیم الامت حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے تکبر کے اثرات شمار کراتے ہوئے لکھا ہے کہ:

(۱) جب آدمی دوسرے کے مقابلہ میں اپنے کو برتر سمجھتا ہے تو اس کے ساتھ بیٹھنے اور کھانے پینے کو ناگوار خیال کرتا ہے (مثلاً اپنے ملازم یا خادم کو اپنے ساتھ بٹھانے کو عار سمجھتا ہے)

(۲) اسی طرح جب وہ کسی مجلس میں جاتا ہے تو اس کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ لوگ اس کے سامنے کھڑے ہوکر اکرام کریں، اور اسے اونچے مقام (اسٹیج) پر بٹھایا جائے۔

(۳) نیز چاہتا ہے کہ راستے میں وہی آگے چلے، اس سے آگے کوئی نہ بڑھے۔

(۴) اور وہ سلام میں پہل نہیں کرتا؛ بلکہ اس کا منتظر رہتا ہے کہ اسے اولاً سلام کیا جائے۔

(۵) متکبر کی ایک علامت یہ ہے کہ اگر وہ کسی سے کوئی کام انجام دینے کو کہے اور اس میں مذکورہ شخص سے کوتاہی ہوجائے تو اس پر اسے سخت غصہ آئے، اور اگر وہ کوئی بحث کر بیٹھے تو اسے بہت برا جانے اور اسے اپنی بے عزتی خیال کرے۔

(۶) متکبرین کی ایک خاص علامت یہ بھی ہے کہ اگر انہیں کوئی نصیحت کی بات بتائی جاتی ہے تو وہ اسے قبول نہیں کرتے؛ بلکہ اس پر ناک بھنوئیں چڑھاتے ہیں اور نصیحت کرنے والے کو برا سمجھتے ہیں۔

(۷) اس کے برخلاف جب وہ خود دوسرے کو نصیحت کرتے ہیں تو ان کا انداز نہایت نامناسب اور حقارت آمیز ہوتا ہے۔

(۸) متکبر شخص کی ایک علامت یہ بھی ہے کہ اگر اس کی کسی بات پر انکار کیا جائے تو وہ سنجیدگی سے غور کرنے کے بجائے غصہ میں آگ بگولہ ہو جاتا ہے، اور انکار کرنے والے سے دل میں کینہ بٹھا لیتا ہے۔

(۹) متکبر شخص اپنے لئے جو مقام پسند کرتا ہے وہ دوسروں کے لئے پسند نہیں کرتا، اور عظیم ایمانی صفت یعنی: ''جس چیز کو اپنے لئے پسند کرو وہی دوسروں ے لئے پسند کرو'' اس سے وہ محروم رہتا ہے۔ (تلخیص: مذاق العارفین ترجمہ احیاء علوم الدین ۲/۴۰۳)

مذکورہ علامات میں سے ہر علامت کو سامنے رکھ کر ہمیں اپنے نفس کا محاسبہ کرنے کی ضرورت ہے؛ تاکہ اس بدترین نفسانی بیماری سے ہمیں نجات مل سکے۔ اللہ تعالیٰ پوری امت کو کبر وغرور سے محفوظ فرمائیں، آمین۔

سولھویں فصل:

خاندانی مفاخرت

انسان میں جو صفات پائی جاتی ہیں وہ دو طرح کی ہیں، بعض ایسی ہیں جنھیں آدمی اپنے اختیار اور محنت سے حاصل کرسکتا ہے، مثلاً علم، عہدہ، قوت وغیرہ؛ لیکن کچھ صفات ایسی ہوتی ہیں جو آدمی کے اختیار سے باہر ہیں، انہیں انسان اپنی مرضی سے حاصل نہیں کرسکتا۔ ان کا تعلق براہِ راست اللہ تعالیٰ کی عطا سے ہوتا ہے، مثلاً آدمی کا گورا یا کالا ہونا، خوبصورت یا بدصورت ہونا یا آدمی کا نسبی تعلق کسی خاص خاندان سے ہونا۔

ظاہر ہے کہ انسان کے کسی خاندان میں پیدا ہونے میں خود اس کے کسی عمل یا خواہش کا دخل نہیں ہے، یہ صرف اللہ تعالیٰ کا فیصلہ اور اختیار ہے کہ کس کو کس خاندان میں پیدا کیا جائے؟ اگر اس میں انسانی خواہش کی رعایت رکھی گئی ہوتی، اور اس میں محنت وغیرہ کا کچھ بھی دخل ہوتا، تو کوئی آدمی خاص خاندانوں کے علاوہ کسی اور خاندان میں پیدا ہونا پسند ہی نہ کرتا؛ بلکہ متعین خاندانوں میں پیدائش کے لئے سارا زور لگا دیتا۔

اور جس طرح پیدائش سے پہلے اس بارے میں انسان کو اختیار حاصل نہیں، اسی طرح پیدائش کے بعد بھی شریعت میں یہ جائز نہیں کہ آدمی اپنے اصل آبائی خاندان کے علاوہ کسی اور کی طرف اپنے کو منسوب کرے، ایسا کرنا شریعت کی نظر میں قابلِ لعنت عمل ہے۔ نبی اکرم علیہ السلام کا ارشاد ہے:

مَنِ ادَّعٰی إِلٰی غَیْرِ أَبِیْهِ أَوْ تَوَلّٰی غَیْرَ مَوَالِیْهِ فَعَلَیْهِ لَعْنَةُ اللّٰهِ

جو اپنے اصل باپ کے علاوہ دوسرے کی طرف اپنے کو منسوب کرے یا اپنے موالی (آزاد کرنے

وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ، لَا يُقْبَلُ مِنْهُ صَرْفٌ وَلَا عَدْلٌ. (البخاري ۲۵۱/۱ رقم: ۱۸۷۰، الترمذي ۳۳/۲ - ۳٤ رقم: ۲۱۲۷)

والے آقا) کے علاوہ دوسروں سے رشتہ جوڑے تو اس پر اللہ کی، فرشتوں کی اور سب جہان والوں کی لعنت ہے، اور اس کی فرض یا نفل کوئی عبادت قبول نہیں۔

اسی طرح اسلام میں لے پالک بیٹے یا منہ بولے رشتوں کا بھی کوئی اعتبار نہیں، گویا کہ نسبی رشتے اللہ کے طے کردہ ہیں، ان میں انسان کے لئے تسلیم کے علاوہ کوئی چارہ نہیں اور ان میں تبدیلی کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

اعلیٰ صفات والے خاندان

تاہم یہ بات اپنی جگہ طے شدہ ہے کہ انسانی اعلیٰ صفات کے اعتبار سے خاندانوں کی اہمیت اپنی جگہ مسلم ہے، چناں چہ سرورِ عالم، سید الاولین والآخرین سیدنا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش کے لئے جس خاندان کو منتخب کیا گیا، وہ صفاتِ حسنہ کے اعتبار سے دنیا کا سب سے اعلیٰ ترین خاندان تھا، خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد عالی ہے:

إِنَّ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ اصْطَفٰى بَنِيْ كَنَانَةَ مِنْ بَنِيْ إِسْمٰعِيْلَ وَاصْطَفٰى مِنْ بَنِيْ كَنَانَةَ قُرَيْشاً وَاصْطَفٰى مِنْ قُرَيْشٍ بَنِيْ هَاشِمٍ وَاصْطَفَانِيْ مِنْ بَنِيْ هَاشِمٍ. (مسلم ۲٤٥/۲ رقم: ۲۲۷٦، ترمذي ۲۰۲/۲، رقم: ۱۷۸۲، دلائل النبوة ۱٦٥/۱، مسند أحمد ۱۰۷/٤)

اللہ تعالیٰ نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے بنو کنانہ کو منتخب کیا، اور بنو کنانہ میں سے قریش کو منتخب کیا اور قریش میں سے بنو ہاشم کو منتخب کیا اور پھر مجھے بنو ہاشم میں سے منتخب فرمایا۔

اور بعض روایات میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ''میں نسب اور خاندان کے اعتبار سے سب سے افضل ہوں''۔ (الترمذی ۲۰۱/۲، رقم: ۳۷۵۸، ابن ماجہ ۱۴۰، دلائل النبوۃ ۱۶۸)

ان روایات سے یقیناً خانوادۂ نبوت کی شرافت معلوم ہوتی ہے۔

پس نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے خاندانی نسبت یقیناً ایک عظیم شرف ہے، اس کا ایک امتیاز یہ ہے کہ یہ نسبت قیامت میں بھی کام آئے گی، جب کہ دیگر خاندانی نسبتیں منقطع ہوجائیں گی۔ نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا:

فَاطِمَةُ بَضْعَةٌ مِنِّي يَقْبِضُنِي مَا يَقْبِضُهَا وَيَبْسُطُنِي مَا يَبْسُطُهَا، إِنَّ الْأَنْسَابَ تَنْقَطِعُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ غَيْرَ نَسَبِي وَسَبَبِي وَصِهْرِي. (تفسير ابن كثير مكمل: ٩٢٠، رواه البخاري مختصراً ٥٢٦/٢ رقم: ٣٧١٤ و٥٢٨/٢ رقم: ٣٧٢٩، فتح الباري ٩٩/٧، ١٠٧، مسند أحمد ٣٣٢/٤ رقم: ١٨٨٠٩)

فاطمہ میرے بدن کا ٹکڑا ہے، جو چیز انہیں ناگوار ہے وہ مجھے بھی ناگوار ہے اور جو چیز ان کے لئے بشاشت کا باعث ہے وہ میرے لئے بھی بشاشت کا سبب ہے، اور میرے نسبی اور دامادی رشتوں کے سوا سب نسبی رشتے قیامت میں منقطع ہوجائیں گے۔

اسی نسبت کو حاصل کرنے کے لئے امیر المؤمنین سیدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی صاحب زادی سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا سے نکاح فرمایا تھا؛ تاکہ خانوادۂ نبوت سے آپ کا رشتۂ دامادی قائم ہوجائے۔ (تفسیر ابن کثیر مکمل ۹۲۰)

علاوہ ازیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ میں بسنے والے قبیلۂ انصار کے خاندانوں کی درجہ بندی فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا:

خَيْرُ دُوْرِ الْأَنْصَارِ دُوْرُ بَنِي النَّجَّارِ ثُمَّ دُوْرُ بَنِي عَبْدِ الْأَشْهَلِ ثُمَّ بَنِي الْحَارِثِ بْنِ الْخَزْرَجِ ثُمَّ بَنِي سَاعِدَةَ وَفِي كُلِّ دُوْرِ الْأَنْصَارِ خَيْرٌ. (ترمذي شريف ٢٢٩/٢)

انصار کے خاندانوں میں سب سے افضل خاندان بنونجار کا ہے، اس کے بعد بنوعبد الاشہل پھر بنوحارث بن الخزرج پھر بنوساعدہ کا درجہ ہے، اور (ویسے تو) انصار کے سبھی خاندانوں میں فضیلت پائی جاتی ہے۔

لہٰذا معلوم ہوا کہ فطری صلاحیت اور بہترین طبائع کی بنا پر بعض خاندانوں کو ممتاز کہا جاسکتا ہے؛ لیکن چوں کہ ان خاندانوں میں پیدا ہوجانا کسی کی اختیاری بات نہیں ہے، اس لئے ان

خاندانوں سے وابستہ افراد کو اللہ تعالیٰ کے دربار میں سجدۂ شکر تو ضرور بجالانا چاہئے کہ اس نے بلااستحقاق اس نعمت سے نوازا؛ لیکن ان میں سے کسی کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ اس کی بنا پر اپنے کو برتر اور دوسروں کو کم تر جانے، اس کی قطعاً اجازت نہیں ہے؛ اس لئے کہ غیر اختیاری خوبی پر فخر وغرور محض جہالت کی بات ہے، یہ ایسا ہی ہے جیسے کوئی شخص اپنی خوب صورتی یا سرخ وسفید رنگت کی بنا پر اترانے لگے اور دوسروں کو اپنے سے کم تر سمجھنے لگے، تو یہ محض ناسمجھی کی بات ہوگی۔

پھر دوسری بات یہ ہے کہ جن خاندانوں کو صفاتِ حسنہ کی بنا پر امتیاز عطا ہوا ہے، ان خاندانوں کے افراد میں اگر اچھی خوبیاں یعنی تقویٰ اور دین داری اور اچھے اخلاق پائے جائیں گے، تبھی وہ فضیلت کے مستحق ہوں گے، یہ نہیں ہے کہ ممتاز خاندان کا فرد کچھ بھی کرتا رہے اور اس خوش فہمی میں رہے کہ میں تو فلاں خاندان کا ہوں، میرا کیا بگڑ سکتا ہے، تو یہ محض خام خیالی اور حماقت کی بات ہے، سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

مَنْ بَطَأَ بِهٖ عَمَلُهُ لَمْ يُسْرِعْ بِهٖ نَسَبُهُ. (رواہ مسلم ۲/۳۴۵ رقم: ۲۶۹۹، الترغیب والترهیب مکمل ۴۳ رقم: ۱۰۵)	جس کا عمل اسے پیچھے کردے اس کا نسب اسے آگے نہیں لے جاسکتا۔

اس روایت سے پتہ چلا کہ نسب سے فائدہ اسی وقت ہوسکتا ہے جب کہ عقیدہ اور عمل بھی درست ہو، بغیر عمل کے محض انتساب سے کچھ ہونے والا نہیں ہے۔

باپ دادوں پر اترانا قابلِ لعنت عمل ہے

محض باپ دادوں کی باتوں پر اتراتے رہنا اور خود کچھ نیکی نہ کرنا یہ شریعت میں پسندیدہ نہیں ہے؛ بلکہ سخت قسم کا مبغوض عمل ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

لَيَنْتَهِيَنَّ أَقْوَامٌ يَفْتَخِرُوْنَ بِاٰبَائِهِمُ الَّذِيْنَ مَاتُوْا إِنَّمَا هُمْ فَحْمُ جَهَنَّمَ، أَوْ لَيَكُوْنُنَّ أَهْوَنَ عَلَى اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ مِنَ الْجُعَلِ الَّذِيْ يُدَهْدِهُ	وہ لوگ جو اپنے وفات شدہ آباء واجداد (جو جہنم میں جل کر سیاہ ہو چکے ہیں) پر فخر کرتے ہیں انہیں اپنی اس حرکت سے باز آجانا چاہئے، ورنہ وہ اللہ کی نظر میں گندگی کے اس کیڑے سے بھی

الْخُرْءَ بِأَنْفِهِ إِنَّ اللّٰهَ أَذْهَبَ عَنْكُمْ عُبِّيَّةَ الْجَاهِلِيَّةِ وَفَخْرَهَا بِالآبَاءِ. إِنَّمَا هُوَ مُؤْمِنٌ تَقِيٌّ، وَفَاجِرٌ شَقِيٌّ، اَلنَّاسُ بَنُوْ آدَمَ، وَآدَمُ خُلِقَ مِنْ تُرَابٍ. (أبوداؤد ٦٩٧/٢ رقم: ٥١١٦، ترمذي ٢٣٢/٢ رقم: ٣٩٥٥، الترغيب والترهيب مكمل ٦١٣ رقم: ٤٤٣٣)

زیادہ ذلیل قرار پائیں گے جو اپنی ناک سے گندگی کو جھاڑتا ہے، یقیناً اللہ تعالیٰ نے تم سے زمانۂ جاہلیت کے عیوب اور آباء واجداد پر فخر کرنے کے سلسلہ کو ختم کرنے کا حکم دیا ہے، آدمی یا تو مؤمن متقی ہے یا پھر فاجر بدبخت ہے، سب انسان آدم کی اولاد ہیں اور آدم کی پیدائش مٹی سے ہوئی ہے۔

اس حدیث شریف سے معلوم ہوگیا کہ اسلام میں نسب کی بنیاد پر فخر وغرور کی کوئی گنجائش نہیں ہے، اور ہر انسان کو اپنی ابتداء اور انسانِ اول سیدنا حضرت آدم علیہ السلام سے اپنا رشتہ ہمیشہ یاد رکھنا چاہئے۔

دین داری کے بغیر کوئی نسبت قابلِ تعریف نہیں

اگر انسان کا تعلق کسی ممتاز خاندان سے ہو اور وہ ساتھ میں دین داری اور تقویٰ سے بھی متصف ہو تو وہ یقیناً قابل تعریف ہے؛ لیکن اگر خاندان تو ممتاز ہو مگر ایمان وعمل میں کمزوری ہو تو ایسا آدمی عنداللہ معزز کہلائے جانے کے لائق نہیں۔ قرآنِ کریم میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا، اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ، اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ. (الحجرات: ١٣)

اے لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے بنایا اور تمہاری برادریاں اور قبیلے بنائے؛ تاکہ آپس کی پہچان ہو، یقیناً اللہ کے یہاں وہی سب سے زیادہ باعزت ہے جو تم میں سب سے زیادہ پرہیزگار رہے، بے شک اللہ تعالیٰ جاننے والا باخبر ہے۔

اس آیت سے معلوم ہوگیا کہ خاندانوں اور برادریوں میں تقسیم کا مقصد تفاخر نہیں؛ بلکہ

تعارف ہے، اور عزت کی بنیاد تقویٰ اور پرہیز گاری پر ہے۔

نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس بارے میں واضح طور پر ہدایات ارشاد فرمائی ہیں۔ ایک مرتبہ آپ سے سوال کیا گیا کہ عرب کے خاندانوں میں سب سے اچھے لوگ کون ہیں؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا:

خِيَارُكُمْ فِي الْجَاهِلِيَّةِ خِيَارُكُمْ فِي الإِسْلَامِ، إِذَا فَقُهُوْا. (رواه البخاري ٤٧٣/١ رقم: ٣٣٥٢، تفسير ابن كثير مكمل: ١٢٥٣)

زمانۂ جاہلیت میں جو لوگ باعزت تھے، وہی اسلام میں بھی باعزت ہیں، بشرطیکہ ان میں دین کی سمجھ ہو۔

تو معلوم ہوا کہ بغیر دینی سمجھ کے محض کسی خاندان سے متعلق ہونا کوئی خوبی کی بات نہیں ہے۔

کوئی اپنے کو کامل نہ سمجھے

نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انسانوں میں حقیقی مساوات کا درس دیتے ہوئے امت کو یہ ہدایت دی کہ کسی شخص کے لئے یہ روا نہیں کہ وہ اپنے کو ہر اعتبار سے کامل اور دوسروں کو نامکمل سمجھے؛ بلکہ اپنی ابتداء اور انتہاء پر نظر کرتے ہوئے دوسروں کی عزت وتکریم میں کوئی کمی نہ کرے۔

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا:

إِنَّ أَنْسَابَكُمْ هٰذِهٖ لَيْسَتْ بِمَسَبَّةٍ عَلٰى أَحَدٍ، كُلُّكُمْ بَنُوْ آدَمَ طُفُّ الصَّاعِ لَمْ يَمْلَؤُوْهُ، لَيْسَ لِأَحَدٍ عَلٰى أَحَدٍ فَضْلٌ إِلَّا بِدِيْنٍ وَتَقْوٰى، وَكَفٰى بِالرَّجُلِ أَنْ يَكُوْنَ بَذِيًّا بَخِيْلاً فَاحِشًا. (رواه أحمد، تفسير ابن كثير مكمل: ١٢٥٣)

یہ تمہارے نسب کسی کے لئے عار نہیں ہیں، تم سب آدم کی اولاد ایسے پیمانے کے مانند ہو جسے تم نے بھرا نہ ہو (یعنی ہر شخص میں کچھ نہ کچھ کمی ضرور ہے) کسی کو کسی پر دین اور پرہیز گاری کے علاوہ کسی اعتبار سے کوئی برتری نہیں ہے، اور آدمی کے برے ہونے کے لئے اس کا بدگو، بخیل اور بےشرم ہونا کافی ہے۔

اور ایک روایت میں ہے کہ قیامت میں کوئی نسب کام نہیں آئے گا؛ بلکہ صرف تقویٰ کام

آئے گا۔ نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے:

إِذَا كَـانَ يَـوْمُ الْـقِيَـامَةِ أَمَرَ اللّٰـهُ مُنَادِياً يُنَادِيْ: أَلا إِنِّيْ جَعَلْتُ نَسَبًا، وَجَـعَلْتُمْ نَسَبًا، فَجَعَلْتُ أَكْرَمَكُمْ أَتْـقَـاكُـمْ، فَـأَبَيْتُـمْ إِلَّا أَنْ تَقُوْلُوْا: فُلاَنُ بْـنُ فُلاَنٍ خَيْـرٌ مِـنْ فُلاَنِ بْنِ فُلاَنٍ، فَـالْيَوْمَ أَرْفَعُ نَسَبِيْ، وَأَضَعُ نَسَبَكُمْ أَيْنَ الْمُتَّقُوْنَ. (رواه الطبراني في الأوسط: ٢٢٧، الترغيب والترهيب مكمل: ٤٤٩٤)

قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کی طرف سے اعلان ہوگا، خبردار! میں نے ایک نسب بنایا تھا اور تم نے ایک الگ نسب بنایا تھا، میں نے تم میں سب سے زیادہ تقویٰ والے شخص کو سب سے زیادہ عزت والا بنایا تھا، مگر تم نے اس کو نہیں مانا؛ بلکہ تم یہ کہتے رہے کہ فلاں، فلاں بن فلاں سے افضل ہے، پس آج کے دن میں اپنے مقرر کردہ نسب کو سربلندی عطا کروں گا اور تمہارے نسب کو گرادوں گا، کہاں ہیں تقویٰ والے لوگ؟

اس لئے ہر مسلمان کو نسب سے زیادہ ایمان وعمل اچھا بنانے کی فکر کرنی چاہئے۔

نسب کی بنیاد پر مذاق اڑانے والوں کا انجام

نسب کی بنیاد پر کسی مسلمان کو حقیر سمجھنا اور اس کے ساتھ استہزاء یا مذاق کا معاملہ کرنا شریعت میں سخت ترین گناہ ہے، نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مسلمانوں کو ہدایت دی ہے کہ:

اَلْـمُسْلِمُ أَخُوْ الْمُسْلِمِ لا يَظْلِمُهٗ، وَلا يَـخْـذُلُهٗ، وَلَا يُحَقِّرُهٗ، اَلتَّقْوىٰ هٰهُـنَا، اَلتَّقْوىٰ هٰهُنَا، اَلتَّقْوىٰ هٰهُنَا وَيُشِيْـرُ إِلٰـى صَـدْرِهٖ، بِـحَسْـبِ امْـرَئٍ مِـنَ الشَّـرِّ أَنْ يُـحَقِّرَ أَخَاهُ الْـمُسْـلِـمَ، كُـلُّ الْـمُسْـلِمِ عَلَـى

ایک مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے، نہ تو اس پر ظلم کرتا ہے نہ اسے رسوا کرتا ہے، نہ اس کی تحقیر کرتا ہے، اور سینہ کی طرف اشارہ کرکے تین مرتبہ فرمایا کہ تقویٰ کا اصل مقام تو یہ ہے، آدمی کے شر کے لئے یہی بات کافی ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کی تحقیر کرے، ہر مسلمان پر

الْمُسْلِمِ حَرَامٌ، دَمُهُ وَعِرْضُهُ وَمَالُهُ.
(رواه مسلم ٣١٦/٢ رقم: ٢٥٦٤، الترغيب والترهيب مكمل ٦٢٠ رقم: ٤٤٨٦)

دوسرے مسلمان کی جان، عزت اور آبرو سب حرام ہے۔

اور ایک حدیث شریف میں آپ نے ارشاد فرمایا کہ جو لوگ دنیا میں لوگوں کا مذاق اڑاتے ہوں گے ان کے ساتھ آخرت میں یہ ذلت ناک عمل کیا جائے گا کہ اولاً اسے یہ تصور ہوگا کہ اس کے لئے جنت کا دروازہ کھل گیا ہے؛ لیکن جب وہ گرتا پڑتا دروازہ کے قریب پہنچے گا تو وہ دروازہ اس کے لئے بند کر دیا جائے گا۔ (رواہ البیہقی فی شعب الایمان ۳۱۰/۵ رقم: ۶۷۵۷، الترغیب والترہیب مکمل رقم: ۴۴۹۰)

اس لئے ہر مسلمان کو دوسرے مسلمان کی تحقیر اور کسی بھی طرح استہزاء سے بچنا لازم ہے، ورنہ آخرت میں بھیانک انجام سے دوچار ہوگا۔

حقیقی مساوات کا اعلان

اسلام تمام انسانوں میں حقیقی مساوات کا اعلان کرتا ہے، اور مساوات کا مطلب یہ ہے کہ دینی اور اخروی طور پر تمام انسان یکساں اور برابر ہیں، اور دنیا میں جو ان میں عرفی طور پر فرق رکھا گیا ہے وہ مختلف حکمتوں اور مصلحتوں پر مبنی ہے، ان مراتب کی بنا پر کسی کے لئے فخر یا طعن کی اجازت نہیں ہے؛ چناں چہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع میں بارہویں ذی الحجہ کو منیٰ میں خطبہ دیتے ہوئے یہ حقیقت واشگاف انداز میں بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

يَاأَيُّهَا النَّاسُ! إِنَّ رَبَّكُمْ وَاحِدٌ وَإِنَّ أَبَاكُمْ وَاحِدٌ أَلَا لَا فَضْلَ لِعَرَبِيٍّ عَلَى عَجَمِيٍّ وَلَا لِعَجَمِيٍّ عَلَى عَرَبِيٍّ وَلَا لِأَحْمَرَ عَلَى أَسْوَدَ وَلَا لِأَسْوَدَ عَلَى أَحْمَرَ إِلَّا بِالتَّقْوىٰ إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ أَتْقٰكُمْ. (شعب الإيمان

اے لوگو! تمہارا پروردگار ایک ہے، اور تم سب کے والد بھی ایک ہیں (یعنی حضرت آدم علیہ السلام) خبردار رہو! کسی عربی کو عجمی پر، کسی عجمی کو عربی پر، کسی گورے کو کالے پر اور کسی کالے کو گورے پر تقویٰ کے علاوہ کسی اعتبار سے فضیلت حاصل نہیں ہے، بے شک تم میں سب سے باعزت شخص

الإيمـــان لـلبيهقي ٢٨٩/٤ رقم: ٥١٣٧، الترغيب والترهيب مكمل ٦٢١ رقم: ٤٤٩٣، حياة الصحابه ٤٠٨/٣)

اللہ تعالیٰ کی نظر میں وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ تقویٰ والا ہے۔

خطبۂ نبوی کے یہ بلیغ الفاظ انسانی مساوات کے سلسلہ میں اسلامی نظریہ کی وضاحت کے لئے کافی ہیں، اسلام میں شرافت کا اصل معیار رنگت، نسل، علاقائیت یا خاندان نہیں ہے؛ بلکہ معیار شرافت ایمان، عمل صالح، تقویٰ اور اخلاق فاضلہ ہیں، اور طبقاتی کشمکش اور برادری واد جو دنیا میں رائج ہے وہ اسلام کے تصور مساوات سے بالکل جداگانہ ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نسب وحسب کی بنیاد پر تفاخر سے بھی منع فرمایا ہے اور نسب کو بنیاد بنا کر کسی فرد یا قوم کو مطعون کرنے کو بھی نہایت ناپسندیدہ اور جاہلیت والا عمل قرار دیا ہے؛ اس لئے ہر مسلمان کو ایسی جہالت والے نظریات سے اپنے کو بچانا ضروری ہے۔

سترہویں فصل:

تحاسد وتباغض

نفسانی منکرات میں ایک بڑا منکر آپس میں حسد کرنا اور کینہ رکھنا ہے، یہ ایسا بدترین منکر ہے جس کا نقصان مسلسل جاری رہتا ہے اور دینی ودنیاوی ہر اعتبار سے اس کے مفاسد سامنے آتے رہتے ہیں، دنیوی مفاسد تو ظاہر ہیں کہ اس بغض وعداوت کی وجہ سے معاملہ کہاں سے کہاں تک پہنچ جاتا ہے، اور آپس میں اس قدر رنجشیں پیدا ہوجاتی ہیں کہ آدمی کی زندگی بجائے خود عذاب بن جاتی ہے، اور ذہنی سکون غارت ہوجاتا ہے۔

اور دینی مفاسد یہ ہیں کہ جب کسی سے حسد اور بغض ہوتا ہے تو اس پر بلاوجہ الزامات لگائے جاتے ہیں، غیبتیں کی جاتی ہیں، سازشیں رچائی جاتی ہیں، اور اس کو ذلیل کرنے کی ہر ممکن کوششیں کی جاتی ہیں، گویا کہ یہ ایک منکر نہ جانے کتنے منکرات کا سبب بن جاتا ہے۔ اسی لئے نبی اکرم علیہ السلام نے ایک حدیث میں امت کو متنبہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

إِيَّاكُمْ وَالظَّنَّ، فَإِنَّ الظَّنَّ أَكْذَبُ الْحَدِيثِ، وَلَا تَحَسَّسُوْا وَلَا تَجَسَّسُوْا وَلَا تَنَافَسُوْا وَلَا تَحَاسَدُوْا وَلَا تَبَاغَضُوْا وَلَا تَدَابَرُوْا وَكُوْنُوْا عِبَادَ اللّٰهِ إِخْوَانًا كَمَا أَمَرَكُمُ اللّٰهُ، اَلْمُسْلِمُ أَخُوْ الْمُسْلِمِ لَا يَظْلِمُهُ، وَلَا يَخْذُلُهُ،

تم بدگمانی سے بچتے رہو؛ اس لئے کہ بدگمانی سب سے جھوٹی بات ہے، اور کسی کی ٹوہ میں نہ رہو، اور کسی کی جاسوسی نہ کرو، اور آپس میں منافست نہ کرو، اور ایک دوسرے سے حسد نہ کرو، اور ایک دوسرے سے کینہ نہ رکھو، اور ایک دوسرے سے پیٹھ نہ موڑو، اور تم سب اللہ کے بندے بھائی بھائی بن جاؤ، جیسا کہ اللہ نے تم کو

وَلَا يُحَقِّرُهُ، اَلتَّقْوىٰ هٰهُنَا، اَلتَّقْوىٰ هٰهُنَا، اَلتَّقْوىٰ هٰهُنَا، وَيُشِيْرُ إِلٰى صَدْرِهٖ، بِحَسْبِ امْرِئٍ مِنَ الشَّرِّ أَنْ يُحَقِّرَ أَخَاهُ الْمُسْلِمَ، كُلُّ الْمُسْلِمِ عَلَى الْمُسْلِمِ حَرَامٌ دَمُهُ وَعِرْضُهُ وَمَالُهُ. (رواه البخاري ۸۹٦/۲ رقم: ۵۸۲۹، مسلم: ۳۱٦/۲ رقم: ۲۵٦۳-۲۵٦٤، الترمذی ۱٤/۲-۱۵ رقم: ۱۹۸۸، ابوداؤد ٦۷۳/۲ رقم: ٤۹۱۷، الترغیب والترهیب مکمل رقم: ٤۳۷٦)

حکم دیا ہے۔ ایک مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے، نہ تو اس پر ظلم کرتا ہے نہ اسے رسوا کرتا ہے، نہ اس کی تحقیر کرتا ہے، اور سینہ کی طرف اشارہ کر کے تین مرتبہ فرمایا کہ تقویٰ کا اصل مقام تو یہ ہے، آدمی کے شر کے لئے یہی بات کافی ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کی تحقیر کرے، ہر مسلمان پر دوسرے مسلمان کی جان، عزت اور آبرو سب حرام ہے۔

یہ حدیث شریف اجتماعی زندگی کے اہم منشور کی حیثیت رکھتی ہے، ان ہدایات پر اگر لوگ عمل کرنے لگیں تو معاشرہ سکون کے اعتبار سے جنت نظیر بن جائے۔ اسی لئے نبی اکرم علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ: ''لوگ جب تک آپس میں حسد نہ کریں خیر میں رہیں گے''۔ (الترغیب والترہیب مکمل ٦۰۷)

لیکن افسوس ہے کہ آج ان ہدایات کو سرے سے بھلا دیا گیا ہے، ذرا ذرا سی بات پر دلوں میں ایسی خلیجیں حائل ہو جاتی ہیں کہ جن کا پاٹنا نہایت مشکل ہوتا ہے، کوئی آدمی دوسرے کی ترقی دیکھنے کا روادار نہیں ہے؛ بلکہ دل سے خواہش کرتا ہے کہ میرے علاوہ کسی کو دنیا میں ترقی نصیب نہ ہو۔

حسد نیکیوں کو کھا جاتا ہے

حسد یعنی یہ تمنا کرنا کہ دوسرے کو جو خوبی نصیب ہے وہ اس سے محروم ہو جائے، خواہ وہ مجھے ملے یا نہ ملے، یہ نہایت بدترین خصلت ہے، اور ایمانی تقاضہ کے قطعاً خلاف ہے۔ نبی اکرم علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ: ''کسی آدمی کے اندر ایمان اور حسد ایک ساتھ اکٹھے نہیں ہو سکتے''۔ (رواہ ابن حبان فی صحیحہ ٤۵۸۷، الترغیب والترہیب مکمل ٦۰۷)

اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جس شخص میں حسد کا مادہ پایا جائے وہ ایمانِ کامل سے محروم ہے۔

حسد کا ایک بڑا نقصان یہ ہے کہ اس کی وجہ سے آدمی کی نیکیاں ضائع ہو جاتی ہیں۔ حضرت نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے:

إِيَّاكُمْ وَالْحَسَدَ؛ فَإِنَّ الْحَسَدَ يَأْكُلُ الْحَسَنَاتِ كَمَا تَأْكُلُ النَّارُ الْحَطَبَ. (رواه أبو داؤد ٢/٦٧٢ رقم: ٤٩٠٣، بيهقى فى شعب الإيمان ٥/٢٦٦ رقم: ٦٦٠٨، الترغيب والترهيب مكمل ٦٠٧)

تم حسد سے بچتے رہو؛ کیوں کہ حسد نیکیوں کو اس طرح کھا جاتا ہے جیسے آگ ایندھن کو کھا جاتی ہے۔

اور ایک دوسری روایت میں پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تنبیہ فرمائی کہ:

دَبَّ إِلَيْكُمْ دَاءُ الْأُمَمِ قَبْلَكُمْ اَلْحَسَدُ وَالْبَغْضَاءُ، وَالْبَغْضَاءُ هِيَ الْحَالِقَةُ. أَمَا إِنِّيْ لَا أَقُوْلُ: تَحْلِقُ الشَّعْرَ وَلٰكِنْ تَحْلِقُ الدِّيْنَ. (ترمذي ٢/٧٧ رقم: ٢٥١٠، شعب الإيمان ٦/٤٢٤ رقم: ٨٧٤٧، الترغيب والترهيب مكمل ٦٠٧)

تمہارے اندر پرانی قوموں کی ایک بری خصلت یعنی حسد اور کینہ چپکے چپکے درآئی ہے، اور کینہ یہ مونڈنے والی خصلت ہے، میں یہ نہیں کہتا کہ یہ بال مونڈتی ہے؛ بلکہ یہ دین صاف کر دیتی ہے۔

نیز پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ بھی ارشاد ہے:

مَا ذِئْبَانِ جَائِعَانِ أُرْسِلَا فِيْ زَرِيْبَةِ غَنَمٍ بِأَفْسَدَ لَهَا مِنَ الْحِرْصِ عَلَى الْمَالِ وَالْحَسَدِ فِيْ دِيْنِ الْمُسْلِمِ الخ. (ترمذى ٢/٦٢ رقم: ٢٣٧٦، مسند أحمد ٣/٤٦٠، الترغيب والترهيب مكمل ٦٠٧)

دو بھوکے بھیڑئے جنہیں بکری کے ریوڑ پر چھوڑ دیا جائے وہ ان کو اتنا نقصان نہیں پہنچاتے جتنا کہ مال کی حرص اور حسد مسلمان کے دین کو نقصان پہنچاتے ہیں۔

مذکورہ بالا ہدایات سے بآسانی حسد کی خصلت کی برائی کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ قرآنِ کریم میں جابجا حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پیدائش اور فرشتوں کے سجدہ کرنے اور ابلیس لعین کے سجدہ سے انکار کا تذکرہ ہے، اس واقعہ میں بھی اصل بنیاد ابلیس کا غرور و تکبر اور حضرت آدم

علیہ السلام سے حسد کرنا تھا، جس کی وجہ سے وہ ہمیشہ کی ذلت میں گرفتار ہوا۔

اسی طرح حضرت آدم علیہ السلام کے دو بیٹوں میں قابیل جس حرکت کا مرتکب ہوا، اس کی وجہ بھی اپنے بھائی ہابیل سے حسد بنی، اور وہ رحمتِ حق سے محروم کر دیا گیا۔ **اللّٰهم احفظنا منه۔**

بغض وعداوت؛ شیطان کا اہم مشن

انسانوں کی زندگی کو برباد کرنے میں شیطان نے جہاں فواحش کا جال پھیلا رکھا ہے، وہیں آپسی بغض وعداوت اور نزاع وجدال اس کا ایک اہم مشن ہے، چناں چہ نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا:

إِنَّ الشَّيْطَانَ قَدْ يَئِسَ أَنْ يَّعْبُدَهُ الْمُصَلُّوْنَ فِيْ جَزِيْرَةِ الْعَرَبِ، وَلٰكِنْ فِي التَّحْرِيْشِ بَيْنَهُمْ. (رواه مسلم ۲/۳۷٦ رقم: ۲۸۱۲، مسند احمد ۳/۳٥٤، الترغيب والترهيب مكمل ٥۸٥)

شیطان اس بات سے تو قطعاً مایوس ہے کہ جزیرۃ العرب میں لوگ اس کی عبادت کریں؛ لیکن وہ ان کے درمیان بغض وعداوت پیدا کرنے میں لگا ہوا ہے۔

اس لئے ہر مسلمان کا فرض ہے کہ جہاں تک ہو سکے وہ اپنے دل کو کینہ سے صاف رکھے، اور شیطانی مشن سے اپنے کو بچائے۔ نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے چہیتے خادم حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ایک مرتبہ نصیحت کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ:

يَا بُنَيَّ إِنْ قَدَرْتَ عَلٰى أَنْ تُصْبِحَ وَتُمْسِيَ لَيْسَ فِيْ قَلْبِكَ غِشٌّ لِأَحَدٍ فَافْعَلْ. (رواه الترمذي ۲٦۷۸)

پیارے بیٹے! اگر تم اس حالت میں صبح وشام کر سکو کہ تمہارے دل میں کسی کی طرف سے کوئی کھوٹ نہ ہو تو ایسا ضرور کر لینا۔

بول چال بند کرنا

آج جہاں کسی سے کوئی ناگواری کی بات ہوئی بول چال بند کر دی جاتی ہے، خوشی اور غمی میں شرکت سے بھی کنارہ کشی اختیار کر لی جاتی ہے، حتی کہ اگر کہیں دونوں کا سامنا بھی ہو جائے تو ہر

ایک منہ موڑ کر الگ راستہ اپنالیتا ہے، یہ طریقہ صحیح نہیں ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

لَا یَحِلُّ لِلرَّجُلِ أَنْ یَهْجُرَ أَخَاهُ فَوْقَ ثَلَاثِ لَیَالٍ یَلْتَقِیَانِ فَیُعْرِضُ هٰذَا وَیُعْرِضُ هٰذَا، وَخَیْرُهُمَا الَّذِيْ یَبْدَءُ بِالسَّلَامِ.

متفق علیه (رواه مسلم ۲/ ۳۱۶ رقم: ۲۵٦۰، البخاری ۲/ ۹۲۱ رقم: ٥۹۹٦، الترمذی ۲/ ۱٥ رقم: ۱۹۳۲، ابوداؤد ۲/ ٦۷۳ رقم: ٤۹۱۱، مشکوٰة ۲/ ٤۲۷)

کسی شخص کے لئے حلال نہیں ہے کہ وہ اپنے بھائی سے تین راتوں سے زیادہ بول چال قصداً بند کرے، دونوں اس حال میں ملیں کہ ہر ایک دوسرے سے اعراض کرتا ہو، ان میں بہتر وہ شخص ہے جو سلام سے ابتداء کرے۔

حدیث میں تین دن کی قید اس لئے لگائی گئی کہ اگر طبعی تقاضے کی بنا پر ناگواری ہوجائے تو اس کا اثر تین دن پورے ہونے پر جاتا رہتا ہے، اب آگے اگر قصداً بول چال بند ہورہی ہے تو یہ طبعی تقاضے کا اثر نہیں؛ بلکہ دل کے کینے اور بغض کا اثر ہے جس کو مٹانے کی ضرورت ہے۔ غور کرنے سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ نزاع کے دوران فریقین میں بات چیت بند ہونا، نزاع کو بڑھانے میں سب سے مؤثر کردار ادا کرتا ہے؛ کیوں کہ اگر بات چیت کا سلسلہ قائم ہو تو کتنی ہی بدگمانیاں تو محض گفتگو سے ختم ہوجاتی ہیں، اور بات چیت قائم نہ ہو تو جھگڑے کی خلیج برابر بڑھتی چلی جاتی ہے اور دونوں طرف سے کھل کر حقوق کی پامالی کی جاتی ہے۔

اور ایک روایت میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

مَنْ هَجَرَ أَخَاهُ سَنَةً فَهُوَ کَسَفْکِ دَمِهٖ. (أبوداؤد ۲/ ٦۷۳ رقم: ٤۹۱٥، المستدرك للحاكم ٤/ ۱٦۳ رقم: ۷۱۹۲، الترغیب والترهیب للمنذري ۳/ ۳۰٦)

جس شخص نے اپنے مسلمان بھائی سے ایک سال بول چال بند رکھی اس نے گویا اس کا خون بہادیا۔

بسا اوقات یہ دیکھا گیا ہے کہ دو آدمیوں میں ناچاقی ہوتی ہے اور ان میں سے ایک صلح کرنا چاہتا ہے دوسرا صلح پر آمادہ نہیں ہوتا، تو یہ دیکھنا چاہئے کہ وہ صلح پر آمادہ کیوں نہیں ہورہا ہے؟ اگر اس

کا کوئی حق بنتا ہے جس کا وہ مطالبہ کر رہا ہے تو اس کا حق ادا کیا جائے اور اگر وہ خواہ مخواہ صلح سے انکار کرتا ہے تو لڑائی اور نزاع کا گناہ صلح چاہنے والے پر نہ ہوگا؛ بلکہ صرف اسی شخص پر ہوگا جو صلح سے انکار کر رہا ہے۔ چناں چہ ایک روایت میں ہے:

لاَ تَحِلُّ الْهِجْرَةُ فَوْقَ ثَلٰثَةِ أَيَّامٍ فَإِنِ الْتَقَيَا فَسَلَّمَ أَحَدُهُمَا فَرَدَّ الآخَرُ اِشْتَرَكَا فِي الْأَجْرِ وَإِنْ لَمْ يَرُدَّ بَرِئَ هٰذَا مِنَ الْإِثْمِ وَبَاءَ بِهِ الآخَرُ. (أبوداؤد شريف ٦٧٣/٢ حديث: ٤٩١٢، رواه الطبراني، الترغيب والترهيب ٣٠٥/٣)

تین دن سے زیادہ بول چال بند کرنا جائز نہیں ہے پھر اگر دونوں کی ملاقات ہو اور ایک نے سلام سلام کیا تو اگر دوسرا جواب دے دے، تو دونوں ثواب میں شریک ہو جائیں گے، اور اگر دوسرا جواب نہ دے تو یہ (سلام کرنے والا) گناہ سے بری ہو جائے گا اور دوسرا (جواب نہ دینے والا) گنہگار رہے گا۔

حاصل یہ ہے کہ ہر مؤمن کو دوسرے کی طرف سے دل صاف رکھنا ضروری ہے، اور اگر اتفاقاً کوئی بات ناگواری کی پیش آجائے تو جلد از جلد اسے رفع دفع کرنے کی کوشش کرنی چاہئے، اس بارے میں کوتاہی اور لاپروائی سے بڑے مفاسد جنم لیتے ہیں، اور بعد میں ان کا سدباب بہت مشکل ہو جاتا ہے۔

بغض کے بعض مفاسد

امام غزالیؒ نے لکھا ہے کہ بغض وعداوت کی وجہ سے آٹھ خرابیاں اکثر سامنے آتی ہیں:

(۱) **حسد**:- یعنی تمنا ہوتی ہے کہ دوسرے کے پاس سے نعمت جاتی رہے اور اس کو نعمت ملنے پر دل میں کڑھتا ہے اور اس کی مصیبت پر خوش ہوتا ہے، یہ منافقین کی خصلت ہے اور دین کا ستیاناس کرنے والی صفت ہے۔

(۲) **شماتت**:- یعنی دوسرے کی مصیبت پر دل ہی دل میں خوب خوشی محسوس کرے۔

(۳) **ترک تعلقات**:- کہ دلی کینہ کی وجہ سے بول چال، آنا جانا سب بند کر دیتا ہے۔

(۴) **دوسرے کو حقیر سمجھنا**:- عموماً کینہ کی وجہ سے دوسرے کو ذلیل وحقیر سمجھتا ہے۔

(۵) **زبان درازی**:- جب کسی سے بغض ہوتا ہے تو اس کے بارے میں غیبت، چغلی، بہتان طرازی الغرض کسی بھی برائی سے احتراز نہیں کیا جا سکتا۔

(۶) **مذاق اڑانا**:- یعنی کینہ کی وجہ سے دوسرے کا مذاق اڑاتا ہے اور بے عزتی کرتا ہے۔

(۷) **مار پیٹ**:- یعنی کبھی کبھی کینہ کی وجہ سے آدمی مار پیٹ پر بھی اتر آتا ہے۔

(۸) **سابقہ تعلقات میں کمی**:- یعنی اگر کچھ اور نہ بھی ہو تو بغض کا ایک ادنیٰ اثر یہ تو ہوتا ہی ہے کہ اس شخص سے پہلے جو تعلقات اور بشاشت رہی ہوتی ہے وہ ختم ہو جاتی ہے۔ (مذاق العارفین ۱۹۹/۳)

یہ سبھی مفاسد خطرناک ہیں؛ بلکہ اگر ان میں سے ایک مفسدہ بھی پایا جائے وہ بھی سخت نقصان کا سبب ہے، ان باتوں سے ہر مسلمان کو دور رہنے کی ضرورت ہے۔

بغض کی وجہ سے دعاؤں کی قبولیت سے محرومی

کینہ اور بغض کی ایک بڑی نحوست یہ بھی ہے کہ اس کی بنا پر بارگاہِ خداوندی میں دعائیں قبول نہیں ہوتیں۔ چناں چہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:

تُعْرَضُ أَعْمَالُ النَّاسِ فِي كُلِّ جُمُعَةٍ مَرَّتَيْنِ يَوْمَ الِاثْنَيْنِ وَيَوْمَ الْخَمِيسِ، فَيَغْفِرُ اللّٰهُ لِكُلِّ عَبْدٍ مُؤْمِنٍ إِلَّا عَبْداً بَيْنَهُ وَبَيْنَ أَخِيهِ شَحْنَاءُ، فَيُقَالُ: اُتْرُكُوا هٰذَيْنِ حَتّٰى يَفِيئَا. (مسلم شریف ۳۱۷/۲، مسند احمد ۲۶۸/۲، کنز العمال ۱۸۷/۳)

ہر ہفتہ میں دو مرتبہ پیر اور جمعرات کے دن (اللہ کے دربار میں) لوگوں کے اعمال پیش کئے جاتے ہیں، پس اللہ تعالیٰ ہر ایمان والے شخص کی مغفرت فرماتا ہے، سوائے ایسے آدمی کے جس کی دوسرے سے دشمنی اور بغض ہو تو کہہ دیا جاتا ہے کہ ان دونوں کو ابھی چھوڑ دو تا آں کہ یہ دونوں صلح کرلیں۔

اور بعض روایات میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

إِذَا كَانَ لَيْلَةُ النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ اطَّلَعَ اللّٰهُ إِلٰى خَلْقِهٖ فَيَغْفِرُ لِلْمُؤْمِنِ وَيُمْلِيْ لِلْكَافِرِيْنَ وَيَدَعُ أَهْلَ الْحِقْدِ بِحِقْدِهِمْ حَتّٰى يَدَعُوْهُ.
(شعب الایمان للبیهقی ۳۸۲/۳ رقم: ۳۸۳۲، کنز لعمال ۱۸٦/۳ رقم: ۷٤٤٨)

شعبان کی پندرہویں شب اللہ تعالیٰ مخلوق کی طرف متوجہ ہوتے ہیں، اور ایمان والے کی مغفرت فرماتے ہیں، اور کفار کو مہلت دیتے ہیں اور کینہ رکھنے والوں کو چھوڑ دیتے ہیں؛ تا آں کہ وہ کینہ سے باز آجائیں۔

اس لئے شریعتِ اسلامیہ نے بغض وعداوت کے تقاضوں پر عمل کرنے سے نہایت سختی سے منع کیا ہے۔

صاف دل مؤمن یقیناً جنتی ہے

جس مؤمن کا دل کینہ اور حسد سے محفوظ ہو اس کے جنتی ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہے؛ کیوں کہ جنتیوں کی ایک خاص بات قرآن وحدیث میں یہ بیان کی گئی ہے کہ ان کو جنت میں داخلہ سے پہلے ہی کینہ کپٹ سے بالکل پاک کردیا جائے گا۔ ارشادِ خداوندی ہے:

وَنَزَعْنَا مَا فِيْ صُدُوْرِهِمْ مِنْ غِلٍّ إِخْوَانًا عَلٰى سُرُرٍ مُتَقَابِلِيْنَ.
(الحجر: ٤٧)

اور ہم نے نکال لیا جو کچھ بھی ان کے سینوں میں کھوٹ تھا، وہ سب بھائی بھائی ہیں، تختوں پر آمنے سامنے بیٹھے ہیں۔

اور واقعہ یہ ہے کہ جنتیوں کے دلوں کو اگر صاف نہ کیا جاتا تو وہاں نعمتوں کی بہتات اور اصل جنت کے درجات میں فرق کی بنا پر وہ اٹھا پٹخ ہوتی کہ جنت مقام عافیت نہ رہ کر مستقل رزم گاہ بن جاتی، پس یہ کہنا بجا ہے کہ جنت بے نظیر سکون کی اصل بنیاد ہی یہ ہے کہ وہاں سب کے دل صاف وشفاف ہوں گے اور سب پیار ومحبت کے ساتھ بھائی بھائی کی طرح رہیں گے۔ آج دنیا میں بھی اگر کسی جگہ کے رہنے والوں میں یہ صفت کسی درجہ میں پائی جائے تو وہ جگہ سکون کے اعتبار سے جنت نظیر بن جاتی ہے، جس کا مشاہدہ ہر صاحب نظر انسان کرسکتا ہے، اور جو شخص صاف دلی

کے ساتھ زندگی گذارے وہ دنیا ہی میں جنت کی بشارت کا مستحق ہے۔

خادم رسول سیدنا حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم لوگ سرورعالم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے، اسی دوران آپ نے ارشاد فرمایا کہ: ''عن قریب اس دروازے سے ایک جنتی شخص آنے والے ہیں، پس اس جانب سے ایک انصاری صاحب اس حالت میں حاضر ہوئے کہ ان کی داڑھی سے وضو کا پانی ٹپک رہا تھا اور انہوں نے اپنے چپل بائیں ہاتھ میں اٹھا رکھے تھے، پس انہوں نے حاضر ہو کر سلام عرض کیا (ان صحابی کا نام ایک دوسری روایت میں سعد بن مالک آیا ہے) اتفاق یہ ہے کہ اگلے دن بھی پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اسی طرح کا جملہ ارشاد فرمایا اور پھر وہی صحابی حاضر ہوئے، اور تیسرے دن بھی یہی واقعہ پیش آیا، چناں چہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ان کی اس حالت پر بہت رشک آیا اور ایک جلیل القدر صحابی حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور انہوں نے ارادہ کیا کہ ان صاحب کے خصوصی اعمال کا ضرور مشاہدہ کرنا چاہیے، جس کی بنیاد پر انہیں بارگاہِ نبوت سے بار بار جنت کی بشارت مل رہی ہے، چناں چہ انہوں نے کچھ بہانہ بنا کر مذکورہ صحابی کے گھر تین راتیں گذاریں، اور ان کے ہر ہر عمل کا بخوبی جائزہ لیا، تو کوئی بہت خاص بات انہوں نے نہیں دیکھی؛ البتہ اتنا ضرور تھا کہ جب ان صحابی کی رات میں کسی وقت آنکھ کھلتی یا وہ کروٹ لیتے تو اللہ تعالیٰ کا ذکر ضرور کرتے تھے، اور اخیر شب میں ۱۲؍رکعت تہجد پڑھتے تھے، جس میں درمیانی درجہ کی سورتوں کی قرأت کرتے تھے، اور ہر دو رکعت کے بعد یہ تین دعائیں ضرور کرتے تھے:

(۱) اَللّٰهُمَّ رَبَّنَآ آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِيْ الْآخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ.

(اے اللہ! اے ہمارے رب! ہمیں دنیا میں بھی بھلائی عطا فرمایئے اور آخرت میں بھی بھلائی سے نوازئے اور ہمیں جہنم کے عذاب سے بچائے رکھئے)

(۲) اَللّٰهُمَّ اكْفِنَا مَا أَهَمَّنَا مِنْ أَمْرِ آخِرَتِنَا وَدُنْيَانَا ۔(اے اللہ! ہمارے دنیا و آخرت کے تمام وہ امور جن کی ہمیں فکر ہے، ان کی طرف سے آپ ہماری کفایت فرمایئے)

(۳) اَللّٰهُمَّ إِنَّا نَسْئَلُکَ مِنَ الْخَيْرِ كُلِّهٖ وَنَعُوْذُ بِکَ مِنَ الشَّرِّ كُلِّهٖ. (اے

اللہ! ہم آپ سے ہر طرح کی خیر کے طالب ہیں، اور ہر طرح کے شر سے آپ کی پناہ چاہتے ہیں)

بہر حال مذکورہ باتوں کے علاوہ حضرت عبداللہ بن عمرو کو ان صحابی کے اندر کوئی اور خاص بات نظر نہیں آئی، تو انہوں نے چلتے وقت پوری بات کا اظہار کیا اور انہیں بتلایا کہ آپ کے بارے میں پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جنت کی بشارت سنائی تھی، اور میں چاہتا تھا کہ آپ کے اعمال دیکھ کر اس کی پیروی کروں؛ لیکن مجھے کوئی بڑا عمل نظر نہیں آیا، تو آخر کیا وجہ ہے کہ آپ کو یہ مقام ملا کہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے آپ کو دنیا ہی میں جنت کی بشارت دی''۔ تو ان صحابی نے فرمایا کہ میرے اعمال تو تم دیکھ ہی رہے ہو؛ البتہ ایک بات میں اپنے اندر ضرور پاتا ہوں کہ میرے دل میں کسی بھی مسلمان کی طرف سے کوئی کھوٹ نہیں ہے، اور میں کسی بھی شخص کو اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ کسی بھی نعمت پر بالکل حسد نہیں کرتا۔ اور ایک روایت میں ہے کہ انہوں نے یہ فرمایا کہ: ''میں بستر پر اس حالت میں لیٹتا ہوں کہ میرے دل میں کسی بھی طرف سے کوئی کینہ نہیں ہوتا''۔

یہ سن کر حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ بے اختیار بول اٹھے کہ یہی اصل میں وہ صفت ہے جس نے آپ کو یہ مقام عطا کیا ہے، جس کا ہم جیسوں سے حق ادا کرنا دشوار ہے۔ (الزواجر عن اقتراف الکبائر ۱/۹۰-۹۱)

اس لئے آج ضرورت ہے کہ ہم بھی اپنے کو جنت کا مستحق بنانے کے لئے آپسی رنجشوں کو ختم کرنے کی کوشش کریں، اور رنجشوں کے اسباب سے دور رہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ایک دوسرے کے لئے ناصح بنائیں، اور ہر قسم کے کینہ کپٹ سے دلوں کو پاک رکھیں، آمین۔

اٹھارہویں فصل:

نفاق؛ ایک خبیث نفسانی مرض

نفسانی منکرات میں ایک بدترین منکر ''نفاق'' ہے، یہ ایسی روحانی بیماری ہے جو انسان کو دنیا اور آخرت میں بدترین ذلت سے دوچار کر دیتی ہے۔ نفاق کے لغوی اور اصطلاحی معنی کی تفصیل میں نہ جاتے ہوئے اس کے متعلق صرف اس قدر وضاحت کافی ہے کہ: ''ظاہر و باطن میں موافقت نہ ہونے کا نام ''نفاق'' ہے''۔ اب اگر اس عدم موافقت کا تعلق عقیدہ سے ہے تو یہ کفر تک پہنچانے والا جرم ہے، مثلاً آدمی اپنے کو مسلمان ظاہر کرے؛ لیکن اس کا دل کفر و عناد سے لبریز ہو یا وہ کسی متواتر عقیدہ کا دل سے منکر ہو، مگر زبان سے اپنے کو پکا مؤمن کہتا ہو، تو گو کہ اس کے زبانی دعوے کی وجہ سے عام لوگ اسے مسلمان سمجھتے ہوں؛ لیکن آخرت میں اس نفاقِ اعتقادی کی وجہ سے اس کا حشر منافقوں کے ساتھ ہوگا، جن کا ٹھکانہ جہنم کے سب سے نچلے طبقہ میں ہے۔ قرآنِ کریم میں منافقین کے برے انجام کے بارے میں فرمایا گیا:

إِنَّ الْمُنَافِقِيْنَ فِي الدَّرْكِ الْأَسْفَلِ مِنَ النَّارِ وَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ نَصِيْرًا. (النساء: ١٤٥)	یقیناً منافق لوگ جہنم کے سب سے نچلے طبقہ میں ہوں گے اور آپ ان کا کوئی مددگار نہ پائیں گے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب تک مکہ معظّمہ میں تشریف فرما رہے تو وہاں جو آپ کے دشمن مشرکین تھے وہ برملا دشمنی کا اظہار کرتے تھے، ایسا نہیں تھا کہ ظاہر میں عقیدت کا اظہار ہو اور اندر خانہ دشمنی کا معاملہ کریں؛ بلکہ مکہ معظّمہ کا ماحول یہ تھا کہ جو مسلمان تھے وہ ظاہر و باطن میں اسلام پر

قائم تھے، اور جو کافر تھے وہ اندر اور باہر کفر پر جمے ہوئے تھے؛ لیکن جب سرورِ عالم حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ ہجرت فرمائی تو یہاں یہودیوں کی سازشی اور خبیث النفس آبادی کے اثر سے ایک نئی صورتِ حال سے سابقہ پڑا اور وہ یہ تھی کہ یہاں کچھ کافر لوگ اپنے مفادات کی خاطر ظاہری طور پر اسلام کا اظہار کرتے تھے؛ بلکہ اپنی چکنی چپڑی باتوں کے ذریعہ دوسروں سے زیادہ اپنے کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا عقیدت مند باور کراتے تھے، اور اپنی حماقت کی وجہ سے یہ سمجھتے تھے کہ ہمارا یہ فریب نبی برحق حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر چھپا رہے گا، حالاں کہ یہ محض ان کی خود فریبی تھی، اللہ تبارک وتعالیٰ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسے سب منافقوں کے بارے میں نام بنام باخبر فرمادیا، اور ان کے فریب کا پردہ چاک کر کے رکھ دیا، اور سورۂ بقرہ کے دوسرے رکوع میں ان کی ریشہ دوانیوں کو آشکارا فرماتے ہوئے اعلان کردیا کہ یہ لوگ جو اپنے کو نام نہاد طور پر ''اصلاح پسند'' کہتے ہیں، یہی سب سے بڑے فسادی ہیں، اور یہ لوگ جو اہل ایمان کو بے وقوف سمجھتے ہیں، یہی سب سے بڑے بے وقوف ہیں، مگر انہیں احساس تک نہیں ہے۔ پھر ان کا آخری انجام بیان کیا اور کئی مثالوں سے ان کی گمراہی اور گومگو کی کیفیت کو واضح فرمایا ہے۔ (دیکھئے: سورۂ بقرہ آیت: ۸ تا آیت: ۲۰)

ان آیاتِ کریمہ کو بار بار پڑھنے سے قیامت تک آنے والے تمام منافقوں کی حالت آئینہ کی طرح سامنے آجاتی ہے، اور ہر منصف یہ ماننے پر مجبور ہوجاتا ہے کہ منافقوں کے بارے میں اس سے بہتر تعبیر اور کوئی نہیں ہوسکتی تھی۔

منافق کی پہچان کیسے ہو؟

اب یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کسی شخص کے منافق ہونے کا پتہ کیسے چلے گا؟ تو اس بارے میں تفصیل یہ ہے کہ کسی شخص کے منافق ہونے کا ایک تو علم یقینی ہے، وہ تو صرف نبی کو بذریعہ وحی حاصل ہوتا ہے، جیسا کہ نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو منافقین کے بارے میں بالتفصیل آگاہ کردیا گیا تھا، اور آپ نے بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم (جیسے رازدارِ نبوت حضرت حذیفہ ابن الیمان

رضی اللہ عنہ) کو اس بارے میں متنبہ بھی فرما دیا تھا، چناں چہ روایات میں آتا ہے کہ دورِ نبوت کے بعد دورِ فاروقی میں مدینہ منورہ میں جب کسی شخص کا انتقال ہوتا اور اس کے جنازہ کی تیاری ہوتی تو امیر المؤمنین سیدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ یہ تحقیق فرماتے کہ اس جنازہ میں حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ حاضر ہیں یا نہیں؟ اگر وہ موجود ہوتے تو یہ دلیل ہوتی تھی کہ یہ شخص نفاق سے بری ہے اور اس کی نماز جنازہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ شریک ہوتے تھے، اور اگر حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ اس جنازہ میں بلا عذر شریک نہ ہوتے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی اس کی نماز میں شرکت نہ فرماتے تھے؛ کیوں کہ یہ اس کے منافق ہونے کی دلیل ہوتی تھی۔ (اسد الغابہ ۱/ ۴۶۸)

تاہم اب خاتم النبیین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے پردہ فرمانے کے بعد بذریعہ وحی کسی شخص کے منافق ہونے کا قطعی ذریعۂ علم باقی نہ رہا؛ البتہ یہ ممکن ہے کہ انسان کے قول وفعل سے عقیدۂ اسلام یا کسی اسلامی حکم کے ناقابل تاویل انکار یا استہزاء کی صورت پیش آئے، جب کہ وہ شخص زبان سے اسلام کا مدعی ہو، تو ایسے شخص کو بھی منافقین کے زمرہ میں رکھا جائے گا، اس کو اصطلاح میں ''ملحد'' اور ''زندیق'' کہا جاتا ہے، چناں چہ وہ سب افراد یا فرقے جو مسلمانوں جیسا نام رکھنے کے باوجود کسی متواتر اسلامی عقیدہ کے منکر ہیں (مثلاً شیعہ امامیہ، قادیانی، بہائی، بوہرے وغیرہ) وہ سب اسی زمرہ میں داخل ہیں۔ (مستفاد: معارف القرآن ۷/ ۱۰۷)

نظریاتی نفاق کی چند علامتیں

جس شخص کے دل میں نفاق پایا جائے اس کا اظہار نفسانی کیفیات سے بھی ہوتا ہے اور عمل کے ذریعہ بھی ہوتا ہے، نفسانی کیفیات کے اعتبار سے درج ذیل چیزیں خاص طور پر نفاق کی نشانی قرار دی گئی ہیں:

(۱) دین کی ترقی پر دل تنگ ہونا

یعنی اگر کسی جگہ معاشرہ میں دینی اقدار کا فروغ ہونے لگے اور اسلام کے احکامات پر لوگ

عمل کرنے لگیں یا اسلام پسند طبقہ برسر اقتدار آجائے تو اس سے منافقوں کے دلوں پر آرے چلنے لگتے ہیں، اور ان پر ایک ہیجانی سی کیفیت طاری ہوجاتی ہے، یہ منافقین کی خاص علامت ہے۔اسی وجہ سے نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انصار مدینہ سے محبت کو ایمان کی علامت اور ان سے بغض کو نفاق کی پہچان بتلایا ہے۔ نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے:

مَنْ أَحَبَّ الْأَنْصَارَ فَبِحُبِّي أَحَبَّهُمْ، وَمَنْ أَبْغَضَ الْأَنْصَارَ فَبِبُغْضِي أَبْغَضَهُمْ. (رواه أبو نعيم، بحواله فتح الملهم ١/٤٢٢)

جس نے انصارِ مدینہ سے محبت کی اس نے مجھ سے محبت کی وجہ سے ان سے محبت کی ہے، اور جس نے انصار سے بغض رکھا اس نے (نعوذ باللہ) مجھ سے بغض کی وجہ سے ان سے بغض رکھا ہے۔

نیز نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انصار مدینہ کے متعلق ارشاد فرمایا:

لَا يُحِبُّهُمْ إِلَّا مُؤْمِنٌ وَلَا يَبْغَضُهُمْ إِلَّا مُنَافِقٌ، مَنْ أَحَبَّهُمْ أَحَبَّهُ اللّٰهُ وَمَنْ أَبْغَضَهُمْ أَبْغَضَهُ اللّٰهُ. (مسلم شريف عن البراء ابن عازب ١/٦٠ رقم: ٧٥ والبخاري ١/٥٣٤ رقم: ٣٧٨٣)

انصارِ مدینہ سے صرف مؤمن ہی شخص محبت رکھتا ہے، اور سوائے منافق کے کوئی شخص ان سے بغض اور کینہ نہیں رکھتا، اور جو ان انصار سے محبت رکھے گا اللہ تعالیٰ اس سے محبت فرمائیں گے، اور جو ان سے بغض رکھے گا تو اللہ تعالیٰ بھی اسے اپنا مبغوض بنالیں گے۔ (نعوذ باللہ)

انصار مدینہ کی محبت کو معیار ایمان اور ان سے بغض کو معیار نفاق بتانے کی وجہ یہ ہے کہ انصار مدینہ نے اللہ کے فضل سے نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام اور دین اسلام کے لئے جس جانثاری اور فدائیت کا مظاہرہ کیا اور ان کی قربانیوں کی بدولت جس طرح اسلام کو ترقیات نصیب ہوئیں، اس کی نظیر قیامت تک پیش نہیں کی جاسکتی، یہ اسلامی ترقیات ہمیشہ منافقوں کو کانٹے کی طرح کھٹکتی رہیں گی، جب کہ سچے اہل ایمان حضراتِ انصار کی قربانیوں پر ہمیشہ مشکور رہیں گے اور ان کی قدر دانی کرتے رہیں گے۔

اسی طرح خلیفۂ رابع، دامادِ رسول، امیر المؤمنین سیدنا حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی نبی اکرم

علیہ السلام سے قرابت اور دین کے لئے آپ کی بے لوث مساعئ جمیلہ، اسلامی تاریخ میں آبِ زر سے لکھے جانے کے قابل ہیں،خود نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے غزوۂ خیبر کے موقع پر سیدنا حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو اللہ اور اس کے رسول کا محبّ ومحبوب قرار دیا ہے۔(بخاری شریف ۱/۵۲۵ حدیث ۳۷۰۲)

اب جس شخص کے دل میں بھی ذرہ برابر ایمان ہوگا، وہ سیدنا حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی عظیم دینی خدمات اور پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام سے قرابت کی بنیاد پر آپ سے ضرور محبت کرے گا، اس کے برخلاف جو شخص دینی ترقی پر کڑھن محسوس کرتا ہو اور اسلام کی سر بلندی کو ناپسند کرتا ہو وہ سیدنا حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو بھی مبغوض سمجھے گا، اسی لئے نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بہت تاکید کے ساتھ سیدنا حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے محبت کو ایمان کی علامت اور آپ سے بغض کو منافقوں کی پہچان بتلایا ہے۔ مسلم شریف میں امیر المؤمنین سیدنا حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی روایت مروی ہے کہ:

وَالَّذِيْ فَلَقَ الْحَبَّةَ وَبَرَأَ النَّسَمَةَ إِنَّهُ لَعَهِدَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَيَّ أَنَّهُ لَا يُحِبُّنِيْ إِلَّا مُؤْمِنٌ وَلَا يَبْغِضُنِيْ إِلَّا مُنَافِقٌ. (مسلم شريف ١/٦٠ رقم: ٧٨)

اس ذات کی قسم! جس نے دانہ کو پھاڑا اور جان اور روح کو پیدا کیا، یقیناً نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے تاکیداً یہ ارشاد فرمایا تھا کہ: ”مجھ سے صرف مؤمن شخص ہی محبت رکھے گا اور منافق شخص ہی مجھ سے بغض رکھے گا“۔

مذکورہ بالا احادیث سے یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ دین اور اہل دین کی ترقی منافقین کو کسی صورت میں منظور نہیں ہوتی، اور اہل دین سے بغض ان کی زبانوں سے نکلا پڑتا ہے، جس کو قرآنِ پاک میں ایک جگہ اس طرح تعبیر کیا گیا ہے:

قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَآءُ مِنْ أَفْوَاهِهِمْ وَمَا تُخْفِيْ صُدُوْرُهُمْ أَكْبَرُ. (آل عمران: ١١٨)

(اہل ایمان سے) بغض وعناد ان کے منہ سے نکلا پڑتا ہے اور جو کچھ ان کے سینوں میں مستور ہے وہ اس سے بھی بہت زیادہ ہے۔

افسوس ہے کہ آج کل مسلمانوں جیسا نام رکھنے والوں کا ایک گروپ تقریباً ہر جگہ موجود ہے، جو اپنے کو لیبرل اور روشن خیال کہتا ہے، اس میں سے بعض کے غلیظ اور گندے خیالات اور اہلِ اسلام بالخصوص علماءدین سے بغض وعناد والے نظریات زبانوں سے نکل کر مضامین اور کتابوں میں آچکے ہیں، جیسے ''سلمان رشدی'' اور ''تسلیمہ نسرین'' وغیرہ۔ جن کو دین اسلام سے عداوت کے ساتھ ساتھ حاملین علوم نبوت ''علماء، مولوی، مولانا'' الغرض ہر اس شخص سے سخت نفرت ہے جو اس دین کا نام لیتا ہو، جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے معتبر واسطوں کے ذریعہ ہم تک پہنچا ہے، ایسے بے توفیق لوگوں کی طرف سے آئے دن رسائل اور اخبارات اور بالخصوص انگریزی، ہندی میڈیا اور انٹرنیٹ کی ویب سائٹوں پر اسلام اور اس کے پاکیزہ احکام کے متعلق بے ہودہ تبصرے آزادئ اظہار کے خوب صورت پردہ میں پیش کئے جاتے ہیں، بلاشبہ ایسے لوگ ملحد، زندیق اور منافق ہیں، اور ایسے افراد اور طبقوں کا مسلم معاشرہ میں وجود ایک رستا ہوا ناسور ہے، جس کی بدبو جا بجا پھیلی ہوئی ہے۔ ان کی تحریروں کو پڑھ کر ایسا لگتا ہے کہ دین اور علماءِ دین سے بغض وعناد کی نحوست نے ان سے عقل وفراست کی دولت چھین لی ہے، اور معلوم ہوتا ہے کہ وہ ہذیانی کیفیات اور مالی خولیائی حرکتوں میں مبتلا ہوگئے ہے، جس کا کچھ اندازہ دہلی کے ''راشد شاز'' کی کتابوں اور ''اسرار عالم'' کی پر اسرار ''مالی خولیائی تحقیقات'' سے لگایا جاسکتا ہے۔ (جس کی تفصیل کا یہاں موقع نہیں ہے)

(۲) فواحش کا فروغ

منافقوں کی ایک پہچان یہ بھی ہے کہ یہ لوگ چاہتے ہیں کہ پوری دنیا بے حیائی اور فواحش سے بھر جائے، چناں چہ منافق صفت شخص کو جیسے ہی کسی بے حیائی کو پھیلانے کا موقع دستیاب ہوتا ہے وہ اس کو ہاتھ سے جانے نہیں دیتا، اور فوراً اس کا دماغ اس منصوبہ سازی میں لگ جاتا ہے کہ کیسے اسے عام کیا جائے؟ جیسا کہ دورِ نبوت میں رئیس المنافقین عبد اللہ بن اُبی ابن سلول نے اُم المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی مقدس اور پاکیزہ ذات پر واہی تباہی کیچڑ اچھالی اور مسلم معاشرہ کو ایک سخت آزمائش سے دوچار کر دیا، جس کی برأت قرآنِ کریم میں متعدد

آیات میں اللہ تعالیٰ نے فرمائی ہے، جس کے ضمن میں یہ بھی واضح کیا کہ جو منافقین فواحش کی اشاعت میں حصہ لیتے ہیں وہ دنیاوآخرت میں بدترین عذاب کے مستحق ہیں۔ارشادِ خداوندی ہے:

إِنَّ الَّذِيْنَ يُحِبُّوْنَ أَنْ تَشِيْعَ الْفَاحِشَةُ فِي الَّذِيْنَ آمَنُوْا لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيْمٌ فِيْ الدُّنْيَا وَالآخِرَةِ، وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَأَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ. (النور: ١٩)

بے شک جو لوگ یہ چاہتے ہیں کہ ایمان والوں میں فحش باتیں عام ہوجائیں، ان کے لئے دنیا اور آخرت میں دردناک عذاب مقرر ہے، اور اللہ تعالیٰ جانتے ہیں اور تم نہیں جانتے۔

اس سے صاف معلوم ہوا کہ فحش واقعات کو پھیلا کر ملت کا ذہن خراب کرنا منافقوں کا خاص مشغلہ ہے، جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک سخت ناپسند ہے، ہونا یہ چاہئے کہ فواحش کی ہر سطح پر روک تھام کی جائے اور اس بارے میں زبان بند رکھی جائے؛ تاکہ مجالس میں یہ بات موضوع گفتگو نہ بن سکے۔

(۳) مسلمانوں میں اختلاف وانتشار پیدا کرنے کی کوشش کرنا

منافقوں کی ایک علامت یہ بھی ہے کہ وہ خود بھی جھگڑالو ہوتے ہیں اور لوگوں میں بھی جھگڑا پھیلانے کی کوشش کرتے ہیں، قرآنِ پاک میں ایسے منافقوں کے بارے میں ارشاد ہے:

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُعْجِبُكَ قَوْلُهُ فِيْ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَيُشْهِدُ اللّٰهَ عَلٰى مَا فِيْ قَلْبِهِ وَهُوَ أَلَدُّ الْخِصَامِ. (البقرة: ٢٠٤)

اور بعض آدمی وہ ہے کہ پسند آتی ہے تجھ کو اس کی بات دنیا کی زندگانی کے کاموں میں اور گواہ کرتا ہے اللہ کو اپنے دل کی بات پر اور وہ سخت جھگڑالو ہے۔

اور دورِ نبوت میں غزوۂ بنو المصطلق سے واپسی میں ایک معمولی سی تکرار کو عبداللہ بن ابی بن سلول نے ایک بڑے بھیانک اختلاف کی شکل میں ابھارنے کی کوشش کی تھی، اور اس کا منصوبہ یہ تھا کہ انصار مدینہ کو مہاجرین سے برگشتہ کرکے مسلمانوں کے لئے مدینہ کی زمین کو تنگ کردیا جائے؛ لیکن اللہ تعالیٰ نے اس خبیث کی سازش کو ناکام بنایا اور اس کے ناپاک منصوبوں کو طشت از بام کرتے ہوئے سورۂ منافقون نازل کی۔(بخاری شریف ۲/۷۲۷، روح المعانی ۲۸/۶۰ از کریا)

اسلام کی پوری تاریخ گواہ ہے کہ آپسی اختلافات کو بڑھانے میں سب سے بڑا کردار منافقین کا رہا ہے، جنہوں نے ہمدردی کا چولہ پہن کر اسلامی اتحاد کو پارہ پارہ کرنے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی، بالخصوص یہودی منافق عبداللہ بن سبا کے ذریعہ شیعہ سنی افتراق کی داغ بیل ڈالنا اس کی واضح دلیل ہے، اور آج بھی ایسے مکروہ کردار والے لوگوں کی کمی نہیں ہے۔ **اَللّٰهُمَّ احْفَظْنَا مِنْ شُرُوْرِهِمْ۔**

(۴) کارِ خیر میں پیسہ خرچ کرنے میں بخل

نفاق کی ایک نظریاتی علامت یہ بھی ہے کہ منافق لوگ خیر کے کاموں میں خرچ کرنے میں بہت تنگ دل ہوتے ہیں، قوم کا پیسہ دنیوی امور میں یا فضول مصارف میں کتنا ہی لگ جائے تو انہیں کوئی غم نہیں ہوتا؛ لیکن اگر کوئی شخص خیر کے کام میں دل کھول کر خرچ کرے یا عام مسلمان کسی اچھے دینی کام میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیں تو یہ منافق دل دل میں کڑھتے ہیں، چناں چہ سورۂ منافقین میں منافقوں کی اسی عادت کی طرف ان الفاظ میں اشارہ فرمایا گیا کہ عبداللہ بن ابی نے انصار مدینہ سے کہا تھا:

هُمُ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ لَا تُنْفِقُوْا عَلٰى مَنْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ حَتّٰى يَنْفَضُّوْا، وَلِلّٰهِ خَزَائِنُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَلٰكِنَّ الْمُنَافِقِيْنَ لَا يَفْقَهُوْنَ. (المنافقون: ۷)

وہی ہیں جو کہتے ہیں کہ خرچ مت کرو ان پر جو پاس رہتے ہیں رسول اللہ کے، یہاں تک کہ متفرق ہوجائیں اور اللہ کے ہیں خزانے آسمانوں کے اور زمین کے؛ لیکن منافق نہیں سمجھتے۔

آج بھی ایسے لوگوں کی کمی نہیں ہے، جو دین پر خرچ کرنے کو پیسہ کا ضیاع سمجھتے ہیں، مثلاً: خود ہمارے درمیان ایک ایسا طبقہ موجود ہے جس کو مدارسِ اسلامیہ میں قوم کا اپنے پیسہ کو لگانا بہت گراں گزرتا ہے۔

کئی سال قبل احقر کے پاس ایک صاحب اپنی تالیف کردہ کتاب تبصرہ کے لئے لائے، جو

تعلیم کے موضوع پر لکھی ہوئی تھی، احقر نے انہیں کے سامنے اس کے چند صفحات اُلٹ پلٹ کر دیکھے، تو ایک جگہ موصوف نے لکھا تھا کہ: ''آج کل سالانہ کروڑوں روپیہ ملت کی خون پسینہ کی کمائی مدارس ومکاتب میں لگ کر فضول ضائع ہو رہی ہے''۔ موصوف کی نظر میں یہی روپیہ اگر اسکول کالج میں لگتا تو بڑا اچھا ہوتا۔

یہ بھی دراصل اندرونی نفاق ہی کی ایک شکل ہے کہ آدمی دینی مصارف میں خرچ کرنے کو برا سمجھے اور دنیاوی مصارف میں خرچ پر مطمئن رہے۔ یعنی اس کے نزدیک امت کی اصلاح وہدایت کی کوئی اہمیت نہ ہو؛ بلکہ اس کی نظر صرف معاشی خوش حالی تک محدود ہو، جیسا کہ آج عام دنیا داروں کا نظریہ بن گیا ہے۔

ایک عبرت آموز واقعہ

احقر کے ایک مخلص دوست نے داعی الی اللہ حضرت مولانا محمد عمر صاحب پالن پوری رحمۃ اللہ علیہ کا ایک عبرت آموز واقعہ سنایا، جو یاد رکھنے کے قابل ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ موصوف سے بعض ماڈرن ذہن والے لوگوں نے کسی سفر کے دوران یہ کہا کہ: ''آپ تبلیغ والے لوگ جا بجا بڑے بڑے اجتماعات کرتے ہیں، جس میں لاکھوں لاکھ روپیہ ملت کا خرچ ہوتا ہے، اگر یہی روپیہ بچا لیا جائے تو ایک بڑا کالج یا یونیورسٹی بن سکتی ہے، جس سے بہت سے مسلمانوں کا معاشی فائدہ ہوگا''۔ مولانا موصوف ان کی باتوں کو سنتے رہے اور جب وہ سب کہہ چکے، تو ان سے مخاطب ہوکر پورے ایمانی جوش سے فرمایا کہ: ''آج آپ لوگوں کو دین کی دعوت وتبلیغ میں کئے جانے والے خرچ پر اعتراض ہو رہا ہے، اور میں یہ کہتا ہوں کہ آج ملت کے افراد ایک بڑے مسلم آبادی والے شہر میں روزانہ ایک سنتِ رسول یعنی داڑھی کو منڈانے اور کترانے پر جتنا پیسہ خرچ کرتے ہیں، اگر ہر دن کے روپیہ کو بچا لیا جائے، تو اس پیسہ سے ہر دن ایک اسکول اور کالج قائم ہوسکتا ہے، تو آپ لوگوں کو سنتِ رسول کے مٹانے پر جو خرچ ہو رہا ہے اس پر تو کوئی اعتراض نہیں، اور دین کی اشاعت میں جو تھوڑا بہت روپیہ لگ رہا ہے، جس سے ہدایت واصلاح کی کافی امید ہے، اس پر چیں بجبیں

ہیں، کیا یہی آپ کے مسلمان ہونے کا تقاضہ ہے''؟ (اوکما قال) یہ جواب سن کر معترضین اپنا سامنہ لے کر رہ گئے۔

احقر عرض کرتا ہے کہ مذکورہ اعتراض چند لوگوں تک محدود نہیں؛ بلکہ اُمت میں مستقل ایک ایسا طبقہ پیدا ہو چکا ہے جو اسراف وتبذیر اور فضول خرچی پر تو ایک لفظ زبان سے نہیں نکالتا؛ لیکن جہاں دین کے نام پر خرچ کی بات آتی ہے تو اس کے چہرہ پر سلوٹیں پڑ جاتی ہیں، بلاشبہ یہ بھی نفاق کی ایک خاص علامت ہے، مگر اللہ کا دستور ہے کہ منافق خواہ کتنا ہی بخل کریں، اور لوگوں کو دین کے لئے خرچ سے روکنے کی کتنی ہی ذہن سازی کریں، مگر یہ دین کا کام نہ کسی سے رکا ہے اور نہ کسی سے رکے گا، اور اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے خزانۂ غیب سے اس کی ضروریات کا تکفل فرماتے رہے ہیں اور تکفل فرماتے رہیں گے، چاہے منافقین کو اچھا لگے یا برا لگے، جن مال داروں کا مال اللہ کے نزدیک مقبول ہوگا وہ اسے خیر کی جگہوں پر خرچ کی توفیق عطا فرمائیں گے؛ کیوں کہ حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ صرف پاکیزہ مال ہی قبول فرماتے ہیں، اور جن کا مال اللہ کی نظر میں مقبول نہ ہوگا وہ دین کے مصارف سے دور رکھا جائے گا۔

ہم سب کو چاہیئے کہ موقع بموقع مذکورہ بالا علاماتِ نفاق کی روشنی میں اپنے ذہن ودماغ کا جائزہ لیتے رہیں اور پوری کوشش کریں کہ ہمارے اندر کوئی منافقانہ خصلت پروان نہ چڑھ سکے، اللہ تعالیٰ پوری امت کو نفاق کے اثرات سے پوری طرح محفوظ رکھیں، آمین۔

انیسویں فصل:

دکھاوا اور نمائش؛ ایک منافقانہ خصلت

منافقین کی خاص نشانیوں میں سے ایک اہم نشانی یہ ہے کہ اولاً تو وہ دلی ذوق وشوق کے ساتھ اور ثواب کی نیت سے نیک اعمال کرتے ہی نہیں، اور اگر کبھی کر بھی لیتے ہیں تو ان کا مقصد لوگوں پر یہ ظاہر کرنا ہوتا ہے کہ ہم بھی بڑے دین دار ہیں۔ قرآنِ کریم میں ایسے لوگوں کے بارے میں ارشاد فرمایا گیا:

إِنَّ الْمُنَافِقِيْنَ يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَهُوَ خٰدِعُهُمْ، وَإِذَا قَامُوْا إِلَى الصَّلٰوةِ قَامُوْا كُسَالٰى، يُرَاءُوْنَ النَّاسَ وَلَا يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ إِلَّا قَلِيْلًا. (النساء: ١٤٢)

یقیناً منافقین اللہ کو دھوکہ دیتے ہیں، حالاں کہ اللہ تعالیٰ خود ان کو دغا دیں گے، اور جب یہ نماز کے لئے کھڑے ہوتے ہیں تو بد دلی سے کھڑے ہوتے ہیں لوگوں کو دکھانے کے واسطے، اور اللہ کا بہت کم ذکر کرتے ہیں۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ خیر کے کاموں اور عبادات میں آنا کانی کرنا اور لوگوں کو دکھلانے ہی کو مقصود بنانا منافقوں کی خاص صفت ہے، اور جو بھی اس صفت کو اپنانے والا ہوگا وہ منافقوں کے مشابہ قرار دیا جائے گا۔ اور ایسے لوگ اللہ کے نزدیک نہایت مبغوض ہیں جو بظاہر تو عبادت کرتے ہیں؛ لیکن اندرخانہ ان میں دکھاوے اور نمائش کا جذبہ رہتا ہے۔ قرآنِ کریم میں ایک دوسری جگہ ارشاد ہے:

فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ. الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ

بڑی تباہی ہے ان نمازیوں کیلئے جو اپنی نماز سے

صَلٰوتِهِمْ سَاهُوْنَ. الَّذِيْنَ هُمْ يُرَآءُ وْنَ. وَيَمْنَعُوْنَ الْمَاعُوْنَ. (الماعون: ٤-٧)

بے خبر ہیں (یعنی نماز کی ظاہری اور باطنی شرائط کو ادا نہیں کرتے) جو دکھلاوا کرتے ہیں، اور معمولی برتنے کی چیز دینے سے بھی بخل کرتے ہیں۔

اسی طرح قرآنِ کریم میں دکھاوے کے لئے مال خرچ کرنے والوں کی مذمت کرتے ہوئے ایمان والوں کو ان کے طریقہ پر نہ چلنے کی تاکید کی گئی ہے، ارشادِ خداوندی ہے:

يٰٓأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذىٰ، كَالَّذِيْ يُنْفِقُ مَالَهٗ رِئَآءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ، فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ صَفْوَانٍ عَلَيْهِ تُرَابٌ فَأَصَابَهٗ وَابِلٌ فَتَرَكَهٗ صَلْدًا، لَا يَقْدِرُوْنَ عَلٰى شَيْءٍ مِّمَّا كَسَبُوْا وَاللّٰهُ لَا يَهْدِيْ الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ. (البقرة: ٢٦٤)

اے ایمان والو! اپنا صدقہ وخیرات کو احسان جتا کر اور تکلیف دے کر ضائع مت کرو، اس شخص کی طرح جو اپنا مال لوگوں کو دکھانے کے لئے خرچ کرتا ہے اور اللہ پر اور قیامت کے دن پر یقین نہیں رکھتا، اس کی مثال ایسی ہے جیسے کہ صاف پتھر جس پر کچھ مٹی پڑی ہو، پھر اس پر زور کا بارش کا پانی پڑا، جس نے اس کو بالکل صاف کر چھوڑا، ایسے لوگوں کو اپنے اعمال کا کچھ ثواب ہاتھ نہیں لگے گا، اور اللہ تعالیٰ کافروں کو سیدھی راہ نہیں دکھاتے۔

یہ آیت سرمایہ داروں کے لئے بالخصوص تازیانۂ عبرت ہے؛ کیوں کہ بعض لوگ زکوٰۃ وصدقہ دے کر بھی یہ سمجھتے ہیں کہ ہم نے فقیر پر بڑا احسان کیا ہے، اور بعض مرتبہ زبان سے اسے جتا بھی دیتے ہیں، حالاں کہ اصل میں انہیں فقیر کا احسان مند ہونا چاہئے کہ اس نے ان کا صدقہ وصول کر کے انہیں ثواب کا موقع دیا ہے۔

قیامت میں بڑے بڑے اعمال والوں کی گرفت

اور نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بھی ریاکاری کی سخت مذمت فرمائی ہے۔ مشہور روایت

کا مضمون ہے کہ قیامت میں اول مرحلہ میں جن لوگوں کا محاسبہ ہوگا، ان میں ایک وہ شخص ہوگا جس نے دنیا میں جامِ شہادت نوش کیا ہوگا، اس کو سامنے لاکر اللہ کی عطا کردہ نعمتیں یاد دلائی جائیں گی، وہ ان کا اعتراف کرے گا، پھر اس سے سوال ہوگا کہ: ''ان نعمتوں پر تونے کیا عمل کیا''؟ تو وہ کہے گا کہ میں نے جہاد کیا اور لڑتے لڑتے تیری راہ میں شہید ہوگیا، تو اس سے کہا جائے گا کہ: ''تو جھوٹا ہے تونے اس لئے جہاد کیا تھا؛ تاکہ کہا جائے کہ تو بڑا بہادر ہے''، پس یہ دنیا میں کہا جاچکا، پھر حکم ہوگا کہ: ''اسے منہ کے بل گھسیٹ کر جہنم میں ڈال دیا جائے''۔

پھر ایک ایسے شخص کو لایا جائے گا جو علم دین کے سیکھنے سکھانے اور قرآنِ کریم کی تعلیم میں مشغول رہا ہوگا، اس سے بھی نعمتیں یاد دلاکر اعتراف کرایا جائے گا اور پوچھا جائے گا کہ: ''ان نعمتوں کا تونے کیا حق ادا کیا''؟ تو وہ کہے گا کہ میں نے علم دین سیکھا، پھر سکھلایا اور تیری رضا کے لئے قرآنِ کریم کی خوب تلاوت کی، تو اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ: ''تو جھوٹ بولتا ہے تونے علم دین اس لئے سیکھا تھا؛ تاکہ تو ''عالم'' کہلائے، اور قرآن اس لئے پڑھا تھا؛ تاکہ تو ''قاری'' کہلائے، یہ سب دنیا میں کہا جاچکا''، پھر اسے بھی جہنم میں منہ کے بل گھسیٹ کر ڈالنے کا حکم ہوگا۔

اسی طرح ایک ایسے سرمایہ دار کو لایا جائے گا جسے دنیا میں ہر طرح کے مال ودولت سے اللہ تعالیٰ نے نواز رکھا تھا، اس کو اللہ کی نعمتیں یاد دلائی جائیں گی، وہ سب کا اقرار کرے گا، پھر اس سے سوال ہوگا کہ: ''ان سب کا تونے کیا حق ادا کیا''؟ تو وہ کہے گا کہ الٰہ العالمین! میں نے کوئی بھی ایسا مصرف جس میں خرچ کرنا تجھے پسند ہو، ایسا نہیں چھوڑا جس میں اپنا مال خرچ نہ کیا ہو، اس کے اس جواب پر اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ: ''تو جھوٹا ہے، تونے یہ سب خرچ اس لئے کیا تھا؛ تاکہ دنیا تجھے بڑا سخی سمجھے، سو دنیا میں یہ سب شہرہ ہوچکا ہے''۔ پھر آرڈر ہوگا کہ اسے بھی منہ کے بل گھسیٹ کر جہنم میں ڈال دیا جائے۔ (العیاذ باللہ) **اللّٰهم احفظنا منه**۔ (مسلم شریف حدیث: ۱۹۰۵، جامع المہلکات ۱۷۶)

دیکھئے کتنی رونگٹے کھڑے کردینے والی حدیث ہے، جسے بار بار پڑھنے اور یاد رکھنے کی ضرورت ہے۔

ریاکار شخص ملعون ہے

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا:

مَنْ تَزَيَّنَ بِعَمَلِ الاٰخِرَةِ وَهُوَ لَا يُرِيْدُهَا وَلاَ يَطْلُبُهَا لُعِنَ فِي السَّمٰوات وَالْأَرْضِ. (الترغيب والترهيب مكمل ٣٢ رقم: ٣٦، مجمع الزوائد ٢٢٠/١٠)

جو شخص آخرت کے عمل کو مزین کرے درانحالیکہ وہ آخرت کا طالب نہ ہو تو اس پر آسمان وزمین میں لعنت کی جاتی ہے۔

یعنی جو شخص بظاہر ایسا عمل کرے جس پر آخرت میں اجر وثواب کا وعدہ ہو؛ لیکن اس کی نیت لوگوں کو دکھلانے کی یا شہرت وعزت کے حصول کی ہو، تو ایسا شخص قابل لعنت ہے اور گویا کہ اللہ تعالیٰ کی توہین کرنے والا ہے۔ چناں چہ اس کی مزید تفصیل کرتے ہوئے نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا:

مَنْ أَحْسَنَ الصَّلوٰةَ حَيْثُ يَرَاهُ النَّاسُ وأَسَاءَ هَا حَيْثُ يَخْلُو فَتِلْكَ اسْتِهَانَةٌ اِسْتَهَانَ بِهَا رَبَّهٗ تَبَارَكَ وَتعَالىٰ. (الترغيب والترهيب مكمل ٣٢ رقم: ٤٢، المصنف لعبد الرزاق رقم: ٣٧٣٨)

جو شخص نماز کو اس لئے اچھا پڑھے؛ تاکہ لوگ اُسے دیکھیں اور جب تنہائی میں جائے تو نماز خراب پڑھے (آداب وشرائط کا لحاظ نہ رکھے) تو یہ ایسی اہانت ہے جس کے ذریعے سے وہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی توہین کررہا ہے۔

اس روایت سے معلوم ہوا کہ آدمی کو اپنا معمول یکساں رکھنا چاہئے، خواہ تنہائی میں عمل کرے یا لوگوں کے سامنے، دونوں صورتوں میں مقصود لوگوں کی خوشنودی نہ ہو؛ بلکہ اللہ تعالیٰ کی رضا مقصود ہو، اگر اس میں کوتاہی ہوگی تو یہ شرکِ خفی کہلائے گا۔ چناں چہ نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک حدیث میں ارشاد فرمایا:

الشِّرْکُ الخَفِيُّ أَنْ يَّقُوْمَ الرَّجُلُ فَيُصَلِّيْ فَيُزَيِّنُ صَلٰوتَهٗ لِمَا يَرىٰ مِنْ نَظْرِ رَجُلٍ. (ابن ماجة ٣١٠ رقم: ٤٢٠٤، الترغيب والترهيب مكمل ٣٢ رقم: ٤٤، شعب الإيمان ٣٣٤/٥ رقم: ٦٨٣٢)

شرک خفی یہ ہے کہ آدمی کھڑا ہوکر نماز پڑھے اور جب یہ دیکھے کہ کوئی شخص اسے دیکھ رہا ہے تو اپنی نماز خوب اچھی کردے۔

علماء نے لکھا ہے کہ اخلاص کی علامت یہ ہے کہ نہ تو مخلوق کی وجہ سے کوئی عمل مزین کرے اور نہ ہی مخلوق کی رعایت میں اپنے معمول کو ترک کرے؛ بلکہ عبادات میں پوری طرح نظر اللہ تعالیٰ کی ذات کی طرف رہے، اور یہ یقین رکھے کہ مخلوق میں کوئی بھی شخص میرے عمل کا بدلہ نہیں دے سکتا، جزا دینے والی ذات صرف اللہ تعالیٰ کی ہے۔

عمل کرتے وقت کیا باتیں ملحوظ رہنی چاہئیں؟

حکیم الامت حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ آدمی کو کوئی بھی خیر کا عمل انجام دیتے وقت درج ذیل دس باتوں سے محفوظ رکھنے کا اہتمام کرنا چاہئے:

(۱) **نفاق سے** :- اس سے بچاؤ کی تدبیر یہ ہے کہ ہر عمل خالص اللہ تعالیٰ کے لئے کرے۔

(۲) **ریاکاری سے** :- اور اس سے حفاظت اس طرح ہوگی کہ عمل پر کسی طرح کے اجر وثواب کی امید اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی سے نہ رکھے۔

(۳) **گناہ کو ملانے سے** :- اس کی تدبیر یہ ہے کہ کمالِ تقویٰ پیدا کرے۔

(۴) **احسان جتانے سے** :- اس کے بجائے صرف اللہ تعالیٰ کا شکر گذار رہے۔

(۵) **ناگواری سے** :- اس کی صورت یہ ہے کہ عمل کو حتی الامکان نقص سے پاک رکھے۔

(٦) **شرمندگی سے** :- یعنی اپنے عمل خیر پر نادم نہ ہو؛ بلکہ نفس کو مطمئن کرنے کی کوشش کرے۔

(۷) **عجب وتکبر سے** :- یعنی عمل کر کے خوش فہمی میں مبتلا نہ ہو؛ بلکہ عمل کی توفیق پر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں شکر گذار رہے۔

(۸) **حســـرت ســے** :- یعنی بروقت عمل کرے، ایسا نہ ہو کہ وقت نکلنے کے بعد حسرت ہو۔

(۹) **اهــانــت ســے** :- یعنی کسی بھی عمل خیر کو ہلکا یا حقیر نہ سمجھے؛ بلکہ توفیق خداوندی کو غنیمت سمجھتا رہے۔

(۱۰) **لــوگــوں کی ملامت سے** :- یعنی لوگوں کی ملامت کے اندیشہ سے کوئی خیر کا کام نہ چھوڑے؛ بلکہ لوگوں کے بجائے اللہ تعالیٰ کی خوشنودی ملحوظ رکھے اور اس کی ناراضگی سے ڈرتا رہے۔(تلخیص: روضۃ الطالبین ۵۵-۵۶، مجموعہ رسائل امام غزالیؒ)

نیز امام غزالیؒ نے اپنے ایک شاگرد کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا کہ: ''ریاکاری کا مرض جبھی پیدا ہوتا ہے جب آدمی اللہ تبارک وتعالیٰ کے مقابلہ میں مخلوق کی تعظیم زیادہ کرے؛ لہٰذا اس کا علاج یہ ہے کہ ساری دنیا کو اللہ تبارک وتعالیٰ کی قدرت کے مقابلہ میں بے حیثیت سمجھے اور یہ یقین دل میں جمائے کہ نفع وضرر اور راحت ومشقت کسی مخلوق کے اختیار میں نہیں ہے؛ بلکہ یہ صرف اللہ تعالیٰ کے قبضہ وقدرت میں ہے، اگر یہ جذبہ نہ ہو تو آدمی کے لئے ریا سے بچنا مشکل ہے''۔(رسالہ ''ایہاالولد'' ۱۱۰، مجموعہ رسائل امام غزالیؒ)

اَفسوس کا مقام

ایک طرف مذکورہ بالا حقائق ہیں، دوسری طرف جب ہم خود اپنا جائزہ لیتے ہیں تو یہ بات کھل کر سامنے آتی ہے کہ دکھلاوے اور نمائش کی منافقانہ خصلت آج ہم میں کثرت سے رائج ہو چکی ہیں، اور دنیاداروں کا تو کہنا ہی کیا؟ جو لوگ دینی خدمات میں مشغول ہیں ان میں بھی یہ مرض سرایت کر چکا ہے، ہر طبقہ اپنی خدمات اجاگر کرنے کے لئے طرح طرح کے اسباب اختیار کرتا ہے، حتیٰ کہ اس میں جائز وناجائز کا بھی خیال نہیں رکھا جاتا۔ خالص دینی پروگراموں کی تشہیر اور اُن

کی اخبارات میں رپورٹنگ ایک فیشن بنتی جارہی ہے، رسومات کی پابندی کا دور دورہ ہے، مقاصد پر توجہ کم ہے، اور وسائل کو مقاصد کا درجہ دے دیا گیا ہے، ہمارا حال یہ ہے کہ مقصد تک رسائی ہو یا نہ ہو، مگر ہم وسائل میں کامیابی ملنے پر ہی خوش ہوکر بیٹھ جاتے ہیں، مثلاً کسی جلسے یا پروگرام میں یا اجتماع میں کثیر مجمع شریک ہوتو ہمیں بے حد خوشی ہوتی ہے، حتی کہ اس پر ایک دوسرے کو مبارک بادی کا سلسلہ شروع ہوجاتا ہے، حالاں کہ دینی پروگرام یا تبلیغی اجتماعات حتی کہ بزرگوں کا طے کردہ چلہ اور چار مہینہ کا دعوتی نظام یہ سب چیزیں بجائے خود اصل مقصود نہیں؛ بلکہ اصل مقصود یعنی ملت کی دینی ضروریات کی تکمیل کا محض ایک وسیلہ ہیں، ان کو مقصود سمجھ کر مطمئن ہوکر بیٹھ جانا دانش مندی نہیں ہے؛ کیوں کہ یہاں محنت ختم نہیں ہوتی؛ بلکہ یہاں سے محنت شروع ہوتی ہے؛ لہٰذا جب تک معاشرہ میں دین داری مکمل طور پر عام نہ ہو، ہماری تگ ودو مسلسل جاری رہنی چاہئے۔

رسمیات کو بقاء نہیں

ہمیں یہ بات بھی یاد رکھنی چاہئے کہ رسمیات ووسائل باقی رہنے والی چیزیں نہیں ہے، ان سے وقتی ہل چل یا عارضی اطمینان تو حاصل ہوسکتا ہے؛ لیکن باقی وہی چیز رہے گی جو اخلاص کے ساتھ رسومات سے ہٹ کر انجام دی جائے۔ اس بارے میں امام دار الہجرۃ امام مالک بن انس رحمۃ اللہ علیہ کا ایک مقولہ آبِ زر سے لکھے جانے کے قابل ہے، آپ سے جب پوچھا گیا کہ: ''اس زمانہ میں بہت سے لوگوں نے ''مؤطا'' لکھ دی ہیں، تو پھر آپ کی ''مؤطا'' کا کیا ہوگا''؟ تو آپ نے جواب دیا کہ: ''لَتَعْلَمَنَّ أَنَّهُ لا يَرْتَفِعُ إِلَّا مَا أُرِيْدَ بِهِ وَجْهَ اللّٰهِ''۔ (یعنی یہ بات اچھی طرح جان لو کہ سربلندی صرف اسی کام کو ملے گی جس کو صرف اللہ کی خوشنودی کے لئے انجام دیا گیا ہوگا) (التمهيد لابن عبد البر ۸٦/۱، بحواله: المحدث الكبير، العلامة محمد زكريا الكاندهلوي وجهوده في السنة النبوية، د/ محمد أشرف الندوي ۲۷۳)

چناں چہ دنیا نے دیکھا کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی ''مؤطا'' کو جو شہرت وقبولیت ملی وہ دیگر مؤطاؤں کو حاصل نہیں ہوسکی، یہ امام صاحب کے بے مثال اخلاص کی برکت تھی۔

اس کے برخلاف جو شخص محض دنیوی مفادات اور لوگوں میں شہرت یا عزت کے حصول کے لئے کوئی کام انجام دے تو وہ بظاہر دیکھنے میں کتنا ہی بڑا کیوں نہ ہو، وہ دیر تک باقی نہیں رہتا، اس کا نام ونشان جلد ہی مٹ جاتا ہے، اس لئے بالخصوص دینی مشغلہ میں لگے ہوئے تمام حضرات پر لازم ہے کہ ہر وقت اپنے دل کو ٹٹولتے رہیں، اور ذاتی اغراض، دنیاوی مفادات اور شہرت وعزت کو کبھی مقصود نہ بنائیں، اور نہ ہی ان کو دینی مفاد پر ترجیح دیں، اور جو بھی کام کریں خلوصِ نیت کے ساتھ اسے انجام تک پہنچائیں، اس کے بغیر دنیا وآخرت کی عزت حاصل نہیں ہوسکتی۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اور امت کے ہر فرد کو نفاق اور ریا کاری سے محفوظ فرمائیں اور کامل اخلاص سے نوازیں، آمین۔

بیسویں فصل:

جھوٹ اور فریب

فکری اور نظریاتی نفاق کے سلسلہ میں پچھلے مضامین میں گفتگو آچکی ہے، اب مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اُن اعمال کا بھی ذکر کردیا جائے جن کو نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے منافقین کی خاص علامت قرار دیا ہے، اور آپ نے تنبیہ فرمائی ہے کہ اگر کوئی مسلمان اِن علامتوں میں سے کسی بھی علامت کو اپنائے گا تو وہ عملی طور پر ''منافق'' کہلائے جانے کا مستحق ہوگا، اس لئے ہر مسلمان کو ایسی باتوں سے خصوصاً بچنے کا اہتمام کرنا چاہئے۔

نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا ہے:

أَرْبَعٌ مَنْ كُنَّ فِيْهِ كَانَ مُنَافِقًا خَالِصًا، وَمَنْ كَانَتْ فِيْهِ خُلَّةٌ مِنْهُنَّ كَانَتْ فِيْهِ خُلَّةٌ مِنَ نِفَاقٍ حَتّٰى يَدَعَهَا، إِذَا حَدَّثَ كَذَبَ وَإِذَا عَاهَدَ غَدَرَ وَإِذَا وَعَدَ أَخْلَفَ وَإِذَا خَاصَمَ فَجَرَ. (مسلم شريف ٥٦٠/١ رقم: ٥٨ مع فتح الملهم ٢٣٤/١ والبخاري ١٠/١ رقم: ٣٤)

چار باتیں جس شخص میں پائی جائیں گی وہ پکا منافق ہوگا اور جس شخص میں ان چار خصلتوں میں سے کوئی خصلت پائی جائے گی وہ منافقانہ خصلت والا ہوگا؛ تاآنکہ اس سے باز نہ آجائے (وہ خصلتیں یہ ہیں) (۱) جب بات کرے تو جھوٹ بولے (۲) جب معاہدہ کرے تو غداری کرے (۳) جب وعدہ کرے تو اس کی خلاف ورزی کرے (۴) جب کسی سے جھگڑا ہو تو گالم گلوچ کرے۔

اور ایک دوسری روایت میں پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے:

اٰيَةُ الْمُنَافِقِ ثَلاثٌ: إِذَا حَدَّثَ كَذَبَ وَإِذَا وَعَدَ أَخْلَفَ وَإِذَا أُؤْتُمِنَ خَانَ. (مسلم شريف ٥٦/١ رقم: ٦٠، مع فتح الملهم ٢٣٤/١ والبخاري ١٠/١ رقم: ٣٣)

منافق کی تین علامتیں ہیں: (۱) جب بولے تو جھوٹ بولے (۲) جب وعدہ کرے تو اس کے خلاف کرے (۳) جب اسے امین بنایا جائے تو امانت میں خیانت کرے۔

محدثین نے لکھا ہے کہ اس حدیث میں نفاق سے نفاقِ عملی مراد ہے، یعنی اگر کسی مسلمان میں یہ صفات پائی جائیں تو اسے کافر تو نہیں کہا جائے گا؛ لیکن یہ ضرور کہیں گے کہ اس نے منافقوں کی مشابہت اختیار کی ہے، اور مذکورہ بالا دونوں روایتوں سے خلاصہ کے طور پر منافقوں کی پانچ صفات کا پتہ چلتا ہے: (۱) جھوٹ بولنا (۲) عہد شکنی کرنا (۳) وعدہ خلافی کرنا (۴) گالم گلوچ کرنا (۵) امانت میں خیانت کرنا۔ ان پانچوں صفات سے متعلق قدرے تفصیل ذیل میں پیش کی جارہی ہے:

جھوٹ؛ ایک منافقانہ خصلت

اسلام؛ بلکہ سبھی شریف انسانوں کی نظر میں جھوٹ بدترین خصلت ہے، جو انسان کے اعتماد کو مجروح کر دیتی ہے، اور جھوٹا شخص لوگوں کی نظر میں ذلیل ہو جاتا ہے۔ قرآنِ کریم میں بھی جھوٹ بولنے والوں پر لعنت کی گئی ہے۔ ارشاد ہے:

فَنَجْعَلْ لَّعْنَتَ اللّٰهِ عَلَى الْكَاذِبِيْنَ. (آل عمران آیت: ٦١)

پس لعنت کریں اللہ کی ان پر جو کہ جھوٹے ہیں۔

اور حضراتِ صحابہ رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جھوٹ سے زیادہ کوئی صفت ناپسند نہ تھی، اور جب آپ کو کسی شخص کے بارے میں جھوٹے ہونے کا علم ہو جاتا تو اس وقت تک آپ کا دل اس کی طرف سے صاف نہ ہوتا جب تک کہ اس کی توبہ کا علم نہ ہو جاتا۔ (رواہ احمد وغیرہ، الترغیب والترہیب مکمل ۶۱۹)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ بھی ارشاد ہے کہ مؤمن میں ہر صفت ہو سکتی ہے؛ لیکن وہ جھوٹا نہیں ہو سکتا (یعنی اگر جھوٹا ہو تو اس کے ایمان میں نقص ہوگا)۔ (الترغیب والترہیب مکمل ۶۱۷)

نیز مختلف احادیثِ شریفہ میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جھوٹ کی برائی بیان فرمائی ہے۔ ارشادِ نبوی ہے:

إِذَا كَذَبَ الْعَبْدُ تَبَاعَدَ عَنْهُ الْمَلَكُ مِيلاً مِنْ نَتْنِ مَا جَاءَ بِهِ. (رواه الترمذي ۱۸/۲ عن ابن عمرؓ)

جب آدمی جھوٹ بولتا ہے تو اس کلمہ کی بدبو کی وجہ سے جو اس نے بولا ہے رحمت کا فرشتہ اس سے ایک میل دور چلا جاتا ہے۔

یعنی جھوٹ بولنے سے آدمی کا منہ بدبودار ہوجاتا ہے، اور وہ بدبو اتنی سخت ہوتی ہے کہ رحمت کا فرشتہ اس کا تحمل نہیں کرپاتا، اور جھوٹے آدمی سے ایک میل دور چلا جاتا ہے۔

نیز پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جھوٹ بولنے کو جہنم تک پہنچانے والا عمل قرار دیا ہے، آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا ارشادِ عالی ہے:

وَإِيَّاكُمْ وَالْكِذْبَ، فَإِنَّ الْكِذْبَ يَهْدِي إِلَى الْفُجُورِ، وَإِنَّ الْفُجُورَ يَهْدِى إِلَى النَّارِ، وَمَا يَزَالُ الرَّجُلُ يَكْذِبُ وَيَتَحَرَّى الْكِذْبَ حَتّٰى يُكْتَبَ عِنْدَ اللّٰهِ كَذَّاباً. (رواه البخاري ۹۰۰/۲ رقم: ٦٠٩٤، مسلم ۳۲٥/۲ رقم: ۲٦٠۷، أبوداؤد ٦۸۱/۲ رقم: ٤۹۸۹، مسند أحمد ۳۹۳/۱، ترمذي ۱۸/۲، مشکوۃ ٤۱۲/۲ رقم: ٤۸۲٤)

اور جھوٹ سے بچتے رہو؛ اس لئے کہ جھوٹ فسق وفجور کی طرف لے جاتا ہے، اور فسق وفجور جہنم تک پہنچادیتا ہے، اور آدمی برابر جھوٹ بولتا ہے اور جھوٹ کو تلاش کرتا رہتا ہے، تاآں کہ اللہ کے یہاں اس کا نام جھوٹوں میں لکھ دیا جاتا ہے۔

تجربہ ہے کہ مجرم اپنے جرم کو چھپانے کے لئے جھوٹ کا سہارا لیتا ہے، اور یہ جھوٹ اس کو نافرمانی پر مزید جری کردیتا ہے؛ تاآنکہ وہ اپنی بدعملیوں کی بناپر جہنم کا مستحق ہوجاتا ہے۔ اعاذنا اللہ منہ۔

جھوٹے شخص کو سخت برزخی عذاب

جھوٹے شخص پر بدترین عذاب کا سلسلہ عالم برزخ ہی سے شروع ہوجاتا ہے، چناں چہ

ایک مرتبہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب میں دیکھا کہ دو فرشتے آپ کو آسمان پر لے گئے ہیں، وہاں آپ نے دو آدمیوں کو دیکھا، ایک کھڑا ہوا ہے دوسرا بیٹھا ہے، کھڑا ہوا شخص بیٹھے ہوئے آدمی کے کلّے کو لوہے کی زنبور سے گدی تک کاٹتا ہے، پھر دوسرے کلّے کو اسی طرح کاٹتا ہے، اتنے میں پہلا کلاّ ٹھیک ہو جاتا ہے اور اس کے ساتھ یہ عمل برابر جاری ہے۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے ساتھی فرشتوں سے دریافت کیا، توانھوں نے جواب دیا:

اَلَّـذِيْ رَأَيْتَـهُ يُشَقُّ شِدْقُهُ فَكَذَّابٌ يَكْذِبُ بِالْكِذْبَةِ تُحْمَلُ عَنْهُ حَتّٰى تَبْلُـغَ الْاٰفَاقَ فَيُـصْنَعُ بِهٖ اِلٰى يَوْمِ الْـقِيَامَةِ. (البخاری ۱۸۵/۱ رقم: ۱۳۸٦، ۲/۹۰۰ رقم: ٦۰۹۷)

جس کو آپنے دیکھا کہ اس کے کلّے چیرے جارہے ہیں وہ ایسا بڑا جھوٹا ہے جس نے ایسا جھوٹ بولا کہ وہ اس سے نقل ہوکر دنیا جہاں میں پہنچ گیا؛ لہٰذا اس کے ساتھ قیامت تک یہی معاملہ کیا جاتا رہے گا۔

اس حدیث شریف سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ جب قیامت سے پہلے جھوٹے کے لئے یہ عذاب ہے تو جہنم میں اس کے عذاب کا کیا حال ہوگا، **اللّٰھم احفظنا منه**۔

جھوٹی خبر دینا بہت بڑی خیانت ہے

خاص طور پر درج بالا روایت ان لوگوں کے لئے سخت تنبیہ ہے جو اخبارات اور میڈیا کے شعبہ سے وابستہ ہیں کہ جب وہ کوئی جھوٹی رپورٹنگ کرتے ہیں تو یہ جھوٹ ان کے ذریعہ سے سارے عالم میں پھیل جاتا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ کوئی شخص اس خوش فہمی میں رہے کہ ہم نے خلافِ واقعہ رپورٹ کر کے اپنا دنیوی مقصد پالیا یا کسی کے خلاف ذہن سازی کرلی وغیرہ؛ لیکن جب مرنے کے بعد کلے چیرے جائیں گے تو سارا ''صحافتی نشہ'' اتر جائے گا، اور حسرت کے سوا کچھ ہاتھ نہ آئے گا۔ اسی لئے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جھوٹی خبر دینے کو بڑی خیانت قرار دیا ہے۔ ایک حدیث میں ہے:

كَبُـرَتْ خِيَانَةً أَنْ تُحَدِّثَ أَخَاكَ

یہ بڑی خیانت ہے کہ تو اپنے بھائی سے ایسی گفتگو

حَدِيْثًا هُوَ لَكَ بِهٖ مُصَدِّقٌ وَأَنْتَ بِهٖ كَاذِبٌ. (رواه ابوداؤد ٦٧٩/٢ رقم: ٤٩٧١، مشكوٰة ٤١٣/٢ رقم: ٤٨٤٥)

کرے جس میں وہ تجھے سچا سمجھتا ہو، حالاں کہ تو اس سے جھوٹ بول رہا ہے۔

اس حدیث شریف کا مطلب یہ ہے کہ اگر کسی شخص کو اس کے اعتماد کی بنیاد پر کوئی خبر دی جائے اور وہ خبر حقیقت میں خلافِ واقعہ ہو، جیسا کہ آج کل رائج ہے کہ جب کسی کی مخالفت کی جاتی ہے تو اس پر جھوٹے الزامات بلا تحقیق لگائے جاتے ہیں اور بیان کرتے وقت انداز ایسا ہوتا ہے گویا ان سے سچا کوئی نہیں ہے، جس کی بنا پر سادہ لوح لوگ ان کی بات سن کر مذکورہ شخص سے بدگمان ہوجاتے ہیں، تو یہ حرکت اللہ کے نزدیک بہت بڑی خیانت ہے جس کی سزا ضرور بھگتنی پڑے گی۔

مذاق میں بھی جھوٹ بولنا منع ہے

آج کل عام لوگ ہنسانے کے لئے نت نئے چٹکلے تیار کرتے ہیں، اور محض اس لئے جھوٹ بولتے ہیں تاکہ لوگ ہنسیں؛ بلکہ باقاعدہ اس موضوع پر مجلسیں جمتی ہیں اور رسالے لکھے جاتے ہیں، اور اسے موجودہ دور میں ایک فن کی حیثیت دے دی گئی ہے، حالاں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مذاق میں بھی جھوٹ بولنے سے ممانعت فرمائی ہے؛ بلکہ ایسے شخص کے لئے تین مرتبہ بددعاء فرمائی ہے۔ آپ کا ارشاد ہے:

وَيْلٌ لِّمَنْ يُّحَدِّثُ فَيَكْذِبُ لِيُضْحِكَ بِهِ الْقَوْمَ، وَيْلٌ لَهٗ، وَيْلٌ لَهٗ. (رواه أبوداؤد ٦٨١/٢ رقم: ٤٩٩٠، مسند أحمد ٥/٥، مشكوٰة ٤١٣/٢ رقم: ٤٨٣٤)

جو شخص لوگوں کو ہنسانے کے لئے جھوٹ بولے اس کے لئے بربادی ہو، بربادی ہو، بربادی ہو۔

آج کل کے ٹھٹھول باز لوگوں کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مذکورہ بالا ارشاد ضرور اپنے پیشِ نظر رکھنا چاہئے اور اس برے فعل سے باز آنا چاہئے؛ کیوں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ: ''کوئی شخص اس وقت تک کمالِ ایمان حاصل نہیں کرسکتا جب تک کہ مذاق

(تک) میں جھوٹ بولنے اور جھگڑا کرنے سے باز نہ آجائے، اگرچہ وہ حق پر ہی کیوں نہ ہو‘‘۔

(الترغیب والترہیب ۳/۳۶۷)

نیز مذاق میں بھی جھوٹ سے بچنے پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جنت کی ضمانت لی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

أَنَا زَعِيمٌ بِبَيْتٍ فِي وَسَطِ الْجَنَّةِ لِمَنْ تَرَكَ الكِذْبَ وَإِنْ كَانَ مَازِحًا.

(رواه الترمذي ۲/ ۲۰ رقم: ۱۹۹۳، أبوداؤد ۲/ ۶۶۱ رقم: ۴۸۰۰، الترغيب والترهيب مكمل ۶۱۶ رقم: ۴۴۳۸، بيهقي في شعب الإيمان ۴/ ۳۱۷ رقم: ۵۲۴۳)

میں اس شخص کے لئے بیچ جنت میں گھر کی کفالت لیتا ہوں جو جھوٹ کو چھوڑ دے اگرچہ مذاق ہی میں کیوں نہ ہو۔

پس جو شخص جنت کے مَین علاقہ میں اپنا مقام بنانا چاہتا ہے اسے پیغمبر علیہ السلام کے ارشادِ عالی کے بموجب اپنی زندگی سے جھوٹ کو نکالنا پڑے گا۔

سچ میں ہی نجات ہے

واقعہ یہ ہے کہ جھوٹ سے بچنا اور ہر معاملہ میں سچ کو اختیار کرنا تقربِ خداوندی کا ایک بڑا ذریعہ ہے، اس صفت کی بدولت انسان کو دنیا وآخرت میں عزت نصیب ہوتی ہے، اور اعمالِ خیر کی توفیق عطا ہوتی ہے، اس کے برخلاف جھوٹ کے معاملہ میں لاپروائی برتنا سخت نقصان اور محرومی کا سبب ہے، جھوٹ سے وقتی طور پر کوئی دنیاوی فائدہ تو اُٹھایا جاسکتا ہے؛ لیکن انجام کے اعتبار سے وہ نجات کا ذریعہ نہیں بن سکتا، اور سچ بول کر ہوسکتا ہے وقتی کچھ نقصان محسوس ہو؛ لیکن اس کا نتیجہ اخیر میں ہمیشہ اچھا اور مفید ہی برآمد ہوتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

تَحَرَّوْا الصِّدْقَ وَإِنْ رَأَيْتُمْ أَنَّ الهَلَكَةَ فِيهِ، فَإِنَّ فِيهِ النَّجَاةَ.

(الترغيب والترهيب مكمل ۶۱۶ رقم: ۴۴۴۳)

سچ کو تلاش کرو؛ اگرچہ تمہیں اس میں ہلاکت معلوم ہو؛ اس لئے کہ نجات اسی (سچ بولنے) میں ہے۔

اسلامی تاریخ میں غزوۂ تبوک میں بلاعذر شرکت نہ کرنے والے تین مخلص صحابہؓ (حضرت کعب بن مالکؓ، حضرت مرارہ بن الربیعؓ اور حضرت ہلال ابن امیہؓ) کا نام سنہرے حروف سے نقش ہے، جنہوں نے سچ کو اختیار کر کے صحیح صحیح معاملہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بتلا دیا تھا، جس کی وجہ سے اگرچہ انہیں پچاس دن بائیکاٹ کی تکلیف جھیلنی پڑی؛ لیکن آخر کار ان کی توبہ کی قبولیت کے سلسلے میں قرآنِ کریم کی آیات ﴿وَعَلَى الثَّلاثَةِ الَّذِيْنَ خُلِّفُوْا الخ﴾ نازل ہوئیں، اور انہیں ان کی سچائی کی بنا پر ربِ ایزدی کی جانب سے رحمت ومغفرت کا تمغہ عطا کیا گیا، اور جن منافقین نے جھوٹے عذر پیش کر کے بظاہر اپنی جان بچالی تھی، اللہ تعالیٰ نے قرآنِ کریم میں ان کے جہنمی ہونے کا اعلان فرمایا۔ (بخاری شریف ۲/۶۳۶ حدیث: ۴۴۱۸)

اس روایت کے راوی سیدنا حضرت کعب بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پورا واقعہ بیان کر کے اخیر میں یہ فرمایا کہ: ''چوں کہ ہمیں یہ مقام صرف سچ بولنے کی وجہ سے ملا، اس لئے میں نے عہد کرلیا ہے کہ زندگی بھر سچ کے علاوہ کچھ نہ بولوں گا''۔

آج ضرورت ہے کہ ہم بھی سچ بولنے اور جھوٹ سے بچنے کا پکا عہد کریں، اپنے بچوں اور گھر والوں کو بھی اس کا عادی بنائیں، اور جو لوگ کاروبار میں لگے ہیں وہ اپنے کاروبار کو جھوٹ کی آمیزش سے محفوظ رکھیں، اپنے مال کی جھوٹی تعریفیں نہ کریں اور مال کے عیب کو چھپا کر لوگوں کو دھوکہ نہ دیں وغیرہ۔ اسی طرح جو لوگ حکومت کے لوگوں سے راہ ورسم رکھتے ہیں وہ حکام کی خوشنودی کے لئے ان کی جھوٹی تعریفیں کر کے اپنی عاقبت خراب نہ کریں۔ الغرض ہر سطح پر ہمیں جھوٹ سے بچنے کا پورا اہتمام کرنا چاہئے۔ اللہ تعالیٰ ہر سطح پر ہمیں جھوٹ سے بچنے کی توفیق عطا فرمائیں، آمین۔

اکیسویں فصل:

وعدہ خلافی اور بدعہدی

منافقین کی ایک خاص علامت یہ بھی ہے کہ وہ پرلے درجے کے بدعہد اور وعدہ خلاف ہوتے ہیں، اپنے مفادات کے لئے وقتی طور پر اس طرح سے معاہدہ کریں گے کہ سامنے والے کو بدعہدی کا شبہ بھی نہ ہوسکے؛ لیکن جب اپنا مطلب نکل جائے گا تو سارا وعدہ اور عہد فراموش کردیں گے۔ جس شخص میں اس طرح کی خودغرضی ہو، وہ یقیناً منافقت میں مبتلا ہے اور دین داری سے محروم ہے۔ نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا ہے:

لَا إِيْـمَانَ لِمَنْ لَا أَمَانَةَ لَهٗ وَلَا دِيْنَ لِمَنْ لَا عَهْدَ لَهٗ. (رواه أحمد ۱۳۵/۳، جامع المهلكات ۱۷۳، الترغيب والترهيب مكمل ۶۲۹/ رقم: ۴۵۴۶، ابن حبان فی صحيحه رقم: ۱۹۴)

جس شخص میں امانت نہ ہو تو گویا اس میں ایمان ہی نہیں اور جو عہد کا پابند نہ ہو وہ دین سے محروم ہے۔

اس لئے ہر مسلمان کو ایسی بری خصلت سے اپنے کو بچانے کی کوشش کرنی چاہئے؛ کیوں کہ بدعہد اور وعدہ خلاف انسان دنیا اور آخرت ہر جگہ ذلت سے دوچار ہوکر رہے گا۔

دورِ نبوت میں ایک منافق کا عبرت انگیز واقعہ

دورِ نبوی میں ایک منافق شخص ''ثعلبہ بن ابی حاطب'' تھا، جو بڑا شری اور مسجدِ ضرار کے بنانے میں شریک تھا، اس نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک مرتبہ درخواست کی کہ آپ اس کے لئے مالی وسعت کی دُعا فرمادیں۔ آپ نے فرمایا: ''اے ثعلبہ! تھوڑا مال جس کا تم شکر ادا کرسکو

وہ اس زیادہ مال سے بہتر ہے جس کا تم حق ادا نہ کرسکو''۔ اس نے پھر وہی درخواست دُہرائی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اے ثعلبہ! کیا تو اللہ کے نبی کی حالت کی طرح اپنانے پر راضی نہیں، اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے اگر میں چاہوں کہ سونے چاندی کے پہاڑ میرے ساتھ چلیں تو وہ چلنے پر تیار ہوجائیں''۔ (مگر مجھے یہ پسند نہیں) یہ سن کر ثعلبہ نے وعدہ کیا کہ اس ذات کی قسم جس نے آپ کو رسولِ برحق بنا کر بھیجا ہے! اگر آپ نے اللہ سے دُعا کردی اور مجھے اللہ نے مال دے دیا تو میں ضرور ہر حق دار کو اس کا حق ادا کروں گا، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دُعا فرمائی۔ اَللّٰھُمَّ ارْزُقْ ثَعْلَبَةَ مَالاً (اے اللہ! ثعلبہ کو مال عطا فرما) چناں چہ ثعلبہ نے کچھ بکریاں پال لیں تو ان میں کیڑے مکوڑوں کی طرح حیرت انگیز طور پر زیادتی ہوئی؛ تا آں کہ مدینہ کی رہائش اس کے لئے تنگ پڑ گئی، جس کی بنا پر وہ آبادی سے ہٹ کر قریب کی ایک وادی میں مقیم ہوگیا۔ اور صرف دن کی دو نمازیں ظہر اور عصر مسجدِ نبوی میں پڑھتا تھا، بقیہ نمازوں میں نہیں آتا تھا۔ پھر بکریاں اور زیادہ بڑھ گئیں کہ وہ وادی بھی تنگ پڑنے لگی تو وہ اور دور چلا گیا کہ ہفتہ میں صرف جمعہ کی نماز کے لئے مدینہ آیا کرتا تھا، تا آں کہ یہ معمول بھی چھوٹ گیا۔ اب جو قافلے راستے سے گذرتے تھے ان سے مدینہ کے حالات معلوم کرنے ہی پر اکتفاء کرتا تھا۔

اسی دوران ایک روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے پوچھا کہ ''ثعلبہ کہاں ہے''؟ تو لوگوں نے بتایا کہ اس نے بکریاں پالی تھیں وہ اتنی بڑھیں کہ اس کے لئے مدینہ میں رہنا مشکل ہوگیا، چناں چہ وہ دور چلا گیا ہے۔ تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تین مرتبہ فرمایا: یَاوَیْحَ ثَعْلَبَةَ (ہائے ثعلبہ کی تباہی) پھر جب صدقات وصول کرنے کا حکم نازل ہوا، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قبیلۂ جہینہ اور بنوسلیم کے دو آدمیوں کو ثعلبہ اور ایک سُلمی شخص کا صدقہ وصول کرنے بھیجا، وہ دونوں سفیر پہلے ثعلبہ کے پاس پہنچے اور اس سے زکوٰۃ کا مطالبہ کیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تحریر پڑھ کر سنائی۔ وہ بولا: یہ تو جزیہ (ٹیکس) ہے، میں نہیں جانتا یہ کیا ہے؟ اور اب تم جاؤ دوسرے لوگوں سے نمٹ کر میرے پاس آنا۔ وہ دونوں اس کے بعد سلمی شخص کے پاس

گئے۔ اس نے جو حق بنتا تھا وہ خوش دلی سے بہتر انداز میں عطا کیا، پھر اور لوگوں سے صدقات وصول کر کے واپسی میں پھر وہ ثعلبہ کے پاس آئے۔ اس نے اب بھی انہیں ٹیکس کہہ کر ٹال دیا اور کہا کہ جاؤ میں سوچوں گا۔ وہ دونوں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انہوں نے ابھی روداد سنائی بھی نہ تھی کہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ثعلبہ کے بارے میں ''یا ویح ثعلبہ'' (ثعلبہ پر افسوس ہے) کے کلمات ارشاد فرمائے، جب کہ سلمی شخص کے لئے برکت کی دُعا فرمائی، چوں کہ ثعلبہ نے صدقہ سے انکار کر کے اپنے اس وعدہ اور معاہدہ کی خلاف ورزی کی تھی، جو اس نے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سامنے کیا تھا کہ میں مال کا حق ادا کروں گا؛ اس لئے قرآنِ کریم میں اس کی اس شرارت پر سخت مذمت کی گئی اور اس کی بدعہدی اور وعدہ خلافی سے متعلق یہ آیتیں نازل ہوئیں:

وَمِنْهُمْ مَّنْ عٰهَدَ اللّٰهَ لَئِنْ اٰتَانَا مِنْ فَضْلِهٖ لَنَصَّدَّقَنَّ وَلَنَكُوْنَنَّ مِنَ الصَّالِحِيْنَ. فَلَمَّآ اٰتٰـهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ بَخِلُوْا بِهٖ وَتَوَلَّوْا وَّهُمْ مُّعْرِضُوْنَ. فَاَعْقَبَهُمْ نِفَاقًا فِيْ قُلُوْبِهِمْ اِلٰى يَوْمِ يَلْقَوْنَهٗ بِمَآ اَخْلَفُوا اللّٰهَ مَا وَعَدُوْهُ وَبِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ. اَلَمْ يَعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ سِرَّهُمْ وَنَجْوٰهُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ.

(التوبة: ۷۸)

اور بعضے ان میں سے وہ ہیں کہ عہد کیا تھا اللہ سے اگر دیوے ہم کو اپنے فضل سے تو ہم ضرور خیرات کریں اور ہوں گے نیکی والوں میں۔ پھر جب دیا ان کو اپنے فضل سے تو اس میں بخل کیا، اور پھر گئے ٹال کر، پھر اس کا اثر رکھ دیا نفاق ان کے دلوں میں جس دن تک کہ وہ اس سے ملیں گے۔ اس وجہ سے کہ انہوں نے خلاف کیا اللہ سے جو وعدہ اس سے کیا تھا، اور اس وجہ سے کہ بولتے تھے جھوٹ، کیا وہ جان نہیں چکے کہ اللہ جانتا ہے ان کا بھید اور ان کا مشورہ اور یہ کہ اللہ خوب جانتا ہے سب چھپی باتوں کو۔

بعد میں جب یہ خبر ثعلبہ کو پہنچی تو وہ اپنی ذلت مٹانے کے لئے اپنا صدقہ لے کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچا اور اسے قبول کرنے کی درخواست کی، مگر آنحضرت ﷺ نے

فرمایا کہ: ''اللہ تعالیٰ نے مجھے تیرا صدقہ قبول کرنے سے منع فرمادیا ہے''، تو وہ اپنے سر پر مٹی ڈال کر اظہار افسوس کرنے لگا۔ یہ دیکھ کر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: ''یہ تیرے عملِ بد کی نحوست ہے، تو نے میری بات کیوں نہیں مانی؟'' یہ سن کر وہ واپس چلا آیا۔ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد اس نے حضرت ابوبکر صدیق، حضرت فاروق اعظم اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہم کے سامنے اپنا مال پیش کیا مگر ان سب حضرات نے یہ کہہ کر اس کا مال لینے سے انکار کردیا کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قبول نہیں کیا تو ہم کیسے قبول کرسکتے ہیں؟

(مستفاد: تفسیر ابن کثیر ۶۲۲ طبع جدید دارالسلام ریاض)

دیکھئے! اس بدنصیب شخص کی بدعہدی اور وعدہ خلافی کی وجہ سے کس طرح قرآنِ پاک میں اس کی مذمت کی گئی، اور دنیا و آخرت کی محرومی اس کا مقدر ہوئی، اعاذنا اللہ منہ۔

غداری بڑا جرم ہے

اسلام کی نظر میں غداری بہت بڑا جرم ہے، یعنی اگر کوئی شخص کسی معاہدہ کا پابند ہوجائے تو اس معاہدہ کے باقی رہتے ہوئے اس کی خلاف ورزی جائز نہیں ہے، اب یہ معاہدہ جتنا وسیع ہوگا اُتنی ہی اس کی اہمیت زیادہ ہوگی اور اس کی خلاف ورزی کا وبال بھی اسی اعتبار سے بڑھتا جائے گا۔

مثال کے طور پر اگر کوئی شخص کسی ادارے میں ملازم ہے تو وہ اس کے قوانین کا پابند ہے، اس ادارے میں رہتے ہوئے اس کے لئے کوئی ایسی حرکت روا نہ ہوگی جس سے ادارے کے قوانین کی خلاف ورزی لازم آئے۔

اسی طرح جو شخص کسی حکومت کی ماتحتی میں ہے تو گویا اس نے اُس حکومت کے ساتھ اِطاعت کا معاہدہ کر رکھا ہے، جس کی پابندی اس پر ضروری ہے (بشرطیکہ شریعت کے خلاف نہ ہو) اس کی مخالفت جائز نہیں، اور یہ ایسا جرم ہے جس کی وجہ سے قیامت میں بدترین ذلت کا سامنا ہوگا، اور جس نے جتنی بڑی غداری کی ہوگی، اس کے پیچھے اتنا ہی بڑا علامتی جھنڈا لگایا جائے گا، جسے دیکھ کر لوگ پہچان لیں گے۔ نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے:

إِذَا جَمَعَ اللّٰهُ الْأَوَّلِيْنَ وَالْاٰخِرِيْنَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ يُرْفَعُ لِكُلِّ غَادِرٍ لِوَاءٌ، فَقِيْلَ هٰذِهٖ غَدْرَةُ فُلَانُ بْنُ فُلَانٍ. (مسلم ۸۳/۲ رقم: ۱۷۳۵، الترغيب والترهيب مكمل ٦٢٩ رقم: ٤٥٤٢)

جب اللہ تعالیٰ قیامت میں اولین وآخرین کو جمع فرمائیں گے تو ہر غدار کے لئے ایک تعارفی جھنڈا بلند کیا جائے گا اور کہا جائے گا کہ یہ فلاں بن فلاں کی غداری کی علامت ہے۔

اور ایک روایت میں ہے:

لِكُلِّ غَادِرٍ لِوَاءٌ يَوْمَ الْقِيَامَةِ يُرْفَعُ لَهُ بِقَدْرِ غَدْرِهٖ، أَلَا! وَلَا غَادِرَ أَعْظَمُ غَدْرًا مِنْ أَمِيْرِ عَامَّةٍ. (مسلم ۸۳/۲ رقم: ۱۷۳۷، مسند أحمد ٤١١/١ رقم: ۳۹۰۰، جامع المهلكات ۱۷۲)

ہر غدار کا قیامت کے دن ایک جھنڈا ہوگا، جو اس کی غداری کے مقدار کے اعتبار سے بلند ہوگا۔ اور سنو! کوئی شخص حاکم وقت کی غداری سے بڑا غدار نہیں ہوسکتا۔

اس حدیث شریف کی شرح میں مشہور محدث حضرت قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث اپنے اندر دو احتمال رکھتی ہے:

(۱) اول یہ کہ اس کا تعلق خاص طور پر حکامِ وقت سے ہو کہ اگر وہ اپنی رعایا حتی کہ دارالاسلام میں بسنے والے ذمی کفار کے ساتھ کئے گئے معاہدوں کی خلاف ورزی کریں گے یا جو ذمہ داریاں عوام کی طرف سے ان پر لازم کی گئی ہیں، ان کی ادائیگی میں کوتاہی کریں گے، اور حکومتی خزانے میں خیانت کا ارتکاب کریں گے یا رعایا کے ساتھ شفقت سے کام نہیں لیں گے تو ان کا شمار بدعہدی کرنے والوں میں ہوگا، اور ان کو وہی سزا دی جائے گی جو روایتِ بالا میں مذکور ہے۔

(۲) اور دوسرا احتمال یہ ہے کہ اس کے مخاطب رعایا کے لوگ ہوں، کہ عام لوگوں سے بدعہدی کے مقابلہ میں امیر المؤمنین کے ساتھ غداری اور بدعہدی کرنا یہ زیادہ بڑا گناہ اور بڑے فتنوں کا سبب ہے، جو بالکل ظاہر ہے۔ (مستفاد: اکمال المعلم بفوائد مسلم للقاضی عیاض ۴۱/۶)

معاہدہ کی پاس داری لازم ہے

اسلام کی انسانیت نواز تعلیم کا ایک روشن پہلو یہ بھی ہے کہ اگر کوئی مسلمان شخص کسی غیر مسلم

کے ساتھ امن کا معاہدہ کرلے، تو جب تک یہ معاہدہ باقی ہے اس غیر مسلم کو بلاوجہ کسی طرح کا نقصان پہنچانا ہرگز جائز نہیں۔ قرآن وسنت میں بہت اہتمام کے ساتھ ایسے معاہدوں کی پاس داری کی تلقین کی گئی ہے۔ اور جو شخص معاہدہ کی خلاف ورزی کرے اس کی سخت مذمت وارد ہے۔

ایک طویل روایت میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ذِمَّةُ الْمُسْلِمِيْنَ وَاحِدٌ يَسْعٰى بِهَا أَدْنَاهُمْ فَمَنْ أَخْضَرَ مُسْلِمًا فَعَلَيْهِ لَعْنَةُ اللّٰهِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِيْنَ. لَا يُقْبَلُ مِنْهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَدْلٌ وَلَا صَرْفٌ. (مسلم شريف ٤٤٢/١ رقم: ١٣٧٠)

سب مسلمانوں کا ذمہ ایک ہی ہے، حتی کہ ادنی درجہ کے مسلمان کے ذمہ کی بھی پوری رعایت رکھی جائے گی، پس جو شخص کسی مسلمان کے عہد کو توڑے گا (یعنی مسلمان نے جس غیر مسلم کو امن دیا ہے اسے ستائے گا) اس پر اللہ تعالیٰ اور فرشتوں اور سب لوگوں کی پھٹکار اور لعنت ہے، اور اس کی کوئی فرض یا نفل عبادت عند اللہ مقبول نہیں ہے۔

شارحِ حدیث حضرت امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس روایت سے پتہ چلتا ہے کہ مسلمانوں کی طرف سے کسی غیر مسلم سے امان کا معاہدہ کرنا درست ہے، اور اگر کوئی عامی آدمی بھی کسی غیر مسلم کو امان دیدے تو دیگر مسلمانوں کو اس غیر مسلم کو نقصان پہنچانا جائز نہیں ہے۔ (نووی علی مسلم ۱؍۴۴۲)

نیز نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ بھی پاک ارشاد ہے:

أَلَا! مَنْ ظَلَمَ مُعَاهِدًا أَوِ انْتَقَصَهُ أَوْ كَلَّفَهُ فَوْقَ طَاقَتِهِ أَوْ أَخَذَ مِنْهُ شَيْئًا بِغَيْرِ طِيْبِ نَفْسِهِ، فَأَنَا حَجِيْجُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ. (رواه أبوداؤد ٤٣٣/٢ رقم: ٣٠٥٢، الترغيب والترهيب مكمل ٦٢٩ رقم: ٤٥٤٨)

کان کھول کر سن لو! جو شخص کسی امن والے معاہدہ کے حامل شخص پر ظلم کرے یا اس کو نقصان پہنچائے یا اس کی طاقت سے زیادہ اس پر بوجھ ڈالے، یا اس سے کوئی چیز اس کی مرضی کے بغیر قبضہ کرلے، تو میں اس کی طرف سے قیامت میں لڑوں گا۔

اور ایک دوسری روایت میں پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا:

أَيُّمَا رَجُلٍ أَمَّنَ رَجُلاً عَلٰى دَمِهٖ ثُمَّ قَتَلَهٗ فَأَنَا مِنَ الْقَاتِلِ بَرِيْئٌ وَإِنْ كَانَ الْمَقْتُوْلُ كَافِرًا. (ابن ماجة ۱۹۳/۲ رقم: ۲٦۸۸)

جوشخص کسی کو اس کی جان کو پناہ دے پھر اسے قتل کرڈالے تو میں اس قاتل سے بری ہوں، اگر چہ مقتول کافر کیوں نہ ہو۔

نیز محسنِ انسانیت سرورِ عالم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشادِ عالی بھی یاد رکھنے کے قابل ہے، آپ نے فرمایا:

مَنْ قَتَلَ نَفْسًا مُعَاهِدَةً بِغَيْرِ حَقِّهَا لَمْ يَرِحْ رَائِحَةَ الْجَنَّةِ وَإِنَّ رِيْحَ الْجَنَّةِ لَيُوْجَدُ مِنْ مَسِيْرَةِ مِائَةِ عَامٍ. (رواه ابن ماجه ۱۹۳/۲ رقم: ۲٦۸۷، ابن حبان رقم: ٤۸۸۱، الترغيب والترهيب مكمل ٦۲۹ رقم: ٤٥٥٠)

جوشخص کسی عہد والے شخص کو بغیر حق کے جان سے مارڈالے تو وہ جنت کی خوشبو بھی نہ پاسکے گا، اگر چہ اس کی خوشبو سو سال کی مسافت سے آنے لگتی ہے۔

درج بالا روایات سے واضح ہوا کہ اسلام میں بدعہدی ہرگز روا نہیں، حتی کہ کھلے ہوئے دشمنوں اور کفار کے ساتھ بھی معاہدہ کی پاس داری لازم ہے۔

ابوداؤد شریف میں روایت ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا رومی کفار کے ساتھ ناجنگ معاہدہ تھا، جب معاہدہ کی مدت ختم ہونے کے قریب ہوئی تو آپ نے اپنی فوج کو سرحدوں کی طرف نقل وحرکت کرنے کا حکم دیا؛ تاکہ جیسے ہی مدت ختم ہو فوراً ان سے جہاد شروع کردیا جائے، تو اچانک دیکھا گیا کہ ایک صاحب گھوڑے پر سوار ہیں اور لشکر میں گھوم گھوم کر یہ اعلان کررہے ہیں: "اَللّٰهُ أَكْبَرُ اَللّٰهُ أَكْبَرُ وَفَاءٌ لَا غَدْرٌ". (اللہ سب سے بڑا ہے اللہ سب سے بڑا ہے، وفاداری کرنی ہے غداری نہیں کرنی ہے) تو جب لوگوں نے غور کیا تو پتہ چلا کہ یہ تو صحابی رسول حضرت عمرو بن عبسہ رضی اللہ عنہ ہیں، پس حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کو بلاکر اس اعلان کا مقصد پوچھا، تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ میں نے نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے:

مَنْ كَانَ بَيْنَهُ وَبَيْنَ قَوْمٍ عَهْدٌ فَلاَ يَشُدُّ عُقْدَةً وَلَا يَحُلُّهَا حَتّٰى يَنْقَضِيَ أَمَدُهَا أَوْ يُنْبَذَ إِلَيْهِمْ عَلٰى سَوَاءٍ. (أبو داؤد ۲/ ۳۸۰ رقم: ۲۷۵۹)

جس شخص کا کسی قوم سے کوئی معاہدہ ہو تو جب تک اس کی مدت پوری نہ ہو جائے، یا معاہدہ کالعدم نہ ہو جائے تو اس وقت تک نہ کوئی گرہ باندھے اور نہ کھولے۔

پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ ارشاد سن کر حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسی وقت لشکر کی واپسی کا حکم دے دیا۔ یہ ہے اسلامی تعلیم؛ جس کی مثال پیش کرنے سے آج کی نام نہاد مہذب دنیا عاجز ہے؛ کیوں کہ آج تو سب سے بڑی ہوشیاری اسی کو سمجھا جاتا ہے کہ کس طرح عہد شکنی کی صورتیں اپنائی جائیں، اور کیسے مدمقابل کو زک پہنچائی جائے؟ بالخصوص آج کی وہ قومیں جو اپنے کو امن کی ٹھیکے دار کہتی ہیں ان کی پوری تاریخ بدعہدیوں سے بھری پڑی ہے۔ دنیا کی تاریخ یہ بتاتی ہے کہ مسلم حکمرانوں نے حتی الامکان قومی اور بین الاقوامی معاہدوں کی پاس داری کی، جب کہ دیگر قومیں پہلے بھی ان معاہدوں کو اپنے پاؤں تلے روندرہی ہیں اور آج بھی برملا روند رہی ہیں۔ (بالخصوص انگریز اور یورپین اقوام کی بدعہدیوں کی تاریخ جاننے کے لئے نقش حیات (خودنوشت سوانح حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنیؒ جلد اول کا مطالعہ مفید ہوگا)

ان اقوام کے نزدیک انصاف، سچائی اور عہد ومعاہدہ کی کوئی حیثیت نہیں، ان کو تو بس اپنی غرض اور اپنے مفادات ہی عزیز ہیں، جس کا مظاہرہ قدم قدم پر ہوتا رہتا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ اس کھلی ہوئی منافقت کی کوئی بھی انسانیت نواز شخص تائید نہیں کرسکتا، اللہ تعالیٰ ایسے بدعہدوں سے پوری امت کی حفاظت فرمائیں، آمین۔

بائیسویں فصل:

اَمانت میں خیانت

منافقوں کی ایک خاص علامت یہ بھی ہے کہ اُن کے دل جذبۂ امانت سے محروم ہوتے ہیں، اور کسی بھی معاملہ میں خیانت کرتے ہوئے اُنہیں کوئی تکلف نہیں ہوتا، اسلام کی نظر میں یہ کیفیت انتہائی ناپسندیدہ اور قابل مذمت ہے۔ ارشادِ خداوندی ہے:

إِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْخَآئِنِيْنَ. (الأنفال: ۵۸)

یقیناً اللہ تعالیٰ خیانت کرنے والوں (دغابازوں) کو پسند نہیں فرماتے۔

اور نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا ہے کہ:

لَا إِيْمَانَ لِمَنْ لَا أَمَانَةَ لَهُ. (مسند أحمد ۱۳۵/۳ رقم: ۱۲۳۲٤، الترغيب والترهيب مكمل ٦٢٩ رقم: ٤٥٤٦)

جس شخص میں امانت داری نہ ہو وہ گویا ایمان ہی سے محروم ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ جذبۂ اَمانت ہی وہ عظیم نعمت ہے جس کی بدولت انسان کو حقیقی ایمان کی چاشنی نصیب ہوتی ہے، اور احکامِ شریعت کا صحیح فہم واِدراک حاصل ہوتا ہے، جس میں یہ احساسِ ذمہ داری نہ ہو وہ کبھی بھی کامل ایمان سے بہرہ ور نہیں ہوسکتا، چناں چہ مسلم شریف میں روایت ہے، رازدارِ نبوت حضرت حذیفہ ابن الیمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ہم سے دو باتیں ارشاد فرمائیں، جن میں سے ایک تو ہم نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لی، اور دوسری کے ہم منتظر ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اولاً اَمانت کے نزول کے متعلق یہ بات ارشاد فرمائی:

إِنَّ الْأَمَانَةَ نَزَلَتْ فِيْ جَذْرِ قُلُوْبِ الرِّجَالِ ثُمَّ نَزَلَ الْقُرْآنُ، فَعَلِمُوْا

اَمانت لوگوں کے دلوں کی گہرائیوں میں اُتری، پھر قرآن نازل ہوا، تو لوگوں نے قرآن اور

مِنَ الْقُرْآنِ وَعَلِمُوْا مِنَ السُّنَّةِ.

سنت کا علم حاصل کیا

بعدازاں جذبۂ اَمانت اٹھائے جانے کے متعلق دوسری بات اِس طرح ارشاد فرمائی کہ:

يَنَامُ الرَّجُلُ النَّوْمَةَ فَتُقْبَضُ الْأَمَانَةُ مِنْ قَلْبِهٖ فَيَظَلُّ أَثَرُهَا مِثْلَ الْوَكْتِ، ثُمَّ يَنَامُ النَّوْمَةَ فَتُقْبَضُ الْأَمَانَةُ مِنْ قَلْبِهٖ فَيَظَلُّ أَثَرُهَا مِثْلَ الْمَجْلِ كَجَمْرٍ دَحْرَجْتَهٗ عَلٰى رِجْلِكَ فَنَفِطَ فَتَرَاهُ مُنْتَبِرًا وَلَيْسَ فِيْهِ شَيْئٌ ثُمَّ أَخَذَ حَصًى، فَدَحْرَجَهٗ عَلٰى رِجْلِهٖ فَيُصْبِحُ النَّاسُ يَتَبَايَعُوْنَ لَا يَكَادُ أَحَدٌ يُؤَدِّي الْأَمَانَةَ حَتّٰى يُقَالَ إِنَّ فِيْ بَنِيْ فُلَانٍ رَجُلاً أَمِيْنًا حَتّٰى يُقَالَ لِلرَّجُلِ مَا أَجْلَدَهٗ مَا أَظْرَفَهٗ مَا أَعْقَلَهٗ وَمَا فِيْ قَلْبِهٖ مِثْقَالُ حَبَّةٍ مِنْ خَرْدَلٍ مِنْ إِيْمَانٍ. (بخاري ٩٧١/٢ رقم: ٦٤٩٧، مسلم ٨٢/١، رقم: ١٤٣، ترمذي ٤١/٢)

آدمی ایک جھپکی لے گا (تھوڑی سی غفلت ہوگی) کہ اَمانت اس کے دل سے اُچک لی جائے گی، پس اُس کا اثر ایک چھالے کے دھبہ کی طرح رہ جائے گا، پھر دوبارہ ایک نیند کا جھونکا آئے گا تو مزید اَمانت اس کے دل سے نکال لی جائے گی جس کا اثر آبلے کی طرح رہ جائے گا، مثلاً آپ اپنے پیر پر انگارا لڑھکائیں، جس کی وجہ سے آبلہ پڑ جائے تو وہ آپ کو اُبھرا ہوا معلوم ہوگا حالاں کہ اُس میں کوئی (کارآمد) چیز نہ ہوگی، (یہ فرما کر پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک کنکری لے کر بطورِ مثال اَپنے پیر پر لڑھکائی) تاآنکہ لوگوں کا حال یہ ہو جائے گا کہ وہ آپس میں لین دین کریں گے؛ لیکن بہت ہی خال خال لوگ اَمانت اَدا کرنے والے ہوں گے، حتیٰ کہ کہا جائے گا کہ فلاں قبیلہ میں ایک اَمانت دار شخص ہے، یہاں تک کہ کسی شخص کے بارے میں تبصرہ کیا جائے گا کہ فلاں آدمی کس قدر طاقتور، کتنا دانش مند اور کیسا عقل مند ہے؟ حالاں کہ اس کے دل میں ایک رائی کے دانہ کے برابر بھی اَمانت کا جذبہ نہ ہوگا۔

ان دونوں باتوں کو نقل فرما کر حضرت حذیفہ بن الیمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ:

’’ایک زمانہ وہ تھا کہ جب میں آنکھ بند کرکے جس سے چاہتا کاروبار کرتا تھا؛ کیوں کہ اگر کاروباری شخص مسلمان ہوتا تو اس کی دین داری اُسے میرے پاس واپس آنے پر آمادہ کرتی تھی، اور اگر وہ یہودی یا عیسائی ہوتا تو حاکم وقت اُسے ذمہ داری ادا کرنے پر مجبور کرتا تھا (یعنی اَمانت داری عام تھی) لیکن اب تو میں صرف فلاں اور فلاں شخص ہی سے لین دین کرتا ہوں (کیوں کہ اَمانت داری میں کمی آنے کی وجہ سے ہر ایک پر اعتماد نہیں رہا)‘‘۔ (مسلم شریف ۱/۸۲ حدیث:۱۴۳)

درج بالا روایت سے یہ وضاحت ہوتی ہے کہ دراصل اَمانت کا تعلق دلی کیفیت سے ہے، اگر دل میں اَمانت داری مستحکم ہے تو اُس کا اثر معاملات میں کھل کر سامنے آتا ہے، اور اگر دل میں خیانت ہے تو ظاہری معاملات میں بھی خیانت کا ظہور ہوتا رہتا ہے۔

اِس حدیث شریف سے یہ بھی پتہ چلا کہ زمانۂ نبوت سے دوری کی بنا پر رفتہ رفتہ معاشرہ میں اَمانت داری میں کمی کا رجحان بڑھ رہا ہے، اور بظاہر دیکھنے میں آدمی بہت شریف نظر آتا ہے، اور زبانی طور پر اَمانت کا اظہار بھی کرتا ہے؛ لیکن اُس کے اندرونی معاملات خیانتوں سے بھرپور ہوتے ہیں، یہ بہت سنگین صورتِ حال ہے، جس سے آج اُمت کا ہر طبقہ دوچار ہے، اس لئے اس بات کی سخت ضرورت ہے کہ اَمانت داری کی اہمیت اور خیانت کے نقصانات اور اُس پر آخرت میں مؤاخذہ سے متعلق معلومات لوگوں میں عام کی جائیں؛ تاکہ عذاب کا ڈر دل میں جاگزیں ہو اور اَمانت کا جذبہ اُبھر کر سامنے آئے۔

خیانت: ناقابلِ معافی جرم

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے موقوفاً روایت ہے کہ جو آدمی جہاد کرتے ہوئے راہِ خدا میں شہید ہوجائے، اس کے سب گناہ معاف ہوجاتے ہیں؛ لیکن اُس نے اگر اَمانت کی ادائیگی میں کوتاہی کی ہوگی تو یہ شہادت اِس گناہ کی معافی کا سبب نہیں بنے گی۔ آپ نے فرمایا کہ: ’’قیامت کے دن آدمی کو دربارِ خداوندی میں پیش کیا جائے گا، پھر اُس سے کہا جائے گا کہ: ’’اپنی اَمانت ادا کر‘‘، تو وہ کہے گا کہ: ’’اے رب العالمین! دنیا تو ختم ہوگئی اَمانت کہاں سے

لاؤں''؟ تو حکم ہوگا کہ اِسے ''ہاویہ'' (جنت کی ایک گھاٹی) میں لے جاؤ، چناں چہ اُسے وہاں لے جایا جائے گا، اور وہاں اُس کی اَمانت بعینہٖ اِسی طرح سامنے لائی جائے گی جیسے اُس کے حوالہ کرتے وقت تھی، تو وہ اُسے دیکھ کر پہچان لے گا، اور اُس کو لانے کے لئے اِس کے پیچھے چلے گا، پھر اُسے اپنے دونوں کندھوں پر اُٹھا کر لائے گا، یہاں تک کہ اُسے گمان ہوگا کہ میں اِسے لے کر باہر آ جاؤں گا؛ لیکن وہ اُس کے کندھے سے لڑھک کر پھر گہرائی میں گر جائے گی، پھر دوبارہ اُٹھا کر لائے گا پھر یہی معاملہ ہوگا، اور وہ ایسا ہی ہمیشہ کرتا رہے گا۔ (اَعاذنا اللّٰہ منہ)

اِس کے بعد اَمانت کی مزید تشریح کرتے ہوئے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ: ''نماز بھی اَمانت ہے، وضو بھی اَمانت ہے، تولنا بھی اَمانت ہے اور ناپنا بھی اَمانت ہے''، اور پھر کئی چیزیں گنائیں، اور اِن میں سب سے زیادہ اہم چیز ودیعتیں (یعنی دوسروں کی طرف سے رکھوائی گئیں اَمانتیں) ہیں۔

اس روایت کے راوی حضرت زاذان فرماتے ہیں کہ میں نے صحابی رسول حضرت براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس جا کر حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی مذکورہ روایت نقل کی، تو اُنہوں نے اِس کی تائید کرتے ہوئے فرمایا کہ: ''ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سچ فرماتے ہیں''۔ اور کیا تم نے اللہ تبارک وتعالیٰ کا یہ ارشاد نہیں سنا: ﴿إِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا الْأَمَانَاتِ إِلَىٰ أَهْلِهَا﴾ [النساء: ۵۸] (یقیناً اللہ تبارک وتعالیٰ تمہیں اِس بات کا حکم دیتا ہے کہ تم اَمانتیں اُن کے اہل کی طرف لوٹا دو) (رواہ احمد والبیہقی بشعب الایمان حدیث: ۵۲۶۶، الترغیب والترہیب مکمل ۶۲۷)

مذکورہ بالا روایت نہایت چشم کشا اور اَمانت داری کے مفہوم کو واضح کرنے والی ہے، جس کے دائرہ میں عبادات سے لے کر معاملات تک زندگی کے تمام شعبے داخل ہو جاتے ہیں۔ سچا مؤمن وہی ہے جو کسی بھی شعبہ میں اپنی اَمانت داری پر آنچ نہ آنے دے۔ قرآنِ کریم میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَخُونُوا اللّٰهَ وَالرَّسُولَ وَتَخُونُوا أَمَانَاتِكُمْ وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ. (الأنفال: ۲۷)	اے ایمان والو! اللہ سے اور رسول سے خیانت نہ کرو اور نہ ہی آپس میں جان بوجھ کر خیانت کرو۔

یہ آیت ایک صحابی حضرت ابولبابہ ابن المنذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی، جنہوں نے غزوۂ بنوقریظہ کے موقع پر اپنے اہل وعیال کے تحفظ کی غرض سے پیغمبر علیہ السلام کا ایک راز ظاہر کردیا تھا، اور بعد میں اُنہیں اِس پر سخت ندامت ہوئی تھی؛ لیکن آیت کا حکم عام ہے، اور ہرطرح کی خیانت ممنوع ہے، خواہ اُس کا تعلق قومی وملی معاملات سے ہو یا ذاتی اور انفرادی معاملات سے ہو۔

خیانت کرنے والا کہیں بچ نہیں پائے گا

عام طور پر چالاک آدمی یہ سمجھتا ہے کہ میں خیانت کرکے اور ہاتھ کی صفائی دکھا کر پکڑ سے بچ جاؤں گا؛ لیکن یہ صرف وقتی خوش فہمی ہے، اولاً تو دنیا ہی میں اِس کی کوئی گارنٹی نہیں کہ خیانت کرنے والے کا جرم ہمیشہ چھپا ہی رہے؛ بلکہ اکثر یہ دیکھا گیا ہے کہ خائنوں کی خیانت کبھی نہ کبھی لوگوں کے سامنے عیاں ہو ہی جاتی ہے، اور اُس کے بعد جو ذلت اٹھانی پڑتی ہے وہ ناقابل بیان ہے۔ اور اگر بالفرض یہ خیانت دنیا میں چھپی بھی رہ گئی تو آخرت میں تو بچنے کا کوئی سوال نہیں۔ صحیح اَحادیث میں وضاحت ہے کہ: ''جہنم کے اوپر پل صراط بنایا جائے گا، جب لوگ اُس پر گذرنے شروع ہوں گے تو اُس کے سِرے پر اَمانت داری اور رشتہ داری کو مجسم شکل میں بٹھا دیا جائے گا، جس نے اِن دونوں کی حق تلفی کی ہوگی اُنہیں پکڑ کر جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

وَتُرْسَلُ الْأَمَانَةُ وَالرَّحِمُ فَيَقُوْمَانِ جَنْبَتَيِ الصِّرَاطِ يَمِيْناً وَشِمَالاً.	اور امانت اور رشتۂ قرابت کو چھوڑ دیا جائے گا چنانچہ وہ پل صراط کے دائیں بائیں کنارے پر کھڑے ہوجائیں گے۔
(رواہ مسلم ۱۱۲/۱ رقم: ۱۹۵)	

اس کی شرح فرماتے ہوئے حضرت حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں:

وَالْمَعْنٰى أَنَّ الْأَمَانَةَ وَالرَّحِمَ لِعِظَمِ شَأْنِهِمَا وَفَخَامَةِ مَا يَلْزَمُ	اور مطلب یہ ہے کہ امانت داری اور رشتہ داری کی عظمتِ شان اور بندوں پر لازم ان کے حقوق

الْعِبَادَ مِنْ رِعَايَةِ حَقِّهِمَا يُوْقَفَانِ هُنَاكَ لِلْاَمِيْنِ وَالْخَائِنِ وَالْوَاصِلِ وَالْقَاطِعِ فَيُحَاجَّانِ عَنِ الْحَقِّ وَيَشْهَدَانِ عَلَى الْمُبْطِلِ.

(فتح الباري ١٤/٣ ٥٥)

کی رعایت کی عظیم اہمیت کی بنا پر ان دونوں کو پل صراط پر امین اور خائن، اور رشتہ داری کا خیال رکھنے والے اور قطع کرنے والے کے لئے کھڑا کیا جائے گا پس یہ دونوں حق ادا کرنے والے کی طرف سے دفاع کریں گے، اور باطل شخص کے خلاف گواہی دیں گے۔

اس لئے اگر ہمیں اپنی عزت کا خیال ہے اور پل صراط پر بعافیت گذرنے کی فکر ہے، تو ہمیں امانت ودیانت اور رشتہ داری کا لحاظ رکھنا لازم ہے، اگر ایسا نہ کیا گیا تو پھر سخت رسوائیوں کا سامنا کرنا پڑے گا۔ **اللّٰھم احفظنا منه۔**

ایک ضعیف روایت میں یہ مضمون بھی وارد ہے کہ تین چیزیں عرشِ خداوندی کا پایہ پکڑے ہوئے ہیں:

(۱) رحم مادر:- (رشتہ داری) وہ کہتی ہے کہ اے اللہ! میرا تعلق آپ سے ہے، اس لئے مجھے کاٹا نہ جائے۔

(۲) امانت:- وہ کہتی ہے کہ اے اللہ! میں آپ سے وابستہ ہوں، میرے ساتھ خیانت نہ کی جائے۔

(۳) نعمتِ خداوندی:- وہ کہتی ہے کہ اے الٰہ العالمین! میں آپ سے وابستہ ہوں، میری ناشکری نہ کی جائے۔ (رواہ البزار، الترغیب والترہیب مکمل ۶۲۸)

اِس سے معلوم ہوا کہ اِن تینوں باتوں میں غفلت ہرگز نہ ہونی چاہئے؛ کیوں کہ اِن کی حق تلفی پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے براہِ راست مؤاخذہ ہوتا ہے۔

کاروباری شریک خاص طور پر خیانت سے بچیں!

جب کئی آدمی کسی کاروبار میں شریک ہوتے ہیں اور لین دین کسی ایک کے ہاتھ میں ہوتا

ہےتو اِس میں حساب وکتاب صاف رکھنا اور اَمانت داری کالحاظ رکھنا اور زیادہ ضروری ہے، خاص کر اِس لئے بھی کہ شرکاء میں سے ہر ایک دوسرے پر کامل اعتماد کرتا ہے، اگر اِس اعتماد سے ناجائز فائدہ اٹھاتے ہوئے کوئی فریق خیانت کا مرتکب ہوگا تو وہ یقیناً اعتماد کوٹھیس پہنچانے والا اور غدار کہلائے گا، اور اِس بداعتمادی کا اثر یہ ظاہر ہوگا کہ کاروبار میں برکت ختم ہوجائے گی، اور اللہ کی نصرت سے یہ لوگ محروم ہوجائیں گے، اِس بارے میں چندروایات درج ذیل ہیں:

(۱) نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

أَنَا ثَالِثُ الشَّرِيكَيْنِ مَا لَمْ يَخُنْ أَحَدُهُمَا صَاحِبَهُ فَإِذَا خَانَ خَرَجْتُ مِنْ بَيْنِهِمَا (وَفِيْ رِوَايَةٍ) وَجَاءَ الشَّيْطَانُ. (رواه الدار قطني ٣/ ٣١ رقم: ٢٩١٠، أبوداؤد ٢/ ٤٨٠، رقم: ٣٣٨٣، بيهقي في السنن الكبرىٰ ٦/ ٧٨ رقم: ١١٤٢٤، مستدرك حاكم ٢/ ٥٢، الترغيب والترهيب مكمل ٤٠٥ رقم: ٢٧٨٦، الزواجر ١/ ٤٣١)

میں دوشریکوں میں کا تیسرا رہتا ہوں، جب تک کہ اُن میں سے ایک دوسرے کے ساتھ خیانت نہ کرے، پس جب کوئی شریک خیانت کرتا ہے تو میں اُن دونوں کے درمیان سے نکل جاتا ہوں، اور (ایک روایت میں ہے کہ) شیطان وہاں دخل اَنداز ہوجاتا ہے۔

(۲) نیز پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا:

يَدُ اللّٰهِ عَلَى الشَّرِيكَيْنِ مَالَمْ يَخُنْ أَحَدُهُمَا صَاحِبَهُ فَإِذَا خَانَ أَحَدُهُمَا صَاحِبَهُ رَفَعَهَا عَنْهُمَا. (رواه دارقطني ٢/ ٣١ رقم: ٢٩١١، الزواجر ١/ ٤٣١)

اللہ کی مدد شریکوں کے ساتھ رہتی ہے، جب تک کہ اُن میں سے ایک دوسرے کے ساتھ خیانت نہ کرے، پھر جب اُن میں سے ایک اپنے ساتھی کے ساتھ خیانت کا مرتکب ہوتا ہے، تو اللہ تعالیٰ اُن دونوں سے اپنی مدد ہٹا لیتے ہیں۔

اس حدیث شریف کا مطلب یہ ہے کہ جب تک سچائی اور اَمانت داری کے ساتھ شرکت کا کاروبار چلتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی مدد شامل حال رہتی ہے، برکت کا نزول ہوتا ہے، نقصان سے

حفاظت رہتی ہے اور ترقی نصیب ہوتی ہے۔ اور جب پارٹنروں کے دل میں خیانت اور برائی آجاتی ہے تو اللہ تعالیٰ کی مدد اُٹھالی جاتی ہے، چناں چہ دیکھتے ہی دیکھتے کاروبار کی برکت ختم ہوجاتی ہے اور طرح طرح کی آفتیں نازل ہوکر مال برباد ہوجاتا ہے۔

(۳) حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا:

مَنْ خَانَ شَرِيْكًا فِيْمَا ائْتَمَنَهُ عَلَيْهِ وَاسْتَرْعَاهُ لَهُ فَأَنَا بَرِيْئٌ مِنْهُ. (رواه أبو يعلى والبيهقي، الزواجر ۱/۴۳۱)

جو شخص اپنے شریک کے ساتھ اُن باتوں میں جس پر اس نے اُسے اَمین اور نگراں بنایا ہے خیانت کرے، تو میں اُس سے بری ہوں۔

دیکھئے! کتنی سخت وعید ہے کہ ایسے خیانت کرنے والے شریک سے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنی برأت کا اظہار فرمارہے ہیں، آج کل اکثر یہ ہوتا ہے کہ مشترک کاروبار میں جو بھائی چالاک قسم کا ہوتا ہے، وہ حساب وکتاب اپنے ہاتھ میں رکھتا ہے، اور دیگر شریک بھائیوں کو بتائے بغیر اس میں اپنی مرضی سے ذاتی تصرفات کرتا رہتا ہے، یہی چیز آگے چل کر دلوں میں دوری کا سبب بنتی ہے، اور نہ صرف کاروبار؛ بلکہ خاندان کا شیرازہ بکھر جاتا ہے، اس لئے اِجتماعیت قائم رکھنے کے لئے اَمانت وانصاف پر مضبوطی سے قائم رہنا ضروری ہے۔

قومی وملی مال میں خیانت بدترین جرم ہے

ویسے تو خیانت مطلقاً گناہ ہے، جیسا کہ اوپر گذر چکا؛ لیکن اگر اِس کا تعلق قومی وملی ملکیت سے ہو تو اِس کی شناعت اور بڑھ جاتی ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم لوگ نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ غزوۂ خیبر میں شریک تھے، تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہمیں فتح عطا فرمائی، وہاں ہمیں سونا چاندی غنیمت میں نہیں ملا؛ بلکہ کھانے پینے اور ضرورت کے سامان اور کپڑے دستیاب ہوئے، پھر ہم نے ایک میدان کا رخ کیا، اور نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ایک خادم غلام تھا، جسے قبیلۂ جذام کے ایک شخص نے آپ کو ہدیہ میں دیا تھا، پس جب ہم میدان میں فروکش ہوئے تو نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا مذکورہ غلام آپ کے کجاوہ کو کھولنے لگا، اِسی درمیان ایک نامعلوم تیر اُسے آکر لگا، جس

سے اُس کی وہیں وفات ہوگئی، تو ہم نے کہا کہ: ''اے اللہ کے رسول! اِس غلام کے لئے شہادت مبارک ہو'' ۔تو اِس کے جواب میں نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشادفرمایا کہ: ''ہرگز نہیں !قسم اُس ذات کی جس کی قبضہ میں محمد کی جان ہے، اِس نے تقسیم سے پہلے خیبر کے مالِ غنیمت میں سے ایک چھوٹی سی چادر چرالی تھی جو اُس پر آگ بن کر دہک رہی ہے'' ۔

حضور اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ ارشاد سن کر لوگوں میں کھلبلی مچ گئی، پس کوئی ایک تسمہ لانے لگا، کوئی دو تسمے، اور عرض کرنے لگا اے اللہ کے رسول! یہ میں نے خیبر کے سامان میں سے (بلا اجازت) لے لیا تھا، آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشادفرمایا کہ: ''یہ آگ کے تسمے ہیں'' ۔ (مسلم شریف ۱/۷۴) یعنی اگر اُنہیں واپس نہ کیا جاتا تو یہ آگ میں جلنے کا سبب بن جاتے ۔

اور حضرت رافع رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ بقیع کے قبرستان سے گذرا، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ''اُف - اُف'' فرمایا، مجھے یہ خیال ہوا کہ شاید آپ مجھ سے یہ ناگواری کا کلمہ فرمارہے ہیں، چناں چہ میں نے فوراً عرض کیا کہ: ''حضرت! مجھ سے کیا خطا ہوئی''؟ حضرت نے فرمایا کہ: ''کیا مطلب''؟ میں نے عرض کیا کہ حضرت نے مجھے دیکھ کر ''اُف'' فرمایا، تو آپ نے ارشادفرمایا کہ: ''تمہیں دیکھ کر میں نے یہ کلمہ نہیں کہا؛ بلکہ اِس قبر والے فلاں شخص کو میں نے فلاں قبیلہ کی زکوٰۃ وصول کرنے کے لئے عامل بنا کر بھیجا تھا، اِس نے وہاں ایک کرتہ خیانت کرکے چھپا لیا تھا، اَب اُسی جیسا آگ کا کرتہ اُسے قبر میں پہنادیا گیا ہے'' ۔ أعاذنا اللّٰہ منہ. (مسند احمد ۳۹۲/۶، شرح الصدور ۲۲۸)

یہ روایت قومی وملی کام کرنے والوں کے لئے سخت خطرہ کا پتہ دیتی ہے، اگر مالی ذمہ داری کی ادائیگی میں کوتاہی برتی جائے تو قبر میں ہول ناک عذاب کا اندیشہ ہے۔

خیانت کا عموم؛ علاماتِ قیامت میں سے ہے

متعدد اَحادیثِ شریفہ میں متنبہ کیا گیا ہے کہ قیامت کی علامتوں میں سے یہ ہے کہ دنیا میں خیانت عام ہوجائے گی، اور جذبۂ اَمانت لوگوں کے دلوں سے نکل جائے گا۔ ایک حدیث شریف میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشادفرمایا:

وَخَيْرُكُمْ قَرْنِيْ ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ ثُمَّ يَكُوْنُ بَعْدَهُمْ قَوْمٌ يَشْهَدُوْنَ وَلَا يُسْتَشْهَدُوْنَ يَخُوْنُوْنَ وَلَا يُؤْتَمَنُوْنَ وَيَنْذِرُوْنَ وَلَا يُوْفُوْنَ وَيَظْهَرُ فِيْهِمُ السِّمَنُ.

(بخاری شريف ٩٥١/٢ حديث: ٤٦٢٨، مسلم شريف ٣٠٩/٢ حديث: ٢٥٣٥، ترمذي شريف ٣٩/٢، الزواجر ٤٤٥/١)

تم میں سب سے بہترین لوگ میرے دور کے ہیں (صحابہ) پھر وہ لوگ جو اُن کے قریب ہیں (تابعین) اس کے بعد وہ حضرات جو اُن کے قریب ہیں (تبع تابعین) اُن کے بعد پھر ایسے لوگ آئیں گے جو اَز خود شہادت دینے کو تیار ہوں گے، حالاں کہ اُن سے شہادت نہ لی جائے گی، اور خیانت کریں گے، اور ان پر بھروسہ نہیں کیا جائے گا، اور نذر مانیں گے اور پورا نہیں کریں گے، اور اُن میں مٹاپا ظاہر ہو جائے گا (یعنی پکے دنیا دار ہوں گے)

اور ایک روایت میں پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یکجا طور پر پندرہ علامتیں ذکر فرمائیں اور آگاہ کیا کہ جب یہ باتیں امت میں عام ہو جائیں گی تو اُمت پر پے در پے مختلف قسم کے عذاب آنے شروع ہو جائیں گے، اُن میں سے ایک علامت یہ بھی ہے کہ: ’’لوگ اَمانت کو مالِ غنیمت سمجھ کر ہڑپ کر کریں گے‘‘۔ (ترمذی شریف ۴۴/۲ حدیث: ۲۲۱۰، الترغیب والترہیب مکمل ۶۲۸ حدیث: ۴۵۳۴، الزواجر ۴۴۵/۱)

الغرض خلاصہ یہ ہے کہ ہم سب کو ہر معاملہ میں اَمانت داری کا خیال رکھنا اور خیانت سے بچنا لازم ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے خیانت سے بچنے کے متعلق یہ دعائیہ کلمات منقول ہیں:

وَأَعُوْذُ بِکَ مِنَ الْخِيَانَةِ فَإِنَّهَا بِئْسَتِ الْبِطَانَةِ. (رواه النسائي ٣١٥/٢ ٣١٥/٢ حـديـث: ٥٤٧٨-٥٤٧٩، أبو دؤد شـريف ٢١٦/١ حديث: ١٥٤٧، ابن ماجة ٢٤٠/٢ حديث: ٣٣٥٤، الزواجر ٤٤٥/١)

اے اللہ میں خیانت سے تیری پناہ چاہتا ہوں؛ کیوں کہ وہ خیانت بہت بری ہم راز ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو خیانت سے پوری طرح محفوظ فرمائیں اور کامل اَمانت داری کی توفیق سے نوازیں، آمین۔

تیئیسویں فصل:

پیٹھ پیچھے برائی؛ ایک معاشرتی ناسور

موجودہ دور میں وہ منکر جس نے پورے معاشرے کو اپنی لپیٹ میں لے رکھا ہے وہ دوسروں کی پیٹھ پیچھے برائی کرنے (غیبت) کا گناہ ہے۔ یہ منکر بلاشبہ ایک ناسور ہے جس کی وجہ سے معاشرہ میں فتنہ وفساد اور آپسی تنازعات اور بدگمانیاں پنپتی ہیں، اور آپس میں محبت کرنے والے بالآخر ایک دوسرے سے نفرت کرنے والے بن جاتے ہیں۔ اسلام جو دین رحمت ہے، وہ اس طرح کی کسی بھی حرکت کو ہرگز پسند نہیں کرتا، اسی وجہ سے قرآنِ کریم نے غیبت سے بچنے کا حکم کرتے ہوئے اس عمل کو اپنے مردار بھائی کا گوشت کھانے کے مثل قرار دیا ہے۔ ارشادِ خداوندی ہے:

وَلَا يَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضاً، اَيُحِبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ يَّاكُلَ لَحْمَ اَخِيْهِ مَيْتاً فَكَرِهْتُمُوْهُ. (الحجرات: ۱۲)

اور برا نہ کہو پیچھے ایک دوسرے کے، بھلا اچھا لگتا ہے تم میں کسی کو کہ اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھائے، سوگھن آتی ہے تم کو اس سے۔

ظاہر ہے کہ کوئی شخص ہرگز ہرگز اس بات کا تصور نہیں کرسکتا کہ کسی بھی مردہ کا گوشت کھائے چہ جائے کہ اپنے مرے ہوئے بھائی کا۔ قرآنِ کریم یہ یقین ہمارے دل میں بٹھانا چاہتا ہے کہ جس طرح ہماری طبعیت اپنے بھائی کا گوشت کھانے پر آمادہ نہیں ہوتی، اسی طرح ہمیں اس کی برائی کرنے سے بھی مکمل احتراز کرنا چاہئے؛ کیوں کہ غیبت کرنا گویا کہ اس کی عزتِ نفس کو نوچ کھانا ہے، جو اسی طرح مکروہ اور ناپسندیدہ ہے جیسے اس کا گوشت کھانا ناپسندیدہ اور کراہت کا باعث ہوتا ہے۔

اس آیت کی تشریح متعدد احادیثِ شریفہ میں بھی وارد ہے، چناں چہ سیدنا حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ارشاد فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے متنبہ فرمایا:

مَنْ اَكَلَ لَحْمَ اَخِيْهِ فِي الدُّنْيَا قُرِّبَ إِلَيْهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ : فَيُقَالُ لَهُ: كُلْهُ مَيِّتًا كَمَا اَكَلْتَهُ حَيًّا فَيَاكُلُهُ وَيَكْلَحُوَيَضِجُّ.

(رواه أبو يعلىٰ، الترغيب والترهيب مكمل ص: ۵۹۷، حديث: ٤٣٠٠)

جو شخص دنیا میں اپنے بھائی کا گوشت کھائے (غیبت کرے) تو وہ گوشت قیامت کے دن اس کے قریب کیا جائے گا۔ اور اس سے کہا جائے گا کہ جیسے دنیا میں زندگی کی حالت میں (اپنے بھائی کا) گوشت کھایا تھا اب مردہ ہونے کی حالت میں اس کا گوشت کھا! پس وہ (مجبوراً) اسے کھائے گا اور منہ بنائے گا اور چیختا جائے گا۔ نعوذ باللہ منہ۔

اسی طرح حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے، ہم میں سے ایک شخص اٹھ کر چلا گیا، تو بعد میں ایک دوسرے شخص نے اس جانے والے شخص کے متعلق کچھ غیبت والے کلمات کہہ دیئے، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے حکم دیا کہ وہ دانتوں میں خلال کرے۔ اس نے جواب دیا: حضور میں نے گوشت کھایا بھی نہیں، کس واسطے خلال کروں؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اِنَّكَ أَكَلْتَ لَحْمَ أَخِيْكَ. (رواه الطبراني، الترغيب والترهيب ٥٩٦ رقم: ٤٢٩٦)

تو نے اپنے بھائی کا (غیبت کر کے) گوشت کھایا ہے۔

تو معلوم ہوا کہ آیتِ مبارکہ میں غیبت کی جو مثال بیان ہوئی ہے وہ کبھی حقیقت بن کر سامنے بھی آ سکتی ہے، العیاذ باللہ۔

غیبت کی مذمت میں چند احادیثِ شریفہ

نیز دیگر احادیثِ مبارکہ میں نہایت شدت کے ساتھ انسانی معاشرے سے اس گھناؤنے جرم کی بنیادیں اکھاڑ پھینکنے کی تلقین فرمائی گئی ہے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے غیبت کے متعلق اتنی سخت وعیدیں ارشاد فرمائی ہیں، جنہیں پڑھ کر رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں، چند روایات ملاحظہ فرمائیں:

(۱) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سفر معراج میں دوزخ کے معائنہ کے وقت کچھ ایسے لوگوں کو دیکھا جو مردار کھا رہے تھے، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبرئیل علیہ السلام سے پوچھا کہ یہ کون لوگ ہیں، تو حضرت جبرئیل علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جواب دیا:

هٰـؤُلاءِ الَّـذِيْـنَ يَـاكُـلُـونَ لُـحُومَ النَّاسِ. (رواه أحمد ٢٥٧/١، الترغيب والترهيب مكمل: ٥٩٨ حديث: ٤٣٠٣)

یہ وہ لوگ ہیں جو (دنیا میں) لوگوں کا گوشت کھاتے تھے (یعنی غیبت کیا کرتے تھے)

(۲) اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوزخ میں کچھ ایسے بدنصیبوں کو بھی دیکھا جو اپنے تانبے کے ناخنوں سے اپنے چہروں اور سینوں کو کھرچ رہے تھے۔ ان کے بارے میں پوچھے جانے پر حضرت جبرئیل علیہ السلام نے فرمایا:

هٰـؤُلَاءِ الَّـذِيْـنَ يَـأْكُـلُـونَ لُـحُومَ النَّاسِ وَيَقَعُوْنَ فِي أَعْرَاضِهِمْ.
(رواه ابوداؤد ٦٦٩/٢، والبيهقى ٣٠٠/٥، الترغيب والترهيب مكمل ٥٩٨ رقم: ٤٣٠٤)

یہ وہی لوگ ہیں جو لوگوں کا گوشت کھاتے تھے، اور ان کی عزتوں سے کھلواڑ کرتے تھے۔

(۳) نیز ایک طویل حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بیان فرماتے ہیں کہ میں نے سفر معراج کے دوران کچھ ایسی عورتوں اور مردوں کو دیکھا جو سینوں کے بل لٹکے ہوئے تھے، تو میں نے حضرت جبرئیل علیہ السلام سے ان کے بارے میں دریافت کیا، تو انہوں نے جواب دیا:

هٰـؤُلَاءِ الـلَّـمَّـازُوْنَ وَالْهَـمَّـازُوْنَ وَذٰلِكَ قَـوْلُ الـلّٰـهِ عَـزَّوَجَـلَّ:
﴿وَيْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُمَزَةٍ﴾ [الهمزة: ١] (رواه البيهقى، الترغيب والترهيب مكمل ٥٩٨ حديث: ٤٣٠٥)

یہ زبان اور آنکھ کے اشاروں کے ذریعہ غیبت کرنے والے ہیں۔

(۴) ایک حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے غیبت اور کسی مسلمان کی آبروریزی کو بدترین سود سے تعبیر فرمایا، آپ کا ارشاد مبارک ہے:

إِنَّ الـرِّبَـا نَيِّفٌ وَّسَبْـعُـونَ بَـابـاً أَهْوَنُهُنَّ بَاباً مِنَ الرِّبَا مِثْلُ مَنْ اَتىٰ أُمَّهُ فِي الإِسْلاَمِ وَدِرْهَمٌ مِنَ الرِّبَا أَشَـدُّ مِـنْ خَـمْـسٍ وَثَـلٰثِيْنَ زَنِيَّةً وَأَشَـدُّ الـرِّبَا وَأَرْبَى الرِّبَا وَأَخْبَثُ الـرِّبَـا اِنْتِهَـاکُ عِـرْضِ الْمُسْلِمِ وَاِنْتِهَـاکُ حُرْمَتِـهٖ. (رواه البيهقي ٢٩٩/٥ رقم: ٦٧١٥، الترغيب والترهيب رقم: ٤٢٨٧)

سود کے ستر سے زیادہ دروازے ہیں۔ ان میں سب سے کمتر سود کے دروازے کا گناہ ایسا ہے جیسے (نعوذ باللہ) کوئی شخص اپنی ماں سے بحالتِ اسلام بدکاری کرے اور سود کا ایک درہم ۳۵؍مرتبہ زنا کرنے سے بھی سخت ہے۔ اور سب سے سخت ترین سود، سب سے بڑا سود اور سب سے بدترین سود کسی مسلمان کی عزت وحرمت کو پامال کرنا ہے۔

(۵) ایک مرتبہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے بے خیالی میں ام المؤمنین حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے متعلق غیبت کے کلمات نکل گئے (یعنی آپ نے اشارہ سے انہیں قصیرۃ (پستہ قد) کہہ دیا) تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہؓ کو اس طرح تنبیہ فرمائی:

لَـقَـدْ قُـلْـتِ كَـلِـمَـةً لَوْ مُزِجَ بِهَـا الْبَـحْـرُ لَـمَـزَجَتْـهُ. (رواه أحـمـد والترمذي وأبوداؤد، مشكوٰة ٤١٤/٢)

تم نے ایسی بات کہی ہے کہ اگر اسے سمندر میں ڈال دیا جائے تو وہ بات سمندر کے پانی کو خراب کردے۔

(۶) ایک حدیث میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرات صحابہؓ کے مجمع میں فرمایا کہ: ''اَلْغِيْبَةُ أَشَدُّ مِنَ الزِّنَا'' ۔(غیبت زنا سے بڑھ کر ہے) صحابہؓ نے حیرت سے سوال کیا کہ حضرت یہ کیسے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا:

إِنَّ الـرَّجُـلَ لَيَزْنِيْ فَيَتُوْبُ فَيَتُوْبُ الـلّٰـهُ عَـلَيْـهِ، وَفِي رِوَايَةٍ فَيَتُوْبُ فَـيَـغْفِرُ اللّٰهُ لَهٗ وَإِنَّ صَاحِبَ الْغِيْبَةِ لَا يُـغْـفَـرُ لَـهٗ حَتّٰى يَـغْـفِرَهَـا لَـهٗ

انسان زنا کرکے توبہ کرے تو اللہ تعالیٰ (محض اس کے سچی توبہ کرنے پر) اس کی توبہ قبول فرما لیتا ہے۔ اور ایک روایت میں ہے کہ جب وہ توبہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی مغفرت فرمادیتا

صَاحِبُهُ. وَفِي رِوَايَةِ أَنَسٍؓ قَالَ: صَاحِبُ الزِّنَا يَتُوبُ وَصَاحِبُ الغِيبَةِ لَيْسَ لَهُ تَوْبَةٌ.

(رواه البيهقي في شعب الايمان ٣٠٦/٥، عن أبي سعيد وجابرؓ حديث: ٦٧٤١- ٦٧٤٢، مشكوٰة المصابح ٤١٥/٢)

ہے اور (اس کے برخلاف) غیبت کرنے والے کی اس وقت تک مغفرت نہیں ہوتی جب تک کہ اس کو مغتاب (جس کی غیبت کی گئی ہے) معاف نہ کردے۔ اور حضرت انسؓ کی روایت میں ہے کہ زنا کرنے والا (بڑے گناہ کے احساس سے) توبہ کرلیتا ہے۔ اور غیبت کرنے والے کو (اپنے گناہ کا احساس نہ ہونے کی وجہ سے) توبہ کی توفیق نہیں ہوتی۔ (یہی وجہ ہے کہ غیبت کی شناعت زنا سے بھی زیادہ ہے)

سید الطائفہ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکیؒ نے فرمایا کہ کلامِ نبوی: ''اَلْغِيْبَةُ أَشَدُّ مِنَ الزِّنَا'' (غیبت زنا سے بھی بڑھ کر ہے) میں غیبت کے شدید تر ہونے کی وجہ یہ ہے کہ زنا ''گناہ باہی'' (شہوت سے صادر ہونے والا گناہ) ہے اور غیبت ''گناہ جاہی'' (تکبر سے نکلنے والا گناہ) ہے۔ زنا کے صدور کے بعد نفس میں عاجزی پیدا ہوتی ہے کہ میں نے یہ خبیث اور گھناؤنا کام کیا (اور توبہ کی توفیق ہوجاتی ہے) اور غیبت میں ابتلاء کے بعد آدمی کو ندامت تک نہیں ہوتی (اور وہ توبہ سے محروم رہتا ہے) اس بنا پر غیبت کو زنا سے بھی بدتر فرمایا گیا ہے۔ (معارف امدادیہ ۱۴۱)

غیبت؛ عذابِ قبر کا بڑا سبب

(۷) مشہور صحابی حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ غیبت کی وجہ سے انسان عذابِ قبر کا مستحق ہوجاتا ہے، وہ فرماتے ہیں:

بَيْنَا اَنَا اُمَاشِيْ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ وَهُوَ اٰخِذٌ بِيَدَيَّ وَرَجُلٌ عَنْ يَسَارِهٖ فَاِذَا نَحْنُ بِقَبْرَيْنِ اَمَامَنَا،

اس دوران کہ میں آنحضرت ﷺ کے ساتھ چل رہا تھا، اور آپ ﷺ میرے ہاتھ پکڑے ہوئے تھے، اور ایک شخص آپ کے بائیں جانب تھا کہ

فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنَّهُمَا لَيُعَذَّبَانِ وَمَا يُعَذَّبَانِ فِيْ كَبِيْرٍ، وَبَلٰى، فَأَيُّكُمْ يَأْتِيْنِيْ بِجَرِيْدَةٍ فَاسْتَبَقْنَا فَسَبَقْتُهُ فَأَتَيْتُهُ بِجَرِيْدَةٍ فَكَسَرَهَا نِصْفَيْنِ فَأَلْقٰى عَلٰى ذَا الْقَبْرِ قِطْعَةً وَعَلٰى ذَا الْقَبْرِ قِطْعَةً وَقَالَ إِنَّهُ يُهَوَّنُ عَلَيْهِمَا مَا كَانَتَا رَطْبَتَيْنِ وَمَا يُعَذَّبَانِ إِلَّا فِي الْبَوْلِ وَالْغِيْبَةِ.

(مسند أحمد بن حنبل ۳۵/۵ حديث: ۲۰۲۵۲)

اچانک ہم دو قبروں پر پہنچے جو ہمارے سامنے تھیں، تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ان دونوں (قبر والوں) کو عذاب ہو رہا ہے اور (تمہاری دانست میں) کسی بڑے گناہ پر عذاب نہیں ہو رہا حالاں کہ وہ گناہ (حقیقت میں) بڑا ہے؛ لہٰذا کون ہے جو ایک ٹہنی میرے پاس لائے؟ تو ہم حکم کی تعمیل میں جھپٹے۔ میں جلدی جا کر آپ کے لئے ایک ٹہنی لے آیا آپ ﷺ نے اس ٹہنی کے دو ٹکڑے کئے اور ایک ٹکڑا اس قبر پر اور دوسرا ٹکڑا دوسری قبر پر ڈال دیا۔ اور فرمایا کہ جب تک یہ ٹہنیاں تر رہیں گی ان (قبر والوں) پر عذاب میں تخفیف کی جاتی رہے گی اور ان دونوں کو صرف پیشاب (سے نہ بچنے) اور غیبت (کرنے) کی بناء پر عذاب دیا جا رہا ہے۔

نوٹ:- ٹہنیوں کے تر رہنے تک عذاب میں تخفیف کی خبر دینا یہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ اور برکت تھی، اس پر دوسرے لوگوں کو قیاس نہیں کیا جا سکتا۔

غیبت کیا ہے؟

ایک حدیث میں ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے پوچھا کہ: ''کیا تمہیں معلوم ہے غیبت کیا ہے''؟ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: ''اللہ اور اس کا رسول زیادہ جانتا ہے''۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''اپنے بھائی کے بارے میں ان باتوں کا ذکر کرنا جو اسے ناپسند ہوں غیبت ہے''۔ اس پر ایک شخص نے سوال کیا کہ اگر میرے بھائی کے اندر وہ صفات واقعی موجود ہوں جو میں نے کہی ہیں (تو کیا پھر بھی غیبت ہوگی؟) تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:

اِنْ كَانَ فِيْهِ مَا تَقُوْلُ فَقَدِ اغْتَبْتَه وَاِنْ لَمْ يَكُنْ فِيْه فَقَدْ بَهَتَّهٗ.

(مسلم شریف ۳۲۲/۲ عن ابی ھریرۃ)

اگر وہ برائی تیرے بھائی میں پائی جائے تبھی تو وہ غیبت ہوگی اور اگر وہ بات اس کے اندر نہ ہو تو تو نے اس پر بہتان باندھا ہے۔ (جو غیبت سے بھی بڑا گناہ ہے)

اس سے معلوم ہوا کہ اس برائی کا بیان کر دینا بھی غیبت ہے جو مذکورہ شخص میں پائی جاتی ہو، اور اس کے عموم میں ہر ایسی برائی کا بیان شامل ہے جس سے مذکورہ شخص کی عزت میں فرق آتا ہو خواہ وہ دنیا کی برائی ہو یا دین کی، جسم کی برائی ہو یا اخلاق کی، اولاد کی برائی ہو یا بیوی کی، خادم کی برائی ہو یا غلام کی۔ الغرض جس چیز کے بیان سے کسی کی بےعزتی ہوتی ہو اس کا اظہار غیبت کے حکم میں داخل ہے۔ (روح المعانی ۱۵۸/۲۶)

علامہ ابن النحاس الدمشقی (م ۸۱۴ھ) اپنی معرکۃ الآراء کتاب ''تنبیہ الغافلین'' میں لکھتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا غیبت کے بارے میں یہ ارشاد فرمانا کہ: ''اپنے بھائی کے بارے میں ایسی بات کہنا جو اسے ناپسند ہو''، یہ غیبت کی ایک جامع تعریف ہے جس میں درج ذیل صورتیں داخل ہوسکتی ہیں:

الف:- کسی کے جسمانی عیب کو بیان کرنا، مثلاً وہ لنگڑا، چندھا، بھینگا، گنجا، لمبو، پستہ قد وغیرہ ہے۔

ب:- کسی کی بدخلقی کو بیان کرنا، مثلاً وہ متکبر ہے، بداخلاق ہے، بزدل ہے، بےوقوف ہے، جلد باز ہے، وغیرہ۔

ج:- کسی کے افعال کے بارے میں تبصرہ کرنا، مثلاً وہ چور ہے، خائن ہے، سست ہے، بےادب ہے، جھک باز ہے، وغیرہ۔

د:- کسی کے لباس پر تبصرہ کرنا کہ اسے کپڑے پہننے کا سلیقہ نہیں، اس کا عمامہ بےہنگم ہے، اس کی آستین لمبی ہے، وغیرہ۔

اور جس طرح آدمی اپنی برائی ناپسند کرتا ہے، اسی طرح اپنے سے منسوب کسی فرد یا چیز کی

برائی بھی اسے دوسرے کے زبان سے بری لگتی ہے، مثلاً آپ کسی کی اولاد کے بارے میں کہیں کہ وہ بدشکل ہے، بے ادب ہے، یا کسی کی بیوی کے بارے میں کہیں کہ وہ بدصورت ہے یا پھوہڑ یا بدزبان ہے، یا کسی کے ملازم کے بارے میں ناگوار تبصرہ کریں یا کسی کی سواری کے کا عیب ظاہر کریں، وغیرہ۔ تو ایسی گفتگو بھی غیبت کی حرمت میں داخل ہوگی۔ (تلخیص: تنبیہ الغافلین ۱۷۶-۱۷۸)

اِشارہ کنایہ سے غیبت بھی منع ہے

اور جس طرح صراحۃً نام لے کر غیبت ناجائز ہے، اسی طرح اشارہ یا نقل کے ذریعہ بھی غیبت جائز نہیں ہے، مثلاً کسی کا ذکر ہاتھ کے اشارے سے پستہ قد کے طور پر کیا، یا اس کی طرح چل کر دکھایا یا آنکھ سے اس کے عیب کو بتایا یا دوسرے کا ذکر ہونے پر اپنی برأت اس انداز میں کی کہ جس سے دوسرے کی برائی ظاہر ہوئی، مثلاً: کسی شخص کا مجلس میں ذکر ہوا کہ اس کے ارباب حکومت سے اچھے تعلقات ہیں، تو حاضرین مجلس میں سے ایک شخص بول اٹھا کہ: ''اللہ کا شکر ہے کہ اس نے ہمیں اربابِ حکومت سے میل جول میں مبتلا نہیں فرمایا''، تو یہ جملہ بظاہر ایک اچھا جملہ ہے؛ لیکن اس سے خود بخود یہ بات مفہوم ہو رہی ہے کہ جو لوگ حکومت سے تعلق رکھتے ہیں وہ قابل مذمت ہیں، حالاں کہ دوسرے شخص کی حالت کی بہتر تاویل کی جاسکتی ہے، مثلاً یہ کہا جاسکتا ہے کہ: ''ہاں کچھ لوگ ایسے بھی ہونے بھی چاہئیں جن کی رسائی حکومت تک ہو؛ تاکہ ضرورت مندوں کے کام کرسکیں''۔ ایسا جملہ نہ کہہ کر ذو معنی جملہ استعمال کرنا جو اپنی برأت اور دوسرے کی برائی کو مستلزم ہے، یہ جائز نہیں ہے۔ (تنبیہ الغافلین ۱۷۸-۱۷۹)

بہرحال ہمیں یہ کوشش کرنی چاہئے کہ ہماری زبان غیبت کی نحوست سے محفوظ رہے اور ہمیشہ دوسروں کی خوبیوں پر اور اپنے عیوب پر نظر رکھی جائے، اور دوسرے کے فعل کو بہتر معنی پر محمول کیا جائے، اگر ہر شخص یہی طرزِ عمل اپنالے تو معاشرہ میں ہر سطح پر محبتیں عام ہوسکتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو توفیق عطا فرمائیں، آمین۔

چوبیسویں فصل:

چغل خوری

چغل خوری بھی دراصل غیبت ہی کا ایک اعلیٰ درجہ ہے جس کے معنی ’’فساد کی غرض سے کسی شخص کے راز کو دوسرے کے سامنے ظاہر کرنے‘‘ کے آتے ہیں، قرآنِ کریم میں متعدد جگہ چغل خوروں پر لعنت کی گئی ہے۔ سورۂ ن والقلم میں ارشاد فرمایا گیا:

وَلَا تُطِعْ كُلَّ حَلَّافٍ مَّهِينٍ. هَمَّازٍ مَّشَّآءٍ بِنَمِيمٍ. مَنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ مُعْتَدٍ اَثِيمٍ. عُتُلٍّ بَعْدَ ذٰلِكَ زَنِيمٍ. (ن والقلم: ۱۰-۱۳)

اورآپ کسی قسم کھانے والے، بےقدر شخص کی بات مت مانئے، جو طعنے دینے والا، چغلی کھانے والا، اچھے کام سے روکنے والا، حد سے بڑھا ہوا، بڑا گنہگار، اور اُجڈ ہونے کے ساتھ ساتھ بدنام ہے۔

اور سورۂ هُمَزه میں ارشاد ہوا:

وَيْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةٍ. الَّذِىْ جَمَعَ مَالاً وَعَدَّدَهُ. (الهمزة: ۱-۲)

خرابی ہے ہر طعنہ دینے والے اور عیب چننے والے کی جس نے مال سمیٹ کر گن گن کر رکھا۔

اس آیتِ کریمہ کی تفسیر کرتے ہوئے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ: ’’اس سے مراد چغل خور لوگ ہیں جو محبت کرنے والوں میں پھوٹ ڈالتے ہیں اور بےقصوروں کی عیب جوئی کرتے ہیں‘‘۔ (تفسیر القرطبی ۱۸۱/۳)

اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے چغل خور کے بارے میں نہایت سخت وعیدیں ارشاد فرمائی ہیں، مشہور حدیث ہے:

لاَ يَدْخُلُ الْجَنَّةَ نَمَّامٌ. (مسلم شریف ۷۰/۱) چغل خور جنت میں نہیں جائے گا۔

حضرت عبدالرحمٰن بن غنم رضی اللہ عنہ پیغمبر علیہ السلام کا ارشاد نقل فرماتے ہیں کہ:

خِيَارُ عِبَادِ اللّٰهِ الَّذِيْنَ إِذَا رُؤُوْا ذُكِرَ اللّٰهَ، وَشِرَارُ عِبَادِ اللّٰهِ الْمَشَّاؤُوْنَ بِالنَّمِيْمَةِ الْمُفَرِّقُوْنَ بَيْنَ الْأَحِبَّةِ الْبَاغُوْنَ لِلْبُرَآءِ الْعَنَتَ. (رواه أحمد ٢٢٧/٤، الترغيب والترهيب مكمل: ٤٢٨١)

سب سے بہترین اللہ کے بندے وہ ہیں جنہیں دیکھ کر اللہ تعالیٰ کی یاد تازہ ہو، اور سب سے بدترین بندے وہ ہیں جو چغل خور ہیں، جو تعلق رکھنے والے لوگوں کے درمیان تفرقہ ڈالنے والے اور بے قصوروں پر عیب اور الزام لگانے والے ہیں۔

اور حضرت عبداللہ بن بسر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:

لَيْسَ مِنِّيْ ذُوْ حَسَدٍ وَلَا نَمِيْمَةٍ وَلَا كَهَانَةٍ وَلَا أَنَا مِنْهُ، ثُمَّ تَلَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ﴿وَالَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ بِغَيْرِ مَا اكْتَسَبُوْا فَقَدِ احْتَمَلُوْا بُهْتَانًا وَإِثْمًا مُبِيْنًا﴾ [الاحزاب: ٨٥] (رواه الطبراني، الترغيب والترهيب مكمل: ٤١٥٦)

حسد اور چغلی اور کہانت (جادوگری) میں مبتلا شخص سے میرا کچھ لینا دینا نہیں ہے، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت تلاوت فرمائی (جس کا ترجمہ یہ ہے:) ''اور جو لوگ (بلاوجہ) ایمان والے مردوں اور عورتوں کو اذیت دیتے ہیں وہ بہت بڑے اور کھلے ہوئے گناہ کا بوجھ اٹھا رہے ہیں''۔

اسی طرح ایک موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: زیادہ تر قبر کا عذاب چغل خوری اور پیشاب کی چھینٹوں سے نہ بچنے کی وجہ سے ہوتا ہے۔ (الترغیب والترہیب ۳/۳۲۳)

چغلی اور غیبت سنے تو کیا کرے؟

عام طور پر لوگوں کا یہ معمول ہے کہ اگر ان کے سامنے کسی شخص کی برائی کی جاتی ہے تو یا تو

کہنےوالے کی ہاں میں ہاں ملاتے ہیں یا خاموش رہتے ہیں، حالاں کہ یہ طریقہ شریعت کے مطابق نہیں، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

مَنِ اغْتِيبَ عِنْدَهُ أَخُوهُ الْمُسْلِمُ فَلَمْ يَنْصُرْهُ وَهُوَ يَسْتَطِيعُ نَصْرَهُ اَدْرَكَهُ اِثْمُهُ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ.

(الترغيب والترهيب ۳/ ۳۳٤)

جس شخص کے سامنے اس کے مسلمان بھائی کی غیبت کی جائے اور وہ طاقت کے باوجود (اس کا دفاع کرکے) اس بھائی کی مدد نہ کرے تو اس شخص کو (اپنے مسلمان بھائی کی طرف سے دفاع نہ کرنے کا) وبال دنیا اور آخرت میں ہوگا۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ غیبت سن کر خاموش رہنا بھی گناہ ہے، حتی الامکان اپنے مسلمان بھائی سے خوش گمان رہ کر اس کی طرف سے صفائی دینے کا اہتمام رکھنا چاہئے، یہ اہتمام رکھنا نہایت باعث اجر وثواب ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ: ''جو شخص اپنی وسعت کے مطابق مغتاب شخص کی طرف سے صفائی پیش کرتا ہے، تو اللہ تعالیٰ دنیا اور آخرت میں اس کی مدد فرماتا ہے''۔

(الترغیب والترہیب۳/۳۳۵)

حضرت امام غزالیؒ نے احیاء العلوم میں لکھا ہے کہ جب کوئی شخص کسی کی غیبت یا چغلی سنے تو اسے چھ باتوں کا التزام کرنا چاہئے:

(۱) چغل خور کی شکایت پر ہرگز یقین نہ کرے؛ اس لئے کہ وہ خبر دینے والا شرعاً فاسق ہے۔

(۲) چغل خور کو اس کے غلط فعل پر متنبہ کرے اور اسے عار دلائے۔

(۳) چغل خور کے فعل کو دل سے برا سمجھے اور اس بنا پر اس سے ناپسندیدگی کا اظہار کرے۔

(۴) جس کی چغلی کی گئی ہے اس کی طرف سے بدگمان نہ ہو۔

(۵) چغل خور نے جو بات پہنچائی ہے اس کی کھود کرید اور تحقیق وتفتیش میں نہ پڑے۔

(۶) چغل خور کے فعل کو کسی دوسرے سے بیان نہ کرے ورنہ خود چغلی کرنے والے کے درجہ میں آجائے گا۔ (احیاء العلوم ۳/۹۴)

حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کا معمول

سید الطائفہ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکیؒ کا معمول تھا کہ ان کے یہاں نہ تو کسی کی شکایت سنی جاتی تھی اور نہ وہ کسی سے بدگمان ہوتے تھے، اگر کوئی شخص کسی کی بات نقل کرتا تو سن کر اس کی تغلیط فرما دیتے کہ: ''تم غلط کہتے ہو، وہ ایسا نہیں ہے''۔ (معارف امدادیہ ۴۳)

ایک مرتبہ تھانہ بھون کے زمانۂ قیام میں ایک شخص نے آکر کہا کہ فلاں شخص نے آپ کے بارے میں یہ نازیبا باتیں کہی ہیں۔ حضرت حاجی صاحبؒ نے اسے جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ: ''اس نے تو میری پیٹھ پیچھے برائی کی تھی، اور تو نے میرے منہ پر میری برائی کر دی؛ اس لئے تو اس سے زیادہ برا ہوا''۔ حضرتؒ کے اس جواب کا یہ اثر ہوا کہ اسے پھر کبھی کسی کی شکایت کرنے کی جرأت نہ ہوئی۔ (معارف امدادیہ ۱۱٦)

بعض بزرگوں کے اقوال وواقعات

حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں کہ: ''عذابِ قبر کے تین حصے ہیں: ایک حصہ غیبت سے ہوتا ہے، ایک حصہ چغلی سے اور ایک حصہ پیشاب سے نہ بچنے سے''۔

حضرت حسنؒ فرماتے ہیں کہ: ''مسلمان کے دین میں غیبت کا اثر آکلہ بیماری سے زیادہ خطرناک صورت میں رونما ہوتا ہے، جس طرح مرض آکلہ پورے بدن انسان کو گلا دیتا ہے اسی طرح مرض غیبت دین کو چٹ کر جاتا ہے''۔

مروی ہے کہ ایک شخص نے حضرت علی زین العابدینؒ کے سامنے کسی شخص کی غیبت کی، تو آپ نے فرمایا: ''خبردار! غیبت مت کرنا! یہ عمل ان لوگوں کی غذا ہے جو انسانوں کی صورت میں کتے ہیں''۔

ایک شخص نے حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا کہ میں نے سنا ہے کہ آپ میری غیبت کیا کرتے ہیں، آپ نے جواب دیا کہ: ''میری نظر میں تمہاری اتنی قدر نہیں ہے کہ مفت میں اپنی نیکیاں تمہارے حوالہ کر دوں''۔

اسی طرح منقول ہے کہ ایک مرتبہ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کو خبر ملی کہ فلاں شخص نے ان کی غیبت کی ہے، تو آپ نے غیبت کرنے والے کے پاس کچھ تازہ کھجوریں بھیجیں اور کہلایا کہ: ''تم نے اپنی نیکیوں میں سے کچھ حصہ مجھے ہدیہ کیا ہے تو میں اس احسان کے بدلے میں یہ کھجوریں بھیج رہا ہوں؛ اگر چہ یہ تمہارے احسان کا پورا بدلہ نہیں ہے؛ اس لئے معذور خیال فرمائیں''۔ (از: مذاق العارفین ترجمہ احیاء علوم الدین ملخصا)

مشہور صاحب معرفت بزرگ حضرت میمون بن سیّارؒ فرماتے ہیں کہ ایک روز میں نے خواب میں دیکھا کہ ایک حبشی کا مردہ جسم ہے، اور کوئی کہنے والا اُن کو مخاطب کر کے کہہ رہا ہے کہ اس کو کھاؤ! میں نے کہا کہ اے خدا کے بندے میں اس کو کیوں کھاؤں؟ تو اس شخص نے کہا کہ اس لئے کہ تو نے فلاں شخص کے حبشی زنگی غلام کی غیبت کی ہے، میں نے کہا، خدا کی قسم میں نے اس کے متعلق کوئی اچھی بری بات کی ہی نہیں۔ تو اس شخص نے کہا کہ ہاں! لیکن تو نے اس کی غیبت سنی تو ہے اور تو اس پر راضی رہا۔ راوی کہتا ہے کہ اس کے بعد حضرت میمونؒ کا حال یہ ہو گیا تھا کہ نہ خود کبھی کسی کی غیبت کرتے اور نہ کسی کو اپنی مجلس میں غیبت کرنے دیتے۔ (تفسیر خازن ۴/۱۷۱ بیروت)

مذکورہ بالا مضامین کو بار بار پڑھ کر ہمیں اپنا جائزہ لینے کی ضرورت ہے؛ تا کہ معاشرہ میں پھیلی ہوئی اس برائی کا حتی الامکان سد باب ہو سکے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو ہر قسم کی کوتاہیوں سے محفوظ رکھیں اور دارین کی عافیت سے نوازیں، آمین۔

پچیسویں فصل:

گانا باجا! ایک عمومی گناہ

آج کے دور میں ہمارے معاشرہ میں جو منکرات اور گناہ عام ہیں، ان میں ایک زہرناک اور نقصان دہ گناہ ''گانا باجا'' بھی ہے۔ آج ہر طرف گانے اور میوزک کی آوازیں سنائی دیتی ہیں، عام لوگوں بالخصوص نوجوانوں میں گانا سننے کا شوق جنون کی حد تک پہنچ چکا ہے۔ سڑک چلتے اور سفر کرتے ہوئے جا بجا آپ کو موبائل سے گانا سنتے ہوئے نوجوان نظر آئیں گے، چائے کی دوکانوں اور ہوٹلوں میں میوزک کی آوازیں سنائی دیں گی، اور اگر کوئی تیوہار یا خوشی کا موقع ہو تو پھر انتہائی بلند آواز سے بجنے والے ڈیکوں پر تھرکنے والے لوگ دکھائی دیں گے۔ یہی آج کل ہمارے معاشرہ کا منظر ہے، جسے دیکھ کر ایک صاحبِ ایمان کا دل مسوس کر رہ جاتا ہے کہ جن آلات لہو ولعب کو مٹانے کے لئے معلم انسانیت، سرور عالم، حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت مبارکہ ہوئی، آج اسی پیغمبر کے نام لینے والے میوزک کی تھاپوں میں مگن ہو کر مدہوش ہو چکے ہیں۔ ہونا یہ چاہئے تھا کہ دنیا کچھ بھی کرتی؛ لیکن ایک مسلمان بہر حال گانے باجے سے اپنے کو محفوظ رکھتا؛ اس لئے کہ قرآن وحدیث سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ تمام آوازوں میں اللہ تعالیٰ کو گانے باجے کی آواز سب سے زیادہ ناپسند ہے؛ لیکن افسوس ہے کہ اب اس مشغلہ سے بچنا تو درکنار، اسے معیوب بھی نہیں سمجھا جا رہا ہے، لوگ بے تکلف موبائل کی ''رنگ ٹون'' میں گانے لگاتے ہیں اور اسے معیوب بھی نہیں سمجھتے، حالاں کہ قرآنِ کریم میں اسے ''شیطان کی آواز، بے کار بات، لہو ولعب کی چیز'' قرار دیا گیا ہے، قرآنِ کریم کی درج ذیل آیات سے واضح طور پر گانے کا ممنوع ہونا معلوم ہوتا ہے۔

(۱) اللہ تعالیٰ شیطان کو جواب دیتے ہوئے بطورِ تنبیہ فرماتے ہے:

وَاسْتَفْزِزْ مَنِ اسْتَطَعْتَ مِنْهُمْ بِصَوْتِكَ. (بنی اسرائیل: ٦٤)

اور گھبرا لے تو ان میں جس کو تو گھبرا سکے اپنی آواز سے۔

یہاں بعض مفسرین نے آواز سے باجا گانا مراد لیا ہے: **نقله القرطبي عن مجاهد والضحاک.** (تفسیر القرطبي ١٦٩/٥، وتفسیر ابن کثیر مکمل)

نیز ارشادِ خداوندی ہے:

(۲) وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِيْ لَهْوَ الْحَدِيْثِ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ، وَّيَتَّخِذَهَا هُزُوًا، أُولٰئِکَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ. (لقمان: ٦)

اور ایک وہ لوگ ہیں جو خریدار ہیں کھیل کی باتوں کے؛ تاکہ بچلائیں (گمراہ کریں) اللہ کی راہ سے بن سمجھے اور ٹھہرائیں اس کو ہنسی، وہ جو ہیں ان کو ذلت کا عذاب ہے۔

اس آیت میں کھیل کی باتوں سے وہ سب چیزیں مراد ہیں جو اللہ کی یاد سے ہٹانے والی ہوں، مثلاً فضول قصہ گوئی، ہنسی مذاق کی باتیں، واہیات مشغلے اور گانے بجانے وغیرہ۔ روایات میں آتا ہے کہ نضر بن حارث جو مکہ کا ایک سردار تھا وہ گانے بجانے والی باندیوں کو خرید کر لاتا اور ان سے گانے سنوا کر لوگوں کو قرآن سے روکتا تھا۔ (تفسیر قرطبی ۴۹/۷)

اللہ تعالیٰ مشرکین کو تنبیہ کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

(۳) وَتَضْحَكُوْنَ وَلَا تَبْكُوْنَ، وَأَنْتُمْ سَامِدُوْنَ. (النجم: ٦٠-٦١)

اور ہنستے ہو، روتے نہیں اور تم کھلاڑیاں کرتے ہو۔

اس آیت میں کھلاڑیاں کرنے سے مراد بعض مفسرین نے گانا بجانا لیا ہے۔ (حاشیۃ الجمل ۲۴۰/۴، تفسیر ابو السعود ۱۶۶/۸)

ملعون آواز

اسی طرح احادیثِ طیبہ میں بھی گانے بجانے پر سخت وعید اور مذمت وارد ہوئی ہے۔

ایک حدیث میں ارشاد ہے:

صَوْتَانِ مَلْعُونَانِ فِی الدُّنْیَا وَالْآخِرَةِ: مِزْمَارٌ عِنْدَ نِعْمَةٍ وَرَنَّةٌ عِنْدَ مُصِیْبَةٍ. (الترغیب والترهیب ١٨٤/٤)

دو آوازیں دنیا اور آخرت میں قابلِ لعنت ہیں: ایک خوشی کے وقت میوزک کی آواز، دوسرے مصیبت کے وقت بین کرنے کی آواز۔

پس جو آواز اللہ کے نزدیک ملعون ہو اس کا جی لگا کر سننا بھی یقیناً لعنت والا عمل ہے، ہر مسلمان کو اس سے اپنے کو دور رکھنا چاہئے۔

گانے بجانے کی مجلس میں جانے پر سخت وعید

ایک حدیث شریف میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی گلوکارہ کے گانے کو سننے کے لئے اس کے پروگرام میں جانے پر سخت ترین وعید ارشاد فرمائی کہ:

مَنْ جَلَسَ إِلٰی قَیْنَةٍ یَسْمَعُ مِنْهَا صُبَّ فِي أُذُنِهِ الْآنُکَ یَوْمَ الْقِیَامَةِ. (قرطبی ٥٠/٧ پ ٢١، ومثله في حاشیه أبي داؤد ٦٧٤/٢)

جو شخص گلوکار عورت سے بیٹھ کر گانا سنے اس کے کانوں میں قیامت کے دن سیسہ پگھلا کر ڈالا جائے گا۔

اور جو حکم کسی تھیٹر میں جا کر گانا سننے کا ہے، بالکل وہی حکم اس وقت بھی ہے جب کہ کمپیوٹر یا موبائل پر ویڈیو کے ذریعہ اس پروگرام کو سنا جائے، گناہ اور عذاب میں دونوں صورتیں برابر ہیں۔ اور احادیث سے ثابت ہے کہ قیامت کے قریب معاشرہ میں ایسے پروگراموں کا چلن عام ہو جائے گا، چناں چہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک طویل حدیث میں وہ علامات بیان فرمائی ہیں، جن کے پائے جانے کے وقت میں امتِ مسلمہ عذاب سے دوچار ہوگی، انہیں میں سے ایک علامت یہ ہے:

وَظَهَرَتِ الْقَیْنَاتُ وَالْمَعَازِفُ. (ترمذي ٤٥/٢، قرطبي ٥٠/٧)

اور گانے والی باندیاں اور گانے بجانے کے آلات عام ہو جائیں گے۔

پیغمبر علیہ السلام کی یہ پیش گوئی آج پوری طرح ظاہر ہو چکی ہے، اس لئے دعا کرنی چاہئے کہ اللہ تعالیٰ امت کو عذاب کے ان اسباب سے محفوظ رکھیں، آمین۔

گانے کا شوق نفاق کا سبب ہے

ایک حدیث شریف میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے گانے میں اشتغال کو دل میں نفاق کی بڑھوتری کا سبب قرار دیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ عالی ہے:

اَلْغِنَاءُ يُنْبِتُ النِّفَاقَ كَمَا يُنْبِتُ الْمَاءُ الزَّرْعَ، وَفِيْ رِوَايَةٍ يُنْبِتُ النِّفَاقَ فِي الْقَلْبِ. (مشکوٰۃ شریف ٤١١/٢، شعب الإيمان ٢٧٩/٤ حديث: ٥١٠٠)

گانا باجا دل میں نفاق کو ایسے اگاتا ہے جیسے پانی کھیتی کو اُگاتا ہے۔

اور تجربہ بھی یہ بتاتا ہے کہ گانا باجے کا شوقین شخص مسلمان ہونے کے باوجود جذبۂ اطاعت سے محروم ہوجاتا ہے، اور اس کا دل ظلمتوں سے بھر کر تاریک ہوجاتا ہے، اسے اچھے کاموں سے وحشت ہوتی ہے، اور گندی باتوں کی طرف رغبت بڑھ جاتی ہے۔

گانے باجے میں مشغول لوگوں کو بندر اور خنزیر بنادیا جائے گا

بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اخیر زمانہ میں امت کے کچھ لوگ نام بدل کر شراب پئیں گے اور ڈھول تاشے اور سارنگی میں مست ہوں گے، تو انہیں بطور عبرت بندر اور خنزیر بنادیا جائے گا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

لَيَشْرَبَنَّ أُنَاسٌ مِنْ أُمَّتِي الْخَمْرَ يُسَمُّونَهَا بِغَيْرِ اسْمِهَا وَيُضْرَبُ عَلٰى رُؤُوْسِهِمُ الْمَعَازِفُ يَخْسِفُ اللّٰهُ بِهِمُ الْأَرْضَ وَيَجْعَلُ مِنْهُم قِرَدَةً وَخَنَازِيْرَ. (شعب الإيمان ٢٨٢/٤ حديث: ٥١١٤)

میری امت کے کچھ لوگ شراب ضرور پئیں گے مگر اس کو دوسری چیز کا نام دیں گے اور ان کے سروں پر گانے بجانے کے آلات بجائے جائیں گے تو اللہ تعالیٰ انہیں زمین میں دھنسا دے گا اور انہی میں سے بعض کو بندر اور خنزیر بنادے گا۔

دیکھئے! کس قدر سخت وعیدیں ہیں، جنہیں دیکھ کر رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں۔

گانا باجا علماء وفقہاء کی نظر میں

اسی بنا پر امت کے اکابر علماء نے گانا باجا بجانے پر سخت نکیر فرمائی ہے۔

امام شعبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: ''گانے والا اور جس کے لئے گایا جائے دونوں ملعون ہیں''۔

حضرت فضیل بن عیاض فرماتے ہیں کہ: ''گانا بجانا، زنا کا جنتر منتر ہے''۔

حضرت نافعؒ فرماتے ہیں کہ وہ ایک مرتبہ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے ساتھ سفر میں جارہے تھے، تو انہوں نے مزمار (گانے بجانے کے آلہ) کی آواز سنی تو اپنے دونوں کانوں میں انگلیاں دے لیں اور اس جگہ سے دور ہٹ گئے؛ تاکہ آواز نہ سن سکیں اور فرمایا کہ: ''آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی جب ایسی آواز سنتے تھے تو یہی عمل فرمایا کرتے تھے''۔ (شعب الایمان ۴/۲۸۳)

صاحب درمختار علامہ حصکفیؒ فتاویٰ بزازیہ سے نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

اِسْتِمَاعُ صَوْتِ الْمَلَاهِي كَضَرْبِ قَصَبٍ وَنَحْوِهٖ حَرَامٌ، لِقَوْلِهٖ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ: اِسْتِمَاعُ الْمَلَاهِيمَعْصِيَةٌ، وَالْجُلُوْسُ عَلَيْهَا فِسْقٌ، وَالتَّلَذُّذُ بِهَا كُفْرٌ أي بِالنِّعْمَةِ، فَصَرْفُ الْجَوَارِحِ إلٰى غَيْرِ مَا خُلِقَ لِأجْلِهٖ كُفْرٌ بِالنِّعْمَةِ لاشُكْرٌ، فَالْوَاجِبُ كُلَّ الْوَاجِبِ أن يُّجْتَنَبَ كَي لَا يَسْمَعَ لِمَا رُوِيَ أنَّهُ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ

لہو ولعب والی چیزوں کی آواز سننا مثلاً بینڈ اور ہارمونیم وغیرہ حرام ہے؛ اس لئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ لہو ولعب کی چیزیں سننا گناہ ہے اور ایسی مجلس میں بیٹھنا فسق ہے اور ان سے لذت حاصل کرنا کفرانِ نعمت ہے؛ اس لئے کہ اعضاء وجوارح کو ان کاموں میں لگانا جن کے لئے ان کی پیدائش نہیں ہوئی ہے (یعنی معصیت کے کاموں میں لگانا) شکر نہیں؛ بلکہ نعمتِ خداوندی کی ناشکری ہے؛ لہٰذا واجب سے بڑھ کر واجب ہے کہ ایسی آوازیں

وَالسَّـلامُ أَدْخَـلَ اِصْبَـعَهُ فِي أُذُنِهٖ عِنْدَ سِمَاعِهٖ. (درمختار مع الشامي / قبيل فصل في اللبس ۶/۳۴۹ کراچی)

سننے سے اجتناب کیا جائے، جیسا کہ مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے سننے کے وقت اپنے کانوں میں انگلیاں ڈال لی تھیں۔

افسوس ہے کہ شریعتِ اسلامی نے جس شدت سے مسلمانوں کو گانے بجانے میں انہماک سے روکا ہے، آج اسی کثرت کے ساتھ اس عظیم معصیت میں ابتلاء عام ہوگیا ہے۔ اب در و دیوار سے گانے بجانے کی آوازیں آتی ہیں، فیکٹریوں اور کارخانوں میں کام کرنے والے کاری گر گانوں کے اتنے عادی ہوچکے ہیں کہ بغیر اس آواز کے ان کا دل ہی کام میں نہیں لگتا، گھروں سے قرآنِ کریم کی آوازوں کے بجائے دن رات میوزک اور ڈیک کی آوازیں سنائی دیتی ہیں، اور پھر اس پر بس نہیں کہ آدمی خود ہی سن کر گنہگار ہو؛ بلکہ تیز ترین آواز میں اُسے بجا کر سارے محلّہ والوں کو گنہگار بنانے کی کوشش کی جاتی ہے۔ آج ہمارے نوجوانوں کے لئے سب سے زیادہ پسندیدہ چیز ملٹی میڈیا موبائل اور گانے بجانے اور فلم کی اسٹوریوں کے کیسٹ ہیں جنہیں دن رات بجا کر اوقات کو ضائع اور اخلاق و عادات کو تباہ کیا جاتا ہے۔ ''فحاشیوں کا پٹارا'' ٹیلی ویژن، وی، سی، آر اور کیبل، ٹی وی کے وسائل عام ہوگئے ہیں، اور ان کے ذریعہ ہمارے کان گناہوں میں پوری طرح ملوث ہوچکے ہیں۔

مروجہ قوالی بھی ناجائز ہے

اس سے آگے بڑھ کر شیطان نے قوالی کی شکل میں اس حرام کام کو جائز کرنے کا بہانہ بھی گھڑ لیا ہے۔ آج قوالیاں، میوزک کی تھاپوں پر گائی جاتی ہیں اور طبلوں اور ہارمونیم کے ساز پر قوال اشعار پڑھتے ہیں۔ یہ اشعار خواہ کتنے ہی صحیح اور حقیقت پر مبنی ہی کیوں نہ ہوں، میوزک اور آلات موسیقی کے ساتھ مل جانے کی وجہ سے ان کی حرمت اور ممانعت میں کوئی تخفیف نہیں ہوسکتی، میوزک بہرحال حرام ہے۔ فقہ حنفی کے مشہور عالم علّامہ شامیؒ فرماتے ہیں کہ:

وَمَـا يَـفْعَلُهُ مُتَصَوِّفَةُ زَمَانِنَا حَرَامٌ

اور جو ہمارے زمانہ کے صوفی لوگ (قوالیاں

لَایَجُوْزُ الْقَصْدُ وَالْجُلُوْسُ إِلَیْهِ. (شامي / قبيل فصل في اللبس ٣٤٩/٦ كراچی)

گاتے اور وجد) کرتے ہیں وہ حرام ہے ایسی مجلسوں میں جانا اور شریک ہونا بھی جائز نہیں ہے۔

مگر افسوس ہے کہ آج قوالیوں کو عین عبادت سمجھ کر اسے جعلی اور بناوٹی روحانیت کے حصول کا ذریعہ بنایا جانے لگا، اور پہلے تو یہ قوالیاں عموماً عرس اور مزارات تک محدود تھیں، مگر جب سے نئے الیکٹرانک آلات، ایجاد ہوئے ہیں، تو ان چیزوں کا بہت عموم ہوگیا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ عام گانوں کے مقابلہ میں مذہبی اشعار کی قوالیاں اور زیادہ خطرناک ہیں؛ اس لئے کہ ان میں اللہ اور رسول کا نام میوزک کے ساتھ لیا جاتا ہے جو اللہ اور اس کے رسول کے احکامات کے ساتھ بھونڈے مذاق کا مظاہرہ کرنے کے مرادف ہے۔ یہ تو ایسا ہی ہے جیسے کوئی شخص نعوذ باللہ قرآنِ کریم اور احادیثِ طیبہ کو میوزک پر پڑھنے لگے، ظاہر ہے کہ کوئی بھی مسلمان اسے ہرگز برداشت نہیں کرسکتا۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ پوری امت کو اِن واہیات مشاغل سے محفوظ رکھیں اور حقیقی تقویٰ اور پاکیزگی سے سرفراز فرمائیں، آمین۔

چھبیسویں فصل:

تصویر کشی کی عام وبا

اس دور کا ایک ’’بدترین منکر‘‘ تصویر کشی (فوٹو گرافی) بھی ہے، جس نے آج پورے عالم کو اپنی لپیٹ میں لے رکھا ہے، اور اس کا عموم اس قدر ہے کہ اس گناہ کی برائی تک دل سے نکلتی جارہی ہے، حتیٰ کہ مقدس مقامات بھی اس منکر سے خالی نہیں رہے۔ چناں چہ جو حضرات حج وعمرہ کے لئے حرمین شریفین حاضر ہوتے ہیں، انہیں اچھی طرح معلوم ہے کہ آج بیت اللہ شریف کے عین سامنے مطاف میں مرد اور عورتیں بالکل اسی طرح تصویر کھینچتے اور کھنچواتے ہیں، جیسے ’’تاج محل‘‘ وغیرہ تفریحی مقامات پر فوٹو گرافی کی جاتی ہے؛ بلکہ یہاں تک دیکھا گیا کہ لوگ طواف کر رہے ہیں اور ہاتھ میں کیمرا یا آئی فون ہے، جس سے ویڈیو بنا رہے ہیں، اور جمعہ کا خطبہ ہو رہا ہے اور ہزاروں لوگ موبائل وغیرہ سے ویڈیو گرافی میں مشغول ہیں۔ یہی حال مدینہ منورہ میں روضۂ اقدس علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام پر عین مواجہہ شریف کے سامنے دیکھنے میں آتا ہے کہ بہت سے لوگ صلوٰۃ وسلام پیش کرنے کے بجائے اس دھن میں رہتے ہیں کہ کسی طرح اس جگہ پر ان کا فوٹو یا ویڈیو بن جائے، کتنی بڑی جسارت اور گستاخی کی بات ہے کہ جس نبی اکرم (علیہ الصلوٰۃ والسلام) نے تصویر کو حرام قرار دیا اور اس پر سخت ترین وعیدیں سنائیں، اسی کے مزار مقدس کے سامنے تصویریں لی جارہی ہیں۔ پہلے جب تصویریں صرف کیمرے سے لی جاتی تھیں، تو حکومت کی طرف سے مسجد میں کیمرے کے استعمال پر کچھ روک ٹوک بھی ہوتی تھی؛ لیکن جب سے کیمرے والے موبائل اور چھوٹے سائز کے ڈیجیٹل کیمرے عام ہوگئے ہیں، تو اب حرمین شریفین میں اس پر پابندی لگانا ممکن نہیں رہا۔

بہرحال جب حرمین شریفین کا یہ حال ہے تو دیگر جگہوں میں جو بے اعتدالیاں عام ہیں، ان کا اندازہ لگانا دشوار نہیں ہے، اس وقت پورا معاشرہ تصاویر کے جنون میں مبتلا ہے، اور اس کی اتنی کثرت ہوگئی ہے کہ تصویر سے نظر بچانا محال ہوگیا ہے، اور لوگ ایسے ذوق وشوق سے تصویر کھینچتے اور کھنچواتے ہیں، گویا یہ کوئی بڑا ثواب کا کام ہو۔ تصاویر کی البم بنا کر رکھی جاتی ہے، نیز موبائل اور کمپیوٹر میں انہیں محفوظ کیا جاتا ہے، خاص کر زندگی کے یادگار لمحات کو لے کر کیمرے میں قید کرنا فیشن بن گیا ہے۔ اور بالخصوص جو لوگ سیاست یا سماجی خدمت کے مشغلہ میں لگے ہیں، وہ تو اپنی تصویر کی اشاعت کو اپنے لئے نہایت فخر سمجھتے ہیں۔ کوئی MP یا MLA یا کسی ادنی سے ادنی ممبری کا امیدوار بن جائے، پھر دیکھئے شہر کے ہر چوراہے اور گلی کے نکڑوں پر تصویروں کے بڑے بڑے ہورڈنگ بنوا کر لگوائے جاتے ہیں، اور تیوہاروں کے موقعوں پر بڑی بڑی تصویروں کے ساتھ مبارک بادیاں چھاپی جاتی ہیں اور لاکھوں لاکھ روپئے اس پر صرف کئے جاتے ہیں، اور پھر لطف یہ ہے کہ اپنی تصویریں خود ہی لگوا کر یا اخبارات میں چھپوا کر دل ہی دل میں بہت خوش ہوتے ہیں، گویا بڑا عظیم کارنامہ انجام دے دیا، اور مسلمان ہونے کے باوجود یہ احساس نہیں ہوتا کہ اس طرح کے خلاف شریعت کام کر کے انہوں نے اللہ تعالیٰ کی کس قدر ناراضگی مول لے لی ہے؟ **اللّٰھم احفظنا منه**۔

اس لئے آج اس بات کی شدید ضرورت ہے کہ تصاویر کی برائی اور ان کے مفاسد سے عوام وخواص کو آگاہ کیا جائے؛ تاکہ جو لوگ اس میں مبتلا ہیں انہیں توبہ کی توفیق ہو یا کم از کم دل سے ندامت اور شرمندگی کا احساس ہو سکے۔

تصویر کی ممانعت کیوں؟

اولاً یہ جاننا چاہئے کہ شریعت اسلامیہ میں تصویر کو کیوں منع کیا گیا ہے؟ تو اس بارے میں احادیث شریفہ کا جائزہ لینے سے پانچ باتیں معلوم ہوتی ہیں:

(۱) اللہ تعالیٰ کی صفتِ تخلیق کی ہمسری کا دعویٰ:

یعنی جاندار کی تصویر بنا کر گویا کہ تصویر بنانے والا یہ دعویٰ کرتا ہے کہ میں بھی اللہ تعالیٰ کی

طرح مختلف اعضاء وجوارح رکھنے والا چلتا پھرتا بدن بنا سکتا ہوں۔ چناں چہ ایسے لوگوں کے بارے میں حدیث میں سخت ترین وعیدیں ارشاد ہوئیں، مثلاً:

(١) فِيْ رِوَايَةِ عَـائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ أَشَدُّ النَّاسِ عَذَاباً يَوْمَ الْقِيٰمَةِ الَّذِيْنَ يُبَاهُوْنَ بِخَلْقِ اللّٰهِ. (بخاری شریف ٢/٨٨٠)

ام المؤمنین حضرت عائشہؓ کی روایت میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ”قیامت کے دن سب سے زیادہ سخت عذاب ان لوگوں کو ہوگا جو اللہ کی صفتِ خلق کے ذریعہ فخر ومباہات کرتے ہیں“۔

(٢) فِيْ حَدِيْثِ بْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: مَنْ صَوَّرَ صُوْرَةً فِيْ الدُّنْيَا كُلِّفَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ أَنْ يَنْفَخَ فِيْهَا الرُّوْحَ وَلَيْسَ بِنَافِخٍ. (بخاری شریف ٢/٨٨١)

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: ”جو شخص دنیا میں کسی جاندار کی تصویر بنائے گا تو اسے قیامت کے دن اس بات پر مجبور کیا جائے گا کہ وہ اس میں جان ڈالے حالاں کہ وہ جان نہ ڈال پائے گا“۔

(٣) عَنْ نَافِعٍ أَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہ قَالَ: إِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: إِنَّ الَّذِيْنَ يَصْنَعُوْنَ هٰذِهِ الصُّوَرَ يُعَذَّبُوْنَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُقَالُ لَهُمْ أَحْيُوْا مَا خَلَقْتُمْ. (بخاری شریف ٢/٨٨٠)

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ پیغمبر علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ: ”جو لوگ یہ تصویریں بناتے ہیں انہیں قیامت کے دن عذاب دیا جائے گا اور کہا جائے گا کہ جو تم نے بنایا تھا اس میں جان ڈالو“۔

ظاہر ہے کہ یہ وعیدیں اس قدر سخت ہیں کہ ان کے تصور سے ہی رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں؛ لیکن اس دور میں ان کی طرف سے توجہ بالکل ہٹالی گئی ہے، چناں چہ بلا جھجک اس منکر میں ابتلاء عام ہے۔

(٢) غیر اللہ کی تعظیم میں غلو:

اسلام میں تصویر کی ممانعت کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ تصویر بنانے سے رفتہ رفتہ شرک کا

دروازہ کھل جاتا ہے۔ جیسا کہ قوم نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام میں ہوا کہ انہوں نے اپنے بزرگوں کی تصاویر یا ورمجسمے بنا لئے اور بعد میں انہی کی پوجا ہونے لگی۔ اس لئے شریعت نے تصویر ہی پر پابندی لگائی تا کہ بات آگے نہ بڑھے۔ چناں چہ ام المؤمنین حضرت ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے جب آپ کے سامنے حبشہ کے ایک گرجا گھر اور اس میں رکھی ہوئی تصاویر کا ذکر کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

أُولٰئِکَ قَوْمٌ كَانُوْا إِذَا مَاتَ فِيْهِمُ الرَّجُلُ الصَّالِحُ بَنَوْا عَلٰى قَبْرِهٖ مَسْجِدًا وَصَوَّرُوْا فِيْهِ تِلْکَ الصُّوَرَ أُولٰئِکَ شِرَارُ الْخَلْقِ عِنْدَ اللّٰهِ. (بخاری شریف: ٤٣٤)

یہ لوگ وہ ہیں کہ جب ان میں کوئی نیک شخص وفات پا جاتا تھا تو وہ اس کی قبر پر مسجد بنا کر اس میں یہ تصویریں لگا دیتے تھے۔ یہ لوگ اللہ کے نزدیک بدترین مخلوق ہیں۔

آج کے زمانہ میں خود ہمارے سامنے بھی یہ باتیں آرہی ہیں کہ لوگ اپنے سیاسی، مذہبی اور سماجی رہنماؤں کی تصویریں بڑے اعزاز کے ساتھ اپنے مکانوں، کمروں اور دوکانوں میں سجاتے ہیں اور رفتہ رفتہ انہیں معبود کا درجہ حاصل ہو جاتا ہے۔ جیسے نرنکاری بابا، سائی بابا اور امبیڈکر وغیرہ کی تصاویر جا بجا نظر آتی ہیں، ظاہر ہے کہ یہ تصویر کا بڑا مفسدہ ہے۔

(۳) تصاویر عبادات میں غفلت کا ذریعہ ہیں:

تصویر کی ممانعت کی ایک وجہ یہ ہے کہ اس کے دیکھنے سے عبادات کا خشوع جاتا رہتا ہے اور عبادات میں یکسوئی جو مطلوب ہے اس میں تصویریں خلل ڈالتی ہیں۔ بخاری شریف میں ایک روایت ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ایک تصویر دار پردہ اپنے گھر میں لٹکا رکھا تھا تو اسے دیکھ کر نبی اکرم انے ارشاد فرمایا:

أَمِيْطِيْ عَنِّيْ فَإِنَّهٗ لَايَزَالُ تَصَاوِيْرُهٗ تَعْرِضُ لِيْ فِيْ صَلَاتِيْ. (بخاری ۲/ ۸۸۱)

اس کو میرے سامنے سے ہٹا لو؛ کیوں کہ اس کی تصویریں برابر میری نماز میں خلل ڈالتی ہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ تصویروں کے دیکھنے سے آدمی کا ذہن بٹتا ہے اور اس کی یکسوئی باقی نہیں رہتی، اور آج اسے ثابت کرنے کے لئے کسی دلیل کی ضرورت نہیں، کیوں کہ اب ایسے ایسے ہیجان انگیز مناظر کی تصویریں بنائی جانے لگی ہیں جن کا اثر صرف دیکھنے کے وقت تک ہی محدود نہیں رہتا، بلکہ وہ مناظر ذہن میں اس طرح راسخ ہوجاتے ہیں کہ وہ بعد میں بھی عبادات میں خلل ڈالتے رہتے ہیں۔

(۴) تصاویر ملائکۂ رحمت کے داخلہ سے مانع ہیں:

شریعت اسلامی میں تصاویر کی ممانعت کی ایک اہم وجہ یہ بھی ہے کہ جس جگہ تصاویر اعزاز کے ساتھ رکھی اور لٹکائی جاتی ہیں وہاں رحمت کے فرشتے داخل نہیں ہوتے۔ ام المؤمنین سیدتنا حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ انہوں نے ایک تصویر دار غالیچہ خریدا تھا، جب اس پر نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر پڑی تو آپ دروازے ہی پر ٹھہر گئے اور اندر داخل نہیں ہوئے۔ حضرت عائشہؓ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے پر ناگواری کے آثار محسوس کر لئے اور عرض کیا کہ میں اللہ اور اس کے رسول سے معافی مانگتی ہوں مجھ سے کیا گناہ ہوگیا؟ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ غالیچہ کیا ہے؟ تو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ یہ میں نے اس لئے خریدا ہے؛ تاکہ آپ اس پر تشریف رکھیں اور اس کو تکیہ بنائیں، یہ سن کر نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

إِنَّ أَصْحَابَ هٰذِهِ الصُّوَرِ يُعَذَّبُوْنَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَيُقَالُ لَهُمْ أَحْيُوْا مَا خَلَقْتُمْ، وَقَالَ: إِنَّ الْبَيْتَ الَّذِيْ فِيْهِ الصُّوَرُ لَا تَدْخُلُهُ الْمَلٰئِكَةُ.

(بخاری شریف ۸۸۱/۲)

ان تصویر والوں کو قیامت کے دن عذاب دیا جائے گا اور ان سے کہا جائے گا کہ جن صورتوں کو تم نے بنایا ہے ان میں جان ڈالوں، اور یہ بھی فرمایا کہ: جس گھر میں تصویریں ہوتی ہیں اس میں فرشتے داخل نہیں ہوتے۔

ظاہر ہے کہ ایک مسلمان کے لئے یہ کس قدر محرومی کی بات ہے کہ اس کے گھر میں رحمت کے فرشتے داخل نہ ہوں، اس لئے سرے سے تصویر ہی کی ممانعت کی گئی تاکہ یہ سببِ شر ہی باقی نہ رہے۔

اس کے برخلاف آج مسلمانوں کا شاید ہی کوئی ایسا گھر ہو جو تصویروں سے خالی ہو، اکثر گھروں کا حال یہ ہے کہ وہاں باقاعدہ فریم لگا کر اعزاز کے ساتھ تصویریں لگائی جاتی ہیں، اور قطعاً یہ احساس نہیں ہوتا کہ اس عمل کی بنا پر ہمارا گھر رحمت کے فرشتوں سے محروم ہو رہا ہے۔ احقر کو یاد ہے کہ ایک مرتبہ عارف باللہ حضرت مولانا قاری سید صدیق احمد صاحب باندوی نور اللہ مرقدہٗ مرادآباد تشریف لائے، تو ایک خاندانی سرمایہ دار صاحب نے آپ کو اپنے گھر دعا کرنے کے لئے آنے کی دعوت دی، حضرت والاؒ جب ان کے گھر پہنچے تو جس ڈرائنگ روم میں حضرت کو بٹھایا گیا، وہاں چاروں طرف یادگار تصویریں فریموں میں لگی ہوئی تھیں، حضرت کو یہ دیکھ کر بہت ناگواری ہوئی، اور جب آپ سے دعا کی درخواست کی گئی تو بہت جلال میں فرمایا کہ: ’’کیا دعا کروں؟ آمین کہنے والے فرشتے تو باہر ہیں‘‘۔ حضرت کا اشارہ اس حدیث کی طرف تھا جس میں پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا کہ: ’’جہاں تصویریں ہوتی ہیں وہاں رحمت کے فرشتے داخل نہیں ہوتے‘‘۔ جیسا کہ اس کی تفصیل پہلے گذر چکی ہے، اس لئے ہر مسلمان کو چاہئے کہ وہ تصویریں سجانے کے واہیات کام سے خود بھی بچے اور اپنے متعلقین کو بھی بچانے کی فکر کرے۔

(۵) تصاویر فواحش کی اشاعت کا ذریعہ ہیں:

تصاویر کی حرمت کی ایک بڑی وجہ یہ ہے کہ ان کے ذریعہ تمام عالم میں کثرت کے ساتھ فواحش کا رواج ہو رہا ہے، ہیجان انگیز عریاں فلمیں عام ہو گئی ہیں، اور خلوتوں کے وہ مناظر جو میاں بیوی کے لئے بھی قابل شرم ہیں، انہیں ٹیلی ویژن اور انٹرنیٹ کے ذریعہ گھر گھر پہنچا دیا گیا ہے۔ اور ان باتوں کی وجہ سے معاشرہ میں جو تعفن پھیل رہا ہے وہ کسی بھی صاحب نظر سے مخفی نہیں ہے، یہ سب تصویر کشی کے ہی مفاسد ہیں۔

تصویر بنانے والوں کو سخت ترین عذاب ہوگا

حضرت سعید بن الحسنؒ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی خدمت میں آ کر عرض کیا کہ میں تصویریں بنانے کا کام کرتا ہوں، اس بارے میں آپ مجھے

شرعی حکم بتائیں؟ تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس سے فرمایا کہ: ”تم میرے قریب آؤ، جب وہ شخص آپ کے بالکل قریب ہوگیا تو حضرت نے اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر ارشاد فرمایا کہ میں تمہیں وہ بات سنانا چاہتا ہوں جو میں نے سرورِ عالم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے سن رکھی ہے، وہ یہ ہے کہ:

كُلُّ مُصَوِّرٍ فِي النَّارِ يَجْعَلُ لَهُ بِكُلِّ صُورَةٍ صَوَّرَهَا نَفْسًا فَيُعَذِّبُهُ فِي جَهَنَّمَ. (رواه البخاري: ٢٢٢٥، مسلم: ٢١١٠، الترغيب والترهيب مكمل: ٤٦٠٩)

ہر تصویر بنانے والا جہنم میں جائے گا، اور اس نے جتنی بھی تصویریں بنائی ہیں، ان میں اللہ تعالیٰ جان ڈال دیں گے، اور جہنم میں ہر تصویر اس کو عذاب دینے پر مسلط ہوگی۔

پھر حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے اس شخص سے فرمایا کہ تمہیں اگر تصویر بنانی ہی ہے تو غیر جاندار اشیاء درخت وغیرہ کی صورت بنایا کرو۔

کیمرے کا فوٹو بھی تصویر ہی کے حکم میں ہے

پہلے زمانہ میں تو برش وغیرہ سے پینٹنگ کے ذریعہ تصاویر بنائی جاتی تھیں؛ لیکن جب کیمرے کی ایجاد ہوئی اور عکسی تصاویر بننے کا سلسلہ شروع ہوا تو عرب کے بہت سے علماء (جن میں شیخ محمد بخیت مفتیٔ اعظم مصر کا نام خاص طور پر قابل ذکر ہے) نے کیمرے کی تصویر کو عکس قرار دے کر اسے ممنوع تصویر کے حکم سے خارج کردیا، لیکن دیگر معتبر اور محتاط علماء (جن میں شیخ محمد علی صابونی، شیخ مصطفیٰ الحمامی، شیخ ناصر الدین البانی اور شیخ محمد رمضان البوطی رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہ قابلِ ذکر ہیں) اور برصغیر کے اکثر علماء ومفتیان نے ہاتھ سے اور کیمرے سے بنائی ہوئی تصویر کی حرمت میں کوئی فرق نہیں کیا، اور دونوں طرح کی تصویروں کو ممنوع قرار دیا، اور آج کل بھی فتویٰ اسی پر ہے۔

(تکملہ فتح الملہم ۴/۱۶۲-۱۶۳، نیز دیکھئے: جواہر الفقہ جلد۳، رسالہ ”اسلام میں تصویر کا حکم“)

عالم اسلام کے مشہور عالم شیخ محمد علی صابونی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

إِنَّ التَّصْوِيرَ الشَّمْسِيِّ لاَ يُخْرَجُ

عکسی تصویر بھی تصاویر کے اقسام میں سے ایک

عَنْ كَوْنِهٖ نَوْعاً مِنْ أَنْوَاعِ التَّصْوِيْرِ فَمَا يَخْرُجُ بِالْاٰلَةِ يُسَمّٰى صُوْرَةً، وَالشَّخْصُ مُصَوِّراً فَهُوَ وَإِنْ كَانَ لَا يَشْمُلُهُ النَّصُّ الصَّرِيْحُ؛ لِأَنَّهٗ لَيْسَ تَصْوِيْراً بِالْيَدِ وَلَيْسَ فِيْهِ مُضَاهَاةٌ لِخَلْقِ اللّٰهِ إِلَّا أَنَّهٗ لَايَخْرُجُ عَنْ كَوْنِهٖ ضَرْباً مِنْ ضُرُوْبِ التَّصْوِيْرِ فَيَنْبَغِيْ أَنْ يَقْتَصِرَ فِي الْإِبَاحَةِ عَلٰى حَدِّ الضُّرُوْرَةِ.

(حكم الإسلام في التصوير ١٥، بحواله: فقهی مقالات ٤/١٢٨)

قسم ہونے سے خارج نہیں کی جاسکتی، اس لئے کہ جو تصویر کیمرے کے ذریعہ کھینچی جاتی ہے اسے بھی تصویر ہی کہتے ہیں، اور اس کے کھینچنے والے کو مصور کہا جاتا ہے، لہٰذا اگرچہ نص صریح اس نص کو شامل نہیں کیوں کہ یہ ہاتھ سے بنائی ہوئی تصویر نہیں ہے اور اس تصویر میں اللہ تعالی کے عمل پیدائش سے مشابہت اختیار کرنا بھی نہیں پایا جاتا، لیکن اس کو تصویر کی ایک قسم ہونے سے خارج نہیں کر سکتے، لہٰذا صرف ضرورت کی حد تک ہی اس کی اباحت کو محدود کرنا مناسب ہے۔

مذکورہ عبارت سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ موبائل اور ڈیجیٹل کیمروں کی تصویروں کا بھی بظاہر یہی حکم ہے۔

ضرورت کے وقت تصویر کھنچوانے کی اجازت محدود ہے

البتہ مختلف دلائل کو پیش نظر رکھ کر (جن کی تفصیل باعث طوالت ہے) علماء نے ایسی صورت میں تصویر کھنچوانے کی گنجائش دی ہے جہاں اس کے بغیر کام ہی نہ چل سکے، مثلاً: پاسپورٹ، ویزا، شناختی کارڈ یا داخلہ فارم وغیرہ کے لئے بقدر ضرورت فوٹو کھنچوانا۔ (جواہر الفقہ ۲۳۳/۳، فقہی مقالات ۱۳۱)

اسی طرح کی ضرورت آج کل ان پروگراموں میں بھی ہوتی ہے جو قومی وملی ضرورت کے تحت منعقد کئے جاتے ہیں، اور جن کا مقصد جمہوری ملک میں اپنی آواز اربابِ حکومت اور برادرانِ وطن تک پہنچانا یا باطل فرقوں اور جماعتوں کی جواب دہی ہوتا ہے، اب اگر اس طرح کے پروگرام

اوراس میں پیش کی گئی باتیں صرف اپنے جلسے تک محدود ہوں تو اس سے مطلوبہ مقاصد حاصل نہیں ہوسکتے۔ بریں بناان مقاصد کے حصول کے لئے ذرائع ابلاغ کا سہارا لینا ضروری ہوتا ہے؛ اس لئے بدرجہ مجبوری اور بادلِ ناخواستہ ایسے پروگراموں میں تصویر کشی اور فوٹوگرافی گوارا کرلی جاتی ہے۔

لیکن مذکورہ پروگراموں کو بنیاد بنا کر ہر چھوٹے بڑے جلسے اور خاص طور پر دینی واصلاحی اجلاسوں کی ویڈیوگرافی جو عام ہوگئی ہے، اس کی شرعاً اجازت نہیں دی جاسکتی۔ اسی طرح شادی بیاہ اور دیگر تقریبات میں جو بلا روک ٹوک فوٹوگرافی کا رواج چل پڑا ہے، اس پر علماء کو ضرور نکیر کرنی چاہئے، اور اس کے مفاسد سے عوام وخواص کو آگاہ کرنا چاہئے؛ تاکہ کم ازکم برائی کرنے والوں کے دل میں احساسِ ندامت تو پیدا ہو، اور وہ برائی کو برائی سمجھیں، اور آئندہ یہی احساس انہیں کبھی نہ کبھی اس برائی سے بچانے کا سبب بن جائے۔

چند ضروری گذارشات

مندرجہ بالا معروضات کی روشنی میں ذیل میں چند گذارشات پیش کی جاتی ہیں، امید ہے کہ قارئین ان پر توجہ فرمائیں گے:

الف:- بلاضرورت فوٹو کھینچنے اور کھنچوانے سے مکمل پرہیز کیا جائے۔

ب:- اگر کسی ایسی جگہ پہنچیں جہاں بلاضرورت تصویر کشی ہورہی ہو تو موقع ہو تو اس پر نکیر کریں، ورنہ کم ازکم دل سے اسے برا سمجھتے رہیں۔

ج:- اپنے گھروں اور کمروں میں کسی بھی طرح کی تصاویر نہ لگائیں اور نہ سجائیں۔

د:- اگر کسی چیز (کتاب، میگزین، اخبارات ورسائل یا استعمالی اشیاء کے پیکٹ) پر کوئی تصویر نمایاں ہو تو اسے چھپا کر رکھیں، خاص کر اگر وہ تصویر فواحش پر مبنی ہو تو ہرگز اسے کھلا نہ چھوڑیں۔

ہ:- تصویر والا لباس نہ تو خود پہنیں نہ اپنے بچوں کو پہنائیں۔

و:- شروع ہی سے بچوں کا ذہن ایسا بنائیں کہ انہیں تصویروں سے دلچسپی نہ ہو، بالخصوص

کمپیوٹر اور لیپ ٹاپ پر ''باتصویر گیم'' سے انہیں بچانے کی فکر کریں۔

ذ:- مسلم اسکولوں میں باتصویر پینٹنگ سے حتی الامکان بچنے کی کوشش کی جائے، اور اس کے بجائے اگر ضرورت ہو تو صرف غیر جاندار اشیاء کی پینٹنگ کرائی جائے۔

الغرض ہر سطح پر تصویر کشی سے معاشرہ کو بچانے کا ذہن بنایا جائے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو دیگر منکرات کے ساتھ ساتھ تصویر کشی سے بھی بچنے کی توفیق مرحمت فرمائیں، آمین۔

ستائیسویں فصل:

شراب اور منشیات کی تباہ کاریاں

اس دور میں جو گناہ بکثرت پھیل رہے ہیں ان میں شراب نوشی اور منشیات سرفہرست ہیں، اسلام دینِ فطرت ہے، اور بلا شبہ اسلامی تعلیمات ہی انسانیت کی بقا کی واحد ضمانت ہیں، اسی لئے اسلام میں نشہ کو ''اُم الخبائث'' (سب برائیوں کی جڑ) قرار دیا گیا ہے، اور یہ ایسی حقیقت ہے جس کو ثابت کرنے کے لئے کسی دلیل کی ضرورت نہیں ہے؛ کیوں کہ ہر عقل مند شخص یہ جانتا ہے کہ انسان کی انسانیت کا مدار اس کی عقل وفراست پر ہے، یہی عقل؛ انسان کو دیگر جانداروں سے ممتاز کرتی ہے، اسی عقل سے آدمی اچھے اور برے میں تمیز کرتا ہے اور نفع وضرر کا احساس کرکے نفع بخش چیزوں کو اختیار کرتا ہے، اور نقصان دہ چیزوں سے اپنے کو بچاتا ہے؛ بلکہ اگر غور کیا جائے تو پتہ چلے گا کہ انسان کی ساری سرگرمیاں اس کی عقل کے اِردگرد ہی گھومتی ہیں، اور اگر یہ کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا کہ: ''اگر عقل ہے تو انسان ہے اور عقل نہیں تو انسان جانوروں سے بدتر ہے''۔ پس جو چیز عقل انسانی کو ضائع کردے اس سے زیادہ بری چیز انسان کے لئے اور کیا ہوسکتی ہے؟ اور یہ بات بالکل واضح ہے کہ نشہ کرنے سے عقل انسانی ماؤف ہوجاتی ہے، اور آدمی اچھے اور برے کے درمیان تمیز کرنے کی صلاحیت سے محروم ہوجاتا ہے، حتیٰ کہ پانی اور پیشاب میں فرق نہیں کرسکتا، اسی طرح بیوی اور بہن میں امتیاز نہیں کرپاتا اور بسا اوقات گھر اور سڑک کے درمیان بھی فرق نہیں کرپاتا، چناں چہ کتنے ہی نشہ باز سڑک کے کنارے فٹ پاتھوں پر ذلیل جانوروں کی طرح پڑے نظر آتے ہیں۔ انسانیت کی اس تذلیل کو اسلام کبھی برداشت نہیں کرسکتا، اور نہ صرف اسلام؛ بلکہ کوئی بھی انصاف پسند انسان اس بے ہودگی کی کبھی تائید نہیں کرسکتا۔

عرب کے ایک بڑے سردار ''عباس بن مرداس اسلمی'' جو (جو فتح مکہ کے موقع پر اپنی قوم کے سات سو افراد کے ساتھ اسلام سے مشرف ہوئے، اور غزوۂ حنین میں بھی شریک رہے۔ (الاصابہ ۵۱۳/۳)) اپنی دانش مندی کی وجہ سے زمانۂ جاہلیت میں بھی شراب اور نشہ سے پرہیز کرتے تھے، ان سے پوچھا گیا کہ: ''آخر آپ شراب کیوں نہیں پیتے؟ اس سے تو آپ کی جسمانی حرارت میں اضافہ ہی ہوگا''۔ تو انہوں نے جواب دیا کہ: ''میں یہ نہیں کرسکتا کہ اپنے ہی ہاتھ سے اپنی تباہی اور جہالت والی چیز اپنے منہ میں داخل کروں، اور میں اس پر ہرگز راضی نہیں ہوں کہ صبح تو اس حالت میں کروں کہ لوگ مجھے قوم کا سردار کہیں، اور شام کو لوگ مجھے بے وقوف قرار دیں''۔ (یعنی یہ مجھے منظور نہیں کہ صبح جب میں لوگوں کے درمیان فیصلہ کرنے بیٹھوں تو سردار کہلاؤں اور شام کو جب شراب پی کر بے ہودہ حرکتیں کروں تو مجھے بے وقوف کہا جائے، اس لئے میں ایسا کام کرتا ہی نہیں) (جامع المہلکات ۱۷۲)

اسی طرح قیس بن عامر منتصری عرب کے ایک سردار تھے، جو شراب کے بڑے شوقین تھے، پھر بعد میں انہوں نے شرمندہ ہوکر شراب اپنے اوپر حرام کرلی تھی، اور اس کا سبب یہ ہوا کہ ایک مرتبہ شراب کی مدہوشی میں خود اپنی سگی بیٹی کے ساتھ چھیڑ خوانی کی، اور اپنے والدین کو گالی دی، اور شراب پلانے والے کی زبانی چاند کی تعریف سن کر نشہ کی حالت ہی میں اس پر بہت سا سامان لٹا بیٹھے، جب ہوش آیا تو مذکورہ باتیں معلوم ہوکر سخت ندامت ہوئی اور جیتے جی شراب نہ پینے کا عہد کرلیا، اور یہ اشعار کہے:

رَأَيْتُ الْخَمْرَ صَالِحَةً وَفِيْهَا ❖ خِصَالٌ تُفْسِدُ الرَّجُلَ الْحَلِيْمَا

فَلاَ وَاللّٰهِ أَشْرَبُهَا صَحِيْحًا ❖ وَلاَ أَشْفِيْ بِهَا أَبَدًا سَقِيْمًا

وَلاَ أُعْطِيْ بِهَا ثَمَنًا حَيَاتِيْ ❖ وَلاَ أَدْعُوْ لَهَا أَبَدًا نَدِيْمًا

فَإِنَّ الْخَمْرَ تُفْضِحُ شَارِبِيْهَا ❖ وَتَجْنِيْهِمْ بِهَا الْأَمْرَ الْعَظِيْمَا

ترجمہ: - (۱) میں نے شراب میں کچھ اچھی بات دیکھی؛ لیکن اس میں کچھ ایسی تاثیر ہے جو عقل مند اور بردبار شخص تک کو برباد کردیتی ہے۔

(۲) لہٰذا اب اللہ کی قسم نہ تو میں اسے کبھی تندرستی کے زمانہ میں پیوں گا اور نہ کبھی بیماری کے زمانہ میں اس سے شفا حاصل کروں گا۔

(۳) اور نہ زندگی بھر کبھی اسے خریدوں گا اور نہ کبھی اس کے لئے مجلس جماؤں گا۔

(۴) اس لئے کہ شراب اپنے پینے والوں کو رسوا کر کے چھوڑتی ہے، اور شراب کی بدولت شرابیوں کو کسی بڑی مصیبت سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔

لیکن افسوس ہے کہ آج انسانیت کی ٹھیکے دار کہی جانے والی قومیں شراب اور منشیات کو عام کر کے انسانیت کو تار تار کر رہی ہیں۔ آج کے جدید معاشرہ میں شراب پینا عیب نہیں رہا؛ بلکہ فیشن بن گیا ہے، جا بجا شراب کے اڈے قائم ہیں، ہوٹلوں میں شرابیں بآسانی دستیاب ہیں، حتیٰ کہ چائے کی دوکانوں اور اسٹوروں پر شراب کی خرید وفروخت کی قانوناً اجازت دے دی گئی ہے، اور مزید افسوس اور خطرہ کی بات یہ ہے کہ دیگر قوموں کی دیکھا دیکھی مسلمانوں میں بھی منشیات کا رجحان روز افزوں ہے، اور اس میں خاص طور پر فلمیں بڑا کردار ادا کر رہی ہیں؛ کیوں کہ کوئی بھی فلم آج ایسی نہیں ہے جو شراب خانوں کے مناظر سے خالی ہو، گویا کہ یہ فلمیں نہ صرف یہ کہ فحاشی اور عریانیت پھیلانے میں مصروف ہیں؛ بلکہ پوری قوم کو نشہ باز اور منشیات کی لت میں مبتلا کرنے کا سبب بھی بن رہی ہے، **اللّٰھم احفظنا منه**۔

زمانۂ جاہلیت میں شراب کا عموم

جس طرح آج جدید جاہلیت میں شراب پانی کی طرح پی جاتی ہے اسی طرح اسلام کی آمد سے قبل زمانۂ جاہلیت میں بھی عرب کے معاشرہ میں شراب کا بے محابا استعمال کیا جاتا تھا، کوئی مجلس شراب سے خالی نہ رہتی تھی۔ شراب کی توصیف اور اس کی خوبیاں بیان کرنے میں قصیدے کہے جاتے تھے؛ گویا کہ شراب پوری قوم کی گھٹی میں پڑی ہوئی تھی، ایسے ماحول میں شراب کی عادت قوم سے چھڑانا آسان نہ تھا، چناں چہ اس بارے میں ربِّ علیم وحکیم نے تدریج کا راستہ اختیار فرمایا:

الف:- پہلے مرحلہ میں شراب کے متعلق صحابہؓ کے سوال کرنے پر یہ جواب دیا گیا کہ:

’’اس میں اگر چہ لوگوں کے لئے کچھ نفع ہوسکتا ہے؛ لیکن گناہ اور نقصان کا پہلو غالب ہے‘‘۔

چناں چہ ارشادِ خداوندی ہوا:

یَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَیْسِرِ، قُلْ فِیْهِمَا اِثْمٌ کَبِیْرٌ وَمَنَافِعُ لِلنَّاسِ، وَاِثْمُهُمَا اَکْبَرُ مِنْ نَفْعِهِمَا. (البقرة، جزء آیت: ۱۸۵)

آپ سے شراب اور جوے کے بارے میں پوچھتے ہیں، آپ فرمادیجئے کہ ان دونوں کاموں میں بڑا گناہ ہے اور لوگوں کے لئے کچھ فائدے (بھی) ہیں اور ان کا گناہ ان کے لئے نفع سے بڑھا ہوا ہے۔

اس آیت کے نازل ہوتے ہی بہت سے صحابہ نے یہ سوچ کر شراب چھوڑ دی کہ خواہ مخواہ گناہ کا کام کیا ہی کیوں جائے؟

ب :- اس کے بعد ایک مرتبہ یہ واقعہ پیش آیا کہ بعض صحابہ شراب نوشی کی مجلس میں شریک تھے، اسی درمیان نماز کا وقت آ گیا تو نشہ ہی کی حالت میں نماز شروع کردی جس میں آیتیں اُلٹ پلٹ ہوگئیں، تو اس پر یہ حکم نازل ہوا کہ: ’’نشہ کی حالت میں نماز کے قریب بھی مت جاؤ‘‘۔ ارشاد خداوندی ہے:

یٰٓأَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوْا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُکٰرٰی حَتّٰی تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ. (النساء، جزء آیت: ۴۳)

اے ایمان والو! نشہ کے عالم میں نماز کے قریب مت جاؤ؛ تا آں کہ تم جو کہہ رہے ہو اسے جان لو (یعنی ہوش میں آ جاؤ)

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نماز کے بے حد شوقین تھے، جب انہوں نے دیکھا کہ شراب کے نشہ کی وجہ سے نماز جیسی اہم عبادت پر اثر پڑ رہا ہے، تو بہت سے صحابہ رضی اللہ عنہم نے اسی بنیاد پر شراب چھوڑ دی۔

شراب کی حرمت کا اعلان اور صحابہ رضی اللہ عنہم کی بے مثال فرماں برداری

ج :- پھر بعض ایسے واقعات پیش آئے کہ نشہ کی وجہ سے لڑائیاں رونما ہوئیں، مثلاً سیدنا

حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نشہ کی حالت میں سیدنا حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی دو اونٹنیاں کاٹ ڈالیں۔ اسی طرح ایک مجلس میں نشہ کی وجہ سے انصار ومہاجرین میں لڑائی ہوئی، اور مار پیٹ میں سرزخمی ہوگئے، جس کی وجہ سے بڑا انتشار برپا ہوا، اور لوگوں کو اچھی طرح یہ بات سمجھ میں آ گئی کہ نشہ کرنا دینی ودنیوی ہر اعتبار سے سخت نقصان دہ ہے، جس کے ذریعہ سے شیطان انسان پر مسلط ہونا چاہتا ہے، اور خواہ مخواہ سر پھٹول کی نوبت آ جاتی ہے۔ چناں چہ اب واضح طور پر شراب اور نشہ کی حرمت کا اعلان کردیا گیا، اور اس سلسلہ میں درج ذیل آیات نازل ہوئیں:

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَیْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّیْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ. اِنَّمَا یُرِیْدُ الشَّیْطٰنُ اَنْ یُّوْقِعَ بَیْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ فِی الْخَمْرِ وَالْمَیْسِرِ وَیَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَعَنِ الصَّلٰوةِ	اے ایمان والو! یہ شراب، جوا اور بت اور (سٹہ کے) تیر یہ سب شیطان کے گندے کام ہیں، تم ان سے بچتے رہو؛ تاکہ نجات پاؤ، شیطان تو یہی چاہتا ہے کہ تمہارے درمیان شراب اور جوئے کے ذریعہ دشمنی اور بغض ڈال دے اور تم کو اللہ کی یاد سے اور نماز سے روک دے، سو اب بھی تم باز آ ؤگے۔

فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ. (المائدۃ: ۹۰-۹۱)

صحابہ کا ذہن تو پہلے ہی بن چکا تھا، اس آیت کے نازل ہوتے ہی فوری طور پر تعمیل شروع ہوگئی۔ اور جس شخص تک یہ حکم پہنچا اس نے شراب کو نہ صرف قطعی طور پر چھوڑ دیا؛ بلکہ شراب کے مٹکے پھوڑ ڈالے، اور مشکیزوں کے منہ کھول دئے، چناں چہ مدینہ منورہ کی گلی کوچوں اور نالیوں میں شراب بہہ پڑی۔ (مستفاد: تفسیر قرطبی ۳/۲۱۵، الجامع المہلکات ۲۵۶)

جیسا کہ صحابی رسول سیدنا حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس طرح کی ایک مجلس کا نقشہ کھینچتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

كُنْتُ سَاقِيَ الْقَوْمِ فِيْ مَنْزِلِ أَبِيْ	میں حضرت ابوطلحہؓ کے گھر میں شراب پلا رہا تھا

طَلْحَةَ وَكَانَ خَمْرُهُمْ يَوْمَئِذٍ الْفَضِيْخَ، فَأَمَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُنَادِياً يُنَادِيْ: "أَلاَ إِنَّ الْخَمْرَ قَدْ حُرِّمَتْ" قَالَ: فَقَالَ لِيْ أَبُوْطَلْحَةَ: أُخْرُجْ فَأَهْرِقْهَا فَخَرَجْتُ فَهَرَقْتُهَا فَجَرَتْ فِيْ سِكَكِ الْمَدِيْنَةِ الخ. (بخاري شريف ٤/٢ ٦٦ رقم الحديث: ٤٦٢٠، ومثله في مسلم ١٦٢/٢ حديث: ٥٠٩٢)

اور ان کی شراب اس وقت ''فضیخ'' تھی (جو کھجور سے بنائی جاتی تھی) پس نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک اعلان کرنے والے کو حکم دیا کہ وہ اعلان کردے کہ ''لوگ خبردار ہوجائیں، شراب حرام کردی گئی ہے'' حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ یہ اعلان سن کر حضرت ابوطلحہؓ نے فرمایا کہ جاؤ! اس شراب کو باہر لے جاکر بہادو، چناں چہ میں نے باہر نکل کر وہ شراب بہادی، پس مدینہ کی گلی کوچوں میں شراب بہہ پڑی۔

اس واقعہ سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی سلامت روی اور اطاعتِ خدا ورسول میں سبقت کا بآسانی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

شراب؛ سب برائیوں کی جڑ ہے

اس میں کوئی شک نہیں کہ شراب ''ام الخبائث'' یعنی سب گناہوں کی جڑ ہے؛ کیوں کہ عقل ٹھکانے ہوگی تبھی تو آدمی برائی سے بچے گا اور جب عقل ہی جاتی رہے اور آدمی نشہ میں مدہوش ہوجائے تو پھر اس سے کوئی بھی گناہ کرایا جاسکتا ہے۔ اس کی وضاحت کرتے ہوئے امیر المؤمنین سیدنا حضرت عثمانِ غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ارشاد فرمایا:

اِجْتَنِبُوْا الْخَمْرَ فَإِنَّهَا أُمُّ الْخَبَائِثِ إِنَّهُ كَانَ رَجُلٌ مِمَّنْ خَلَا قَبْلَكُمْ تَعَبَّدَ فَعَلِقَتْهُ اِمْرَأَةٌ غَوِيَّةٌ فَأَرْسَلَتْ إِلَيْهِ جَارِيَتَهَا فَقَالَتْ لَهُ: إِنَّا نَدْعُوْكَ لِلشَّهَادَةِ فَانْطَلَقَ مَعَ

شراب سے بچتے رہو؛ کیوں کہ وہ ''ام الخبائث'' ہے، تم سے پہلے زمانہ میں ایک عبادت گذار شخص تھا، تو ایک فاحشہ عورت اس پر فریفتہ ہوگئی، تو اس نے آدمی کے پاس اپنی باندی کو بھیجا کہ ہم تمہیں کسی معاملہ میں گواہ بنانے کے لئے بلاتے ہیں،

جَارِيَتِهَا فَطَفِقَتْ كُلَّمَا دَخَلَ بَابًا أَغْلَقَتْهُ دُوْنَهُ حَتّٰى أَفْضٰى إِلٰى امْرَأَةٍ وَضِيْئَةٍ عِنْدَهَا غُلَامٌ وَبَاطِيَةُ خَمْرٍ، فَقَالَتْ: إِنِّيْ وَاللّٰهِ مَا دَعَوْتُكَ لِلشَّهَادَةِ وَلٰكِنْ دَعَوْتُكَ لِتَقَعَ عَلَيَّ أَوْ تَشْرَبَ مِنْ هٰذِهِ الْخَمْرِ كَأْسًا أَوْ تَقْتُلَ هٰذَا الْغُلَامَ، قَالَ: فَاسْقِيْنِيْ مِنْ هٰذِهِ الْخَمْرِ كَأْسًا، فَسَقَتْهُ كَأْسًا، قَالَ: زِيْدُوْنِيْ فَلَمْ يَرِمْ حَتّٰى وَقَعَ عَلَيْهَا وَقَتَلَ النَّفْسَ فَاجْتَنِبُوْا الْخَمْرَ، فَإِنَّهَا وَاللّٰهِ لَا يَجْتَمِعُ الْإِيْمَانُ وَإِدْمَانُ الْخَمْرِ إِلَّا لَيُوْشِكُ أَنْ يُخْرِجَ أَحَدُهُمَا صَاحِبَهُ. (نسائی شریف ۲/ ۳۳۰، حدیث: ۵٦۷۷)

چناں چہ وہ شخص باندی کے ساتھ چل دیا، پس جب وہ مکان پر پہنچا تو وہ جس دروازے سے داخل ہوتا رہا باندی وہ دروازہ بند کرتی رہی؛ تا آں کہ وہ ایک خوبصورت عورت کے سامنے پہنچ گیا جس کے پاس ایک نوعمر بچہ اور ایک شراب کی مٹکی تھی، تو وہ عورت بولی کہ اللہ کی قسم میں نے تجھے گواہی کے لئے نہیں بلایا؛ بلکہ تجھے بدکاری کے لئے بلایا ہے، نہیں تو اس شراب کا ایک جام پی لیا، اس بچہ کو قتل کر (یعنی تین میں سے ایک کام ضرور کرنا پڑے گا) تو اس نے (ہلکا سمجھتے ہوئے) کہا کہ بس شراب کا ایک جام پلا دو، چنانچہ جب اس نے ایک جام پلایا، تو کہنے لگا اور پلاؤ، اور برابر پیتا رہا، اور اسی حالت میں اس نے اس عورت سے زنا بھی کرلیا اور بچہ کو قتل کرنے کا بھی ارتکاب کربیٹھا، پھر حضرت نے فرمایا: ''لہٰذا شراب سے بچو؛ کیوں کہ قسم بخدا! کہیں بھی ایمان اور شراب کی عادت جب بھی جمع ہوتے ہیں تو ان میں سے ایک دوسرے کو جلد ہی نکال کر چھوڑتا ہے''۔

یعنی یا تو شراب کی عات نعوذ باللہ ایمان سے محرومی کا سبب بن جائے گی یا اگر توبہ کرلی تو ایمان اس شراب کی لعنت سے بچانے کا ذریعہ بن جائے گا۔

شراب کے دینی وسماجی نقصانات

الغرض شراب کے نقصانات ناقابلِ بیان ہیں، قرآنِ کریم میں خاص طور پر تین نقصانات

کا ذکر کیا گیا ہے:

(۱) شراب کے نشہ میں آدمی عموماً مدہوش ہوکر لڑائی جھگڑا کرتا ہے، جس کی وجہ سے آپس میں بغض وعناد کے جذبات رونما ہوتے ہیں، اور خاندانوں تک فتنہ وفساد برپا ہوجاتا ہے، چناں چہ آج کتنے ہی طلاق کے واقعات شراب نوشی کی وجہ سے ہی پیش آتے ہیں۔

(۲) نشہ کی وجہ سے آدمی خدا کی یاد سے غافل ہوجاتا ہے، اور اپنی زندگی کے قیمتی لمحات مدہوشی میں گذار دیتا ہے۔

(۳) خاص طور پر نماز جیسی اہم ترین عبادت سے غفلت ہوتی ہے۔

یہ تینوں مفاسد انتہائی خطرناک ہیں، جن کی وجہ سے آدمی کی معاشرت تباہ ہوجاتی ہے، خاص کر گھریلو نظام اور ازدواجی زندگی پر اس کے نہایت منفی اثرات ظاہر ہوتے ہیں، اور آدمی کی فکر اور سوچ نہایت غلیظ اور بے کار ہوجاتی ہے۔

شراب جسم انسانی کے لئے سمّ قاتل ہے

طبی اور سائنسی اعتبار سے بھی شراب انسانی جسم کے لئے سخت نقصان دہ ہے، جدید تحقیقات سے بھی یہ بات ثابت ہے کہ شراب کے اندر ہر چیز کو گلانے اور پگھلانے کی صلاحیت ہوتی ہے، یہ جسم کے اندر پہنچ کر ضروری رطوبات کو تحلیل کر دیتی ہے، جس سے جسم انسانی مجموعۂ امراض بن جاتا ہے، اور خاص طور پر درج ذیل جان لیوا اور تکلیف دہ بیماریاں رونما ہوجاتی ہیں:

(۱) نشہ کی وجہ سے قوتِ یادداشت بہت زیادہ متأثر ہوتی ہے۔

(۲) نشہ باز کو سر کے درد کی شکایت بھی اکثر ہوجاتی ہے۔

(۳) نشہ کی وجہ سے اکثر رگیں اور پٹھے ڈھیلے پڑ جاتے ہیں، اور رعشہ کی بیماری میں آدمی مبتلا ہوجاتا ہے۔

(۴) شراب کا اثر انسانی جگر پر سب سے زیادہ پڑتا ہے، اور اس کی وجہ سے جگر سکڑنے لگتا ہے جس کا نتیجہ موت کے سوا کچھ نہیں نکلتا۔

(۵) شراب کے عادی لوگوں کے دانت بہت جلدی خراب ہوجاتے ہیں۔

(۶) شراب کثرت سے پینے سے اکثر گلے میں کینسر کا مرض پیدا ہوتا ہے۔

(۷) شراب کی وجہ سے نظامِ ہضم ناکام ہوجاتا ہے، اور شرابی شخص عموماً بدہضمی اور گیس کے مرض میں مبتلا ہوجاتا ہے۔

(۸) شراب دورانِ خون کے نظام کو بھی متأثر کرتی ہے، جس کی وجہ سے خون کی نسیں سخت ہوجاتی ہیں، اور اکثر ''بلڈ پریشر'' کا عارضہ لاحق ہوجاتا ہے۔

(۹) اکثر دل کے امراض کا سبب شراب ہی بنتی ہے، اور عموماً شرابی شخص حرکت قلب بند ہونے سے وفات پاتا ہے۔

(۱۰) شراب کی کثرت انسانی گردے کے فعل کو بھی تباہ وبرباد کردیتی ہے۔

(۱۱) اور شراب کے اثرات صرف شرابی تک ہی محدود نہیں رہتے؛ بلکہ اس کی نسلوں پر بھی یہ منفی اثرات ظاہر ہوکر رہتے ہیں، چناں چہ دیکھا گیا ہے کہ شراب پینے والی عورتوں کے بچے اکثر دماغی امراض کا شکار ہوتے ہیں۔ (مزید تفصیل کے لئے دیکھیں: سنت نبوی اور جدید سائنس ۲۴۶-۲۶۴)

شراب نوشی ایمان کے منافی ہے

اسلام کی نظر میں شراب نوشی اور نشہ بازی ایمان کے سخت منافی ہے، حتیٰ کہ نشہ کی حالت میں نشہ باز شخص نورِ ایمانی سے محروم قرار پاتا ہے، چناں چہ نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا:

لَا يَزْنِي الزَّانِي حِيْنَ يَزْنِي وَهُوَ مُؤْمِنٌ، وَلَا يَشْرَبُ الْخَمْرَ حِيْنَ يَشْرَبُهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ، وَلَا يَسْرِقُ السَّارِقُ حِيْنَ يَسْرِقُ وَهُوَ مُؤْمِنٌ.

(البخاری ۸۳۶/۲ رقم: ۵۵۷۸، مسلم ۵۵/۱ رقم: ۵۷، جامع المهلكات ۲۶٤، نسائی ۲۸۱/۲)

زناکار زنا کرتے وقت مؤمن نہیں رہتا، شرابی شخص شراب پیتے وقت مؤمن نہیں رہتا، چوری کرنے والا چوری کرتے وقت ایمان سے محروم رہتا ہے۔

اس حدیث شریف میں مذکورہ بالا افعال کرنے والوں کو جو ایمان سے محروم کہا گیا ہے، اس کے معنی بیان کرتے ہوئے شارحین حدیث نے مختلف باتیں ارشاد فرمائی ہیں، جن کا خلاصہ درج ذیل ہے:

(۱) جو شخص حلال سمجھ کر زنا کرے یا شراب پئے وغیرہ، تو وہ حقیقۃً ایمان سے محروم ہو جاتا ہے۔

(۲) اور اگر مذکورہ بالا افعال کو حرام سمجھتے ہوئے اُن جرائم کا ارتکاب کرے تو کمالِ ایمان سے محروم سمجھا جائے گا۔

(۳) مذکورہ افعال کی وجہ سے دل میں موجود نورِ ایمانی نکل جاتا ہے، یعنی وہ بصیرت جو انسان کو اطاعتِ خداوندی پر آمادہ کرتی ہے، وہ ختم ہو جاتی ہے اور اس کی جگہ تاریکی پھیل جاتی ہے، جس کی وجہ سے اطاعت کی طرف طبعیت راغب نہیں ہوتی۔

(۴) اور شراب پینے والے کی پہچان مؤمن کے لفظ کے بجائے شرابی کے لفظ سے ہونے لگتی ہے، اور مؤمن والا مبارک لقب اس سے ہٹا لیا جاتا ہے۔

(۵) یہ افعال اگرچہ فی الحال ایمان سے خارج نہ کریں؛ لیکن ان کی عادت انجام کار ایمان سے محرومی کا سبب بن جاتی ہے۔ (مستفاد: شرح النووی علی مسلم ۱/۵۵، فتح الملہم ۱/۲۳۱)

شراب اور منشیات کی اشاعت میں کسی طرح بھی حصہ لینا قابلِ لعنت عمل ہے

اسلام نے صرف شراب پینے ہی کو حرام نہیں کہا؛ بلکہ اس کے پھیلانے میں جو لوگ بھی کسی طرح حصہ لیں، ان سب کے بارے میں لعنت فرمائی ہے، چناں چہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ میں نے نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ:

’’میرے پاس حضرت جبرئیل علیہ السلام تشریف لائے، اور یہ فرمایا:

يَا مُحَمَّدُ! إِنَّ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ لَعَنَ الْخَمْرَ وَعَاصِرَهَا وَمُعْتَصِرَهَا وَشَارِبَهَا وَحَامِلَهَا وَالْمَحْمُوْلَةَ	اے محمد! بے شک اللہ تعالیٰ نے شراب پر، اس کے بنانے والے پر، اس کو بنوانے والے پر اور اس کے پینے والے، اور اسے اٹھانے والے اور

إِلَيْـهِ وَبَـائِعَهَـا وَمُبْتَاعَهَا وَسَاقِيَهَا وَمُسْتَقِيَهَا. (رواه أحمد: ۲۸۹۷)

جس کے پاس اسے اٹھا کر لے جایا گیا ہو اور اس کے بیچنے والے پر، اور اس کے خریدار پر اور اس کے پلانے والے اور پینے والے پر لعنت اور پھٹکار فرمائی ہے۔

اسلام برائی کو مٹانے میں صرف نعرے بازی اور ظاہری شور شرابے پر بھروسہ نہیں رکھتا؛ بلکہ وہ برائی کو جڑ سے مٹانے پر یقین رکھتا ہے، چناں چہ شراب اور منشیات کے بارے میں بھی اس کا یہی کردار روشن ہے کہ اسلام کی نظر میں شراب کشید کرنا یا شراب کی فیکٹریاں بنانا یا اس کی خرید وفروخت کرنا سب ممنوع اور قابل تعزیر جرم ہے۔ اسلام اس منافقت کو کبھی برداشت نہیں کرسکتا کہ ایک طرف باقاعدہ شراب بنانے اور فروخت کرنے کے لائسنس دئے جائیں اور دوسری طرف شراب کی بوتلوں پر اس کے نقصان دہ ہونے کی تنبیہ لکھ دی جائے، یا اخبارات میں اس کے خلاف اشتہارات چھاپ دئے جائیں، اس طریقہ سے کبھی شراب کا رواج ختم نہیں ہوسکتا؛ بلکہ یہ کھلا ہوا مذاق ہے جس کی جس قدر بھی مذمت کی جائے کم ہے۔

جس دسترخوان پر شراب پلائی جارہی ہو وہاں بیٹھنا حرام ہے

اسلام کی نظر میں شراب کتنی قابل نفرت چیز ہے، اس کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایسے دسترخوان پر بھی بیٹھنے سے منع فرمایا ہے جہاں شراب کا دور چل رہا ہو۔ چناں چہ امیر المؤمنین سیدنا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ارشاد فرماتے ہیں:

يَـاأَيُّهَـا النَّاسُ! إِنِّيْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ: مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الآخِرِ فَلاَ يَقْعُدَنَّ عَلٰى مَائِدَةٍ يُدَارُ عَلَيْهَا الْخَمْرُ. (مسند أحمد ۱۲۵/۱)

اے لوگو! میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ جو شخص اللہ تعالیٰ اور آخرت پر ایمان رکھتا ہو اس پر لازم ہے کہ وہ ایسے دسترخوان پر نہ بیٹھے جہاں شراب کا دور چل رہا ہو۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مسلمانوں کو ایسی تقریبات حتی کہ ایسے ہوٹلوں میں بھی جانے سے احتراز کرنا چاہئے جہاں برسرعام شراب پلائی جاتی ہو۔

شراب کو حلال سمجھنے والوں کو بندر اور خنزیر بنا دیا جائے گا

بخاری شریف میں حضرت ابو مالک اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا:

لَيَكُونَنَّ مِنْ أُمَّتِي أَقْوَامٌ يَسْتَحِلُّونَ الْحَرَّ وَالْحَرِيرَ وَالْخَمْرَ وَالْمَعَازِفَ، وَلَيَنْزِلَنَّ أَقْوَامٌ إِلٰى جَنْبِ عَلَمٍ يَرُوحُ عَلَيْهِمْ بِسَارِحَةٍ لَهُمْ، يَأْتِيهِمْ يَعْنِي الْفَقِيرُ لِحَاجَةٍ، فَيَقُولُ: ارْجِعْ إِلَيْنَا غَداً، فَيُبَيِّتُهُمُ اللّٰهُ وَيَضَعُ الْعَلَمَ وَيَمْسَخُ آخَرِينَ قِرَدَةً وَخَنَازِيرَ إِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ.

(بخاری شریف ۸۳۷/۲ حدیث: ۵۵۹۰، جامع المهلكات ۲۷۰۷)

یقیناً میری امت میں کچھ ایسے لوگ پیدا ہوں گے جو زنا، ریشمی کپڑے، شراب اور گانے باجے کے آلات کو جائز سمجھیں گے، اور کچھ لوگ ایک اونچے پہاڑ کے دامن میں پڑاؤ کریں گے، جہاں چرواہے ان کے جانوروں کو چرائیں گے، تو ایک فقیر شخص اپنی ضرورت کے لئے ان کے پاس مانگنے کے واسطے آئے گا، تو وہ یہ کہہ دیں گے کہ آج نہیں کل آنا، (یعنی بلاوجہ اسے ٹال دیں گے) تو اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو راتوں رات ہلاک فرما دیں گے اور وہ پہاڑ ان پر گرا دیں گے، اور دیگر لوگوں کو قیامت تک کے لئے بندر اور خنزیر بنا دیں گے۔

اس صحیح روایت میں دیگر گناہوں کے ساتھ شراب کا بھی ذکر موجود ہے، اس لئے خاص طور پر جو لوگ کسی تاویل سے شراب کو جائز قرار دیتے ہیں ان کے لئے سخت تنبیہ ہے۔

دنیا میں نشہ باز کی سزا

اسلام نے جہاں شراب کے متعلق آخرت کی وعیدیں سنا کر معاشرہ کو اس لعنت سے

بچانے کے لئے ذہن سازی فرمائی ہے، وہیں حکومتی سطح پر بھی اس پر روک ٹوک کا انتظام کیا ہے، اور شراب پینے والوں کے لئے حد جاری کی ہے، چناں چہ دورِ نبوت میں اگر کوئی شراب کے جرم میں پکڑا جاتا تو اس کو میدان میں کھڑا کر کے برسرِ عام پٹائی کی جاتی تھی، اور جس کے ہاتھ میں جو چیز آتی وہ اسی سے اس کی پٹائی کرتا تھا۔ پھر خلیفۂ راشد امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور میں صحابہ کے مشورہ سے یہ طے ہوا کہ شرابی شخص پر کم از کم ۸۰/کوڑے لگانے کی سزا جاری کی جائے۔ (بخاری شریف ۳۷۷/۲۶ ۱۰۰۲ رقم: ۶۷۷۳-۶۷۷۹)

اور آج بھی اسلامی حکومت میں یہی حکم ہے۔ یہ ایسی نفسیاتی سزا ہے جو نہ صرف شرابی؛ بلکہ دیگر لوگوں کے لئے بھی اس جرم سے دور رکھنے میں معاون ثابت ہوتی ہے، اور تجربہ سے اس کا مؤثر ہونا واضح ہے۔

دیگر نشہ آور اشیاء کا عموم

موجودہ دور میں شراب کے ساتھ ساتھ بہت سی دیگر نشہ آور اشیاء بھی رواج پا چکی ہیں؛ بلکہ اس وقت کا دنیا کا سب سے بڑا مہنگا کاروبار انہی نشہ آور اشیاء سے وابستہ ہے، ہزار ظاہری پابندیوں کے باوجود پوری دنیا میں خطرناک اور مہلک نشہ آور اشیاء کی سپلائی جاری ہے، جن میں ''اَفیم، ہیروین، کوکین'' وغیرہ شامل ہیں۔ ان چیزوں کے عادی لوگ موت سے پہلے ہی موت سے دوچار ہو جاتے ہیں، اور ان کی زندگی پوری طرح تباہ ہو جاتی ہے۔

احقر کا چند مہینے قبل مشرقی یوپی کے ایک قصبہ میں جانا ہوا، جہاں بڑی تعداد میں مسلمان آباد ہیں؛ لیکن اکثریت تباہ حالوں کی ہے، وہاں لوگوں نے بتایا کہ نیپال کا بارڈر قریب ہونے کی وجہ سے یہاں نشہ آور پُڑیا اور انجکشن کا رواج عام ہے، اور نوجوان نسل اس کی عادی ہو چکی ہے، اور لوگوں نے یہ بھی بتایا کہ نشہ کے عادی لوگ اپنے نشہ کی حدت کو بڑھانے کے لئے سانپ بچھو اور زہریلے جانور زندہ کھا جاتے ہیں، اور ایسا شخص مہینوں پانی کے قریب نہیں جاتا، جس کی وجہ سے بدن پر میل کچیل کی تہیں جم جاتی ہیں، اور سر کے بال، گرد وغبار سے اَٹ جاتے ہیں، اور نہایت

وحشت ناک صورت سامنے آتی ہے،اور جو شخص اس کا عادی ہو جاتا ہے وہ اپنے مقررہ وقت پر پڑیا لئے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا،اگر پڑیا نہ ملے تو بسااوقات سر پٹخ کر اپنی جان دے دیتا ہے،جس کی بنا پر حکومت بھی ان نشہ بازوں کے خلاف مؤثر کارروائی کرنے سے عاجز ہو چکی ہے۔

الغرض یہ انسانیت کو تباہ کرنے والی اشیاء رفتہ رفتہ معاشرہ میں جڑ پکڑ رہی ہیں، اور یہ کسی ایک قصبہ یا شہر کی بات نہیں، آپ کو ہر جگہ ایسے نشہ باز پڑیا یا انجکشن لگانے والے لوگ نظر آ جائیں گے، جو انتہائی تشویش کی بات ہے۔

نشہ کے بارے میں اقوامِ عالم کا دوہرا معیار

اسلام ہر طرح کے نشہ کا مخالف ہے،خواہ وہ شراب کی شکل میں ہو یا ہیروئن یا افیم کی شکل میں، اس کے برخلاف مغربی دنیا افیم اور ہیروئن کو تو خلاف قانون قرار دیتی ہے؛ لیکن شراب پر کوئی پابندی نہیں لگاتی، اسی دوہرے معیار کی وجہ سے دنیا میں نشہ بازوں کی کثرت ہوتی جا رہی ہے۔ جناب حکیم محمد محمود چغتائی اپنی کتاب ''سنت نبوی اور جدید سائنس'' میں اس موضوع پر اظہار خیال کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''ہم یہاں دانایانِ فرنگ کی دانائی پر اظہار حیرت واستعجاب کئے بغیر نہیں رہ سکتے کہ وہ ''کوکین، بھنگ، چرس، خواب آور مسکرات، افیون اور اس کے مرکبات وغیرہ کے مختلف ممالک میں استعمال اور ان کی برآمد ودرآمد پر تو کڑی نگرانی اور ان سے متعلقہ جرائم کے انسداد کے لئے عبرت ناک سزائیں، مثلاً عمر قید تجویز کرنے کے حامی ہیں، ؛لیکن ام الخبائث (شراب) سے جس نے ان کے ملکوں میں ان کے اپنے قول کے مطابق دوسرے مسکرات سے کہیں زیادہ تباہی مچا رکھی ہے، یہ لوگ بالکل غافل ہیں، اور اس کے خلاف کوئی عملی قدم یا صرف آواز اٹھانے کی جرأت بھی نہیں کرتے؛ بلکہ وہ اسے اپنے معاشرہ اور رسم ورواج کا اہم جزو اور غذا اور لباس کی طرح ضروریاتِ زندگی میں سے قرار دیتے ہیں''۔ (سنتِ نبوی اور جدید سائنس ۲۵۹)

اسی طرح ہندوستان میں دستورِ ہند بناتے وقت جو رہنما ہدایات دی گئی تھیں، ان میں ایک

اہم ہدایت یہ تھی کہ: ''پچاس سال کے اندر اندر ملک سے شراب اور نشہ کا بالکل خاتمہ کر دیا جائے گا''
لیکن اس کے برخلاف آج خاتمہ تو کیا ہوتا، نشہ بازی کا سلسلہ روز بروز دراز ہو رہا ہے، اور یہ ساری ترقیات مرکزی اور صوبائی حکومتوں کی نگرانی میں ہو رہی ہیں؛ بلکہ ''آب کاری'' کے نام سے با قاعدہ شراب کا ایک مستقل محکمہ ریاستوں میں موجود ہے، اور جن ریاستوں میں نشہ بندی اور قانون ظاہراً لاگو بھی کیا جاتا ہے، وہاں اسی شدت سے شراب کا غیر قانونی کاروبار پھلنے پھولنے لگتا ہے۔

نیز یہ بات بھی مضحکہ خیز ہے کہ وقتاً فوقتاً حکومتوں کی طرف سے نشہ بازی کے خلاف اشتہارات شائع کئے جاتے ہیں؛ بلکہ کروڑوں روپئے ان اشتہارات کی نذر ہوتے ہیں؛ لیکن دوسری طرف با قاعدہ شراب بیچنے کے لائسنس جاری ہوتے ہیں اور نت نئی دوکانیں قائم کی جاتی ہیں، اور شراب پر بھاری ٹیکس وصول کر کے سرکاری خزانہ میں جمع کیا جاتا ہے، یہ مذاق نہیں تو اور کیا ہے؟ اسلام اس دورخی پالیسی کا قائل نہیں ہے۔ اسلام کی نظر میں شراب ہو یا دیگر اشیاء مسکرہ، سب ممنوع ہیں، اور ان کا ارتکاب قابل تعزیر جرم ہے، اس بارے میں لوگوں کی ذہن سازی کی بھی ضرورت ہے، اور ساتھ میں حکومتوں کی جانب سے اس وقت کڑی نگرانی اور سخت سزاؤں کا اجراء بھی ضروری ہے، اس کے بغیر معاشرہ کو اس لعنت سے نجات نہیں مل سکتی۔

اللہ تبارک وتعالیٰ پوری انسانیت کو شراب اور منشیات سے پوری طرح محفوظ رکھیں اور ہم سب کو عقل سلیم عطا فرما کر اس کی حفاظت کی توفیق عطا فرمائیں، آمین۔

اٹھائیسویں فصل:

حرام آمدنی سے بچیں!

انسان کی ذات پر غذا کا اثر ضرور پڑتا ہے، جس طرح اچھی غذا سے بدن میں طاقت آتی ہے اور فاسد غذا سے بدن بیمار ہوجاتا ہے، اسی طرح انسان کی روحانیت کا حال ہے کہ اگر حلال اور طیب مال استعمال کیا جاتا ہے، تو روح میں قوت اور بشاشت پیدا ہوتی ہے، طاعت کی طرف رغبت اور ایک خاص قسم کا سکون نصیب ہوتا ہے، اور اگر حرام غذا اور آمدنی استعمال ہوتی ہے تو روحانیت مضمحل اور پژمردہ ہوجاتی ہے، اور طبعیت خیر کی طرف متوجہ ہونے کے بجائے شر کی طرف راغب ہوتی ہے۔ اسی بنا پر قرآنِ کریم اور احادیثِ طیبہ میں جابجا حلال مال اختیار کرنے کی تاکید کی گئی ہے، اور حرام سے اجتناب نہ کرنے پر سخت وعیدیں وارد ہوئی ہیں، چناں چہ ارشادِ ربانی ہے:

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَیْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ. (النساء: ۲۹)

اے ایمان والو! آپس میں ایک دوسرے کا مالِ ناحق مت کھاؤ، مگر یہ کہ تجارت ہو آپس کی خوشی سے۔

نیز ایک جگہ ارشاد ہے:

وَلَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَیْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ وَتُدْلُوْا بِهَآ اِلَى الْحُكَّامِ لِتَاْكُلُوْا فَرِیْقًا مِّنْ اَمْوَالِ النَّاسِ بِالْاِثْمِ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ. (البقرة: ۱۸۸)

اور نہ کھاؤ مال ایک دوسرے کا ناحق، اور نہ پہنچاؤ ان کو حاکموں تک، کہ کھا جاؤ کوئی حصہ لوگوں کے مال میں سے ظلم کرکے جان بوجھ کر۔

اور ایک جگہ یتیموں کا مال ناحق کھانے پر اس طرح نکیر فرمائی گئی:

اِنَّ الَّذِیۡنَ یَاۡکُلُوۡنَ اَمۡوَالَ الۡیَتٰمٰی ظُلۡمًا اِنَّمَا یَاۡکُلُوۡنَ فِیۡ بُطُوۡنِهِمۡ نَارًا وَّسَیَصۡلَوۡنَ سَعِیۡرًا. (النساء: ١٠)

جو لوگ کہ کھاتے ہیں مال یتیموں کا ناحق، وہ لوگ اپنے پیٹوں میں آگ ہی بھر رہے ہیں اور عنقریب داخل ہوں گے آگ میں۔

یہی حکم ہر حرام مال کا ہے، جو مال بھی شریعت کی رعایت رکھے بغیر حاصل کیا جائے گا وہ موجبِ عذاب ہوگا، اور اس کا استعمال کرنے والا اللہ کی رحمت سے دور ہو جائے گا۔

حرام کھانے والے کی دعائیں قبول نہیں

حرام مال کی ایک بڑی نحوست یہ ہے کہ اس کی بنا پر آدمی کی دعائیں اللہ تعالیٰ کے دربار میں قبولیت سے محروم رہتی ہیں، چناں چہ سیدنا حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

أَيُّهَا النَّاسُ! إنَّ اللّٰهَ طَيِّبٌ لَايَقْبَلُ إلَّا طَيِّباً وَإِنَّ اللّٰهَ أَمَرَ الْمُؤْمِنِيْنَ بِمَا أَمَرَ بِهِ الْمُرسَلِيْنَ، فَقَالَ: يٰٓاَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ الطَّيِّبٰتِ وَاعْمَلُوْا صَالِحاً، اِنِّیْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ. (المومنون: ٥١) وقال: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ. (البقرة: ١٧٢)

اے لوگو! ''اللہ تعالیٰ پاکیزہ ہے اور وہ پاکیزہ مال کے علاوہ کوئی اور مال (اپنے دربار میں) قبول نہیں کرتا اور اللہ تعالیٰ نے (پاکیزہ چیزیں استعمال کرنے کے بارے میں) مومنین کو بھی وہی حکم دیا ہے جو رسولوں کو دیا ہے، چناں چہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''اے رسولو! کھاؤ عمدہ پاکیزہ چیزوں میں سے اور کام کرو نیک، بیشک میں تمہارے کام سے واقف ہوں''۔ اور (ایمان والوں سے فرمایا) ''اے ایمان والو! ہماری عطا کردہ پاکیزہ چیزوں میں سے کھاؤ''۔

ثُمَّ ذَكَرَ: الرَّجُلُ يُطِيْلُ السَّفَرَ أَشْعَثَ اِغْبَرَّ يَمُدُّ يَدَيْهِ إِلَى

پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کا ذکر فرمایا جو (مثلاً) لمبے سفر کے دوران غبار آلود

السَّمَاءِ يَا رَبِّ يَا رَبِّ وَ مَطْعَمُهٗ حَرَامٌ وَ مَشْرَبُهٗ حَرَامٌ وَمَلْبَسُهٗ حَرَامٌ وَغُذِىَ بِالْحَرَامِ فَأَنّٰى يُسْتَجَابُ لِذٰلِكَ. (رواه مسلم ١/٣٢٦، الترغيب والترهيب ٢/٣٤٤، مشكوٰة شريف ١/٢٤١)

اور پراگندہ بال ہونے کی حالت میں اپنے دونوں ہاتھ آسمان کی طرف اٹھا کر دُعا مانگے کہ اے میرے رب: اے میرے رب! لیکن اس کا کھانا پینا اور لباس حرام ہو اور اس کی حرام سے پرورش ہوئی ہو تو کہاں اس کی دُعا قبول ہو سکتی ہے؟

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر چہ انسان کی ظاہری حالت قابلِ رحم کیوں نہ ہو؛ لیکن حرام مال میں ملوث ہونے کی وجہ سے وہ شخص اللہ کے رحم وکرم اور نظر کرم سے محروم کر دیا جاتا ہے، اور اس کی دُعا قابلِ قبول نہیں ہوتی۔

حرام آمدنی والے کی عبادات مردود ہیں

نیز حرام مال کا ایک وبال یہ بھی ہے کہ اس کی وجہ سے آدمی کی نیکیاں رد کر دی جاتی ہیں، اور ان کا ثواب حاصل نہیں ہوتا۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل فرماتے ہیں:

مَنِ اشْتَرىٰ ثَوباً بِعَشَرَةِ دَرَاهِمَ وَفِيهِ دِرْهَمٌ مِنْ حَرَامٍ لَمْ يَقْبَلِ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ لَهٗ صَلوٰةً مَادَامَ عَلَيهِ. (رواه أحمد، الترغيب والترهيب ٢/٣٤٦)

جس شخص نے ایک کپڑا دس درہم کا خریدا اور اس میں ایک درہم حرام کی ملاوٹ ہو، تو جب تک وہ کپڑا اس کے بدن پر رہے گا اللہ رب العزت اس کی کوئی نماز قبول نہ فرمائے گا۔

ایک حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

وَالَّذِىْ نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِه اِنَّ الْعَبْدَ لَيَقْذِفُ اللُّقْمَةَ الْحَرَامَ فِى

اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں محمد ﷺ کی جان ہے۔ آدمی اپنے پیٹ میں حرام لقمہ ڈالتا ہے جس

جَوْفِهٖ مَا يُتَقَبَّلُ مِنْهُ عَمَلُ أَرْبَعِيْنَ يَوْماً، وَأَيُّمَا عَبْدٌ نَبَتَ لَحْمُهٗ مِنْ سُحْتٍ فَالنَّارُ أَوْلٰى بِهٖ. (رواه الطبراني في الصغير، الترغيب والترهيب ٢٤٥/٦)

کی وجہ سے چالیس روز تک اس کا کوئی عمل اللہ کے یہاں قبول نہیں ہوتا۔ اور جس شخص کا گوشت پوست حرام سے پروان چڑھا ہوتو اس کے لئے تو جہنم ہی مناسب ہے۔

سیدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا:

لَا تَدْخُلُ الْجَنَّةَ جَسَدٌ غُذِیَ بِحَرَامٍ. (رواه أبويعلى والبزار، الترغيب والترهيب ٣٤٩/٢)

ایسا بدن جنت میں نہیں جائے گا جس کی پرورش حرام مال سے ہوئی ہو۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے متنبہ فرمایا:

لَا تَغْبِطَنَّ جَامِعَ الْمَالِ مِنْ غَيْرِ حِلِّهٖ فَإِنَّهٗ إِنْ تَصَدَّقَ بِهٖ لَمْ يُقْبَلْ مِنْهُ وَمَابَقِیَ كَانَ زَادُهٗ إِلَى النَّارِ. (رواه الحاكم، الترغيب والترهيب ٣٤٨/٢)

تم حرام مال جمع کرنے والے پر رشک نہ کرو؛ اس لئے کہ اگر وہ اس مال سے صدقہ کرے گا تو وہ قبول نہ ہوگا اور بقیہ مال بھی اسے جہنم تک لے جانے کا توشہ بن جائے گا۔

ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ جنت میں داخل کرنے والے اعمال زیادہ تر کون سے ہیں؟ تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ: ''تقویٰ اور حسن اخلاق''۔ پھر پوچھا گیا کہ جہنم تک لے جانے والے اعمال کون سے ہیں؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اَلْاَجْوَفَانِ: اَلْفَرْجُ وَالْفَمُ. (شعب الإيمان ٥٥/٥)

دو درمیانی اعضاء: منہ (جس سے حرام چیز پیٹ تک پہنچتی ہے) اور شرم گاہ۔

یعنی زیادہ تر لوگ حرام کمائی اور ناجائز شہوت رانی کے ذریعہ جہنم کے مستحق ہوں گے۔ أعاذنا اللّٰه منه۔

ان روایات سے یہ معلوم ہوگیا کہ حرام مال کا استعمال شریعت کی نظر میں سخت ناپسندیدہ ہے اور آخرت میں بدترین عذاب کا موجب ہے۔

حرام سے بچنے کا جذبہ کیسے پیدا ہو؟

مال و دولت کی ہوس ایسی چیز ہے جو انسان کو بہر صورت مال بٹورنے پر آمادہ کرتی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ مال کی بھوک مرنے تک نہیں مٹتی، اور مال دار کا جیسے جیسے مال بڑھتا ہے ویسے ویسے مزید مال کی خواہش بھی بڑھتی جاتی ہے اور اس خواہش کی تکمیل میں پھر وہ حرام اور حلال کی تمیز نہیں کرتا؛ بلکہ صرف روپیہ کے دو روپیہ بنانے کے چکر میں پڑ جاتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:

يَأْتِي عَلَى النَّاسِ زَمَانٌ لَايُبَالِي الْمَرْأُ مَـا أَخَـذَ مِـنْـهُ أَمِـنَ الْحَلَالِ أَمْ مِنَ الْحَرَامِ. (رواه البخاري ١/٢٧٦-٢٧٩)

لوگوں پر ایک ایسا زمانہ آنے والا ہے کہ آدمی اس کی پرواہ نہیں کرے گا کہ وہ جو مال لے رہا ہے وہ حلال ہے یا حرام۔

آج بلاشبہ وہ زمانہ آچکا ہے اور ہر طرف اسی لاپرواہی کا دور دورہ ہے اور جو جتنا بڑا مال دار ہے وہ اتنا ہی اس کوتاہی میں مبتلا ہے، ہمیں اس کوتاہی کا احساس کرنا چاہئے اور اسے دور کرنے کی کوشش کرنی چاہئے، اور یہ کوشش اس وقت تک کامیاب نہیں ہوسکتی جب تک کہ ہم آخرت کی جواب دہی پر غور نہ کریں۔

مال دار روک لئے جائیں گے

دنیا میں مال و دولت کو عام طور پر عزت کا ذریعہ سمجھا جاتا ہے اور عموماً مال کے حاصل کرنے اور اسے خرچ کرنے میں لوگ شریعت کی حدود کی رعایت نہیں کرتے؛ لیکن بارگاہِ خداوندی میں حاضری کے وقت یہی مال جنت میں تاخیر کا سبب بن جائے گا اور دنیا میں فقر و مسکنت میں زندگی گذارنے والے حضرات مال داروں سے بہت پہلے جنت میں اپنی جگہ بنالیں گے۔ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد عالی ہے:

قُـمْتُ عَلٰى بَابِ الْجَنَّةِ فَإِذَا عَامَّةُ

میں جنت کے دروازے پر کھڑا ہوا تو دیکھا کہ

مَنْ دَخَلَهَا الْمَسَاكِيْنُ وَإِذَا أَصْحَابُ الْجَدِّ مَحْبُوْسُوْنَ.
(مسلم شریف ۳۵۲/۲ عن اسامة بن زیدؓ)

اس میں داخل ہونے والے اکثر مساکین ہیں اور مال ووجاہت والے لوگ (حساب کے لئے) روک لئے گئے ہیں۔

اب اگر حساب کتاب صاف ہوگا تو جلدی چھٹکارامل جائے گا اور اگر جمع اور خرچ اور آمد وصرف میں اللہ کی رضا کا خیال نہ رکھا گیا ہوگا تو پھر تا خیر در تا خیر ہوتی چلی جائے گی؛ اس لئے ہر شخص پر لازم ہے کہ وہ دنیا کی زندگی ہی میں اپنا حساب صاف کر کے تیار رکھے۔

سود

آمدنی کے حرام ذرائع میں سب سے بدترین ذریعہ ''سود'' ہے۔ قرآنِ کریم میں فرمایا گیا ہے کہ: ''جو لوگ دنیا میں سود کھاتے ہیں وہ میدانِ محشر میں مخبوط الحواس ہونے کی حالت میں آئیں گے''۔ ارشادِ خداوندی ہے:

اَلَّذِيْنَ يَأْكُلُوْنَ الرِّبٰوا لَا يَقُوْمُوْنَ اِلَّا كَمَا يَقُوْمُ الَّذِىْ يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ، ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا اِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا، وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا.
(البقرة: ۲۷۵)

جو لوگ سود کھاتے ہیں وہ (قیامت میں) اٹھیں گے تو اس شخص کی طرح اٹھیں گے جسے شیطان نے چھوکر پاگل بنادیا ہو، یہ اس لئے ہوگا کہ انہوں نے کہا تھا کہ: ''بیع بھی تو سود ہی کی طرح ہوتی ہے''، حالاں کہ اللہ نے بیع کو حلال کیا ہے اور سود کو حرام قرار دیا ہے۔

علاوہ ازیں حد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سودی کاروبار میں لگے رہنے والوں سے صاف طور پر اعلانِ جنگ فرما رکھا ہے۔ چناں چہ قرآنِ پاک میں ارشاد ہے:

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اتَّقُوْا اللّٰهَ وَذَرُوْا مَا بَقِىَ مِنَ الرِّبٰوا اِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِيْنَ. فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَأْذَنُوْا

اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو، اور اگر تم واقعی مؤمن ہو تو سود کا جو حصہ بھی (کسی کے ذمہ) باقی رہ گیا ہو اسے چھوڑ دو۔ پھر بھی اگر تم ایسا نہ

بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ، وَاِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُؤُوْسُ اَمْوَالِكُمْ لَاتَظْلِمُوْنَ وَلَا تُظْلَمُوْنَ. (البقرة: ٢٧٨-٢٧٩)

کروگے تو اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے اعلانِ جنگ سن لو، اور اگر تم (سود سے) توبہ کرو تو تمہارا اصل سرمایہ تمہارا حق ہے، نہ تم کسی پر ظلم کرو نہ تم پر ظلم کیا جائے۔

واضح ہو کہ قرآنِ کریم میں اس طرح کی سخت وعید کسی اور عمل پر وارد نہیں ہے، اس سے سودی آمدنی کے منحوس ہونے کا بآسانی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

سودی معاملہ زنا سے بدتر ہے

اَحادیثِ شریفہ میں بھی کثرت کے ساتھ سود کی ممانعت وارد ہوئی ہے۔ نبی اکرم علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

دِرْهَمُ رِبوًا يَأكُلُهُ الرَّجُلُ وَهُوَ يَعْلَمُ أَشَدُّ مِنْ سِتَّةٍ وَثَلٰثِيْنَ زَنِيَّةً. (رواه أحمد، الترغيب ٥/٣، مظاهر حق ٢٥/٣)

سود کا ایک درہم جسے آدمی جان بوجھ کر کھائے اس کا وبال اور گناہ ۳۶ رمرتبہ منہ کالا کرنے سے بھی زیادہ ہے۔

نیز سیدنا حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل فرماتے ہیں:

الرِّبوٰا سَبْعُوْنَ جُزْءًا أَيْسَرُهَا أَنْ يَّنْكِحَ الرَّجُلُ أُمَّهٗ. (مظاهر حق ٢٦/٣)

سود کے ستر اجزاء ہیں جن میں سب سے ہلکا درجہ ایسا ہے جیسے کوئی شخص اپنی ماں سے (نعوذ باللہ) منہ کالا کرے۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ زنا کے بعد تو آدمی کو کسی درجہ میں برائی کا احساس ہوتا بھی ہے؛ لیکن جو شخص سود کا عادی ہو جاتا ہے اس کے ذہن سے اس عمل کی حرمت کا احساس ہی نکل جاتا ہے۔

سودی معاملہ میں کسی بھی طرح شرکت قابلِ لعنت ہے

سیدنا حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

لَعَنَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اٰكِلَ الرِّبٰوا وَمُوكِلَهُ وَكَاتِبَهُ وَ شَاهِدَيْهِ، وَقَالَ هُمْ سَوَاءٌ. (رواه مسلم ۲۷/۲، مظاهرحق ۲۳/۳)

آنحضرت ﷺ نے سود کھانے والے، کھلانے والے، سودی معاملہ کو لکھنے والے اور اس کی گواہی دینے والوں پر لعنت فرمائی ہے اور فرمایا کہ یہ سب (گناہ میں) برابر ہیں۔

(۴) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

فَاَتَيْتُ عَلَى قَوْمٍ بُطُوْنُهُمْ كَالبُيُوْتِ فِيهَا الحَيَّاتُ تُرىٰ مِن خَارِجِ بُطُونِهِمْ فَقُلْتُ مَن هٰؤُلَاءِ يَاجِبْرَئِيلُ؟ قَالَ: هٰؤُلَاءِ اٰكَلَةُ الرِّبٰوا. (رواه أحمد، الترغيب والترهيب ۷/۳)

معراج کی رات میں میرا گذر ایسی جماعت پر ہوا جن کے پیٹ کمروں کے مانند تھے جن میں سانپ (لوٹ رہے) تھے جو باہر سے نظر آ رہے تھے، میں نے پوچھا کہ اے جبرئیل یہ کون لوگ ہیں؟ تو حضرت جبرئیل علیہ السلام نے جواب دیا کہ یہ سود کھانے والے لوگ ہیں۔

(۵) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا:

إِذَا ظَهَرَ الزِّنَا وَالرِّبَا فِي قَرْيَةٍ فَقَدْ اَحَلُّوا بِأَنْفُسِهِم عَذَابَ اللّٰهِ. (رواه ابويعلى، الترغيب والترهيب ۶/۳)

جب کسی بستی میں بدکاری اور سود خوری عام ہوجائے تو وہاں کے باشندے اپنے کو اللہ کے عذاب کا مستحق بنا لیتے ہیں۔

اسی طرح کی اور روایات بھی ذخیرۂ احادیث میں موجود ہیں جن کو پڑھ کر کسی بھی صاحبِ ایمان کو ہرگز ہرگز یہ جرأت نہ ہونی چاہئے کہ وہ اپنی آمدنی میں سود کا ایک لقمہ بھی شامل کرے؛ لیکن بُرا ہو مال کی ہوس اور دولت کی حرص کا، کہ آج ہم اسلام کا دعویٰ کرنے کے باوجود سودی کاروبار سے بچنے کا اہتمام نہیں کرتے اور مال کی کثرت کے شدید شوق میں حلال وحرام کی تمیز ختم کردیتے ہیں۔

سود مال کی بربادی کا سبب ہے

سود کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا فیصلہ یہ ہے کہ اس کے ذریعہ سے کوئی شخص نہ تو پنپ سکتا

ہے اور نہ حقیقی سکون حاصل کرسکتا ہے؛ بلکہ سود خور شخص ہمیشہ کسی نہ کسی اعتبار سے بے سکونی کی زندگی گذارتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَيُرْبِي الصَّدَقٰتِ . (البقرة: ٢٧٦)	اللہ تعالیٰ سود کو مٹاتا ہے اور صدقات کو بڑھاتا ہے۔

اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

الرِّبَا وَإِنْ كَثُرَ فَإِنَّ عَاقِبَتَه إِلٰى قُلٍّ. (الترغيب والترهيب ٨/٣)	سود کا مال اگرچہ بہت ہو جائے مگر اس کا انجام کمی ہی کمی ہے۔

تجربہ بھی یہی بتاتا ہے کہ حرام مال جیسے آتا ہے ویسے ہی بے فائدہ جگہوں پر خرچ ہو کر چلا بھی جاتا ہے، اور بسا اوقات اپنے ساتھ دوسرے حلال مال کی برکت بھی ختم کر دیتا ہے؛ اس لئے دانش مندی کا تقاضا یہ ہے کہ اپنی معیشت اور کاروبار کو سود کی نجاستوں سے حتی الامکان پاک کرلیں اور حرام ذرائع سے بچ کر اپنا ٹھکانا جنت میں بنالیں۔

بینک کا انٹرسٹ بھی یقیناً سود ہے

کچھ آزاد خیال دانشوروں نے کافی عرصہ سے یہ غلط فہمی پیدا کر رکھی ہے کہ بینک میں رقم رکھنے پر جو زائد روپیہ ملتا ہے وہ تو شرکت ہے کہ بینک اسی رقم سے کاروبار کرتا ہے، پھر اپنے نفع میں سے کچھ حصہ روپیہ رکھنے والوں کو بھی دے دیتا ہے؛ لہٰذا اسے سود نہیں کہا جائے گا؛ بلکہ زائد رقم شرکت کا معاوضہ قرار دی جائے گی، حالاں کہ یہ قول قطعاً بلا دلیل ہے۔ فقہ اسلامی میں بینک سے جو زائد رقم ملتی ہے وہ بلا شک وشبہ ''ربا النسیۂ'' میں داخل ہے جس کی حرمت پر تمام علماء وفقہاء اسلام متفق ہیں؛ کیوں کہ بینک میں جو بھی اضافہ ملتا ہے وہ محض مدت گذرنے پر ملتا ہے۔ کاروبار میں شرکت کا وہاں وہم وگمان بھی نہیں ہوتا؛ اس لئے یہ نہایت سطحی اور واقعی انتہائی فاسد تاویل ہے کہ بینکوں میں جاری سود کو ''ربا النسیة'' سے خارج کر کے خواہ مخواہ شرکت میں ڈال دیا جائے، یہ سود خوروں کے شیطانی وساوس ہیں جنہیں اُمت بار بار رد کر چکی ہے۔ (جواہر الفقہ وغیرہ)

اس لئے ہمیں ایسی بد دینی کی باتوں پر توجہ دینے کے بجائے ورع وتقویٰ کی راہ اپناتے ہوئے ہر قسم کے حرام اور مشتبہ مال سے بچنے کا پورا اہتمام رکھنا چاہئے، اللہ تبارک وتعالیٰ ہم سب کو پوری طرح دین پر استقامت کی توفیق عنایت فرمائیں، آمین۔

انتیسویں فصل:

کسی کا مال یا جائیداد غصب کرنا

حرام ذرائع آمدنی میں سے یہ بھی ہے کہ بلاکسی استحقاق کے کسی دوسرے شخص کے مال یا جائداد پر قبضہ جمالیا جائے۔ قرآنِ کریم میں متعدد جگہ آپسی رضامندی کے بغیر باطل طریقے پر ایک دوسرے کا مال کھانے سے سخت منع کیا گیا ہے۔ سورۂ نساء میں فرمایا گیا:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْۤا اَمْوَالَكُمْ بَیْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّاۤ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ. (النساء: ۳۰)

اے ایمان والو! ایک دوسرے کا مال آپس میں ناحق مت کھاؤ، الا یہ کہ تجارت ہو آپسی خوشی سے۔

اور ایک حدیث میں وارد ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

مَنْ ظَلَمَ قِیدَ شِبْرٍ مِّنَ الْأَرْضِ طُوِّقَهُ مِنْ سَبْعِ اَرَضِیْنَ. (رواه البخاري ۱/ ۴۵۳، ومسلم ۲/ ۳۳ والترغيب والترهيب مكمل ۴۲۱)

جو آدمی بالشت بھر زمین بھی ظلماً لے لے تو سات زمینوں سے اس پر طوق بنا کر ڈالا جائے گا۔

اس حدیث کے مفہوم کے بارے میں متعدد معانی بیان کئے گئے ہیں۔

الف:- بعض محدثین نے لکھا ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ بالشت بھر غصب کردہ جگہ ساتوں زمینوں تک کھودنے کا اسے حکم دیا جائے گا، تو اس طرح کھودنے کی وجہ سے وہ حصہ اس کے گلے میں طوق کے مانند معلوم ہوگا، اور اس کی گردن اسی اعتبار سے موٹی اور چوڑی کر دی جائے گی۔

ب:- دوسرا مطلب یہ بیان کیا گیا ہے کہ مغصوبہ زمین کی ساتوں زمین کی مٹی جمع کر کے

اسے حکم دیا جائے گا کہ اس مٹی کے وزن کو اپنے سر پر اٹھا کر میدانِ محشر تک لے جائے، مگر وہ اسے اٹھا نہ سکے گا۔ یہی اس کے لئے سزا ہوگی۔

ج:- تیسرا مطلب یہ ہے کہ اسے ساتوں زمین میں دھنسا دیا جائے گا، اور یہ سب زمین اس کے گلے میں طوق کی طرح معلوم ہوگی۔ بخاری شریف کی ایک روایت سے اس کی تائید ہوتی ہے۔ (بخاری شریف ۱/۴۵۳)

د:- چوتھا مطلب یہ ہے کہ حدیث سے حقیقی طور پر مٹی اٹھانا مراد نہیں ہے؛ بلکہ غصب کا گناہ مراد ہے، جو غاصب کے گلے میں طوق بن جائے گا اور اٹھائے نہ اٹھے گا۔ (مستفاد: تکملہ فتح الملہم ۱/۱۴۷)

اور ایک دوسری روایت میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: ''جو شخص ناجائز طریقے پر دوسرے کی زمین کا کچھ حصہ بھی دبالے، تو اس کی کوئی بھی نفلی یا واجبی عبادت اللہ رب العزت کی بارگاہ میں قابلِ قبول نہ ہوگی''۔ (الترغیب والترہیب مکمل ۴۲۱)

نیز نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے شخص پر لعنت بھیجی ہے، جو زمین کے نشانات کو بدل دے۔ (مسلم شریف ۲/۱۶۰ حدیث: ۱۹۷۸) (یعنی کھیت وغیرہ کی منڈیر آگے پیچھے کر کے ناجائز طور پر دوسرے کی زمین اپنے تصرف میں کرلے)

اور ایک روایت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی ارشاد فرمایا:

لاَ یَحِلُّ لِمُسْلِمٍ أَنْ یَأخُذَ عَصاً بِغَیْرِ طِیْبِ نَفْسٍ مِنْهُ. (رواه ابن حبان عن ابی حمید الساعدیؓ، الترغیب و الترهیب مکمل ۴۲۱)

کسی مسلمان کے لئے یہ حلال نہیں ہے کہ وہ دوسرے کی لاٹھی بھی بغیر اس کی دلی رضامندی کے لے۔

اس طرح کی احادیث سے یہ بات کھل کر سامنے آتی ہے کہ دوسرے کے مال کو بلا استحقاق دبا لینا اللہ کی نظر میں سخت ناپسندیدہ ہے اور آخرت میں بدترین رسوائی کا سبب ہے۔

لیکن افسوس ہے کہ جو چیز اللہ کی نظر میں مبغوض ہے آج اسے باعثِ کمال گردانا جاتا ہے،

ایک ایک بالشت نالیوں اور پرنالوں کے اوپر سالوں سال مقدمہ بازیاں ہوتی ہیں، اور ناحق طریقہ پر مقدمہ جیت جانے کو باعثِ عزت اور قابلِ فخر سمجھا جاتا ہے۔ اس طرح کی حرکتوں کا اصل سبب آخرت سے غفلت اور اللہ کے عذاب سے بے توجہی ہے، اگر لوگوں کو غضب کے عذاب کا استحضار ہوجائے تو کوئی بھی عقل مند آدمی دو چار گز کے لئے لڑائی جھگڑا اور مقدمات کر کے اپنی دنیا اور آخرت برباد کرنے پر تیار نہ ہو۔

ایک حدیث میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ہدایت فرمائی:

مَنْ كَانَتْ عِنْدَهُ مَظْلِمَةٌ لِاَخِيهِ مِنْ عِرضٍ اَو مِن شَيْءٍ فَلْيَتَحَلَّلْهُ الْيَوْمَ مِنْ قَبْلِ اَن لَايَكُونَ دِينارٌ وَلَا دِرْهَمٌ اِنْ كَانَ لَه عَمَلٌ صَالِحٌ اُخِذَ مِنْهُ بِقَدْرِ مَظْلَمَةٍ، وَاِنْ لَمْ تَكُن لَهحَسَنَاتٌ اُخِذَ مِنْ سَيِّئَاتِ صَاحِبه فَحُمِل عَلَيهِ. (رواه البخاری ۹٦٧/٢، الترغيب والترهيب ١٢٨/٣، مسند أحمد ٥٠٦/٢ -٤٣٥)

جس کسی کے پاس دوسرے بھائی کا عزت یا مال سے متعلق کوئی حق ہو تو اس سے آج ہی معاف کرالے قبل اس کے کہ وہ دن آئے کہ جب دینار و درہم نہ چلیں گے؛ بلکہ اگر اس کا کوئی نیک عمل ہوگا تو اس سے دوسرے کے حق کے بقدر لے لیا جائے گا، اور اگر اس کے پاس نیکیاں نہ ہوں گی تو اس کے بھائی کی برائیاں لے کر اس پر لاد دی جائیں گی۔

اس لئے ہر مسلمان کو ظلم اور غصب سے بچ کر اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنی چاہئے اور آخرت کی بدترین روسیاہی سے اپنے آپ کو بچانا چاہئے۔

وارثین کی حق تلفی

شریعت کی نظر میں وارثین کی حق تلفی بھی بہت سخت گناہ ہے، شریعت میں انسان کے انتقال کے بعد اس کے وارثین کے شرعی حقوق متعین کردئے گئے ہیں، کچھ ورثہ ایسے ہیں جن کے حصے باقاعدہ مقرر ہیں، مثلاً: شوہر، بیوی، ماں وغیرہ، ان کو ''اصحاب الفروض'' کہا جاتا ہے۔ اور کچھ ایسے

وارثین ہیں جن کو ''اصحاب الفروض'' کو تقسیم کرنے کے بعد مابقیہ مال میں استحقاق حاصل ہوتا ہے، ان کو شرعی اصطلاح میں ''عصبہ'' کہتے ہیں، جن میں باپ دادا اور اولاد وغیرہ شامل ہیں، جن کی تفصیلات کتب فقہ اور کتب میراث میں درج ہیں۔ اور یہ ایسے مضبوط و مستحکم اصول ہیں جن کے ذریعہ پائی پائی کا حساب لگا کر حق داروں کو حق دیا جا سکتا ہے۔

اسلامی تعلیم یہ ہے کہ اگر کوئی شخص زندگی میں اپنی اولاد کے درمیان مال تقسیم کرنا چاہے تو بہتر ہے کہ سب لڑکے لڑکیوں کو برابر برابر دے؛ تاکہ کسی کو شکایت نہ ہو، اور یہ تعلیم حسنِ معاشرت کے قبیل سے ہے، اس کا لحاظ نہ رکھنے کی وجہ سے خاندانوں میں بڑا بگاڑ پیدا ہو جاتا ہے؛ اس لئے بلا معقول وجہ کے اولاد کے درمیان تفریق نہیں کرنی چاہئے۔ (مستفاد: تکملہ فتح الملہم ۶۸/۲) اور وفات کے بعد شرعی حکم یہ ہے کہ سب چھوڑے ہوئے مال میں چاہے وہ مال منقولہ ہو یا غیر منقولہ جائیداد کی شکل میں ہو، سب میں لڑکوں اور لڑکیوں دونوں کا حق ہوتا ہے؛ البتہ لڑکوں کو دوہرا اور لڑکیوں کو اکہرا حق ملتا ہے۔ اب اس بارے میں ہمارے معاشرے میں درج ذیل منکرات پائے جاتے ہیں:

(۱) میت کی وفات کے بعد ترکہ کی تقسیم جلدی نہیں ہوتی، جس کی وجہ سے آپس میں بے اعتمادیاں بڑھتی چلی جاتی ہیں اور بعد میں منصفانہ تقسیم بہت مشکل ہو جاتی ہے، اس لئے لازم ہے کہ میت کی وفات کے بعد ترکہ کی تقسیم میں جلدی کی جائے اور ہر وارث کی ملکیت ضرور متعین کر دی جائے۔

(۲) کبھی ایسا ہوتا ہے کہ اولاد میں بڑا بھائی پورے مال پر قابض ہو کر چھوٹے بھائیوں اور بہنوں کو ان کے واجبی حقوق سے محروم کر دیتا ہے، اور وہ کمزور بھائی بہن دل مسوس کر رہ جاتے ہیں، یہ بہت بڑی حق تلفی اور قطع رحمی ہے، جس کا وبال دنیا و آخرت دونوں جگہ بھگتنا پڑ سکتا ہے۔ قرآنِ کریم میں یتیموں کا مال ناحق کھانے والوں کے بارے میں جہنم کی وعید سنائی گئی ہے۔ (سورۂ نساء: ۳۰)

(۳) بعض گھرانوں میں بہنوں کو ان کا حصہ دینے میں بڑی آنا کانی کی جاتی ہے، اور بسا اوقات بہنوں پر دباؤ ڈال کر ان کا حق اپنے نام کرا لیا جاتا ہے، یا معمولی قیمت لگا کر ان کو راضی کر لیا جاتا ہے، حالاں کہ شرعاً اس جبریہ رضامندی کا کوئی اعتبار نہیں، ایمان وانصاف کا تقاضا یہی ہے کہ پوری خوش دلی سے بہنوں کو ان کا شرعی حق دیا جائے۔

(۴)ایسا بھی دیکھا گیا ہے کہ بعض لوگ لڑکیوں یا بہنوں کی شادی میں جو جہیز وغیرہ دیا جاتا ہے، اسے ہی وراثت کے حصہ کا قائم مقام مان لیتے ہیں، اور جب وراثت تقسیم ہوتی ہے تو بہنوں کو یہ کہہ کر محروم کر دیا جاتا ہے کہ ان کا حصہ ان کی شادی میں لگا دیا گیا تھا، حالاں کہ میت کی حیات میں شادی میں کیا گیا خرچ حصۂ وراثت میں شامل نہیں کیا جاسکتا۔ اور اگر مورث کے انتقال کے بعد شادی ہورہی ہے، تو اولاً حصۂ وراثت متعین کر کے اس میں سے صراحت کے ساتھ خرچ کرنا ہوگا، ورنہ بلا صراحت یہ خرچ عرف کے اعتبار سے بھائیوں کی طرف سے تبرع واحسان سمجھا جائے گا۔

(۵)اور کہیں کہیں یہ بات بھی سامنے آئی کہ نقد مال میں سے تو بہنوں کو حق دے دیا گیا؛ لیکن مکان اور زمین میں یہ کہہ کر انہیں حصہ دینے سے محروم رکھا گیا کہ ملکی قانون میں غیر منقولہ جائیداد میں لڑکیوں کا حق نہیں ہے، حالاں کہ خلافِ شریعت قانون کی بنیاد پر لڑکیوں اور بہنوں کا حق ہرگز ساقط نہیں ہوسکتا۔

اس لئے سب مسلمانوں کی ذمہ داری ہے کہ وہ حساب لگا کر ہر وارث کو اس کا لازمی حق دینے کا اہتمام کریں، بالخصوص لڑکیوں اور بہنوں کا حق ادا کرنے میں ہرگز کوتاہی نہ کریں، ورنہ عنداللہ سخت مؤاخذہ ہوگا۔

حقوق کی ادائیگی سے محبتیں پنپتی ہیں

دو سال قبل دہلی کے ایک حاجی صاحب ہمارے ساتھ سفر حج میں تھے، انہوں نے مسئلہ پوچھا کہ ہماری چار بہنیں ہیں، والد صاحب کا انتقال ہوگیا ہے، نقد روپیہ تو ہم نے تقسیم کر دیا؛ لیکن جو مال زمین اور فلیٹوں کی شکل میں ہے، اس کو تقسیم کرنا ہے، تو اس میں بہنوں کا حق ہے یا نہیں؟

موصوف کو یہ مسئلہ بتایا گیا کہ جس طرح نقد مال میں بہنوں کا حق ہے، اسی طرح جائیدادوں میں بھی ان کا شرعی حق بنتا ہے؛ لہٰذا حساب لگا کر یا تو ان کو زمین دی جائے یا اس کی موجودہ قیمت انہیں ادا کی جائے، اس کے بغیر بھائیوں کا ذمہ ادا نہ ہوگا۔ چناں چہ موصوف حاجی صاحب نے وعدہ کیا کہ میں انشاء اللہ سفر سے واپس جا کر سب بھائیوں کو اس پر آمادہ کرنے کی کوشش کروں گا۔

اتفاق یہ کہ اگلے سال حج میں پھر انہیں حاجی صاحب سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے بہت ہی خوش ہوکر یہ خوش خبری سنائی کہ ہم نے سب بہنوں کا حساب کر دیا ہے، اور ایک ایک بہن کے حصہ میں ایک ایک کروڑ روپیہ آیا ہے، جو ہم نے زمین کی شکل میں انہیں دیا، اور جب ہم نے ان کو یہ حق دینے کی پیش کش کی تو ان میں سے بعض کو یقین ہی نہیں آ رہا تھا کہ ہم اتنی بڑی رقم کے حق دار ہیں۔ پھر ان حاجی صاحب نے بتایا کہ ''ہمارے اس عمل کے بعد ہم بھائی بہنوں کے درمیان محبتوں میں اس قدر اضافہ ہوگیا ہے کہ ہم پہلے اس کا تصور بھی نہیں کر سکتے تھے، اور یہ شریعت پر عمل کرنے کی برکت ہے، فالحمدللہ''۔

واقعہ یہی ہے کہ اگر آدمی حقوق ادا کرنے والا ہو تو لوگوں کے دلوں میں اس کی قدر و محبت میں اضافہ ہوجاتا ہے، اس کے برخلاف آدمی بظاہر کتنا ہی متقی ہو، اگر وہ حق ادا کرنے میں کوتاہی کرنے والا ہے تو دلوں میں اس کی طرف سے ناگواری پیدا ہونا لازم ہے۔ چناں چہ کتنے ہی بھرے پُرے خاندان حق تلفیوں کی وجہ سے بکھر جاتے ہیں، اور سگے بھائی بہنوں کے دلوں میں دراڑیں پڑ جاتی ہیں، جس کا بار بار تجربہ ہوتا رہتا ہے، اس لئے دانش مندی کا تقاضا یہی ہے کہ بڑا بھائی یا جو شخص بھی کسی میت کے مال کا ذمہ دار بنے وہ اللہ کا خوف وخشیت اور آخرت میں جواب دہی کا احساس کرتے ہوئے ہر حق دار کو انصاف کے ساتھ حق پہنچانے کی سعی کرے، اور اس بارے میں شرعی حکم معلوم کرکے اس کی تعمیل میں قطعاً کوتاہی نہ کرے۔

رِشوت خوری

مالی منکرات میں ایک اہم منکر رشوت خوری بھی ہے، جس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ آدمی ناحق طور پر دوسرے سے رقم لینے کا مطالبہ کرے، یہ ایسا خطرناک اور بدترین مرض ہے جس سے نہ صرف قوم کی معیشت تباہ ہوجاتی ہے؛ بلکہ جرائم پیشہ افراد کو بھی رشوت کے سہارے خوب پھلنے پھولنے کا موقع فراہم ہوتا ہے۔ جو شخص رشوت کی چاہت میں مبتلا ہوجاتا ہے تو اس کی نظر میں نہ اپنے مذہب اور قوم کا مفاد رہتا ہے اور نہ ملک کی سلامتی کی اہمیت اس کے سامنے رہتی ہے، اس کی

نگاہ میں تو صرف اپنی جیب کا فائدہ اور منافع خوری ہی کا جذبہ ہوتا ہے، اور دولت کے نشہ میں وہ کسی دوسرے کے نقصان کی ہرگز پرواہ نہیں کرتا، اس کا دل سخت ہوجاتا ہے، اور ذہن سے رحم ومروت کا جذبہ فنا ہوجاتا ہے، اسی بنا پر رشوت ستانی کی شریعت میں سخت مذمت وارد ہوئی ہے۔ قرآنِ کریم میں ارشاد فرمایا گیا:

وَلَا تَـأْكُـلُـوْا اَمْـوَالَـكُـمْ بَيْـنَـكُمْ بِـالْبَـاطِلِ وَتُدْلُوْا بِهَا اِلَى الْحُكَّامِ لِتَـأْكُـلُـوْا فَـرِيْقاً مِنْ اَمْوَالِ النَّاسِ بِالْاِثْمِ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ. (البقرة: ١٨٨)

اور مت کھاؤ ایک دوسرے کا مال آپس میں ناحق، اور نہ پہنچاؤ ان کو حاکموں تک کہ کھاجاؤ کوئی حصہ لوگوں کے مال میں سے ظلم کر کے ناحق اور تم کو معلوم ہے۔

اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الرَّاشِي وَالْمُرتَشِي. (رواه ابن حبان، الترغيب والترهيب ١٢٥/٢)

رشوت لینے والے اور (بلا ضرورت) رشوت دینے والے پر اللہ کی لعنت ہے۔

اور دوسری حدیث میں ارشاد فرمایا:

الرَّاشِي وَالْمُرتَشِي فِي النَّارِ. (رواه الطبراني، الترغيب والترهيب ١٢٥/٣)

رشوت لینے والا اور (بخوشی بلاضرورت) رشوت دینے والا دونوں جہنم میں جائیں گے۔

نیز ایک حدیث میں آنحضرت ﷺ نے رشوت لینے اور دینے والے کے ساتھ ''رائش'' یعنی اس شخص پر بھی لعنت بھیجی ہے جو رشوت کے لئے درمیان میں دلالی کرتا ہے۔ (ادب الخصاف ٨٣)

اور ایک روایت میں ہے کہ: ''جو شخص رشوت لے کر ناحق فیصلہ کرے، تو اللہ تعالیٰ اسے اتنی گہری جہنم میں ڈالے گا کہ پانچ سو برس تک برابر گرتے چلے جانے کے باوجود وہ اس کی تہہ تک نہ پہنچ پائے گا''۔ **اللّٰهم احفظنا منه**۔ (الترغیب والترہیب ١٢٦/٣)

ان سخت ترین وعیدوں سے رشوت کے بھیانک انجام کا آسانی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ علاوہ ازیں رشوت ایسا ناسور ہے جس کے مفاسد صرف اخروی ہی نہیں؛ بلکہ دنیا میں بھی اس کے

خطرناک نتائج واقف کار لوگوں سے پوشیدہ نہیں ہیں۔ آج اپنے ہی ملک کے سرکاری محکموں کی طرف نظر اٹھا کر دیکھیں، کس طرح رشوت کا بازار گرم ہے؟ آخر کون سا ایسا غیر قانونی کام ہے جو رشوت دے کر بآسانی انجام نہ دیا جاسکتا ہو؟ بجلی کی چوری سے لے کر ٹرین اور بسوں میں بلاٹکٹ سواری تک ہر جگہ رشوت کا چلن ہے۔ اور عدالتوں، محکمۂ پولیس اور کسٹم میں تو رشوتیں ایسی جسارت اور دباؤ سے لی جاتی ہیں گویا وہ ان کا قانونی حق ہو۔ سرکاری اہلکاروں سے لے کر وزراء تک رشوت کے معاملات میں ملوث ہیں، جس کا نتیجہ ظاہر ہے کہ یہ قدرتی وسائل سے مالامال ملک آزادی کے ٦٧ / سال گزر جانے کے باوجود آج بھی ترقی یافتہ ممالک سے بہت پیچھے ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ اس ملک کو سب سے زیادہ نقصان اسی رشوت خوری اور بدعنوانی نے پہنچایا ہے، اور جب تک یہ لعنت یہاں باقی رہے گی ملک کے وسائل سے کبھی بھی کما حقہ فائدہ نہیں اٹھایا جاسکتا، رشوت کا عادی معاشرہ کام چور ہوتا ہے، بے مروت اور مفاد پرست ہوتا ہے، وہ اپنے مفاد کی خاطر ملک کی بڑی سے بڑی دولت کا بھی سودا کرسکتا ہے، اور قوم کو ناقابلِ تلافی نقصان پہنچا سکتا ہے؛ اس لئے اس لعنت سے معاشرہ کو بچانے کی ضرورت ہے، ہر سطح پر رشوت خوری کی حوصلہ شکنی کرنی چاہئے؛ تاکہ خودغرضی کا دروازہ بند ہوسکے۔

واضح ہو کہ رشوت لینے والے کے لئے رشوت کا پیسہ کسی بھی صورت میں حلال نہیں ہے؛ البتہ بعض خاص صورتوں میں جب کہ اپنا حق ضائع ہو رہا ہو یا شدید نقصان کا اندیشہ ہو، تو فقہاء نے ضرورۃً رشوت دینے کی اجازت دی ہے۔ (شامی ٦ / ٤٢٣ کراچی)

جوا اور سٹہ

شریعت میں آمدنی کے جن ذرائع کی سختی سے ممانعت آئی ہے ان میں جوا اور سٹہ بھی شامل ہے۔ قرآنِ کریم نے سورۂ مائدہ میں جوے اور شراب کو ایک ساتھ ذکر کر کے انہیں گندگی اور غلاظت قرار دیا ہے۔ ارشادِ خداوندی ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْخَمْرُ — اے ایمان والو! یقیناً شراب اور جوا اور بت اور

وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ. (المائدة: ۹۰)	جوے کے تیر گندگی ہیں شیطان کے عمل سے، پس ان سے بچو؛ تاکہ تم فلاح پاؤ۔

اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چوسر (جو سٹہ میں کھیلا جاتا ہے) کے بارے میں فرمایا:

مَنْ لَعِبَ بِالنَّرْدَ شِيْرِ فَكَاَنَّمَا صَبَغَ يَدَهٗ فِيْ لَحْمِ خِنْزِيْرٍ وَدَمِهٖ. (مسلم ۲۴۰/۲)	جس نے چوسر کھیلا گویا کہ اس نے اپنا ہاتھ خنزیر کے گوشت اور اس کے خون میں سان لیا۔

دیکھئے سٹہ کھیلنے کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کس قدر گھناؤنے عمل سے مشابہ قرار دیا ہے جس کا کوئی مسلمان تصور بھی نہیں کرسکتا۔ سٹہ بازی کے دینی ودنیوی مفاسد بالکل ظاہر اور روز روشن کی طرح عیاں ہیں۔ علامہ آلوسیؒ روح المعانی میں لکھتے ہیں:

وَمِنْ مَفَاسِدِ الْمَيْسِرِ أَنَّ فِيْهِ أَكْلَ الْأَمْوَالِ بِالْبَاطِلِ وَأَنَّهٗ يَدْعُوْ كَثِيْراً مِنَ الْمُقَامِرِيْنَ إِلَى السَّرِقَةِ وَتَلْفِ النَّفْسِ وإِضَاعَةِ الْعَيَالِ وَارْتِكَابِ الْأُمُوْرِ الْقَبِيْحَةِ وَالرَّذَائِلِ الشَّنِيْعَةِ وَالْعَدَاوَةِ الْكَامِنَةِ وَالظَّاهِرَةِ، وَهٰذَا أَمْرٌ مُشَاهَدٌ لَايُنْكِرُهٗ إِلَّا مَنْ أَعْمَاهُ اللّٰهُ تَعَالٰى وَأَصَمَّهٗ. (روح المعانی ۱۱۵/۲)	اور جوئے کے مفاسد میں سے یہ ہیں۔(۱) لوگوں کا مال ناجائز طریقہ پر کھانا (۲) اکثر جواریوں کا چوری کرنا (۳) قتل کرنا (۴) بچوں اور گھر والوں کا خیال نہ کرنا (۵) گندے اور بدترین جرائم کا ارتکاب کرنا (۶) ظاہری اور پوشیدہ دشمنی کرنا۔ اور یہ بالکل تجربہ کی باتیں ہیں، ان کا کوئی شخص انکار نہیں کرسکتا، الا یہ کہ اللہ تعالیٰ نے کسی کو سننے اور دیکھنے کی صلاحیت سے محروم کر دیا ہو۔

تجربہ سے یہ بات واضح ہے کہ جس معاشرہ میں سٹہ بازوں کی کثرت ہوتی ہے وہ معاشرہ جرائم اور اعمالِ بد کی آماج گاہ بن جاتا ہے؛ اس لئے کہ مفت میں حرام خوری کی جب عادت پڑ جاتی ہے تو محنت مزدوری کرکے کمانا بہت مشکل ہوتا ہے۔ لاکھوں خاندان اس نحوست میں گرفتار ہوکر تباہی اور بربادی کے غار میں جاچکے ہیں، اور دونوں جہاں کی رسوائی مول لے چکے ہیں۔

لاٹری وغیرہ

اس دور میں جوئے اور سٹے کی بہت سی شکلیں رائج ہیں، اور وہ سب حرام ہیں۔ان میں ایک ''لاٹری'' کی لعنت بھی ہے،جس کے ذریعہ بڑے خوب صورت انداز میں پوری قوم کا خون چوسا جارہاہے۔ ذراغور فرمائیں! لاٹری کی ایک کمپنی یومیہ مثلاً تین لاکھ کے ٹکٹ فروخت کرتی ہے،اور ان میں سے ایک لاکھ روپے انعام میں دے دیتی ہے،تو یہ دولاکھ روپے جولاٹری کی کمپنی کوملا، یہ کس کا سرمایہ ہے؟ بے چارے غریب رکشا پولروں اور مزدوروں کا،جن کے خون پسینے کی کمائی سرمایہ داروں اورحکومت کے خزانوں میں سمٹ کر چلی جاتی ہے اور محض ایک موہوم نفع کے لالچ میں یہ سادہ لوح عوام اپنی محنت کی کمائی خوشی خوشی خون چوسنے والوں کے حوالے کردیتے ہیں۔ہمارے سامنے ایسی مثالیں ہیں کہ لاٹری کے نرغے میں آکر کتنے لوگوں نے اپنے گھر کے برتن، بیوی کے زیورات،حتیٰ کہ کپڑے اور مکانات تک بیچ دئے یا گروی رکھوادئے،اور وہ دیکھتے ہی دیکھتے کنگال ہوگئے۔

معمہ بازی، پتنگ بازی، کبوتر بازی،شطرنج،لوڈو اور کیرم بورڈ،جن میں ہار جیت پر فریقین کی طرف سے لین دین کی شرط ہوتی ہے، یہ سب شکلیں حرام ہیں۔حتی کہ علماء نے لکھاہے کہ بچے جو گولیاں اور گٹکے کھیلتے ہیں اور اس پر دوسرے سے تاوان لیتے ہیں، یہ سب جوا اور سٹہ ہے،بچوں اور بڑوں کوان سے اجتناب کرکے ہرطرح کی حرام آمدنی سے بچنے کا اہتمام کرنا چاہئے، اللہ تعالیٰ پوری امت کو ہرطرح کے حرام مشاغل اور ناجائز آمدنی سے محفوظ رکھیں،اور رزقِ حلال سے سرفراز فرمائیں،آمین۔

تیسویں فصل:

جادوٹونا حرام ہے

دنیا میں عرصۂ دراز سے جو منکرات رائج ہیں، ان میں ایک بدترین منکر ’’جادوٹونا‘‘ بھی ہے، ہر زمانہ میں خبیث طبیعتیں جادو کی طرف مائل ہوتی رہی ہیں، اور کمزور اور وہمی قسم کے لوگ جادو کے اثرات سے نسبۃً زیادہ متأثر ہوتے رہے ہیں، آج بھی یہ سلسلہ خوب پھل پھول رہا ہے؛ بلکہ نئے زمانہ کے اعتبار سے ترقی یافتہ اور انتہائی نفع بخش کاروبار بن چکا ہے۔

اسلام ’’جادوٹونے‘‘ کا شدید مخالف ہے، قرآنِ کریم کی متعدد آیاتِ شریفہ میں جادوگروں کی مذمت وارد ہوئی ہے، اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جادو کو سات ہلاکت خیز بڑے گناہوں میں شمار فرماکر اس سے بچنے کی تاکید فرمائی ہے۔ (بخاری شریف ۲/۸۵۸، حدیث: ۵۷۶۴)

جادو کی حقیقت

مشہور شارحِ حدیث علامہ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جادو (سحر) کا اطلاق کئی معانی پر ہوتا ہے، جن کا خلاصہ درج ذیل ہے:

(۱) **غیر محسوس کشش:-** یعنی بعض کلمات کے ذریعہ انسانی طبعیت پر غیر محسوس طور پر اثر ڈالا جاتا ہے، جس سے طبیعت متأثر ہوجاتی ہے۔

(۲) **نظر بندی:-** یعنی ہاتھ کی صفائی اور مہارت سے لوگوں کو شعبدے دکھلاکر متأثر کرنا جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مقابلہ کرنے والے جادوگروں نے ایسی نظر بندی کی کہ مجمع کو پورا میدان رینگتے ہوئے سانپوں سے بھرا ہوا معلوم ہونے لگا۔

(۳) **شیاطین سے مدد لینا:-** یعنی کبھی جادوگر اپنے مؤکل شیاطین سے مدد لے کر پوشیدہ باتیں بتاتا ہے یا کسی کو شیاطین کے ذریعہ تنگ کرتا ہے۔

(۴) **ستاروں سے نتیجہ اخذ کرنا:-** یعنی ستاروں کے طلوع وغروب سے دنیوی حالات وواقعات کو جوڑنا اور یہ عقیدہ رکھنا کہ دنیا میں جو کچھ ہورہا ہے یا ہونے والا ہے اس میں ستاروں کی نقل وحرکت کا دخل ہے۔ (مستفاد: فتح الباری ۱۰/۲۲۲ طبع دار الفکر، بحوالہ: جامع المہلکات ۹۸)

پھر اکثر علماء کی رائے یہ ہے کہ جادو سے کسی چیز کی ماہیت وحقیقت تو نہیں بدل سکتی؛ لیکن اس کے مثبت یا منفی اثرات آدمی کی طبعیت پر نمودار ہوسکتے ہیں، تجربات وواقعات اور مشاہدات سے اس کی تائید ہوتی ہے۔

ہاروت وماروت کا قصہ

واضح رہنا چاہئے کہ جادو کا مدار شیاطین سے استعانت اور شرکیہ کلمات پر ہوتا ہے جو بہرحال شرعاً حرام ہے؛ بلکہ شیاطین کو مؤثر بالذات سمجھنے والا جادوگر بلاشبہ کافر ہے؛ لیکن اس کے باوجود جادو کی اپنی ایک حقیقت ہے جس کے اسباب نظروں سے اوجھل ہوتے ہیں، اور دیکھنے والا شخص اس کی تاثیر سے فریب میں پڑ جاتا ہے، اس کے مقابلہ میں انبیاء علیہم السلام کے معجزات ہیں جن کا تحقق دنیوی اسباب کے بغیر براہ راست اللہ تعالیٰ کی قدرت سے ہوتا ہے۔

تاریخ کے کسی زمانہ میں (غالباً قومِ نوح سے قبل) شہر بابل اور اس کے اطراف میں جادو کا چلن اتنا عام ہوگیا تھا کہ جادو اور انبیاء علیہم السلام کے معجزات میں اشتباہ ہونے لگا، یعنی جادوگر طرح طرح کے شعبدے دکھا کر خود نبوت کے دعوے کرنے لگے، اور جو واقعی اور حقیقی انبیاء علیہم السلام تھے ان کے متعلق لوگوں میں شبہات پیدا ہونے لگے، ایسے پرفتن اور نازک دور میں اللہ تعالیٰ نے اپنی تکوینی حکمت سے ''ہاروت وماروت'' نام کے دو فرشتوں کو دنیا میں اس مقصد سے بھیجا کہ وہ لوگوں کے سامنے جادو کے حقائق واضح کردیں، تاکہ ان کے سامنے آنے سے معجزہ اور جادو کا فرق لوگوں کی سمجھ میں آجائے اور جادو میں جب اللہ کے علاوہ سے استعانت کی اصلیت معلوم ہو، تو اہل

ایمان ایسی گندی چیز سے پوری طرح اپنے کو بچائے رکھیں۔

چنانچہ یہ فرشتے شہر بابل میں قیام پذیر ہوئے اور انہوں نے حکم خداوندی کی تعمیل کرتے ہوئے سحر (جادو) کے پوشیدہ حقائق سے پردہ اٹھانا شروع کیا، لیکن جب بھی ان کے پاس کوئی شخص جادو کی معلومات حاصل کرنے کی غرض سے آتا تو وہ پہلے ہی آگاہ کردیتے کہ دیکھو ہمیں تمہاری آزمائش کے لئے بھیجا گیا ہے کہ کون لوگ جادو کی حقیقت معلوم کرکے اس سے اجتناب کرتے ہیں اور کون لوگ جادو میں شیاطین سے مدد طلب کرکے کافر ہو جاتے ہیں؟ اس لئے تم ہرگز کفر اختیار نہ کرنا۔ (تفسیر ابوالسعود ۱/۱۳۸)

اسی بات کو قرآنِ کریم کی اس آیت میں واضح فرمایا گیا ہے:

وَمَآ اُنْزِلَ عَلَى الْمَلَكَيْنِ بِبَابِلَ هَارُوْتَ وَمَارُوْتَ وَمَا يُعَلِّمٰنِ مِنْ اَحَدٍ حَتّٰى يَقُوْلَآ اِنَّمَا نَحْنُ فِتْنَةٌ فَلَا تَكْفُرْ. فَيَتَعَلَّمُوْنَ مِنْهُمَا مَا يُفَرِّقُوْنَ بِهٖ بَيْنَ الْمَرْءِ وَزَوْجِهٖ وَمَا هُمْ بِضَآرِّيْنَ بِهٖ مِنْ اَحَدٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ وَيَتَعَلَّمُوْنَ مَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ. وَلَقَدْ عَلِمُوْا لَمَنِ اشْتَرٰهُ مَا لَهٗ فِى الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ وَلَبِئْسَ مَا شَرَوْا بِهٖٓ اَنْفُسَهُمْ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ.

(البقرة: ۱۰۲)

اور (گمراہ لوگ) اس علم کے پیچھے ہو لئے جو دو فرشتوں پر شہر بابل میں اترا، جن کا نام ہاروت و ماروت تھا اور نہیں سکھاتے تھے وہ دونوں فرشتے کسی کو جب تک یہ نہ کہہ دیتے کہ ہم تو آزمائش کے لئے ہیں سو تم کافر مت ہو۔ پھر ان سے سیکھتے وہ جادو جس سے جدائی ڈالتے ہیں مرد میں اور اس کی عورت میں اور وہ اس سے نقصان نہیں کرسکتے کسی کا بغیر اللہ کے حکم کے، اور سیکھتے ہیں وہ چیز جو نقصان کرے ان کا اور فائدہ نہ کرے۔ اور خوب جان چکے ہیں کہ جس نے اختیار کیا جادو کو، نہیں اس کے لئے آخرت میں کچھ حصہ، اور بہت ہی بری چیز ہے، جس کے بدلے بیچا انہوں نے اپنے آپ کو، اگر ان کو سمجھ ہوتی۔

حاصل یہ کہ ہاروت و ماروت نامی فرشتوں کا نزول تو بطور آزمائش کے ہوا تھا؛ لہٰذا ہونا یہ

چاہئے تھا کہ لوگ سحر اور جادو کی حقیقت جان کر اس سے پوری طرح احتراز کرتے مگر اس زمانہ کے عام لوگوں نے اس طرح ناعاقبت اندیشی کا ثبوت دیا کہ ان فرشتوں سے میاں بیوی میں نفرت پیدا کرنے والے جنتر منتر سیکھ کر انہیں عمل میں لانے لگے، جس سے معاشرہ میں فساد برپا ہوگیا؛ تاہم سحر کے کلمات کا یہ اثر اپنی ذات کے اعتبار سے نہ تھا؛ بلکہ وہ بھی باذنِ خداوندی تھا، جیسے زہر کے ذریعہ سے موت کا آنا یا آگ کے ذریعہ کسی چیز کا جل جانا وغیرہ، بحکم خداوندی ہوتا ہے۔ اسی طرح جادو بھی ایک خفیہ قسم کے سبب کی حیثیت رکھتا ہے، لہٰذا اس کی حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا، مگر چوں کہ اس میں شیاطین وجنات سے شرکیہ استعانت ہوتی ہے اس لئے اس کو کفر سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

واقعہ زہرہ

اس آیت کے تحت بعض حضرات مفسرینؒ نے ایک واقعہ نقل کیا ہے جس کا مضمون یہ ہے کہ بعض فرشتوں نے انسانوں کے معاصی دیکھ کر اللہ تعالیٰ سے کہا تھا کہ اگر ہمیں دنیا میں بھیجا جائے تو ہم ہرگز ایسی معصیت نہ کریں گے، چناں چہ دو فرشتے تجربے کے طور پر بھیجے گئے لیکن وہ زہرہ نامی ایک عورت کے دام محبت میں گرفتار ہوکر معصیت میں مبتلا ہوگئے الخ۔ یہ واقعہ مسند احمد، ابن حبان اور بیہقی میں بھی ہے، مگر اس کی ساری صحیح سندیں کعب احبار پر جاکر ملتی ہیں جو اسرائیلی روایات نقل کرنے میں مشہور ہیں اور بظاہر آیت سے اس کا تعلق نہیں ہے اور نہ اس کی تفسیر اس واقعہ پر موقوف ہے۔ آیت سے متعلق صرف اتنی وضاحت کافی ہے جو اوپر لکھی گئی۔

اور زہرہ کا واقعہ اگر بالفرض صحیح بھی ہو تو اس میں کہیں بھی ان فرشتوں کے جادو سکھانے کا ذکر نہیں ہے جب کہ آیت میں بظاہر ''تعلیم سحر'' ان کی ذمہ داری بتائی گئی ہے، اس لئے محقق علماء کی رائے یہی ہے کہ زہرہ کے واقعہ کو اس آیت سے نہیں جوڑنا چاہئے۔ (تفسیر ابن کثیر ۱/۱۸۵-۱۸۶، معارف القرآن ۱/۲۱۴)

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور جادوگروں کے درمیان معرکۂ حق وباطل

اللہ تعالیٰ نے حضراتِ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی صداقت وحقانیت کے لئے معجزات اور

ایسی نشانیاں عطا فرمائی تھیں، جن کی مثال پیش کرنے سے دنیا عاجز تھی، اور اہل انصاف لوگ ان نشانیوں کو دیکھ کر دائرۂ اسلام میں داخل ہوتے تھے، چناں چہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی تاریخ ایسے معجزات سے بھری ہوئی ہے، اس کے بالمقابل شیطان صفت لوگ جادو کے ذریعہ لوگوں کو شعبدے دکھلاتے تھے اور انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے معجزات کو بھی جادو ہی کا اثر قرار دینے کی ناکام کوشش کرتے تھے، حالاں کہ جادو اور معجزہ میں زمین وآسمان کا فرق ہے۔ جن میں سے ایک واضح فرق یہ ہے کہ جادوگر شخص اپنے علم (جنتر منتر وغیرہ) کو جب چاہے اختیار کرکے جادو دکھا سکتا ہے، حتی کہ بیک وقت چند جادوگر ایک ہی جیسا عمل کرکے ایک ہی انداز میں جادو کا مظاہرہ کرسکتے ہیں؛ لیکن معجزہ جو نبی برحق کے ہاتھ پر ظاہر ہوتا ہے، اس میں خود نبی کے کسی عمل کا دخل نہیں ہوتا اور نہ کوئی دوسرا شخص اس کی نظیر پیش کرکے اس سے معارضہ کرسکتا ہے؛ بلکہ اس کا اظہار براہِ راست اللہ تعالیٰ کی قدرت سے ہوتا ہے۔

چناں چہ علامہ ابن حجر ہیثمیؒ اپنی معرکۃ الآراء کتاب ''الزواجر عن اقتراف الکبائر'' میں تحریر فرماتے ہیں:

وَالْفَرْقُ بَيْنَ السَّحْرِ وَالْمُعْجِزَةِ أَنَّ السَّحْرَ يَأْتِي بِهِ السَّاحِرُ وَغَيْرُهُ أَيْ مِنْ كُلِّ مَنْ يَعْلَمُ طَرِيقَهُ وَقَدْ يَكُوْنُ جَمَاعَةٌ يَعْلَمُوْنَهُ وَيَأْتُوْنَ بِهِ فِي وَقْتٍ وَاحِدٍ، وَأَمَّا الْمُعْجِزَةُ فَلَا يُمَكِّنُ اللّٰهُ تَعَالىٰ أَنْ يَأْتِيَ بِمِثْلِهَا وَمُعَارَضَتِهَا.

(الزواجر عن اقتراف الکبائر ۱۶۷/۲)

اور جادو اور معجزہ میں فرق یہ ہے کہ جادوگر یا جو بھی جادو کا علم رکھتا ہو وہ جادو کا مظاہرہ کرسکتا ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ متعدد لوگ جادو کا راستہ اختیار کرکے ایک ہی وقت میں اس کا یکساں مظاہرہ کریں؛ لیکن معجزہ میں اللہ تعالیٰ کسی اور کو اس کی مثال پیش کرنے اور اس کا معارضہ کرنے کی قدرت عطا نہیں فرماتے۔

اس فرق کو واضح کرنے کی ایک کھلی ہوئی مثال سیدنا حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام اور جادوگروں کے مقابلے کا عظیم معرکہ ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ فرعون کے زمانہ میں مصر میں ہر

طرف جادوگروں کا بول بالا تھا اور معاشرہ میں ان کی بڑی عزت ووقعت تھی، پس اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس مناسبت سے سیدنا حضرت موسیٰ علیٰ نبینا علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دو عظیم معجزے عطا کئے:

(۱) ایک یہ کہ آپ کا عصا زمین پر ڈالتے ہی بحکم خداوندی پھنپھناتا ہوا اژدہا بن جاتا تھا۔

(۲) دوسرے یہ کہ آپ اپنا دست مبارک جب گریبان سے نکالتے تھے تو وہ چمک دار اور روشن نکلتا تھا۔

جب آپ نے یہ دونوں نشانیاں فرعون کے بھرے دربار میں پیش کیں تو ہر طرف کھلبلی مچ گئی اور دیکھنے والے دم بخود رہ گئے، اور فرعون یہ خطرہ محسوس کر کے کہ کہیں اس کے درباری حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے متأثر نہ ہو جائیں، حواس باختہ ہو کر اپنے درباریوں سے یہ بولا کہ: ''یہ (موسیٰ) بڑا جادوگر ہے، جو اپنے جادو کے زور سے تمہیں تمہارے وطن سے دربدر کرنا چاہتا ہے؛ لہٰذا اَب مشورہ دو کہ کیا کرنا چاہئے''؟

فرعون کی یہ بات سن کر درباریوں نے مشورہ دیا کہ سردست حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام سے کوئی تعرض نہ کیا جائے؛ بلکہ پہلے پورے ملک سے بڑے بڑے جادوگروں کو بلا کر ان کا مقابلہ کرایا جائے اور ان لوگوں کو اس بات کا پورا یقین تھا کہ حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مقابلہ میں جادوگر ہی غالب آئیں گے، چناں چہ حسبِ منصوبہ تمام اضلاع کے حکام کو فرمان جاری کر دیا گیا کہ وہ تیوہار کے دن صبح کے وقت ایک خاص جگہ علاقہ کے منتخب جادوگروں کو لے کر جمع ہوں، پس سب لوگ جمع ہو گئے اور جادوگروں کو بھی اپنے اوپر اتنا اعتماد تھا کہ جب انہوں نے جنتر منتر پڑھ کر نظر بندی کر کے میدان میں لاٹھی ڈنڈے اور رسیاں پھینکیں جو رینگتی ہوئی سانپ نظر آنے لگیں اور مجمع کے لوگ ان سے مرعوب ہو گئے، تو وہ جادوگر فرعون کی عزت کی قسمیں کھا کر اپنے غالب ہونے کے نعرے لگانے لگے۔

لیکن ان جادوگروں کے شعبدوں کے سامنے جب حق کا جاہ وجلال ''عصائے موسوی'' کی شکل میں ظاہر ہوا تو اس نے جادوگروں کے سارے تار وپود بکھیر کر رکھ دئے، اور شیاطین کا بچھایا ہوا

جال حق کے سامنے تارِ عنکبوت بن کر نابود ہو گیا، اور جادوگروں کو جو اصل علومِ سحر سے واقف تھے، ان کے سامنے حق واضح ہو گیا کہ موسیٰ علیہ السلام کی پیش کش کوئی جادوئی نظر بندی نہیں؛ بلکہ خدائی قدرت کا اظہار ہے، جس کا مقابلہ انسان کے بس سے باہر ہے، چناں چہ وہ اعترافِ حقیقت کرتے ہوئے بے اختیار بارگاہِ رب العزت میں سجدے میں گر پڑے اور پکار اٹھے کہ ''ہم رب العالمین پر ایمان لائے جو موسیٰ اور ہارون کے رب ہیں''۔ قرآنِ پاک میں اس معرکۂ حق و باطل کا کئی جگہ بہت تفصیل کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے۔ سورۂ اعراف کی چند آیات میں اس واقعہ کی منظر کشی اس طرح کی گئی ہے:

وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى اَنْ اَلْقِ عَصَاكَ، فَاِذَا هِيَ تَلْقَفُ مَا يَاْفِكُوْنَ. فَوَقَعَ الْحَقُّ وَبَطَلَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ. فَغُلِبُوْا هُنَالِكَ وَانْقَلَبُوْا صٰغِرِيْنَ. وَاُلْقِيَ السَّحَرَةُ سٰجِدِيْنَ. قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ. رَبِّ مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ. (الاعراف: ۱۱۷-۱۲۲)

اور ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) کو حکم دیا کہ وہ اپنی عصا ڈال دیں، پس جبھی وہ (عصا) ان (جادو گروں کا) بنایا ہوا سوانگ (کھیل تماشا) نگلنے لگا، پس حق ظاہر ہو کر رہا اور جو کچھ انہوں نے کیا تھا وہ غلط ہو گیا، پس وہاں ہار گئے اور ذلیل ہو کر لوٹے، اور جادوگر سجدے میں گر پڑے، اور کہہ اٹھے کہ ہم پروردگار عالم پر ایمان لے آئے جو رب ہے موسیٰ اور ہارون کا۔

اس واقعہ کو بیان کر کے اللہ تعالیٰ نے قیامت تک کے لئے حق و باطل کے درمیان ایک لکیر قائم فرما دی ہے، اور یہ واضح کر دیا ہے کہ باطل چاہے کتنا ہی شعبدے دکھائے اور لوگوں کو مرعوب کر لے؛ لیکن حق کے سامنے وہ نہ کبھی ٹک سکا ہے اور نہ کبھی ٹک سکے گا، اور معجزاتِ الٰہیہ کے مقابلہ میں جادوگروں کی کوئی تدبیر نہ کبھی کارگر ہو سکی ہے اور نہ کبھی ہو سکے گی۔ سورۂ یونس میں یہی بات پر شوکت پیرایہ میں اس انداز میں فرمائی گئی:

فَلَمَّآ اَلْقَوْا قَالَ مُوْسٰى مَا جِئْتُمْ بِهِ السِّحْرُ اِنَّ اللّٰهَ سَيُبْطِلُهٗ، اِنَّ اللّٰهَ

پھر جب (جادوگروں نے اپنی رسیاں اور لاٹھیاں) ڈالیں تو موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ جو تم لائے

لَا يُصْلِحُ عَمَلَ الْمُفْسِدِيْنَ. وَيُحِقُّ اللّٰهُ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ. (یونس: ۸۱-۸۲)

ہووہ جادو ہے، اب اللہ تعالیٰ اس کو بگاڑ کر رہے گا، یقیناً اللہ تعالیٰ شریروں کے کام نہیں سنوارتا۔ اور اللہ تعالیٰ اپنے حکم سے حق بات کو سچی کر کے رہتا ہے، اگر چہ گنہگاروں کو برا لگے۔

یہ معرکۂ حق وباطل تاقیامت جاری رہنے والا ہے؛ لیکن بالآخر فتح حق کی ہوگی، اور باطل کی قوت ٹوٹ کر رہے گی، انشاءاللہ تعالیٰ۔

سیدنا حضرت سلیمان علیہ السلام جادوگر نہ تھے

دنیا میں جادو کی اشاعت اصلاً شیاطین کے ذریعہ ہی ہوتی رہی ہے، چناں چہ تفسیری روایات سے ثابت ہے کہ بعض خبیث جنات نے سازش کر کے کچھ جادو کے جنتر منتر سیدنا حضرت سلیمان علیہ السلام کی کرسی کے نیچے دبادئے تھے جوسب کفریات پر مبنی تھے، جب حضرت سلیمان علیہ السلام کا وصال ہوگیا اور ایک زمانہ گذر گیا، تو ان جنات نے لوگوں کو گمراہ کرنے اور حضرت سلیمان علیہ السلام کو نعوذ باللہ بدنام کرنے کے لئے یہ پروپیگنڈا کیا کہ سیدنا حضرت سلیمان علیہ السلام جو بحر وبر اور جنات وانسان پر حکومت کرتے تھے وہ ان کے اسی جادو کا اثر تھا جو ان کی کرسی کے نیچے محفوظ ہے۔ بہت سے جاہل طالع آزما لوگ شیاطین کے جھانسے میں آگئے اور بجائے کتاب اللہ (توریت) کی اتباع کے انہی جنات کی دفن کردہ کفریات پر عمل پیرا ہوگئے۔ اللہ تعالیٰ نے گمراہوں کی اسی جہالت اور شیاطین کی مکروہ سازش کا پردہ فاش فرماتے ہوئے سیدنا حضرت سلیمان علیہ السلام کی برأت کا اظہار فرمایا ہے کہ یہ کم ظرف اللہ کی کتاب کو چھوڑ کر شیاطین کی کفریات کے پیرو کار ہوگئے، اور پھر طرہ یہ کہ سیدنا حضرت سلیمان علیہ السلام پر سحر کا الزام لگانے لگے، حالاں کہ سیدنا حضرت سلیمان علیہ السلام کی ذات ان کفریات سے پوری طرح بری ہے۔ چناں چہ ارشادِ خداوندی ہوا:

وَاتَّبَعُوْا مَا تَتْلُوا الشَّيٰطِيْنُ عَلٰى مُلْكِ سُلَيْمٰنَ وَمَا كَفَرَ سُلَيْمٰنُ

اور پیچھے ہولئے اس علم کے جو پڑھتے تھے شیطان سلیمان کی بادشاہت کے وقت، اور کفر

وَلٰكِنَّ الشَّيٰطِيْنَ كَفَرُوْا يُعَلِّمُوْنَ النَّاسَ السِّحْرَ. (البقرة: ۱۰۲)

نہیں کیا سلیمان نے لیکن شیطانوں نے کفر کیا کہ سکھلاتے تھے لوگوں کو جادو۔

پس معلوم ہوا کہ شیطانوں کی سازش ہی سے دنیا میں جادو کا عموم ہوتا ہے۔(مستفاد: ابن کثیر ۱/۱۷۹، تفسیر قرطبی ۲/۴۱-۴۲)

حضورِ اکرم ﷺ پر سحر کئے جانے کا واقعہ

یہ ایک حقیقت ہے کہ جادو کے اثر سے آدمی متأثر ہوسکتا ہے، اس میں نیک اور بد کی کوئی تخصیص نہیں، حتیٰ کہ صحیح روایات سے یہ بات ثابت ہے کہ سرورِ عالم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی جادو کیا گیا اور ایک خاص معاملہ میں اس کا اثر آپ پر ظاہر بھی ہوا، پھر اللہ تعالیٰ نے دو مقدس سورتیں (سورۂ فلق اور سورۂ ناس) نازل فرما کر آپ کو اس تکلیف اور ذہنی الجھن سے نجات عطا فرمائی، تفصیلی روایت ملاحظہ فرمائیں:

صحیح بخاری شریف میں ام المؤمنین سیدتنا حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک یہودی نے سحر (جادو) کیا، تو اس کا اثر آپ پر یہ تھا کہ بعض اوقات آپ محسوس کرتے تھے کہ فلاں کام (بیویوں سے قربت) کرلیا ہے، مگر وہ نہیں کیا ہوتا تھا، پھر ایک روز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے فرمایا کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے بتلا دیا ہے کہ میری بیماری کیا ہے؟ اور فرمایا کہ (خواب میں) دو شخص آئے، ایک میرے سرہانے بیٹھ گیا، اور دوسرا پاؤں کی طرف۔ سرہانے والے نے دوسرے سے کہا کہ ان کو کیا تکلیف ہے؟ دوسرے نے کہا یہ مسحور (جادو کئے ہوئے) ہیں، اس نے پوچھا کہ ان پر کس نے سحر کیا ہے؟ تو اس نے جواب دیا کہ ”لبید بن اعصم“ نے، جو یہودیوں کا حلیف منافق ہے، اس نے پوچھا کہ کس چیز میں جادو کیا ہے؟ اس نے بتلایا کہ ایک کنگھے اور اس کے دندانوں میں۔ پھر اس نے پوچھا کہ وہ کہاں ہیں؟ تو اس نے بتلایا کہ کھجور کے اس غلاف میں جس میں کھجور کا پھل پیدا ہوتا ہے، بئر ذروان (ایک کنویں کا نام ہے) میں ایک پتھر کے نیچے مدفون ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم

اس کنویں پر تشریف لے گئے اور اس کو نکال لیا، اور فرمایا کہ مجھے خواب میں یہی کنواں دکھلایا گیا تھا۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ آپ نے اس کا اعلان کیوں نہ کر دیا (کہ فلاں شخص نے یہ حرکت کی ہے) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے اللہ نے شفا دے دی اور مجھے یہ پسند نہیں کہ میں کسی شخص کے لئے کسی تکلیف کا سبب بنوں۔ (مطلب یہ تھا کہ اگر اس کا اعلان ہوتا تو لوگ اس کو قتل کر دیتے یا تکلیف پہنچاتے) پھر آپ نے ان چیزوں کو دفن کرنے کا حکم دیا۔ (بخاری شریف ۲/۸۵۷-۸۵۸)

اور مسند احمد کی روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا یہ مرض چھ مہینے تک رہا اور بعض روایتوں میں یہ بھی ہے کہ جن صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو معلوم ہو گیا تھا کہ یہ کام ''لبید بن اعصم'' نے کیا ہے، تو انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ ہم اس خبیث کو کیوں قتل نہ کر دیں؟ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے وہی جواب دیا جو ام المؤمنین سیدتنا حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو دیا تھا۔

اور امام ثعلبیؒ کی روایت میں ہے کہ ایک لڑکا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کرتا تھا، اس منافق یہودی نے اس کو بہلا پھسلا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کنگھا اور کچھ اس کے دندانے اس سے حاصل کر لئے، اور ایک تانت کے تار میں گیارہ گرہیں لگائیں، ہر گرہ میں ایک سوئی لگائی، کنگھے کے ساتھ اس کو کھجور کے پھل کے غلاف میں رکھ کر ایک کنویں میں پتھر کے نیچے دبا دیا۔

اللہ تعالیٰ نے یہ دو سورتیں (سورۂ فلق وسورۂ ناس) نازل فرمائیں، جن میں گیارہ آیتیں ہیں، آپ ہر گرہ پر ایک ایک آیت پڑھ کر ایک ایک کھولتے رہے، یہاں تک کہ سب گرہیں کھل گئیں، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اچانک ایک بوجھ سا اتر گیا اور بندش کھل گئی۔ (معارف القرآن ۸/۲۰۷، حل الشبہات من الرقیۃ والتعویذات ۱۵۳-۱۵۴)

پیغمبر علیہ السلام پر جادو کئے جانے کے متعلق روایات چوں کہ صحیح ترین سندوں کے ساتھ مروی ہیں، اس لئے ان کے انکار کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ جس شخص پر جادو ہونے کا گمان غالب ہو جائے اسے جادو کے ازالہ کے لئے شریعت کے دائرہ میں رہتے ہوئے مناسب تدبیریں اختیار کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

ایک شبہ اور اس کا جواب

یہاں کوئی یہ شبہ نہ کرے کہ نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حفاظت کا تو خود اللہ تبارک وتعالیٰ نے وعدہ فرمایا تھا، جیسا کہ قرآنِ کریم میں ہے: ﴿وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ﴾ [المائدة: ٦٧] تو پھر آپ پر سحر کا اثر کیوں ظاہر ہوا؟

اس شبہ کے کئی جوابات دئے گئے ہیں:

(۱) آیت میں جس حفاظت کا ذکر ہے، اس سے دل کی حفاظت مراد ہے، بدن کی حفاظت مراد نہیں ہے۔ اسی بنا پر آپ کے ظاہری بدن پر تو اثرات ظاہر ہوئے، مثلاً آپ کو زخمی کیا گیا، اور آپ کے دندانِ مبارک شہید ہوئے، اور قریش نے آپ کے ساتھ ناروا سلوک کیا، وغیرہ؛ لیکن آپ کے قلبِ اطہر پر کسی کا اثر نہ چل سکا۔

(۲) اور دوسرا جواب یہ ہے کہ آیت میں حفاظت سے مراد جانی حفاظت ہے، یعنی کوئی شخص آپ پر غالب آ کر شہید نہ کر پائے گا؛ لیکن بدن میں عارضی طور پر کوئی دشواری پیش آئے تو وہ اس حفاظت کے منافی نہیں ہے، اور جادو کا اثر بھی عارضی اور ظاہری اثرات میں سے ہے۔

(الزواجر عن اقتراف الکبائر ۲/۱۶۳-۱۶۴)

مشہور سیرت نگار عالم علامہ ابن القیم الجوزیؒ فرماتے ہیں:

قَدْ أَنْكَرَ هٰذَا طَائِفَةٌ مِنَ النَّاسِ وَقَالُوْا: لَا يَجُوْزُ هٰذَا عَلَيْهِ، وَظَنُّوْهُ نَقْصًا وَعَيْبًا وَلَيْسَ الْأَمْرُ كَمَا زَعَمُوْا؛ بَلْ هُوَ مِنْ جِنْسِ مَا

لوگوں کی ایک جماعت نے حضور اکرم علیہ السلام پر سحر کے اثر کا انکار کرتے ہوئے کہا ہے کہ یہ آپ کے حق میں جائز نہیں اور انہوں نے اس کو نقص اور عیب سمجھا ہے، حالاں کہ معاملہ وہ نہیں ہے جو

كَانَ يَعْتَرِيْهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الْأَسْقَامِ وَالْأَوْجَاعِ وَهُوَ مَرَضٌ مِنَ الْأَمْرَاضِ وَإِصَابَتُهُ بِهِ كَإِصَابَتِهِ بِالسَّمِّ لَا فَرْقَ بَيْنَهُمَا.

(زاد المعاد ١٢٥/٤)

انہوں نے خیال کیا؛ بلکہ یہ سحر اسی قبیل سے ہے، جیسا کہ حضور اکرم علیہ السلام کو بیماری یا جسمانی تکلیف پیش آتی تھی (جس کا کوئی منکر نہیں) اور یہ جادو بھی بیماریوں میں سے ایک بیماری ہے اور آپ ﷺ کا اس میں مبتلا ہونا ایسا ہی ہے جیسے زہر سے متأثر ہونا، دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔

اور معروف شارح حدیث حضرت قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے بہت شاندار انداز میں ایسے سب شبہات کا جواب دیتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے:

وَالسِّحْرُ مَرَضٌ مِنَ الْأَمْرَاضِ وَعَارِضٌ مِنَ الْعِلَلِ يَجُوْزُ عَلَيْهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَأَنْوَاعِ الْمَرَضِ مِمَّا لَا يُنْكَرُ وَلَا يُقْدَحُ فِيْ نُبُوَّتِهِ، وَأَمَّا كَوْنُهُ يُخَيَّلُ إِلَيْهِ أَنَّهُ فَعَلَ الشَّيْءَ وَلَمْ يَفْعَلْهُ فَلَيْسَ فِيْ هٰذَا مَا يَدْخُلُ عَلَيْهِ دَاخِلَةٌ فِيْ شَيْءٍ مِنْ صِدْقِهِ لِقِيَامِ الدَّلِيْلِ وَالْإِجْمَاعِ عَلٰى عِصْمَةٍ مِنْ هٰذَا، وَإِنَّمَا هٰذَا فِيْمَا يَجُوْزُ طَرُؤُهُ عَلَيْهِ فِيْ أَمْرِ دُنْيَاهُ الَّتِيْ لَمْ يُبْعَثْ لِسَبَبِهَا وَلَا فُضِّلَ مِنْ أَجْلِهَا وَهُوَ فِيْهَا عُرْضَةٌ لِلْآفَاتِ كَسَائِرِ الْبَشَرِ فَغَيْرُ بَعِيْدٍ أَنَّهُ يُخَيَّلُ إِلَيْهِ

اور جادو بیماریوں میں سے ایک بیماری اور تکلیف کے اسباب میں سے ایک عارض ہے، اور جس طرح بلا کسی نکیر کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مریض ہونا آپ کی نبوت ورسالت کے معارض نہیں ہے، اسی طرح جادو سے متأثر ہونا بھی مانع نہیں ہے۔ اور رہ گئی یہ بات کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بعض ناکردہ باتوں کے کرنے کا خیال ہوتا تھا، تو یہ بات آپ ﷺ کی سچائی کے لئے قابلِ اشکال نہیں ہے؛ کیونکہ یہ بات دلیل اور اجماع سے ثابت ہے کہ آپ سچائی کے معاملہ میں غیر کے اثر سے بالکل محفوظ ہیں، اور سحر کا اثر صرف اسی صورت میں متصور ہے جن کا تعلق امور دنیا سے ہو، جن کے لئے آپ کی بعثت نہیں ہوئی ہے اور نہ ان کی بنیاد پر دیگر مخلوقات پر آپ کی فضیلت

مِنْ أُمُوْرِهَا مَا لَا حَقِيْقَةَ لَهُ ثُمَّ يَنْجَلِي عَنْهُ كَمَا كَانَ. (زاد المعاد ١٢٤/٤)

ہے، اور ایسے معاملات میں آپ اسی طرح مصیبتوں کے نشانہ پر ہیں جیسا کہ دیگر انسان رہتے ہیں، تو یہ بات کوئی بعید نہیں ہے کہ آپ کے دل میں ایسے امور کا خیال آئے جن کی کوئی حقیقت نہ ہو، پھر بعد میں اصل حقیقت منکشف ہو جائے۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ جس طرح دیگر امراض کا پیش آنا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے منافی نہیں، اسی طرح جادو سے متأثر ہونا بھی اس کے خلاف نہیں ہے، اور جب حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پر جادو کا اثر ہو سکتا ہے تو آپ کی امت کے دیگر افراد بدرجۂ اولیٰ سحر سے متأثر ہو سکتے ہیں۔

جادوگر کی باتوں پر یقین کرنا حرام ہے

شریعت میں جادوگر کے پاس آنا جانا اور اس کی بتائی ہوئی باتوں پر یقین کرنا قطعاً حرام ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: ”تین آدمی جنت میں داخل نہ ہوں گے: (۱) شراب کا عادی شخص (۲) جادو پر یقین کرنے والا شخص (۳) رشتہ داروں کے ساتھ قطع رحمی کرنے والا شخص“۔ (ابن حبان وغیرہ، الزواجر ۱۷۶/۲)

نیز نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے:

مَنْ أَتٰى عَرَّافاً أَوْ سَاحِراً أَوْ كَاهِناً يُؤْمِنُ بِمَا يَقُوْلُ فَقَدْ كَفَرَ بِمَا أُنْزِلَ عَلٰى مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. (الطبراني في الكبير، الزواجر ١٧٧/٢)

جو شخص غیب دانی کے دعوے دار، جادوگر یا کاہن کے پاس جائے اور اس کی بات پر یقین کرے تو اس نے اس وحی کا انکار کیا جو حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی ہے۔

نیز پیغمبر علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

مَنْ أَتٰى كَاهِناً فَسَأَلَهُ عَنْ شَيْءٍ

جس شخص نے جادوگر کے پاس جا کر کوئی بات

حُجِبَتْ عَنْهُ التَّوْبَةُ أَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً فَإِنْ صَدَّقَهُ بِمَا قَالَ فَقَدْ كَفَرَ.

(الطبراني، الزواجر ۱۷۷/۲)

پوچھی تو اس سے چالیس دن تک توبہ کی توفیق سلب کرلی جاتی ہے، اور اگر اس نے جادوگر کی کہی ہوئی بات کی تصدیق کردی تو گویا کہ کافر ہوگیا۔

اسی طرح پیغمبر علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ ’’جو شخص غیب کی جھوٹی باتیں بتلانے والے کے پاس جائے اور اس کی باتوں کی تصدیق کرے تو چالیس دن تک اس کی نماز قبول نہیں ہوتی‘‘۔

(مسلم شریف، الزواجر ۱۷۷/۲)

واضح رہے کہ قرآن وحدیث کی اصطلاح میں سحر اور جادو کا اطلاق انہی صورتوں پر ہوتا ہے جن میں کفر اعتقادی یا کفر عملی پایا جائے؛ لہٰذا کسی بھی مسلمان کے لئے ان سفلی عملیات کے قریب بھی جانا جائز نہیں ہے، اور ایسے جادوگروں کی باتوں میں آکر کسی سے بدگمانی بٹھانا بھی درست نہیں ہے؛ کیوں کہ ان کی اکثر باتیں قطعاً جھوٹ ہوتی ہیں اور ان کا مقصد فتنہ انگیزی اور مال ودولت اینٹھنے کے سوا کچھ نہیں ہوتا ہے۔

افسوس ہے کہ آج مسلم معاشرہ میں سحر اور جادو کا چلن بھی عام ہوتا جارہا ہے۔ عداوت، حسد، بغض کی بنا پر بہت سے لوگ بالخصوص خواتین بے محابا سفلی عاملوں اور جادوگروں حتی کہ پنڈتوں کے پاس جاتی ہیں اور دوسروں کو نقصان پہنچانے کی خاطر اپنے دین وایمان کو برباد کرآتی ہیں، ایسے سب لوگوں پر اللہ سے سچی توبہ لازم ہے، دنیا کی چندروزہ زندگی کے لئے اپنا دین وایمان تباہ کردینا سخت محرومی کی بات ہے۔ دوسری طرف بہت سے لوگ ایسے بھی ہیں جنہیں ہر پریشانی میں جادو کا وہم ہونے لگتا ہے، جہاں کوئی تکلیف ہوئی بس عاملوں کے چکر لگانے شروع کردیتے ہیں، اور یہ وہم ہی ان کے لئے مستقل دردِ سر بن جاتا ہے، اس لئے ایسی سب باتوں سے ہر مسلمان کو اجتناب کرنا چاہئے، اور اللہ تعالیٰ کی ذات پر کامل بھروسہ کرنا چاہئے۔ اللہ تعالیٰ پوری امت کو گمراہیوں سے محفوظ رکھیں، آمین۔

چھٹا باب:

اِنَّ اللّٰهَ يَأۡمُرُ بِالۡعَدۡلِ وَالۡاِحۡسَانِ وَاِيۡتَآءِ ذِى الۡقُرۡبٰى
وَيَنۡهٰى عَنِ الۡفَحۡشَآءِ وَالۡمُنۡكَرِ
يَعِظُكُمۡ لَعَلَّكُمۡ تَذَكَّرُوۡنَ ○
[النحل: ٩٠]

بغاوت اور سرکشی کی ممانعت

پہلی فصل:

''اَلْبَغْيُ'' کے معنی

آیت: ﴿اِنَّ اللّٰہَ یَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ﴾ الآیة [النحل: ٩٠] میں جن باتوں سے منع کیا گیا ہے، ان میں آخری بات ''البغي'' ہے، یہ لفظ ہر طرح کی سرکشی، ظلم وعدوان اور فتنہ وفساد کو شامل ہے۔ (الموسوعۃ الفقہیۃ ٨/١٣٠ مادة: بغاة)

اصل میں ''بغي'' کے معنی حد سے تجاوز کرنے کے آتے ہیں، اور عموماً اس لفظ کا استعمال مذموم مقاصد میں حد سے آگے بڑھنے کے معنی میں کیا جاتا ہے۔ اسی معنی کے اعتبار سے یہ لفظ حسد، ظلم اور تکبر کے موقع پر بھی مستعمل ہے؛ کیوں کہ ظالم اور حاسد وغیرہ اپنی حد پر قائم نہیں رہتے؛ بلکہ انسانی اور اسلامی حدود سے تجاوز کر جاتے ہیں۔ چناں چہ قرآنِ کریم کی متعدد آیات میں موقع محل کے اعتبار سے یہ لفظ اسی سے ملتے جلتے معانی میں استعمال ہوا ہے۔ (عمدة الحفاظ فی تفسیر اشرف الالفاظ للعلامۃ شہاب الدین احمد بن یوسف الحلبیؒ ٥٧، فتح الباری، کتاب الادب/ باب ٥٦ حدیث: ٦٠-٦٣)

اس کے متعلق چند آیات ذیل میں پیش ہیں:

(١) بِئْسَمَا اشْتَرَوْا بِهٖ اَنْفُسَهُمْ اَنْ يَّكْفُرُوْا بِمَا اَنْزَلَ اللّٰهُ بَغْيًا اَنْ يُّنَزِّلَ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ. (البقرة: ٩٠)

جس چیز کے بدلہ میں انہوں نے اپنے آپ کو بیچا وہ بری چیز ہے کہ وہ اللہ کے نازل کردہ احکامات کے منکر ہوئے حسد کرتے ہوئے اس پر کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہے اپنے فضل سے نوازے۔

اس آیت میں ''بغي'' کا لفظ حسد کے معنی میں بولا گیا ہے۔ (روح المعانی ١/٥٠٨)

(۲) وَمَا تَفَرَّقُوْا اِلَّا مِنْ بَعْدِ مَا جَآءَ هُمُ الْعِلْمُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ. (الشوریٰ: ١٤) — اور انہوں نے یقینی علم آنے کے بعد ہی آپس میں عداوتوں کی بنیاد پر تفرقہ ڈالا۔

اس آیت میں "بغي" کا لفظ ضد یا دشمنی کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔

ایک دوسری آیت میں ہے:

(۳) قُلْ اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّیَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَالْاِثْمَ وَالْبَغْیَ بِغَيْرِ الْحَقِّ. (الاعراف: ۳۳) — آپ فرمادیجئے کہ میرے رب نے کھلی ہوئی اور چھپی ہوئی (ہر طرح کی) بے حیائیوں اور گناہ اور ناحق زیادتی کو ہی حرام قرار دیا ہے۔

آیت بالا میں ''بغي'' کا لفظ ظلم وزیادتی کے معنی میں بولا گیا ہے۔

(٤) فَلَمَّا اَنْجَاهُمْ اِذَا هُمْ يَبْغُوْنَ فِی الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ، يٰاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّمَا بَغْيُكُمْ عَلٰى اَنْفُسِكُمْ. (یونس: ۲۳) — پھر جب اللہ نے ان کو (مصیبت سے) نجات دی تو وہ ناحق زمین میں سرکشی کرنے لگتے ہیں۔ اے لوگو! یہ سرکشی تم ہی پر پڑنے والی ہے۔

اس آیت میں سرکشی کے لئے اس لفظ کا استعمال ہوا ہے۔

نیز ارشادِ خداوندی ہے:

(٥) فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَلَا اِثْمَ عَلَيْهِ. (النحل: ١١٥) — اور جو کوئی بے اختیار ہوجائے نہ تو وہ نافرمانی کرے اور نہ زیادتی کرے تو اس پر کچھ گناہ نہیں ہے۔

نیز ایک جگہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے مخلص اہل ایمان کی صفات بیان کرتے ہوئے اس لفظ کو دوسرے پیرائے میں استعمال فرمایا ہے، ارشاد ہے:

(٦) وَالَّذِيْنَ اِذَا اَصَابَهُمُ الْبَغْیُ هُمْ يَنْتَصِرُوْنَ. (الشوریٰ: ۳۹) — اور جب ان پر ظلم وزیادتی ہوتی ہے تو وہ بدلہ لیتے ہیں۔

اور ایک آیت میں فرمایا گیا:

(۷) اِنَّمَا السَّبِيْلُ عَلَى الَّذِيْنَ يَظْلِمُوْنَ النَّاسَ وَيَبْغُوْنَ فِى الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ. (الشوریٰ: ٤٢)

الزام تو ان لوگوں پر ہے جو لوگوں پر ظلم کرتے ہیں، اور ملک میں ناحق سرکشی مچاتے ہیں، ایسے لوگوں کے لئے اذیت ناک عذاب ہے۔

حکمرانوں کے لئے ایک عبرت آموز واقعہ

درج بالا آیت کی تفسیر کرتے ہوئے علامہ ابن کثیرؒ (المتوفی ۷۷۴ھ) نے لکھا ہے کہ محمد بن واسعؒ کہتے ہیں کہ میں مکہ معظّمہ پہنچا تو ایک جگہ خندق پر پل بنا ہوا تھا، وہاں مجھے گرفتار کرلیا گیا اور مروان بن مہلب- جو اس وقت بصرہ کے گورنر تھے- ان کے پاس مجھے لے جایا گیا، انہوں نے پوچھا کہ آپ کا کیا کام ہے؟ میں نے کہا کہ میں یہ چاہتا ہوں کہ آپ قبیلہ بنوعدی کے امیر علاء بن زیاد کی طرح ہوجائیں، جنہوں نے اپنے ایک دوست کو حکومت میں کوئی ذمہ داری دی اور یہ تحریر لکھی کہ: ''اگر تم رات اس طرح گذارو کہ تمہاری پیٹھ (ذمہ داریوں سے) بوجھل نہ ہو اور تمہارا پیٹ (پوری طرح) بھرا ہوا نہ ہو اور تمہارے ہاتھ مسلمانوں کے جان ومال میں ظلم وتعدی سے محفوظ ہوں تو تم پر کوئی داروگیر نہ ہوگی، پھر مذکورہ آیت لکھی، جس کا ترجمہ یہ ہے کہ: ''پکڑ تو ان لوگوں کی ہوگی جو لوگوں پر ظلم کرتے ہیں، اور دنیا میں ناحق سرکشی مچاتے ہیں، اُن کے لئے دردناک عذاب ہے''۔

یہ سن کر مروان بن مہلب نے کہا کہ ''بات تو سچ ہے اور نصیحت درست ہے، اب بتاؤ تم کیا چاہتے ہو''؟ تو محمد بن واسع نے کہا کہ: ''آپ مجھے اپنے گھر والوں کے پاس بھیج دیں''۔ چناں چہ انہوں نے مجھے چھوڑ دیا۔ (تفسیر ابن کثیر مکمل ۱۱۹۳)

اس واقعہ میں جن تین باتوں کی طرف رہنمائی کی گئی ہے وہ خاص طور پر حکمرانوں کے لئے توجہ کے قابل ہیں۔

اللہ کے حکم سے روگردانی سب سے بڑی بغاوت ہے

شریعت کی نظر میں بغاوت کا سب سے بڑا مصداق یہ ہے کہ انسان اپنے خالق و مالک کی ہدایات کو نظرانداز کردے، اور اپنے سطحی مفادات اور لذات کی خاطر احکامِ خداوندی کو پس پشت

ڈال دے، اس سے بڑی بغاوت اور کچھ نہیں ہوسکتی۔ قرآنِ کریم میں جابجا سرکش اور باغی اقوام اور ان کے خطرناک انجام کا ذکر کیا گیا ہے، خاص طور پر بنی اسرائیل کی فساد انگیز حرکتوں پر سخت تنبیہ کی گئی ہے۔ ایک جگہ بنی اسرائیل کے بارے میں ارشادِ خداوندی ہے:

ذٰلِکَ جَزَیْنَاھُمْ بِبَغْیِھِمْ وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ. (الانعام: ۱۴۶)

یہ سزا ہم نے ان کو اُن کی سرکشی کی وجہ سے دی، اور یقیناً ہم ہی سچے ہیں۔

یہودیوں کی بغاوت وسرکشی حد سے بڑھی ہوئی تھی، انہوں نے برملا انبیاء علیہم السلام کی ہدایات سے انکار کیا، شرعی احکامات کو پامال کیا، اور حدتو یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام اور مصلحین اُمت کو شہید کرنے تک جیسے بدترین اعمال کا ارتکاب کرتے رہے۔ اسی وجہ سے ان پر انبیاء علیہم السلام کی زبانی لعنت بھیجی گئی۔ ارشادِ خداوندی ہے:

لُعِنَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا مِنْ بَنِیْ اِسْرَائِیْلَ عَلٰی لِسَانِ دَاوٗدَ وَعِیْسٰی بْنِ مَرْیَمَ، ذٰلِکَ بِمَا عَصَوْا وَّ کَانُوْا یَعْتَدُوْنَ. کَانُوْا لَا یَتَنَاھَوْنَ عَنْ مُّنْکَرٍ فَعَلُوْہُ، لَبِئْسَ مَا کَانُوْا یَفْعَلُوْنَ. (المائدۃ: ۷۸-۷۹)

بنی اسرائیل کے کفر پر حضرت داؤد اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام کی زبانی لعنت بھیجی گئی، یہ اس لئے ہوا کہ وہ نافرمان اور حد سے گذر گئے تھے، وہ آپس میں اس برے کام سے منع نہ کرتے تھے، جو وہ کررہے تھے، کیا ہی برا کام ہے وہ جو کرتے تھے۔

اس آیت کی تشریح کرتے ہوئے حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ تحریر فرماتے ہیں:

”یوں تو تمام کتبِ سماویہ میں کافروں پر لعنت کی گئی ہے؛ لیکن بنی اسرائیل کے کافروں پر جب وہ عصیان وتمرد میں حد سے گذر گئے کہ نہ مجرم کسی طرح ارتکاب جرائم سے باز آتا تھا اور نہ غیر مجرم مجرم کو روکتا تھا؛ بلکہ سب شیر وشکر ہوکر بے تکلف ایک دوسرے کے ہم پیالہ وہم نوالہ بنے ہوئے تھے۔ منکرات وفواحش کا ارتکاب کرنے والوں پر کسی طرح کے انقباض، تکدر اور ترش روئی کا اظہار بھی نہ ہوتا تھا، تب خدا نے حضرت داؤد اور حضرت مسیح علیہما السلام کی زبان سے ان پر لعنت

کی، جیسے گناہوں پر ان کی جسارت حد سے گذر چکی تھی، یہ لعنت بھی جو ایسے جلیل القدر انبیاء کے توسط سے کی گئی، غیر معمولی طور پر تباہ کن ثابت ہوئی۔ غالبًا اسی لعنت کے نتیجہ میں ان میں کے بہت سے افراد ظاہراً و باطناً بندر اور خنزیر کی شکل میں مسخ کر دیئے گئے اور باطنی مسخ کا دائرہ تو اس قدر وسیع ہوا کہ ان کے بہت سے لوگ آج بھی ان مسلمانوں کو چھوڑ کر جو خدا کی تمام کتبِ سماویہ تمام انبیاء کی تصدیق و تعظیم کرتے ہیں، مشرکین مکہ سے جو خالص بت پرست اور نبوت وغیرہ سے جاہل محض ہیں، مسلمانوں کے خلاف دوستی گانٹھتے ہیں، اگر ان اہل کتاب کو خدا، نبی اور وحی الٰہی پر واقعی اعتقاد ہوتا تو کیا یہ ممکن تھا کہ اس قوم کی ضد میں جو ان تمام چیزوں کو مکمل طور پر مانتے ہیں، بت پرستوں سے ساز باز کرتے، یہ بے حسی، بدمذاقی اور خدا پرستوں سے بھاگ کر بت پرستوں سے دوستی کرنا، اسی لعنت اور پھٹکار کا اثر ہے جس نے انہیں خدا کی رحمتِ عظیمہ سے کوسوں دور پھینک دیا ہے‘‘۔

(تفسیر عثمانی بر ترجمہ شیخ الہند ۲۵۴ مکتبۃ البشریٰ کراچی پاکستان)

بہرحال مذکورہ آیات وتفاسیر سے یہ بات واضح ہوئی کہ احکامِ خداوندی سے روگردانی بدترین جرم ہے، اس سے ہر حال میں بچنا ضروری ہے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو دین پر استقامت سے نوازیں، اور ہر قسم کی سرکشی سے محفوظ فرمائیں، آمین۔

دوسری فصل:

قتلِ ناحق؛ بدترین جرم

واضح ہو کہ زیرِ بحث آیت میں "البغي" کے مفہوم میں ظلم و زیادتی بھی شامل ہے، جس کا سب سے بڑا مظاہرہ "قتلِ ناحق" کی صورت میں سامنے آتا ہے، اِسلام کی نظر میں کسی انسان کا ناحق قتل انتہائی سنگین جرم ہے۔ چناں چہ قرآن پاک میں ایک بے قصور شخص کے قتل کو پوری انسانیت کے قتل کے درجہ میں قرار دیا گیا ہے، جیسا کہ ارشادِ خداوندی ہے:

مِنْ اَجْلِ ذٰلِکَ کَتَبْنَا عَلٰی بَنِیْ اِسْرَآئِیْلَ اَنَّهٗ مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَیْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِی الْاَرْضِ فَکَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِیْعًا وَمَنْ اَحْیَاهَا فَکَاَنَّمَا اَحْیَا النَّاسَ جَمِیْعًا. (المائدة: ٣٢)

اسی سبب سے ہم نے بنی اسرائیل پر یہ بات لکھ دی تھی کہ جو کوئی جان کے عوض کے بغیر کسی جان کو قتل کرے یا بغیر فساد کے (قتل کرے) تو اس نے سب لوگوں کو قتل کر ڈالا۔ اور جس نے ایک جان کو زندہ رکھا تو گویا اس نے سب لوگوں کو زندہ رکھا۔

واقعہ یہ ہے کہ اگر دنیا میں بلاوجہ قتل وقتال کا سلسلہ جاری ہو تو کسی شخص کی بھی جان محفوظ نہیں رہتی اور خوف ودہشت کی وجہ سے زندگی کا سکون کافور ہو جاتا ہے، پس امن وامان کی بقا کے لئے خوں ریزی سے بچنا ناگزیر ہے، اسی لئے احادیثِ شریفہ میں قتل ناحق کو "اکبرالکبائر" (سب سے بڑے) گناہوں میں شامل کیا گیا ہے۔ خادم رسول سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

أَكْبَرُ الْكَبَائِرِ: اَلإِشْرَاکُ بِاللّٰهِ، وَقَتْلُ النَّفْسِ، وَعُقُوْقُ الْوَالِدَيْنِ، وَقَوْلُ الزُّوْرِ، أَوْ قَالَ: شَهَادَةُ الزُّوْرِ. (بخاري شريف ١١٥/٢ رقم: ٦٨٧١)

سب سے بڑے گناہ یہ ہیں: اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرانا، کسی انسان کو ناحق قتل کرنا، والدین کی نافرمانی کرنا، اور جھوٹی بات یا جھوٹی گواہی دینا۔

نیز ارشادِ نبوی ہے:

لَنْ يَزَالَ الْمُؤْمِنُ فِيْ فُسْحَةٍ مِنْ دِيْنِهٖ مَالَمْ يُصِبْ دَمًا حَرَامًا. (بخاري شريف ١٠١٤/٢ رقم: ٦٨٦٢)

ایمان والا شخص برابر اپنے دین کے بارے میں وسعت وسہولت میں رہتا ہے جب تک کہ خون حرام میں مبتلا نہ ہو۔

اور حضرت امام بخاریؒ نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا یہ مقولہ نقل فرمایا ہے:

إِنَّ وَرَطَاتَ الْأُمُوْرِ الَّتِيْ لَا مَخْرَجَ لِمَنْ أَوْقَعَ نَفْسَهٗ فِيْهَا: سَفْکُ الدَّمِ الْحَرَامِ بِغَيْرِ حِلِّهٖ.

یقیناً وہ ہلاکت خیز معاملات جن میں مبتلا ہونے کے بعد نکلنے کا کوئی راستہ نہیں رہتا، ان میں شرعی اجازت کے بغیر محترم خون کا بہانا بھی ہے۔

(بخاري شريف ١٠١٤/٢ رقم: ٦٨٦٢)

ان احادیث سے قتل ناحق کی برائی کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

دنیا میں سب سے پہلے قتل کرنے والے پر گناہوں کا بوجھ

قرآن پاک میں حضرت آدم علیہ السلام کے دو بیٹوں ہابیل اور قابیل کا ذکر ہے کہ نکاح کے معاملہ میں حسد کی بنیاد پر قابیل نے اپنے بھائی ہابیل کو قتل کر دیا تھا، جو دنیا میں سب سے پہلا قتل کا واقعہ تھا، اس جرم عظیم کی پاداش میں قیامت تک جتنے بھی ناحق قتل ہوں گے، اس کے وبال میں قابیل بھی شریک ہوگا، چناں چہ بخاری ومسلم میں روایت ہے کہ نبی کریم علیہ السلام نے فرمایا:

لَا تُقْتَلُ نَفْسٌ ظُلْمًا إِلَّا کَانَ عَلَی ابْنِ آدَمَ الْأَوَّلِ کِفْلٌ مِنْ دَمِهَا؛

دنیا میں جب بھی کہیں کسی کا ظلماً قتل ہوتا ہے تو اس کا وبال حضرت آدم علیہ السلام کے پہلے بیٹے

لِأَنَّهُ أَوَّلُ مَنْ سَنَّ الْقَتْلَ. (بخاري شريف ١٠١٤/٢ رقم: ٦٨٦٧، مسلم شريف ٦٠/٢ رقم: ١٦٧٧)

(قابیل) پر بھی ہوتا ہے، جس نے دنیا میں سب سے پہلے قتل کے گناہ کا ارتکاب کیا۔

اَولین قاتل کے لئے اتنی سنگین وعید کی وجہ یہ ہے کہ ناحق خون کا اثر صرف مقتول تک نہیں رہتا؛ بلکہ اگلی نسلوں تک اس کے مضر اثرات منتقل ہوتے ہیں۔ اور جب جس کو موقع ملتا ہے وہ خون کا بدلہ لے لیتا ہے، کتنے ہی خاندان سلسلہ درسلسلہ خوں ریزیوں کی نذر ہوکر فنا ہوگئے اور قصۂ پارینہ بن چکے ہیں۔

مؤمن کو قتل کرنے کا گناہ

ویسے تو ہر بے قصور انسان کا قتل گناہ عظیم ہے؛ لیکن خاص طور پر صاحب ایمان کا قتل زیادہ بڑا گناہ ہے۔ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَمَنْ يَقْتُلْ مُؤْمِنًا مُتَعَمِّدًا فَجَزَاؤُهُ جَهَنَّمُ خَالِدًا فِيهَا وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهُ وَاَعَدَّ لَهُ عَذَابًا عَظِيمًا. (النساء: ٩٣)

جس نے جان بوجھ کر کسی مؤمن کو قتل کیا اس کا بدلہ جہنم ہے، جس میں وہ ہمیشہ رہے گا، اس پر اللہ کا غضب اور اس کی لعنت ہے۔ اور اللہ نے اس کے لئے زبردست عذاب تیار کیا ہے۔

اس آیت میں کئی وعیدیں ایک ساتھ ذکر کی گئی ہیں: (۱) جہنم کی آگ (۲) پھر اس میں لمبی مدت تک رہنا (۳) پھر اللہ کا غضب ہونا (۴) پھر اللہ کی پھٹکار ہونا (۵) اور عذاب عظیم کا تیار کیا جانا۔ واقعہ یہ ہے کہ ان میں سے اگر ایک وعید بھی ہوتی تو ڈرنے کے لئے کافی تھی، مگر یہاں اللہ تعالیٰ کے غضب کو ایسا جوش آیا کہ پانچ وعیدیں ایک جگہ پر جمع کردی گئی ہیں، اللّٰهُمَّ احْفَظْنَا مِنْهُ۔

نیز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

سِبَابُ الْمُسْلِمِ فُسُوْقٌ، وَقِتَالُهُ كُفْرٌ. (بخاري شريف ١٢/١ رقم: ٤٨، مسلم شريف ٥٨/١ رقم: ٦٤)

مسلمان کو برا بھلا کہنا گناہ ہے اور اس کو قتل کرنا کفریہ عمل ہے۔

اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ بھی ارشاد ہے:

قَتْلُ الْمُؤْمِنِ أَعْظَمُ عِنْدَ اللّٰهِ مِنْ زَوَالِ الدُّنْيَا. (نسائي ١٦٢/٢ رقم: ٣٩٩٢، سنن الترمذي ٢٥٩/١)

مؤمن کا قتل کرنا اللہ تعالیٰ کے نزدیک دنیا کے فنا ہوجانے سے بھی بڑھ کر ہے۔

اور مسند احمد میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے حوالہ سے پیغمبر علیہ السلام کا یہ ارشاد منقول ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

كُلُّ ذَنْبٍ عَسَى اللّٰهُ أَنْ يَغْفِرَهُ إِلَّا الرَّجُلُ يَمُوْتُ كَافِرًا، أَوِ الرَّجُلُ يَقْتُلُ مُؤْمِنًا مُتَعَمِّدًا. (مسند أحمد ١٦٩٠٧، نسائي ١٦٢/٢ رقم: ٣٩٩٠، ومثله في سنن أبي داؤد ٥٨٧/٢)

ہر گناہ کے بارے میں امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے معاف فرمادیں گے سوائے اس شخص کے جو کفر کی حالت میں مرے یا وہ شخص جو کسی مؤمن کو جان بوجھ کر قتل کرے۔

نیز نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

لَوْ أَنَّ أَهْلَ سَمَاوَاتِهِ وَأَهْلَ أَرْضِهِ اِشْتَرَكُوْا فِيْ دَمِ مُؤْمِنٍ لَأَدْخَلَهُمُ النَّارَ. (الزواجر عن البيهقي ١٥٠، كذا في سنن الترمذي رقم: ١٣٩٨، الترغيب والترهيب رقم: ٣٧١٣)

اگر آسمان اور زمین میں سب رہنے والے کسی ایک مسلمان کے قتل میں شریک ہوں تو اللہ تعالیٰ (اس جرم کی سزا میں) ان سب کو جہنم میں داخل فرمادیں گے۔

اور ایک ضعیف روایت میں ہے کہ: ’’اگر کسی شخص نے ایک آدھ کلمہ کے ذریعہ بھی کسی قاتل کی مدد کی، تو اللہ تعالیٰ کے دربار میں وہ اس حال میں پہنچے گا کہ اس کی پیشانی پر یہ لکھا ہوگا کہ: ’’یہ شخص اللہ تعالیٰ کی رحم سے مایوس ہے‘‘۔ (سنن ابن ماجہ حدیث: ۲۶۲۰، الزواجر ۱۵۱)

اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقع پر خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

لَا تَرْجِعُوا بَعْدِيْ كُفَّارًا يَضْرِبُ بَعْضُكُمْ رِقَابَ بَعْضٍ. (بخاري ١٠١٤/٢ رقم: ٦٨٦٨، مسلم ٥٨/١)

میرے (دنیا سے پردہ فرمانے کے) بعد کفریہ عمل کرنے والے مت بن جانا کہ تم میں سے بعض لوگ دوسروں کی گردنیں اڑاتے پھریں۔

اور ایک دوسری روایت میں ارشادِ نبوی ہے:

مَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا فَاغْتَبَطَ لَمْ يَقْبَلِ اللّٰهُ مِنْهُ صَرْفًا وَلَا عَدْلًا. (جامع المهلكات ٨١، أبوداؤد ٥٨٧/٢ رقم: ٤٢٧١)

جو شخص کسی مسلمان کو قتل کر کے خوش ہو تو اللہ تعالیٰ اس نفل یا فرض کوئی بھی عبادت قبول نہ فرمائیں گے۔

علامہ غسانیؒ نے فرمایا کہ: ''اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ فتنہ کے زمانہ میں جو شخص اپنے کو حق پر سمجھتے ہوئے دوسرے کو ناحق قتل کرے، تو ایسا شخص اپنے فعل بد پر مطمئن رہتا ہے اور اسے توبہ کی توفیق نہیں ہوتی''۔ (الزواجر ۱۵۲/۲)

اور سیدنا حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

لَا يَحِلُّ دَمُ امْرَئٍ مُسْلِمٍ يَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ إِلَّا بِإِحْدٰى ثَلَاثٍ: النَّفْسُ بِالنَّفْسِ، وَالثَّيِّبُ الزَّانِيْ، وَالْمُفَارِقُ لِدِيْنِهٖ التَّارِكُ لِلْجَمَاعَةِ. (بخاري ١٠١٦/٢ رقم: ٦٨٧٨، مسلم ٦٠/٢ رقم: ١٦٧٦، سنن الترمذي ٢٥٩/١ رقم: ٤٧٣٠، سنن النسائي ٢٣٧/٢)

جو مسلمان شخص اللہ کی وحدانیت اور میری رسالت کی گواہی دیتا ہو اس کا خون صرف تین میں سے ایک بات پائے جانے پر ہی حلال ہوسکتا ہے: (۱) جان کا بدلہ جان یعنی قصاص (۲) شادی شدہ زناکار (جس کے جرم کا شرعاً ثبوت ہوجائے) (۳) اور دین اسلام سے مرتد ہونے اور ملت اسلامیہ سے الگ ہوجانے والا۔

درج بالا حدیث میں جن تین لوگوں کے خون حلال ہونے کا ذکر ہے، اس کے بارے میں

یاد رکھنا چاہئے کہ اس کا تعلق حدود وقصاص سے ہے، جس کو جاری کرنے کا اختیار کسی فرد کو نہیں ہوتا؛ بلکہ اسلامی حکومت کو ہوتا ہے، پس اسلامی حکومت اگر ثبوت اور شرائط پائے جانے کے بعد سزا جاری کرے تو یہ عمل دیگر لوگوں کے لئے عبرت کا سبب بن کر معاشرہ میں امن وامان اور جان ومال کے تحفظ کا ذریعہ بن جاتا ہے؛ لیکن اگر حکومت کے بجائے افراد کو سزا جاری کرنے یا بدلہ لینے کا اختیار دیا جائے گا تو خون ریزی ختم نہیں ہوگی ؛ بلکہ اور بڑھ جائے گی۔

جس نے کلمہ پڑھ لیا اُس کی جان محفوظ ہوگئی

بخاری شریف میں روایت ہے کہ حضرت اُسامہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ہمیں قبیلہ جہینہ کی ایک شاخ کی طرف پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جہاد کے لئے روانہ فرمایا، تو ہم نے اس قوم پر صبح کے وقت اچانک حملہ کر کے شکست دے دی، اسی دوران میں نے اور ایک انصاری شخص نے ایک کافر شخص کو گھیر لیا، تو وہ شخص بول اٹھا کہ: ’’لا الٰہ الا اللہ‘‘، تو یہ سن کر انصاری ساتھی نے تو ہاتھ کھینچ لئے، مگر میں نے اپنے نیزے سے اس پر حملہ کیا، یہاں تک کہ اسے مار ڈالا، جب ہم مدینہ منورہ واپس آئے تو نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اس واقعہ کی خبر ملی، تو آپ نے مجھ سے ارشاد فرمایا کہ: ’’اُسامہ! تم نے اس کو کلمہ پڑھنے کے باوجود قتل کر ڈالا‘‘؟ میں نے عرض کیا کہ حضرت! وہ تو جان بچانے کے لئے کلمہ پڑھ رہا تھا، مگر پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام بار بار یہی ارشاد فرماتے رہے کہ ’’تم نے اس کو کلمہ پڑھنے کے باوجود قتل کر دیا‘‘؟ یہاں تک کہ میں تمنا کرنے لگا کہ اس سے پہلے میں اسلام ہی نہ لاتا؛ (بلکہ آج ہی اسلام لاتا؛ تاکہ اسلام کی وجہ سے پہلے کی کوتاہیاں معاف ہوجاتیں) (بخاری شریف حدیث: ۶۸۷۲، فتح الباری ۱۲/ ۲۴۱)

اس حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ جو شخص ظاہراً اسلام کا اقرار کرے، تو بھی اس کی جان محفوظ ہوجاتی ہے، اور محض اس گمان میں کہ وہ اندرونی طور پر مسلمان نہ ہو، اس پر ہتھیار اُٹھانا جائز نہیں رہتا۔

ایک مؤمن کی عظمت اللہ کے نزدیک ’’کعبۂ مقدسہ‘‘ سے بڑھ کر ہے

ایک صاحبِ ایمان کی عزت وحرمت کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ ایک مرتبہ نبی اکرم

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بیت اللہ شریف کا طواف فرما رہے تھے، تو آپ نے کعبۂ مشرفہ کو مخاطب بنا کر یہ کلمات ارشاد فرمائے:

مَا أَطْيَبَكِ وَأَطْيَبَ رِيحَكِ وَمَا أَعْظَمَكِ وَأَعْظَمَ حُرْمَتَكِ، وَالَّذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ لَحُرْمَةُ الْمُؤْمِنِ أَعْظَمُ عِنْدَ اللّٰهِ حُرْمَةً مِنْكِ مَالِهِ وَدَمِهِ وَأَنْ نَظُنَّ بِهِ إِلَّا خَيْراً. (سنن ابن ماجة ٢٨٢ رقم: ٣٩٣٢، الزواجر: ١٥١)

تو کتنا عمدہ ہے اور تیری مہک کیسی شاندار ہے، اور تو کتنا عظیم ہے اور تیری حرمت کتنی بلند ہے (مگر) قسم اس ذات کی جس کے قبضہ میں محمد کی جان ہے، یقیناً مؤمن کے جان اور مال کی عزت اللہ تعالیٰ کے نزدیک تیری عزت سے زیادہ ہے، اور (ہمیں یہ حکم ہے کہ) ہم مؤمن کے بارے میں بس اچھا ہی گمان رکھا کریں۔

دیکھئے ایک طرف یہ حدیث ہے، دوسری طرف ہمارے معاشرہ کا حال ہے کہ ذرا ذرا سی بات پر قتل و غارت تک نوبت پہنچ جاتی ہے، اور آئے دن اخبارات اس طرح کی اندوہ ناک خبروں سے بھرے رہتے ہیں، اللہ تعالیٰ ہم سب کو ایک دوسرے کی خیر خواہی کی توفیق عطا فرمائیں، اور ہر سطح پر امن و امان کی دولت سے نوازیں، آمین۔

ایک مؤمن کے قاتل کا عبرت ناک انجام

شارح بخاری علامہ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے ایک روایت نقل کی ہے کہ حضرت نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فدک کے علاقہ میں گھوڑ سواروں کی ایک جماعت بھیجی، اُنہوں نے مخالفین پر حملہ کیا، تو ان کفار میں ایک شخص "مرداس فدکیؓ" تھے، وہ رات میں اپنے ساتھیوں سے الگ ہوگئے اور انہوں نے یہ کہا کہ میں تو حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے ساتھیوں سے ملنے جا رہا ہوں، تو ان پر ایک مسلمان شخص کی نظر پڑ گئی اور وہ اس پر حملہ آور ہوا، "مرداس" نے کہا کہ "میں تو ایمان لا چکا ہوں"، مگر اس مسلمان نے پھر بھی اسے قتل کر دیا، جب یہ بات پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کو معلوم ہوئی تو آپ نے فرمایا کہ: "کیا تم نے اس کا دل چیر کر دیکھا تھا"؟

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ بعد میں ''مرداس'' کے قاتل کا انتقال ہوا، تو لوگوں نے اس کو دفن کر دیا؛ لیکن صبح کو کیا دیکھتے ہیں کہ اس کی لاش قبر کے باہر نکلی پڑی ہے، پھر دوبارہ دفن کر دیا، اگلے دن پھر لاش باہر پڑی ملی، کئی مرتبہ ایسے ہی ہوا، تو جا کر پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام سے پوری صورتِ حال بیان کی، تو آپ نے فرمایا کہ ''اسے دو پہاڑوں کے درمیان کسی وادی میں ڈال آؤ''، اور پھر ارشاد ہوا کہ ''زمین تو اس سے بھی بدتر آدمی کو قبول کر لیتی ہے؛ لیکن اللہ تعالیٰ کو تمہیں عبرت دلانا مقصود ہے''۔ (فتح الباری ۱۲/۲۴۰ بیروت)

مطلب یہ ہے کہ مؤمن کو قتل کرنا اتنا بڑا گناہ ہے کہ اس قاتل کو زمین بھی قبول کرنے کے لئے تیار نہیں ہوتی، اور کبھی کبھی عام لوگوں کے سامنے بھی اس کا اظہار کرا دیا جاتا ہے؛ تاکہ لوگوں کو عبرت ہو۔

لڑائی کے وقت آپس میں ہتھیار نہ اٹھائیں

آپسی تنازعہ میں ہتھیاروں کا جانبین سے استعمال شریعت میں جائز نہیں، حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

مَنْ حَمَلَ عَلَيْنَا السِّلَاحَ فَلَيْسَ مِنَّا. (مسلم شریف ۱/۶۹ رقم: ۹۸)

جس نے ہم پر ہتھیار اٹھایا وہ ہم میں سے نہیں ہے۔

اور اس طرح لڑنے والوں میں سے کوئی مارا بھی جائے تو وہ بھی سزا سے بچ نہیں پائے گا۔ حضرت احنف بن قیس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے خود پیغمبر علیہ السلام کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا: ''جو دو مسلمان آپس میں تلوار کے ذریعہ مدمقابل ہوں، تو قاتل اور مقتول دونوں جہنمی ہوں گے'' اس پر میں نے عرض کیا کہ ''اے اللہ کے رسول! قاتل کا تو جہنمی ہونا سمجھ میں آتا ہے؛ لیکن مقتول کا کیا قصور ہے''؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

إِنَّهُ كَانَ حَرِيصًا عَلَى قَتْلِ صَاحِبِهِ. (بخاري شريف ۱/۹ رقم: ۳۱)

وہ بھی اپنے مدمقابل کو قتل کرنا چاہ رہا تھا۔

عام طور پر خوں ریز لڑائیوں میں ہر فریق دوسرے کو جان سے مارنے کا ارادہ کرتا ہے، ایسے سب لوگوں کے لئے یہ حدیث موجب عبرت ہے؛ لہٰذا اپنے سب نزاعات آپسی مذاکرات سے حل کرنے چاہئیں اور اپنی طرف سے فتنہ وفساد کی ابتدا نہیں کرنی چاہئے۔

ذمی کافر کا قتل بھی حرام ہے

جس طرح مسلمانوں کا آپس میں قتل حرام ہے، اسی طرح اسلامی یا جمہوری ملکوں میں رہنے والے بے قصور غیر مسلم شہریوں کا قتل بھی شریعت میں ہرگز جائز نہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:

مَنْ قَتَلَ مُعَاهِدًا لَمْ يَرِحْ رَائِحَةَ الْجَنَّةِ، وَإِنَّ رِيْحَهَا لَتُوْجَدُ مِنْ مَسِيْرَةِ أَرْبَعِيْنَ عَاماً. (بخاری شریف ۱/۴۴۸ رقم: ۳۱۶۶)

جو شخص کسی ذمی کافر کو (بلا وجہ) قتل کردے تو وہ جنت کی خوشبو پانے سے محروم رہے گا، اگرچہ اس کی خوشبو چالیس سال کی مسافت سے آنے لگتی ہے۔

اور بعض روایات میں ہے کہ جنت کی خوشبو ستر سال کی مسافت سے اور بعض میں ہے کہ سو سال کی مسافت سے اور بعض میں ہے کہ پانچ سو سال کی مسافت سے آنے لگتی ہے، اور یہ خوشبو محسوس کرنے میں مسافت کا فرق لوگوں کے حالات اور مراتب کے اعتبار سے ہے، یعنی اعلیٰ مرتبہ والے لوگ زیادہ دور سے جنت کی مہک محسوس کریں گے، الیٰ آخرہ۔ (سنن النسائی ۲/۲۴۱ رقم: ۴۷۵۸، سنن الترمذی ۱/۲۵۹، الزواجر ۱۵۳، الترغیب والترہیب مکمل ص: ۶۲۹-۶۳۰)

لہٰذا جو مسلمان اسلامی یا جمہوری ملکوں میں رہتے ہیں، انہیں غیر مسلموں کے ساتھ اَمن وامان کے ساتھ رہنا چاہئے، اور جذبات میں آکر کوئی ایسا عمل نہیں کرنا چاہئے، جس سے دین پر حرف آئے، اور اسلامی تعلیمات کی پامالی ہو۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو دینی ہدایات پر پوری طرح عمل کی توفیق عطا فرمائیں، آمین۔

تیسری فصل:

اِمام برحق سے بغاوت جائز نہیں

عام طور پر دنیا میں خوں ریزی کا بڑا سبب اقتدار کی رسہ کشی ہوتی ہے، اس لئے اسلام نے سیاسی اور اجتماعی زندگی کے لئے بھی ایسی جامع ہدایات دی ہیں کہ اگر ان پر عمل کیا جائے تو قتل وقتال اور خوں ریزی سے کافی حد تک بچا جاسکتا ہے، ان میں ایک بنیادی ہدایت یہ ہے کہ جہاں کسی حکومت کا ڈھانچہ قائم ہو اور حکمراں موجود ہو، تو عام حالات میں اس سے بغاوت ہرگز نہ کی جائے؛ کیوں کہ یہ بغاوتیں قتل وقتال کا ایسا دروازہ کھولتی ہیں، جس کا بعد میں بند کرنا بہت مشکل ہو جاتا ہے، اور ہزاروں لوگ اس رسہ کشی کی زد میں آ کر لقمۂ اجل بن جاتے ہیں۔

اور اسلام میں قانونی طور پر حکومت کا قیام درج ذیل صورتوں میں ممکن ہوتا ہے:

(۱) اربابِ حل وعقد کی طرف سے متفقہ انتخاب

یعنی ملک کے سربرآوردہ اور ذمہ دار حضرات اگر متفقہ طور پر کسی کو حکمراں منتخب کرلیں تو اس کی حکومت معتبر قرار پاتی ہے، جیسا کہ نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وفات کے بعد مدینہ منورہ میں اربابِ حل وعقد کے ذریعہ خلیفۂ اول امیر المؤمنین سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا انتخاب عمل میں آیا۔ (تفصیل دیکھیں: بخاری شریف ۱/۵۱۸)

(۲) کسی معتبر حاکم کا اپنی زندگی میں کسی کو ولی عہد مقرر کردینا

اگر کوئی مسلمان حاکم اپنی حیات میں کسی کو اپنا جانشین مقرر کردے اور ملک کے ذمہ دار حضرات اس کی تائید کردیں، تو حاکم کی وفات کے بعد وہ ولی عہد خود بخود حاکم قرار پاتا ہے،

جیسا کہ خلیفۂ اول سیدنا حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم کے مشورہ سے اپنی حیات ہی میں اپنے بعد کے لئے خلیفہ ثانی سیدنا حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنا جانشین مقرر فرما دیا تھا، اور اس پر عام لوگوں سے بیعت بھی لے لی تھی۔

بعض تاریخی روایات میں تحریر ہے کہ مرض الوفات میں سیدنا حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اپنے مکان کے روشن دان سے لوگوں کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ: ’’اے لوگو! میں نے تم سے ایک عہد کیا ہے کیا تم اس پر راضی ہو‘‘؟ تو سب لوگوں نے کہا کہ اے خلیفۂ رسول اللہ! ہم سب آپ کے فیصلے پر راضی ہیں۔ (اس وقت تک آپ نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے نام کو ظاہر نہیں کیا تھا) یہ سن کر حضرت علی کرم اللہ وجہہ کھڑے ہوگئے اور آپ نے فرمایا کہ: ’’اگر آپ نے اپنے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے علاوہ کسی اور کو خلیفہ بنانے کی وصیت کی تو ہم راضی نہیں ہیں‘‘۔ تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ: ’’میری وصیت حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ ہی کے بارے میں خلیفہ بنانے کی ہے‘‘۔ (الصواعق المحرقہ لابن حجر الہیثمی ۱۳۵-۶۳-۱۳)

(۳) اربابِ حل وعقد کی جانب سے اکثریت کی بنیاد پر کسی حاکم کا تقرر

اور اگر ذمہ دار حضرات شروع میں کسی ایک نام پر متفق نہ ہوں، تو جس نام کی تائید اکثر حضرات کریں گے، اس کو حاکم تسلیم کرلیا جائے گا، جیسا کہ خلیفۂ ثالث امیر المؤمنین سیدنا حضرت عثمانِ غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے انتخاب میں یہ صورت پیش آئی کہ سیدنا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے وفات سے پہلے چھ حضرات (حضرت علی مرتضیٰ، حضرت عثمانِ غنی، حضرت زبیر، حضرت طلحہ، حضرت سعد بن ابی وقاص اور حضرت عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہم) نیز حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کو خلیفہ کے انتخاب کا مکلّف بنایا تھا، اور انہیں پابند کیا تھا کہ وہ تین دن کے اندر اندر انتخابی کارروائی مکمل کرلیں۔

چناں چہ سیدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات کے بعد حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے مذکورہ حضرات سے فرمایا کہ اپنی رائے تین میں منحصر کرلیں، پس حضرت زبیرؓ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے حق میں، حضرت طلحہؓ نے حضرت عثمانِ غنی رضی اللہ عنہ کے حق میں اور حضرت سعدؓ نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کے حق میں رائے دی، پھر حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان غنیؓ اور حضرت علی مرتضیٰؓ کو مخاطب کرکے فرمایا کہ: ''مجھے تو امیر بننا نہیں، اب آپ دونوں میں سے جو اس سے برأت کرے گا، ہم اسی کے امارت حوالے کردیں گے''، اس پر یہ دونوں حضرات خاموش رہے، تو حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ آپ دونوں اپنا اختیار مجھے دے دیں، اور میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ آپ میں جو بھی افضل ہے، اس سے صرفِ نظر نہ کروں گا، چناں چہ دونوں نے اپنے اختیارات حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کے حوالے کردئے، اس کے بعد حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے دونوں حضرات سے الگ الگ یہ عہد لیا کہ اگر ان کو امیر بنایا جائے، تو عدل وانصاف سے کام لیں گے، اور اگر ان پر دوسرے کو امیر بنایا جائے تو سمع وطاعت کریں گے، اس درمیان حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ میں موجود اکابر صحابہ اور قبائل کے سرداروں سے مشورہ کرتے رہے، اور ان کی رائے لیتے رہے، تو اکثر حضرات کی یہی رائے سامنے آئی کہ سیدنا حضرت عثمانِ غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی اس وقت خلافت کے سب سے زیادہ مستحق ہیں، جسے دیکھتے ہوئے حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے تیسرے دن اولاً حضرت عثمانِ غنی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر خلافت کی بیعت کی، پھر حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے بیعت کی، اور اس کے بعد سب عوام وخواص نے متفقہ طور پر سمع وطاعت کی بیعت کی۔ (مستفاد: بخاری شریف ۵۲۴/۱-۵۲۵، الصواعق المحرقہ لابن حجر الہیثمی ۱۶۲-۱۶۳)

(آج کل پارلیمنٹ کے ذریعہ کثرتِ رائے سے انتخاب کے لئے یہ واقعہ نظیر بن سکتا ہے)

(۴) بزورطاقت حکومت پر غالب ہونا

اگر کوئی حاکم درج بالا طریقوں کے علاوہ کوئی اور طریقہ اپنائے، تو اصولی طور پر ابتدائی

مرحلہ میں اس کی تائید نہیں کی جائے گی؛ لیکن اگر اس نے اپنی طاقت کے بل بوتے پر ملک پر کنٹرول حاصل کرلیا، اور اسے ایسے اختیارات مل گئے کہ وہ اپنے احکامات کو بلاروک ٹوک نافذ کرسکتا ہے، تو ایسے حاکم کی حکومت کو بھی انجام کار قانونی حیثیت حاصل ہوجاتی ہے، اور یہ اس وجہ سے ہے؛ تاکہ ملک میں بدامنی اور خوں ریزی کا حتی الامکان سد باب کیا جاسکے؛ کیوں کہ اگر اس حکومت کو نہ مانا گیا، اور اس حاکم کی اطاعت کا حکم نہ دیا گیا تو خانہ جنگی سے بچا نہیں جاسکے گا؛ لہٰذا ایسے متغلب حاکم کی اطاعت بھی لازم ہے، اگرچہ وہ ظالم ہی کیوں نہ ہو۔ (مستفاد: شامی ٦/٤١١ زکریا)

(۵) جمہوری نظامِ حکومت

آج کل دنیا میں جو مغربی جمہوری نظامِ حکومت رائج ہے، یہ اصولاً اسلامی نظام سے قطعاً جداگانہ ہے، اس لئے کہ اس میں:

الف:- خود اپنی طرف سے عہدہ لینے کے لئے نامزدگی کرائی جاتی ہے، جو اسلام میں پسندیدہ نہیں ہے۔

ب:- ووٹ دینے والوں میں سمجھ داروں اور ناسمجھوں سب کو ایک ہی درجہ میں رکھا جاتا ہے، جو بجائے خود نامعقول ہے۔

ج:- مقررہ مدت کے بعد بلا کسی وجہ کے حکومت کو بدلنے کا اختیار عوام کو دے دیا جاتا ہے، جس کی بنا پر حکومتوں کو استحکام حاصل نہیں ہوتا، اور ملک وقوم کی صلاحیتیں بار بار انتخابات میں ضائع ہوتی رہتی ہیں، اور آپس میں رنجشیں اور عداوتیں بڑھتی رہتی ہیں، وغیرہ۔ اس طرح کی خرابیاں اسلامی نظامِ حکومت میں نہیں پائی جاتیں؛ تاہم اگر کوئی مسلم حاکم مروجہ طریقہ پر منتخب کرلیا جائے اور اس کی طرف اقتدار منتقل ہوجائے تو وہ بھی درج بالا صورت ''۴'' کی طرح قانونی حاکم مان لیا جائے گا۔

قرآن وحدیث میں امیر کی اطاعت کا حکم

بہر حال جو شخص حکومت کا ذمہ دار بن جائے، خواہ اس کا انتخاب اربابِ حل وعقد کے ذریعہ ہوا ہو یا ولی عہدی کے طور پر اس کی نامزدگی ہوئی ہو، یا بزور طاقت اس نے غلبہ حاصل کیا ہو، تو اس

ملک کے شہریوں کے لئے اس سے بغاوت جائز نہیں؛ بلکہ حتی الامکان اس کی تابع داری ضروری ہے۔

چناں چہ ارشادِ خداوندی ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ. (النساء: ٥٩)

اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کا کہا مانو، اور اپنے حاکموں کی تابع داری کرو۔

اس آیت میں اللہ تبارک وتعالیٰ اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کے ساتھ ساتھ امراء اور حکام کی بھی (جائز معاملات میں) اطاعت کا حکم دیا گیا ہے۔

نیز رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کو ہدایت دیتے ہوئے فرمایا:

اَلسَّمْعُ وَالطَّاعَةُ عَلَى الْمَرْءِ الْمُسْلِمِ فِيْمَا أَحَبَّ وَكَرِهَ مَا لَمْ يُؤْمَرْ بِمَعْصِيَةٍ، فَإِذَا أُمِرَ بِمَعْصِيَةٍ فَلاَ سَمْعَ وَلاَ طَاعَةَ. (سنن أبي داؤد ٣٥٣/١ رقم: ٢٦٢٦، صحيح مسلم ١٢٥/٢ رقم: ١٨٣٩، تفسير ابن كثير مكمل ٣٣٨)

مسلمان شخص پر (امیر کی) سمع وطاعت ہر پسندیدہ یا ناگوار معاملہ میں لازم ہے، جب تک کہ اسے کسی گناہ کا حکم نہ دیا جائے، پس اگر گناہ کا حکم دیا جائے گا تو اس میں کسی کی اطاعت نہیں کی جائے گی۔

اور حضرت حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

بَايَعْنَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى السَّمْعِ وَالطَّاعَةِ فِيْ مَنْشَطِنَا وَمَكْرَهِنَا وَعُسْرِنَا وَيُسْرِنَا وَاَثَرَةٍ عَلَيْنَا، وَأَنْ لاَ نُنَازِعَ الْأَمْرَ أَهْلَهُ، قَالَ: إِلَّا أَنْ تَرَوْا كُفْراً بَوَاحاً عِنْدَكُمْ فِيْهِ مِنَ

ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ مبارک پر اپنی خوشی اور ناخوشی، تنگی اور خوش حالی اور اپنے اوپر دوسروں کی ترجیح دینے کے باوجود (امیر کی) سمع وطاعت کرنے پر بیعت کی تھی، اور اس بات پر بھی بیعت کی تھی کہ ہم حاکم سیاس کی حکومت کے بارے میں جھگڑا نہ کریں گے؛ تاہم

اللّٰـهِ بُرُهَانٌ. (صحيح البخاري ١٠٤٥/٢ رقم: ٧٠٥٦، صحيح مسلم ١٢٥/٢ رقم: ١٧٠٩، تفسير ابن كثير مكمل ٣٣٨)

پیغمبر علیہ السلام نے یہ فرمایا کہ الا یہ کہ تم (امیر سے) ایسا ظاہری کفریہ عمل دیکھو جو (اس سے خروج کرنے میں) تمہارے پاس اللہ کے سامنے دلیل بن سکے۔

اور حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

إِنَّ خَلِيْلِيْ ﷺ أَوْصَانِيْ أَنْ أَسْمَعَ وَأُطِيْعَ، وَإِنْ كَانَ عَبْداً مُجَدَّعَ الْأَطْرَافِ. وَزَادَ فِيْ رِوَايَةٍ: عَبْدًا حَبْشِيًّا. (صحيح مسلم ١٢٤/٢ رقم: ١٨٣٧، تفسير ابن كثير ٣٣٨)

میرے خلیل (صلی اللہ علیہ وسلم) نے مجھے امیر کی سمع وطاعت کی وصیت فرمائی تھی، اگرچہ وہ امیر عضو بریدہ غلام ہی کیوں نہ ہو؟ اور ایک روایت میں ''حبشی غلام'' کے الفاظ منقول ہیں۔

نیز حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے یہ روایت بھی نقل فرمائی ہے کہ آپ نے ارشاد فرمایا:

سَيَلِيْكُمْ بَعْدِيْ وُلَاةٌ فَيَلِيْكُمُ الْبِرَّ بِبِرِّهٖ وَالْفَاجِرُ بِفُجُوْرِهٖ فَاسْمَعُوْا لَهٗ وَأَطِيْعُوْا فِيْ كُلِّ مَا وَافَقَ الْحَقَّ وَصَلُّوْا وَرَائَهُمْ، فَإِنْ أَحْسَنُوْا فَلَكُمْ وَلَهُمْ وَإِنْ اَسَاءُوْا فَلَكُمْ وَعَلَيْهِمْ. (المعجم الأوسط ٢٤٧/٦ رقم: ٦٣١٠، سنن الدار قطني ٤٢/٢ رقم: ١٧٤١ بيروت، تفسير ابن كثير ٣٣٨)

میرے بعد تمہارے اوپر حاکم مقرر ہوں گے، پس نیک حاکم اپنی نیکی کے ساتھ تم پر حکومت کرے گا اور فاسق وفاجر حاکم اپنے فسق وفجور کے ساتھ حکومت چلائے گا، پس تم اس کی ہر ایسی بات میں سمع وطاعت کرنا جو حق کے موافق ہو، اور ان کے پیچھے نماز پڑھتے رہنا، پس اگر وہ اچھا برتاؤ کریں گے تو وہ ان کے حق میں اور تمہارے حق میں نفع بخش ہوگا، اور اگر وہ برا برتاؤ کریں گے تو تمہارا کوئی نقصان نہیں؛ بلکہ انہیں کا نقصان ہوگا۔

نیز نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا:

كَانَتْ بَنُوْ إِسْرَائِيْلَ تَسُوْسُهُمُ الْأَنْبِيَاءُ كُلَّمَا هَلَكَ نَبِيٌّ خَلَفَهُ نَبِيٌّ، وَإِنَّهُ لَا نَبِيَّ بَعْدِيْ، وَسَيَكُوْنُ خُلَفَاءَ فَيَكْثُرُوْنَ، قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! فَمَا تَأْمُرُنَا، قَالَ: فُوْا بِبَيْعَةِ الْأَوَّلِ فَالْأَوَّلِ، أَعْطُوْهُمْ حَقَّهُمْ، فَإِنَّ اللّٰهَ سَائِلُهُمْ عَمَّا اسْتَرْعَاهُمْ. (صحيح البخاري ٤٩١/١ رقم: ٣٤٥٥، صحيح مسلم ١٢٦/٢ رقم: ١٨٤٢، تفسير ابن كثير مكمل ٣٣٨)

بنی اسرائیل کے انبیاء ان کی قیادت کرتے تھے، پس جب ایک نبی کا انتقال ہوجاتا تو دوسرا نبی ان کا جانشین ہوتا تھا، اور میرے بعد کوئی نبی نہیں؛ البتہ بہت سے خلفاء ہوں گے، صحابہ نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! ایسے ماحول میں آپ ہمیں کیا حکم دیتے ہیں؟ تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ جس کے ہاتھ پر پہلے بیعت ہوئی ہو، اس کے ساتھ وفاداری کرو اور ان کو ان کا حق عطا کرو؛ کیوں کہ اللہ تعالیٰ ان حکام وامراء سے ان کی رعایا کے بارے میں (آخرت میں) پوچھ گچھ کرنے والا ہے۔

نیز پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے امام برحق کی اطاعت سے دست کش ہونے والے کے لئے درج ذیل سخت وعید بھی ارشاد فرمائی:

مَنْ خَلَعَ يَدًا مِنْ طَاعَةٍ لَقِيَ اللّٰهَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ لَا حُجَّةَ لَهُ، وَمَنْ مَاتَ وَلَيْسَ فِيْ عُنُقِهِ بَيْعَةٌ مَاتَ مِيْتَةً جَاهِلِيَّةً. (صحيح مسلم ١٢٨/٢ رقم: ١٨٥١، تفسير ابن كثير ٣٣٨)

جس شخص نے (امامِ برحق کی) اطاعت سے اپنا ہاتھ اٹھالیا تو وہ اللہ سے قیامت میں اس حال میں ملے گا کہ اس کے پاس کوئی دلیل نہ ہوگی، اور جو شخص اس حالت میں دنیا سے جائے یہ اس کی گردن میں (امیر کی سمع وطاعت کی) بیعت نہ ہو، تو اس کی موت جاہلیت کی موت ہوگی۔

درج بالا نصوص سے معلوم ہوگیا کہ اسلام کی نظر میں امن وامان کو قائم رکھنے اور خوں ریزی سے بچنے کیلئے حاکم وقت کی سمع وطاعت ضروری ہے، بشرطیکہ شریعت کی خلاف ورزی لازم نہ آرہی ہو۔

حکام وامراء کی ذمہ داریاں!

گذشتہ صفحات میں یہ بات وضاحت کے ساتھ آچکی ہے کہ عام رعایا کے لئے اپنے حاکموں سے بغاوت جائز نہیں؛ لیکن شریعت اسلامیہ نے دوسری جانب حکام اور امراء کو بھی توجہ دلائی ہے کہ وہ اپنی منصبی ذمہ داریاں حسن وخوبی کے ساتھ انجام دیں، اور کوئی ایسی حرکت نہ کریں جس سے عوام بغاوت پر مجبور ہوں؛ اس لئے کہ تاریخ اس بات کی شاہد ہے کہ بغاوت کی آگ خود بخود نہیں بھڑکتی؛ بلکہ اس کے پیچھے کچھ نہ کچھ اسباب ہوتے ہیں، اور ان میں سب سے بڑا سبب ناانصافی، حق تلفی اور ظلم وعدوان ہے، اس لئے ہر حاکم پر لازم ہے کہ وہ اپنی رعایا کے ساتھ انصاف سے کام لے اور ظلم وجبر نہ کرے۔

حاکم اور رعایا میں رابطہ ضروری ہے

نیز حاکم کی یہ بھی ذمہ داری ہے کہ وہ رعایا کے ساتھ بذاتِ خود یا اپنے معتمد کارندوں کے ذریعہ رابطہ برقرار رکھے، اور جو بھی حاجت مند ہوں، ان کی حاجت روائی میں ٹال مٹول نہ کرے۔ حضرت عمرو بن مرہ جہنی رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ امیر المؤمنین حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ میں نے نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے کہ:

مَنْ وَلَّاهُ اللّٰهُ شَيْئًا مِنْ أُمُوْرِ الْمُسْلِمِيْنَ فَاحْتَجَبَ دُوْنَ حَاجَتِهِمْ وَخَلَّتِهِمْ وَفَقْرِهِمْ، اِحْتَجَبَ اللّٰهُ دُوْنَ حَاجَتِهٖ وَخَلَّتِهٖ وَفَقْرِهٖ يَوْمَ الْقِيَامَةِ. (سنن أبي داؤد ۲/۴۰۹ رقم: ۲۹۴۸، سنن الترمذي ۱/۲۴۸ رقم: ۱۳۳۳، الترغيب والترهيب رقم: ۳۳۸۱)

اللہ تعالیٰ جس شخص کو مسلمانوں کے معاملات کی ذمہ داری عطا فرمائیں، پھر وہ ان کی ضرورت وحاجت سے پردہ میں رہے، تو اللہ تبارک وتعالیٰ قیامت کے دن اس کی بھی ضرورت وحاجات سے پردہ فرمائیں گے۔

حضرت عمرو بن مرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث سن کر حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے باقاعدہ ایک آدمی مقرر کیا؛ تاکہ وہ مسلمانوں کی ضروریات پوری کر سکے۔ (ابوداؤد شریف ۴۰۹/۲ حدیث: ۲۹۴۸، ترمذی شریف ۲۴۸/۱ حدیث: ۱۳۳۳)

اس حدیث شریف کی روشنی میں موجودہ زمانہ کے حکام کو بھی اس کا اہتمام کرنا چاہیے کہ لوگ بے تکلف اپنی ضرورتیں ان تک پہنچا سکیں۔

○❖○

چوتھی فصل:

ظالم کی مدد کرنا بھی ظلم ہے

قرآنِ کریم میں اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ لوگوں کو ظالموں سے میل جول نہیں رکھنا چاہیئے، ورنہ وہ بھی ظالموں کے ساتھ عذاب کے مستحق ہو جائیں گے۔ ارشادِ خداوندی ہے:

وَلَا تَرْكَنُوْا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ، وَمَا لَكُمْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ أَوْلِيَآءَ ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ.

اور مت مائل ہو ظالموں کی طرف، ورنہ تم کو بھی جہنم کی آگ پہنچے گی۔ اور تمہارا اللہ کے سوا کوئی مددگار نہیں، پھر کہیں مدد نہ پاؤ گے۔

(هود: ۱۱۳)

خاص طور پر جو لوگ اربابِ حکومت اور اربابِ اقتدار سے قربت رکھتے ہیں، انہیں اس بات کا خاص خیال رکھنا چاہیئے کہ وہ ان کی ظالمانہ حرکتوں کے مؤید نہ بنیں؛ اس لئے کہ ظالم بادشاہوں سے قربت بجائے خود موجبِ فتنہ ہے۔ ایک حدیث میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

مَنْ بَدَا جَفَا، وَمَنْ تَبِعَ الصَّيْدَ غَفَلَ، وَمَنْ أَتَى أَبْوَابَ السُّلْطَانِ افْتُتِنَ، وَمَا ازْدَادَ عَبْدٌ مِنَ السُّلْطَانِ إِلَّا ازْدَادَ مِنَ اللّٰهِ بُعْدًا.

(رواه أحمد ۳۷۱/۲، الترغيب والترهيب رقم: ۳۴۳۱)

جو دیہات میں رہے گا اس کے مزاج میں سختی ہوگی، جو شکار کے پیچھے پڑے گا وہ غافل ہو جائے گا، اور جو اربابِ حکومت کے دربار میں حاضری دے گا وہ فتنہ میں پڑے گا، اور جو شخص جتنا حکومت سے قریب ہوتا ہے، اُتنا ہی اللہ تعالیٰ سے دور ہوتا چلا جاتا ہے۔

اس وعید کی وجہ یہی ہے کہ عموماً حکومت سے تعلق رکھنے والے لوگ اپنی حد پر قائم نہیں رہ پاتے؛ اس لئے کہ چار و ناچار اربابِ اقتدار کی چاپلوسی کرنی پڑتی ہے، اور نہ چاہ کر بھی ہاں میں ہاں ملانی پڑتی ہے۔

چناں چہ ایک حدیث شریف میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

إِنَّ نَاسًا مِنْ أُمَّتِي سَيَتَفَقَّهُوْنَ فِي الدِّيْنِ وَيَقْرَؤُوْنَ الْقُرْاٰنَ يَقُوْلُوْنَ: نَأْتِي الْأُمَرَاءَ، فَنُصِيْبُ مِنْ دُنْيَاهُمْ وَنَعْتَزِلُهُمْ بِدِيْنِنَا، وَلَا يَكُوْنُ ذٰلِكَ كَمَا لَا يُجْتَنَى مِنَ الْقَتَادِ إِلَّا الشَّوْكُ، كَذٰلِكَ لَا يُجْتَنَى مِنْ قُرْبِهِمْ إِلَّا ...... الْخَطَايَا. (سنن ابن ماجة رقم: ۲۵۵، الترغيب والترهيب رقم: ۳۴۳۸)

میری امت میں سے کچھ لوگ دینی سمجھ حاصل کریں گے اور قرآنِ کریم پڑھا کریں گے، اور کہیں گے کہ ہم امراء اور حکام کے پاس اس لئے جاتے ہیں کہ ان سے دنیا حاصل کریں، اور اپنی دین داری کی بنیاد پر ان سے الگ رہیں، حالاں کہ ایسا نہیں ہوسکتا، جیسا کہ ''قتاد'' نامی درخت سے سوائے کانٹے کے کچھ حاصل نہیں ہوسکتا، اسی طرح ان (ظالم) حکام کے قرب سے سوائے غلطیوں کے کچھ نصیب نہ ہوگا۔

اس روایت سے معلوم ہوا کہ حکومتوں سے قربت کوئی فخر کی بات نہیں؛ بلکہ نہایت ڈرنے اور ہوشیار رہنے کا مقام ہے؛ تاہم اگر ضرورت متقاضی ہو تو ان سے تعلق صرف قومی وملی مفاد کی خاطر رکھنا چاہئے اور کسی بھی ناحق بات میں ان کی تاکید ہرگز نہیں کرنی چاہئے۔

اس بارے میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا درج ذیل ارشاد ہمیشہ یاد رکھنے کے لائق ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ کو نصیحت کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

أُعِيْذُكَ بِاللّٰهِ يَا كَعْبُ بْنَ عُجْرَةَ مِنْ أُمَرَاءَ يَكُوْنُوْنَ مِنْ بَعْدِي، فَمَنْ غَشِيَ أَبْوَابَهُمْ، فَصَدَّقَهُمْ فِي

اے کعب بن عجرہ! میں تمہیں اللہ کی مدد سے ان حاکموں سے پناہ میں رکھنا چاہتا ہوں جو میرے بعد پیدا ہوں گے، پس جو شخص ان حاکموں کے

كَـذِبِهِـمْ وَأَعَـانَهُـمْ عَلٰى ظُلْمِهِمْ فَـلَيْـسَ مِنِّيْ وَلَسْتُ مِنْهُ، وَلا يَرِدُ عَـلَـيَّ الْـحَوْضَ، وَمَـنْ غَشِـيَ أَبْـوَابَهُـمْ أَوْ لَـمْ يَـغْـشَ، فَـلَـمْ يُـصَدِّقْهُمْ فِيْ كَذِبِهِمْ، وَلَمْ يُعِنْهُمْ عَـلٰى ظُـلْمِهِمْ فَهُوَ مِنِّيْ وَأَنَا مِنْهُ، وَسَيَرِدُ عَلَيَّ الْحَوْضَ. (سنن الترمذي رقم: ٢٢٥٩، الترغيب والترهيب ٣٤٣٤)

دربار میں حاضر ہوکر ان کی جھوٹی باتوں کی تصدیق کرے اوران کے مظالم پر تعاون کرے، تو اس کا میرے سے کوئی جوڑ نہیں، اور وہ میرے حوضِ کوثر پر بھی نہ آ پائے گا۔ اور جو ان حاکموں کے دربار میں جائے یا نہ جائے، مگر ان کی جھوٹی باتوں پر ان کی تائید نہ کرے اور نہ ہی ان کے مظالم پر تعاون کرے تو وہ میرا ہے اور میں اس کا ہوں، اور وہ میرے پاس حوضِ کوثر پر آئے گا۔

اس حدیث کا مقتضیٰ یہ ہے کہ حاکموں سے تعلق اپنی ذات کے اعتبار سے بری بات نہیں؛ لیکن ان کی غلط حرکتوں کی چشم پوشی یا ان کے مظالم پر تائید یہ خطرناک بات ہے، جس سے ہر مسلمان کو بچنا ضروری ہے۔

مظلومین کی مدد کی تاکید

اسلام اپنے ماننے والوں کو یہ تعلیم دیتا ہے کہ وہ اپنے مظلوم بھائیوں کی ہر ممکن مدد کیا کریں، اور ہر سطح پر ظلم کو روکنے میں ایک دوسرے کے معاون بن جائیں۔ حضرت انس ابن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:

أُنْصُرْ أَخَاکَ ظَالِمًا أَوْ مَظْلُوْمًا.

اپنے بھائی کی مدد کرو، خواہ وہ ظالم ہو یا مظلوم۔

تو ایک شخص نے عرض کیا کہ ”اے اللہ کے رسول! اگر بھائی مظلوم ہو تو میں اس کی مدد کروں گا؛ لیکن اگر وہ ظالم ہو تو اس کی مدد کیسے کروں“؟ اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

تَـحْجُزُهُ أَوْ تَمْنَعُهُ عَنِ الظُّلْمِ، فَإِنَّ ذٰلِکَ نَصْرُهُ. (صحیح البخاري رقم: ٦٩٥٢، الترغیب والترهیب رقم: ٣٤٢٥)

تم اس ظالم کو ظلم سے روک دو، یہی اس کی مدد ہے۔

اور ایک روایت میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

وَمَا مِنْ اِمْرَئٍ يَنْصُرُ مُسْلِمًا فِيْ مَوْضَعٍ يُنْتَقَصُ فِيْهِ مِنْ عِرْضِهٖ وَيُنْتَهَكُ فِيْهِ مِنْ حُرْمَتِهٖ إِلَّا نَصَرَهُ اللّٰهُ فِيْ مَوْطِنٍ يُحِبُّ فِيْهِ نُصْرَتَهٗ. (سنن أبي داؤد رقم: ٤٨٨٤)

اور جو شخص کسی مسلمان کی ایسے موقع پر مدد کرے جہاں اس کی بے عزتی اور بے حرمتی کی جارہی ہو، تو اللہ تعالیٰ اس کی ایسے مقام پر مدد فرمائیں گے جہاں وہ مدد کا مشتاق ہوگا (یعنی قیامت کے دن اس کی مدد ہوگی)

اس لئے ہر مسلمان کو چاہئے کہ وہ حتی الوسع مظلومین کی مدد اور ان کی خیر خواہی کرنے میں کوتاہی نہ کرے۔

ظلم کے وقت رجوع اِلی اللہ کی ضرورت

جب کوئی فرد یا قوم مظالم سے دوچار ہو اور ظالم حکمراں اس پر مسلط ہوجائیں، تو اس سے نجات پانے کے لئے جو ظاہری اسباب اور تدبیریں ہوسکتی ہیں، اُنہیں اپنایا جائے؛ لیکن اس سے زیادہ ضروری یہ ہے کہ ہر شخص اس بارے میں اللہ تعالیٰ سے جی لگا کر دعائیں کیا کرے، اور سچے دل سے توبہ واستغفار کرتا رہے۔

نیز بعض روایات میں نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ایسے کلمات منقول ہیں کہ جن کا ورد رکھنے سے ہر طرح کے ظالموں سے نجات ملتی ہے، اور امن وامان اور عافیت نصیب ہوتی ہے۔ چناں چہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا کہ: ''جب تم میں سے کوئی شخص کسی ظالم حاکم سے خطرہ محسوس کرے، تو وہ یہ دعا پڑھا کرے'':

اَللّٰهُمَّ رَبَّ السَّمَاوَاتِ السَّبْعِ وَرَبَّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ، كُنْ لِيْ جَاراً مِنْ شَرِّ فُلَانِ بْنِ فُلَانٍ، يَعْنِيْ اَلَّذِيْ يُرِيْدُهٗ، وَشَرِّ الْجِنِّ وَالْإِنْسِ

اے اللہ! جو ساتوں آسمان کا رب، اور عرشِ عظیم کا مالک ہے، آپ میرے لئے فلاں بن فلاں (یہاں ظالم کا نام لے) کے شر سے پشت پناہ بن جایئے، اور جنات وانسان اور ان کے

وَأَتْبَاعِهِمْ أَنْ يَفْرُطَ عَلَيَّ أَحَدٌ مِنْهُمْ، عَزَّ جَارُكَ وَجَلَّ ثَنَاءُكَ وَلَا إِلٰهَ غَيْرُكَ. (رواه الطبراني، الترغيب والترهيب رقم: ٣٤٢٨)

پیروکاروں کے شر سے (مجھے بچایئے) کہ ان میں سے کوئی مجھ پر دست درازی کرے۔ آپ کی پناہ طاقت ور ہے، آپ کی حمد وثنا عظیم ہے اور آپ کے علاوہ کوئی معبود نہیں ہے۔

اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے موقوفاً مروی ہے کہ آپ فرمایا کرتے تھے کہ اگر تمہارا کسی رعب دار حاکم کے سامنے جانا ہو، اور تمہیں یہ اندیشہ ہو کہ وہ تم پر زور وزبردستی کرے گا، تو تم تین مرتبہ یہ کلمات پڑھ لیا کرو:

اَللّٰهُ أَكْبَرُ، اَللّٰهُ أَعَزُّ مِنْ خَلْقِهٖ جَمِيْعًا، اَللّٰهُ أَعَزُّ مِمَّا أَخَافُ وَأَحْذَرُ، أَعُوْذُ بِاللّٰهِ الَّذِيْ لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ الْمُمْسِكُ السَّمَاوَاتِ أَنْ يَّقَعْنَ عَلَى الْأَرْضِ إِلَّا بِإِذْنِهٖ مِنْ شَرِّ عَبْدِكَ فُلَانٍ وَجُنُوْدِهٖ وَأَتْبَاعِهٖ وَأَشْيَاعِهٖ مِنَ الْجِنِّ وَالْإِنْسِ، اَللّٰهُمَّ كُنْ لِيْ جَارًا مِنْ شَرِّهِمْ جَلَّ ثَنَاءُكَ وَعَزَّ جَارُكَ، وَتَبَارَكَ اسْمُكَ وَلَا إِلٰهَ غَيْرُكَ. (المصنف لابن أبي شيبة رقم: ٢٩٢٢٦، الترغيب والترهيب رقم: ٣٤٢٩)

اللہ سب سے بڑا ہے، اللہ اپنی سب مخلوق میں سب سے زیادہ عزت رکھنے والا ہے، اللہ تعالیٰ ان سب چیزوں سے جن سے مجھے ڈر یا خوف ہے، زیادہ طاقت رکھنے والا ہے، میں اس اللہ کے ذریعہ جس کے علاوہ کوئی معبود نہیں، جس نے آسمانوں کو زمین پر اپنی اجازت کے بغیر گرنے سے روک رکھا ہے، تیرے فلاں بندے (یہاں ظالم کا نام لیا جائے) اور اس کے لشکروں اور اس کے پیروکاروں اور جنا تو انسانوں میں سے اس کے مددگاروں کے شر سے پناہ چاہتا ہوں۔ اے اللہ! آپ ان کے شر کے مقابلہ میں میرے پشت پناہ بن جایئے، آپ کی تعریف جلیل القدر ہے، اور آپ کی پشت پناہی زبردست ہے، اور آپ کا نام نامی بابرکت ہے، اور آپ کے علاوہ کوئی عبادت کے لائق نہیں۔

اور حضرت ابومجلز لاحق بن حمید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جو شخص کسی حاکم سے ظلم کا اندیشہ کرے، تو درج ذیل کلمات (معنی کے استحضار اور یقین کے ساتھ) پڑھ لے، تو اللہ تعالیٰ اسے اس ظالم سے نجات عطا فرمائیں گے، وہ کلمات یہ ہیں:

رَضِيتُ بِاللّٰهِ رَبًّا وَبِالإِسْلَامِ دِينًا وَبِمُحَمَّدٍ نَبِيًّا وَبِالْقُرْاٰنِ حَكَمًا وَإِمَامًا. (المصنف لابن أبي شيبة رقم: ٩٢٣٠)

میں اللہ کے رب ہونے پر اور اسلام کے دین ہونے پر اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نبی ہونے پر اور قرآن کے فیصل اور امام ہونے پر دل سے راضی ہوں۔

افسوس ہے کہ ہم لوگوں میں بے حسی اس قدر بڑھ گئی ہے کہ مظالم کے واقعات پیش آنے پر تبصرے، بحث ومباحثہ اور اظہارِ ناگواری وغیرہ کی باتیں تو بہت سامنے آتی ہیں؛ لیکن ایسے حالات میں رجوع الی اللہ کی جو کیفیت ہونی چاہئے، وہ نظر نہیں آتی؛ بلکہ اللہ تعالیٰ معاف کریں کہ اب تو مظالم کی تصویریں بھی سوشل میڈیا وغیرہ پر تماشے کی حیثیت سے دیکھی جانے لگی ہے، جن کو دیکھ کر نہ تو عبرت ہوتی ہے اور نہ ہی رقت کی کیفیت نصیب ہوتی ہے، یہ دلوں کی سختی کی علامت ہے، اور حد درجہ قابل تشویش ہے۔ حالاں کہ ہر مسلمان کو اس بات کا یقین ہونا چاہئے کہ حالات کو بنانے والی ذات صرف اللہ تعالیٰ کی ہے، اگر وہ خیر کا فیصلہ فرمالے، تو دنیا کی کوئی طاقت اس کے فیصلوں کو ٹالنے کی ہمت نہیں رکھتی۔

اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو اپنی طرف متوجہ ہونے کی توفیق سے نوازیں، اور کامل ایمان ویقین سے سرفراز فرمائیں، آمین۔

پانچویں فصل:

احتجاجیوں کے ساتھ حکومت کا رویہ کیا ہو؟

اگر کسی ملک کے عوام حکومت کے ظلم سے تنگ آ کر احتجاج پر آمادہ ہوں، تو ابتدائی مرحلہ میں حکومت کے لئے ان سے قتال جائز نہیں؛ بلکہ حکومت پر لازم ہے کہ وہ ان کے جائز مطالبات کو تسلیم کرے اور ظلم سے باز آئے، اور مصالحت کی راہ اپنائے، اور عوام کو چاہئے کہ وہ ظلم پر حکومت کا تعاون نہ کریں۔ فقہاء نے لکھا ہے:

لَوْ بَغَوْا لِأَجْلِ ظُلْمِ السُّلْطَانِ وَلَا يَمْتَنِعُ عَنْهُ لَا يَنْبَغِي لِلنَّاسِ مُعَاوَنَةُ السُّلْطَانِ وَلَا مُعَاوَنَتُهُمْ. (درمختار ٦/٤١٦ زکریا)

اگر رعایا کے لوگ بادشاہ کے ظلم وستم کی وجہ سے اس سے بغاوت پر اُتر آئیں، اور وہ بادشاہ ظلم سے باز نہ آئے، تو عام لوگوں کے لئے (باغیوں کے خلاف) بادشاہ کا تعاون کرنا اور (بادشاہ کے خلاف) باغیوں کا ساتھ دینا مناسب نہیں ہے۔ (کیوں کہ اس میں فتنہ ہی فتنہ ہے)

اور بعض فقہاء نے یقینی ظلم کی صورت میں مظلوموں کا ساتھ دینے کی تاکید کی ہے۔ (فتح القدیر بحوالہ شامی ٦/٤١٦ زکریا) بلکہ معقول وجہ سے احتجاج کرنے والوں کو باغی قرار دینے سے گریز کیا ہے۔

فلو بحق فليسوا ببغاة. (درمختار) بيانه أن المسلمين إذا اجتمعوا على إمام وصاروا آمنين به فخرج عليه طائفة من المؤمنين، فإن فعلوا ذلك لظلم ظلمهم به فهم ليسوا بأهل البغي وعليه أن يترك الظلم وينصفهم. (درمختار مع الشامي ٦/٤١١ زكريا)

البتہ احتجاجی لوگوں کے لئے قانون اپنے ہاتھ میں لینا کسی حال میں درست نہیں ہے،

اگر چہ ان کے مطالبات برحق ہی کیوں نہ ہوں؛ کیوں کہ حکومت قائمہ کے خلاف قانون اپنے ہاتھ میں لینے کی بنا پر ملک خانہ جنگی کا شکار ہوجاتا ہے، اور بعد میں اس پر قابو پانا سخت مشکل ہوتا ہے، جیسا کہ آج کل بہت سے ممالک میں اس کے مظاہر دیکھے جاسکتے ہیں۔

بریں بنا اگر احتجاجی لوگ پُر امن احتجاج کا راستہ چھوڑ کر تشدد پر اتر آئیں تو ان کا مضبوط مقابلہ کرنا ہر حکومت کی ذمہ داری ہے؛ تاہم طاقت کے استعمال سے پہلے مخالفین کے شبہات دور کرنے کی کوشش کی جانی چاہئے، اور جب قتل وقتال کے علاوہ کوئی اور راستہ ہی نہ رہے تب ہی قتال کا اقدام کرنا چاہئے۔

خارجیوں سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی ایک تاریخی گفتگو

چناں چہ تاریخی روایات میں آتا ہے کہ جب خارجی لوگوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلاف بغاوت کی، اور وہ ''حروراء'' نامی مقام پر ۶؍ ہزار کی تعداد میں مقیم ہوکر مورچہ بند ہوگئے تو حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے فرمایا کہ میں جنگ سے پہلے ان لوگوں سے کچھ گفتگو کرنا چاہتا ہوں، چناں چہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اجازت دے دی، اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما ان لوگوں کے پاس تشریف لے گئے، اور جاکر ان سے یہ بات کی کہ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے پاس سے آرہا ہوں، جو قرآنِ کریم اور اس کے معانی کو تم سے زیادہ جاننے والے ہیں، اور میں یہ پوچھنے آیا ہوں کہ تمہارے وہ کیا شبہات ہیں جن کی بنا پر تم نے بغاوت اور خروج کا راستہ اختیار کیا ہے؟ تو ان خارجیوں نے کہا کہ: ''ہمارے سامنے تین باتیں ہیں:

(۱) اول یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک دینی معاملہ میں چند لوگوں کو حکم بنایا، حالاں کہ حکم تو صرف اللہ کیلئے ہے، جیسا کہ ارشادِ خداوندی ہے: ﴿اِنِ الْحُکْمُ اِلاَّ لِلّٰہِ﴾ [النساء: ۳۵]

(۲) دوسری بات یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی فوج سے جنگ تو کی، مگر نہ تو ان میں سے کسی کو غلام بنایا اور نہ مالِ غنیمت تقسیم کیا، حالاں کہ حضرت

معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھی دو حال سے خالی نہیں، اگر وہ کافر ہیں تو ان کے مال اور ان کی عورتیں ہمارے لئے حلال ہیں، اور اگر وہ ایمان والے ہیں تو ان کا خون ہم پر حرام ہے، یعنی ان سے جنگ درست نہیں۔

(۳) تیسری بات یہ ہے کہ انہوں نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے صلح کرتے ہوئے امیر المؤمنین کا لفظ اپنے لئے استعمال نہ کرنے پر رضامندی ظاہر کر دی''۔

خارجیوں کی مذکورہ باتیں سن کر سیدنا حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ: ''اگر میں قرآن وسنت کی روشنی میں تمہاری باتوں کا جواب دوں تو کیا تمہیں منظور ہوگا''؟ تو ان لوگوں نے کہا کہ: ''ہاں ہم قبول کریں گے''۔ اس کے بعد حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے ان کی باتوں کا بالترتیب جواب دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

''تم لوگوں کا یہ کہنا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے دینی معاملہ میں انسانوں کو حکم بنالیا، تو اس کا جواب یہ ہے کہ: ''قرآنِ کریم کی آیت: ﴿يَحْكُمُ بِهٖ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ﴾ میں ہے کہ محرم کے شکار کردہ جانور کی قیمت لگانے میں دو عادل آدمیوں کو حکم بنایا جائے گا۔ اسی طرح میاں بیوی میں اگر ناچاقی ہو تو حکم دیا گیا ہے: ﴿وَاِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوْا حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهٖ وَحَكَمًا مِّنْ اَهْلِهَا﴾ [الانعام: ۵۷] (یعنی نزاع کی صورت میں لڑکی اور لڑکے دونوں کے گھر والوں کی طرف سے ایک ایک حکم مقرر کیا جائے، جو ان میں تصفیہ کرا سکیں) تو میں تم سے پوچھنا چاہتا ہوں کہ ایک شکاری جانور خرگوش کے بارے میں انسانوں کو فیصل بنانا زیادہ اہم ہے یا لوگوں کے جان ومال کے تحفظ اور امن وامان کے قیام کے لئے معتبر انسانوں کو فیصل بنانے کی زیادہ اہمیت ہے؟ پس جب کمتر مقاصد کے لئے انسانوں سے فیصلہ کرانے کی گنجائش ہے تو بڑے اعلیٰ مقاصد کے لئے بدرجہ اولیٰ اس کی گنجائش ہوگی۔

اور رہ گئی تمہاری یہ بات کہ ''حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھیوں کو غلام نہیں بنایا اور مالِ غنیمت تقسیم نہیں کیا''، تو کیا تم یہ کہہ کر ام المؤمنین سیدتنا حضرت

عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو نعوذ باللہ باندیوں کے ساتھ شامل کرانا چاہتے ہو؟ اور جیسا دیگر عورتوں کے ساتھ معاملہ کیا جاتا ہے وہی ان کے ساتھ بھی کرنا چاہتے ہو؟ حالاں کہ وہ تمہاری ماں ہیں؟ اگر تم ان کے ساتھ ایسا کرنے کا ارادہ کروگے تو کفر سے بچ نہیں پاؤگے، اور اگر انہیں ماں ماننے سے انکار کروگے تو بھی کافر ہوجاؤگے؛ کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے اشاد فرمایا ہے: ﴿اَلنَّبِيُّ اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ وَاَزْوَاجُهٗ اُمَّهَاتُهُمْ﴾ [الأحزاب: ٦] (یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایمان والوں سے ان کی جانوں سے زیادہ قریب ہیں، اور ان کی ازواجِ مطہرات ان کی مائیں ہیں)

اور جہاں تک تمہاری اس بات کا سوال ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے نام کے ساتھ امیر المؤمنین کا لقب ہٹانا پسند کرلیا، تو آپ لوگوں کو معلوم ہونا چاہئے کہ صلح حدیبیہ کے موقع پر جب صلح نامہ لکھا جارہا تھا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اولاً یہ تحریر لکھائی تھی کہ: "هٰذَا مَا قَضٰى عَلَيْهِ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ" (یعنی یہ وہ صلح نامہ ہے جس پر محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فیصلہ فرمایا) تو اس پر کفار مکہ نے اعتراض کیا کہ اگر ہم آپ کو اللہ کا رسول مانتے تو پھر جھگڑا ہی کچھ نہ تھا؛ لہٰذا آپ "مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ" کے بجائے "مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ" لکھئے، چناں چہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کی بات مان لی اور ساتھ میں یہ ارشاد فرمایا کہ: "وَاللّٰهِ إِنِّي لَرَسُوْلُ اللّٰهِ وَإِنْ كَذَّبْتُمُوْنِي يَا عَلِيُّ اُكْتُبْ مُحَمَّدَ بْنَ عَبْدِ اللّٰهِ" یعنی اللہ کی قسم میں تو اللہ کا رسول ہوں اگرچہ تم میری تکذیب کرو، اور علی تم یہی "محمد بن عبداللہ" لکھ دو، تو ظاہر ہے کہ جب پیغمبر علیہ السلام نے رسول اللہ نہ لکھنے پر رضامندی ظاہر فرمادی تو صلح کے لئے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا "امیر المؤمنین" نہ لکھوانا کیا اعتراض کا سبب ہوسکتا ہے"؟

سیدنا حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی یہ مدلل گفتگو سن کر چھ ہزار خارجیوں میں سے دو ہزار لوگوں نے توبہ کرلی اور بغاوت سے باز آگئے، اور بقیہ لوگوں سے جنگ ہوئی۔

(الموسوعۃ الفقہیہ ۱۳۶/۸-۱۳۷)

یہ واقعہ اپنے اندر بہت سی نصیحتیں رکھتا ہے، اور اس سے کئی اہم مسائل پر روشنی بھی پڑتی ہے، اور یہ بات ابھر کر سامنے آتی ہے کہ حکومت کے خلاف آواز اٹھانے والوں کے ساتھ ظالمانہ نہیں؛ بلکہ

حکیمانہ اسلوب اختیار کیا جائے گا؛ کیوں کہ اصل مقصد خوں ریزی نہیں؛ بلکہ فتنہ کو دفع کرنا ہے۔

اس واقعہ سے یہ بھی ثابت ہوا کہ باغیوں کو بھی ہوش مندی کا ثبوت دینا چاہئے، اور مصلحت سے کبھی روگردانی نہیں کرنی چاہئے، اگر ان شرعی اصولوں کا لحاظ رکھا جائے گا تو ہر ملک فتنہ وفساد سے بچا رہے گا؛ بلکہ امن وامان کا گہوارہ بن جائے گا۔

موجودہ زمانہ کی صورتِ حال

اس وقت دنیا کے مختلف خطوں میں بغاوت کی تحریکیں چل رہی ہیں، اس لئے شرعی اصولوں کی روشنی میں ان کا جائزہ لینا ضروری ہے، پوری صورتِ حال پر نظر کرنے سے جو بات سامنے آتی ہے وہ درج ذیل ہے:

(۱) ظالم حکمرانوں کے خلاف جو تحریکات اٹھتی ہیں، ان میں اصل قصور ظالم حکمرانوں کا ہوتا ہے، اور ایسی صورت میں شریعت کا حکم یہ ہے کہ ظالم اپنے ظلم سے باز آئیں اور اپنے ملک کے شہریوں کے جان و مال کے تحفظ کی ہر صورت اپنائیں۔ (مستفاد: شامی ۶/۴۱۱ زکریا)

(۲) اگر حکومت کی طرف سے کسی طبقہ پر صراحۃً ظلم ہو اور ظلم کی بنیاد پر وہ طبقہ حکومت کے خلاف اٹھ کھڑا ہو، تو عوام کو چاہئے کہ وہ ظالم حکومت کا ساتھ نہ دیں؛ بلکہ یا تو مظلوموں کا ساتھ دیں اور اگر اس کی قدرت نہ ہو تو دونوں فریقوں سے الگ رہیں۔ (مستفاد: شامی ۶/۴۱۶ زکریا)

(۳) تحریکات کے قائدین کی ذمہ داری یہ ہے کہ اگر حکومت ان سے سنجیدہ مذاکرات کرنے پر آمادہ ہو تو ضد اور ہٹ دھرمی کا مظاہرہ نہ کریں؛ بلکہ جس حد تک بھی ہو سکے، درمیانی راہ نکالنے کی کوشش کریں۔

(۴) حاکم وقت اگرچہ ظالم ہی کیوں نہ ہو، اس کے خلاف ہتھیار اٹھانے کی اجازت نہیں ہے؛ کیوں کہ اس سے خوں ریزی کی ایسی راہ کھلتی ہے جو وقت گذرنے کے ساتھ ساتھ سنگین ہوتی چلی جاتی ہے، اس لئے بدامنی اور خوں ریزی کے مقابلہ میں ظلم سہنا بہرحال اَہون ہے۔ اسی وجہ سے حجاج بن یوسف جیسے بدترین ظالم کے خلاف بھی سلفِ صالحین نے بغاوت کی اجازت نہیں دی؛

بلکہ صبر اور تحمل سے کام لیتے رہے۔

دہشت گردی قطعاً حرام ہے

اور آج کل مختلف ملکوں میں بم دھماکوں اور خودکش حملوں کا جو سلسلہ چل پڑا ہے، جن میں بے قصور لوگ بڑی تعداد میں مارے جاتے ہیں، اسلام میں اِس کی قطعاً گنجائش نہیں ہے۔ اگر کوئی فرد یا تنظیم اسلام کا نام لے کر ایسی ناپاک حرکت کرتی ہے، تو اسلام کی مقدس پیشانی پر بدنما داغ لگانے کا کام انجام دیتی ہے۔ اسلام تو وہ اِنسانیت نواز مذہب ہے جس نے عین حالتِ جنگ میں بھی اِنسانی اَقدار کی رعایت رکھنے اور بوڑھوں، عورتوں، بچوں اور نہتوں کے قتل ناحق سے تاکیداً منع کیا ہے، وہ کسی بھی طرح کی دہشت گردی اور اِنسانی خون کی پامالی کو کیسے برداشت کرسکتا ہے؟

سیدنا حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ: ’’ایک غزوہ میں ایک عورت مقتول پائی گئی، تو نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے جنگ میں عورتوں اور بچوں کو قتل کرنے سے منع فرمایا‘‘۔ (مسلم شریف ۲/۸۴)

مشہور شارح حدیث حضرت علامہ نوویؒ فرماتے ہیں کہ پوری اُمت کا اس پر اِجماع ہے کہ اگر دشمن کی عورتیں اور بچے مقابلہ پر نہ آئیں، تو اُنہیں خواہ مخواہ قتل کرنا حرام ہے۔ (البتہ اگر وہ مقابلہ پر آئیں تو حکم الگ ہے) (نووی علی مسلم ۲/۸۴)

اور سیدنا حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم لشکر روانہ کرتے وقت یہ ہدایت فرماتے تھے کہ: ’’جو راہب اپنی کٹیوں (اور آشرموں) میں عبادت میں مشغول ہوں، اُن کو قتل مت کرنا‘‘۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ۶/۴۸۸)

اور ایک روایت میں ہے کہ خلیفۂ اول امیر المؤمنین سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ایک جہادی لشکر کو روانہ کرتے وقت اس کے کمانڈر کو دس ہدایتیں ارشاد فرمائیں:

(۱) لَا تَقْتُلَنَّ صَبِيًّا. (کسی بچہ کو قتل مت کرنا)

(۲) وَلَا امْرَأَةً. (کسی عورت پر ہاتھ مت اٹھانا)

(۳) وَلَا كَبِيْرًا هَرِمًا. (کسی ضعیف بوڑھے کومت مارنا)

(٤) وَلَا تَقْطَعَنَّ شَجَرًا مُثْمِرًا. (کوئی پھل دار درخت مت کاٹنا)

(٥) وَلَا تُخَرِّبَنَّ عَامِرًا. (آباد عمارتوں کومت ڈھانا)

(٦) وَلَا تَعْقِرَنَّ شَاةً وَلَا بَعِيْرًا إِلَّا الْمَأْكِلَةِ. (کسی بکری اور اونٹنی وغیرہ کوخواہ مخواہ ذبح مت کرنا، ہاں اگر کھانے کی ضرورت ہوتو حرج نہیں)

(٧) وَلَا تَغْرِقَنَّ نَخْلاً. (کسی باغیچہ میں پانی چھوڑ کر اسے تباہ مت کرنا)

(٨) وَلَا تُحَرِّقَنَّهُ. (کسی باغ کو نہ جلانا)

(٩) وَلَا تَغْلُلْ. (غنیمت کے مال میں خیانت مت کرنا)

(١٠) وَلَا تَجْبُنْ. (بزدلی مت کرنا) (مصنف ابن ابی شیبہ ۶/ ۴۸۷)

ان تفصیلات سے معلوم ہوا کہ اسلام کسی بھی مرحلہ میں بے قصوروں کے ساتھ زیادتی کو پسند نہیں کرتا۔ اوراس بارے میں اسلامی تعلیمات فطری طور پر انسانیت کی بقا اور تحفظ کی ضمانت ہیں۔

آج کل ذرائع ابلاغ میں مسلم یا غیر مسلم ممالک میں دہشت گردی کے جو ہول ناک واقعات شائع ہوتے ہیں، تو یہ یقین کرنا ہی مشکل ہوتا ہے کہ کوئی ادنیٰ مسلمان بھی ایسی ناشائستہ حرکت آخر کیسے کرسکتا ہے؟ اور بجا طور پر یہ امکان اُبھر کر سامنے آتا ہے کہ اس کے پیچھے دشمنانِ اسلام کی سازشیں ہیں؛ تاکہ اِن واقعات کے حوالہ سے اسلام جیسے مقدس مذہب پر کیچڑ اچھالنے کا موقع ہاتھ آئے؛ لیکن اگر واقعۃً اور بالفرض کوئی مسلمان ایسی حرکت کرتا ہے تو وہ اسلام کا خیرخواہ ہرگز نہیں قرار دیا جاسکتا؛ بلکہ یا تو وہ نادان دوست ہے جو جذبات کی رَو میں بہہ کر عقل وخرد کا دامن چھوڑ دیتا ہے یا پھر وہ کسی نادیدہ انسانیت دشمن طاقت کا آلہ کار بن کر کام کررہا ہے، جو اِن نادانوں کو استعمال کرکے اِسلام کو بدنام کرنا پوری دنیا کو فتنہ وفساد کی آماج گاہ بنادینا چاہتی ہے۔

اس لئے خاص کر ہر مسلمان کو اس معاملہ میں بہت محتاط اور ہوشیار رہنے کی ضرورت ہے، بے شک بہت سی جگہوں پر ہم مظلوم ہیں اور حکومتوں کا ظلم حد سے تجاوز کررہا ہے؛ لیکن اِن حالات

کے ردِعمل میں کوئی بھی ایسا اقدام جو ناعاقبت اندیشی پر مبنی ہو، اس کے ارتکاب کی اجازت نہیں دی جاسکتی ہے؛ بلکہ صبر وتحمل اور عاقلانہ تدابیر کا اختیار کرنا ضروری ہے۔

اللہ تعالیٰ پورے عالم اِنسانیت بالخصوص اُمتِ مسلمہ کو ہر قسم کی داخلی اور خارجی سازشوں سے محفوظ فرمائیں اور اَمن واَمان کی دولت نصیب فرمائیں، آمین۔

❒❖❒

اختتامیہ:

اِنَّ اللّٰہَ یَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالإِحْسَانِ وَاِیْتَآءِ ذِیْ الْقُرْبٰی
وَیَنْہٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْکَرِ وَالْبَغْیِ،

[النحل: ۹۰]

وعظ ونصیحت

وعظ کے معنی

زیرِ بحث آیت: ﴿اِنَّ اللّٰہَ یَأْمُرُ بِالْعَدْلِ الخ﴾ کا حسن اختتام اس مضمون پر کیا گیا ہے کہ مذکورہ اَوامر (عدل، احسان وصلہ رحمی) اور نواہی (بے حیائی، منکر اور بغاوت) کا ذکر اللہ تعالیٰ کی طرف سے بطور وعظ ونصیحت کے کیا گیا ہے؛ تاکہ لوگ سمجھنے کی کوشش کریں۔ چناں چہ ارشاد ہوا: ﴿یَعِظُکُمْ لَعَلَّکُمْ تَذَکَّرُوْنَ﴾ یعنی اللہ تعالیٰ تم کو نصیحت کرتا ہے؛ تاکہ تم غور وفکر کرو۔

اب یہاں سوال یہ ہے کہ ''وعظ'' عربی زبان میں کس معنی میں استعمال ہوتا ہے؟ تو اس بارے میں حضراتِ مفسرین سے تین معانی منقول ہیں:

(۱) وعظ کے معنی یہ ہیں کہ ایسے مضامین ذکر کیے جائیں جن سے اللہ کے غضب اور عذاب سے ڈر پیدا ہوتا ہو۔

(۲) دوسرے معنی یہ ہیں کہ برائی سے اس طرح روکا جائے کہ اس میں عذاب پر تنبیہ بھی ہو۔

(۳) اور امام لغت علامہ خلیلؒ سے منقول ہے کہ ''وعظ'' کا مطلب یہ ہے کہ کوئی اچھی بات اس انداز میں بیان کی جائے کہ اس سے دل میں نرمی پیدا ہو۔ (مستفاد: عمدۃ الحفاظ فی تفسیر اشرف الالفاظ ۶۳۶)

غور کیا جائے تو یہ تینوں معنی قریب قریب ہی ہیں، آپس میں متعارض نہیں ہیں، اور اُردو میں اِن سب معانی کو اگر سمیٹا جائے تو وعظ کا ترجمہ ''مؤثر نصیحت'' سے کیا جاسکتا ہے۔

قرآنِ کریم سراپا نصیحت ہے

قرآنِ کریم سراپا نصیحت ہی نصیحت ہے، اس سے زیادہ مؤثر کتاب ہدایت اور کوئی نہیں، خود قرآنِ کریم میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

يَآأَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَ تْكُمْ مَوْعِظَةٌ مِنْ رَّبِّكُمْ وَشِفَآءٌ لِمَا فِي الصُّدُوْرِ، وَهُدًى وَرَحْمَةٌ لِلْمُؤْمِنِيْنَ. قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهِ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا، هُوَ خَيْرٌ مِمَّا يَجْمَعُوْنَ. (یونس: ۵۷-۵۸)

اے لوگو! تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے نصیحت آ چکی ہے، اور دلوں کی بیماریوں کے لئے شفاء اور اہلِ ایمان کے لئے ہدایت ہے۔ آپ فرمائیے کہ اللہ کے فضل اور اس کی مہربانی سے اور اسی پر لوگوں کو خوش ہونا چاہئے، یہ اُن چیزوں سے بہتر ہے جسے لوگ جمع کرتے ہیں۔

اور ایک جگہ فرمایا گیا:

اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَهْدِىْ لِلَّتِىْ هِىَ اَقْوَمُ وَيُبَشِّرُ الْمُؤْمِنِيْنَ الَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ اَجْرًا كَبِيْرًا. (بنی اسرائیل: ۹)

یہ قرآن وہ راہ بتلاتا ہے جو سب سے سیدھی ہے اور نیک عمل کرنے والے مؤمنین کو بشارت سناتا ہے کہ ان کے لئے بڑا اجر وثواب ہے۔

لہٰذا جو قرآنِ کریم کو رہنما بنائے گا وہ سیدھا جنت تک پہنچ جائے گا، اور دربارِ خداوندی میں اسے تقرب نصیب ہوگا، انشاء اللہ تعالیٰ۔

نصیحت سے فائدہ ضرور ہوتا ہے

قرآنِ کریم میں متعدد جگہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا گیا ہے کہ آپ اُمت کو وعظ ونصیحت فرماتے رہیں؛ تاکہ ایمان والوں کو فائدہ ہو۔ سورۂ والذاریات میں فرمایا گیا:

وَذَكِّرْ فَاِنَّ الذِّكْرٰى تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِيْنَ. (الذّٰریٰت: ۵۵)

اور نصیحت فرماتے رہئے؛ کیوں کہ نصیحت اِیمان والوں کو نفع دیتی ہے۔

اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے علامہ فخر الدین رازیؒ فرماتے ہیں کہ پیغمبر علیہ السلام کی نصیحت کا نفع کئی طرح سے ظاہر ہوتا ہے:

(۱) ایمان والوں کے نورِ ایمانی میں اِضافہ ہوجاتا ہے، اور دل کی کیفیت بدل جاتی ہے۔

(۲) نصیحت جتنی زیادہ کی جائے گی اُتنی ہی باتیں آگے نقل ہوں گی، جن سے بعد میں آنے والے مؤمنین فائدہ اُٹھاتے رہیں گے۔

(۳) اور یہ بھی ممکن ہے کہ نصیحت سن کر کوئی کافر ایمان لے آئے، تو اس کا نفع تو ظاہر ہے، اور اگر ایمان نہ بھی لایا تو نصیحت کرنے والے مؤمن کو نصیحت کا ثواب تو مل ہی جائے گا، یہی اس کے حق میں نفع ہے۔ (تفسیر کبیر للامام الرازیؒ ۱۴/۲۳۲)

مثل مشہور ہے کہ ''کان پڑی بات کبھی کام آتی ہے'' تو یہی حال وعظ ونصیحت کا ہے کہ اس سے کچھ نہ کچھ نفع ضرور ہوتا ہے۔ اس لئے یہ سلسلہ اُمت میں برابر جاری رہنا چاہئے۔ اِسی بنا پر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر مسلسل کرتے رہنے کا حکم دیا گیا ہے؛ بلکہ اِس کو اُمتِ محمدیہ کے خصوصی اِمتیازات میں شمار کیا گیا ہے۔

نصیحت قبول کرنا اِیمانی صفت ہے

اور مسلمان کو چاہئے کہ جب اس کے سامنے کوئی نصیحت کی جائے تو لا پروائی نہ برتے اور نہ ہی سنی اَن سنی کرے؛ بلکہ غور سے سن کر اُس پر عمل کی کوشش کیا کرے۔ اسی بنا پر سورۂ فرقان میں اللہ کے خاص منظور نظر بندوں کی صفات بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا گیا:

وَالَّذِيْنَ اِذَا ذُكِّرُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ لَمْ يَخِرُّوْا عَلَيْهَا صُمًّا وَّعُمْيَانًا. (الفرقان: ۷۳)

اور جب اُن کو اُن کے رب کی باتیں سمجھائی جائیں تو وہ اُن پر اندھے بہرے ہو کر نہ پڑیں۔

یعنی ''عباد الرحمٰن'' کی خاص صفت یہ ہے کہ جب اُن کو کوئی نصیحت کی جاتی ہے اور قرآنی آیات پڑھ کر سنائی جاتی ہیں، تو وہ اندھوں اور بہروں کی طرح اُنہیں نظر انداز نہیں کرتے؛ بلکہ بغور سنتے ہیں، اور دل میں اُتارنے کی کوشش کرتے ہیں۔

اور سورۂ انفال میں سچے مؤمنوں کی علامت بیان کرتے ہوئے اِرشاد ہوا:

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَاِذَا تُلِيَتْ

یقیناً (کامل) ایمان والے لوگ وہی ہیں کہ جب اللہ کا نام آئے تو اُن کے دل کانپ جائیں اور

عَلَيْهِمْ اٰيَاتُهٗ زَادَتْهُمْ اِيْمَانًا وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ. (الانفال: ۲)

جب اُن کے سامنے قرآنی آیات پڑھی جائیں تو اُن کا ایمان بڑھ جائے، اور وہ اپنے رب پر بھروسہ کرتے ہیں۔

واقعہ یہ ہے کہ اگر آیت میں ذکر کردہ کیفیت کسی مؤمن کو نصیب ہوجائے، تو اُس کا ایمان کامل مکمل ہوجائے، اور وہ اچھائیوں کی طرف راغب اور برائیوں سے نفور ہوجائے، اس لئے ہر مسلمان کو یہ حالت پیدا کرنے کی کوشش کرتے رہنا چاہئے۔

آیئے عہد کریں!

گذشتہ صفحات میں بہت سی قرآنی ونبوی ہدایات ہمارے سامنے آچکی ہیں، اَب ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم دل میں یہ عزم کریں کہ حتی الامکان اِن ہدایات کو حرزِ جاں بنائیں گے۔ اور جن باتوں سے شریعت میں منع کیا گیا ہے، اُن سے اَپنے کو اور اپنے اَہل خانہ کو اور معاشرہ کو بچانے کی فکر کریں گے، ساتھ میں موقع بموقع اپنا محاسبہ بھی کرتے رہیں گے۔ اور جو بھی کوتاہی پہلے ہوچکی یا آئندہ اتفاقاً ہوجائے، تو اس پر ندامت کے ساتھ سچی توبہ کریں گے، اور ہمیشہ ہماری نظر اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی کے حصول پر رہے گی؛ کیوں کہ رضاءِ خداوندی سے بڑھ کر کوئی دولت نہیں اور اس کی ناراضگی سے بڑھ کر کوئی ذلت کی بات نہیں ہے۔

اے ہمارے پیارے رب! ہماری کوتاہیوں کو اپنے فضل وکرم سے معاف فرمایئے، ہمیں نفس وشیطان کے شر سے محفوظ فرمایئے، اور ہر سطح پر خیر کی توفیق مرحمت فرماکر ہمیں اپنے منظورِ نظر بندوں میں شامل فرمایئے، بے شک آپ گنہگاروں کو معاف فرمانے والے اور مہربانوں کے مہربان ہیں۔ آمین یارب العالمین۔

وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ
وَعَلٰى آلِهٖ وَأَصْحَابِهٖ وَذُرِّيَّاتِهٖ أَجْمَعِيْنَ.
وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ.

ماٰخذ ومراجع

(اس کتاب کی ترتیب وتالیف میں درج ذیل کتب سے مدد لی گئی ہے۔ مرتب)

کتبِ تفسیر

۱	القرآن الکریم	ترجمہ: حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندیؒ (م۱۳۳۹ھ)	مدینہ منورہ
۲	القرآن الکریم	ترجمہ: حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ (م۱۳۶۲ھ)	فرید بک ڈپو دہلی
۳	تفسیر روح المعانی	علامہ ابوالفضل سید محمود آلوسی بغدادیؒ (م۱۲۷۰ھ)	زکریا بک ڈپو دیوبند
۴	تفسیر ابن کثیر (مکمل)	علامہ عماد الدین ابن کثیرؒ (م:۷۷۴ھ)	دار السلام ریاض
۵	الجامع لاحکام القرآن	الامام ابوعبداللہ محمد بن احمد الاندلسی القرطبیؒ (م ۶۶۸ھ)	دار الفکر بیروت
۶	احکام القرآن	الامام ابوبکر جصاص الرازیؒ (م۳۷۰ھ)	زکریا بک ڈپو دیوبند
۷	تفسیر کبیر للرازی	الامام محمد فخر الدین الرازیؒ (م۶۰۴ھ)	دار الفکر بیروت
۸	تفسیر المہایمی	علامہ علی احمد بن ابراہیم المہایمیؒ (م ۸۳۵ھ)	بیروت
۹	تفسیر در منثور	علامہ جلال الدین عبدالرحمٰن بن ابی بکر السیوطیؒ (م۹۱۱ھ)	مطبع امیریہ، مصر
۱۰	تفسیر مظہری	قاضی ثناء اللہ پانی پتی نور اللہ مرقدہٗ (م۱۱۲۵ھ)	زکریا بک ڈپو دیوبند
۱۱	تفسیر ابوالسعود	قاضی القضاۃ الامام ابوالسعود محمد العمادیؒ (م۹۵۱ھ)	دار احیاء التراث
۱۲	عمدۃ الحفاظ فی تفسیر اشرف الالفاظ	علامہ شہاب الدین احمد بن مسعود الحلبیؒ (م ۷۵۶ھ)	دار السید استنبول
۱۳	بیان القرآن	حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ (م۱۳۶۲ھ)	جوگیشوری ممبئی
۱۴	معارف القرآن	حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندیؒ (۱۳۹۵ھ)	معراج بک ڈپو دیوبند

متونِ حدیث

۱۵	صحیح البخاری	الامام ابومحمد بن اسمٰعیل بن بردزبۃ البخاریؒ (م۲۵۶ھ)	مکتبۃ الاصلاح مراد آباد
۱۶	صحیح مسلم	الامام ابوالحسین مسلم بن الحجاج القشیریؒ (م۲۶۱ھ)	مختار اینڈ کمپنی دیوبند ومرقم: دار الفکر بیروت

۱۷	جامع الترمذی	الامام ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ بن سورۃ الترمذیؒ (م۲۷۹ھ)	مختار اینڈ کمپنی دیوبند
۱۸	سنن ابی داؤد	الامام ابوداؤد سلیمان بن الاشعث السجستانیؒ (م۲۷۵ھ)	اشرفی بک ڈپو دیوبند ومرقم: دارالفکر بیروت
۱۹	سنن النسائی	الامام ابوعبدالرحمٰن احمد بن شعیب النسائیؒ (م۳۰۳ھ)	اشرفی بک ڈپو دیوبند ومرقم: دارالفکر بیروت
۲۰	موطا مالک	الامام مالک بن انسؒ (م۱۷۹ھ)	دارالکتب العلمیہ بیروت
۲۱	سنن ابن ماجہ	الامام ابوعبداللہ محمد بن یزید القزوینیؒ (م۲۷۵ھ)	اشرفی بک ڈپو دیوبند ومرقم دارالفکر بیروت
۲۲	سنن الدارالقطنی	الامام حافظ علی بن عمر الدارقطنیؒ (م۳۸۵ھ)	دارالکتب العلمیہ بیروت
۲۳	مسند امام احمد بن حنبل (تحقیق: احمد محمد شاکر)	الامام احمد بن محمد بن حنبلؒ (م۲۴۱ھ)	دارالحدیث القاہرہ
۲۴	مشکوۃ المصابیح	الامام ولی الدین محمد بن عبداللہ الخطیب التبریزیؒ (م۷۴۱ھ)	اشرفی بک ڈپو دیوبند
۲۵	الاحسان بترتیب صحیح ابن حبان	الحافظ محمد بن حبان ابوحاتم البستیؒ (م۳۵۴ھ) الامیر علاء الدین علی بن بلبانؒ (م۷۳۹ھ)	دارالفکر بیروت
۲۶	المعجم الکبیر	علامہ ابوالقاسم سلیمان بن احمد الطبرانیؒ (م۳۶۰ھ)	داراحیاء التراث بیروت
۲۷	المعجم الاوسط	علامہ ابوالقاسم سلیمان بن احمد الطبرانیؒ (م۳۶۰ھ)	مکتبۃ المعارف ریاض
۲۸	المعجم الصغیر	علامہ ابوالقاسم سلیمان بن احمد الطبرانیؒ (م۳۶۰ھ)	داراحیاء التراث بیروت
۲۹	السنن الکبریٰ للبیہقی	الامام ابوبکر احمد بن الحسین بن علی البیہقیؒ (۴۵۸ھ)	دارالکتب العلمیہ بیروت
۳۰	شعب الایمان	الامام ابوبکر احمد بن الحسین البیہقیؒ (م۴۵۸ھ)	دارالکتب العلمیہ بیروت
۳۱	مصنف ابن ابی شیبہ	ابوبکر عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ الکوفیؒ (م۲۳۵)	دارالکتب العلمیہ بیروت
۳۲	مصنف عبدالرزاق	الحافظ ابوبکر عبدالرزاق بن ہمام الصنعانیؒ (م۲۱۱ھ)	دارالقلم بیروت
۳۳	کنزالعمال	علی ابن حسام الدین المتقیؒ (م۹۷۵ھ)	دارالکتب العلمیہ بیروت
۳۴	مجمع الزوائد	علامہ ابوبکر ہیثمیؒ (م۸۰۷ھ)	دارالکتب العلمیہ بیروت
۳۵	المستدرک للحاکم	الامام ابوعبداللہ الحاکمؒ (م۴۰۵ھ)	دارالکتب العلمیہ بیروت
۳۶	مسند البزار	علامہ ابوبکر ہیثمیؒ (م۸۰۷ھ)	موسسۃ الرسالہ بیروت

۳۷	مسند حمیدی	تحقیق: محدثِ کبیر شیخ حبیب الرحمٰن الاعظمی ؒ (م ۱۴۱۲ھ)	المکتبۃ السلفیۃ مدینہ منورہ
۳۸	مسند ابو یعلی الموصلی	تحقیق: حسین [redacted]	دار المامون دمشق
۳۹	فیض القدیر	العلامہ زین الدین عبد الرؤف محمد بن علی المناوی ؒ (م ۱۰۳۱ھ)	دار الفکر بیروت
۴۰	موسوعۃ آثار الصحابہ	ابوعبداللہ سید بن کروی ؒ	دار الکتب العلمیہ بیروت
۴۱	کتاب الدعاء للطبرانی ؒ	ابوالقاسم سلیمان بن احمد طبرانی ؒ (۳۶۰ھ)	دار الکتب العلمیہ بیروت
۴۲	کتاب الآثار للامام محمد ؒ	تشریح: علامہ ابوالوفاء افغانی	مجلس علمی ڈابھیل
۴۳	جمع الجوامع	ابوالفضل جلال الدین عبدالرحمٰن ابوبکر السیوطی ؒ (م ۹۱۱ھ)	دار الکتب العلمیہ بیروت
۴۴	الاحادیث المنتخبۃ	الشیخ محمد یوسف الکاندھلوی ؒ (م ۱۳۶۳ھ)	نصیر بکڈپو نظام الدین

شروحاتِ حدیث

۴۵	فتح الباری	حافظ ابن حجر العسقلانی ؒ (م ۸۵۲ھ)	دار الکتب العلمیہ بیروت
۴۶	عمدۃ القاری	علامہ بدرالدین عینی ؒ (م ۸۵۵ھ)	دار الفکر بیروت
۴۷	نووی علی مسلم	شیخ محی الدین ابوزکریا یحییٰ بن شرف النووی ؒ (م ۶۷۷ھ)	مختار اینڈ کمپنی دیوبند
۴۸	فتح الملہم	حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی ؒ (م ۱۳۶۹ھ)	زکریا بک ڈپو دیوبند
۴۹	تکملہ فتح الملہم	حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم	مکتبہ دارالعلوم کراچی
۵۰	اکمال المعلم	الحافظ ابوالفضل عیاض بن موسیٰ بن عیاض الیحصبی ؒ (م ۵۴۴ھ)	دار الوفاء، دمشق
۵۱	المفہم	الامام الحافظ ابوالعباس احمد بن عمر القرطبی ؒ (م ۶۵۶ھ)	دار ابن کثیر دمشق
۵۲	حاشیہ سندی	الامام السندی ؒ (م ۱۰۳۸ھ)	دار الفکر بیروت
۵۳	بذل المجہود	الشیخ خلیل احمد السہارنفوری ؒ (م ۱۳۴۶ھ)	مرکز الشیخ ابی الحسن الندوی ؒ
۵۴	العرف الشذی	العلامہ محمد انور شاہ کشمیری ؒ (م ۱۳۵۲ھ)	اشرفی بک ڈپو دیوبند
۵۵	مرقاۃ المفاتیح	العلامۃ علی بن السلطان محمد القاری ؒ (م ۱۰۱۴ھ)	دار الکتب العلمیہ بیروت
۵۶	اعلاء السنن	حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی ؒ (م ۱۳۹۴ھ)	دار الکتب العلمیہ بیروت
۵۷	اوجز المسالک	حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا مہاجر مدنی ؒ (م ۱۴۰۲ھ)	دار القلم دمشق
۵۸	مظاہر حق	حضرت مولانا محمد قطب الدین صاحب دہلوی ؒ	کتب خانہ رحیمیہ دیوبند

سیرتِ طیبہ

۵۹	سیرت ابن ہشام	علامہ ابن ہشامؒ (م۲۱۳ھ)	دار احیاء التراث بیروت
۶۰	دلائل النبوۃ	العلامہ ابوبکر احمد بن الحسین البیہقیؒ (م۴۵۸ھ)	دار الکتب العلمیہ بیروت
۶۱	الروض الانف	العلامہ ابوالقاسم عبدالرحمٰن بن عبداللہ السہیلیؒ (م۵۸۱ھ)	دار الکتب العلمیہ بیروت
۶۲	زاد المعاد	ابوعبداللہ محمد بن ابی بکر الدمشقیؒ "ابن قیم الجوزیۃ" (م۷۵۱ھ)	مؤسسۃ الرسالۃ بیروت
۶۳	شمائل الرسول	الحافظ ابن کثیر الدمشقیؒ (م۷۷۴ھ)	دار القبلہ، جدہ
۶۴	الاصابہ	العلامہ الحافظ بن حجر العسقلانیؒ (م۸۵۲ھ)	دار الکتب العلمیہ بیروت
۶۵	سیرۃ المصطفیٰ	حضرت مولانا ادریس صاحب کاندھلویؒ	زکریا بک ڈپو دیوبند
۶۶	نساء فی ظل رسول اللہ	الشیخ عرفان بن سلیم الدمشقی	دار الکتب العلمیہ بیروت
۶۷	حیاۃ الصحابہ	الشیخ محمد یوسف الکاندہلویؒ (م۱۳۶۳ھ)	مکتبہ ملت علی گڈھ
۶۸	انوار رسالت	حضرت مولانا مفتی شبیر احمد صاحب قاسمی	مکتبۃ الاصلاح مرادآباد

کتبِ فقہ وفتاویٰ

۶۹	تنویر الابصار مع الدر المختار	محمد بن عبداللہ بن احمد الخطیب التمرتاشیؒ (م۱۰۰۴ھ)	زکریا بک ڈپو دیوبند
۷۰	درمختار	شیخ علاء الدین الحصکفیؒ (م۱۰۸۸ھ)	زکریا بک ڈپو دیوبند
۷۱	ردالمحتار (فتاوی شامی)	علامہ محمد امین الشہیر بابن عابدینؒ (م۱۲۵۲ھ)	دار الفکر، ودار احیاء التراث بیروت، ایچ ایم سعید کمپنی کراچی، زکریا بک ڈپو دیوبند
۷۲	فتاویٰ قاضی خاں	علامہ فخر الدین حسن بن منصور المعروف بقاضی خاںؒ (م۵۹۲ھ)	دار احیاء التراث بیروت
۷۳	ہدایہ	شیخ الاسلام برہان الدین المرغینانیؒ (م۵۹۳ھ)	ادارۃ المعارف دیوبند
۷۴	المحیط البرہانی	علامہ برہان الدین بن صدر الشریعہ البخاریؒ (المتوفی:۶۱۶ھ)	ادارۃ القرآن کراچی
۷۵	الفتاوی التاتارخانیہ	علامہ عالم بن علاء انصاری دہلویؒ (۷۸۶ھ) (بتحقیق: مفتی شبیر احمد صاحب قاسمی)	ادارۃ القرآن کراچی زکریا بک ڈپو دیوبند
۷۶	بزازیہ علی ہامش الہندیہ	علامہ حافظ الدین محمد بن محمد المعروف بابن بزاز (م: ۸۲۷ھ)	زکریا بک ڈپو دیوبند
۷۷	غنیۃ المستملی (حلبی کبیر)	الشیخ ابراہیم الحلبی الحنفیؒ (م۹۵۶ھ)	سہیل اکیڈمی لاہور
۷۸	البحر الرائق	العلامہ زین العابدین ابراہیم ابن نجیم الحنفیؒ (م۹۷۰)	ایچ ایم سعید کمپنی کراچی

۷۹	مجمع الانہر	شیخ عبدالرحمٰن محمد بن سلیمانؒ (شیخ زادہ) (م۱۰۷۸ھ)	داراحیاءالتراث العربی
۸۰	عالمگیری	علامہ نظام الدین وجماعۃ من العلماء	داراحیاءالتراث بیروت
۸۱	الموسوعۃ الفقہیہ	مجموعۃ من العلماء	وزارۃ الشؤون الاسلامیہ کویت
۸۲	فتاویٰ عزیزی	حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ (م۱۲۳۹ھ)	دارالاشاعت کراچی
۸۳	فتاوی رشیدیہ	حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ (م۱۳۲۳ھ)	گلستاں کتاب گھر
۸۴	باقیاتِ فتاویٰ رشیدیہ	حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ (م۱۳۲۳ھ) جامع: مولانا نورالحسن راشد صاحب کاندھلوی	مفتی الٰہی بخش اکیڈمی کاندھلہ
۸۵	امدادالفتاوی	حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ (م۱۳۶۲ھ)	ادارہ تالیفات اولیاء دیوبند
۸۶	بہشتی زیور	حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ (م۱۳۶۲ھ)	مکتبہ اختری سہارن پور
۸۷	جواہرالفقہ	حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندیؒ (م۱۳۹۵ھ)	مکتبہ تفسیرالقرآن دیوبند
۸۸	فتاویٰ محمودیہ	حضرت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہیؒ (م۱۴۱۷ھ)	زکریا بک ڈپو دیوبند
۸۹	مجموعہ فتاویٰ عبدالحیؒ	حضرت مولانا عبدالحیؒ صاحب فرنگی محلیؒ	کراچی پاکستان
۹۰	ایضاح المسائل	حضرت مولانا مفتی شبیر احمد صاحب قاسمی	مکتبہ الاصلاح مرادآباد
۹۱	انواررحمت	حضرت مولانا مفتی شبیر احمد صاحب قاسمی	مکتبہ الاصلاح مرادآباد
۹۲	خواتین کے شرعی مسائل	مولانا منور سلطان صاحب ندوی	المعہد العالی حیدرآباد
۹۳	خواتین کے بناؤسنگھار	مفتی ضیاءاللہ امراوتی	مدرسۃ البنات امراوتی
۹۴	بہارشریعت	مولانا امجد علی رضوی	قادری بک ڈپو بریلی

کتبِ عقائد

۹۵	شرح العقیدۃ الطحاویۃ	الامام ابن ابی العزالدمشقی (م۷۹۲ھ)	موسسۃ المختار قاہرہ
۹۶	شرح فقہ اکبر	العلامہ علی بن سلطان القاریؒ (م۱۰۱۴ھ)	دارالکتب العلمیہ بیروت
۹۷	کتاب التوحید	شیخ عبدالوہاب نجدیؒ (م۱۲۰۶ھ)	شرکۃ العبیکان الریاض
۹۸	حاشیہ الجامع الفرید	الشیخ عبدالرحمٰن بن الشیخ حسن بن الشیخ محمد	شرکۃ العبیکان ریاض
۹۹	راہِ سنت	حضرت مولانا سرفراز صفدر صاحب	دارالکتاب دیوبند

وعظ واصلاح

۱۰۰	کتاب الزہد	شیخ الاسلام عبداللہ بن المبارک المروزیؒ (م۱۸۱ھ)	دارالکتب العلمیہ بیروت

۱۰۱	تنبیہ الغافلین	ابوبکر عبداللہ بن محمد بن سفیان بن ابی الدنیاؒ (م ۲۸۱ھ)	دارالکتب العلمیہ بیروت
۱۰۲	الترغیب والترہیب	الحافظ زکی الدین عبدالعظیم بن عبدالقوی المنذریؒ (م ۶۵۶ھ)	بیت الافکار الدولیۃ
۱۰۳	الترغیب والترہیب	الامام عبداللہ بن اسعد الیافعیؒ (م ۷۶۸ھ)	دارالکتب العلمیہ بیروت
۱۰۴	المتجر الرابح	حافظ شرف الدین عبدالمؤمن دمیاطیؒ (م: ۷۰۵ھ)	دارالفکر بیروت
۱۰۵	الآداب الشرعیہ	شمس الدین ابوعبداللہ محمد بن مفلح المقدسی حنبلیؒ (م ۷۶۳ھ)	دارالکتب العلمیہ بیروت
۱۰۶	التذکرۃ فی احوال......	الحافظ ابوعبداللہ محمد بن احمد القرطبیؒ (م ۶۷۱ھ)	مکتبہ تجاریہ، مکہ معظّمہ
۱۰۷	شرح الصدور	الحافظ جلال الدین السیوطیؒ (م ۹۱۱ھ)	دارالتراث، مدینہ منورہ
۱۰۸	الزواجر عن اقتراف الکبائر	الامام ابوالعباس احمد بن محمد بن علی بن حجر المکیؒ (م ۹۷۴ھ)	دارالکتب العلمیہ بیروت
۱۰۹	کتاب الزواجر	الامام ابوالعباس احمد بن محمد بن علی بن حجر المکیؒ (م ۹۷۴ھ)	دارالکتب العلمیہ بیروت
۱۱۰	جامع المہلکات	الشیخ عرفان بن سلیم الدمشقی	دارالکتب العلمیہ بیروت
۱۱۱	احیاء العلوم	حجۃ الاسلام ابوحامد محمد بن محمد الغزالیؒ (م ۵۰۵)	نول کشور لکھنؤ
۱۱۲	روضۃ الطالبین	حجۃ الاسلام ابوحامد محمد بن محمد الغزالیؒ (م ۵۰۵)	دارالکتب العلمیہ بیروت
۱۱۳	مذاق العارفین	مولانا محمد احسن صدیقی نانوتویؒ	مطبع تیج کمار لکھنؤ
۱۱۴	مکارم الاخلاق	الامام الطبرانیؒ (۳۶۰ھ)	دارالکتب العلمیہ بیروت
۱۱۵	مکارم الاخلاق	الحافظ الامام ابوبکر عبداللہ بن ابی الدنیاؒ (م ۲۸۱ھ)	دارالکتب العلمیہ بیروت
۱۱۶	معارف امدادیہ	افادات: حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ (م ۱۳۱۷ھ) مرتب: حافظ محمد اقبال قریشی	مکتبہ امدادیہ، ملتان
۱۱۷	حجۃ اللہ البالغہ	احمد بن عبدالرحیم شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ (م ۱۱۷۶ھ)	مکتبہ حجاز دیوبند
۱۱۸	رحمۃ اللہ الواسعہ	حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری مدظلہ	مکتبہ حجاز دیوبند
۱۱۹	اصلاح الرسوم	حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ (م ۱۳۶۲ھ)	مکتبہ تھانوی، دیوبند
۱۲۰	اغلاط العوام	حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ (م ۱۳۶۲ھ)	مکتبہ تھانوی دیوبند
۱۲۱	اصلاحِ انقلابِ امت	حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ (م ۱۳۶۲ھ)	فرید بک ڈپو دہلی
۱۲۲	آپ بیتی	شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ (م ۱۴۰۲ھ)	مکتبہ یحیوی سہارنپور
۱۲۳	حیاء اور پاک دامنی	حضرت مولانا پیر ذوالفقار نقشبندی صاحب مدظلہ	کتب خانہ نعیمیہ دیوبند
۱۲۴	انوار ہدایت	حضرت مولانا مفتی شبیر احمد صاحب قاسمی	مکتبہ الاصلاح مرادآباد
۱۲۵	اسلام میں عفت......	مولانا محمد اسجد صاحب قاسمی ندوی	فرید بک ڈپو دہلی

متفرقات

۱۲۶	البدایہ والنہایہ	علامہ ابن کثیر دمشقیؒ (م ۷۷۴ھ)	دار الفکر بیروت
۱۲۷	الاعلام	علامہ زرکلی	دار العلم بیروت
۱۲۸	حصن حصین	الامام الجزریؒ	دار الکتب العلمیہ بیروت
۱۲۹	المحاسن والمساوی	الشیخ ابراہیم بن محمد البیہقیؒ (م ۳۲۰ھ)	دار الکتب العلمیہ بیروت
۱۳۰	انباء الاذکیاء	علامہ جلال الدین السیوطیؒ (م ۹۱۱ھ)	دار الفکر بیروت
۱۳۱	الصواعق المحرقۃ	المحدث الفقیہ احمد بن حجر ہیتمیؒ (م ۹۷۴ھ)	دار الکتب العلمیہ بیروت
۱۳۲	تحفۃ الاخوان	شیخ تویجری	مکتبہ شاملہ
۱۳۳	روضۃ المحبین	علامہ ابن قیم الجوزیؒ (م	مکتبہ شاملۃ
۱۳۴	النظر واحکامہ	طارق طواری	مکتبہ شاملۃ
۱۳۵	حکم الاسلام فی......		مکتبہ شاملۃ
۱۳۶	التوسل: حقائق وشبہات		مکتبہ شاملۃ
۱۳۷	فتاویٰ اللجنۃ الدائمۃ		مکتبہ شاملہ
۱۳۸	الرقیۃ الشرعیۃ	الدکتور نجیل جاسم نشمی	مکتبہ شاملہ
۱۳۹	حل الشبہات فی......	مولانا اسعد اللہ ایرانی	مہاراشٹر
۱۴۰	اِشاعتِ اسلام	حضرت مولانا حبیب الرحمٰن عثمانیؒ	مکتبہ دار العلوم دیوبند
۱۴۱	نقشِ حیات	شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ (م ۱۳۷۷ھ)	الجمعیۃ بک ڈپو دہلی
۱۴۲	ابطالِ عزاداری	محدث کبیر مولانا حبیب الرحمٰن اعظمیؒ (م ۱۴۱۲ھ)	تحقیقاتِ شرعیہ
۱۴۳	۵۶/اعتراضات......	حضرت مولانا مفتی شبیر احمد صاحب قاسمی	مکتبہ الاصلاح مرادآباد
۱۴۴	فاروق اعظم	حضرت مولانا مفتی محمد فاروق صاحب میرٹھی	مکتبہ محمودیہ میرٹھ
۱۴۵	عقائد الشیعہ	حضرت مولانا مفتی محمد فاروق صاحب میرٹھی	مکتبہ محمودیہ میرٹھ
۱۴۶	فرقۂ بریلویت: ہندو پاک کا تحقیقی جائزہ	مولانا محمد الیاس گھمن صاحب	دار الکتاب دیوبند
۱۴۷	رزق کے خزانے	مولانا محمد ابراہیم صاحب مانگرولی گجرات	ریحان کتاب گھر مانگرول
۱۴۸	احکام شریعت	مولانا احمد رضا خان بریلوی	مکتبہ جام نور مٹیا محل دہلی
۱۴۹	امام احمد رضا اور......	مولانا یاسین اختر مصباحی	مکتبہ جام نور مٹیا محل دہلی

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

مرتب کی علمی کاوشیں

سیرتِ طیبہ:

❑ نعت النبی ﷺ نمبر (ماہنامہ ندائے شاہی):

۶۵۸؍صفحات پر مشتمل اس ضخیم نمبر میں علماء دیوبند اوران کے ہم مشرب شعراء کی حمد ونعت اور منقبت پر مشتمل ۵۳۸؍نظمیں (عربی، فارسی اور اُردو) نہایت خوبصورتی سے جمع کردی گئی ہیں، بفضلہٖ تعالیٰ اس مجموعہ کے مطالعہ سے قارئین کے قلوب نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت ومحبت سے معمور ہورہے ہیں،عشاقِ رسول کے لئے یہ ایک قیمتی سوغات ہے۔

❑ شمائلِ رسول:

یہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شمائل طیبہ سے متعلق ۴۰؍احادیث کا مختصر مجموعہ ہے، اُردو ترجمہ مولانا مفتی محمد عفان منصور پوری زیدعلمہ نے کیاہے، یہ رسالہ بار بار چھپ چکا ہے، اور کئی زبانوں میں اس کا ترجمہ بھی کیا گیاہے۔ جیبی سائز، صفحات:۶۴

❑ خطباتِ سیرتِ طیبہ:

سرور عالم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سیرتِ طیبہ کے مختلف گوشوں پر دس خطبات کا یہ مجموعہ خاص طور پر نوجوانوں اور عام مسلمانوں کے لئے شائع کیا گیاہے، یہ خطبات مرادآباد کی ’’مسجد ابراہیمی‘‘ محلّہ کسرول میں بالترتیب دس روز تک جاری رہے، بعد میں انہیں کتابی شکل دے دی گئی۔ یہ کتاب اس قابل ہے کہ گھروں میں اس کی تعلیم ہو؛ تاکہ نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سیرت کے متعلق اہم معلومات مسلم معاشرہ کو حاصل ہوں۔ الحمد للہ یہ کتاب متعدد بار چھپ چکی ہے، نیز ہندی زبان میں بھی اس کی اشاعت ہوچکی ہے۔ صفحات :۲۴۰

❑ مسک الختام فی الصلوٰۃ علی خیر الانام:

اس رسالہ میں اولاً درود شریف کے مختصر فضائل جمع کئے گئے ہیں، بعد ازاں احادیثِ شریفہ اور سلفِ صالحین سے منقول درود شریف کے چالیس منتخب اور پسندیدہ کلمات یکجا کردئے گئے ہیں، اور اخیر میں چند مقبول دعائیں بھی درج ہیں، جن کی قبولیت کی بہت امید ہے، انشاء اللہ تعالیٰ۔ تمام عربی عبارتوں کا سلیس اور عام فہم ترجمہ بھی کیا گیا ہے؛ تاکہ عوام کے لئے سہولت ہو۔ جیبی سائز، صفحات: ۱۰۴

فقہ وفتاویٰ:

❑ کتاب المسائل (تین جلدیں، کتاب الطہارت تا کتاب الحج):

واقعہ یہ ہے کہ مسائل کا یہ مجموعہ ہر مسلمان گھرانے کی دینی ضرورت ہے، اور عوام وخواص سب کے لئے یکساں طور پر مفید ہے، اور چوں کہ ہر مسئلہ کے ساتھ اصل فقہی عبارات مذکور ہیں؛ اس لئے یہ کتاب حضراتِ علماء کرام اور مفتیانِ عظام کے لئے اصل ماٰخذ سے مراجعت میں سہولت کا ذریعہ بھی ہے۔ کتاب کی اصل افادیت کا اندازہ اس کے مطالعہ ہی سے ہوسکتا ہے، اس منصوبہ پر آگے بھی کام جاری ہے، اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے تکمیل کی توفیق عطا فرمائیں، آمین۔

صفحات جلدِ اول: ۵۹۰، جلدِ ثانی: ۳۵۲، جلدِ ثالث: ۵۲۸، ملنے کا پتہ: فرید بک ڈپو دریا گنج دہلی

❑ کتاب النوازل (۷؍جلد):

یہ کتاب مرتب کے اُن فتاویٰ کا منتخب مجموعہ ہے، جو دارالافتاء جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد سے گذشتہ پچیس سالوں میں جاری ہوئے ہیں، ترتیب وتحقیق کا کام مولانا مفتی محمد ابراہیم قاسمی سلمہ نے انجام دیا ہے۔ فتاویٰ کی زبان نہایت آسان اور اُسلوب دل نشیں ہے، اور ہر فتویٰ معتبر حوالہ جات سے بھرپور مزین ہے۔ اب تک سات جلدیں شائع ہوچکی ہیں، جن میں طہارت سے لے کر حج تک کے مسائل جمع ہوگئے ہیں، آگے کام جاری ہے۔ اندازہ ہے کہ ۱۶-۱۷؍ جلدوں میں کام مکمل ہوگا، انشاء اللہ تعالیٰ

صفحات جلدِ اول: ۶۸۸، صفحات جلدِ دوم: ۵۶۰، صفحات جلدِ ثالث: ۶۴۸،
صفحات جلدِ رابع: ۶۳۲، صفحات جلدِ خامس: ۶۵۷، صفحات جلدِ سادس: ۶۲۴، صفحات جلدِ سابع: ۶۴۰۔

❑ دینی مسائل اور اُن کا حل:

دورِ حاضر کے اہم پیش آمدہ مسائل کے ۶۵۰ر مختصر اور جامع جوابات پر مشتمل یہ قیمتی مجموعہ ہر گھر کی ضرورت اور قدم قدم پر رہنمائی کا ذریعہ ہے۔ یہ مسائل کئی سال سے رسالہ تحفۂ خواتین مرادآباد میں سوال و جواب کی صورت میں شائع ہو رہے تھے، اب انہیں عربی عبارات اور حوالوں کے ساتھ جمع کر کے شائع کیا گیا ہے، جو عوام کے علاوہ اہل علم اور ارباب افتاء کے لئے بھی مفید ہے۔ صفحات: ۴۱۶۔

❑ مسائلِ موبائل:

اِس رسالہ میں موبائل سے متعلق ضروری سوالات کے جوابات مدلل طور پر دیئے گئے ہیں، اپنے موضوع پر یہ ایک مقبول رسالہ ہے، کئی زبانوں میں اِس کی اِشاعت ہوچکی ہے، اور عوام وخواص اِس سے فائدہ اُٹھا رہے ہیں۔ فالحمد للہ تعالیٰ۔

❑ فتویٰ نویسی کے رہنما اُصول:

یہ فقیہ العصر علامہ ابن عابدین شامیؒ کی معروف کتاب ’’شرح عقود رسم المفتی‘‘ کی روشنی میں اُصولِ افتاء پر ایک انوکھی کتاب ہے، جس میں ۳۴ر اُصول متعین کر کے ہر اُصول کے اِجراء اور تمرین کے لئے رہنمائی کی گئی ہے۔ جو طلبہ افتاء نظر میں گہرائی اور مطالعہ میں گیرائی کے مشتاق ہیں، اُن کے لئے یہ کتاب قدم قدم پر معاون بن رہی ہے۔ نیز بفضلہ تعالیٰ تجربہ سے یہ طرزِ اِجراء بہت مفید ثابت ہوا ہے۔

کتاب کے شروع میں ایک قیمتی ابتدائیہ ہے، جس میں فقہ وحدیث اور تفسیر سے متعلق ماٰخذ کی ۱۱۹ر کتابوں کا تعارف کرایا گیا ہے، جو طلبہ اور علماء کے لئے نہایت مفید اور کارآمد ہے۔

صفحات: ۴۲۹، ناشر: کتب خانہ نعیمیہ دیوبند

❑ فتاویٰ شیخ الاسلام:

شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہٗ کی علمی اور فقہی آراء اور مکتوبات کا یہ مرتب مجموعہ بالخصوص فقہ وفتاویٰ کے شائقین کے لئے گراں قدر تحفہ ہے۔ ہر مسئلہ حوالہ جات سے مزین

ہے، اور نادر علمی نکات، فقہی تحقیقات اور قیمتی اِفادات کو بہت سلیقہ اور عمدگی سے مرتب کیا گیا ہے، یہ کتاب ہندوستان کے علاوہ پاکستان میں بھی شائع ہوچکی ہے۔ صفحات: ۲۵۱، ناشر: مکتبہ دینیہ دیوبند

❑ تحفۂ رمضان:

رمضان المبارک، رؤیتِ ہلال، صدقہ فطر، اعتکاف، زکوٰۃ اور عیدین وغیرہ سے متعلق فضائل ومسائل پر مشتمل یہ مختصر کتاب اپنے موضوع پر بہت جامع ہے، اور مرتب کے سلسلۂ تالیفات کی پہلی کڑی ہے، اور عرصۂ دراز سے مختلف کتب خانوں سے شائع ہورہی ہے۔ صفحات: ۱۷۲۔

❑ الفہرس الحاوی علی حاشیۃ الطحطاوی:

فقیہ الامت حضرت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہی نور اللہ مرقدہٗ نے فقہ حنفی کی مشہور کتاب ''حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح'' کی تفصیلی فہرست تیار فرمائی تھی، اُسی کو مختلف نسخوں سے ملاکر مرتب نے بہت اچھے انداز میں شائع کیا ہے، جس کی بنا پر اِس کتاب سے استفادہ بہت آسان ہوگیا ہے۔ حضرات اہل علم وطلبہ افتاء بطور خاص اس سے فائدہ اٹھاسکتے ہیں۔

صفحات: ۲۰۰، ناشر: مرکز نشر وتحقیق لالباغ مرادآباد

❑ حج وزیارت نمبر (ندائے شاہی):

۲۳۲ رصفحات پر مشتمل یہ معلوماتی نمبر حجاجِ کرام کی رہنمائی میں ممتاز حیثیت رکھتا ہے، اور اپنی جامعیت کی وجہ سے نہایت مقبول ہے۔

❑ ایک مجلس کی تین طلاق کا مسئلہ دلائل کی روشنی میں:

یہ رسالہ خاص طور پر تین طلاق کے سلسلہ میں جمہور علماء اہل سنت کے موقف کی تائید میں تحریر کیا گیا ہے، اور اس میں فرقۂ غیر مقلدین کے پیش کردہ دلائل کا مناسب جواب دیا گیا ہے۔

دعوت واِصلاح:

❑ ایک جامع قرآنی وعظ:

یہ قرآنِ کریم کی ایک جامع ترین آیت: ﴿اِنَّ اللّٰہَ یَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ الخ﴾ کی

مبسوط و مفصل شرح پر مشتمل ایک ضخیم تالیف ہے، جس میں اسلام کی انسانیت نواز فطری تعلیمات کو بہت مثبت اور مؤثر انداز میں پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔عوام وخواص بالخصوص داعیانِ قوم، ائمہ وعلماء کرام کے لئے اس کتاب میں بیش بہا مواد جمع کر دیا گیا ہے، فالحمد کلہ للہ۔ صفحات:۷۲۸۔

❑ اللہ سے شرم کیجئے:

اِس کتاب میں اللہ تعالیٰ سے حیاء کرنے کے متعلق ایک جامع ارشادِ نبوی ﷺ کی تفصیلی شرح کے ضمن میں نہایت مفید اِصلاحی مضامین (آیاتِ قرآنیہ اَحادیثِ طیبہ اور اَحوال واَقوالِ سلف) خوبصورتی کے ساتھ جمع کر دئے گئے ہیں، یہ کتاب مردہ ضمیر کو جھنجوڑنے، اور غفلت کے پردے ہٹانے میں تریاق کی حیثیت رکھتی ہے۔ جو شخص بھی صدق دل سے اور عمل کی نیت سے اِس کا مطالعہ کرے گا، اُسے انشاء اللہ یقیناً نفع ہوگا، کتاب کی زبان سادہ اور عام فہم ہے۔ ہر بات حوالہ جات سے مزین ہے۔عوام وخواص کے لئے یکساں طور پر مفید ہے۔اب تک ہندو پاک کے مختلف کتب خانوں سے اس کے متعدد ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں، اور مسلسل اِس کی اِشاعت جاری ہے۔کئی زبانوں میں اِس کا ترجمہ بھی ہو چکا ہے، فالحمد کلہ للہ۔ صفحات:۴۳۲، ناشر: فرید بک ڈپو دہلی وغیرہ

❑ اللہ والوں کی مقبولیت کا راز:

اِس کتاب میں اَکابر واَسلاف کی مقبول صفات مثلاً: تواضع، زہد وتقویٰ، عفو ودرگذر، حلم وبردباری، جود وسخا اور خوف وخشیت سے متعلق پُر اَثر اور حیرت انگیز حالات وواقعات بیان کر کے اُن کی روشنی میں اپنے کردار کا مؤثر انداز میں جائزہ لیا گیا ہے۔ یہ کتاب علماء، طلباء اور اَپنی اِصلاح کے خواہش مند حضرات کے لئے اکسیر کی حیثیت رکھتی ہے۔ زبان بہت آسان اور عام فہم ہے، یہ کتاب بھی ہندو پاک کے متعدد کتب خانوں سے مسلسل شائع ہو رہی ہے، الحمد للہ۔

صفحات:۱۹۲، ناشر: فرید بک ڈپو دہلی وغیرہ

❑ دعوتِ فکر وعمل:

یہ کتاب مختلف دینی، اِصلاحی، سماجی اور معاشرتی موضوعات پر مبنی ۷۹ رقیمتی مضامین کا

مجموعہ ہے، جن میں پوری قوت کے ساتھ فکری اِصلاح پر زور دیا گیا ہے۔ اِن مضامین کے مطالعہ سے اِصابت رائے اور اعتدال کے جذبات پروان چڑھتے ہیں، موجودہ دور میں دینی خدمات میں مشغول حضرات کے لئے اِس کتاب کا مطالعہ نہایت کارآمد ہے، اَکابر علماء کی تقریظات سے کتاب مزین ہے، متعدد کتب خانوں سے اِس کی اِشاعت ہورہی ہے۔

صفحات: ۵۴۰، ملنے کا پتہ: فرید بک ڈپو دہلی وغیرہ

❑ لمحاتِ فکریہ:

اِس کتاب میں ندائے شاہی مارچ ۲۰۰۳ء سے لے کر مئی ۲۰۰۵ء تک کے اِدارتی مضامین اور دو رسالوں ''اِسلام کی اِنسانیت نوازی'' اور ''اِسلامی معاشرت'' کو یکجا کر کے شائع کیا گیا ہے۔ اِس مجموعۂ مضامین میں قرآن وسنت اور آثارِ صحابہ سے نہایت قیمتی ہدایات نقل کی گئی ہیں۔

صفحات: ۳۲۰، قیمت: ۱۰۰/روپے ناشر: فرید بک ڈپو دہلی

❑ مشعلِ راہ:

یہ کتاب بھی ماہنامہ ندائے شاہی مرادآباد کے اِدارتی مضامین ''نظر وفکر'' کا مجموعہ ہے، جس میں جون ۲۰۰۵ء سے ستمبر ۲۰۰۸ء تک کے مضامین شامل کئے گئے ہیں، اِس مجموعے میں خاص طور پر اُمت میں رائج کج فکری اور بدعملی پر نکیر سے متعلق مستند تحریریں شامل ہیں، جو علماء اور عوام سبھی کے لئے مفید ہیں۔ صفحات: ۴۰۰، ناشر: مرکز نشر وتحقیق لالباغ مرادآباد

❑ نظر کی پاکیزگی:

حیا اور پاک دامنی کے بارے میں اِسلام کی پاکیزہ تعلیمات سے متعلق اِس رسالہ میں مفید اور مستند معلومات جمع کردی گئی ہیں، یہ رسالہ اس قابل ہے کہ گھر گھر پہنچایا جائے؛ تاکہ فواحش کا سدِ باب ہوسکے۔

❑ نورنبوت:

یہ رسالہ ۹۹/ قیمتی اَحادیثِ طیبہ اور اُن کی مختصر تشریحات پر مشتمل ہے۔ جو حضرات

اَحادیثِ شریفہ کو یاد رکھنا چاہیں، اُن کے لئے یہ بہت مفید اور نفع بخش مجموعہ ہے۔

صفحات: ۲۰۷، ناشر: مرکز نشر و تحقیق لالباغ مرادآباد

❑ اِسلام کی اِنسانیت نوازی:

اِس مختصر رسالہ میں اختصار کے ساتھ اسلام کی اِنسانیت نواز تعلیمات کو بہت خوش اُسلوبی کے ساتھ اُجاگر کیا گیا ہے، اور اِسلام پر کئے جانے والے اعتراضات کا مناسب جواب دیا گیا ہے۔

❑ درسِ سورۂ فاتحہ:

یہ رسالہ سورۂ فاتحہ کی تفسیر پر مبنی مرتب کے درسی اِفادات پر مشتمل ہے، یہ ہفتہ واری درس ہر پیر کو عصر کے بعد مدرسہ احسن البنات محلّہ طویلہ میں گذشتہ بیس سال سے جاری ہے، فالحمدللہ۔ صفحات: ۲۷

سیر وسوانح:

❑ ذکرِ رفتگاں:

یہ ماہ نامہ ''ندائے شاہی'' مرادآباد میں گذشتہ (۱۹۸۹ء تا ۲۰۰۴ء) میں وفات پانے والی اُمت کی اہم اور مؤقر شخصیات پر شائع شدہ تعزیتی مضامین کا بیش قیمت مجموعہ ہے، جس میں تقریباً ڈیڑھ سو حضرات کے مختصر سوانحی خاکے اور تأثرات جمع ہوگئے ہیں، تذکرۂ اکابر کے شائقین کے لئے یہ بیش بہا تحفہ اور سیر وسوانح کے باب میں قیمتی معلومات کا ذخیرہ ہے، جس کا مطالعہ انشاء اللہ ذہن میں تازگی اور روح میں بالیدگی کا سبب ہوگا۔

صفحات: ۵۶۸، ملنے کا پتہ: فرید بک ڈپو دہلی وغیرہ

❑ تذکرۂ فدائے ملتؒ:

یہ امیر الہند، فدائے ملت حضرت مولانا سید اسعد صاحب مدنی نور اللہ مرقدہ صدر جمعیۃ علماء ہند کی یاد میں منعقدہ فدائے ملت سیمینار (منعقدہ ۲۰۰۸ء) میں پیش کردہ مقالات کا بہترین مجموعہ ہے، جس میں نہ صرف حضرت فدائے ملتؒ کے حالات اور قابلِ تقلید روشن کارنامے جمع ہوگئے ہیں؛ بلکہ ملتِ اسلامیہ ہند کی گذشتہ نصف صدی کی تاریخ کے اہم پہلو بھی اس مجموعۂ مضامین

میں جا بجا بکھرے ہوئے ہیں۔ اکابر کی سوانح سے دل چسپی رکھنے والوں کے لئے یہ ایک قیمتی سوغات ہے، جسے جمعیۃ علماء ہند نے بہت اہتمام سے شائع کیا ہے، اور مختصر مدت میں اس کے کئی ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔ صفحات: ۱۲۰۰، ناشر: جمعیۃ علماء ہند

□ فدائے ملت نمبر (ندائے شاہی):

حضرت فدائے ملت مولانا سید اسعد صاحب مدنی نور اللہ مرقدہٗ کی حیاتِ طیبہ اور خدماتِ عالیہ پر یہ ایک تاریخی اور جامع دستاویز ہے، جس میں نصف صدی کی ملی تاریخ کے اہم واقعات یکجا ہوگئے ہیں۔ اس ضخیم نمبر کے صفحات کی تعداد ۸۸۷ ہے۔

□ مشاہدات وتأثرات:

یہ کتاب حضرت مولانا سید حمید الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں مختلف حضرات کے تأثراتی مضامین کا مجموعہ ہے، جسے مرتب نے حضرت مولانا سید رشید الدین حمیدیؒ سابق مہتمم جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد کے حکم سے ترتیب دیا تھا۔

□ خصوصی ضمیمہ:

جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد کے مایۂ ناز مہتمم حضرت مولانا سید رشید الدین حمیدیؒ کی وفات پر یہ ضمیمہ شائع کیا گیا تھا، جس میں حضرت موصوف کی گراں قدر خدمات اور تأثراتی مضامین کا احاطہ کیا گیا ہے۔

□ تحریک ریشمی رومال؛ ایک مختصر تعارف:

شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ کی اِنقلابی تحریک ریشمی رومال کے متعلق تاریخی اور دستاویزی معلومات پر مشتمل یہ مقالہ مرتب نے طالبِ علمی کے زمانہ میں شیخ الہند سیمینار (منعقدہ جنوری ۱۹۸۶ء) کے لئے لکھا تھا، جو بعد میں رسالہ کی شکل میں شائع کیا گیا، اور موقع بموقع ہندوپاک میں اس کی اِشاعت ہوتی رہتی ہے۔ صفحات: ۴۱، ناشر: جمعیۃ علماء ہند

□ پیکرِ عزم وہمت، اُستاذ اور شاگرد:

شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن دیوبندی اور شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی

نوراللہ مرقدہما کی سبق آموز حیاتِ طیبہ پر مشتمل کئی قیمتی مضامین اِس مختصر رسالہ میں شامل ہیں، جن کا مطالعہ علماء اور طلباء کے لئے بالخصوص مفید ہے۔

صفحات:۸۰، ناشر: مرکزنشر وتحقیق لال باغ مرادآباد، ملنے کا پتہ: کتب خانہ نعیمیہ دیوبند

تاریخ:

❑ تحریک آزادیٔ ہند میں مسلم عوام اور علماء کا کردار:

ہندوستان کی تحریکات آزادی میں شروع سے لے کر اخیر تک مسلم عوام اور علماء نے جو عظیم ترین قربانیاں پیش کی ہیں، اُن کو نہایت اختصار اور جامعیت کے ساتھ سوال و جواب کے انداز میں اِس کتاب میں جمع کردیا گیا ہے۔ انداز نہایت دلچسپ ہے، اور ہر بات حوالہ سے مدلل ہے۔ کتاب کے اَخیر میں مولانا معزالدین احمد صاحب کے قلم سے اُن حضرات کا جامع تعارف بھی شامل ہے، جن کا نام کتاب کے اندر کسی نہ کسی عنوان سے آیا ہے، اپنے اسلاف کے کارناموں سے واقفیت کے لئے نئی نسل کے حضرات کو اِس کتاب کا ضرور مطالعہ کرنا چاہئے۔

صفحات:۲۲۸، ناشر: مرکزنشر وتحقیق لال باغ مرادآباد، ملنے کا پتہ: کتب خانہ نعیمیہ دیوبند

❑ تاریخ شاہی نمبر (ندائے شاہی):

جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی کی سواسو سالہ تاریخ پر مبنی یہ نمبر دستاویزی حیثیت کا حامل ہے، اور نادر و نایاب تاریخی معلومات کو شامل ہے، اِس کی اہمیت کا اندازہ باذوق حضرات ہی لگا سکتے ہیں۔

ردِ قادیانیت:

❑ ردِ مرزائیت کے زریں اُصول:

یہ سفیرِ ختم نبوت حضرت مولانا منظور احمد صاحب چینوٹیؒ (پاکستان) کے اُن تربیتی محاضرات کا مجموعہ ہے، جو موصوف نے ۱۴۰۹ھ کو دارالعلوم دیوبند میں رونق اَفروز ہوکر علماء وطلباء کے بڑے مجمع کے سامنے دئے تھے۔ اُنہیں مرتب نے اپنے رفقاء: مولانا شاہ عالم گورکھپوری اور مولانا عزیز الحق

صاحب اعظمی کے تعاون سے ازسرنوترتیب دیا، اصل کتابوں سے مراجعت کرکے حوالہ جات نوٹ کئے، اور پھر صاحبِ محاضرات کی نظر کے بعد اُسے شائع کیا گیا، یہ اپنے موضوع پر ایک جامع کتاب ہے، جس کے متعدد ایڈیشن ہندوپاک میں شائع ہوچکے ہیں۔

صفحات:۲۱۶، شائع کردہ: کل ہند مجلس تحفظ ختم نبوت دارالعلوم دیوبند

❑ قادیانی مغالطے:

یہ مختصر رسالہ اُن ہرزہ سرائیوں کے جوابات پر مشتمل ہے، جو قادیانی لوگ عام مسلمانوں کو بہکانے اور شکوک وشبہات میں مبتلا کرنے کے لئے عوام میں پھیلاتے رہتے ہیں۔ مرزائیوں کی تلبیسات کا اِس رسالہ میں مضبوط جواب دیا گیا ہے۔

صفحات:۱۲۴، شائع کردہ: کل ہند مجلس تحفظ ختم نبوت دارالعلوم دیوبند

❑ منامی بشارتیں:

یہ مختصر رسالہ اُن منامی بشارتوں پر مشتمل ہے جو تحفظ ختم نبوت کے لئے کام کرنے والوں کے بارے میں معتبر ذرائع سے معلوم ہوئی ہیں، اُن کے مطالعہ سے اِس عظیم خدمت میں لگے ہوئے لوگوں کو حوصلہ ملتا ہے، اور عزم وہمت میں اضافہ ہوتا ہے۔

❑ مہدیٔ موعود:

مسیلمۂ پنجاب مرزا غلام احمد قادیانی کے دعویٔ مہدویت کی تردید پر مبنی یہ رسالہ کل ہند مجلس تحفظ ختم نبوت دارالعلوم دیوبند کی طرف سے شائع کیا گیا ہے، اِس رسالہ میں اختصار کے ساتھ یہ ثابت کیا گیا ہے کہ مرزا غلام احمد قادیانی ہرگز ہرگز وہ مہدی نہیں ہوسکتا، جس کے ظہور کی خبر اَحادیث میں دی گئی ہے۔

❑❖❑

رابطہ:

محمد ابوبکر صدیق منصورپوری 08791034667 محمد اسجد قاسمی 09058602750